صدیوں پر محیط ایک ناقابل فراموش داستان

صدیوں کا بیٹا

ایم۔اے راحت

پیش لفظ

دوستوں کی دیرینہ فرمائش تھی کہ "صدیوں کا بیٹا" کتابی شکل میں شائع ہو۔ جاسوسی ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی اس سلسلے وار کہانی کی اپنی تاریخ بھی بہت دلچسپ ہے۔ اس کی زندگی میں خود بھی بہت انوکھے ادوار آئے ہیں۔ اس داستان کا بنیادی مقصد تاریخ انسانی جیسے خشک موضوع کو دلچسپ پیرائے میں بیان کرنا تھا اور اس داستان کا دور ہماری کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آج بھی ایم اے راحت کا نام سن کر لوگ پوچھتے ہیں کہ "صدیوں کا بیٹا"۔ وسیع و عریض ہندوستان کے طول و عرض میں اس کہانی کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہاں کے ڈائجسٹ نے اسے کسی غیر ملکی زبان کی کتاب کی حیثیت سے چھاپنا شروع کر دیا۔ وہ لکھتے تھے۔ تحریر ایم اے آر ترجمہ نور احمد۔ اب ان نور احمد کو کیا کہا جائے۔ خدا کے فضل سے یہ ایک طبع زاد تحریر تھی۔ پاکستان میں بھی ایک بوجھ بجھکر دور کی کوڑی لائے اور انہوں نے چند صفحات کی ایک کتاب تلاش کر کے دعویٰ کیا کہ صدیوں کا بیٹا اس سے ماخوذ ہے لیکن افسوس۔ تین قسطوں میں وہ کتاب شائع کر کے وہ بھی بیٹھ گئے اور اس کے بعد صدیوں کا بیٹا مزید پانچ سال تک لکھی جاتی رہی۔ ایک اور پاکستانی ڈائجسٹ نے اس کہانی کے اختتام پر عوام کی پسند سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی سے یہ داستان لکھوائی اور اس انداز میں لکھوائی کہ صدیوں کا بیٹا کی پرانی قسطوں سے جو کچھ لے سکے اسے نیا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی۔ یہی نہیں انہوں نے اس نقلی بیٹے کو کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا۔ میرے بہت سے دوستوں نے اس بات پر مجھ سے استفسار کیا۔ غرض ہے کہ میرا اس نقلی کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سلسلے کا سارا حساب کتاب ان حضرات کے سر ہے۔ ان کا پتا آپ کو معلوم ہوگا۔ بہرحال "صدیوں کا بیٹا" کتابی شکل میں پیش خدمت ہے آپ کے لئے۔

ایم اے راحت

دیو ہیکل طیارہ تین سو مسافروں کے بارگراں کو اٹھائے آسمان کی وسعتیں ناپ رہا تھا۔ اس کے جدید ترین، پرسکون ماحول میں مسافر اپنی سیٹوں پر آرام سے دراز تھے۔ خوبصورت اور اسمارٹ ائیر ہوسٹس اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول تھیں اور پائلٹ روم میں چار ماہر ہواباز پوری طرح مستعد تھے۔ نیو یارک ائیر پورٹ سے پرواز کئے ہوئے پورے سات گھنٹے گزر چکے تھے اور ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد طیارے کو ایک اور بین الاقوامی ائیر پورٹ پر اترنا تھا جہاں تھوڑی دیر کے قیام کے بعد اسے آگے روانہ ہونا تھا۔

پرسکون ماحول میں سفر کرنے والے مسافر اپنی سیٹوں پر دراز سو رہے تھے۔ سوچ رہے تھے اور اپنے ہمسفروں سے گفتگو کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی زندگی کی حفاظت ان چاروں ہوابازوں کے سپرد کر دی تھی جو بلاشبہ ماہر فن تھے اور خود مطمئن ہو گئے تھے۔ پائلٹ کیبن میں مصروف ہواباز طیارے کی پرواز سے مطمئن تھے۔ صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تھا جس کے بعد انہیں کچھ دیر آرام کا موقع ملنے والا تھا۔ وہ اس ایک گھنٹہ کے سفر کو کامیابی سے جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن قدرت ان کے اس ارادے کے خلاف تھی۔ حالات ایک پراسرار کہانی کو جنم دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

چنانچہ طیارے نے آٹھویں گھنٹے کے پہلے آٹھ منٹ کا سفر طے کیا تھا کہ طیارے کے آلات ایک خوفناک طوفان کی نشاندہی کرنے لگے۔ ریڈار طوفان کی سمت کا اشارہ کرنے لگے اور پائلٹ چونک پڑے۔ انہوں نے طیارے کی تیز رفتار کنٹرول کی۔ طوفان کی نشاندہی کے بعد تیز پرواز ہوابازی کے اصول کے خلاف تھی۔ رفتار کنٹرول کرنے کے بعد انہوں نے دوسرے آلات سے طوفان کی قسم اور اس کی شدت کا جائزہ لینا شروع کیا اور طوفان کی کیفیت معلوم کر کے ان چاروں کی آنکھوں میں تشویش کے آثار ابھر آئے۔ طوفان اسی فضائی پٹی پر تھا جہاں سے وہ گزر رہے تھے اور جہاں انہیں اپنا باقی سفر جاری رکھنا تھا اور اس قدر شدید تھا کہ اس میں طیارے کو گزارنا انتہائی خطرناک تھا۔ چنانچہ وہ چاروں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

''جس علاقے میں طوفان ہے اور جس لائن سے ہم گزر رہے ہیں یہاں پہاڑ نہیں ہیں اور ایسی کوئی بلندی نہیں ہے جس سے طیارے کو نقصان پہنچ سکے۔ چنانچہ کیوں نہ نیچی پرواز کر کے گزر جائے۔'' ایک پائلٹ نے رائے دی۔

''مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔ طوفانی جھکڑ طیارے کے توازن کو خراب کر سکتے ہیں اور پھر آلات کے مطابق فضا اس قدر گدلی ہے کہ ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ہم زیادہ بلندی سے پرواز کریں اور طوفان کے اوپر سے گزر جائیں۔'' ایک دوسرے پائلٹ نے کہا۔

''اور مجھے تم دونوں سے اختلاف ہے۔'' تیسرے پائلٹ نے کہا جو عمر میں باقی تینوں سے بڑا اور تجربہ میں ان سے زیادہ تھا۔

''تب پھر کیا رائے ہے مسٹر سکو'..... چوتھے پائلٹ نے جو ابھی تک خاموش تھا، بے چینی سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے رخ بدل دیا جائے۔ ہمیں یہاں خود اعتمادی سے کام لینا ہوگا۔ طوفان کی شدت بتاتی ہے کہ ہمیں اس لائن سے گزرتے ہوئے سخت خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یوں بھی کنٹرول ٹاور کو طوفان کی اطلاع مل چکی ہوگی۔ فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہے۔ اسی سست رفتاری سے سفر جاری رکھتے ہوئے کنٹرول ٹاور سے رابطہ کیوں نہ قائم کیا جائے۔ ممکن ہے وہاں سے ہمیں ہدایات ملیں۔''

''ٹھیک ہیں ـــــــ مائیکل پلیز۔''

''یس آفیسر۔'' نوجوان پائلٹ نے کہا اور وہ کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کرنے لگا لیکن وائرلیس پر گڑگڑاہٹ اور ہوا کے شور کے علاوہ کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بڑی بڑی چٹانیں لڑھک رہی ہوں۔ پائلٹ کوشش کرتا رہا لیکن کئی منٹ کی کوششوں کے بعد بھی ناکامی کا منہ ہی دیکھنا پڑا۔ دوسرے پائلٹ بھی اس صورت حال کو دیکھ رہے تھے۔ نوجوان پائلٹ نے بے بسی سے دوسرے لوگوں کو دیکھا اور پھر وائرلیس سیٹ آف کر دیا۔

''طوفان کی شدت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ کیا اب بھی ہم اس طوفان سے مقابلہ کر کے مسافروں کی زندگیاں خطرے میں ڈال سکتے ہیں؟''

''قطعی نہیں۔'' دوسرے دو پائلٹوں نے کہا۔

''چنانچہ فوری طور پر رخ بدل دیا جائے۔'' تجربہ کار پائلٹ نے کہا۔ ''خواہ ہمیں طویل سفر کرنا پڑے۔''

''اوکے۔'' دوسرے پائلٹوں نے کہا اور جہاز کا رخ غیر محسوس انداز میں بدل دیا گیا۔ چاروں کے چہروں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ چند ساعت کے بعد ایڈمنڈ سکو نے نوجوان پائلٹ کو ہدایت کی کہ وہ وائرلیس آن رکھے اور کسی بھی ملک کے کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کرے۔ اگر رابطہ قائم ہو جائے تو اسے اپنے بارے میں بتائے اور پائلٹ نے اس حکم کی فوری تعمیل کی۔ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ چاروں پائلٹوں نے الگ الگ فرائض سنبھال لئے اور مستعدی سے مسافروں کو کسی بھی منزل پر پہنچا دینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

لیکن ابھی چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ طیارے کے آلات اس سمت میں بھی طوفان کی نشاندہی کرنے لگے اور پائلٹ بوکھلا اٹھے۔ طوفان کی شدت اس طرف بھی اتنی ہی تھی جتنی دوسری سمت، چنانچہ فوری فیصلے کے تحت ایک بار پھر جہاز کا رخ بدل گیا۔ اب وہ تقریباً اسی طرف چل پڑے جدھر سے آ رہے تھے۔ اب رخ کا تعین بے کار تھا۔ جہاں بھی موت سے پناہ ملے۔ جس جگہ بھی جہاز کو اتارنے کا موقع مل جائے۔ نوجوان پائلٹ مسلسل وائرلیس پر چیخ رہا تھا۔ وہ ہر ایک ملک کو اپنے طوفان میں گھر جانے کی اطلاع دے رہا تھا لیکن طوفان کے شور میں خود اس کی اپنی آواز دبی جا رہی تھی اور اس وقت ہوا بازوں کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی جب انہوں نے اس لائن میں طوفان کے آثار نوٹ کئے۔

''قدرت ہم سے کوئی امتحان لینا چاہتی ہے۔'' ایڈمنڈ سکو نے مایوسی سے کہا۔ ''اب بتاؤ کیا کیا جائے۔''

''ایسی صورت میں مسافروں کو حالات سے بے خبر رکھنا نامناسب ہے جناب۔'' مائیکل نے کہا۔

''ابتری پھیل جائے گی اور ہم سکون سے کام نہ کر سکیں گے۔'' تیسرے پائلٹ راڈرک نے تشویش سے کہا۔

''لیکن انہیں بے خبر رکھنا خلاف قانون ہے۔ ہیڈ اسٹیورٹ کو بلاؤ۔'' ایڈمنڈ سکو نے کہا اور چوتھا پائلٹ والکوب ایک بٹن دبانے لگا۔ چند لمحات کے بعد ایک طویل القامت اور متناسب الاعضا ہوسٹس مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی لیکن وائرلیس پر سنائی دینے والی خرخراہٹ اور ہوا بازوں کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''یس پلیز۔'' اس نے ایک ایک کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جہاز ایک خوفناک طوفان میں گھر گیا ہے۔ یہ طوفان چاروں طرف سے امڈ رہا ہے۔ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ آنے والے چند لمحات کیا

ہوں۔ بحالت مجبوری ہم نے مسافروں کو اس بارے میں یہ اطلاع دینے کا فیصلہ کیا کہ وہ ہوشیار رہیں اور بے خبری میں آنے والے طوفان سے بدحواس نہ ہو جائیں۔ ہم جہاز کو تیسری سمت لے جانے کی کوشش کریں گے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے طوفان چاروں طرف ہے۔ بہرحال مختصراً یہ کہ آپ انتہائی سکون سے مسافروں کو طوفان کی اطلاع دے دیں اور انہیں بدحواس نہ ہونے دیں۔ کیا آپ یہ کام بہتر طور سے کرسکتی ہیں؟''

''یقیناً۔'' ہیڈ اسٹیورٹ نے کہا۔ ''کیا میں جاؤں؟''

''ہاں۔'' ایڈمنڈ سسکو نے کہا اور خوبصورت ہوسٹس پائلٹ کیبن سے باہر نکل آئی۔ گو اس کی اپنی حالت اچھی نہیں تھی لیکن اس کا فرض اسے مسکرانے پر مجبور کررہا تھا۔ اس نے ہوسٹس اسٹینڈ کے نزدیک پہنچ کر مائیک اٹھایا اور شیریں لہجے میں بولی۔

''ان سے معذرت خواہ ہوں جو گہری نیند میں ہیں لیکن جاگنا ضروری ہے۔ سفر مختصر ہے کیوں نہ ان لمحات کو دلکش بنانے کی کوشش کی جائے۔ کیا میرے کرم فرما میری طرف توجہ دیں گے۔''

جہاز کے مسافر آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہوسٹس نے دوسری لڑکیوں کو بھی اپنے قریب بلا لیا اور پھر انہیں ترتیب سے کر کے مائیک دوبارہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔ مسافروں کو دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ جو لوگ اونگھ رہے تھے وہ بھی جاگ اٹھے تھے۔

''ہوائیں تیز ہیں اور باہر کا موسم زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ ممکن ہے طیارے کو اپنا پروگرام ملتوی کر کے کسی دوسرے ائیرپورٹ تک جانا پڑے۔ منزل کی طلب آپ کے ذہنوں کو پراگندہ کر دے گی اور اس سے کچھ دیر کے لئے دور ہو جانے سے آپ اداس ہو جائیں گے۔ ہم نے اس اس اداسی کو دور کرنے کے لئے ایک محفل طرب ترتیب دی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس پروگرام سے محظوظ ہوں گے لیکن اس سے قبل ضروری ہے کہ تیز ہواؤں سے بچنے کا انتظام کرلیا جائے۔ براہ کرم اپنی حفاظتی پیٹیاں کس لیں۔''

درحقیقت انداز بیان خوب تھا۔ مسافروں نے حالات کی نزاکت کو محسوس بھی نہ کیا اور اپنی اپنی حفاظتی پیٹیاں کس لیں۔ وہ دلچسپ نظروں سے ان خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے جو ان کی دلبستگی کا سامان کررہی تھیں۔

''طوفان آتے رہتے ہیں۔ یہ کم ظرف طوفان سمجھتے ہیں کہ اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو خس و خاشاک بنا دیں گے۔ یہ چیختے ہیں، چنگھاڑتے ہیں، تباہی مچاتے ہیں اور پھر موت کی آغوش میں جا سوتے ہیں۔ دنیا اسی طرح قائم ہے اور قائم رہے گی۔ بہرحال تیز ہواؤں کے اختتام پر ہم آپ کو طوفان کے گیت سنائیں گے لیکن شرط یہی ہے کہ طوفان کے غرور کو توڑنے میں آپ ہماری مدد کریں۔''

''کیا طوفان بہت سخت ہے۔'' کسی نے پوچھا۔

''کم ظرف ہمیشہ طاقت پر ناز کرتے ہیں لیکن اس طاقت سے خوفزدہ ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ بہرحال اسے اپنی موت مرجانا ہے۔''

کچھ لوگوں نے اپنے برابر کی کھڑکیوں کے ریشمی پردے ہٹائے اور باہر کا منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ جہاز طوفان کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ چاروں طرف طوفان کا راج تھا۔ بجلیاں لہرا رہی تھیں اور لہراتی روشنیوں میں سیاہ بادلوں کے غول مست ہاتھیوں کی طرح جھومتے نظر آرہے تھے۔

''طوفان واقعی بہت خوفناک ہے۔'' کسی نے کہا اور لوگوں کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار نظر آنے لگے۔ سب جاگ گئے تھے۔ سب کو

طوفان کا علم ہو گیا تھا لیکن ہوسٹس کی کوششوں نے ان میں ہراس نہ پیدا ہونے دیا۔ اب ان کی توجہ ہوسٹس کی باتوں سے ہٹ کر طوفان کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ تقریباً سبھی کھڑکیوں میں لگے شیشوں سے طوفان کا بھیانک منظر دیکھ رہے تھے۔ کیا خوفناک منظر تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ جہاز کے اندر انہیں طوفان کا شور نہیں سنائی دے رہا تھا ورنہ بہت سے لوگ تو وہ آواز ہی سن کر خوف سے مر جاتے۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ الامان الحفیظ۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین و آسمان آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔

پائلٹ کیبن میں چاروں ہوا باز اپنی زندگی کی سب سے سخت آزمائش میں مبتلا تھے۔ انہیں علم ہو گیا تھا کہ طوفان کی شدت کے سامنے یہ حقیر جہاز ایک تنکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ گو جہاز کے طاقتور انجن طوفان کے سینے میں شگاف کر کے جہاز کو آگے بڑھا رہے تھے لیکن اس کی رفتار نہ ہونے کے برابر تھی۔ آٹھوں انجن چلا دیئے گئے تھے لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ ہوا کا خوفناک دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور کسی بھی وقت ونڈ شیلڈ کے ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ سب سے قیامت خیز بجلیاں تھیں جو جہاز پر حملہ کر رہی تھیں۔ جدید ترین برق شکن آلات ابھی تک طوفان کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن کیا ضمانت تھی کہ وہ بھی ناکارہ نہ ہو جائیں گے۔

اور بجلیوں کے ان خوفناک حملوں سے پریشان ہو کر بالآخر ایڈمنڈ سسکو نے جہاز کی بلندی کم کرنے کو کہا۔ دوسرے پائلٹوں نے اس کے حکم کی تعمیل تو کی تھی لیکن کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ اس تاریک جہنم میں جہاز کب کس بلند پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ یہ خطرہ موجود تھا۔ بجلیوں کی تیز روشنیوں میں کبھی کبھی ماحول روشن ہو جاتا تھا اور بلند پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن اوپر بھی موت تھی اور نیچے بھی۔ فیصلہ نہ کیا جا سکتا تھا کہ کون سی موت ان کا مقدر بنے گی۔

اور پھر جہاز کو ایک خوفناک جھٹکا لگا اور پائلٹ ایک دوسرے پر لڑھک گئے۔ انہوں نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا لیکن پائلٹ کیبن کو کافی نقصان پہنچ گیا تھا۔ بے شمار ڈائل ٹوٹ گئے تھے۔ شیشے کے ٹکڑے پورے کیبن میں بکھر گئے تھے۔ سمت نما بالکل ناکارہ ہو گیا تھا۔ اور یہ تباہی بجلی کی زبان نے مچائی تھی جو بہرحال برق شکن کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

مسافروں میں چیخ پکار مچ گئی اور ہوسٹس حتی المقدور انہیں پرسکون رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن اب موت سامنے تھی۔ لوگ سب کچھ بھول گئے تھے اور وحشت زدہ شیشوں سے باہر دیکھ رہے تھے۔

پائلٹوں نے سنبھل کر ڈگمگاتے جہاز کو سنبھالا۔ اس کے دو انجن ناکارہ ہو گئے تھے اور یہ صرف ایک حملہ میں ہوا تھا۔ طوفان نہ جانے کب تک رہے گا۔ ابھی تو ابتدا تھی۔ پائلٹ اس بات کو محسوس کر رہے تھے۔

''مائیکل!'' ایڈمنڈ سسکو نے لرزتی آواز میں پکارا۔ اور نوجوان مائیکل اسے دیکھنے لگا۔ ''حالات ضرورت سے زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ جہاز کے مسافروں کو اب زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ کیوں نہ ان لوگوں کو اس بات سے آگاہ کر دیا جائے۔''

''نہیں مسٹر سسکو، میں اس کے خلاف ہوں۔ اگر موت مقدر ہے تو ان لوگوں کو موت سے قبل اس کا خوف کیوں دیا جائے۔ کیا آپ لوگ حالات سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں۔'' تھرڈ پائلٹ راڈرک نے کہا۔

''ہاں! حالات اب ہمارے کنٹرول سے باہر ہو چکے ہیں۔ اب تو ہم کسی سمت کا بھی اندازہ نہیں کر سکتے۔ نہ جانے ہم کہاں ہیں، جہاز کا رخ کس طرف ہے۔''

''گویا موت بالکل قریب ہے؟'' راڈرک نے دیوانگی سے پوچھا۔ اور دوسرے لوگ اس قوی ہیکل نوجوان کو دیکھنے لگے، جو خاموش طبع اور متین تھا لیکن اس وقت اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

''ہاں، موت قریب ہے۔ راڈرک۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ حواس کھو دیئے جائیں۔ آخر ایک دن سب کو مرنا ہے۔'' ایڈمنڈ مسکو نے کہا۔

''آپ کا خیال غلط ہے جناب۔'' راڈرک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دراصل میری خواہش ہے کہ جہاز کو ایک ناکارہ چیز سمجھ کر میرے حوالے کر دیا جائے۔ موت نے ہم پر حملہ کیا ہے۔ ہم اس سے بھرپور مقابلہ کر کے خود کو اس کے حوالے کریں گے۔''

''اوہ! تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہارے ذہن میں کوئی خیال ہے تو ہم تم سے تعاون کریں گے۔''

''آپ میرے خیال کو دیوانگی کہیں گے۔ میں جو کچھ کروں گا تجربے اور ہوابازی کے اصول کے خلاف ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ اس مشکل میں بھی آپ مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''تم بتاؤ تو ہمیں۔'' ایڈمنڈ نے کہا۔ اور ایک بار پھر انہیں خود کو مضبوطی سے سنبھالنا پڑا۔ جہاز کے کسی حصے پر دوبارہ بجلی گری تھی۔ لیکن راڈرک نے انہیں کچھ بتانے کی زحمت نہ کی۔ وہ تھراٹل کی طرف بڑھا اور اس نے اسے انتہائی اوپر تک کر دیا۔ جہاز کا اگلا حصہ آسمان کی طرف بلند ہو گیا اور اب وہ اوپر اٹھ رہا تھا۔ بالکل کسی راکٹ کی طرح۔ مسافر کرسیوں سے چپک گئے تھے۔ ہوسٹس جہاز کے آخری حصے میں گر پڑی تھیں اور انہیں کافی چوٹیں آئی تھیں۔ خود پائلٹ کیبن کے دروازے پر جا گرے تھے۔ اب جہاز ایک کنوئیں کی طرح تھا جس کی دیواروں میں نصب شدہ کرسیوں میں انسان لٹک رہے تھے۔ اگر مضبوط چمڑے کی پٹیاں انہیں سنبھالے نہ ہوتیں تو وہ سب جہاز کی دم میں بھرے ہوتے۔

''راڈرک۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ جہاز سیدھا کرو۔'' ایڈمنڈ اپنے اوپر سے دوسرے پائلٹوں کو دھکیلتا ہوا بولا۔

''اگر تم لوگوں میں سے کسی نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کر دوں گا۔'' راڈرک نے دیوانگی سے کہا۔ وہ جہاز کے تھراٹل سے لٹکا ہوا تھا اور ایک ہاتھ سے جہاز کی رفتار مسلسل تیز کرتا جا رہا تھا۔ پائلٹوں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ خود وہ اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دماغ سنسنا رہے تھے آنکھوں میں تاریکی پھیلتی جا رہی تھی اور جہاز کسی راکٹ کی طرح آسمان پر اٹھ رہا تھا۔ اس وقت اگر بجلی کی کوئی لہر اسکے اوپری حصے کو چوم لیتی تو وہ اس کا آخری بوسہ ہوتا۔ اس کے بعد جہاز کا وجود باقی نہ رہتا۔ لیکن برقی جھکڑوں کے تمام نشانے خالی جا رہے تھے۔ البتہ اگر جہاز سیدھی حالت میں ہوتا تو اب تک ان کے کئی حملے کامیاب ہو چکے ہوتے۔

نہ جانے کتنی بلندی تک وہ اسی طرح اٹھتا رہا۔ مسافروں کے دم گھٹے جا رہے تھے اور پھر راڈرک نے دوسری کوشش کی۔ اس نے تمام تھراٹل جھکا دیئے اور ایک بار پھر خوفناک افراتفری مچ گئی۔ بہت سے مسافر زخمی ہو گئے تھے۔ ایک ہوسٹس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ پائلٹ بھی جہاز کے انجن سے ٹکرائے تھے۔ مائیکل کا سر پھٹ گیا تھا۔ چنانچہ ایڈمنڈ اور والکوب دیوانہ وار راڈرک پر جھپٹے۔ انہوں نے اس دیوانے کو قابو

میں کرنے کی کوشش کی۔ لیکن راڈرک ان چاروں میں سے کم عمر سب سے قوی ہیکل تھا۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت بالکل درست نہ تھی۔ اس کے طاقتور گھونسے نے والکوب کو کئی فٹ اچھال دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے ایڈمنڈ کی گردن پکڑ لی تھی۔

''میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں مسٹر ایڈمنڈ۔ براہ کرم اس وقت صرف وہ ہونے دیجئے جو میں چاہ رہا ہوں'' اس نے خونخوار لہجے میں کہا اور ایڈمنڈ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''شکریہ'' راڈرک نے اس کی گردن چھوڑ دی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ جہاز تیز رفتاری کی آخری حدوں کو چھونے لگا۔ اس کے انجنوں سے شعلے نکلنے لگے۔ لیکن راڈرک کو کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اب وہ جہاز کو نیچے اور نیچے اتار رہا تھا اور چند منٹ کے بعد ان سب نے محسوس کیا۔ کہ طوفان پیچھے رہ گیا ہے۔ وہ جہاز کا تعاقب کرنے میں ناکام رہا تھا اور یہ احساس حیرت انگیز تھا۔ یہ احساس جسموں میں مسرت کی لہریں پیدا کرنے والا تھا کہ انہوں نے طوفان کو شکست دیدی ہے۔ وہ طوفان کے چنگل سے نکل آئے ہیں اور اب طوفان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا زخمی ہونے کے باوجود ان کے دلوں میں نئی امنگیں پیدا ہو گئیں۔ ان کے جسموں میں پھرتی آ گئی۔ انہوں نے حواسوں میں آ کے اپنا کام سنبھال لیا۔ لیکن جہاز کی کیفیت دیکھ کر ان کے ہوش گم ہو گئے۔ صرف دو انجن کام کر رہے تھے۔ ایندھن کی مقدار بتانے والی سوئی بے جان ہو چکی تھی۔ گویا ایندھن ختم ہو چکا ہے۔ اور جہاز صرف ریزرو میں چل رہا ہے۔ دو انجن تباہ ہو چکے ہیں۔ اور باقی دو انجن بالکل بے کار ہیں۔ وہ کتنی دیر تک ساتھ دیں گے۔

اس خوفناک صورت حال کے بعد پہلی بار جس چیز کا جائزہ لینا تھا وہ جہاز کی بلندی تھی۔ ایڈمنڈ سسکو نے بلندی کے آلے کا جائزہ لیا۔ اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ جہاز زمین سے صرف پچاس فٹ اوپر تھا۔ معجزہ ہی تھا۔ ہاں۔ یہ معجزہ تھا کہ ابھی تک جہاز کے پرخچے نہیں اڑے تھے۔ انہوں نے آنکھیں صاف کر کے ونڈ شیلڈ سے دوسری طرف دیکھا۔ تا حد نگاہ سفید میدان نظر آ رہے تھے۔

''برف۔'' ان کے ذہن میں تصور ابھرا۔ وہ کسی برفانی علاقے میں ہیں۔ مگر کیا ان برف کے میدانوں میں طیارہ باحفاظت اتر سکے گا۔ اگر اتر نہ سکا تو گر پڑے گا۔ ایڈمنڈ سسکو کو خود ہی اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ دیر کرنا موت کو قریب تر لانا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی نرمی سے راڈرک پر اپنا مافی الضمیر واضح کر دیا اور راڈرک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ کا مشورہ درست ہے مسٹر سسکو۔ یہ لیجئے۔'' اس نے طیارے کو پھر خوفناک انداز میں نیچے جھکا لیا اور اس کے ساتھ ہی انجن بند کر دیئے۔ طیارے نے برف سے ایک خوفناک رگڑ کھائی اور برف کے سفید ذرات کا بادل بلند ہو گیا۔ ونڈ شیلڈ ڈھک گئی اور پھر طیارہ حیرت انگیز طور پر رک گیا۔ نہ جانے کیسے؟ لیکن بہر حال رک گیا تھا۔

سسکو نے ایک گہری سانس لی۔ وہ راڈرک کی بے مثال جرأت پر دنگ تھا۔ درحقیقت اس وقت راڈرک جیسا آدمی ہی اس بیدردی سے طیارے کو زمین پر دے مار سکتا تھا۔ اگر وہ احتیاط سے اسے نیچے اتارنے کی کوشش کرتے تو اتنی آسانی سے کامیابی حاصل نہ ہوتی اور ممکن تھا طیارہ ضائع ہو جاتا۔ اس وقت اندھے اقدامات کی ہی ضرورت تھی۔

وہ سب دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر گہری سانسیں لینے لگے۔ ونڈ شیلڈ برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی طرف توجہ دینا کوئی

ضروری نہیں تھا۔ اس سے قبل مسافروں کی خبر لینی تھی۔ چنانچہ وہ چاروں ہمت کر کے اٹھے اور پائلٹ کیبن کا دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل آئے۔ مسافروں میں سکرات کا عالم طاری تھا۔ کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ زخمی ہوسٹسیں بے ہوش پڑی تھیں۔ بہت سے مسافروں کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ان میں سے اکثر کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ شاید بے ہوش ہو گئے تھے۔ بہت سوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وہ حواس کھو بیٹھے تھے اور ان پر سکتہ طاری تھا۔

''ہماری طرف سے زندہ بچ جانے پر مبارکباد قبول کریں۔ طیارے کو نیچے اتار لیا گیا ہے۔'' ایڈمنڈ سسکو نے ان لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کو تشویش سے دیکھتے ہوئے کہا اور بہت سے بے جان جسموں میں زندگی دوڑ گئی۔

''ہاں۔ بچ گئے۔ بچ گئے ہم۔ بچ گئے۔'' کئی آوازیں ابھریں اور دوسرے لوگ بھی چونک پڑے اور پھر انہوں نے دیوانہ وار پیٹیاں کھول دیں۔ قہقہے لگانے لگے۔ ناچنے لگے۔ ان سب کے اعصاب کشیدہ تھے۔ لیکن اب بھی بہت سے لوگ اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم لوگ ہوسٹسوں کو دیکھو۔ وہ بے چاریاں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے سب سے زیادہ مصیبت کا شکار رہی ہیں۔'' سسکو نے تینوں پائلٹوں سے کہا اور ان تینوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے ہوسٹسوں کو اٹھا اٹھا کر ایک جگہ لٹا دیا۔ دو ہوسٹسیں زندگی کھو بیٹھی تھیں۔ ان میں سے ایک کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ دوسری کا سر پاش پاش ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی لاشوں کو کپڑوں سے ڈھک دیا گیا اور وہ دوسرے مسافروں کا جائزہ لینے لگے۔

پھر سسکو نے مسافروں سے اپیل کی۔ ''ہمارے پاس فرسٹ ایڈ کا کافی سامان موجود ہے۔ براہ کرم آپ سے جو حضرات ڈاکٹر ہوں یا ابتدائی طبی امداد سے واقفیت رکھتے ہوں وہ رضا کارانہ طور پر دوسروں کی مدد کریں۔'' اور اس اپیل پر بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔ انہوں نے سسکو کی بتائی ہوئی جگہ سے فرسٹ ایڈ کا سامان حاصل کیا اور زخمی مسافروں کی مرہم پٹی کرنے لگے۔ سسکو اور اس کے ساتھی بھی تیزی سے مصروف عمل تھے۔ ابھی تک انہوں نے اس جگہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی جہاں طیارہ اترا تھا۔ بہر حال وہ بعد کی بات تھی۔ پہلے مسافروں کی مکمل خبر گیری ضروری تھی۔ یہ بہت ضروری کام تھا۔ جہاز کے مسافر پوری تندہی سے تعاون کر رہے تھے۔ معمولی زخم والوں نے اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوسروں کی مرہم پٹی پر زیادہ توجہ دی تھی اور سب کے تعاون سے وہ بہت جلد حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن پورے مسافروں کے سروے سے چند المناک انکشافات بھی ہوئے تھے۔ مسافروں میں سے تینتالیس افراد حرکت قلب بند ہونے سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ان میں زیادہ عورتیں تھیں اور چند کمزور دل کے مرد بھی تھے۔ دو ہوسٹسیں ہلاک ہوئی تھیں۔ اس طرح مرنے والوں کی تعداد پینتالیس تھی اور بہر حال یہ بڑی تعداد تھی۔ لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ باقی لوگوں کا بچ جانا ہی معجزہ تھا۔

لاشوں کو جہاز کے آخری حصے میں پہنچا دیا گیا۔ سیٹیں کھول دی گئیں۔ چند ہوسٹسیں ہوش میں آ گئی تھیں۔ ہوش آتے ہی انہوں نے اپنے فرائض سنبھال لئے۔ کچن میں گرم کافی تیار ہونے لگی اور پھر وہ مسافروں میں تقسیم کر دی گئی۔ اس کے بعد سسکو راڈرک اور دوسرے پائلٹ طیارے کے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر سسکو کو ہی کچھ خیال آیا اور اس نے

سیٹوں کے برابر والے شیشوں سے دوسری طرف جھانکا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ شیشوں کے دوسری طرف برف اٹی ہوئی تھی اور جس انداز میں برف نظر آ رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ طیارہ کافی حد تک برف میں دھنسا ہوا ہے۔

''والکوب!'' اس نے ایک پائلٹ کو آواز دی اور والکوب جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔'' ونڈ شیلڈ کے وائپر چلا کر اسے صاف کرو۔ میں ایک اور خطرہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''بہت بہتر۔'' والکوب نے خطرے کی وضاحت نہیں طلب کی اور اس کی ہدایت پر عمل کرنے پائلٹ روم میں داخل ہو گیا۔ اس نے وائپر چلانے کی کوشش کی لیکن وائپر کامیاب نہ ہو سکے۔ ونڈ شیلڈ پر بھی برف کی موٹی تہہ تھی جسے طاقتور وائپر صاف نہ کر سکے تب اس نے واپس آ کر سسکو کو اس کے بارے میں بتایا۔

''ہوں۔'' سسکو نے ایک گہری سانس لی اور پھر وہ راڈرک سے مخاطب ہو کر بولا۔'' راڈرک۔ میرا اندازہ ہے کہ طیارہ برف کی کسی پہاڑی میں گھس گیا ہے۔ میں اس کے اس طرح رک جانے کی وجہ سوچ رہا تھا۔ جواب معلوم ہوئی۔ گویا یوں سمجھو کہ ہم برف کی قبر میں دفن ہیں اور اس خطرناک صورتحال کے بھیانک نتائج کا اندازہ تم بخوبی لگا سکتے ہو۔ آکسیجن زیادہ دیر تک ساتھ نہ دے سکے گی اور اس کے بعد پھر وہی بے بسی کی موت!۔''

راڈرک کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار پیدا ہو گئے۔ پھر اس نے کہا۔'' ہم نے انتہائی حد تک اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن صرف ہم لوگ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لئے زندگی بچانے کے لئے جہاز کے مسافروں کو ہماری مدد کرنا ہوگی۔ میرا خیال ہے اب صورت حال مختلف ہے۔ ہم انہیں صاف کہہ دیتے ہیں کہ انہیں ہمارے ساتھ انتھک محنت کرنا ہوگی۔''

''میرا خیال ہے یہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔ لیکن کیا کیا جائے؟''

''یہ سب کچھ آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ ہاں ایک بات اور عرض کروں گا وہ یہ کہ ان حالات میں طیارے کے یہاں سے نکلنے اور اس کی درستگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انجن جل چکے ہیں اور ایندھن ختم ہو گیا ہے۔ البتہ ہمارے وائرلیس کام کر سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے ہم امدادی پارٹیوں کو طلب کریں گے لیکن ایسی صورت میں جبکہ ہمیں کھلی ہوا میں پہنچنے کا موقع مل سکے۔''

''لیکن پروگرام کیا ہے راڈرک؟''

''ہم برف میں سرنگ بنائیں گے جو ہمیں باہر تک پہنچا دے اور اس کیلئے ہمیں یہ سیٹیں توڑ کر ان کے پائے وغیرہ نکالنے پڑیں گے جن سے برف کھرچی جا سکے۔'' راڈرک نے کہا اور سسکو گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''بلاشبہ قدرت نے تمہیں بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ میں تمہارے اس کارنامے کی تعریف تفصیل سے اور فرصت کے وقت کروں گا جو تم نے طیارے کو طوفان سے نکال کر انجام دیا ہے۔ فی الحال ہم زندگی تو بچالیں۔'' اور پھر وہ مسافروں کے درمیان کھڑے ہو کر بولا۔

''دوستو۔ پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی میں ہم نے زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو کچھ کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ میں اس

طیارے کا فرسٹ پائلٹ ہوں لیکن مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرمندگی ہے کہ میں آپ لوگوں کی اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا تھا۔ خوفناک طوفان نے ہمیں چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ عقل ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ اعضاء مفلوج ہو گئے تھے۔ آپ اس خوفناک صورتحال کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو ہمیں درپیش تھی۔ کیونکہ آپ کو اصل بات بتانے سے گریز کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ ہم ہمت ہار بیٹھے تھے اور موت لحظہ بہ لحظہ قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ میرے نوجوان دوست نے اپنی خون کی گرمی کو استعمال کیا۔ اس نے ایک بہادر نوجوان کا ثبوت دیتے ہوئے موت کے چیلنج کو قبول کیا اور درحقیقت ہوابازی کی دنیا کو اگر کبھی اس کارنامے کو جاننے کا موقع ملا تو میرا دوست راڈرک دنیا بھر کے ہوابازوں کا ہیرو ہوگا۔ اس نے ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا جسے عقل کبھی تسلیم نہیں کر سکتی۔ خدا کی مدد شامل رہی اور طیارہ نیچے اترنے میں کامیاب ہو گیا۔ ساتھیو۔ طیارے کے دو انجن تباہ ہو چکے ہیں۔ ایندھن قطعی ختم ہو گیا ہے اور اس وقت یہ طیارہ ہمارے لئے صرف ایک سر چھپانے کی جگہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے فرائض اسی وقت تک ہم پر لاگو ہیں جب تک ہم قدرت کے ہاتھوں بے بس نہ ہو جائیں اور ہم اس دور سے کہیں آگے نکل گئے ہیں۔ چنانچہ میری درخواست ہے کہ آپ ہمیں اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار نہ سمجھیں۔ ہم میں سے کسی کی غلطی سے یہ حادثہ نہیں پیش آیا ہے۔ اب ایسی صورتحال میں جبکہ ہم ایک قدرتی آفت کا شکار ہو کر کسی نامعلوم جگہ آ پڑے ہیں تو ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنی اور دوسروں کی زندگی بچانے کے لئے اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کرے۔ اجتماعی جدوجہد ہماری زندگیاں بچا سکتی ہے۔ میں آپ سے حقیقت حال نہیں چھپاؤں گا۔ طیارے کے ناکارہ انجن کسی نہ کسی طرح اسے نیچے تو لے آئے لیکن وہ اسے روکنے میں ناکام رہے اور زمین پر اترنے کے بعد طیارے کے خود بخود رک جانے کی وجہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی لیکن دروازہ کھولنے کی کوشش اور دوسرے حالات کا جائزہ لینے کے بعد انکشاف ہوا ہے کہ طیارہ برف کے کسی تودے میں گھس گیا ہے۔ یہی اس کے رک جانے کی وجہ تھی۔ نہیں کہا جا سکتا کہ برف کا یہ تودہ کتنا طویل و عریض ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو ہمیں نکلنے کی جدوجہد تو کرنا ہی ہے کیونکہ بہت تھوڑے وقت کے بعد ہم آکسیجن کی کمی کا شکار ہو جائیں گے اور یہ طیارہ ہماری قبر بن جائے گا اس لئے ضرورت ہے کہ ہم ہر معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ میں آپ میں سے ہر ایک کی رائے قبول کروں گا کیونکہ اب مسئلہ ہم سب کے لئے یکساں ہے۔ میری رائے ہے کہ ہم سب جو کچھ بھی ہاتھ لگے اسے لے کر برف میں سوراخ کریں اور بالآخر اس کے اختتام تک پہنچ جائیں۔ کیا آپ لوگ ہماری مدد کریں گے؟"

عورتوں کے علاوہ تقریباً تمام ہی مسافر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی ــــــ ان سب نے سسکو کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا اور سسکو خوش ہو گیا۔

"زندگی میں بہت سے مرحلے آتے ہیں دوستو۔ کچھ لوگ ایڈونچر کی زندگی پسند کرتے ہیں لیکن ان کی مصروفیات انہیں اجازت نہیں دیتیں۔ اب غیر متوقع طور پر اس کا موقع مل گیا ہے۔ کل جب آپ اپنے مکانوں کے ڈرائنگ روم میں یا خواب گاہ میں بیٹھ کر اپنے بچوں اور دوستوں کو اس خوفناک سفر کی کہانی سنائیں گے تو آپ کو ایک عظیم مسرت کا احساس ہوگا۔ آئیے۔ زندگی کی جدوجہد کی ابتدا کریں۔" سسکو نے کہا اور پھر وہ سب سیٹیں اکھاڑنے لگے۔ سب ہی کے چہروں سے خوف دور ہو گیا تھا۔

جو لوگ زخمی تھے اور ان کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ انہوں نے معذرت کی تو سسکو نے کہا۔ "آج آپ زخمی ہیں تو ہم آپ کے لئے کام کر

رہے ہیں۔کل ہم بھی زخمی ہوسکتے ہیں۔اس وقت آپ ہماری مدد کریں۔''

سسکو کا خیال تھا کہ سب سے پہلے دروازے کو اندر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کے بعد برف میں سرنگ کی کھدائی شروع کی جائے لیکن راڈرک نے ایک بار پھر ذہانت کا مظاہرہ کیا۔اس نے کہا۔

''طیارے کی دائیں بائیں سمت غیر یقینی ہے۔نہ جانے اس تودے کی چوڑائی کتنی ہو۔اس کے برعکس اس کے سامنے کی سمت زیادہ موزوں ہے کیونکہ بہر حال اس طرف برف اتنی نرم تھی کہ طیارے کو داخل ہونے کا موقع مل گیا اس لئے ونڈ شیلڈ توڑ کر سامنے کے رخ پر کھدائی موزوں رہے گی۔''

''مناسب خیال ہے۔'' سسکو نے اس سے اتفاق کیا اور نوجوانوں کی ٹیم ان لوگوں کی قیادت میں پائلٹ روم میں داخل ہوگئی۔ان سب کے ہاتھوں میں طیارے کی کرسیوں کا لوہا اور دوسری چیزیں تھیں۔ونڈ شیلڈ پر ضربیں لگائی جانے لگیں اور چند منٹ کے بعد مضبوط ونڈ شیلڈ چکنا چور ہو گئی۔انہوں نے شیشے کے ٹکڑے صاف کئے اور پھر راڈرک، سسکو، والکوب اور مائیکل اپنے ہاتھوں میں پکڑے اوزاروں سے برف میں سوراخ کرنے لگے۔اگر برف کی بجائے مٹی ہوتی تو انہیں ایک مشکل یہ پیش آسکتی تھی کہ وہ کھودی ہوئی مٹی کو کہاں لے جاتے۔ظاہر ہے اسے طیارے میں بھرنا تو ناممکن تھا لیکن برف میں دب جانے کی خاصیت ہوتی ہے۔اس چیز کو انہوں نے مدنظر رکھا تھا۔گویا اتنا بڑا سوراخ کیا جا رہا تھا جس کی برف سوراخ کی دیواروں میں دب کر ٹھوس ہو جائے۔یہ ترکیب انتہائی کارآمد رہی۔برف کی کھدائی میں بھی زیادہ مشکلات نہیں پیش آ رہی تھیں کیونکہ وہ زیادہ سخت نہیں تھی۔دوسرے لوگ اپنی باری کا انتظار کرتے رہے پھر تقریباً پانچ فٹ کی کھدائی کے بعد ایک دوسری ٹیم مصروف ہوگئی اور یہ لوگ بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔اس طرح چار چار آدمیوں کی ٹولیاں کھدائی میں مصروف رہیں۔کام تیزی سے جاری تھا۔وہ لوگ پوری دلچسپی سے اس میں حصہ لے رہے تھے اور اجتماعی جدوجہد کے کامیاب نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ہر پارٹی ناپ ناپ کر پانچ پانچ فٹ کھدائی کر رہی تھی۔اس طرح جب آٹھویں پارٹی کی باری آئی تو اسے زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔

انہوں نے ابھی پانچ فٹ کھدائی پوری بھی نہیں کی تھی کہ ان کی کدال برف کی دیوار کے پار نکل گئی! ہوا کا ایک سرد جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا اور ان کے منہ سے خوشی کی چیخیں نکل گئیں۔انہوں نے جلدی جلدی اس سوراخ کو چوڑا کیا اور پھر برف کے دوسری طرف نکل گئے۔! اس طرح انہوں نے برف میں تقریباً چالیس فٹ لمبی سرنگ بنا کر باہر نکلنے کا راستہ تیار کر لیا۔ذرا سی دیر میں دوسرے لوگوں کو اس کی خبر کر دی گئی۔اور تھوڑی دیر میں جہاز کے بہت سے مسافر باہر آ گئے۔ان میں سسکو اور اس کے ساتھی بھی تھے۔

لیکن باہر کا منظر بہت عجیب تھا۔جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی برف کے میدان نظر آ رہے تھے۔ان میدانوں میں درخت بھی تھے لیکن برف سے ڈھکے ہوئے۔اونچے نیچے برف کے تودے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ان کے بائیں سمت تقریباً چار پانچ فرلانگ کے بعد خوفناک ڈھلان پھیلے ہوئے تھے۔گو یہ ڈھلان بھی برف سے ڈھکے ہوئے تھے لیکن ان کی گہرائی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ زمین سے ہزاروں فٹ کسی بلند مقام پر ہیں۔گویا اس طویل و عریض میدان کے اختتام پر بھی ڈھلان ہوں گے اور جغرافیائی حیثیت سے ان

ڈھلانوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نہ جانے کہاں وہ خوفناک کھڈوں سے پر ہوں جن میں گرنے کے بعد زندگی کا تصور بھی حماقت ہوگا۔

دوسرے لوگ اس خوبصورت منظر کو دلچسپ نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن اسکو اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔

''بہر حال۔ ایک مرحلہ طے ہوگیا۔ ہمیں احساس ہے کہ پلان بھی ہمارے لئے سودمند نہیں ہے۔ اگر ہم امدادی پارٹیوں کو اس طرف متوجہ نہ کر سکے تو یہاں سے نکلنا آسان نہ ہوگا لیکن زندگی کی آخری سانس تک جدوجہد ضروری ہے۔ کیا تم یہ خوفناک صورت حال محسوس کر رہے ہو سکو؟''

''کیوں نہیں۔ میرا خیال ہے تمام جہاندیدہ لوگ اسے محسوس کر رہے ہوں گے؟''

''ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں یہاں کب تک رکنا پڑے۔ بہر حال اس کے لئے ضروری انتظامات کرنے ہوں گے۔ مثلاً خوراک اور دوسری چیزوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کی جائے۔ ظاہر ہے ہمارے پاس خوراک کا بندوبست تو ہے نہیں۔ اب صرف امدادی پارٹیوں کی آس ہے۔ اگر وہ یہاں تک پہنچ گئیں تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ زندگی بڑے مشکل مرحلے میں داخل ہو جائے گی!''

''اب کیا حکم ہے جناب۔'' والکوب نے پوچھا۔

''ابتدائی انتظامات۔ میرا خیال ہے۔ طیارے کی گمشدگی کی اطلاع سب کو مل گئی ہوگی۔ اور امدادی پارٹیاں بہت جلد روانہ ہو جائیں گی۔ اس لئے سب سے پہلے جہاز کے تمام مسافروں سے رنگین کپڑے لے لو۔ اور ان کے فلیگ بنا کر پوری چوٹی پر پھیلا دو۔ پہلے یہ کام کرلو۔ اس کے بعد ہم وائرلیس پر باہر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کریں گے! بلکہ والکوب اور راڈرک دوسرے نوجوانوں کے ساتھ مل کر یہ کام سنبھال لیں۔ ہم کسی بلند جگہ پر وائرلیس اسٹیشن قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہاں سے قریبی ممالک سے رابطہ قائم کیا جائے۔'' اسکو نے کہا۔

''مناسب۔ ویسے کیا آپ اس علاقے کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کر سکتے ہیں مسٹر سکو۔''

''بہت مشکل ہے۔ اور اگر کر بھی لیں تو وہ فی الحال ہمارے لئے سودمند نہیں ہے۔ اس سے فائدہ بھی کیا ہوگا۔''

''ہاں۔ یہ تو درست ہے۔ بہر حال ہم اپنے مشن پر چلتے ہیں۔ آپ اپنے کام کو تکمیل تک پہنچائیں۔'' راڈرک نے کہا اور وہ واپس سرنگ میں داخل ہو گئے۔

☆..........☆..........☆

دنیا کے نہ جانے کونسے غیر آباد اور ویران خطے میں یہ آبادی ہوگئی تھی۔ انسانی زندگی جدوجہد میں مصروف تھی۔ ذہانتیں ابھر آئی تھیں۔ نوجوانوں نے اپنے اپنے کام بانٹ لئے تھے۔ یہ سب عیش و عشرت کے رسیا تھے ان کی صلاحیتیں اطلس و کمخواب میں لپٹی ہوئی گہری نیند سو رہی تھیں۔ لیکن زندگی کے اس نازک موڑ پر وہ لوگ اٹھے تھے اور وہ سب کچھ کر رہے تھے جو زندگی کا مقصد ہے۔

برف کی تقریباً تمام بلند چوٹیوں پر رنگین کپڑے لہرا رہے تھے۔ انہیں اونچی اونچی راڈوں میں باندھ دیا گیا تھا۔ جہاز سے ہر وہ چیز نکال لی گئی تھی جو اس سلسلے میں کام آ سکتی تھی۔ راڈرک درحقیقت بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مالک ثابت ہوا تھا۔ اس سے قبل بھی اس کے ساتھیوں نے اس

کے ساتھ وقت گزارا تھا۔لیکن اس وقت اس کی جو صلاحیتیں سامنے آئی تھیں۔وہ حیرت انگیز تھیں۔اس نے جہاز کے فرنیچر سے لکڑیاں نکال لی تھیں اوران لکڑیوں کے اس نے اسکائنگ شوز بنائے تھے اور پھر دوراڈوں کی مدد سے سب سے پہلے اس نے اسکائنگ شوز کا تجربہ کیا تھااوراس تجربے کی شاندار کامیابی سے نوجوانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

وہ جو برف پر اسکیٹنگ کے ایکسپرٹ تھے، برف کے میدان پر پھسلتے پھر رہے تھے۔برف کا طویل اور دشوار گزار سفراب ان کے لئے کچھ نہیں رہا تھا۔انہوں نے میدان کے قرب وجوار کے تمام علاقے کی سیر کرلی تھی۔ہاں دور دراز کے علاقے ابھی باقی تھے اوراس طرف کوئی بھی جانے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔دوسری طرف سسکو اور مائیکل چند نوجوانوں کے ساتھ وائرلیس کا تمام سامان لے کرایک بلند تودے پر اچھی طرح جائزہ لینے کے بعداس پر وائرلیس اسٹیشن بنا چکے تھے۔نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کس وقت برف کا طوفان آجائے اور برفباری ہونے لگے۔اس لئے انہوں نے اسٹیشن پر چھت کا بندوبست بھی کیا تھا۔کافی بلند انٹینا باندھے تھے۔بہرحال جس انداز میں کام ہورہا تھااس سے ان لوگوں میں زندگی کا پتہ چل رہا تھا اوراگرایک خوفناک تصوران کے ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ اسے اپنی زندگی کا خوبصورت دور کہہ سکتے تھے۔ان کے دلوں میں لگن تھی اور وہ کسی کام میں تھکن نہیں محسوس کرتے تھے یہ دوسری بات ہے کہ اگران سب کے ذہنوں پر وہ خوفناک تصور نہ ہوتا تب شاید ان میں سے ایک بھی اس جذبے اوراس لگن سے کام نہ کرتا۔بہرحال ہمدردی، اور نیکیوں کے بے شمار مناظر دیکھنے میں آرہے تھے اور وقتی طور پر وہ سب مایوسی کے گڑھوں سے نکل آئے تھے۔انہیں امید تھی کہ بہت جلد وہ یہاں سے واپس جاسکیں گے۔

پھرایڈمنڈ سسکو نے وائرلیس سے پہلا پیغام نشر کیا۔اس نے اپنا کوڈ نمبر پوری دنیا کے لئے دوہرایا اوراپنی پوزیشن بتانے لگا۔یہ سلسلہ سورج چھپنے تک جاری رہا لیکن ٹرانسمیٹر پر جوابی پیغام نہیں موصول ہوا تھا۔اس کا مطلب تھا کہ قریب میں کم ازکم اس وائرلیس کے حیطۂ عمل میں کوئی ایسی آبادی نہیں تھی جو ان پیغامات کو وصول کرسکتی یا اگر تھی تو شاید موسم کی خرابی، یا کسی اور وجہ سے وہ پیغامات وصول نہیں کرسکی تھی۔بہرحال سسکو مایوس نہیں ہوا۔سورج چھپنے پراس نے وائرلیس اسٹیشن پر دو آدمیوں کی ڈیوٹی لگادی۔یہ مائیکل اور والکوب تھے۔باقی تمام لوگ سرنگ کے راستے دفن شدہ جہاز میں آگئے۔

زخمیوں کی حالت بہتر تھی۔ہوسٹسیں بے چاری یہاں بھی اپنے فرائض کی انجام دہی میں معروف تھیں۔وہ ہلکا کھانا تیار کررہی تھیں۔جو تیار ہونے کے بعد جہاز کے مسافروں میں تقسیم کردیا گیا۔مائیکل اور والکوب کو کھانا وائرلیس اسٹیشن میں پہنچادیا گیا تھا۔ویسے رات کے جھکتے ہی باہر کی فضا کافی سرد ہوگئی تھی۔اس لئے والکوب اور مائیکل کے لئے موٹے لباس کا خاص بندوبست کردیا گیا۔اس کے بعد سسکو نے نوجوانوں کو مخاطب کرکے کہنا شروع کردیا۔

''میرے دوستو۔کیا ہم اس بات پر فخر نہ کریں کہ اس قدرتی حادثے سے نمٹنے کے لئے ہم نے جس اتحاد کا ثبوت دیا ہے وہ لافانی ہے۔ہم نے چند گھنٹوں میں اپنی بقاء کے لئے جو کچھ کیا ہے۔وہ ناقابل شکست ہے۔ہم میں سے ہر فرد نے اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کیا ہے اور اب ہم سب اس وقت تک ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔جب تک امدادی پارٹیاں یہاں نہیں پہنچ جاتیں۔اس کے بعد ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں

گے لیکن میرا خیال ہے زندگی کے آخری لمحات میں بھی اس سفر کو نہ بھول سکیں گے۔ میں کوئی فلاسفر نہیں ہوں۔ ایک سیدھا سادا سا انسان ہوں اور دانشوروں کے چند اقوال سے واقف ہوں جنہیں آپ کے سامنے دوہرانا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں سانس کی آمد و رفت جدوجہد کی دوسری شکل ہے۔ ہماری زندگی ہمیں درست عمل دیتی ہے اور یہی عمل ہمیں زندہ رکھتا ہے جس طرح ایک جوہری سونے کا زیور تیار کر کے اس میں رنگین نگینوں سے گلکاری کرتا ہے اسی طرح زندگی کا حسن حادثات سے نکھرتا ہے۔ یہ حادثے زندگی میں جڑے ہوئے نگینے ہوتے ہیں جن کی چمک انسان کو تر و تازہ رکھتی ہے۔ بعض اوقات یہ حادثے ہمیں پستیوں میں پہنچا دیتے ہیں اور بعض اوقات یہی ہماری زندگی کا عروج ہوتے ہیں۔ میں اپنی گفتگو طویل نہیں کرنا چاہتا۔ صرف چند باتیں عرض کروں گا۔ میں نے وائرلیس پر دن بھر کوشش کی ہے۔ لیکن کسی بھی وجہ سے کسی کنٹرول روم سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ ممکن ہے امدادی پارٹیاں ایک ہفتہ ایک ماہ۔ ایک سال تک یہاں نہ پہنچ سکیں۔ ممکن ہے ہمارا کسی جگہ سے رابطہ قائم نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں کیا ہم خودکشی کر لیں گے؟ میرا خیال ہے یہ انسان کی توہین ہوگی اور اس طرح جان دینے والے سکون سے مر بھی نہ سکیں گے۔ ہمیں اس وقت تک جدوجہد کرنی ہوگی جب تک ہم اپنی منزل پر نہ پہنچ جائیں۔ یا جان نہ دے دیں۔ ہم مرنے کی کوشش کے بجائے زندہ رہنے کی کوشش کریں گے اور اگر اس کوشش میں موت آ جائے تو میرے خیال میں وہ زندگی کی صحیح منزل ہوگی۔ میں آپ کو مایوسی کا سبق نہیں دے رہا۔ آپ لوگ خود ذہین ہیں۔ خودمختار ہیں۔ ہمیں ہر قسم کے حالات سے دوچار ہونے کے لئے خود کو تیار کرنا ہوگا میں تو صرف جہاز چلانا جانتا ہوں۔ ان حالات سے نپٹنے کے لئے مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک طویل جدوجہد کا بندوبست کریں۔ اس برف پر زندگی گزارنے کے بارے میں سوچیں۔ یہ ہماری قسمت ہے کہ ہم کل ہی یہاں سے خوش و خرم روانہ ہو جائیں اور اگر نہ روانہ ہو سکیں تو مایوسی کا شکار نہ ہوں۔ بلکہ یہاں وقت گزارنے کے لئے ہمارے پاس تمام ذرائع ہوں۔ آپ میرے مقصد سمجھ رہے ہیں؟“

”ہاں مسٹر سکو۔ آپ کی گفتگو حقیقت سے قریب ہے۔“ ایک معمر شخص نے کہا۔

”یہاں کوئی کسی کو گائیڈ نہیں کرے گا۔ کوئی کسی پر مسلط نہیں ہوگا۔ ہر فرد کو آزادی ہے کہ اپنی اور دوسروں کی بھلائی کے لئے سوچے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کرے۔“

”مناسب مشورہ ہے۔“

”جہاز میں جو کچھ موجود ہے اب وہ صرف ہم سب کی بھلائی کے لئے ہے۔ میں اب پرانا یا اپنی کمپنی کا حق نہیں سمجھتا۔ اب سب کچھ آپ کا ہے۔ اس کی تفصیل آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں۔ خود دیکھ سکتے ہیں۔ آپ اس کے حقدار ہیں۔ ہاں اتنا میں عرض کروں گا کہ ہمارے پاس مختصر ترین سامان ہے جو شاید چند روز کے لئے بھی کافی نہ ہوگا۔ اس برف پر پانی کی کمی نہیں ہے۔ ہم جتنا پانی چاہے حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ خوراک کا مسئلہ ہے۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ تو جوانوں کی کسی ٹولی کے سپرد کر دیا جائے انہیں خاص طور سے اسکائنگ شوز مہیا کئے جائیں تاکہ وہ دور دور تک نکل کر شکار تلاش کریں اور دوسروں اور اپنے لئے خوراک مہیا کریں۔“

”لیکن کیا آپ کے خیال میں اس برف پر شکار ملنے کی امید ہو سکتی ہے مسٹر سکو؟“ کسی نے سوال کیا۔

''ہاں۔ برفانی پرندوں کے بارے میں، میں نے سنا ہے۔انہیں شکار کرنے یا دیکھنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا؟'' ایڈمنڈ سسکو نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے میں اس سلسلہ میں کچھ مدد کر سکتا ہوں۔'' ایک درمیانی عمر کے جسیم آدمی نے کہا۔جس کی خوبصورت داڑھی تندرست و توانا جسم اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے ذہانت کا اظہار ہوتا تھا۔

''ضرور۔فرمایئے مسٹر؟'' ایڈمنڈ سسکو سوالیہ انداز میں خاموش ہو گیا۔

''آپ مجھے پروفیسر خاور کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔میری مستقل رہائش گاہ نیویارک میں ہے۔میں وہاں گورنمنٹ کے محکمہ نباتات کا ڈائیکٹر جنرل ہوں۔میرا وطن ایشیا ہے جہاں میرے عزیز موجود ہیں۔انہیں میں سے ایک عزیز کے بچے کی شادی کے سلسلے میں، میں اپنی دونوں بچیوں،فرزانہ اور فروزاں۔'' اس نے رک کر دو خوبصورت لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا ''کے ساتھ اپنے وطن جا رہا تھا کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔میں اس پوری مدت میں آپ لوگوں کی کارکردگی کو دل سے سراہتا رہا ہوں۔گو بوڑھا ہوں لیکن اس جدو جہد میں جوانوں کی طرح حصہ لینے کو تیار ہوں اور اپنی تمام تر خدمات پیش کرتا ہوں۔ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ برفانی پرندوں کا شکار سخت مشکل کام ہے اور خاص طور سے ایسی شکل میں جب آپ کے پاس بارودی ہتھیار نہ ہوں خوش قسمتی سے میں شکاری بھی رہا ہوں۔اس لئے اس کے بارے میں جانتا ہوں۔البتہ یہاں آپ کو بہترین غذا مل سکتی ہے۔جو برف کی زندگی کے لئے ضروری بھی ہے۔یہ ایک خاص قسم کی مچھلی ہوتی ہے جسے ''براڈوے'' کہتے ہیں۔ان جگہوں پر جہاں مستقلاً برف جمی رہتی ہے یہ برف کے نیچے رہتی ہے۔اس کے پاؤں بھی ہوتے ہے اور برف میں سوراخ کرنے کے سلسلے میں وہ اپنی پاؤں استعمال کرتی ہے۔جگہ جگہ سوراخ کر کے مچھلیوں کے غول خوارک کی تلاش میں باہر نکل آتے ہیں۔بہر صورت۔اگر ہم وہ غول تلاش نہ بھی کر سکے تب بھی ایسی جگہوں پر جہاں برف کی سطح نرم ہو۔تقریباً چار فٹ گہرا گڑھا کر کے ان مچھلیوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔یہ نہایت نرم ہوتی ہے اور ان کا گوشت لذیذ اور ہاضم ہوتا ہے اور اس علاقے میں وہ مچھلیاں بکثرت مل سکتی ہیں۔میں ان کی تلاش کیلئے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔''

''بلاشبہ آپ کی قیمتی معلومات ہم سب کے لئے زندگی بخش ہیں۔'' سسکو نے تعریفی لہجے میں کہا اور دوسرے لوگ بھی پروفیسر خاور کو مبارکباد پیش کرنے لگے۔

خاصی رات گئے تک وہ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے رہے۔بیشتر لوگ اس مہم کے لئے کارآمد تھے۔ان سب کے سپرد ان کی ذمہ داریاں کر دی گئیں۔اس طرح برف کے نیچے سے عجیب و غریب کمین گاہ میں وہ لوگ ایک خاندان کی حیثیت اختیار کر گئے۔باہر شاید سردی شدید ہو۔لیکن اندر اس کا قطعی احساس نہیں تھا۔البتہ آدھی رات کے قریب مائیکل اور والکوب واپس آ گئے۔انہوں نے بتایا کہ سردی ناقابل برداشت ہے۔اگر وہ پوری رات وہاں رہے تو ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔

''ٹھیک ہے۔ہم دن کے وقت اپنا کام جاری رکھیں گے اور رات میں آرام کریں گے۔'' سسکو نے کہا اور ان لوگوں کو آرام کا مشورہ دے کر خود بھی ایک گوشے میں لیٹ گیا۔

☆..............☆..............☆

دس روز۔ دس طویل کہانیاں۔ امید وبیم کی کہانیاں جن میں امیدوں کی روشنیاں، مایوسی کی تاریکیاں تھیں۔ ہر نیا سورج امیدوں کی روشنی لے کر طلوع ہوتا اور مایوسی کی تاریکی میں غرق ہو جاتا۔ رات آہوں اور سسکیوں کی رات ہوتی۔ بے چینی سے کروٹیں بدلی جاتیں۔ مستقبل پر غور کیا جاتا۔ لوگ لاکھ عزم رکھتے تھے۔ لیکن گزرنے والا وقت انہیں مایوسی کی طرف کھسکا دیتا تھا۔ اور وہ بالآخر ایک بے بسی کی موت پر غور کرنے لگے۔ انہیں یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ایک دن اس سفید قبروں میں ان کی قبریں بھی شامل ہوں گی جو ایک قطار میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ ان لوگوں کی قبریں تھیں جو طوفان کے خوف سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ابھی تک اس قبر میں کسی نئی قبر کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چند بوڑھوں کی حالت کافی خراب تھی۔ وہ سردی کا شکار ہو گئے تھے اور قریب المرگ تھے۔ یہ لوگ ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ جہاز کے مسافروں کے لئے پروفیسر خاور کا دم بے حد غنیمت تھا۔ یہ دلیر بوڑھا گوناگوں صلاحیتوں کا مالک تھا۔ اس نے نوجوانوں کی ٹیم کے ساتھ ''براڈوے'' تلاش کر لی تھی اور اب ہر صبح نوجوانوں کی ایک ٹیم مچھلیوں کی تلاش میں نکل جاتی اور بہر حال اتنی مچھلیاں حاصل کر لیتی کہ وہ زندہ رہ سکتے۔ انہی مچھلیوں کے خون کو پروفیسر خاور نے ان بیماروں کو استعمال کرایا تھا لیکن جن لوگوں کے قویٰ ہی زندگی کی آخری کہانی سنا رہے ہوں انہیں اس خون سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا تھا۔

وائرلیس پر بیٹھنے والے اب صرف لیکر پیٹ رہے تھے۔ ورنہ ان کی ہر کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہزاروں میل تک کوئی آبادی نہ ہو۔ وہ دنیا کے ایسے سرے پر ہوں جہاں اب تک انسان کے قدم نہ پہنچ سکے ہوں۔ ان دنوں میں انہوں نے آسمان کی انتہائی حدوں سے بھی کسی طیارے کو گزرتے نہ دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا ابھی تک اس علاقے سے ہی ناواقف ہو۔ اسے اس کے وجود کا ہی علم نہ ہو۔

اور یہ صورت حال سب محسوس کر رہے تھے۔ لیکن ابھی ان کے حوصلے پست نہ ہوئے تھے۔ چند لوگ اب بھی پرعزم تھے اور دوسروں کو بھی زندگی کے راستے دکھانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور انہیں کی کوششوں نے ابھی تک سب کو کنٹرول کیا ہوا تھا۔ گیارہویں صبح دو بوڑھے آدمی جاں بحق ہو گئے اور یہ صبح تمام مسافروں کے لئے سخت منحوس تھی۔ سب کے دل کانپ گئے تھے اور ان سب کو اپنا مستقبل نظر آ گیا تھا۔ دونوں بوڑھوں کو بغیر کفن کے دفن کر دیا گیا۔ ان کے جسموں سے لباس بھی اتار لیا گیا تھا تاکہ وہ دوسروں کی زندگی بچانے کے کام آ سکے۔ ظاہر ہے ان مردہ جسموں کو لباس کی ضرورت نہیں تھی۔ عورتیں خاص طور سے متاثر تھیں۔ ان کے چہرے خوف سے سفید ہو گئے تھے۔ ان میں بہت کم تھیں جو طیارے سے باہر نکلتی تھیں۔ ورنہ وہ زیادہ تر اندر ہی رہتی تھیں۔

اس روز نوجوان شکار کو بھی نہ گئے۔ چنانچہ جہاز کے کچن ہی سے ضرویات پوری کی گئیں۔ جو بہر حال خطرناک بات تھی۔

☆..........☆..........☆

پورا ڈیڑھ ماہ گزر چکا تھا اور اس ڈیڑھ ماہ میں حالات کافی بدل گئے تھے۔ ہر شخص خود مختاری کی زندگی گزار رہا تھا۔ اخلاقیات کے سارے لیکچر بے اثر ہو گئے تھے۔ انسان فطری درندگی پر اتر آیا تھا۔ اب کوئی کسی کے لئے کچھ نہ کرتا۔ جہاز کی ایک ایک چیز ختم ہو گئی تھی۔ اب خود شکار کرو خود کھاؤ پر عمل ہو رہا تھا۔ ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں مزید تیس آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے بھوک کے شکار ہوتے تھے اور بہت سے سردی کے خاص طور سے عورتوں کی مٹی پلید ہو گئی تھی۔ وہ بے چاریاں محفوظ تھیں جن کے ساتھ مرد تھے۔ ورنہ باقی صرف رحم دلوں کے رحم وکرم پر تھیں۔

جہاز کے چاروں پائلٹ لاوارث عورتوں کے ہمدرد تھے۔ وہ خود بھوکے رہ کر انہیں کھلاتے تھے لیکن کب تک مسلسل فاقوں نے انہیں بھی لاغر کر دیا تھا اور وہ صحیح طور سے کام نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو دوسروں کے لئے سوچے۔ جو سوچنا بھی چاہتے تھے وہ دوسروں کے رویے سے بددل ہو گئے تھے۔ اگر کوئی اس سلسلے میں نوجوانوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو دوسرے اس کا مذاق اڑاتے یا اس جگہ سے اٹھ کر چلے جاتے۔ سب کے سب انسانیت سے دور ہوتے جا رہے تھے اور اب چھوٹے چھوٹے حادثے بھی ہونے لگے تھے۔

وہ ایک سرمائی شام تھی۔ سفید برف پر سرمئی آسمان کے سائے پڑ رہے تھے۔ اور فضاء بے حد حسین ہو گئی تھی۔ لیکن ان لوگوں کے لئے اب موسم سے لطف اندوز ہونے کی کوئی گنجائش نہیں تھیں۔ وہ سب تو زندگی کے لئے ترس رہے تھے۔ موسم کا حسن تو فرصت کی باتیں تھیں۔ بہت سے لوگ مچھلیوں کی تلاش میں نکلے تھے۔ گو یہاں مچھلیوں کی بہتات تھی لیکن جگہ جگہ انہیں نقصان پہنچا تھا اس لئے مچھلیاں بھی اب محتاط ہو گئی تھیں وہ کھلے ہوئے علاقوں میں پھرنے سے گریز کرتیں۔ اس لئے بہت سے ناتجربے کار لوگوں کو بھوکے ہی رہنا پڑتا تھا۔

پروفیسر خاور اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ اس وقت طیارے سے کافی دور ایک برفانی ٹیلے کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک نوکدار آلہ تھا جس سے وہ برف کھود رہا تھا۔ گرم لباس میں دونوں لڑکیاں اداس بیٹھی ہوئی تھیں۔ پروفیسر چونکہ اس سلسلے میں کافی تجربہ کار تھا اس لئے کسی بھی دن اسے اور اس کے بچوں کو بھوکا نہیں مرنا پڑا تھا۔ بلکہ دوسری کچھ عورتیں بھی اس کی کاوشوں پر انحصار کرتی تھیں۔

اس وقت بھی اس نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جو دوسروں کی نگاہوں میں بیکار تھیں۔ لیکن پروفیسر کو یقین تھا کہ مچھلیوں نے یہ جگہ محفوظ خیال کی ہو گی اور یہاں ضرور موجود ہوں گی۔ گڑھے کے کنارے برف کا کافی ڈھیر جمع ہو گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد پانی نکل آیا۔ پروفیسر نے پیشانی سے پسینہ خشک کیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی تیز نگاہیں پانی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً وہ جھپٹا اور دوسرے لمحے اس نے ایک مچھلی کو پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا۔ فروزاں کے پاس شکاری چاقو تھا اس نے جلدی سے مچھلی کی گردن علیحدہ کر دی۔ حالانکہ یہاں آنے سے قبل وہ بے حد نفاست پسند اور الٹرا ماڈرن لڑکی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں شاید مچھر بھی نہ مارا ہو۔ لیکن اب مچھلیوں کو وہی صاف کرتی تھی اور ان کے گوشت کے قتلے بناتی تھی۔

پروفیسر مچھلی اس کے حوالے کر کے دوسری مچھلی تلاش کرنے لگا اور پھر اس نے دوسری مچھلی بھی پکڑ لی۔ اس کے بعد وہ تیسری مچھلی تلاش کر رہا تھا کہ ٹیلے کے دوسرے سمت قدموں کی آواز سنائی دی اور پروفیسر گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔ آنے والا جون آلٹرے تھا۔ چھوٹی چھوٹی کینہ توز آنکھوں اور موٹی گردن والا جون آلٹرے جو ہالینڈ کے ایک کلب میں ورزش کراتا تھا۔ اس کا جسم بے حد تنومند تھا۔ دائیں گال پر چاقو کے زخم کا گہرا نشان تھا جو اس کی شخصیت کی صحیح نشاندہی کرتا تھا۔

"ہیلو۔ پروفیسر" اس نے طنزیہ سے انداز میں کہا اور پھر دونوں لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔

"ہیلو۔" پروفیسر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"خوب۔ خوب۔ تم نے خوراک کا بندوبست کر لیا ہے نہ جانے ان مچھلیوں کو ہم سے کیا بیر ہو گیا ہے۔ صبح سے مصروف ہوں ایک بھی ہاتھ نہیں لگی۔"

"مجھے ایک مچھلی اور چاہئے۔ اس کے بعد گڑھا تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"حالات کچھ ایسے ہو گئے ہیں پروفیسر کہ اب خود کچھ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں نے بھی سوچا کہ کیوں نہ دوسروں کی محنت پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ اس تصور کو ذہن میں جگہ ہی دی تھی کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ اب اگر آپ کا احترام کرتا ہوں تو پہلے ہی مرحلے پر ناکامی کا سامنا کرنا ہو گا۔ کیا یہ درست ہو گا پروفیسر؟" اس نے دوسری بار لڑکیوں کو دیکھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" پروفیسر بدستور گڑھے کی طرف متوجہ تھا۔

"میں ان میں سے ایک مچھلی لئے جا رہا ہوں۔ تم ایک کے بجائے دو پکڑ لینا۔"

"ممکن ہے دو مچھلیاں نہ مل سکیں۔" پروفیسر نے سکون سے کہا۔

"تب بھی۔ یہ تمہارے لئے ناکافی ہوں گی۔"

"نہیں ڈیئر آلٹرے۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کی خوراک کا بندوبست مجھے کرنا ہے۔ میرا خیال ہے وہ تم سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ وہ خود یہ سب کچھ نہیں کر سکتیں۔"

"اوہ۔ تم شاید عورتوں کی باتیں کر رہے ہو۔ اپنی فکر کرو پروفیسر۔ اپنے بارے میں سوچو۔ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ہمیں صرف اپنے بارے میں سوچنا چاہئے۔ ویسے میں تو ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔"

"وہ بھی بتا دو۔" پروفیسر نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں پروفیسر۔ کہ یہاں اس چھوٹے سے خطے میں جہاں خوراک کے لئے ان مچھلیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ افراد کی تعداد زیادہ ہے۔ ظاہر ہے یہ مچھلیاں بھی ایک دن ختم ہو جائیں گی۔ کیوں نہ افرادی کمی کر دی جائے تاکہ دوسرے لوگ زیادہ عرصے تک زندہ رہ سکیں۔"

"وہ کس طرح؟" پروفیسر اب سیدھا ہو گیا تھا۔

"تم بوڑھے لوگ زندگی کے بہت سے دور دیکھ چکے ہو۔ تم نے کافی عیش کر لئے ہیں۔ اب ایسی صورت میں تو ہم نوجوانوں کو زندہ رہنے کا موقع دو۔ یہاں تم لوگوں کی وجہ سے ایک تکلف کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ نوجوان لڑکیاں تم سے چمٹی ہوئی ہیں۔ کون جانے یہاں سے زندہ واپس جانے کا بندوبست ہو یا نہ ہو۔ کیوں نہ اس تھوڑی سی زندگی کو رنگینیاں بخش دی جائیں۔ لیکن بوڑھوں کی وجہ سے یہ ناممکن سا ہو گیا ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے تمہیں ہمارے لئے میدان خالی کر دینا چاہئے۔ تم لوگ رضا کارانہ طور پر خودکشی کر لو۔ تاکہ تمہارے بعد ہم عیش کر سکیں۔"

"خوب۔ خوب۔" پروفیسر خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے دوسرے بوڑھوں سے مشورہ کر لیا ہے؟"

"ابتدا تم سے کی ہے۔" آلٹرے بدستور بدتمیزی سے بولا۔

"اگر بوڑھے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیں تو؟"

"تب پھر ان تمام بوڑھوں کو ڈھلان سے نیچے لڑھکا دیا جائے یہی ان کے حق میں بہتر ہو گا۔ ویسے مجھے تمہاری یہ لڑکی بہت پسند ہے

پروفیسر۔'' اس نے فرزانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

'' ہاں۔ ہاں۔ فی الحال لڑکیوں کے بجائے بوڑھوں کی باتیں کرو میرے بچے۔ کیونکہ ظاہر ہے اپنی زندگی میں تو وہ تمہیں لڑکیوں سے قریب نہ ہونے دیں گے۔''

'' یہ گفتگو پھر کبھی تفصیل سے ہوگی۔ فی الحال مجھے بھوک لگی ہے۔ اس لئے میں اپنا حصہ لے جا رہا ہوں۔'' وہ فروزاں کی طرف بڑھا۔ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کے قریب ہوگئی تھیں اور سہمی سہمی نگاہوں سے اس بدہیبت آدمی کو دیکھ رہی تھیں۔

'' ہاں۔ ہاں۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ میرا خیال ہے میں نے ابھی تمہارا حصہ تسلیم نہیں کیا ہے۔ میرے اپنے خیال میں یہ پہلے ہمارا حصہ ہے اور پھر ان عورتوں کا جنہیں مچھلیاں پکڑ کر دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔'' بوڑھے خاور نے اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

'' تمہارے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' آلٹرے نے جھکتے ہوئے کہا۔

'' فرق پڑے گا میرے بچے۔ ضد نہ کرو۔'' بوڑھے نے لجاحت سے کہا۔

'' کیا فرق پڑے گا۔ وہ بھی بتا دو۔'' آلٹرے نے ایک مچھلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

'' یہ۔'' بوڑھے نے جواب دیا اور اس کی لات آلٹرے کے منہ پر پڑی۔ آلٹرے مچھلی سمیت دوسری طرف الٹ گیا اور لڑکیوں کے منہ سے سہمی ہوئی چیخ نکل گئی۔ آلٹرے نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی تھی کیونکہ بہرحال وہ ایک کلب کا پیشہ ور لڑاکا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے وہ نوکدار آلہ سیدھا کرلیا جسے مچھلیاں حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور بوڑھے پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ بوڑھا دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آلٹرے کے چہرے پر خوفناک آثار تھے۔ پھر اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ '' اب میں نہ صرف ان مچھلیوں۔ بلکہ ان لڑکیوں کے لئے بھی تم سے جنگ کروں گا۔ تمہارے بعد یہ میری ملکیت ہوں گی اور مجھے یقین ہے کہ میرے اس اقدام کو میرے نوجوان دوست سراہیں گے۔''

'' بیشک۔ بیشک۔ یہ تمہارا کارنامہ ہوگا اور وقتی طور پر تم ان کے ہیرو بن جاؤ گے۔ آؤ۔ آؤ۔ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ تمہاری طرح پھرتیلا نہ ثابت ہوسکوں گا۔'' پروفیسر خاور نے مسکراتے ہوئے کہا اور آلٹرے نے پوری قوت سے اس پر حملہ کردیا۔ لیکن اسے خود بھی احساس نہ ہوا کہ کس طرح وہ آلے سمیت پروفیسر کے سر سے اچھل کر دور جا گرا۔ لیکن نیچے گرتے ہوئے اس نے پھر اپنے ورزشی داؤ کا استعمال کیا تھا۔ چنانچہ دوسرے لمحے وہ پھر پیروں کے بل کھڑا تھا۔ اب اس کی آنکھیں کبوتر کے خون کی طرح سرخ تھیں۔

'' ذرا احتیاط سے حملے کرو آلٹرے۔ کیا لڑکیوں کی طرح اچھل کود کر رہے ہو۔ تمہاری کامیابی پر نوجوانوں کی خوشیوں کا انحصار ہے۔ میں چاہتا ہوں تم کامیاب ہو جاؤ۔ آؤ یار۔ ذرا پھرتی سے وار کرو۔ کافی وقت ضائع ہو رہا ہے۔'' اور درحقیقت اس بار آلٹرے نے پوری صلاحیتیں استعمال کی تھیں۔ اس نے پروفیسر کو ایک طرف جھکائی دی اور دوسری طرف حملہ کردیا۔ نوکدار آلہ پروفیسر کے سینے کی طرف لپکا اور بغل سے نکل گیا۔ البتہ اب وہ پروفیسر کے موٹے بازوؤں میں پھنسا ہوا تھا۔ بالکل اس انداز میں جیسے معانقہ کر رہا ہو۔ آلہ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن۔ اس انداز میں کہ اس کے ہاتھ جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور خود اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس نے جسم کی بھرپور قوت صرف کر کے خود کو پروفیسر کی گرفت سے آزاد

کرانے کی کوشش کی۔

لیکن خدا کی پناہ۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لوہے کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہو۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی۔

"تمہیں کلیجے سے لگا کر بڑی فرحت مل رہی ہے میرے بچے۔ درحقیقت بہادر آدمیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ کیا میں تمہاری پسلیاں اپنے جسم میں نصب کرلوں۔ دوہرے جسم کا مالک کہلاؤں گا۔" پروفیسر نے بڑے پرخلوص لہجے میں کہا۔ لیکن آلٹرے کی حالت خراب تھی۔ اس کی زبان بند ہو چکی تھی۔ ہاتھ میں دبا ہوا لوکدار آلہ برف پر گر پڑا تھا اور آنکھوں کے نیچے تاریکی چھاتی جارہی تھی۔ "کچھ بولو تو سہی میرے لعل۔ تمہاری خوش نعلیاں کہاں گئیں؟" پروفیسر نے دردبھرے لہجے میں کہا۔

"ہم۔ہم۔مم۔مجھے۔چھ۔چھوڑ دو۔" بمشکل تمام آلٹرے کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

"آہ عزیز من۔ اتنی جلدی۔ ابھی تو حسرتیں دل کی دل میں ہیں۔ بہرحال اگر تم تکلیف میں ہو تو ٹھیک ہے۔" پروفیسر نے یکدم اسے چھوڑ دیا اور وہ پٹ سے برف پر گر پڑا۔ خوف کے باوجود دونوں لڑکیوں کی ہنسی نکل گئی تھی۔ لیکن آلٹرے کے دل پر جو بیت رہی تھی وہی جانتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اٹھ کر بھاگ جائے لیکن بوڑھے شیطان نے نہ جانے کیا کیا تھا کہ اس کے اعصاب اس کے قابو میں نہ تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھنے کی ہمت بھی نہ کرپا رہا تھا۔ بوڑھا چند ساعت اسے دیکھتا رہا۔ پھر مچھلیوں کے گڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

آلٹرے چند ساعت اسی طرح پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحات دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھا رہا اور پھر پاؤں اس قابل ہو گئے کہ اٹھ کر بھاگ سکے تو تیزی سے اٹھ کر ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

"مچھلی تو نہیں لے گیا۔" بوڑھے خاور نے چیخ کر کہا اور دونوں لڑکیاں بے تحاشہ ہنس پڑیں۔ بوڑھے کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆............☆............☆

برفانی قید خانے کی صعوبتوں سے بہت سے لوگ دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے بیزار تھے لیکن ایک ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ رات کو خاص طور پر وہ یکجا ہو جاتے تھے کیونکہ برف کی سخت سردی جہاز کے دفن شدہ مکان تک نہیں پہنچ سکتی تھی اور وہ ان کے لئے محفوظ پناہ گاہ تھی۔ اگر یہ پناہ گاہ نہ ہوتی تو شاید ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا ہوتا۔ رات کو سردی ایسی ہی شدید ہوتی تھی۔ دن بھر وہ لوگ جانوروں کی طرح خوراک کی تلاش میں نکل جاتے اور رات کو تھکے ماندے جہاز کے ڈھانچے میں آپڑتے تھے۔ بعض اوقات سب کے موجود ہونے کے باوجود بے پناہ خاموشی چھائی ہوتی۔ کوئی ایک دوسرے سے بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس خاموشی کو کسی کے رونے کی آواز توڑ دیتی لیکن عالم یہ تھا کہ لوگ رونے والے کو سر اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ سب ایک ہی مصیبت کا شکار تھے کون کسی کو تسلی دیتا۔

یہ رات بھی دوسری بھیانک راتوں کی طرح تھی۔ جہاز میں لوگ الٹے سیدھے پڑے تھے۔ کچھ لوگ جاگ رہے تھے کچھ سو رہے تھے۔ خاصی رات گزر چکی تھی۔ دفعتاً جہاز میں ایک تیز نسوانی چیخ گونج اٹھی۔ لوگوں نے کسلمندی سے پہلو بدلے اور پھر گھٹنوں میں سر چھپا لئے۔

"نہیں۔نہیں۔خدا کے لئے نہیں۔" دردآمیز نسوانی آواز پھر سنائی دی۔ یہ آواز ان عام آوازوں سے ذرا مختلف تھی جو روزانہ سنائی دیتی

تھیں۔ کسی کو مخاطب کر کے کچھ کہا گیا تھا۔ اس لئے سونے والے کچھ چونکے۔

''نہیں۔ نہیں۔ آہ۔ نہیں'' عورت کی آواز پھر گونجی اور پھر وہ زور سے چیخی۔ ''بچاؤ''

اور اس بار بہت سی گردنیں اٹھ گئیں۔ جہاز کی دم کے قریب ایک ٹوٹی سیٹ پر کوئی ڈرامہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک اسپینش نوجوان تھا جس نے اپنے قریب سوئی ہوئی ایک لاوارث لڑکی پر وحشیانہ حملہ کر دیا تھا۔ چونکے ہوئے لوگ گردنیں کچھ اور بلند کر کے ان دونوں کی دھینگا مشتی دیکھنے لگے۔

''میں۔ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ سمجھی۔ ورنہ خاموش رہ۔'' اسپینش نوجوان کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی کپڑے پھٹنے کی آواز سنائی دی۔

''بچاؤ۔ آہ۔ بچاؤ۔'' لڑکی پھر چیخی اور پھر وہ اٹھ کر بھاگی۔ اسپینش نوجوان نے لپک کر اس کی ٹانگیں پکڑ لیں اور لڑکی بری طرح گری۔ دوسرے لمحے اسپینش نوجوان اس پر سوار تھا لڑکی کی گھٹی گھٹی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

لیکن اسی وقت ایک اور نوجوان اٹھ کر اسپینش نوجوان کے سر پر پہنچ گیا۔

دوسرے نوجوان نے پوری قوت سے اس کے لمبے بالوں کو پکڑ کر اسے لڑکی پر سے اٹھا لیا۔

''میرا خیال ہے اس سخت سردی کے باوجود ابھی یہاں موجود لوگوں کے خون اس قدر سرد نہیں ہوئے ہیں۔'' اس دوسرے نوجوان نے کہا اور اسپینش نوجوان نے اسے ایک موٹی سی گالی دی۔ دوسرے لمحے وہ دوسرے نوجوان سے لپٹ پڑا۔ لیکن اسپینش نوجوان کے مقابلے میں دوسرے نوجوان کافی طاقتور تھا۔ اس نے اسپینش نوجوان کے دبلے پتلے جسم کو کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور پوری قوت سے جہاز کی دیوار سے دے مارا۔ اسپینش نوجوان کی دلخراش چیخ سنائی دی اور بہت سے لوگ گھبرا کر اٹھ گئے۔

روشنی میں جہاز کی دیوار کے قریب اسپینش نوجوان بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کا سر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا پائلٹ؟'' ایک اور نوجوان نے کہا۔

''تم میں سے جتنے اس کے حمایتی ہوں اٹھ کھڑے ہوں۔'' دوسرے نوجوان نے جو جہاز کا پائلٹ راڈرک تھا غراتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے تینوں ساتھی اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گئے۔ اسپینش نوجوان کی حمایت میں بولنے والے نوجوان نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی تھی۔ دوسرے لوگوں میں بھی کوئی کچھ نہ بولا۔ اسپینش نوجوان نے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا تھا۔

''اس کی لاش کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔'' راڈرک نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور والکوب اور مائیکل نے آگے بڑھ کر اسپینش نوجوان کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ پھر وہ اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جانے لگے۔ درمیان میں سونے والے جلدی جلدی اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے لاش لے جانے والوں کو راستہ دے دیا تھا اور پھر مائیکل اور والکوب لاش باہر پھینک کر واپس آ گئے۔ تمام مسافروں پر سکتہ طاری تھا۔ لڑکی ایک کونے میں بیٹھی رو رہی تھی۔ بوڑھے خاور نے اپنی بیٹی کو آواز دے کر کہا کہ لڑکی کو اپنا لباس دے دو۔ اور فروزاں اور فرزانہ جلدی سے اٹھ کر لڑکی کے قریب پہنچ گئیں۔ انہوں نے لڑکی کو لباس پہنایا اور اسے اپنے پاس ہی لٹا لیا۔ جہاز کے مایوس مسافر پھر اپنی جگہوں پر لیٹ گئے۔ سب خاموش تھے اور سب کے ذہنوں میں بے

شمار خیالات کلبلا رہے تھے۔ان کے ذہن نہ جانے کہاں کہاں دوڑ رہے تھے۔اور رات بھر لوگ کبھی سوتے اور کبھی جاگتے رہے خاص طور سے عورتوں کی بری حالت تھی۔سب ہی خوفزدہ تھیں۔اگر یہ رجحان بڑھ گیا تو؟

دوسری صبح حسب معمول اداس تھی۔لوگ جہاز کے ڈھانچے سے باہر نکل آئے۔اور اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔وہی بیزاری وہی مایوسی،خوراک کی تلاش،وہی روزمرہ کے معمولات۔رات کے واقعے کو سب فراموش کر چکے تھے۔شاید وہ لڑکی بھی جس کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا تھا۔

''کیا تم کچھ دیر مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو گے؟'' جون آلٹرے نے نوجوان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور نوجوان چونک کر رک گیا۔اس نے سوالیہ نظروں سے جون آلٹرے کو دیکھا۔یہ وہی نوجوان تھا جس نے اسپینش نوجوان کی موت پر آواز بلند کی تھی۔لیکن پھر راڈرک اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے آلٹرے کے تنومند جسم سے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''ایک انتہائی اہم مسئلہ۔'' آلٹرے نے کہا۔''آؤ۔ہم اس ٹیلے پر چل کر بیٹھیں۔'' اس نے دوستانہ انداز میں نوجوان کا ہاتھ پکڑ لیا اور نوجوان اس کے ساتھ چل پڑا۔

''میں اس کے لئے رنجیدہ ہوں۔جسے رات کو بیدردی سے مار ڈالا گیا۔'' آلٹرے نے برف کے سخت تودے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔''کیا وہ تمہارا دوست تھا۔''

''نہیں۔اسی سفر میں شناسائی ہوئی تھی۔'' نوجوان نے کہا۔

''تمہارا نام شاید بارٹر ہے؟''

''ہاں۔''

''تو مسٹر بارٹر۔اگر غور کیا جائے تو اب تو ہم سب ایک دوسرے کے دوست،ایک دوسرے کے مونس ہیں۔تقدیر نے اس ویرانے میں ہمیں لا پھینکا ہے اور یہاں ہم موت کا انتظار کر رہے ہیں۔کیا یہ بے بسی کی موت کسی کو قبول ہے؟''

''میں سمجھ نہیں سکا۔'' بارٹر نے کہا۔

''معمولی سی بات ہے مسٹر بارٹر۔ہم جانتے ہیں کہ موت ہم سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ اس برفستانی قبرستان سے نکلنا ناممکن ہے۔لیکن یہ خشک لمحات۔موت کا انتظار۔ہم موت کا انتظار اس طرح کیوں کریں۔کیوں نہ ہم برف کی سفیدی میں کچھ رنگینیاں شامل کر لیں تاکہ ہنستے کھیلتے موت کو قبول کر لیں۔''

''رنگینیوں سے کیا مراد ہے؟''

''یہ لڑکیاں۔جن کی تعداد تو جوانوں کے برابر ہی ہو گی۔کیونکہ ہم مردوں میں بوڑھوں کا شمار نہیں کریں گے۔یہ لڑکیاں ہماری اس مختصر زندگی کو دلچسپ بنا سکتی ہیں۔لیکن بوڑھوں نے اس بھیانک مقام پر بھی ہمارے اوپر پابندیاں عائد کر دی ہیں۔نوجوانوں کے مقابلے میں بوڑھوں کی

تعداد بہت کم ہے۔ اگر ہم نوجوان اتحاد کر لیں تو ان بوڑھوں کی ہمارے سامنے کیا چلے گی اور اگر انہوں نے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو ہم انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے بلکہ میرا تو یہی خیال ہے کہ بوڑھوں کی زندگی ضروری نہیں ہے۔ یہاں ہمارے گزارے کے لئے صرف یہ مچھلیاں ہیں جن کی تعداد کے بارے میں کوئی اندازہ لگانا مشکل ہے۔ لیکن بہرحال یہ ہمارا کچھ وقت ضرور گزار سکتی ہیں ان بوڑھوں کی وجہ سے یہ خوراک بھی ضائع ہو رہی ہے جو ہمارا حق ہے۔ چنانچہ انہیں قتل کرنے سے کافی خوراک بچ سکتی ہے۔ ہم میں سے ہر نوجوان اپنی پسند کی لڑکی منتخب کرے گا اور اس لڑکی کا کفیل ہوگا۔ اس کے لئے خوراک تلاش کرے گا۔ میں ایک بات کہوں گا۔ اگر ہماری زندگی میں یہ لڑکیاں شامل ہو جائیں تو ہمارے دلوں میں امنگ پیدا ہو جائے گی اور اس طرح ممکن ہے کہ ہماری پوشیدہ صلاحیتیں ابھر آئیں اور ہم یہاں سے نکلنے کا بندوبست کر لیں۔''

بارٹر متحیرانہ نگاہوں سے آلٹرے کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہونٹ تر کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے متفق ہوں مسٹر آلٹرے۔ لیکن کیا دوسرے نوجوان اس کے لئے تیار ہو جائیں گے؟''

''انہیں تیار کرنا ہوگا۔ اگر تم میری بات سے متفق ہو تو دوسرے بھی متفق ہوں گے۔ پھر کیوں نہ اس کی ابتداء ہم کریں۔ اگر ہم انہیں متفق کر سکے تو پھر کس کی مجال ہوگی کہ ہمارے سامنے آئے۔ میں جانتا ہوں کہ نوجوانوں میں سے کچھ سرپھرے ہمارے مخالف بھی ہوں گے لیکن اگر ہماری تعداد بڑھ گئی تو پھر وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔''

''بالکل ٹھیک ہے مسٹر آلٹرے۔ پھر براہ کرم مجھے بتاؤ۔ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''خفیہ طور پر آج ہی سے یہ مہم شروع کر دی جائے۔ تم اپنے طور پر اور میں اپنے طور پر نوجوانوں سے بات کرتا ہوں اور پھر وہ بھی یہی کام کریں۔ تمام تحریکیں اسی طرح جڑ پکڑتی ہیں۔''

''میں یہ کام آج ہی شروع کر دوں گا۔''

''وعدہ۔'' آلٹرے نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''وعدہ۔'' بارٹر نے جواب دیا اور وہ ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔

☆..........☆..........☆

بوڑھا پروفیسر خاور آج سب سے آخر میں نکلا تھا۔ دوسرے تمام شکار کی تلاش میں جا چکے تھے لیکن بوڑھا کچھ تیاریوں میں مصروف تھا۔ نہ جانے وہ جہاز میں کیا کیا تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ آج اس نے اسکائنگ شوز بھی ساتھ لئے تھے۔ جسے دیکھ کر اس کی بیٹی فرزانہ نے پوچھا۔

''یہ اسکائنگ شوز کیوں ڈیڈی؟''

''آج میں ذرا لمبے راستے پر جاؤں گا۔'' خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہم لوگ؟''

''تم لوگ آج یہیں رہو۔ دوسری لڑکیوں کو ساتھ لے کر قرب و جوار کی سیر کرو۔ میرا خیال ہے تم لوگ اپنی حفاظت کر سکتی ہو؟''

''لیکن کیوں ڈیڈی۔ آج یہ تبدیلی کیوں؟''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں فرزانہ۔ آج میں ذرا لمبا سفر کروں گا۔ کیا میں تمہاری طرف سے مطمئن ہو جاؤں؟''

''جیسی آپ کی مرضی ڈیڈی۔'' فرزانہ نے کہا اور بوڑھے نے مسکرا کر ان دونوں کے شانے تھپتھپائے اور پھر وہ برف کی سرنگ سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر اس نے اسکائنگ شوز پیروں میں باندھے اور ہاتھوں میں پکڑے ہوئے گزوں سے اپنے جسم کو دھکیلنے لگا اور پھر وہ برف کے میدان میں پھسلنے لگا۔ بہت سے نوجوان اسے راستے میں ملے لیکن وہ ان سب کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتا رہا۔ آج اس کا رخ ان ڈھلانوں کی طرف تھا جو ناقابل عبور تھے۔

برف پر رزق کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کو وہ بہت پیچھے چھوڑ آیا۔ بلاشبہ یہ طاقت ور بوڑھا بے شمار صلاحیتوں کا مالک تھا وہ شاندار اسکائنگ کر رہا تھا اور تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ جس لائن پر وہ آگے بڑھ رہا تھا اسے اس نے پوری طرح ذہن نشین کر لیا تھا اور پھر وہ اتنا آگے نکل آیا تھا جتنا دوسرے لوگ کبھی نہیں آئے تھے لیکن وہ وہاں بھی نہ رکا۔ کافی دیر کے بعد وہ بالآخر ڈھلانوں کے قریب پہنچ گیا۔ گہرے ڈھلان تا حد نگاہ پھیلے ہوئے تھے اور ان کا کہیں اختتام نہیں نظر آ رہا تھا۔ یقیناً ان ڈھلانوں کے اختتام پر دوسرے ڈھلان بھی تھے۔ وہ نہ جانے کہاں تک گئے ہوں۔ بوڑھا ڈھلانوں کے کنارے پر کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہ برف کے ایک سرے پر کسی سیاہی پر پڑی اور وہ اسے گھورتا رہا۔ پھر اس نے گز سنبھالے اور اس سیاہی کی طرف بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سیاہی کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہاں رک کر اس نے پھر ڈھلانوں کو دیکھا۔ اس طرف کے ڈھلان دور تک ہموار تھے اور راستے میں برف کے ابھرے ہوئے تودے نہیں نظر آتے تھے۔ کئی منٹ تک ان ڈھلانوں کو دیکھنے کے بعد اس نے ان سیاہ چٹانوں کو دیکھا جو برف سے جھانک رہی تھیں۔ یہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی اور وہ چٹانیں ابھر آئی تھیں۔ وہ چٹانوں کے قریب پہنچ گیا اور انہیں ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا۔ چٹانوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے سے برف کھودنے کا آلہ نکالا اور پھر ایک چٹان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اسکائنگ شوز کھول کر ایک طرف رکھے اور پھر چٹان کی جڑ سے برف صاف کرنے لگا۔ کافی برف کھودنے کے بعد اس نے گہری سانس لی۔ وہ چٹان کی جڑ صاف کر چکا تھا۔ اس کے بعد اس نے چٹان کے ایک ٹکڑے کو کاٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ چٹان زیادہ سخت نہ نکلی اور تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ ایک بڑا ٹکڑا علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تقریباً دو من وزنی پتھر کو ایک طرف سرکانے کے بعد وہ پھر ویسا ہی ایک ٹکڑا علیحدہ کرنے لگا اور دو گھنٹے کی سخت محنت کے بعد اس نے چار وزنی پتھر چٹان سے جدا کر دیئے۔ پھر وہ ان وزنی پتھروں میں سے ایک کو برف پر کھسکاتا ہوا ڈھلان کے کنارے لے آیا۔ دوسرے پتھر کو اس نے ایک جگہ سے تقریباً پچاس گز دور رکھا اور اس طرح باقی دونوں ٹکڑوں کو بھی اس نے پچاس پچاس گز کے فاصلے پر رکھ دیا۔ وہ اس تمام کام سے تھک گیا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد وہ پھر اٹھا اور ایک ٹکڑے کے قریب پہنچ گیا۔ پتھر ڈھلان کے کنارے پر تھا۔ تھوڑی طاقت نے اسے ڈھلان پر دھکیل دیا اور وزنی پتھر ڈھلان پر پھسلنے لگا۔ وہ تیزی سے ڈھلان پر جا رہا تھا اور بوڑھا گہری آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ پتھر کی رفتار بھی نوٹ کر رہا تھا اور اس کے پھسلنے کا انداز بھی دیکھ رہا تھا۔

لیکن اچانک پتھر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ نرم برف کے کسی حصے میں غروب ہو گیا تھا۔ بوڑھے کا دل دھک سے ہو گیا۔ چند منٹ وہاں رہنے کے بعد وہ دوسرے پتھر کے نزدیک آیا اور اس نے اسے بھی ڈھلان میں دھکیل دیا۔ دوسرا پتھر بھی اسی رفتار سے چل پڑا۔ اس نے پہلے پتھر سے کافی زیادہ سفر طے کیا لیکن ایک مخصوص فاصلے پر پہنچ کر وہ زور سے اچھلا اور فضا میں کئی گز بلند ہو گیا۔ اس کے بعد نیچے گرا اور پھر بلند ہو گیا۔ اس دوران الٹ پلٹ ہوتا رہا تھا۔ بہرحال کافی دور تک نظر آنے کے بعد وہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور بوڑھے نے ایک گہری سانس لی۔ پھر تیسرے پتھر کی طرف چل پڑا۔ تیسرا پتھر بغیر کسی رکاوٹ کے ان ڈھلانوں تک پہنچ گیا جو آگے جا کر نگاہوں سے معدوم ہو جاتے تھے اور بوڑھے نے ایک گہری سانس لی۔ اس نے برف پر ایک گہرا نشان بنا دیا اور آخری پتھر کی طرف چل پڑا۔ اور اس پتھر نے بھی اپنا سفر بخیر خوبی طے کیا تھا اور وہ بھی نگاہوں سے معدوم ہو گیا۔ بوڑھے نے یہاں بھی ایک نشان بنایا اور پھر وہ قرب و جوار میں ابھری ہوئی چٹانوں کو دیکھنے لگا۔

سورج ڈھلنے لگا تھا۔ بوڑھے نے چند چھوٹے چھوٹے پتھر کاٹ کر برف کا ایک تودہ بنایا اور پتھروں کو اس پر رکھ دیا۔ یہ گویا اس نے نشان بنایا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اسکائنگ شوز دوبارہ باندھے اور پھر سست روی سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ اب اس نے اپنا اصل کام شروع کر دیا۔ وہ گزوں سے برف ٹٹول رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا اور اس نے اسکائنگ شوز دوبارہ کھول دیئے۔ اس کے بعد وہ برف میں گڑھا کھودنے لگا۔ یہاں تک کہ پانی نکل آیا اور شام کو چار بجے کے قریب جب وہ واپس پلٹا تو اس کے تنومند جسم سے چار مچھلیاں لٹکی ہوئی تھیں۔

☆..........☆..........☆

وہ ایک ابر آلودہ صبح تھی۔ رات بھر برفباری ہوتی رہی تھی۔ اور برف کی تہہ جگہ جگہ موٹی ہو گئی تھی۔ حسب معمول بوڑھے اور جوان بچے کھچے گوشت کا ناشتہ کر کے شکار کی تلاش میں جانے کی تیاریاں کر رہے تھے پھر وہ ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے۔ نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد آج معمول سے پہلے باہر نکل گئی تھی۔ صرف چند نوجوان تھے جو بوڑھوں کے ساتھ ہی باہر نکلے تھے۔ سرنگ کے دہانے سے وہ چند ہی گز گئے ہوں گے کہ اچانک نوجوانوں کا ایک گروہ سامنے سے نکل آیا۔ ان کی تعداد ستر کے قریب تھی۔ سب کے سب برف کھودنے کے آلات سے مسلح تھے اور سب کے چہروں پر ایک خوفناک تاثر تھا۔ بوڑھے اور ان کے ساتھی نوجوان چونک کر رک گئے۔

تب آلٹرے آگے بڑھا۔ اس کا چہرہ شرارت سے چمک رہا تھا۔ اس نے ایک زہر خند مسکراہٹ سے خاور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

''بوڑھے پروفیسر خاور۔ میں نے جس وقت کی پیشن گوئی کی تھی بالآخر وہ آ گیا۔ آج نوجوانوں کا یہ گروہ میرا ہم خیال ہے اور میرے ایک اشارے پر تم سب کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو تیار ہے۔''

''لیکن بات کیا ہے مسٹر آلٹرے۔'' ایڈمنڈ سسکو نے جو بوڑھوں کی صف میں شامل تھا، حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم نوجوانوں نے ایک فیصلہ کیا ہے مسٹر سسکو۔ کافی غور و خوض کے بعد ہم نے ان نوجوانوں کو چھانٹا ہے جو ہمارے ہم خیال ہیں۔ امید ہے تم بھی ہم سے اتفاق کرو گے۔''

''وہ فیصلہ کیا ہے مسٹر آلٹرے؟'' ایڈمنڈ سسکو نے پریشانی سے کہا۔

''مسٹر سسکو۔ آپ کو علم ہے کہ یہاں اس برف پر ہماری زندگی لمحاتی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کون کس وقت موت کے شکنجے میں جا پھنسے یہاں ہمارے لئے موت کے علاوہ کچھ نہیں۔ برف، سردی اور بھوک یہ تمام چیزیں موت کو آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھا رہی ہیں اور بہرحال اسے قبول کرنے کے لئے مجبور ہیں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں جب ہم اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں تو کیوں نہ زندگی کے یہ لمحات آزادی سے اور اپنی مرضی سے گزاریں ہم نے محسوس کیا ہے کہ تم بوڑھوں کے قیدی بن کر رہ گئے ہیں۔ تم نے اپنی زندگی کا زیادہ وقت عیش و عشرت میں گزارا ہے لیکن ہمیں اس نوجوانی میں موت قبول کرنا پڑ رہی ہے۔ کیا یہ ناانصافی درست ہے۔''

''لیکن یہ ناانصافی ہم سے کسی کی نہیں ہے آلٹرے۔ کیا تم ہمیں اس کا ذمہ دار سمجھتے ہو؟'' سسکو نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو لیکن تم نے جو قیود ہمارے اوپر لگا رکھی ہیں۔ کیا تم ان سے انکار کرو گے؟''

''براہ کرم ان کی تفصیل بتاؤ؟''

''لڑکیاں۔ یہ تمام لڑکیاں بوڑھوں کی قیدی ہیں۔ ہم سب مایوسی کا شکار ہیں۔ ہم سب موت کے راہی ہیں۔ ہماری زندگی اندھیرے کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے۔ ہمیں روشنی کی ضرورت ہے۔ ہمیں تازگی کی ضرورت ہے۔ ہمیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو سسکو عورت مرد کی زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اگر اس کا قرب مل جائے تو صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں۔ مایوسیاں دور ہو جاتی ہیں لیکن تم نے لڑکیوں کو ہم سے دور کر رکھا ہے۔ تم نے اس ناقابل یقین زندگی میں رنگینی کے لمحات ہم سے چھین لئے ہیں۔ ہم ان لمحات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب ان لڑکیوں کو آپس میں بانٹ لینا چاہتے ہیں۔ ہم اس چند روزہ زندگی کو حسین بنانا چاہتے ہیں لیکن ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تم لوگ ہو۔'' آلٹرے خاموش ہو گیا۔ تمام بوڑھوں کے چہرے خوف سے سفید ہو گئے تھے۔ یہ بڑا خطرناک رجحان تھا۔

''لیکن تم مہذب دنیا کے مہذب لوگ ہو۔ کیا تمہارے ضمیر یہ برداشت کر لیں گے کہ یہ بے سہارا باعزت لڑکیاں تمہاری ہوس کی بھینٹ چڑھ جائیں؟'' سسکو نے اپیل کی اور آلٹرے نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''مہذب دنیا۔ کون سی مہذب دنیا۔ کس دنیا کی بات کر رہے ہو سسکو۔ وہ تو ایک خواب تھا۔ کیا تم وہ خواب ہمیں دوبارہ دکھا سکتے ہو؟''

''پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' سسکو نے کسی کو نہ بولتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے یہ مچھلیاں ضائع ہو رہی ہیں جنہیں ہم زیادہ عرصہ تک اپنی خوراک بنا سکتے ہیں۔ تم نہ ہو گے تو ہم زیادہ عرصہ تک زندہ رہ سکتے ہیں۔ اس لئے ہماری پیشکش ہے کہ تمام بوڑھے نوجوانوں کی زندگی کے لئے رضاکارانہ طور پر خودکشی کر لیں ورنہ دوسری شکل میں ہم انہیں قتل کر دیں گے۔'' آلٹرے نے کہا۔

سسکو کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے نفرت سے ان سب کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم سب لوگ اس سے متفق ہو؟''

''ہاں۔ ہم نے آلٹرے کو اپنا لیڈر بنا لیا ہے۔ یہی ہماری ترجمانی کرے گا۔''

''تم بھول رہے ہو کہ تم بھی کسی کی اولاد ہو۔ تمہارے بھی بزرگ دنیا میں ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے لیکن اب اس دنیا سے ہمارا کیا واسطہ۔'' آلٹرے نے جواب دیا۔

''گویا تمہارا فیصلہ اٹل ہے؟''

''بالکل۔''

''تم ہمیں کوئی مثبت راستہ تلاش کرنے کی اجازت بھی نہ دو گے۔''

''اس سے کیا فائدہ ہوگا؟'' آلٹرے نے جواب دیا۔

''ان دوسرے نوجوانوں کا کیا ہوگا جو ہمارے ساتھ ہیں۔''

''ان کا مقدر بھی تمہارے ساتھ وابستہ ہے۔ ہاں اگر ان میں سے کچھ خلوص دل سے ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہوں تو ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے۔''

''لیکن میرے دوست۔ ہم بوڑھے اتنی آسانی سے تو نہ جان دیں گے۔ ہم تم سے جنگ کریں گے۔ ٹھیک ہے تم جوان ہو۔ ہم پر حاوی ہو جاؤ گے لیکن ہم تم میں سے چند کو ہلاک کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو اس جدوجہد سے کیا فائدہ ہوگا جو اس جنگ میں ہلاک ہو جائیں گے؟''

''وہ باقی نوجوانوں کے لئے جان دیںگے۔ کسی بھی تحریک کے لئے قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔'' آلٹرے نے کہا۔

''تب پھر غور سے سن لو جون آلٹرے۔'' دفعتاً پروفیسر خاور نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں سب سے پہلے تمہیں ہلاک کروں گا اور تم جانتے ہو میں اس میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ میں عہد کرتا ہوں کہ تم میں سے کم از کم پندرہ جوانوں کو ہلاک کروں گا۔ ہمیں تمہارا چیلنج قبول ہے۔ تیار ہو جاؤ''...... بوڑھے خاور کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

آلٹرے بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے بہت سے لوگوں کے چہروں پر بھی خوف کے آثار ابھر آئے۔

''یہ بوڑھا واقعی شیطان ہے۔ ہمیں پوری قوت صرف کر کے پہلے اسے ہلاک کرنا ہوگا۔'' آلٹرے نے کہا۔

''سنو آلٹرے۔ ٹھنڈے دل سے سنو۔ جوش میں مت آؤ۔ بوڑھے پروفیسر نے مچھلیاں حاصل کرنے میں تمہاری رہنمائی کی ہے۔ ہم جہاندیدہ ہیں قتل وغارت گری سے پرہیز کرو۔ ممکن ہے ہم سب ایسی کوئی صورت نکال لیں جو سب کے لئے سلامتی کا باعث ہو۔ ہمیں موقع دو کہ ہم غور وخوض کر کے کوئی ایسا حل تلاش کر لیں جس کے تحت تمہیں یہ ضرورت پیش نہ آئے۔''

''کیا تم لڑکیاں ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہو؟''

''اس کا جواب ہم تمہیں تھوڑی دیر کے بعد دیں گے۔'' سسکو نے کہا۔

''تب تمہیں تھوڑی دیر کی رعایت ہے۔ اس طرف جاؤ اور کوئی ایسا فیصلہ کر کے واپس آؤ جو ہمیں قابل قبول ہو۔''

''آؤ دوستو۔ ہمیں ان جذباتی نوجوانوں کے بارے میں ہمدردی سے غور کرنا چاہیئے۔ آؤ۔'' سسکو نے کہا اور تمام لوگ واپس پلٹ کر ان سے دور چلے گئے۔ نوجوانوں کا گروہ ان کے سامنے پوری طرح تیار کھڑا تھا۔

''انسان۔ دنیا کا سب خوفناک درندہ ہے۔ تہذیب و اخلاق کے ضابطوں نے اس پر لبادے ڈال دیئے ہیں لیکن جب وہ ننگا ہوتا ہے تو اپنی اصل شکل میں آجاتا ہے۔ بیشک یہ صورت حال تکلیف دہ ہے لیکن کیا اس سے نپٹنے کا راستہ اس کے علاوہ کوئی اور ہے کہ ہم ان کی بات مان لیں۔ میں اپنے تمام دوستوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں؟'' سسکو نے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے مسٹر سسکو۔ ہم میں سے کون اپنی زندگی میں اپنی عزت کا نیلام دیکھ سکے گا۔ ٹھیک ہے ہم سب لڑیں گے۔ اپنی آبرو کے لئے لڑیں گے اور ہم اپنی بیٹیوں کو بھی جنگ میں شریک کریں گے۔ اس برف پر ایک خونریز معرکہ ہو جانے دو سسکو۔ وہ ہماری اولادیں ہیں۔ ہم ان کی زندگی کے محافظ ہیں۔ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ہم انہیں بھیڑیوں کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں''..... بوڑھے نے روتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں دوست۔ میں بھی ان لڑکیوں پر آنچ آنے سے پہلے جان دینا پسند کرتا ہوں۔ میں صرف تمہاری رائے چاہتا تھا۔ درندوں کو ان کے ارادوں سے روکنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ بیشک ہماری زندگیاں موت کے مقابل ہیں۔ خواہ وہ بھوک سے آئے۔ یہاں سے نکلنے کی کوشش میں آئے، ان لوگوں سے جنگ کی شکل میں آئے۔ موت اتفاقیہ طور پر زیادہ قریب آگئی ہے پھر جب مرنا ہی ہے تو انتظار کیوں کیا جائے۔ آپ میں سے ہر ایک کو بولنے کی آزادی ہے۔ جو بہتر سوچ سکے فوراً بولے۔'' سسکو نے کہا۔

''آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے مسٹر سسکو''..... ایک بوڑھے نے پوچھا۔

''ابھی نہیں۔ ابھی کچھ اور باقی ہے۔ اب میں ان نوجوانوں سے سوال کرتا ہوں جو ہمارے ساتھ ہیں۔ دوستو تم جوان ہو۔ شاید تمہاری رگوں میں ضرورت سے زیادہ شریف خون ہے ورنہ نوجوانوں کے گروہ میں تم بھی شریک ہوتے۔ کیا انسانیت کی اس جنگ میں ہم بوڑھوں کا ساتھ دو گے۔''

''ہم سب زندگی کی بازی لگانے کے لئے بے چین ہیں۔'' نوجوانوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

''شکریہ شریف جوانو۔ اگر شر کے ساتھ خیر کا وجود نہ ہوتا تو دنیا انسانیت سے کبھی کی خالی ہو چکی ہوتی۔ اب تم اس ناچیز کی رائے سنو۔ ہمیں ان درندوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ تیاری کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی بیٹیوں کو بھی آبرو کی اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیار کرنا ہے۔ انہیں غیرت پر مر مٹنے کا سبق دینا ہے تاکہ جب ہم ان کے مقابلے پر آئیں تو تیار ہوں۔ لیکن اندازے سے پتہ چلتا ہے کہ نوجوان ہمیں اس کا موقع دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ سنو میرے دوستو۔ بڑے فتنے کو رفع کرنے کے لئے کچھ قربانیاں بھی دی جاتی ہیں۔ ہمیں کچھ ایسے بھی کام کرنے ہوں گے جن سے ہمارے ضمیر داغدار ہو جائیں لیکن مایوسی کے انتہائی اندھیروں کو روشن کرنے کے لئے ضمیر کا بوجھ بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ نوجوانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہمیں ان سے تعاون کرنا پڑے گا۔ ایسی باتیں کہنا پڑیں گی جو ان کے لئے دلکش ہوں۔ قابل قبول ہوں۔ سنو۔ میں خدا کے وجود کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں کہ تمہاری بیٹیاں میری اپنی بیٹیاں ہیں۔ تمہاری بہنیں میری اپنی بہنیں ہیں۔ میں جو کچھ ان لوگوں سے کہوں گا وہ میرے اور تمہارے ضمیر کے خلاف ضرور ہوگا۔ وہ تمہارے دل کے ٹکڑے ضرور کر دے گا لیکن یہ ضروری ہے میرے دوستو۔ یہ ضروری ہے۔ ہم دشمن پر فتح

حاصل کرلیں گے۔ اگر ہم مرے تو آبرو سے مریں گے۔ اپنی بیٹیوں کی عزت کے ساتھ دفن ہوں گے۔ تم اگر پسند کرو تو نوجوانوں سے گفتگو کرنے کے لئے میرا انتخاب کرلو۔ میں جو کچھ کہوں گا، جو کچھ کروں گا اسے مصلحت جانو اور اس پر صاد کرو!"

"ہم تمہارے اوپر بھروسہ کرتے ہیں ایڈمنڈ سسکو" بہت سے لوگوں نے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔ اب میں جوانوں سے مخاطب ہوں۔ میرے نیک بچو۔ تم نے جس عزم اور نیک نیتی اظہار کیا ہے میں تمہیں اس پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ اب ہم جو کچھ کریں گے وہ مصلحت ہوگی۔ تمہیں اپنے ضمیر کے خلاف ان لوگوں سے دوستی کرنا ہوگی۔ ان کے ارادوں میں شریک ہونا پڑے گا۔ اس کا اظہار کرنا پڑے گا۔"

"آپ جو کچھ کہیں گے ہم وہی کریں گے مسٹر سسکو۔"

"تب سنو۔ میں نوجوانوں کے لئے تجاویز پیش کرتا ہوں جو ان کے حق میں ہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ انہیں پسند کریں گے۔ تم کہو گے کہ تم بھی اس حق سے کیوں محروم رہو اور تم نوجوانوں کے اس گروہ میں شامل ہو جاؤ گے۔"

"ہم آپ کی ہدایات پر عمل کریں گے۔" نوجوانوں نے کہا۔

"تب آؤ ہم انہیں اپنا فیصلہ سنا دیں۔" سسکو نے کہا اور وہ سب نوجوانوں کے گروہ کی طرف بڑھ گئے جو انہیں شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ سسکو نے چہرے پر مایوسی پیدا کرلی۔ چند ساعت کے بعد وہ سب نوجوانوں کے سامنے پہنچ گئے۔ تب آلٹرے آگے آیا اور کینہ توز نظروں سے سسکو کو گھورتے ہوئے بولا۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا بوڑھے چالباز۔ ہم تمہارا فیصلہ سننے کے لئے بے چین ہیں۔"

"فیصلہ تمہارے حق میں ہے میرے بگڑے ہوئے بچو لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔"

"کیا شرائط ہیں۔" آلٹرے نے پوچھا۔

"ہم سے اس انداز میں گفتگو مت کرو آلٹرے۔ بہرحال جتنی بھی ہے ہم قوت ضرور رکھتے ہیں۔ ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تم میں آدھے باقی رہیں گے۔ اس کے بعد ہی تم جو کچھ کرسکو گے کرو گے لیکن عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی قوت بحال رکھیں۔ نادان لڑکو، ہماری ذہانت، تجربہ اور تمہارا عمل دونوں مل کر ایک ایسا دن لا سکتے ہیں جب ہم سب یہاں سے آزاد ہوں۔ ہم مہذب دنیا میں پہنچ سکیں۔ اگر ہم کبھی مہذب دنیا میں پہنچ گئے تو ہمارے ضمیر اس فعل پر ہمیشہ ملامت کرتے رہیں گے جس کے خواہشمند تم ہو۔ چنانچہ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ایسا حل تلاش کیا جائے جو تمہیں اور ہمیں دونوں کو قبول ہو جس سے تمہارا مقصد بھی پورا ہو جائے اور ہمارا ضمیر بھی داغدار نہ ہو۔"

"کیا تم ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے ہو بوڑھے سسکو۔" آلٹرے نے کہا۔

"ہاں۔ میرے خیال میں ایسا حل تلاش کرسکتے ہیں۔"

"تو بتاؤ ممکن ہے ہم اس پر ہمدردی سے غور کریں۔"

''ہم لڑکیاں تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ایک شرط پر۔ تم سب ان میں سے اپنی پسند کی لڑکیاں تلاش کر لو۔ اس کے بزرگ سے اس کے بارے میں بتا دو۔ ہم میں سے کوئی بھی بوڑھا تمہارے ساتھ اس کی شادی کرا دے گا۔ تم اسے بحیثیت بیوی رکھ سکو گے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر ہم تم مل کر کبھی مہذب دنیا میں پہنچ سکے تو وہ عورت تمہارے سر پر مسلط نہ ہوگی۔ تم چاہو تو اسے طلاق دے سکتے ہو۔ اس طرح ہم گنہگار بھی نہیں ہوں گے اور تمہارا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ تم اپنی بیویوں کے ساتھ زندگی گزار سکو گے۔ بتاؤ کیا اس سے تمہارا مقصد باعزت طور پر حل ہو جائے گا اور کیا اس عمل سے ان لوگوں کو بھی سکون نہ ملے گا جن کی بیٹیوں کو تم اس طرح پامال کرنا چاہتے ہو۔ رہ گئے ہم بوڑھے تو ہم پیش کش کرتے ہیں کہ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ تمہارے لئے شکار کریں گے۔ آج سے ایک ضابطہ بنا لو۔ ہم شکار کریں گے۔ ایک جگہ جمع کریں گے اور پھر اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے خواہ کتنا ہی حصہ میں کیوں نہ آئے۔ اس کے علاوہ بھی ہم تمہاری ہر ممکن خدمت کریں گے۔ ہمیں بھی زندہ رہنے دو۔''

آلٹرے کے چہرے پر غور و خوض کے آثار ابھر آئے اور پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ ''کیا دوسرے لوگ بھی اس کے لئے تیار ہیں؟''

''ہاں۔ ان غیر یقینی حالات میں، میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے۔''

''لیکن۔ ایسی شکل میں ہم کیوں گھاٹے میں رہیں مسٹر سکو۔'' راڈرک نے مداخلت کی۔

''کوئی گھاٹے میں نہیں رہے گا۔ ہم سب کے لئے ایک ہی انداز میں سوچیں گے۔''

''ہم بھی مسٹر آلٹرے کے ساتھ شامل ہیں۔'' راڈرک نے کہا اور نوجوانوں کا ٹولہ پروگرام کے مطابق آلٹرے کے ساتھیوں میں جا ملا۔

''کیا مشورہ ہے دوستو۔'' آلٹرے نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' نوجوانوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''تب ٹھیک ہے۔ ہمیں تمہاری شرط منظور ہے۔'' آلٹرے نے جواب دیا اور نوجوان خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ بوڑھوں کی گردنیں لٹک گئی تھیں۔

''نوجوانوں کے لیڈر کی حیثیت سے تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اپنی لڑکیوں کو باہر بھیج دو اور تم لوگ اسی وقت سے ہمارے لئے کام کرنا شروع کر دو''۔ آلٹرے نے کہا۔

''ہم تمہاری دوسری ہدایت پر فوری عمل کرنے کے لئے تیار ہیں مسٹر آلٹرے۔ تم نہ صرف نوجوانوں کے بلکہ ہمارے بھی لیڈر رہو۔ ہم کوئی کام تمہاری مرضی کے بغیر نہ کریں گے۔ لیکن جو باعزت سمجھوتہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہوا ہے تمہیں بھی اس کی پابندی کرنا ہوگی''۔ سسکو نے کہا۔

''کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا''۔ آلٹرے نے سسکو کے انداز گفتگو سے قدرے نرم ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ فیصلہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہوا ہے۔ بے چاری لڑکیوں کو ابھی اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اگر ہم نے اسی طرح انہیں تمہارے سپرد کر دیا تو ان کے ذہن تم میں سے کسی کو قبول نہ کر سکیں گے اور یوں بھی مصیبت کے وقت میں رومان ان کے ذہنوں میں نہ ہوں گے۔ خاص طور سے اس لئے کہ وہ لڑکیاں ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ تم سے کسی کو پسند کرتی ہوں۔ میرے کہنے کا مقصد ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں تھوڑا سا وقت دینا ہوگا۔ تاکہ ہم ان کے ذہنوں کو تمہاری طرف رجوع کے لئے تیار کر سکیں''۔

آلٹرے کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں وقت دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ایک بات کی نشاندہی کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ تم لوگوں نے اگر ہمارے خلاف سازش کی تو پھر ہم ہر معاہدے سے آزاد ہوں گے اور اس کے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوگی''۔

''برف کے اس ویرانے میں ہماری زندگیاں یوں بھی بہت مختصر ہیں۔ یہاں سازشوں کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم تمہاری صلاحیتوں کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اگر لڑکیوں کے حصول کے بعد تمہارے ذہن یکسو ہو سکیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔ کیونکہ اس طرح یہاں سے نکلنے کے لئے کوئی ترکیب سوچی جا سکتی ہے۔ لیکن لڑکیوں کو بھی بہرحال صورت حال سمجھانا ہوگی۔ ہاں وہ شرط برقرار ہے۔ ہم مناسب اوقات میں تم لوگوں کو عارضی ازدواجی رشتوں میں منسلک کئے بغیر لڑکیاں تمہارے حوالے کرنے کو تیار نہ ہوں گے''۔

''ہم وہ شرط منظور کر چکے ہیں''۔ آلٹرے نے کہا اور نوجوان خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے ساتھ شامل ہونے والے شریف نوجوان بھی انہیں کے ساتھ چلے گئے تھے۔ تاکہ ان کے عزائم سے باخبر رہیں۔ نوجوانوں کے گروہ کے جانے کے بعد بوڑھے سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ وقتی طور پر انہوں نے اس طوفان کو ٹال دیا تھا۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ طوفان ٹلا نہیں ہے۔ اس سے نمٹنے کے لئے سخت کاوشیں کرنا ہوں گی۔

کافی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر بوڑھے خاور نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں لڑکیوں سے گفتگو کر لینا چاہئے۔ انہیں ان کی عزت بچانے کی مہم میں برابر کا شریک رکھا جائے تو بہتر ہے''۔

''میرے خیال میں ہمارا ان سے گفتگو کرنا درست نہ ہوگا پروفیسر خاور اور پھر بہرحال نوجوان ذہین ہیں۔ مایوسی نے انہیں درندہ بنا دیا

ہے۔ وہ بہک گئے ہیں لیکن ذہانتیں برقرار ہیں۔ ان سے نبٹنے کے لئے زبردست صلاحیتوں سے کام لینا پڑیگا'' ۔ سکو نے کہا۔

''آپ کی کیا رائے ہیں مسٹر سکو''۔

''اس سلسلے میں آپ کو اپنی لڑکیوں کی صلاحیتوں سے بھی کام لینا ہوگا۔ میں نے محسوس کیا ہے پروفیسر خاور کہ آپ کی بچیاں کافی خود اعتماد ہیں۔ وہ اس پورے ہنگامے کے دوران خوفزدہ یا مایوس نظر نہیں آئیں۔ آپ یہ کام اپنی دونوں بچیوں کے سپرد کر دیں۔ وہ دوسرے لڑکیوں کو صحیح انداز میں صورت حال سے باخبر کر کے انہیں حالات سے نبٹنے کے لئے تیار کریں اور ان کا عندیہ لیں''۔

''ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں''۔ خاور نے کہا۔ ''بہر حال دوسرا کام ہمیں آج سے کرنا ہوگا''۔

''یعنی شکار کی تلاش؟''

''ہاں۔'' پروفیسر خاور نے جواب دیا۔

''اس کے لئے ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی پروفیسر خاور۔''

''میرے اندازے کے مطابق یہاں ابھی اتنی خوراک موجود ہے جو ہمارے لئے ایک ماہ تک کافی ہوگی۔ میں ان جگہوں کی نشاندہی ضرور کر دونگا۔ پہلے میں لڑکیوں کو صورت حال سے باخبر کر دوں۔ آپ لوگ میرا انتظار کریں''۔ پروفیسر خاور نے کہا اور پھر وہ برف کی سرنگ کے اندر داخل ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد وہ لڑکیوں کے قریب تھا۔ اس نے فرزانہ اور فروزاں کو دوسری لڑکیوں سے الگ بلایا اور انکے قریب بیٹھ گیا۔ لڑکیاں بغور باپ کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے ڈیڈی۔ آپ کچھ فکر مند ہیں؟''

''فکر مند نہیں۔ البتہ کچھ مسائل ضرور پیش آگئے ہیں''۔ پروفیسر خاور نے کہا۔

''وہ کیا ڈیڈی؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''تم دونوں میری عادت سے واقف ہو۔ میرے نظریات بھی جانتی ہو۔ میں سانس کی آمد و رفت تک انسان کو بے بس نہیں سمجھتا۔ انسان صرف خدا کے سامنے بے بس ہے۔ خدا نے اسے زندگی دی ہے اور جب وہ دیتا ہے تو اسے بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔

دوسرے لوگ مایوسی کے شکار ہیں۔ مگر میں نہیں ہوں۔ میں اس برف پر اس وقت تک کی زندگی پر یقین رکھتا ہوں جب تک موت کا وقت نہ آجائے۔ تمہیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ میں اس ویرانے سے فرار ہونے کا منصوبہ تیار کر چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم دونوں کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤں اور بلاشبہ میں نے اس کے انتظامات بھی کر لئے ہیں لیکن یہ انتظامات دوسروں کے نگاہوں میں دیوانگی ہی کہلائے۔ کوئی میرا ساتھ نہ دیتا سوائے تم دونوں کے۔ اس لئے میں نے کسی سے ذکر ہی نہ کیا۔ میں اگر ایک احمقانہ کوشش کر رہا ہوں تو یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ دوسروں کو کیوں میں اپنے تجربے کی بھینٹ چڑھاؤں۔ ممکن تھا آج ہم ایک عجیب سفر شروع کر دیتے جس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ زندگی کی پرخار وادیوں کی سیر کراتا یا موت کی پرسکون منزل میں پہنچاتا۔ لیکن بہر حال میں نے اسے مناسب سمجھا تھا۔ اس وقت تک مجھے دوسروں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

میں اپنا مسئلہ خود حل کرتا کیونکہ وہ میرا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن اب صورتحال اچانک بدل گئی ہے اور میں مجبور ہو گیا ہوں کہ اس وقت انہیں تنہا نہ چھوڑوں"۔ خاور نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا اور لڑکیاں پریشانی سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔ خاور کی الجھی ہوئی گفتگو ان کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"دراصل نوجوانوں کا ایک گروہ۔ اس بدبخت آلٹرے کی سرکردگی میں بغاوت پر آمادہ ہو گیا ہے جسے میں نے مارا تھا"۔

"بغاوت۔؟ وہ کیا چاہتے ہیں ڈیڈی"۔ فرزانہ نے پوچھا۔

"لڑکیاں۔ ان کا خیال ہے کہ اس ویرانے میں ان کی موت بے رنگ نہ ہو۔ اور مرنے سے قبل وہ اپنی سفلی آرزوؤں کی تکمیل کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے بوڑھوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ تاکہ لڑکیوں کو اپنے تصرف میں لاسکیں"۔

"اوہ"۔ فرزانہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"تھوڑی سی غلطی میری بھی تھی۔ میں نے اس خطرناک پاگل کے رجحان کو پڑھ لیا تھا۔ مجھے چاہئے تھا اسے اسی دن برف میں دفن کر دیتا۔ لیکن میں نے انسانی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا مناسب نہ سمجھا۔ اسے بھاگ جانے دیا اور وہ بہت خطرناک ثابت ہوا"۔

"پھر کیا طے پایا ڈیڈی؟" فرزانہ نے کہا۔

"ہم نے وقتی طور پر اس وعدے کے ساتھ ان وحشیوں کو سنبھال لیا ہے کہ لڑکیاں ان کے حوالے کر دی جائیں گی۔ لیکن زیادہ عرصے تک ہم انہیں نہ روک سکیں گے چنانچہ اب اپنی عزتوں کی حفاظت کے لئے لڑکیوں کو خود میدان عمل میں آنا پڑے گا"۔

"انہیں کیا کرنا ہوگا؟"

"نوجوانوں کی دلدہی۔ انہیں اپنی ذہانت سے اپنی عزت بچانا ہوگی۔ اور ہمیں اتنا وقت فراہم کرنا ہوگا کہ ہم ان سے نبٹنے کی تیاریاں مکمل کر سکیں۔ لیکن یہ بات صرف لڑکیوں کی ذہانت پر مبنی ہے۔ ہمیں انہیں نوجوانوں سے ملنے کی آزادی دینا ہوگی۔ ورنہ نوجوان شبہات میں مبتلا ہو جائیں گے اور ممکن ہے وقت سے پہلے یہاں کوئی خونریز معرکہ ہو جائے۔ اب یہ کام صرف لڑکیوں کا ہے کہ وہ کس طرح انہیں بیوقوف بنا کر ٹال سکتی ہیں۔ ہم نے ان سے کہا ہے کہ ہم ان کی عارضی شادی کر دیں گے تاکہ وہ عزت سے ایک ایک لڑکی کے مالک بن سکیں"۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے ڈیڈی"۔؟ فرزانہ نے پوچھا۔

"تمہیں بوڑھوں کے گروہ نے مقرر کیا ہے کہ تم دوسری لڑکیوں کو اس کام پر آمادہ کر سکو۔ اور سنو میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ تم بھی دوسروں کی طرح اپنا کام کرو۔ یہ انسانیت کی جنگ ہے اس میں ہر حربہ جائز ہے۔ میں چشم پوشی کروں گا۔ کیا میں جاؤں"۔؟ بوڑھے پروفیسر خاور نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اوکے ڈیڈی۔ آپ جائیں۔ رات کو ہم آپ کو رپورٹ دیں گے"۔ فرزانہ نے کہا۔

"لیکن نہایت ہوشیاری سے۔ نوجوان ہماری طرف سے خوفزدہ ہیں۔ وہ ہم پر کڑی نگاہ رکھیں گے"۔ خاور نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ بےفکر رہیں"۔ فروزاں نے جواب دیا اور خاور گردن ہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔ باہر آکر اس نے سسکو وغیرہ کو بتایا کہ اس نے انتظام کر

لیا ہے اور پھر وہ مچھلیوں کی تلاش میں چل پڑے۔

☆..........☆..........☆

شام کو بوڑھوں کی ٹیم واپس آئی۔ نوجوانوں کا گروہ انہیں سرنگ کے باہر ہی ملا۔ لیکن ایک چھوٹے سے کیبن کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ یہ کیبن جہاز کی ٹوٹی ہوئی سیٹوں، پائلٹ کیبن کے پارٹیشن اور کینوس کے ٹکڑوں سے بنایا گیا تھا۔ قریب پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ یہ نوجوانوں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ جہاں سے وہ بوڑھوں پر نگاہ رکھیں گے۔ نوجوان بہت خوش تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ بوڑھوں کے کندھوں سے لٹکی ہوئی مچھلیاں دیکھ کر وہ بہت خوش تھے۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں نے پروفیسر خاور کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن لطف کی بات تو جب ہے کہ جب پروفیسر خاور روزانہ ہمیں اتنی مچھلیاں فراہم کر سکیں"۔ آلٹرے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے ہم سے تعاون کیا مسٹر آلٹرے تو ہوسکتا ہے کہ ہمیں یکساں غذا سے نجات مل جائے۔ ہوسکتا ہے ہم ایسی دنیا تلاش کر سکیں جہاں زندگی بسر کرنے کی آسانیاں ہوں"۔ بوڑھے خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا پروفیسر"۔ آلٹرے نے حیرانی سے کہا۔

"میں تم سے پھر گفتگو کروں گا آلٹرے"۔ خاور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ضرور۔ اور میں تمہیں خاص طور سے اہمیت دوں گا۔ کیونکہ مستقبل میں، میں تمہارے عقیدتمندوں میں شامل ہوں گا۔ میں تمہاری لڑکی سے اپنی پسندیدگی کا اظہار پہلے ہی کر چکا ہوں"۔ آلٹرے نے ہنستے ہوئے کہا اور خاور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"اے محنت کش بوڑھو۔ مچھلیاں تلاش کرنے کے ہتھیار یہاں جمع کرادو۔ تم روزانہ صبح ہتھیار یہاں سے حاصل کر سکتے ہو۔ جہاز سے ایسی ہر چیز ہٹا کر اس کیبن میں جمع کر دی گئی ہے جو بطور ہتھیار استعمال ہو سکے۔ کیونکہ انسان کے مزاج کو بگڑتے دیر نہیں لگتی۔ یہ رائے ہمارے نوجوان دوست راڈرک کی تھی۔ کیونکہ بہرحال مسٹر راڈرک دوسرے سے بہتر صلاحیتوں کے مالک ہیں"۔ ایک نوجوان نے کہا۔

"ہاں۔ دوسرے نوجوانوں کی ہم میں شمولیت نے ہمارے عزم کو بلند کر دیا ہے۔ خاص طور سے مسٹر راڈرک۔ ہمارے لئے ایک ستون کی حیثیت رکھتے ہیں"۔ آلٹرے نے کہا۔

ہتھیار اس طرح جمع کرانے کے تصور سے بوڑھوں کے ذہنوں میں مایوسی کی لہریں دوڑ گئی تھیں لیکن سسکو وغیرہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ رائے راڈرک کی ہے تو اسے اعتماد ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ راڈرک کی نیک نیتی پر وہ آنکھ بند کر کے اعتماد کر سکتے تھے۔ پھر آلٹرے کی زیر ہدایت مچھلیاں آپس میں تقسیم کر لی گئیں اور لوگ اپنے اپنے لئے ڈنر بنانے میں مصروف ہو گئے۔

ایک درجن نوجوان ہیڈ کوارٹر میں رہنے کا پروگرام بنا چکے تھے ویسے اس کیبن کو ہواؤں سے محفوظ بنا لیا گیا تھا۔ اور بارہ نوجوان بہ آسانی اس میں رہ سکتے تھے۔ باقی حسب معمول رات کو سونے کے لئے جہاز میں چلے گئے۔ آج ان کے چہروں پر مسرت کی چمک تھی اور آج انہیں لڑکیاں

بھی التفات کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

خاصی رات گزر چکی تھی۔ فرزانہ اور فروزاں پروفیسر کے قریب سو رہی تھیں۔ لیکن درحقیقت وہ جاگ رہی تھیں جب انہیں جہاز کے اندر تمام افراد کے سو جانے کا یقین ہو گیا تو فرزانہ نے اپنے ہونٹ پروفیسر کے کانوں کے نزدیک کر لئے۔

''کیا آپ جاگ رہے ہیں ڈیڈی''۔؟ وہ سرگوشی میں بولی۔

''ہاں۔ میں تمہاری رپورٹ کا منتظر ہوں''۔ پروفیسر نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

''میں نے کام آپ کی مرضی کے مطابق کیا ہے۔ ایک ایک لڑکی کو اس کا کام سمجھا دیا گیا ہے۔ لڑکیاں پہلے تو خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ لیکن میں نے کہا کہ ان کی حفاظت کا عزم کر لیا گیا ہے۔ ان پر آنچ اسی وقت آئیگی جب سارے مرد ختم ہو جائیں گے۔۔ ہاں اگر انہوں نے کمزوری سے کام لیا تو پھر صورتحال دوسری ہوگی اور اس کے بعد ان کی عزت اور ان کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔ تو وہ سب خوش اسلوبی سے اپنا کام کرنے پر تیار ہو گئیں اور اس کے بعد ڈیڈی۔ شام تک ہم نے ان لوگوں کو اپنا کام انجام دینے کی تربیت دی ہے۔ کل سے ہی وہ اپنا کام شروع کر دینگی''۔

''ویری گڈ۔ مجھے تمہاری صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔ گویا میں اس طرف سے مطمئن ہو جاؤں''۔

''میں آپ کو اطمینان دلاتی ہوں۔ ڈیڈی۔ آپ مطمئن رہیں''۔

''میں مطمئن ہوں فرزانہ بیٹی''۔ پروفیسر خاور نے جواب دیا۔ اور فرزانہ خاموش ہو گئی۔

دوسرے دن حسب معمول بوڑھوں کا گروہ شکار کی تلاش میں نکل گیا۔ نوجوان البتہ ابھی تک بستروں میں اینڈ رہے تھے۔ ان کی چور نگاہیں لڑکیوں کو تک رہی تھیں۔ پھر آلشرے نے لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''میں نوجوان لڑکیوں سے مخاطب ہوں۔ برف کے اس ویرانے میں ہماری زندگی حباب کی طرح ہے۔ نہ جانے کون کس وقت موت کا شکار ہو جائے۔ جب موت مقدر ہی ہے تو ہم اس سے خوفزدہ کیوں ہوں۔ زندگی کے جو لمحات باقی ہیں انہیں فطرت کی نشاندہی کے مطابق رنگین کیوں نہ بنایا جائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مرد کو اگر عورت کی محبت اور سہارا مل جائے تو وہ ایسے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے آپ لوگوں کا سہارا ہمارے ذہنوں کو کوئی ایسی ترکیب بخش دے کہ ہم یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچ سکیں۔ ہم نے آپ کے بزرگوں سے بات کر لی ہے۔ انہیں آپ کے اور ہمارے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ممکن ہے انہوں نے یہ بات آپ کو بتا بھی دی ہو چنانچہ میں اپیل کرتا ہوں کہ خوف و دہشت کی اس فضا کو قہقہوں میں بدل دیں۔ آپ کو اپنے ساتھی کے انتخاب کی آزادی ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ پر جبر نہ کریں گے۔ ہاں دوسری صورت ممکن ہے ہمیں آپ پر جبر کرنے پر مجبور کر دے''۔ آلشرے خاموش ہو گیا۔

لڑکیوں کے دلوں کی جو کیفیت ہوئی تھی اس سے وہی بخوبی واقف تھیں لیکن یہ الفاظ ان کے لئے غیر متوقع نہیں تھے۔ وہ خود کو ان کے لئے تیار کر چکی تھیں اس لئے کسی قسم کے جذبات کا اظہار ان کے چہرے سے نہ ہوا۔

''کیا آپ نے ہماری اپیل قبول کر لی ہے؟''۔ آلشرے نے پوچھا۔

''لیکن ہمارے بزرگوں نے تو ہم سے کچھ اور کہا ہے''۔ ایک لڑکی نے کہا۔

''وہ کیا؟''۔

''انہوں نے ___ انہوں نے کہا ہے کہ ہم ___ ہم رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد ___''۔

''ٹھیک کہا ہے۔ دقیانوسی بوڑھوں کی بات ہم نے مان لی ہے اور اس میں حرج بھی کیا ہے۔ ناک خواہ یوں پکڑی جائے یا یوں''۔ آلٹرے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔'' آپ کو بہرحال اس بات کی اجازت ہے کہ ان بوڑھوں کے فیصلے کا انتظار کرلیں لیکن اس دوران ہمیں ایک دوسرے سے گھلنے ملنے اور فیصلہ کرنے کا حق تو ہے''۔

''ہاں۔ اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ فرزانہ نے جواب دیا اور آلٹرے شرارت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تب مس فرزانہ۔ میں آپ سے درخواست کروں گا۔ کیا آپ میرے ساتھ گھومنے چلیں گی؟''۔ اس نے کہا اور فرزانہ شرمائی ہوئی سی آگے بڑھ آئی۔ آلٹرے نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گیا۔'' عیش کرو ساتھیو۔ اپنا کام تو بن گیا''۔ اس نے سرنگ کے دہانے میں داخل ہوتے ہوئے کہا اور دوسرے نوجوان بھی نعرہ لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اور پھر نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کا گروہ باہر نکل آیا۔ وہ ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے برف پر پھیل گئے۔ طویل مایوسی کے بعد آج پھر دلوں میں امنگیں جاگی تھیں۔ موت کے اندھیروں میں وہ چند ساعت کے لئے نکل آئے تھے۔ نوجوان جوڑے برف پر کلیلیں کرتے رہے۔ لڑکیاں جانتی تھیں کہ اسی میں ان کی آبرو کی بقا ہے کہ ان نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ بے وقوف بنایا جائے۔ فرزانہ نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا تھا اور وہ اپنا رول نہایت خوبی سے ادا کر رہی تھیں۔

آلٹرے فرزانہ کو لے کر برف کے ایک تودے کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے فرزانہ کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اسے اپنے سامنے بٹھا لیا۔'' بالآخر میں نے آپ کو حاصل کر لیا مس فرزانہ''۔ اس نے کہا۔

''کیا آپ مجھے پہلے سے پسند کرتے تھے یا ___ اس دن''؟۔

''اوہ۔ اس منحوس دن کی یاد نہ دلاؤ۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا ورنہ میں پیشہ ور جوڈو ماسٹر ہوں۔ بس قسمت ہی خراب تھی ورنہ تمہارے ڈیڈی کی زندگی نہ بچتی۔ اور جب تم نے مجھے قبول کر لیا ہے تو تمہارے ڈیڈی کو قتل کر کے مجھے افسوس بھی ہوتا''۔

''مجھے تو اس دن بھی افسوس ہوا تھا جب ڈیڈی نے آپ کی درگت بنائی تھی اور آپ برف پر پڑے بے بسی سے ہاتھ پاؤں پٹخ رہے تھے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد میں نے ڈیڈی سے احتجاج کیا تھا کہ انہیں آپ کے ساتھ یہ برا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا''۔

آلٹرے چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ فرزانہ اس پر طنز کر رہی ہے یا حقیقت کہہ رہی ہے لیکن چالاک فرزانہ کے چہرے سے وہ کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔

''تمہیں کیوں افسوس ہوا تھا''؟۔ اس نے پوچھا اور فرزانہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''اوہ''۔ آلٹرے نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اٹھائی اور اپنے پیاسے ہونٹ فرزانہ کے چہرے کی طرف جھکا دیئے تب فرزانہ ایک ادا کے

ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں مسٹر آلٹرے۔ اپنے وعدے پر قائم رہیے۔ میں ــــ بھی آپ کو پسند کرتی ہوں لیکن۔ لیکن کوئی رشتہ قائم ہوئے بغیر میں آپ سے قریب نہیں ہو سکتی۔ میں مشرقی لڑکی ہوں اور اپنا آئیڈیل بھی باوقار چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اور آپ کے ساتھی اپنا قول نبھائیں تاکہ ہم آپ کی بیوی بن کر فخر محسوس کریں"۔

"میں اپنا قول نبھاؤں گا مس فرزانہ۔ آپ جیسی محبوبہ مل جائے تو انسان نہ جانے کیا سے کیا بن سکتا ہے۔ بے فکر رہیں۔ میرا کوئی ساتھی کسی لڑکی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتا"۔

"شکریہ"۔ فرزانہ نے ایک ادا سے کہا اور آلٹرے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھ گیا۔ اسی وقت ایک اور برف کے تودے کے عقب سے ایک چیخ ابھری اور وہ دونوں چونک پڑے۔ آلٹرے تیزی سے تودے کے پیچھے دوڑا اور فرزانہ بھی اس کے پیچھے دوڑی۔ تب انہوں نے ایک شرمناک منظر دیکھا۔ جہاز کی ایک ہوسٹس ایک قوی ہیکل نوجوان کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔

"گریک"۔ آلٹرے دہاڑا اور نوجوان چونک پڑا۔ اس نے لڑکی کو بدستور نیچے دبائے ہوئے آلٹرے کی طرف دیکھا۔

"بھاگ جاؤ آلٹرے۔ جاؤ۔ یہاں سے ہٹ جاؤ"۔

"کھڑے ہو جاؤ گریک۔ ورنہ تمہارا حشر بھی جہاز کے نوجوانوں سے مختلف نہ ہوگا"۔ آلٹرے نے خونخوار لہجے میں کہا اور گریک کے سر پر پہنچ گیا۔ گریک نے ایک گندی سی گالی دی تھی اور دوسرے لمحے آلٹرے نے اس کے سر کے بال پکڑ کر اٹھا لیا اور دوسرے لمحے اس کا گھونسا گریک کے منہ پر پڑا۔ گریک اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا تھا لیکن وہ بھی خاصا قوی ہیکل تھا اور پھر اس نے وحشیانہ انداز میں آلٹرے پر حملہ کر دیا۔

آلٹرے پروفیسر خاور کے مقابلے میں واقعی حقیر ثابت ہوا تھا لیکن قوی ہیکل گریک کے لئے وہ بہت خطرناک ثابت ہوا۔ اس نے گریک کے ہر حملے کو ناکام بنا دیا اور کئی بار اسے سر سے بلند کر کے برف پر دے مارا اور پھر اس وقت تک مارتا رہا جب تک گریک بے ہوش نہ ہو گیا۔ فرزانہ نے سہمی ہوئی لڑکی کے لباس سے اس کا برہنہ جسم چھپا دیا اور پھر وہ آلٹرے لڑکی کو ساتھ لے کر برف کی سرنگ کی طرف بڑھ گئے۔

آلٹرے خود بھی گریک سے مختلف نہیں تھا لیکن فرزانہ کا جادو سر چڑھ کر بولا تھا۔ وہ فرزانہ کی محبت سے سرشار ہو گیا تھا اور گریک کی شامت اسی لئے آئی تھی۔ اگر فرزانہ چالاکی سے کام نہ لیتی تو شاید خود آلٹرے بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کر سکتا تھا۔ بہرحال وہ اس وقت خود کو ایک شریف النفس انسان ثابت کرنے کے لئے کوشاں تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بھونپو کے ذریعے نوجوانوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا حکم دے رہا تھا۔ نوجوان جوڑے ایک جگہ جمع ہو گئے تو اس نے کہا۔

"دوستو۔ یہ طے ہے کہ بوڑھوں نے ہمارے ساتھ ایک باعزت معاہدہ کر کے ہمارے مطالبے کو تسلیم کیا ہے۔ ہمیں لڑکیوں پر تصرف کا حق مل گیا ہے چنانچہ جب ہم نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا ہے تو ضروری ہے کہ ان سے کئے ہوئے وعدے کا پاس بھی کریں۔ ابھی کچھ دیر قبل ہمارے ایک ساتھی گریک نے اپنی ساتھی لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس لڑکی کو بچا لیا اور اب میرا حکم ہر نوجوان کے لئے یہی

ہے۔لڑکیاں اگر ہم پر اعتماد کر کے باہر نکل آئی ہیں تو ہمیں ان کا اعتبار برقرار رکھنا ہوگا۔اگر کسی نے کسی لڑکی کے ساتھ زیادتی کی تو___اس کا حشر گریک سے مختلف نہیں ہوگا جو برف کی اس چٹان کے عقب میں زخمی، بے ہوش یا مردہ پڑا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ہم سب معاہدے کی پابندی کریں گے"۔راڈرک کی آواز ابھری۔فروزاں اس کے ساتھ تھی اور پھر راڈرک کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی اس بات کا اقرار کرلیا اور آلٹرے ان کا شکریہ ادا کر کے واپس جہاز کی سرنگ کی طرف چل پڑا۔

"مجھے یقین ہے کہ مس فرزانہ نے اس وحشی کو رام کرلیا ہے"۔راڈرک نے آہستہ سے فروزاں سے سرگوشی کی۔

"شاید"۔

"آپ کافی بجھی بجھی سی ہیں مس فروزاں۔یقین کیجئے آپ میرے ساتھ اس حیثیت سے نہیں ہیں جیسے دوسری لڑکیاں ان بگڑے ہوئے نوجوانوں کے ساتھ ہیں۔میں آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں"۔اس نے کہا۔

"اوہ نہیں مسٹر راڈرک۔میں آپ کی شرافت پر بھروسہ کرتی ہوں"۔فروزاں نے کہا اور راڈرک گردن ہلانے لگا۔

شام کو بوڑھے واپس آ گئے۔اس شام راڈرک نے بوڑھوں سے ہتھیار بھی واپس نہ مانگے تھے لیکن بوڑھوں نے مچھلیاں ایک جگہ ڈھیر کرنے کے بعد ہتھیار خود اس ہیڈ کوارٹر میں جمع کرا دیئے اور پھر وہ ایک جگہ جمع ہو کر میٹنگ کرنے لگے۔

آلٹرے نے انہیں دیکھا اور مسکراتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔"کیا میٹنگ ہو رہی ہے بزرگو!"۔اس نے ایک بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔اس نے محسوس کیا کہ بوڑھوں کے چہروں سے کوئی خاص بات عیاں ہے چنانچہ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ممکن ہے تم ہماری تجویز قبول نہ کرو آلٹرے لیکن اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو بلاشبہ یہ ایک افسوسناک اقدام ہوگا"..... ایڈمنڈ مسکو نے کہا۔

"کون سی تجویز۔مجھے بتاؤ میں اس پر غور کروں گا"۔آلٹرے نے کہا۔

"تمہیں یاد ہے پروفیسر خاور نے ایک بات کہی تھی۔انہوں نے کہا تھا کہ اگر تم ہم سے تعاون کرو تو ہو سکتا ہے ہمیں یکساں غذا سے نجات مل جائے۔ہو سکتا ہے کہ ہم اس ویرانے سے نہ نکل سکیں لیکن ہم برف کی ان ڈھلانوں سے پرے ایک ایسی دنیا تلاش کر سکیں جہاں زندگی بسر کرنے کی آزادی ہو"۔

"اور ہاں پھر پروفیسر نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں پھر مجھ سے بات کریں گے"۔آلٹرے نے کہا۔

"درحقیقت مسٹر آلٹرے۔مسٹر خاور اس برف کے جہنم میں ہمارے لئے فرشتہ رحمت ہیں۔اگر وہ ان مچھلیوں کی نشاندہی کر کے ہمارے لئے غذا کا مسئلہ حل نہ کرتے تو ہم میں سے کتنے افراد زندہ ہوتے؟۔شاید ایک بھی نہیں۔پروفیسر سے گفتگو کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ پروفیسر لامحدود علوم کے ماہر ہیں۔وہ زمین دیکھ کر اس کے جغرافیائی حالات کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔انہوں نے مجھے بتایا کہ ان ڈھلانوں سے پرے برف کا دبیز علاقہ ختم ہو جاتا ہے اور وہاں درخت اور پھل پھول موجود ہیں۔وہاں خشکی کے جانور بھی مل سکتے ہیں۔یہ ممکن ہے کہ وہ علاقہ بھی آبادی کی نشاندہی نہ کر سکے لیکن کم از کم وہاں رہ کر زندگی اتنی ناپائیدار نہیں رہے گی جس کے امکان اس برف پر موجود ہیں۔فرض کرو یہاں کوئی شدید طوفان آ جاتا ہے۔

اس وقت ہم کہاں ہوں گے۔ برف کے نیچے مچھلیوں کی تعداد بھی ختم ہوتی جارہی ہے اور وہ چند روز ہی مل سکیں گی۔ اس کے بعد موت یقینی ہے چنانچہ پروفیسر کی ہدایت کے مطابق کیوں نہ زندگی کے لئے زندگی سے بھرپور ایک کوشش کرلی جائے''۔

''لیکن وہ نئی دنیا ہمیں برف کے ڈھلانوں کو عبور کرنے کے بعد ہی تو حاصل ہوسکتی ہے''؟۔ آلٹرے نے بے چینی سے کہا۔

''ہاں۔ ہمیں برف کے ڈھلانوں کو عبور کرنا ہوگا''۔

''یہی تو مسئلہ ہے۔ کیسے''؟۔

''اس کے لئے بھی پروفیسر کی بے پناہ صلاحیتیں کام کررہی ہیں۔ ہمیں اس عظیم انسان کا شکر گزار ہونا چاہیے مسٹر آلٹرے۔ اگر وہ چاہتا تو آج ہم میں نہ ہوتا۔ اپنی لڑکیوں سمیت فرار ہوچکا ہوتا تو ہمارے لئے یہاں سے نکلنے کا تصور بھی ناممکن تھا''۔

''میں اس سلسلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ براہ کرم آپ میں سے چند افراد میرے ساتھ کیبن میں آجائیں''۔ آلٹرے نے کہا۔

''تم ان نوجوانوں کے لیڈر ہو آلٹرے۔ کیا یہ سب تمہاری بات مانیں گے''۔

''ہاں۔ اس کا تجربہ آج ہوچکا ہے۔ آپ مس فرزانہ سے معلوم کرسکتے ہیں''۔ آلٹرے نے مختصر الفاظ میں آج کی کارروائی دوہرائی اور خاور اور سکو حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''بہرحال تم نے شرافت کا ثبوت دیا ہے آلٹرے۔ بے شک ہم تم سے جو وعدہ کرچکے ہیں اسے ضرور پورا کریں گے لیکن اس سے پہلے زندگی گزارنے کے لئے جدوجہد کرلی جائے تو کیا حرج ہے''۔ سکو نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''میں تیار ہوں''۔ آلٹرے نے جواب دیا اور سکو، خاور اور دوسرے چند لوگ آلٹرے کے ساتھ کیبن میں داخل ہوگئے جہاں جہاز کی سیٹیں موجود تھیں۔ وہ سب ان کرسیوں پر بیٹھ گئے تب خاور نے کہا۔

''میں نے پوری زندگی خطرناک مہمات میں گزاری ہے۔ ان مہمات نے مجھے زمین کو پہچاننے کا تجربہ بھی دیا ہے اور اس تجربے کے تحت میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ڈھلانوں سے پرے سنگلاخ زمین موجود ہے جہاں درخت، پھل پھول اور پانی کے چشمے موجود ہیں۔ ہم وہاں رہ کر بہترین زندگی گزار سکتے ہیں اور ممکن ہے وہاں پہنچ کر ہمیں مہذب دنیا تک سفر کرنے کی سہولت بھی فراہم ہوجائے''۔

''ٹھیک ہے پروفیسر۔ لیکن یہ ناقابل عبور ڈھلان''؟۔

''برف کی اس ناپائیدار اور تکلیف دہ زندگی سے نجات حاصل کرکے بہتر زندگی گزارنے کے لئے خودکشی کے انداز میں اگر ایک کوشش کرلی جائے تو کیا حرج ہے''؟۔

''آپ کے ذہن میں کوئی ترکیب ہے''؟۔ آلٹرے نے پوچھا۔

''ہاں۔ میں چند روز قبل تجربات بھی کرچکا ہوں۔ اور اگر یہ نئی صورت حال پیدا نہ ہوتی تو میں شاید اپنے پروگرام پر عمل بھی کرچکا ہوتا''۔ پروفیسر خاور نے کہا۔

"خوب۔ تب آپ مجھے اس تجربے کے بارے میں بتائیں گے پروفیسر"۔؟

"ہاں۔لیکن کل صبح۔ میں عملی طور پر اپنے تجربے کی نمائش کروں گا"۔

"اگر وہ کامیاب تجربہ ہے پروفیسر۔ تو تم نوجوانوں کو اس کے لئے تیار پاؤ گے"۔ آلٹرے نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ چنانچہ باقی گفتگو کل صبح تک کے لئے ملتوی"۔ پروفیسر نے کہا۔ اور وہ لوگ اٹھ گئے۔ آلٹرے انہیں باہر تک چھوڑنے کے لئے آیا تھا اور پھر وہ مچھلیاں تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اسی رات۔ پروفیسر اور فرزانہ حسب معمول ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ "آلٹرے کے رویے نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ اس نے کسی لڑکی کی آبرو بچائی تھی"۔؟

"ہاں۔ یہ حقیقت ہے ڈیڈی۔ لیکن سانپ نے وقتی طور پر کینچلی چڑھا لی ہے۔ وہ کسی بھی وقت کینچلی سے باہر آ سکتا ہے"۔

"اوہ۔ میں تفصیل چاہتا ہوں"۔ پروفیسر نے سرگوشی کی۔

"صبح کو ان کے تیور خطرناک تھے۔ انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اداسی کی فضا ختم کر دیں اور اب جبکہ ان کے بزرگ فیصلہ کر چکے ہیں کہ انہیں نوجوانوں کے سپرد کر دیں گے تو لڑکیوں کو بھی ان کا فیصلہ قبول کر لینا چاہئے۔ میں نے چونکہ تمام لڑکیوں کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم ان نوجوانوں کو چالاکی سے بیوقوف نہ بنا سکے تو پھر خودکشی ہی کرنی ہوگی اس لئے لڑکیوں نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ خود ذلیل آلٹرے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میں اس کے ساتھ باہر آ گئی تھی اور پھر میں نے اسے بیوقوف بنا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس وقت لڑکیوں کے اور اپنے ضمیر کو داغدار نہ کیا جائے جب تک پروگرام کے مطابق وہ ان کی نہ ہو جائیں۔ وہ گدھا بن گیا اور اسی چکر میں اس نے گریک کو قتل کر دیا"۔

"اوہ"۔ پروفیسر نے گہری سانس لی۔ پھر سرگوشی میں بولا۔ "بہر حال میرے ذہن کا بوجھ دور ہو گیا۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ ایک زوردار قہقہہ لگاؤں۔ بھیڑیا بھیڑ کی کھال اوڑھ کر بھیڑوں میں شامل ہونا چاہتا تھا۔ بس اب سو جاؤ فرزانہ۔ ممکن ہے کل کا دن ہمارے لئے بے حد اہمیت رکھتا ہو"۔

دوسرے دن صبح حسب معمول سب لوگ جاگ گئے۔ وافر مقدار میں مچھلیاں حاصل کی جا رہی تھیں۔ اس لئے آج کل صبح کا ناشتہ بھی ہونے لگا تھا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر وہ سب باہر نکل آئے۔ نوجوان بھی ساتھ تھے۔ تب آلٹرے نے نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور بولا۔

"دوستو۔ بوڑھوں نے ہم سے تعاون کا وعدہ کیا تھا اور اب تک انہوں نے اس پر خلوص نیت سے عمل کیا ہے۔ اس بات سے ہم سب واقف ہیں کہ اس ویرانے پر ہم صرف موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ کسی بھی وقت برف کے نیچے مچھلیوں کا ذخیرہ ختم ہو جائے۔ برف پر کوئی خوفناک طوفان آ جائے اور ہم سب برف کے نیچے دفن ہو جائیں ایسی صورت میں یہ بوڑھے بھی ہمارے لئے کچھ نہیں کر سکیں گے۔ پروفیسر خاور کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ مچھلیوں کی نشاندہی نہ کرتے تو ہم سب اب تک ہلاک ہو چکے ہوتے۔ انہی پروفیسر خاور نے اپنی لامحدود معلومات اور تجربے سے پتہ چلایا ہے کہ برف کی ان ڈھلانوں کے دوسری طرف سنگلاخ زمین موجود ہے۔ جہاں درخت، پھل پھول اور شکار موجود ہے۔ اگر ہم وہاں تک پہنچ جائیں تو برف کے اس ویرانے سے نجات پا سکتے ہیں اور ممکن ہے اس کے بعد بیرونی دنیا

سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نکل آئے۔ پروفیسر نے وہاں تک پہنچنے کے لئے کوئی تجربہ کیا ہے۔ جسے وہ ہمارے سامنے دہرانا چاہتے ہیں۔ دوستو۔ اگر بوڑھے وعدہ کریں کہ وہاں جا کر بھی وہ اپنے وعدے پر قائم رہیں گے اور بغیر کسی تاخیر کے لڑکیوں کو ہمارے حوالے کر دیں گے تو ہمیں ان کے تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے"۔؟

"اگر برف کے اس جہنم سے نجات مل سکے تو اس سے بڑی بات اور کون سی ہو سکتی ہے"۔ راڈرک نے کہا اور ان تمام نوجوانوں نے ہاتھ اٹھا دیئے جو دراصل بوڑھوں کے ساتھی تھے اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے نوجوان بھی تیار ہو گئے۔

تب آلٹرے نے پروفیسر خاور سے درخواست کی۔" پروفیسر۔ ہم آپ کا تجربہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل یہ وعدہ ضروری ہے کہ وہاں جا کر بھی آپ اپنے وعدے کے پابند رہیں گے"۔

"مسٹر آلٹرے۔ ہم بوڑھے یہاں سے نکلنے کی ایک کوشش کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو اس جگہ پہنچ کر بھی ہم آپ کے محکوم ہی رہیں گے۔ وہاں جا کر ہماری قوت تو نہ بڑھ جائے گی۔ میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ اگر لڑکیوں کے حصول سے نوجوانوں کی صلاحیتیں نکھر آتی ہیں تو ہم خوشی سے انہیں ان کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ ہاں۔ یہ وعدہ ہے۔ یہ ہم سب بوڑھوں کا وعدہ ہے کہ نئی دنیا میں قدم رکھتے ہی نوجوانوں کو تمام لڑکیوں سے منسلک کر دیا جائے گا اور اجازت دے دی جائے گی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزاریں"۔ ایڈمنڈ مسکو نے کہا۔

"ہم سب تیار ہیں۔ ہم سب تیار ہیں"۔ نوجوان خوشی سے چیخنے لگے۔ تب بوڑھے خاور نے انہیں اپنے آنے ساتھ کرنے کا اشارہ کیا اور وہ سب اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ ان کا رخ خوفناک ڈھلانوں کی طرف تھا۔ ڈھلانوں تک کا طویل اور دشوار گزار راستہ طے کر کے وہ اس نشان تک پہنچ گئے جو پروفیسر خاور نے کچھ روز قبل ایک تجربہ کرنے کے بعد لگایا تھا۔ پروفیسر خاور اس نشان کے پاس پہنچ کر رک گیا۔

"یہ میرے تجربے کا نشان ہے۔ یہاں برف بہت ہلکی ہے اور اس کے نیچے ویسے ہی سیاہ پتھر موجود ہیں جو میں نے بطور نشان لگایا ہے۔ کیا نوجوان چند وزنی پتھر کاٹنے میں میری مدد کریں گے"۔

"ضرور"۔ چند نوجوانوں نے کہا اور پھر وہ برف توڑنے والی کدالوں سے برف ہٹا کر پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹنے لگے۔ تھوڑی دیر میں چار پانچ وزنی پتھر اکھاڑ لئے گئے اور پھر پروفیسر کے اشارے پر ایک پتھر نشان سے دور لے جایا گیا اور ڈھلان کے کنارے پر پہنچ کر اسے نیچے لڑھکا دیا گیا۔ پتھر کسی برق رفتار گھوڑے کی طرح برف کی ڈھلانوں پر پھسلنے لگا اور نوجوان وہ خوفناک منظر دیکھنے لگے۔ پھر ایک جگہ پہنچ کر پتھر زور سے اچھلا اور نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ نوجوانوں کے دل دہل اٹھے تھے۔

"اس لئے میں نے یہ جگہ ناموزوں قرار دے دی"۔ بوڑھے خاور نے کہا۔ اور پھر اس نے ایک پتھر اسی انداز میں نشان کے دوسری طرف لڑھکایا اس پتھر کا حشر بھی ویسا ہی ہوا تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے تین پتھر اس نشان کے سامنے آگے پیچھے گئے اور پہلے پتھر کو نشان کے سامنے والے ڈھلان میں دھکیل دیا گیا۔ پتھر کا طوفانی سفر شروع ہو گیا اور وہ تیزی سے نگاہوں سے دور ہوتا گیا۔ لیکن اس پتھر نے برف کے طویل و عریض میدان کو بخوبی پار کر لیا اور اس کی سیاہی اس وقت تک نظر آتی رہی جب تک نگاہوں کی حد ختم نہ ہو گئی۔ پروفیسر کے اشارے پر دوسرے اور پھر تیسرے

پتھر کو بھی اسی طرح لڑھکایا گیا اور ان دونوں پتھروں نے اپنا سفر بخیر و خوبی طے کر لیا۔

نوجوان خوفزدہ نظروں سے اس تجربے کو دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر خاور نے دلچسپ نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر بولا "میں نے طے کیا تھا کہ ایک چوڑی سل کاٹوں گا جس میں چاروں طرف برف کھودنے والے آلات کیلوں کی طرح گاڑ دیئے جائیں گے۔ میں اس سل پر نرم چیزیں بچھا کر انہیں اس قابل بنالوں گا کہ انسانی جسم کو ان پر تکلیف نہ ہو۔ پھر رسیوں کی مدد سے میں اپنی دونوں بچیوں اور خود کو ان کیلوں سے جکڑ لوں گا اور اس کے بعد ہم ان ڈھلانوں کا سفر شروع کر دیں گے اور اس وادی تک پہنچ جائینگے جو اس برف کے قید خانے سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور جہاں رہ کر زندگی زیادہ کٹھن نہیں رہے گی۔ ہم وہاں سے آگے بڑھنے کے انتظامات بھی کر سکتے تھے لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ میں خود غرضی سے کام لے رہا ہوں۔ میں نے سوچا اپنی تجویز دوسرے کے سامنے پیش کر دوں تا کہ دوسرے بھی ہمت کریں میں پورے خلوص سے اپنا پروگرام آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ہم نے اس برف سے گزر کر اس وادی میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اب آپ سب کو اس سفر کی دعوت دیتے ہیں۔ سفر کا طریقہ کار البتہ تھوڑا سا بدل دیا گیا ہے"۔ خاور نے خاموش ہو کر نوجوانوں کے خشک چہرے اور خوفزدہ آنکھیں دیکھیں اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے آپ کے چہرے دیکھ کر دکھ ہوا ہے۔ آپ جو ہم بوڑھوں کو قتل کرنے کے لئے بڑے پر جوش نظر آرہے تھے۔ میری تجویز سن کر دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔ عجیب رنگ ہے آپ کے خون کا۔ کیا آپ کی دلیری یہیں تک محدود ہے"۔

"طنز نہ کریں پروفیسر"۔ آلٹرے نے آگے بڑھ کر کہا۔ "بلاشبہ آپ کا تجربہ خطرات سے بھر پور ہے لیکن برف کے اس ویرانے میں سسک کر موت کا انتظار کرنے سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ ایک بار زندگی کی بھر پور جدوجہد کر لی جائے۔ اگر اس جدوجہد میں موت آجائے تو وہ زیادہ بہتر ہو گی۔ میں تمام نوجوانوں کے بارے میں تو نہیں کہتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے چند ایسے ضرور ہوں گے جو اس جدوجہد میں حصہ لینا پسند کریں گے۔ لیکن اس سے قبل چند سوالات ضروری ہیں"۔

"نمبر ایک۔ کیا ہمیں پتھروں پر اس انداز میں سفر کرنا ہوگا، جس طرح آپ نے بتایا ہے۔ نمبر دو۔ کیا بوڑھے ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں کر رہے ہیں۔ نمبر تین۔ اگر ہم اس وادی میں بخیر و خوبی پہنچ گئے تو کیا آپ لوگ اپنے وعدوں سے انحراف تو نہ کریں گے"۔؟

"بس یہی سوال ہیں"۔؟ پروفیسر خاور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں"۔

"سوال نمبر ایک کا جواب ہے کہ اس سلسلہ میں، میں ایک بات کہہ چکا ہوں کہ سفر کا طریقہ کار اجتماعی طور پر تھوڑا سا بدل دیا گیا ہے۔ جس کے بارے میں، میں ابھی بتاؤں گا۔ سوال نمبر دو کا جواب ہے کہ کسی قسم کے دھوکے کا امکان یوں نہیں ہے کہ یہ سفر اجتماعی طور پر کیا جائے گا یعنی ہم سب ساتھ ہوں گے۔ زندگی یا موت جو کچھ بھی ہوگا ساتھ ساتھ ہوگا اور سوال نمبر تین کے بارے میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں بھی خود کو بے بس نہیں سمجھا ہے۔ یہاں بھی ہم تم سے اس وقت تک جنگ کر سکتے ہیں جب تک ہم سب ختم نہ ہو جائیں اور ظاہر ہے۔ ہم بزدل نہیں ثابت ہوں گے۔ لیکن ہم نے نوجوانوں کے مطالبات کو عقل کی روشنی میں پرکھ کر صرف اس لئے منظور کر لیا کہ ممکن ہے اس سے ان کی صلاحیتیں جاگ اٹھیں

اور وہ یہاں سے نکلنے کا کوئی طریقہ سوچ لیں۔ یہی کوشش اس وادی میں پہنچنے کے بعد ہوگی۔ چنانچہ کسی قسم کے انحراف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا''۔

آلٹرے گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔''میں مطمئن ہوں پروفیسر اب براہ کرم وہ طریقہ بتائیے جس کے تحت ہم سفر کریں گے''۔

پروفیسر خاور نے مسکراتے ہوئے نوجوانوں کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔''ہم تباہ شدہ طیارے کے ڈھانچے کو برف کے پہاڑ سے کھود کر نکال لیں گے۔ اس کا سامنے کا ٹوٹا ہوا حصہ درست کرلیں گے اور پھر اسے ڈھلان تک لے آئیں گے۔ پھر ہم سب اس طیارے میں بیٹھ جائینگے اور طیارہ ڈھلان پر چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہمارا سفر بذریعہ طیارہ ہوگا لیکن بدقسمتی سے طیارہ فضا میں نہیں پرواز کرے گا بلکہ برف پر دوڑے گا''۔

''اوہ''۔ آلٹرے کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے وہ حیران نگاہوں سے پروفیسر خاور کو دیکھ رہا تھا۔ دوسرے بہت سے نوجوانوں کے چہرے بھی سرخ ہوگئے تھے۔ پتھر پر سفر کرنے کی بہ نسبت طیارے کے ڈھانچے میں سفر کرنے کا تصور زیادہ دلچسپ تھا اور اس کے لئے تقریباً سبھی تیار تھے جس کا اندازہ ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔

''کیا خیال ہے دوستو۔ کیا زندگی کی اس جدوجہد میں تم حصہ لینے کے لئے تیار ہو''۔؟

''ہم سب تیار ہیں''۔ تقریباً سبھی نے بیک وقت جواب دیا۔

''پروفیسر خاور درحقیقت عظیم دماغ رکھتے ہیں۔ اس ناگہانی آفت میں اگر یہ پروفیسر ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو ہم سب اب تک مر کھپ گئے ہوتے۔ ان کی لازوال ذہانت نے غذا کا مسئلہ حل کیا اور اب پروفیسر کی ذہانت نے ایک اور گل کھلایا ہے۔ درحقیقت برف پر یہ تیز رفتار سفر زندگی کا ایک انوکھا تجربہ ہوگا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں پروفیسر۔ ہم سب آپ کے زبردست کام کرنے کے لئے تیار ہیں''۔ آلٹرے نے اعلان کیا اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔ ان میں بوڑھوں کی تالیاں بھی شامل تھیں۔ لیکن چند چہرے ایسے بھی تھے جو صرف مسکرا رہے تھے اور ان کی مسکراہٹ میں موت چھپی ہوئی تھی۔ جیسے ایڈمنڈ سسکو، پروفیسر خاور، راڈرک۔

☆..........☆..........☆

برف کی کھدائی کا منظر بے حد پرجوش تھا۔ تقریباً سوا دو سو افراد برف کے اس مضبوط پہاڑ کو ڈھا دینے کے لئے کوشاں تھے۔ یہ کھدائی زیادہ مشکل نہیں تھی۔ صرف برف کے اس تودے کو زمین پر بکھرا دینا تھا جو پہاڑ کی شکل رکھتا تھا۔ اور سب اس میں مصروف تھے۔ بوڑھے نوجوان لڑکیاں سب ہی برف کھود رہے تھے۔ لڑکیوں کو ساتھ کام کرتے دیکھ کر نوجوانوں کے جسموں میں اور چستی آگئی تھی اور وہ پوری محنت اور جانفشانی سے کام کر رہے تھے۔ البتہ پروفیسر خاور کی رہنمائی میں بوڑھوں کی ایک ٹیم جو دس افراد پر مشتمل تھی علیحدہ ہوگئی تھی۔ یہ لوگ مچھلیاں حاصل کرنے گئے تھے۔

شام کو جب ٹیم واپس آئی تو اس کے ساتھ مچھلیوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ جسے دیکھ کر کھدائی کرنے والوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ پورے دن کی سخت محنت کا نتیجہ خاطر خواہ ہوا تھا۔ پہاڑ کی بغلی سمت سے طیارے کا ڈھانچہ چمکنے لگا تھا۔ بہرحال اس کے بعد کام کل پر ملتوی کر دیا گیا اور وہ لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوگئے۔

اب ہر دل میں امنگ تھی۔ لیکن جو لوگ اپنی مقدر پر سیاہی مل چکے تھے۔ ان کی خوشی عارضی تھی اور بوڑھوں کا گروہ انہیں صرف اپنے مقصد

کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ اس گروہ سے بوڑھوں کو کوئی دلچسپی نہیں تھی جوان کی عزت کے درپے تھا۔ اگر وہ چالاکی سے کام نہ لیتے تو شاید وہ انہیں قتل بھی کر چکے ہوتے اور برف پر ایک شرمناک ڈرامہ کبھی کا شروع ہو چکا ہوتا۔ جس میں نسوانیت کی دھجیاں اڑا دی جاتیں۔ انسانیت کی چیخیں اس ویرانے میں گونج رہی ہوتیں۔ ایسے درندوں کو بیوقوف تو بنایا جا سکتا ہے۔ ان سے ہمدردی کیسے ہو سکتی ہے۔

دوسرے دن صبح سے وہ لوگ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے بوڑھے خوراک کی تلاش میں نکل گئے۔ نوجوان آج کل سے بھی زیادہ تیزی اور تندی سے کام کر رہے تھے۔ چنانچہ سورج نے جب واپسی کا سفر شروع کیا تو اس کی کرنوں نے جہاز کے ڈھانچے کو برف میں دور سے اجاگر کر دیا تھا۔ جہاز اب برف کے پہاڑ سے نکل آیا تھا۔ اور یہ ڈھانچہ واپس آنے والے بوڑھوں نے بھی دیکھ لیا تھا جو مچھلیاں لا رہے تھے۔ بوڑھے خوش ہو گئے تھے۔ پروفیسر خاور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ کام کرنے والوں کے پاس پہنچ گئے۔ سب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ شام کو کھانے پینے سے فارغ ہو کر ایک میٹنگ ہوئی جس میں اب دوسرے اقدامات پر غور کرنا تھا۔

چنانچہ آلٹرے نے پروفیسر خاور سے سوال کر دیا۔ ''اب ہمیں کیا کرنا ہے پروفیسر''؟

''کل کا دن ہمارے سفر کا دن ہوگا۔ ممکن ہے کل کام مکمل نہ ہو سکے۔ ایسی صورت میں پرسوں صبح ہم ضرور سفر کے قابل ہو جائیں گے۔ جہاز میں موٹے موٹے رسے موجود ہیں چنانچہ ان رسوں سے طیارے کو باندھ کر برف پر گھسیٹنا ہے۔ خاصا مشکل کام ہے۔ لیکن جب یہ بے جان طیارہ ہم تمام لوگوں کو اٹھا کر پرواز کر سکتا ہے تو کیا ہم جاندار اسے گھسیٹ کر وہاں تک نہیں لے جا سکتے۔ چنانچہ کل ہماری یہی کام ہوگا۔ ہمارے پاس مچھلیوں کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ اس لئے کل ہمیں خوراک کی تلاش کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں نے اس راستے کا انتخاب کر لیا ہے جس پر سے ہم طیارے کو گھسیٹ کر مطلوبہ نشان تک لے جائیں گے۔ وہاں پہنچ کر ہم اس کے ونڈ شیلڈ والے حصے کو بند کر دیں گے۔ جس سے ہماری آمد و رفت کا راستہ ہے۔ اس کے لئے ہم سیٹوں کے ڈھانچے استعمال کریں گے جو آج تک ہمارے بڑے کام آئے ہیں۔ لیکن۔ طیارے کو ڈھلان کے سرے تک پہنچانے کا کام سب سے مشکل ہوگا۔ اس کے لئے جان جوکھوں میں ڈالنا ہوگا اور وہیں دلیر نوجوانوں کا انتخاب ہو جائے گا''۔

''آپ فکر نہ کریں پروفیسر۔ ہم نوجوان آپ کی ہدایت پر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں''۔ آلٹرے نے جواب دیا اور پھر چند سوالات کے بعد دن بھر کے تھکے ماندے آرام کرنے لیٹ گئے۔

دوسری صبح پھر جدوجہد کی صبح تھی۔ آج جدوجہد سب سے سخت تھی۔ چنانچہ علی الصبح ہی سب اٹھ گئے جہاز سے موٹے موٹے رسے نکالے گئے۔ یہ ریشمی رسے کافی مضبوط تھے۔ جنہیں پوری مضبوطی کے ساتھ جہاز کے مختلف حصوں سے باندھ دیا گیا اور پھر کئی ٹیمیں بن گئیں۔ جن میں لڑکیوں اور بوڑھوں کی ٹیمیں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ طیارے کو مضبوطی کے ساتھ رسیوں سے باندھ کر وہ رک گئے۔ انہوں نے ہلکا سا ناشتہ کیا اور پھر اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر آ گئے۔ پروفیسر خاور کمانڈر کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ تمام ٹیموں کے تیار ہونے کے بعد اس نے اشارہ کیا اور سب لوگ طاقت صرف کرنے لگے۔ اجتماعی طاقت تھی اور طیارہ بہت ہلکا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ اسے آسانی سے اپنی جگہ سے کھسکانے میں کامیاب ہو گئے اور پھر انہوں نے سفر شروع کر دیا۔ دیو پیکر طیارے کا ڈھانچہ برف پر کھسک رہا تھا اور پھر جب وہ برف سے نکل آیا تو اس کے سفر میں اور آسانی ہو گئی۔ اس کے پہیے

کھلے ہوئے تھے اور برف میں دفن ہونے کے باوجود جام نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح ان پہیوں کی مدد سے طیارہ آسانی سے برف پر دھکیلا جانے لگا۔ وہ لوگ اس غیر متوقع کامیابی پر بہت خوش تھے۔ ان کے خیال میں طیارے کو برف پر دھکیل کر اتنا طویل سفر کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ لیکن اب یہ کام بہت آسان ہو گیا تھا اور وہ طیارے کو کسی گھوڑے کی طرح رسی سے باندھ کر سخت برف پر اس کو کھینچنے میں زیادہ طاقت نہیں صرف کرنا پڑ رہی تھی۔

سسکو اور خاور ساتھ ہی تھے۔ تب خاور نے آہستہ سے سسکو سے کہا۔ ''اس غیر متوقع کامیابی سے اس سفر کے آج ہی شروع ہو جانے کے امکانات ہیں۔ لیکن مسٹر سسکو۔ میں ایک بات سوچ رہا تھا''۔

''وہ کیا۔ مسٹر خاور''۔ ایڈمنڈ سسکو نے پوچھا۔

''ان پہیوں کے ساتھ برف پر پھسلنے سے طیارہ کسی جگہ پھنس کر الٹ بھی سکتا ہے۔ کیا ان پہیوں کا میکنیزم ٹھیک ہے''۔؟

''ممکن ہے ایسا ہو۔ ہم اسے چیک کر لیں گے۔ ویسے اگر پہیے بند نہ ہو سکے تو انہیں نکال لیا جائے گا''۔

''ہاں یہ ضروری ہے۔ پہیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں''۔

فاصلہ تیزی سے طے ہو رہا تھا۔ سب اس بات پر خوش تھے کہ کام غیر متوقع طور پر آسان ہو گیا ہے۔ اب وہ طویل سفر باقی ہے جو آہستہ آہستہ طے ہو رہا ہے اور ڈھلان تک کا سفر طے ہو گیا۔ نوجوانوں نے ڈھلان سے کچھ دور رسیاں چھوڑ دیں۔ یہاں تک آنے میں انہیں صرف ڈیڑھ گھنٹہ لگا تھا۔ گویا ابھی پورا دن باقی تھا۔ چنانچہ نوجوان برف پر چاروں طرف بیٹھ کر ستانے لگے۔ آلٹرے، خاور اور سسکو کے پاس پہنچ گیا تھا۔

''اب کیا پروگرام ہے معزز بوڑھوں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے''۔

''فی الوقت آرام کرو۔ ہم اس وقت تک کچھ کام کر لیتے ہیں۔ ہمارا مقصد پہیے بند کرنا یا نکالنا اور ونڈ شیلڈ بند کرنا ہے۔ اس کے بعد اندر کے ماحول کو سفر کے قابل بنانا ہے۔ ہاں آلٹرے سب سے مشکل کام باقی ہے۔ میرا خیال ہے تم اس سلسلے میں نوجوانوں کو تیار کر لو''۔

''نوجوان بڑے پر امید ہیں۔ انہوں نے تمہاری ہر بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ اس یقین دہانی پر بے حد خوش ہیں کہ اس نئی دنیا میں جانے کے بعد بھی تم لوگ اپنے وعدے پر قائم رہو گے''۔

''بالکل۔ ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں آلٹرے''۔ سسکو نے کہا۔

''تب پھر بتاؤ۔ وہ کام کیا ہو گا''۔؟ آلٹرے نے پوچھا۔

''جہاز کو ایک مخصوص حد تک ڈھلان کے اوپر لے جانا ہے۔ یعنی اس کا اتنا حصہ ڈھلان کے دوسری طرف نکل جائے جس پر دباؤ پڑنے سے جہاز ڈھلان پر لڑھک سکے۔ ظاہر ہے جہاز میں ہم سب ایک ساتھ داخل ہوں گے۔ پھر جہاز کو ڈھلان پر کیسے دھکیلا جا سکے گا۔ چنانچہ طے یہ کیا گیا ہے کہ جہاز کے اگلے حصے کو ڈھلان پر لے جایا جائے گا اور پھر سب پیچھے سے اس میں داخل ہو جائیں گے اور اس کے بعد دروازہ بند کر کے سارا وزن اگلے حصے پر ڈال دیا جائے گا۔ تاکہ جہاز کا اگلا حصہ دبے اور وہ ڈھلان پر لڑھک جائے''۔

''اوہ۔ واقعی خطرناک کام ہے۔ لیکن کیا کس طرح جائے گا''۔؟

''جہاز کے اگلے حصے میں ایک مضبوط رسی باندھی جائے گی اور نوجوان مضبوطی سے وہ رسی پکڑے ہوئے ڈھلان میں اتریں گے۔ وہی جہاز کو ڈھلان پر کھینچیں گے اور جب وہ ایک مخصوص حد تک آگے پہنچ جائے گا تو نوجوان واپس آجائیں گے''۔

''خدا کی پناہ۔ بے حد خوفناک کام ہے۔ لیکن بہرحال میرے جیالے ساتھی اس سے بھی انکار نہیں کریں گے۔ ان کے جسموں میں چنگاریاں دوڑ رہی ہیں۔ ہر ایک اپنی منظور نظر کو حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے۔ اور پھر نئی دنیا کے تصور نے ان کے جسموں میں بے پناہ طاقت بھردی ہے۔''

''تب پھر جاؤ۔ ہم جلد فیصلہ چاہتے ہیں''۔ سسکو نے کہا اور آلٹرے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سسکو نے غیر محسوس انداز میں راڈرک کو اشارہ کیا اور راڈرک ان کے قریب پہنچ گیا۔

''کیا تم نے اپنا کام کر لیا ہے راڈرک''۔؟

''مکمل طور پر۔ اس مہم میں ہمارا ایک بھی ساتھی شریک نہیں ہوگا۔ ہم نے گفتگو کر لی ہے''۔ راڈرک نے جواب دیا۔

''گڈ''۔ سسکو نے کہا اور پھر بولا''۔ ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور ان کی گفتگو سنو''۔ راڈرک کے چلے جانے کے بعد وہ جہاز میں داخل ہو گئے۔

☆..........☆..........☆

باقاعدگی سے چلنے والی گھڑیوں کے مطابق اس وقت دن کے دو بجے تھے جب وہ کیل کانٹے سے لیس ہو چکے تھے۔ ونڈ شیلڈ کا حصہ مضبوطی سے بند کر دیا گیا تھا۔ پہیئے بند ہو چکے تھے اور جہاز کے اندر رسیوں کا ایسا جال بن دیا گیا تھا کہ برق رفتاری کے باوجود وہ سب اس جال میں پھنسے رہیں اور لڑھک کر ایک دوسرے پر جا نہ گریں یا جہاز کے دوسرے حصوں سے نہ ٹکرا جائیں۔ یہ بہترین انتظام پروفیسر خاور کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ آلٹرے اور دوسرے نوجوانوں نے یہ انتظام دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا۔

باہر آلٹرے اپنا کام کر چکا تھا۔ اس نے ساٹھ ایسے آدمی تیار کر لئے تھے جو جہاز کو ڈھلان تک کھینچ لے جانے کے لئے تیار تھے۔ باقی نوجوانوں کا خوب مذاق اڑایا گیا تھا جو اس خوفناک کام میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ شریک آلٹرے بھی نہیں ہوا تھا لیکن بہرحال وہ نوجوانوں کا لیڈر تھا اور اسے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ بوڑھوں نے اپنے بڑھاپے اور کمزور ہاتھوں کا عذر پیش کیا تھا۔ اس لئے باقی نوجوانوں کے بڑے گروہ نے ہی یہ ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ جہاز کے اندر ایک مضبوط کڑے سے ایک موٹا رسہ باندھ دیا گیا۔ سسکو اور ایک دو پائلٹ اندر بیٹھ گئے۔ خاور اور دوسرے بوڑھے باہر ہی کھڑے تھے اور پھر ساٹھ نوجوان رسے کی طرف بڑھے۔ انہوں نے مضبوطی سے رسہ پکڑ لیا اور اس خوفناک ڈھلان میں اترنے لگے۔ مضبوط رسے کو پکڑے ہوئے وہ سب نیچے اتر رہے تھے۔ ان کے چہرے فق تھے۔ جسم لرز رہے تھے۔ لیکن بہرحال اب تو وہ اس کام کا بیڑہ اٹھا ہی چکے تھے۔ ایک لائن سے وہ نیچے اترتے رہے اور کافی گہرائی میں پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ رسہ ختم ہو گیا اور پھر وہ برف پر پاؤں ٹکا کر زور لگانے لگے اور دیو ہیکل طیارہ آگے بڑھنے لگا۔ دیکھنے والوں کے سانس رکے ہوئے تھے۔ بلاشبہ بے حد خوفناک کام تھا۔ طیارہ ڈھلان پر کھسک رہا تھا اور پھر اس کا سامنے کا حصہ ڈھلان پر کافی حد تک آ گیا۔ تب دروازے پر کھڑے ہوئے آدمی نے خاور کا اشارہ پا کر سسکو سے کچھ کہا اور سسکو کا دل دھک دھک

کرنے لگا۔ ایک خوفناک ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی تھی۔ ایک بھیانک کام اسے کرنا تھا۔ اور یہ کام انجام دیتے ہوئے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے لیکن یہ ذمہ داری اسے پوری کرنی تھی۔ ان لڑکیوں کی آبرو کی حفاظت کے لئے جوان بوڑھوں پر بھروسہ کرتی تھیں خود بوڑھے سسکو کی بیٹی امریکہ میں موجود تھی۔ یہ بھی اس کی بیٹیاں تھیں اور ان کی آبروں کی ذمہ داری بھی اسی طرح اس کے کاندھوں پر تھی جس طرح اپنی بیٹی کی۔ یہ بگڑے ہوئے نوجوان ان معصوم لڑکیوں کی عصمت کو داغدار کرنا چاہتے تھے یہ وحشی درندے انسانیت کی تمام قدروں کو کھو بیٹھے تھے۔ یہ درندے جنہیں ان کا محافظ ہونا چاہئے تھا۔ ان کی عصمتوں کے دشمن بن گئے تھے اور ان کمزور اور مظلوم لڑکیوں کی عزت بچانے کی ذمہ داری اس وقت سسکو کے سپرد کی گئی تھی۔

اس کی لرزتے ہوئے ہاتھ اس رسے کی طرف بڑھے جسے نوجوان پکڑے ہوئے تھے۔ رسے میں لگی ہوئی گرہ ان کی زندگی کی ضمانت تھی۔ اس گرہ میں ان کی زندگی کے تار بندھے ہوئے تھے اور یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم تھی کہ ان بدنصیب نوجوانوں کی موت کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ لڑکیوں کو بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔

سسکو کے لرزتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھے۔ طیارہ بدستور آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا اور پھر سسکو نے گرہ کا پھندہ نکال لیا۔ وہ کیل اپنی جگہ سے ہٹا دی جس سے رسی بندھی ہوئی تھی۔ اور باہر کہرام مچ گیا۔ لوگ دہشت سے چیختے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ لڑکیاں خوف سے رونے لگیں۔ البتہ خاور کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔ رسہ کھینچنے والے نوجوانوں کی فلک شگاف چیخیں لکیروں کی طرح فضا میں ابھر رہی تھی اور سفید برف پر سیاہ نقطے پھیلتے نظر آرہے تھے۔

اسی وقت آلٹرے نے دہاڑتے ہوئے پروفیسر خاور کا گریبان پکڑ لیا۔ "یہ کیا ہوا بوڑھے خبیث۔ یہ کیا ہوا۔ رسی کیسے کھل گئی۔ یہ سازش ہے کتے بول۔ جواب دے"۔ دوسرے لمحے خاور کا زوردار گھونسہ آلٹرے کے چہرے پر پڑا اور آلٹرے دوسری طرف الٹ گیا۔

"ہاں۔ مردود یہ سازش ہی تھی۔ یہ تم جیسے ناپاک انسانوں کو موت کے غار میں دھکیلنے کا پروگرام تھا۔ تجھے میری بیٹی پسند تھی نا۔ تو نے ناپاک ارادوں سے میری بیٹی کا ہاتھ پکڑا تھا نا۔ پرہوس کتے۔ تم لوگوں کا انجام اس سے بھی بدتر ہونا چاہئے تھا۔ ہاں ہم نے تم پر فتح حاصل کی ہے۔ میں نے اپنی بیٹیوں کی عزت بچائی ہے۔ ان تمام معصوم لڑکیوں کی عزت بچائی ہے جو خطرے میں تھیں۔ ان کمزور بوڑھوں نے اپنی بیٹیوں کو اس لئے پرورش نہیں کیا تھا کہ وہ انہیں تمہاری ناپاک ہوس کی بھینٹ چڑھا دیں۔ ہم نے یہ سازش اسی وقت تیار کر لی تھی جب تم انسانیت کی سطح سے گرے تھے۔ ہم بھی تو اس برف کے ویرانے میں تمہارے ساتھی تھے۔ ہمیں بھی تو اپنوں کا خیال تھا۔ تم نوجوان جو ہمارا سہارے بنتے، ہماری عزت کے درپے ہو گئے۔ تم نے ہمیں قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ہم نے تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور دیکھ لو ہم کامیاب ہو گئے"۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا درندے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ساتھیوں آؤ۔ اس کتے کو فنا کر دو"۔ آلٹرے دہاڑا۔ اور اس کے بچے ہوئے ساتھی خاور کی طرف دوڑے۔ لیکن اسی وقت راڈرک اور دوسرے نوجوان جو چالاکی سے باقی نوجوانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے آگے بڑھ آئے۔

"ہماری موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہے دوستو۔ یہی موت تمہارا بھی مقدر ہے۔ ہمارے بازو اس قدر کمزور نہیں ہے۔ ہمارے خون اس قدر

سر نہیں ہیں کہ ہم اس عملی جدوجہد میں حصہ نہ لیتے۔ لیکن موت تمہاری مقدر بن چکی تھی۔ ہم دل سے ان لڑکیوں کی عزت کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی آبرو سمجھتے ہیں۔ ان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ہم تمہارے ساتھ اسی لئے شامل ہوئے تھے کہ تمہیں جہنم رسید کریں۔ یہ ہمارے بزرگوں کا پروگرام تھا"۔ راڈرک نے کہا۔

"دیوانے وحشی ان نوجوانوں سے دست و گریباں ہو گئے اور برف پر زندگی اور موت کی جدوجہد ہونے لگی۔ آلٹرے پاگل ہو گیا تھا۔ وہ وحشیوں کی طرح خاور پر حملے کر رہا تھا لیکن۔ شکست آج بھی اس کا مقدر تھی۔ پروفیسر خاور اسے بری طرح مار رہا تھا اور وہ اپنی تمام تر جنگی مہارت کے باوجود ابھی تک خاور کو ہاتھ بھی نہ لگا سکا تھا۔ دوسری طرف شریف نوجوانوں نے ان بچے کھچے باغی نوجوانوں کو درست کر دیا تھا۔ ان میں سے بہت سے زمین پر پڑے بے بسی سے انہیں تک رہے تھے۔ پھر خاور نے آلٹرے کو دونوں بازوؤں پر اٹھایا اور سر سے بلند کر لیا۔ آلٹرے سخت جدوجہد کر رہا تھا لیکن گرانڈیل خاور کے سامنے اس کی ایک نہ چل رہی تھی۔ خاور اسے ڈھلان کے کنارے لے گیا اور آلٹرے چیخنے لگا۔ اب وہ رو رہا تھا گڑگڑا رہا تھا۔ زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"تیرا خون گندا ہے آلٹرے۔ میں تجھے معاف نہیں کر سکتا۔ تاکہ تو دوسروں کے لئے خطرہ بنا رہے"۔ خاور نے کہا اور آلٹرے کو ڈھلان پر اچھال دیا۔ آلٹرے کی چیخ بے حد بھیانک تھی۔ وہ ڈھلانوں پر پھسلتا جا رہا تھا اور لڑکیاں کانپ رہی تھیں۔

"ان سب کا حشر آلٹرے سے مختلف نہیں ہوگا"۔ خاور مڑ کر غرایا اور برف پر پڑے ہوئے نوجوان چیخ پڑے۔ انہوں نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن دوسرے نوجوانوں نے انہیں پکڑ لیا اور پھر انہیں بھی ایک ایک کر کے ڈھلانوں پر پھینک دیا گیا۔ یہ تھا ان کا سفاک انجام جو انسانیت کے قاتل تھے۔ جو اپنا فرض بھلا کر ہوس کے شکنجے میں جکڑ گئے تھے جنہوں نے شیطان کو دوست بنا لیا تھا۔

کئی لڑکیاں دہشت سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ دوسری لڑکیاں بھی کانپ رہی تھیں۔ لیکن ان کے دل کے گوشوں سے سکون کی لہریں بھی اٹھ رہی تھیں۔ وہ مصیبت زدہ تھیں اور مصیبت میں اگر ایک اور مصیبت شامل ہو جاتی تو ان کا پرسان حال کون تھا۔ وہ سب بے یار و مددگار تھیں۔ ان کے سرپرست بوڑھے تھے۔ جیسے بھی تھے بہرحال ان کے لئے اہمیت رکھتے تھے اور وہ ان قوی ہیکل نوجوانوں سے جنگ میں جیت نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ جو کچھ ہوا بہتر ہی ہوا تھا۔

ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی اور چاروں طرف سناٹا طاری تھا۔ ڈھلان پر پھسلنے والوں کا اب نشان بھی نہ تھا۔ البتہ ان کی چیخوں کی بازگشت نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتی ہوئی اب بھی کانوں تک پہنچ رہی تھی یا پھر یہ صرف سماعت کا وہم تھا۔ سب خاموش تھے۔ اس بھیانک واقعہ کے بعد ان کے اعصاب کشیدہ ہو گئے تھے۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور دم گھٹے جا رہے تھے۔ اندر جہاز میں سسکو سر پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ضمیر سے جنگ کر رہا تھا۔ بیشک وہ ان سب لوگوں کا قاتل تھا۔ لیکن وہ تھے بھی اسی قابل۔ اگر وہ زندہ رہتے تو نہ جانے کتنے بھیانک الیے جنم لیتے۔ ویسے سب لوگ اس پروگرام سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے ان کے لئے یہ اچانک صورت حال اور زیادہ بھیانک تھی۔ وہ سب خوف و دہشت سے سفید پڑ گئے تھے۔ کافی دیر تک یہ طلسمی فضا قائم رہی۔ پھر پروفیسر خاور نے ایک گہری سانس لی اور بھاری آواز میں بولا۔

''ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور یہی انسانیت کا تقاضہ بھی تھا۔ خدا کی قسم اگر میرے ساتھ میری بیٹیاں نہ ہوتیں تب بھی میں اس سلسلے میں اتنی ہی سرگرمی سے حصہ لیتا اور ان کا وہی حشر کرتا جو میں نے کیا ہے۔ چنانچہ میرے دوستوں۔ شیطان کا سوگ منانا بھی فضول ہے۔ ان کی موت پر سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے۔ خدا کی قسم ہم اپنی زندگی میں ان معصوم بھیڑوں کو ان بھیڑیوں کے حوالے کرنے کو تیار نہ ہوتے۔ خواہ ان کا سا حشر ہمارا کیوں نہ ہوتا۔ سوگ کی فضا ختم کرو میرے دوستو۔ آؤ۔ میں تمہیں حقیقت سے واقف کروں۔ آؤ میرے قریب آ جاؤ''۔

اور فضا کی خاموشی ختم ہو گئی۔ سب گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ سسکو کانپتے ہوئے قدموں سے باہر آ گیا۔ راڈرک، بوڑھے اور شریف نوجوان بھی ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ تب بوڑھے خاور نے کہنا شروع کر دیا۔

''میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔ ڈھلانوں سے پرے کی دنیا کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ہمارا یہ خوفناک سفر کہاں ختم ہو جس نئی دنیا کا تصور میں نے پیش کیا تھا۔ وہ صرف ایک فریب ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ البتہ ذاتی طور پر میں نے وہی کچھ طے کیا تھا جو میں نے بتایا تھا۔ یعنی میں اپنی بچیوں کے ساتھ کسی وقت ان ڈھلانوں سے گزرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اگر وہ صورت حال پیش نہ آتی جو آ گئی تھی تو شاید اس وقت میں تمہارے درمیان نہ ہوتا۔ میں نے پتھروں کو پھسلا کر مناسب جگہ پر نشان لگا لیا تھا۔ لیکن ان لڑکیوں کی آبرو خطرے میں چھوڑ کر جانا میرے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔ اور میں نے وقتی طور پر اپنا پروگرام ملتوی کر دیا۔ ہم ہر وقت ان خطرناک نوجوانوں کے بارے میں سوچتے رہتے تھے جو بھٹک گئے تھے۔ تب میں نے سسکو سے اپنا تجربہ بیان کیا اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی جسے انہوں نے پسند کیا۔ اگر ہم ان نوجوانوں کو اس حسین دنیا کے خواب نہ دکھاتے تو وہ کبھی اس کام پر تیار نہ ہوتے''۔

''بہرصورت۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب آئندہ اقدام کا فیصلہ کرنا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم جہاز کو یہاں تک لے آئے ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر ہم یہ کام اتنی آسانی سے نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ابھی وقت نہیں گزرا۔ اسے واپس بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ تاہم اس بے یقینی کی زندگی سے یہ بہتر ہے کہ ہم جان کا خطرہ مول لے لیں۔ اگر آپ لوگ اس سفر کے لئے تیار نہ ہوں تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ البتہ میں آج ہی یہاں سے جا رہا ہوں اور اب میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں''۔

''ہم واپس نہیں جائیں گے پروفیسر۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے۔ ٹھیک کیا ہے۔ ہم واپس نہیں جائیں گے۔ ہم یہ سفر کریں گے خواہ اس کا انجام موت ہی کیوں نہ ہو''۔ بہت سے لوگوں نے کہا۔

''میرے بہادر دوستو۔ زندگی جدوجہد کا نام ہے۔ اس ویرانے میں ہم اپاہجوں کی طرح نہیں رہ سکتے۔ زندگی کو داؤ پر لگا دو اس وقت مقصد زندگی ہے اور موت بہرحال زندگی کی انتہا ہے جو ان ڈھلانوں پر بھی موجود ہے اور اس برف کے میدان میں بھی۔

''ہم سب تیار ہیں۔ ہم سب تیار ہیں''۔ تقریباً سب نے کہا۔

''تب آؤ۔ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ کسی نئی زندگی۔ یا فرشتہ اجل کو انتظار کی تکلیف کیوں دی جائے۔ فرزانہ، فروزاں۔ آؤ سب سے پہلے ہم سفر کے لئے کمربستہ ہوں''۔ اور پروفیسر کی دونوں لڑکیاں آگے بڑھ آئیں۔ پھر وہ جہاز کے دروازے کے اندر داخل ہو گئے اور ان کے

پیچھے دوسری لڑکیاں بے ہوش لڑکیوں کو ان کے والد اٹھا کر اندر لائے تھے اور ان کی مدد نوجوانوں نے کی تھی۔ طیارے کے اندر رسیوں کے بنے ہوئے جال کے ایک ایک خانے میں ایک فرد کو بٹھا دیا گیا اور رسیاں ان کے جسموں سے جکڑ دی گئیں۔ بڑا شاندار انتظام کیا گیا تھا۔ ایک ایک کر کے تمام لوگ جہاز میں داخل ہو گئے۔ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔ جہاز کئی بار ڈگمگا چکا تھا۔ بالآخر آخری آدمی بھی اندر آ گیا۔ اور جہاز کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا گیا۔

جہاز اب بھی معلق تھا تب پروفیسر خاور نے ایک رسہ پکڑا اور جہاز کے اگلے حصے میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے دوسروں کو اشارہ کیا۔ سسکو اور اس کے تینوں ساتھی پائلٹ بھی اگلے حصے میں پہنچ گئے۔ جہاز ایک بار زور سے ڈگمگایا۔ اس کا حصہ نیچے جھکنے لگا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی چند اور نوجوان بھی رسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے آگے آ گئے۔

جہاز کا توازن بگڑ گیا۔ ایک خوفناک جھٹکا ہوا اور ان کی چیخیں نکل گئیں۔ جہاز سست رفتاری سے نیچے پھسل رہا تھا۔ وہ سب برق رفتاری سے واپس پلٹے اور رسوں کی مدد سے اپنی جگہوں پر آ گئے۔ لیکن جہاز ڈھلان پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے پہیوں کی راڈیں برف کھرچ رہی تھیں اور جب وہ برف کی گرفت سے آزاد ہوئیں تو اچانک جہاز طوفانی رفتار سے آگے بڑھنے لگا۔ اب وہ باقاعدگی سے برف پر پھسل رہا تھا اور یہ رفتار۔ ان کے دل اچھل کر حلق میں آ گئے۔ جہاز کی کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ جہاز کے پھسلنے سے سخت جمی ہوئی برف کھرچ کر بلند ہو رہی تھی اور دونوں طرف برف کی چادریں بلند ہو گئی تھیں۔ آنکھیں بند ہو گئیں، دلوں کی دھڑکنیں سست پڑ گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آسمان سے نیچے گر رہے ہوں۔ کچھ کمزور دل ساکت ہو گئے۔ کبھی نہ دھڑکنے کے لئے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ سب کے دانت بھینچے ہوئے تھے اور وہ جانکنی کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مضبوطی سے رسیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ جہاز کو خوفناک جھٹکے لگ رہے تھے۔ تب کسی بوڑھے کے حلق سے قہقہہ بلند ہو گیا۔

''وادیاں۔ ہاہاہا۔ موت کی وادیاں۔ ہم تیزی سے موت کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا''۔ وہ قہقہے لگاتا رہا۔ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ لیکن کسی کی ہمت نہیں تھی کہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھ سکے۔ سب پر یہی کیفیت طاری تھی۔ سب کے دماغ خالی ہو رہے تھے۔ باہر کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ نہ جانے جہاز کہاں جا رہا تھا۔ نہ جانے کتنا فاصلہ طے ہو چکا تھا۔ نہ جانے کتنی سانسیں باقی رہ گئی تھیں۔ اب وہ صرف حالات کے رحم و کرم پر تھے۔ دفعتاً جہاز بہت زور سے اچھلا۔ اب ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ فضا میں اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ بوڑھے خاور نے بمشکل آنکھیں کھول کر اپنے برابر کی کھڑکی سے جھانکا جہاز واقعی کسی چیز سے ٹکرا کر اچھل گیا تھا اور اب اس کے نیچے کچھ نہیں تھا۔ اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کی گردنیں ڈھلکی ہوئی تھیں۔ دونوں ہی بے ہوش ہو گئی تھیں۔ یا شاید مر چکی تھیں۔

تقریباً سب کی ایک جیسی کیفیت تھی۔ تب جہاز زور سے نیچے گرا۔ اور رک گیا۔ پھر وہ گیند کی طرح اچھلا اور کئی گدے کھانے کے بعد پھر اسی رفتار سے آگے بڑھنے لگا۔ لیکن۔ اس دوران قیامت برپا ہو گئی تھی۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ ایک ٹوٹا ہوا شیشہ سسکو کے نرخرے سے گھس کر گدی سے نکل آیا تھا۔ جہاز کی کھڑکیاں اور دروازے ٹوٹ ٹوٹ کر لوگوں پر آ گرے تھے۔ کسی کا سر غائب ہو گیا تھا کسی کی گردن۔ راڈرک کا بھیجہ باہر نکل پڑا تھا۔ کسی بوڑھے کی گردن خاور کی گود میں آ گری تھی اور خون اگل رہی تھی اور جہاز کے پیندے پر برف کی رگڑ کی آواز کانوں کے

پردے پھاڑے دے رہی تھی۔

پھر جہاز کے پیندے میں ایک بڑا سوراخ ہو گیا اور جو لوگ اس سوراخ کے قریب بیٹھے تھے۔ان کی ٹانگیں غائب ہونے لگیں۔ان کے بغیر ٹانگوں کے جسم اچھل کر رسیوں کے جال سے باہر نکل آئے اور پورے جہاز میں پھدکنے لگے۔بڑا وحشت ناک منظر تھا۔کہیں سر اچھل رہے تھے۔کہیں کٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں تڑپ رہے تھے۔کوئی کسی خون اگلتے دھڑ کے نیچے دب گیا تھا۔کوئی اپنے اچانک غائب ہو جانے والے شانوں کی تلاش کر رہا تھا۔کھلی ہوئی کھڑکیوں کے سوراخوں سے برف اندر آ رہی تھی اور خون پر مٹی کی طرح جمتی جا رہی تھی۔پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا اور جہاز کا دروازہ کھل گیا۔کھلے ہوئے دروازے سے برف کی ایک چادر اندر گھس آئی۔پھر کسی مضبوط چیز سے رگڑ کھا کر دروازہ اکھڑ گیا۔مضبوط دروازے کے اکھڑنے سے جہاز گھوم گیا۔اس کا رخ بدل گیا۔لیکن اس کا سفر اب بھی جاری تھا۔وہ اب بھی پھسل رہا تھا۔

بوڑھے خاور کے ہونٹوں سے خون کی دھار ابل رہی تھی لیکن اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے۔اس کی آنکھیں تاریک ہو گئیں۔جہاز کو ایک اور خوفناک جھٹکا لگا اور وہ سیدھا نیچے جانے لگا اور پھر ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور اس کے بعد کچھ نہ تھا۔شاید جہاز کا سفر ختم ہو گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

سفید سفید ہیولے واضح ہوتے گئے۔وہ انسان ہی تھے۔ان کے جسموں پر لمبے چغے تھے لیکن ان کے چہرے بے حد خوفناک تھے۔وہ خونخوار نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے اور ان کے ارادے اچھے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔

''یہی ہے''۔ان میں سے ایک نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں۔یہی ہے''۔پیچھے سے کئی آوازیں ابھریں اور ان میں سے چند ہیولے پیچھے سے نکل کر آگے بڑھ آئے۔تب اس نے دیکھا۔سب سے آگے والا ہیولا آلٹرے کا تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور پھر اس نے بھیانک آواز میں کہا۔

''بوڑھے شیطان۔اب بول۔اب میرے ہاتھوں سے بچ کر کہاں جائے گا۔تو میرا قاتل ہے اور میں تجھے قتل کروں گا۔ہاہاہا۔اب میں تجھے قتل کروں گا''۔اس نے چاقو لہرایا اور چاقو خاور کے بائیں شانے میں پیوست ہو گیا۔ایک تیز کراہ اس کے منہ سے نکل گئی اور آلٹرے قہقہے لگاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔پھر دوسرے لوگ سامنے آئے اور یہ وہی نوجوان تھے جنہیں اس کے حکم پر قتل کیا گیا تھا۔ان سب کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چاقو تھے۔پھر وہ سب اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے نشان لگانے لگے اور ان نشانوں سے خون ابلنے لگا۔وہ اسے اذیتیں دے کر مارنا چاہتے تھے۔ان میں سے کسی نے بھی چاقو کا ایسا وار نہیں کیا تھا جو کارگر ہوتا اور اس کی زندگی ختم کر دیتا۔

وہ چیختا رہا، کراہتا رہا اور نوجوان اس کے جسم پر زخم لگاتے رہے۔یہاں تک کہ وہ زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا اور نوجوان قہقہے لگانے لگے۔پھر انہوں نے اس کے گرد وحشیانہ رقص شروع کر دیا۔وہ اس کے جسم کو ٹھوکریں مار رہے تھے اور ہر ٹھوکر پر اس کی کراہ نکل جاتی۔کافی دیر تک یہ رقص جاری رہا پھر نوجوانوں نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے چاقو زمین پر پھینک دیئے اور اس کی طرف جھک آئے۔انہوں نے اسے ہاتھوں

سے اٹھالیا اور اس کے زخموں سے چور چور جسم کو لے کر ایک طرف چل دیئے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیلا آسمان تھا اور جسم درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ کافی دور چل کر وہ رکے اور اس کے بعد انہوں نے اسے فضا میں اچھال دیا۔

ایک اور دلخراش چیخ اس کے حلق سے آزاد ہوگئی۔ وہ نیچے گر رہا تھا۔ گہرائیاں۔ اور گہرائیاں۔ نہ جان ان گہرائیوں کی انتہا کیا تھی۔ وہ گرتا رہا اور پھر ایک اور دھاکہ ہوا۔ وہ کسی چیز پر گر پڑا تھا۔ تب اس کے ذہن پر تاریکی مسلط ہوگئی۔ وہ اسی طرح گم صم پڑا رہا۔ اتنی بلندی سے گرنے کے باوجود وہ زندہ تھا اور اس زندگی پر اسے حیرت تھی۔ اس نے اس جگہ کو ٹٹولا جہاں وہ گرا تھا۔ نہ جانے کون سی جگہ تھی۔ نہ جانے کیسی جگہ تھی۔ اس کے ہاتھ کسی لجلجی شے سے ٹکرائے اور بھیگ گئے۔ تب اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں اور اس گیلی شے کو دیکھنے لگا۔ چند لمحات تو کچھ نظر نہ آیا پھر آنکھوں کی روشنی واپس آتی گئی اور تب اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ خون میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن وہ لجلجی شے کیا ہے؟۔ اس نے کہنیوں پر زور دیا۔ تھوڑی سی گردن اٹھائی۔ ایک سیاہ سی شے تھی۔ پورے طور سے حواس مجتمع کر کے اس نے دیکھا۔ وہ انسانی جسم کا کوئی اندرونی ٹکڑا تھا۔

شاید پھیپھڑے۔ کلیجہ۔ یا اور کوئی ایسی ہی شے۔ لیکن یہ کس کا جسم ہے۔ یہ کون سی جگہ ہے جہاں اسے پھینکا گیا ہے۔ سر پر آسمان تو نہیں ہے۔ یہ سیاہ سی چھت کیسی ہے اور یہ تو زیادہ اونچی بھی نہیں ہے۔ کوئی صندوق۔ شاید کوئی صندوق۔ لیکن ان لوگوں نے تو اسے کسی صندوق میں بند کر کے نہیں پھینکا تھا۔ پھر یہ صندوق کہاں سے آ گیا؟۔

وہ حیرانی سے سوچتا رہا اور پھر اسے واقعات یاد آتے گئے۔ وہ نوجوان کہاں سے آ گئے۔ وہ تو مر چکے تھے۔ آلٹرے بھی مر گیا تھا اور وہ خود۔ اوہ۔ وہ خود تو جہاز میں تھا۔

جہاز...... اس کے ذہن میں چھناکا ہوا۔ جہاز میں تو فرزانہ بھی تھی۔ فروزاں بھی تھی اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ اس کے باوجود کہ پورے جسم میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ تب ایک بھیانک منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ وہ تو اسی جہاز میں تھا۔ جہاز کا مڑا تڑا ڈھانچہ اس کے سامنے تھا۔ اس کی چھت کہیں کہیں پچک کر فرش سے مل گئی تھی اور اس کے نیچے جو بھی تھا پچک گیا تھا۔ البتہ ان چکے ہوئے زخموں سے خون اب بھی پھواروں کی شکل میں اچھل رہا تھا۔ پورے جہاز میں خون ہی خون تھا۔ اعضا بکھرے ہوئے تھے۔ مسخ شدہ چہرے بھیانک نظر آ رہے تھے۔ چکے ہوئے جسموں سے اندرونی اعضا بھی باہر نکل آئے تھے۔ مردہ انسان ایک دوسرے پر پڑے تھے۔

تب سب کچھ اس کے ذہن میں آ گیا۔ سفر ختم ہو چکا تھا اور...... اور...... وہ زندہ تھا...... مگر...... فرزانہ...... فروزاں......؟ وہ اپنے زخموں کو بھول گیا۔ اس نے ایک رسی سے دونوں ہاتھ ٹکائے، ٹانگوں پر قوت صرف کی اور کھڑا ہو گیا۔

''فرزانہ''۔ اس کے حلق سے دہاڑ نکلی۔ ''فروزاں''۔ وہ پھر چیخا...... اور رسیاں پکڑ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ جہاز کا ایک بھی مسافر زندگی کی سانس نہیں لے رہا تھا۔ سب مر چکے تھے۔ لیکن وہ کیسے زندہ تھا...... اور ابھی تھوڑی دیر قبل جو کیفیت اس پر بیت رہی تھی۔ وہ۔ وہ صرف ایک تصور تھی...... ایک خواب تھی...... اس کے جسم پر زخم تھے جن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں...... لیکن یہ زخم چاقوؤں کے نہیں تھے۔ اس کے پاؤں کی ٹھوکر کسی چیز کو لگی اور وہ چیز اچھل کر رسیوں کے جال پر آ گری، اس نے اسے دیکھا اور دل پکڑ کر رہ گیا...... یہ نوجوان راڈرک کا سر تھا...... وہی جیالا جس نے

مسافروں کو بچانے کی ایک کوشش کی تھی...... انہیں برف پر اتار لایا تھا۔

لیکن وہ کس کس کو دیکھتا۔ لمبے لمبے سنہرے بالوں میں چھپا ہوا ایک چہرہ اس کے سامنے تھا...... یہ بار تھا تھی...... ایک شوخ و شنگ ہوسٹس...... نوجوان حسین...... لیکن اس کا جسم چہرے کے ساتھ نہیں تھا...... جسم نہ جانے کہاں تھا...... اس کا دل ڈوبنے لگا...... کیا فروزاں کا چہرہ بھی اسی طرح خون میں ڈوبا پڑا ہوگا...... آہ...... نہیں...... یہ ناممکن ہے...... یہ ناممکن ہے...... فروزاں...... فرزانہ...... اس نے دہشت سے کانپتی آواز میں کہا۔ وہ رسیوں کے جال میں جھانکتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر وہ جہاز کے آخری حصے میں پہنچ گیا۔ لیکن انسانی لاشوں کے ٹکڑے میں زندگی کہاں سے ہوتی، کوئی زندہ نہیں نظر آ رہا تھا۔ خون میں ڈوبے ہوئے چہروں کے صحیح خدوخال بھی نہیں پہچانے جاتے تھے، پورے پورے جسم اعضاء کے نیچے دبے پڑے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ ''فرزانہ''۔ اس کی ڈوبی ہوئی آواز ابھری اور وہ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ منہ ڈھکے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹائے۔ حالات سے اندازہ ہوتا تھا کہ فروزاں اور فرزانہ بھی نہیں بچ سکی ہیں۔ دونوں لڑکیاں بھی اسی الم ناک موت کا شکار ہوگئی ہیں۔ پھر اب......؟ اسے کیا کرنا چاہئے...... خودکشی......! ایک لفظ اس کے ذہن میں ابھرا...... ہاں...... اب اس تنہا زندگی میں کیا رکھا ہے...... نہ جانے وہ خود کیوں بچ گیا، یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے...... حالانکہ خودکشی حرام ہے...... لیکن ان حالات میں جب تمام ساتھی بچھڑ گئے...... سب موت کا شکار ہو گئے۔ زندگی کا مقصد اس کی دونوں بچیاں ختم ہوگئیں۔ پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تنہا زندہ رہ کر کیا کرے گا۔!

لیکن ان دونوں کی لاشیں تو تلاش کر لی جائیں...... انہیں کہیں دفن تو کر دیا جائے...... اس کے ذہن میں خیال آیا...... اور وہ اپنے جسم کے زخموں کو بھول گیا...... انسانی سر، دھڑ...... اور دوسرے اعضاء اٹھا اٹھا کر ایک طرف ڈالنے لگا۔ وہ ان اعضاء کو بغور دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی بچیوں کے جسم ایک ایک حصے سے واقف تھا۔ لیکن ابھی تک اسے کوئی ٹکڑا فروزاں یا فرزانہ کا نہیں نظر آیا تھا۔

وہ آگے بڑھتا رہا...... وہ لاشیں کھنگالتا رہا...... اور پھر...... اچانک اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا...... اسے فرزانہ کی شکل نظر آئی تھی...... ہاں فرزانہ کا سر بہت سی لاشوں کے نیچے دبا پڑا تھا...... اس کے چہرے پر خون ہی خون تھا...... لیکن پروفیسر خاور اس کے چہرے کو اس حالت میں بھی پہچان سکتا تھا...... ''میری بچی''...... اس کے دل سے کراہ نکلی اور اس نے فرزانہ کا سر اٹھا کر سینے سے لگا لینا چاہا...... لیکن...... یہ سر بقیہ جسم سے الگ نہیں تھا۔ اس سر سے جسم جڑا ہوا تھا۔ یہ محسوس کر کے پروفیسر نے جلدی جلدی اس کے جسم پر پڑے ہوئے انسانی جسموں کے ٹکڑے ہٹائے اور فرزانہ کو نکال لیا۔ اس کا جسم سالم تھا۔ گو پورا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن جسم کا کوئی حصہ کم نہیں۔ اس نے تیزی سے اسے اٹھا کر ایک قدرے صاف جگہ پر لٹا دیا۔ اور اس کے دل کی دھڑکنیں سننے لگا! اور پھر وہ اچھل پڑا۔ فرزانہ کا دل دھڑک رہا تھا...... وہ زندہ تھی...... لیکن فروزاں......! اسے تو جگر کے دونوں ٹکڑوں سے یکساں محبت تھی۔ اسے بھی تلاش کیا جائے۔ ممکن ہے قدرت کوئی معجزہ دکھانے پر آمادہ ہو۔ ورنہ ان حالات میں فرزانہ کا زندہ بچنا ہی حیرت انگیز تھا۔ اب اس نے لاشیں الٹنے کی رفتار بہت تیز کر دی۔ اس نے آن کی آن میں پورے جہاز کو کھنگال مارا...... لیکن...... اسے تعجب ہونے لگا، فروزاں کی نہ تو لاش ہی مل سکی...... نہ اس کا کوئی نشان ملا...... شاید تلاش کرنے میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے...... اس نے ایک بار پھر لاشوں کو

ٹٹولا...... چہرے پہچانے، لیکن بے سود..... فروزاں یہاں نہ تھی...... اب ایک ہی بات سوچی جاسکتی تھی۔ وہ جہاز کے اس حصے میں تھی جو پچک گیا ہے اور اب جس کے نیچے سے کوئی لاش نہیں نکالی جاسکتی۔ گویا فروزاں اس سے دور چلی گئی تھی۔ فرزانہ کے زندہ مل جانے سے جو خوشی ہوئی تھی، وہ فروزاں کی دردناک موت کے خیال سے کافور ہوگئی۔ وہ اپنی بچی کی لاش بھی نہیں دیکھ سکتا۔! وہ تھکے تھکے قدموں سے فرزانہ کے خون آلود جسم کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دھندلائی ہوئی آنکھیں صاف کیں۔ اور اس کے جسم کو ٹٹولنے لگا، فرزانہ کے جسم کے بہت سے حصوں سے خون رس رہا تھا۔ لیکن بظاہر جسم صحیح سالم معلوم ہوتا تھا۔ کوئی بڑی چوٹ نہیں نظر آرہی تھی اور وہ صرف بے ہوش معلوم ہوتی تھی۔ "فرزانہ..... میری بچی...... فرزانہ...... ہوش میں آ میری بچی"...... ! وہ درد بھری آواز میں بولا...... اور...... اسی وقت اس کے کانوں میں ایک باریک سی آواز گونجی۔ "ڈیڈی"۔ شاید فرزانہ ہوش میں آگئی تھی۔ اس نے فرزانہ کی طرف دیکھا...... اور پھر اس کے سینے کو جھنجھوڑتا ہوا بولا "فرزانہ۔ فرزانہ"۔

"ڈیڈی"۔ باریک آواز پھر ابھری۔ اور وہ اچھل پڑا۔ یہ فرزانہ کی آواز نہیں تھی...... نہ ہی فرزانہ کے لب ہلے تھے...... ہاں...... یہ تو...... فروزاں کی آواز تھی...... ہاں...... یہ اس کی فروزاں کی ہی آواز تھی۔

"فروزاں"...... وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخا...... اور دیوانوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"ڈیڈی"...... آواز اس بار تیز تھی...... تب اسے اندازہ ہوا کہ آواز طیارے کے باہر سے آرہی ہے...... دوسرے لمحے طیارے کے دروازے کی طرف لپکا اور پھر اس کی بلندی کا اندازہ کئے بغیر نیچے کود گیا۔

"فروزاں"۔ اس نے ایک بار پھر چیخ کر آواز دی۔

"ڈیڈی"۔ اسے اپنے بائیں سمت سے فروزاں کی آواز سنائی دی۔ اور وہ اس طرف لپکا۔ تب اس نے فروزاں کو لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ تیر کی طرح لپکا اور فروزاں کے قریب پہنچ گیا۔

"فروزاں...... میری بچی...... میری آنکھوں کا نور"۔ اس نے فروزاں کو سینے سے بھینچ لیا...... اور پھر وہ فروزاں کے جسم کو ٹٹولنے لگا۔

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈی۔ چند چھوٹے چھوٹے زخم ہیں۔ باجی کہاں ہیں"؟

"وہ...... وہ بھی ٹھیک ہے...... وہ بھی ٹھیک ہے..... آ میری بچیو...... اے خدا...... میں...... میں تیرا احسان مند ہوں"۔ اس نے آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ حقیقت صرف معجزہ تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ جہاز میں موجود ایک ایک فرد موت کی آغوش میں سو چکا تھا...... کسی ایک انسان کے بھی مکمل جسمانی اعضاء یکجا نہیں کئے جاسکتے تھے، وہ تینوں زندہ تھے۔ عقل تسلیم نہیں کرتی تھی...... لیکن قدرت کے لئے ایسے کام مشکل نہیں ہوتے۔ اس نے فروزاں سے کچھ نہیں پوچھا اور جہاز کے دروازے کی طرف بڑھا۔ فروزاں کو نیچے کھڑا کر کے وہ اچھلا اور جہاز کے دروازے سے لٹک گیا۔ پھر اس نے اپنے جسم کو اوپر اٹھایا اور جہاز میں داخل ہوگیا۔ فرزانہ اسی طرح بے سدھ پڑی تھی اس نے فرزانہ کی نبض ٹٹولی۔ نبض بدستور چل رہی تھی۔ وہ فرزانہ کے جسم کو احتیاط سے بازوؤں میں اٹھائے دروازے پر آیا۔ نیچے بیٹھا اور پھر پوری احتیاط سے نیچے کود گیا۔

"باجی"...... فروزاں کے منہ سے چیخ نکلی...... اور وہ فرزانہ پر جھک گئی۔

"ٹھیک ہے۔ بے ہوش ہے۔ اسے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا ہے۔ کوئی مناسب جگہ تلاش کرو"۔

"ادھر..... ادھر آیئے ڈیڈی..... میں دو تین گھنٹے سے اس علاقے میں بھٹک رہی ہوں۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے مجھے طویل سفر طے کرنا پڑا ہے۔ اس طرف نرم گھاس کی جھاڑیاں ہیں۔ بے حد نرم۔ حیرت انگیز طور پر نرم۔ شاید میں انہیں کی وجہ سے بچ گئی ورنہ"۔

پروفیسر فرزانہ کے بے ہوش جسم کو اٹھا کر تیز تیز قدموں سے چل پڑا اور پھر وہ اس حیرت انگیز سنہری گھاس کی جھاڑیوں کے قریب پہنچ گئے جو چھوٹی چھوٹی اور اسفنج کی طرح نرم تھی۔ اس نے فرزانہ کو گھاس پر لٹا دیا۔ اور پھر جلدی سے اپنی قمیض اتار دی۔ قمیض پھاڑ کر اس نے فرزانہ کے چہرے سے خون صاف کیا اور دونوں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن کافی دیر کی کوشش کے باوجود وہ ناکام رہے۔ فرزانہ زندہ تھی۔ لیکن اس پر طویل بے ہوشی طاری تھی۔

فروزاں اٹھ گئی..... اس نے قرب و جوار کے علاقے سے خشک گھاس جمع کی..... اور پتھروں کے دو ٹکڑے اٹھا لائی۔ وہ پتھروں کو رگڑ رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کرتی رہی۔ اس دوران خاور بدستور فرزانہ کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں کرتا رہا تھا۔ اس کے حواس گم ہوئے جا رہے تھے..... ذہنی کیفیت اعتدال پہ نہیں تھی اس لئے کسی اور سلسلے میں انہوں نے کچھ نہ سوچا تھا..... بس پوری کوشش اس بات پر صرف ہو رہی تھی کہ کسی طرح فرزانہ کو ہوش آ جائے۔

فروزاں آگ جلانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے خشک ٹہنیاں اور بہت سی چیزیں آگ میں جھونک دی تھی۔ اور آگ کی خوشگوار حرارت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ فرزانہ کے سانس اعتدال پر تھے اور یہی بات اطمینان کا باعث تھی۔ خاور اس کے جسم پر کوئی گہرا زخم تلاش کرنے میں بھی ناکام رہا تھا۔ البتہ یہ بے ہوشی..... شاید دماغ کی کسی اندرونی چوٹ کا نتیجہ ہو۔

تب خاور نے چند گہری گہری سانسیں لیں اور پھر وہ فروزاں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "حواس قائم رکھو فروزاں۔ ہمیں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے"۔

"جہاز کے دوسرے لوگوں کی ہم کوئی مدد نہیں کر سکتے ڈیڈی کیا زخمی ہماری مدد کے مستحق نہیں ہیں"؟ فروزاں نے کہا۔ "میرا خیال ہے باقی خطرے میں نہیں ہیں۔ میں ان کی دیکھ بھال کر رہی ہوں۔ آپ ان لوگوں کو دیکھئے"۔ اور پروفیسر کی گردن جھک گئی۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب ان میں سے کوئی بھی ہماری مدد کا محتاج نہیں ہے"۔

"اوہ"۔ فروزاں کی ڈوبی ہوئی آواز ابھری..... "تو کیا وہ سب"۔؟

"ہاں"۔ پروفیسر نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ اور پھر چونک کر بولا۔ "کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا۔ اور فروزاں تم جہاز سے باہر کیسے پہنچ گئیں"۔؟

"مجھے کچھ احساس نہیں ڈیڈی۔ جہاز کی تیز رفتاری سے دماغ سن ہو گیا تھا۔ حواس گم ہو گئے تھے جھٹکے لگ رہے تھے اور بہت سی چیزیں میرے جسم سے ٹکرائی تھی مجھے چوٹ کا احساس بھی نہیں تھا۔ بس جسم سن ہو گیا تھا۔ اور پھر جہاز کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور میں اپنی جگہ سے اچھل گئی۔ اور

پھر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں پرواز کرتی ہوئی جہاز کے کھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔ مجھے نیچے گرنے کا احساس بھی تھا ڈیڈی......بس......اس کے بعد میں بے ہوش ہوگئی......ہوش آیا......تو یہاں سے دور......ایسی ہی گھاس کے ایک بڑے ڈھیر پر پڑی تھی۔ بڑی نرم گھاس ہے۔ شاید میں اسی پر گرنے کی وجہ سے بچ گئی تھی"۔

"ناقابل یقین بات ہے لیکن معجزوں پر یقین کرنا پڑتا ہے قدرت ہمیں بچانا چاہتی تھی اور وہ بچانا چاہے تو ایسے ہی ناقابل یقین واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پھر کیا ہوا"......؟

"بس میں ہوش میں آ کر گھاس کے ڈھیر سے اتر آئی، مجھے آپ کی تلاش تھی۔ اور دور سے مجھے یہ جہاز نظر آیا۔ میں اس کی طرف چل پڑی اور آپ کے پاس پہنچ گئی"۔

"غور کرو فروزاں۔ جہاز اس بلندی سے اس وادی میں گرا ہے کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ اتنی بلندی سے گرنے کے بعد کوئی چیز سلامت رہ سکتی ہے۔ لیکن......ہم بچ گئے......! کاش دوسرے بھی زندہ بچ جاتے"۔

"سب مر گئے ڈیڈی......کوئی بھی زندہ نہیں بچا"۔؟ پروفیسر نے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ اور فروزاں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ اسی وقت فرزانہ کی کراہ سنائی دی اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ پروفیسر نے اس کا سر اٹھا لیا اور اس کے خون آلود بالوں میں انگلیاں پھراتے ہوئے بولا۔

"فرزانہ......فرزانہ......میری بچی......فرزانہ"......؟ فرزانہ نے آہستہ سے پلکیں جھپکائیں۔ اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"ڈیڈی"۔ وہ کمزور آواز میں بولی۔

"ہاں میری بچی۔ میں تیرے پاس موجود ہوں۔ میں تیرے قریب ہوں میری بچی"۔ پروفیسر نے اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

"فروزاں کہاں ہے"۔؟ فرزانہ نے کمزور آواز میں پوچھا۔

"میں یہاں ہوں باجی۔ یہ رہی تمہارے پاس"۔

"خدا کا شکر ہے۔ خدا کا شکر ہے"۔ فرزانہ کے منہ سے نکلا اور پھر وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اوہ۔ آپ زخمی ہیں ڈیڈی۔؟ آپ زیادہ زخمی تو نہیں ہیں"۔؟

"بالکل نہیں فرزانہ۔ تمہیں کہاں چوٹ آئی ہے۔ مجھے بتاؤ"۔ پروفیسر نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتی......کیا......میں بھی زخمی ہوں......؟ دوسرے لوگوں کا کیا حال ہے"۔؟

"سب ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے"۔ پروفیسر نے اسکا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اور فرزانہ سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ پروفیسر اندرونی طور پر خوشی محسوس کر رہا تھا۔ گو وہ ایک بھیانک المیے سے دوچار ہو چکے تھے۔ لیکن یہی کیا کم تھا کہ خود پروفیسر کے جسم پر کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ اس کی اپنی دونوں بچیاں زندہ تھیں۔ اسی طرح نیویارک ایئرپورٹ سے پرواز کرنے والے اس بدنصیب طیارے کے عملے سمیت تین سو چار مسافروں میں سے

صرف تین مسافر زندہ بچے تھے۔ لیکن کون جانے ان کی زندگی کے لئے بھی آئندہ کون کون سے حادثات تیار ہوں۔ فی الحال تو وہ اس جگہ کے بارے میں بھی اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ فرزانہ اب بالکل ٹھیک تھی۔ گو اس کے جسم پر بھی چند زخم تھے لیکن قابل تشویش ایک بھی زخم نہیں تھا۔

پروفیسر کافی دیر تک دونوں بچیوں کو سینے سے لگائے گھاس کے ڈھیر پر بیٹھا رہا۔ اس کی نگاہوں میں اپنے ساتھیوں کی تصویریں رقص کر رہی تھیں، جہاز کے اندرونی مناظر گھوم رہے تھے اگر لڑکیاں ان مناظر کو دیکھ لیتیں یا تو خوف سے پاگل ہو جاتیں یا ان کے ہارٹ فیل ہو جاتے۔ لیکن اب۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا اور یہ حقیقت تھی کہ اگر نوجوان باغی نہ ہو جاتے اور لڑکیوں کی آبرو کو خطرہ نہ پیش آتا تو پروفیسر کسی دن خاموشی سے اپنا سفر شروع کر دیتا اور ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ آتا۔ ظاہر ہے وہ صرف اپنی زندگی خطرے میں ڈال سکتا تھا۔ دوسروں کی نہیں، لیکن پھر حالات بدل گئے اور اسے اپنی تجویز میں ترمیم کرنا پڑی۔ موت ان لوگوں کا مقدر تھی۔ یہاں آگئی۔ برف پر بھی آسکتی تھی۔

وہ اپنے اعصاب کو درست کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اب آئندہ حالات سے نمٹنا تھا اور اس کے لئے پہلے اس جگہ کے بارے میں اندازہ لگانا تھا۔ یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں کا حدود اربعہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں بچیوں سے مخاطب ہوا۔

''فیروزاں، فرزانہ۔ اگر تم لوگ ٹھیک ہو تو مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو، میں اس وادی کے بارے میں جاننے کی کوشش کروں'۔

''انکل مسکو کو بھی ساتھ لے لیں ڈیڈی..... دوسرے لوگوں کے ساتھ''......

''ہاں، ہاں تم فکر مت کرو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں''۔ پروفیسر خاور نے کہا۔ اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

تقریباً ایک مربع میل کے علاقے میں پھیلی ہوئی یہ وادی پہاڑیوں کے درمیان ایک گڑھے کی حیثیت رکھتی تھی۔ چاروں طرف پہاڑوں کی بلند دیواریں تھیں جہاں تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ البتہ ان دیواروں میں غاروں کے دہانے نظر آرہے تھے۔ ایک طرف بلندی سے آبشار گر رہا تھا جو ایک چھوٹی سی ندی بناتا ہوا ایک پہاڑی دیوار کے سوراخ میں گھس کر نہ جانے کہاں جاتا تھا یہ جگہ سرسبز تھی۔ خودرو درخت بے شمار تھے۔ بعض جگہوں پر سانپ اور دوسرے زہریلے جانور بھی نظر آئے البتہ اور کسی جانور کا وجود نہیں تھا۔ سب سے حیرت انگیز چیز وہ چشمہ تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ چشمے کے کنارے دور دور تک زمین خشک تھی۔ پروفیسر چشمے کے کنارے پہنچ گیا، وہ اس بھاپ کا راز جاننا چاہتا تھا۔ اس نے چشمے کے پانی میں ہاتھ ڈالا خاصا گرم پانی تھا اور اس میں گندھک کی بو شامل تھی، چنانچہ یہ اندازہ لگانے میں دقت نہ ہوئی کہ چشمے کے نیچے گندھک کی کان ہے۔ یہ پانی زخموں کے لئے بے حد مفید ثابت ہو سکتا تھا اور اسے ٹھنڈا کر کے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ خاور وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ وہ وادی کے تین حصے دیکھ چکا تھا اور اب اس کا رخ چوتھے حصے کی طرف تھا۔ یہاں...... اس نے دیوار میں ایک عظیم الشان سوراخ دیکھا۔ کسی بہت بڑے غار کا دہانہ تھا پروفیسر دہانے کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر کچھ سوچ کر وہ دہانے میں داخل ہو گیا۔ غار قدرتی ہی تھا لیکن قدرت نے اس میں انسانی زندگی کی بہت سی ضروریات پوری کر دی تھیں جگہ جگہ سے سوراخوں سے روشنی آرہی تھی جس سے غار منور تھا۔ ایک بڑا سا سپاٹ اور ہموار ہال تھا وہاں خوشگوار گرمی پھیلی ہوئی تھی دیواریں شفاف تھیں اور سیلن وغیرہ ذرا سی بھی نہیں تھی۔ اور پھر پروفیسر کی نگاہ ایک دروازے پر پڑی اور وہ اچھل پڑا۔

''ہاں...... وہ دروازہ ہی تھا، پتھر کی ایک سل کو دروازے کی شکل میں تراشا گیا تھا لیکن یہ سل قطعی غیر قدرتی تھی۔ گویا یہاں انسانی قدم آ

چکے ہیں۔ لیکن کیا اب بھی یہاں انسان موجود ہیں لیکن کس قسم کے انسان۔ دروازے کی تراش سے معلوم ہوتا تھا کہ جس نے بھی اسے تراشا ہے وہ جدید تہذیب سے بخوبی واقف ہے۔ وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر اس نے دروازے پر قوت آزمائی کی لیکن قوت آزمائی کی ضرورت ہی نہ پیش آئی۔ دروازہ تھوڑی سی قوت سے کھل گیا۔ دوسری طرف بھی ایک ہال تھا۔ ویسا ہی روشن اور صاف ستھرا...... لیکن اس ہال میں اور بھی کچھ تھا جسے دیکھ کر پروفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ہال میں نفیس تراش کا فرنیچر موجود تھا، جو تھا تو قدیم طرز کا لیکن نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجے کا تھا۔ دیواروں پر نفیس اور قیمتی کپڑے کے پردے لٹک رہے تھے اور ایک باریک پردے کے پیچھے ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔

پروفیسر کے دل میں عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے لیکن اس نے اسے بھی تائید غیبی جانا، شاید غیب سے اس کی مدد ہو رہی ہے۔ اس غیر یقینی حالات میں ہر واقعے، ہر حادثے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ چنانچہ اس خیال کے تحت اس نے دونوں بچیوں کو یہاں لے آنے کا فیصلہ کیا، اور پھر ملائم ریشمی پردہ لے کر وہ دروازے سے باہر نکل آیا اور پھر ہال سے بھی باہر نکل آیا۔ گندھک کے چشمے کے پاس پہنچ کر اس نے پردہ پانی میں بھگو دیا اور اسے اٹھائے ہوئے واپس چل پڑا۔ فرزانہ کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے شاید فروزاں اسے جہاز والوں کا حشر بتا چکی تھی۔ پروفیسر کو دیکھ کر ان دونوں نے آنسو پوچھ لئے اور پھر پروفیسر نے مختصراً انہیں اس وادی کے بارے میں بتایا۔ اس غار کے بارے میں بتایا اور دونوں لڑکیوں کے دل میں اسے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔

''وہ غار کس کا ہے۔ وہاں کون ہے، اس سے ہمیں سروکار نہیں۔ ممکن ہے وہاں سے ہماری ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ اسی لئے میں وہاں جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ کیا تم مجھ سے متفق ہو''؟

''ہاں ڈیڈی''...... لڑکیوں نے کہا۔ اور پروفیسر گرم پانی سے فروزاں اور فرزانہ کے چہرے صاف کرنے لگا۔

''تم ان پردوں سے اپنے لباس تیار کر سکتی ہو، اس کے بعد ہی تمہیں ان خون آلود کپڑوں سے نجات مل سکے گی''۔ اس نے ان کے چہرے صاف کر کے کہا اور پھر ان دونوں کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ غار میں داخل ہو رہے تھے۔ اس پراسرار غار کو دیکھ کر فرزانہ اور فروزاں بھی اپنے ساتھ پیش آنے والے خوفناک حادثے کو بھول گئیں اور یہاں کی ایک ایک چیز کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔

''اس دوسرے دروازے کے پیچھے کیا ہے ڈیڈی''......؟ فروزاں نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔ میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں یہیں سے واپس ہو گیا تھا۔ دیکھو۔ اس دیوار سے میں نے پردہ پھاڑا ہے''۔

''دیکھیں ڈیڈی''۔ فرزانہ نے کہا۔

''ہاں...... آؤ''۔ پروفیسر خاور نے کہا اور وہ تینوں آہستہ آہستہ دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ پھر پروفیسر خاور نے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی ایک عجیب سے خوشبو ان کی ناک سے ٹکرائی۔ بڑی خوشگوار بو تھی، البتہ دروازے کے پیچھے کا ماحول قدرے تاریک تھا لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ وہاں کی چیزوں کو نہ دیکھ سکیں۔

پروفیسر اندر داخل ہو گیا اور اندر قدم رکھتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک عظیم الشان لیبارٹری تھی۔ پورے ہال میں

چاروں طرف الماریاں بنی ہوئی تھیں، ان الماریوں میں پرانے طرز کی چمڑے کی شیشیاں اور مرتبان چنے ہوئے تھے۔ ایک طرف زمین سے چھت تک بنی ہوئی الماری میں اوپر تک موٹی موٹی کتابیں چنی ہوئی تھیں، جن کی جلدیں چمک رہی تھیں۔ درمیان میں شیشے کی نلکیوں، مرتبانوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ بلاشبہ اسے دنیا کی عظیم ترین سائنسی لیبارٹری کہا جا سکتا تھا پروفیسر اس پورے کارخانے کو پراسرار نظروں سے دیکھنے لگا۔ اسے ایک انوکھا سا احساس ہو رہا تھا۔ جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے بھی تصویر حیرت بنے ہوئے تھے۔

دلنشا فروزاں نے پروفیسر کا بازو پکڑ لیا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ڈیڈی...... ڈیڈی...... وہ کیا ہے...... ؟ وہ کیا ہے''۔

❁

"کہاں"؟۔ پروفیسر خاور نے چونک کر اس کے اشارے کی طرف دیکھا اور ایک لمحے کے لئے اس پراسرار منظر کو دیکھ کر اس کے دل میں بھی سرد لہریں اٹھنے لگیں۔ وہ شیشے کا بنا ہوا ایک خوبصورت تابوت تھا جس کے اندرونی مناظر بھی صاف نظر آرہے تھے۔ تابوت میں گلابی رنگ کا سیال اوپر تک بھرا ہوا تھا اور اس سیال میں ایک انسانی جسم تیر رہا تھا۔ تابوت کا ڈھکن بند تھا اور اس کے عین اوپر چاندی کی بنی ہوئی ایک بہت بڑی بوتل اوندھی لٹکی ہوئی تھی۔ اس بوتل کا چوڑا دہانہ شاید بند تھا لیکن اس دہانے میں کوئی ننھا سا سوراخ بھی تھا جس سے ایک چمکدار قطرہ وقفہ وقفہ سے تابوت پر ٹپک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے تابوت پر چنگاریاں گر رہی ہوں اور پھر شاید یہ قطرہ اسی گلابی سیال میں تحلیل ہو جاتا کیونکہ اس کے کسی جگہ بہنے کے نشانات نہیں نظر آرہے تھے۔

اس پراسرار غار میں یہ تابوت اور اس میں موجود انسانی جسم نظر آنے کے بعد یہاں رکنا ایک مشکل کام تھا لیکن پروفیسر ایک مضبوط دل انسان تھا۔ اسے موت و حیات کی حقیقت معلوم تھی لیکن تھوڑی سی بزدلی ان لڑکیوں کی وجہ سے پیدا ہو سکتی تھی لیکن وہ اور کیا کرتا۔ کہاں جاتا۔ وادی کا نظارہ وہ کر چکا تھا۔ چاروں طرف حشرات الارض کی بھرمار تھی۔ کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ آخر اس خوفناک غار سے نکل بھی جاتا تو باہر کی دنیا تو اس سے بھی خوفناک تھی اور پھر یہ تو دن کا وقت تھا۔ رات کسی طور یہیں گزاری جا سکتی تھی۔

"خدا ان لڑکیوں کے دل مضبوط کر دے۔" اس کے دل سے دعا نکلی اور اس نے دونوں لڑکیوں کے بازو پکڑ کر انہیں خود سے قریب کر لیا۔ فرزانہ نے بہن کی طرف دیکھا اور فروزاں مسکرا دی۔ تب بوڑھے نے مسرور انداز میں دونوں لڑکیوں کی گردن میں باہوں کی گرفت سخت کر دی اور جھکتے ہوئے انداز میں بولا۔

"آؤ دیکھیں۔ یہ بزرگ کون ہیں اور انہیں یہ طویل غسل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ نیز یہ کہ کیا یہ پراسرار وادی انہیں کی ملکیت ہے یا یہ کسی خوف سے یہاں آ چھپے تھے"...... اور ان الفاظ کو ادا کرنے کے بعد وہ بے نیازی سے آگے بڑھا اور تینوں اس پراسرار تابوت کے پاس پہنچ گئے۔

قریب پہنچ کر تابوت کے اندر موجود انسانی جسم صاف نظر آنے لگا۔ انہوں نے اسے دیکھا اور دیکھتے رہ گئے۔ وہ ایک جوان العمر آدمی تھا۔ اس کے جسم پر پرانی طرز کا ایک خوبصورت لباس تھا جو سیال میں ہونے کے باوجود بھیگا ہوا نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ شیشے کی طرح چمکدار تھا۔ ہلکی نیلاہٹ لئے خوبصورت بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں پرسکون انداز میں بند تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سکون کی نیند سو رہا ہو۔ وہ تینوں منہ پھاڑے اسے دیکھتے رہے۔ مردانہ حسن کا کوئی انتہائی تصور ہو سکتا ہے تو وہ اس سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ ایسا متناسب اور سڈول جسم، ایسا پروجاہت چہرہ اس سے قبل انسانی نگاہوں سے نہیں گزرا ہوگا۔ وہ یونانی سنگتراشی کا سب سے حسین شاہکار نظر آتا تھا۔ دونوں لڑکیاں اس سے بے حد متاثر معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں شوق و پسندیدگی کے آثار تھے۔ کئی منٹ تک وہ بتوں کی طرح ساکت و جامد کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ اس کے چہرے سے نظر ہٹانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر بوڑھا خاور ہی چونکا۔

"واہ۔ اس قلمرو کے شہنشاہ تو بے مثال ہیں۔ کیا خیال ہے ان حضرت سے تعارف حاصل کیا جائے۔"؟ اور بوڑھے کی آواز سے دونوں

لڑکیاں چونک پڑیں پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور فروزاں بول پڑی۔

''یہاں کوئی اور بھی ہوسکتا ہے ڈیڈی۔؟''

''ممکن ہے۔ پہلے اسے تلاش کیا جائے۔ کیا خیال ہے۔''

''آیئے دیکھ لیں۔'' فروزاں نے کہا۔ وہ تینوں تابوت کے پاس سے ہٹ گئے اور غار کے دوسرے حصوں کی تلاشی لینے لگے۔ پھر بوڑھے خاور نے دو تین آوازیں لگائیں۔ وہ کسی انجانی شخصیت کو پکار رہا تھا لیکن اس کی پکار کا کوئی جواب نہیں ملا۔ صرف اس کی آواز کی بازگشت تھی اور اس وقت تک گونجتی رہی جب تک اسے وہاں سے باہر نکل جانے کا موقع نہیں ملا۔

''کوئی نہیں ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ممکن ہے غار کے دوسرے حصوں میں کوئی ہو۔ آپ نے وہ لمبی سرنگ دیکھی ہے۔؟''

''ہاں۔ آؤ۔ اس طرف چلیں۔'' بوڑھے نے کہا اور پھر وہ لڑکیوں کا ہاتھ پکڑے اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جس کے دوسری طرف ایک خوبصورت کمرہ تھا اور اسی کمرے میں ایک سرنگ کا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سرنگ کے دہانے پر پہنچ گئے لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ یہ سرنگ بھی تاریک نہیں تھی۔ اس میں روشنی لانے کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ سیلن اور گھٹن جیسی کوئی شے پورے غار میں کہیں موجود نہیں تھی۔ وہ آہستگی سے سرنگ میں داخل ہو گئے۔ ان کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے لیکن ان دھڑکنوں میں خوف کا عنصر نہیں تھا بلکہ ایک ہلکا سا تجسس تھا۔ وہ اس پراسرار دنیا کے حسن پر عش عش کر رہے تھے۔ سرنگ میں چلتے ہوئے انہیں احساس ہوا کہ ان کے پیروں کے نیچے موٹا قالین ہے۔ بوڑھے خاور نے جھک کر اس قالین کو دیکھا تھا اور پھر طویل سانس لے کر سیدھا ہو گیا تھا۔

سرنگ واقعی لمبی تھی اور پھر وہ تقریباً دو سو گز چلنے کے بعد بائیں سمت گھوم گئی تھی لیکن جوں ہی وہ گھومے انہیں تیز روشنی نظر آئی۔ یہ قدرتی روشنی تھی۔ گویا یہ سرنگ باہر نکلنے کا دوسرا راستہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سرنگ کے دہانے پر پہنچ گئے اور پھر دوسری طرف دیکھ کر ایک بار پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ کوئی بیرونی جگہ نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق اس پراسرار غار سے ہی تھا۔ ایک سرسبز میدان تھا جسے ایک خوبصورت لان کی شکل دی گئی تھی۔ چاروں طرف پھلوں کے درخت تھے۔ ان کے نیچے پھول کھلے ہوئے تھے۔ پھر ان کے عین درمیان میں ایک سنگ مرمر کا خوبصورت حوض بنا ہوا تھا اور اس حوض کے شفاف پانی میں رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ حوض کے کنارے کنارے لحد کی شکل میں سفید سنگ مرمر سے تراشی ہوئی بنچیں پڑی تھیں۔ خوابوں کا سا دلکش منظر معلوم ہوتا تھا۔ جس نے بھی یہ غار اور یہ دنیا تعمیر کی تھی بلاشبہ وہ صاحب ذوق تھا لیکن وہ کون تھا۔ کہاں تھا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ انہوں نے لان کا ایک چکر لگایا۔ سب خاموش تھے۔ پروفیسر نے دونوں لڑکیوں سے رکنے کے لئے کہا اور خود پھلوں کے ایک درخت کی طرف بڑھ گیا اور پھر جب اس نے درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دونوں لڑکیاں سہم گئیں۔ انہیں الف لیلوی قصے یاد آ گئے جن میں اس قسم کے باغات جادوگروں کے ہوتے تھے اور انہیں ہاتھ لگانے سے شم شم دیو آ جاتا تھا لیکن بوڑھے خاور نے اطمینان سے پھل توڑے اور انہیں گود میں بھر کے

ان کے قریب پہنچ گیا۔

''اس قلمرو حکمران کی طرف سے ہماری پہلی ضیافت۔'' اس نے مسکرا کر پھل لڑکیوں کو دیتے ہوئے کہا اور دونوں لڑکیاں بھی مسکرا دیں۔

''یہ پھل ہمارے لئے کس قدر اجنبی ہو گئے ہیں۔ ہماری زبانیں ٹراؤٹ کے پھیکے اور کچے گوشت کے ذائقے کی عادی ہو گئی ہیں۔''

''ظل پناہ کی زیارت ہو جائے۔ اس کے بعد ممکن ہے ہمیں کچھ اور نعمتوں سے نوازا جائے گا''۔ خاور نے بدستور مزاح انداز میں کہا۔ اس طرح وہ لڑکیوں کے ذہن سے خوف زائل کرنا چاہتا تھا اور انہیں اس پراسرار وادی کے اسرار سے دلچسپی لینے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ وہ خود بھی غیر یقینی کیفیت سے دوچار تھا۔ اسے یہ سب کچھ خواب معلوم ہو رہا تھا۔ مہذب دنیا سے دوران پہاڑوں میں، ان خطرناک ڈھلانوں کی انتہا پر یہ پراسرار دنیا کیا معنی رکھتی تھی۔ بے شمار جادوئی واقعات اس نے بھی سنے اور پڑھے تھے لیکن ان کی کسی عملی شکل کا مظاہرہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اس کا اسے یقین نہیں تھا۔ واقعات ایسے غیر مربوط تھے کہ اس کا ذہن بھی منتشر تھا اور وہ حقیقی نقطہ نگاہ سے کسی چیز کا جائزہ لینے سے معذور تھا۔ ان غاروں میں جو کچھ تھا عقل انسانی اسے کسی طرح تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن یہ سب کچھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اسے یہ دنیا تسلیم کرنی تھی۔ یہاں اسے نہ جانے کتنا وقت گزارنا تھا چنانچہ اگر ذہن پر خوف مسلط رہا تو زندگی کچھ اور کٹھن ہو جائے گی۔ اگر یہ جنوں اور بھوتوں کی دنیا ہے تو بہرحال ان کے ساتھ گزارا کرنا تھا۔ خواہ وہ ان لوگوں سے کسی طرح بھی پیش آئیں اور وہ اسی کے لئے اپنی بیٹیوں کو تیار کر رہا تھا۔

پھل کھانے سے ان کے جسموں کو نئی تازگی کا احساس ہوا پھر انہوں نے حوض سے چلوؤں میں بھر کر پانی پیا اور پھر بوڑھے خاور نے ایک زبردستی کی ڈکار لے کر کہا۔''تو ثابت ہوا لڑکیوں کہ فی الوقت یہاں اس تابوت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ممکن ہے اس پراسرار دنیا کا شہنشاہ شکار کھیلنے گیا ہوا اور اپنی فوج کے ساتھ واپس آنے والا ہو۔ بہرحال ہم اس کا انتظار کریں گے۔ اس سے ملاقات خاصی دلچسپ رہے گی۔ بھئی یہ بھی ممکن ہے کہ وہ افراسیاب کا کوئی عزیز ہو۔ اور۔ تابوت میں لیٹا ہوا کوئی جوان شہزادہ بدرالمہتاب ہو جسے افراسیاب کے چیلے نے اس جادوئی تابوت میں قید کر لیا ہو۔ چنانچہ تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ہم شہزادہ بدرالمہتاب کو افراسیاب کے چنگل سے نکالنے کی کوشش کریں۔ تمہیں علم ہے کہ آخر میں جیت بدرالمہتاب کی ہی ہوتی ہے چنانچہ اس جیت کا ذریعہ ہم کیوں نہ بن جائیں''۔

فرزانہ اور فروزاں بوڑھے خاور کی دلچسپ باتوں پر مسکرا رہی تھیں۔ درحقیقت بوڑھا ان کے دلوں سے خوف زائل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا چنانچہ فرزانہ نے کہا۔

''آپ کیا کرنا چاہتے ہیں ڈیڈی۔؟''

''دیکھیں تو سہی۔ تابوت میں کون صاحب آرام فرما رہے ہیں۔ ان کے آرام میں خلل اندازی کی جائے''۔

''مم۔ مگر وہ۔ لل لاش ہے۔'' فروزاں ہکلائی۔

''یہی تو معلوم کرنا ہے کہ وہ لاش کیوں ہے۔ ویسے ہے تو انسان کی لاش کسی گدھے کی نہیں ہے جو تابوت سے نکلتے ہی دولتیاں مارنا شروع کر دے''۔ پروفیسر نے کہا اور ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے واپس سرنگ کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اسی تابوت کے نزدیک کھڑے

تھے۔تابوت کا جسم اسی انداز میں تھا اور چاندی کی بوتل سے بدستور چنگاریاں گر رہی تھیں۔

پروفیسر اس وقت قدرے بہتر حالت میں تھا چنانچہ اس نے بڑے غور سے چنگاریوں کا عمل دیکھا۔ بوتل سے گرنے والا آتشیں سیال تابوت کے ایک مخصوص حصے میں گر رہا تھا اور اس حصے میں ایک گڑھا تھا جس میں انتہائی باریک سوراخ تھے۔ سیال ان سوراخوں کے ذریعے اس گلابی سیال میں شامل ہو جاتا تھا۔ بوڑھا اس پر غور کرتا رہا اور پھر وہ تابوت کے نزدیک دوزانو بیٹھ گیا۔ اس نے چاروں طرف سے اسے دیکھا۔ تب اسے تابوت کے بائیں سمت ایک گول لٹو سا نظر آ گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل چلتا ہوا بائیں سمت پہنچ گیا اور پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس لٹو کو ٹٹولا۔ لٹو گھوم سکتا تھا۔ بوڑھے نے آہستہ آہستہ پہلے بائیں اور پھر دائیں سمت گھمایا لیکن کوئی ردعمل نہ ہوا۔ تب پھر اس نے پہلے لٹو کو کھینچا اور پھر اندر دبا دیا۔ اندر دباتے ہی اچانک گلابی سیال میں ہلچل سی مچی اور پھر تابوت کے ایک طرف کا خانہ کھل گیا۔ گلابی سیال تیزی سے اس خانے سے باہر بہنے لگا لیکن وہ خانے کے نزدیک ایک سوراخ میں جا رہا تھا۔ غالباً یہ سوراخ اسی لئے بنایا گیا تھا۔

بوڑھا متجسس نگاہوں سے تابوت کو سیال سے خالی ہوتے دیکھتا رہا۔ فضا میں ایک انتہائی لطیف خوشبو پھیل گئی جو یقیناً اسی خارج ہونے والے سیال سے اٹھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تابوت سیال سے خالی ہو گیا۔ اب اس میں صرف انسانی جسم پڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر وہی سکون تھا۔ بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا اور پھر اس نے دوسرا عمل کیا۔ اس نے قوت صرف کر کے چاندی کی اس بوتل کا رخ بدل دیا جس سے آتشیں سیال ٹپک رہا تھا اور بوتل سے سیال گرنا بند ہو گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر بوڑھے خاور نے تابوت کے وزنی ڈھکن کو ٹٹولا اور اس کے رخنوں میں ناخن پھنسا کر اسے تھوڑا سا کھسکایا۔ پھر اس میں انگلیاں ڈال کر اسے اوپر اٹھایا۔ تیز خوشبو سے پوری فضا مہک اٹھی تھی۔

دونوں لڑکیوں کی نگاہیں خوبرو نوجوان کی لاش پر تھیں اور دفعتاً وہ چونک پڑیں۔ انہوں نے لاش کے چمکدار چہرے کی مہک کو ماند پڑتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی چہرے کے سکون میں فرق بھی آ گیا تھا جیسے سوتا ہوا شخص بے آرامی محسوس کر رہا ہو۔

''آپ۔ آپ نے کچھ محسوس کیا ڈیڈی۔؟'' فروزاں نے آہستہ لیکن لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں۔ میں محسوس کر رہا ہوں۔'' پروفیسر نے کہا اور دونوں ہاتھ تابوت کے کناروں پر رکھ کر قریب سے لاش کو دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں بھی بے ساختہ میں کناروں پر جھک آئیں اور وہ لاش کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتے رہے۔ پھر لاش کے دونوں جڑے ہوئے ہونٹ کھل گئے اور آنکھوں کے پپوٹے لرزنے لگے۔

''بلاشبہ حیرت انگیز۔ ناقابل یقین۔'' پروفیسر آہستہ سے بڑبڑایا اور اس وقت فرزانہ کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی جب لاش کی دونوں آنکھیں کھل گئیں۔ وہ چمکدار سیاہ آنکھیں جن میں دلوں کو موہ لینے والی کشش تھی۔ وہ آنکھیں پہلے حیرانی سے چھت کو تکتی رہیں پھر آہستہ آہستہ ان کی پتلیاں گھومیں اور فروزاں اور فرزانہ کے چہروں پر مرکوز ہو گئیں۔

اور پھر لاش کے حسین چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خوبصورت ترتیب سے جمے ہوئے دانتوں کی قطار آبدار موتیوں کی طرح چمکی اور ایک سرگوشی سنائی دی۔ ایک واضح سرگوشی۔ کوئی جملہ کہا گیا تھا لیکن اس کا مفہوم لڑکیوں کے لئے اجنبی تھا البتہ پروفیسر کے چہرے پر حیرت کے نقوش اور

گہرے ہو گئے۔

جملہ جس زبان میں کہا گیا تھا وہ ایک مخصوص علاقے کی قدیم زبان تھی اور پروفیسر اس زبان کی تھوڑی سی شد بد رکھتا تھا۔ اگر اس کا اندازہ غلط نہیں تھا تو جملہ کچھ یوں تھا۔

''شکر ہے کہ یہ طلوع بھی اتنا ہی حسین اور دلکش ہے جس کا میں خواہش مند رہتا ہوں۔''

لڑکیاں تابوت کے نزدیک سے ہٹ گئی تھیں۔ وہ ایک دوسرے سے چمٹ کر کھڑی ہوئی تھیں اور ان کے جسم میں ایک غیر محسوس لرزش تھی۔ ان کی ٹانگیں بے جان ہوئی جارہی تھیں۔

تب پروفیسر نے ہمت کر کے کہا۔ ''کیا میں تمہیں تابوت سے نکالنے میں تمہاری مدد کروں۔؟''

اس وقت پہلی بار اس نے گردن گھما کر پروفیسر کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں کچھ اور زندگی پیدا ہو گئی اور پھر اس کے ہونٹوں سے ایک بڑبڑاہٹ نکلی جس کا مفہوم پروفیسر نے سمجھ لیا۔ جو یہ تھا۔

''اور یہ بھی شکر ہے کہ ان کے ساتھ ایک مدبر موجود ہے ورنہ یہ حسن میری زندگی سے خوفزدہ ہو جاتا۔''

پروفیسر اس زبان کو صرف کسی حد تک سمجھ سکتا تھا۔ اس کا ایک لفظ بھی بولنا اس کے بس کی بات نہیں تھی اور شاید وہ بھی پروفیسر کی زبان کو نہیں سمجھ سکا تھا کیونکہ اس نے پروفیسر کی پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ سمیٹے اور انہیں تابوت کے کناروں پر جما کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہ چاندی کی بوتل پر پڑی اور اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ تب اس نے کہا۔ ''اوہ۔ وقت پورا نہیں ہوا بلکہ درمیان میں جگا دیا گیا ہوں لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ سب کچھ ماحول کے مطابق ہے''۔ پھر وہ تابوت کے اندر کھڑا ہو گیا اور دونوں لڑکیاں خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گئیں۔ تب اس نے ہاتھ اٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''تم انہیں بتاؤ مدبر۔ مجھ سے خوفزدہ ہوں۔ میں تو حسن کا شیدائی ہوں۔ میں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

بوڑھے خاور کی سمجھ میں کچھ الفاظ آئے کچھ نہ آئے۔ تاہم اس نے ان کی طرف رخ کر کے کہا۔ ''کیا تم میری زبان نہیں سمجھتے؟'' اس بار اس نے خالی خالی نگاہوں سے خاور کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔!

''یہ صورت حال میرے لئے نئی نہیں ہے لیکن ٹھہرو میرے پاس اس کا حل موجود ہے۔'' وہ تابوت سے باہر نکل آیا۔ وہ اپنے جسم کو اس طرح حرکت دے رہا تھا جیسے رگ پٹھے درست کر رہا ہو۔ پھر وہ آہستہ قدموں سے ایک طرف بڑھ گیا۔ اس کا رخ ایک الماری کی طرف تھا۔ پھر چمڑے کی ایک بوتل اٹھا کر وہ ایک دوسری الماری کی طرف بڑھا۔ جہاں سے اس نے لکڑی کے چار خوبصورت گلاس نکالے۔ ان گلاسوں میں اس نے بوتل کا رنگین سیال انڈیلا اور انہیں لئے ہوئے ان کے قریب آ گیا، پہلا گلاس اس نے بوڑھے کی طرف بڑھایا اور بوڑھے خاور نے گلاس تھام لیا۔ پھر دونوں گلاس لے کر فروزاں اور فرزانہ کی طرف بڑھا۔ اس نے ادب سے وہ دونوں گلاس اس کے سامنے پیش کر دیئے۔

دونوں نے ایک ساتھ گردن ہلا دی اور اس کے ہونٹوں پر وہی دلکش مسکراہٹ دوبارہ ابھر آئی۔ ''نفی کا انداز گردن کی جنبش، ادوار بدل گئے۔ اقدار نہیں بدلے۔ انسان کبھی نہیں بدل سکتا۔ میں بھی وہی ہوں نازنینوں۔ صدیوں سے پوچھو۔ میں کیا ہوں۔ ماہ و سال میرے عشق کی گواہی

دیں گے۔ میں تو تمہارا پجاری ہوں۔ میرے جسم و جاں کی کوئی جنبش تمہارے خلاف نہ ہوگی۔ اسے پی لو۔ یہ ہمارے درمیان اجنبیت ختم کر دے گا۔ یہ ذہنوں کے فاصلے مٹا دے گا۔ ہم ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے۔ دیکھو۔ میں اسے خود بھی پی رہا ہوں تاکہ تمہیں سمجھ سکوں۔ اندازہ لگا سکوں کہ یہ صدی کون سی ہے۔'' اس نے اپنا گلاس ان کے سامنے کر دیا اور پھر اس کا سیال پی گیا۔

بوڑھا خاور اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز سن رہا تھا اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ سیال پی کر اسے بے ضرر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور خاور نے خود بھی گلاس کا سیال اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ لڑکیوں نے اب بھی اسے قبول نہیں کیا تھا۔ بڑا فرحت بخش اور لذیذ سیال تھا لیکن اس کے اثرات کیا تھے؟ ۔ وہ اندازہ لگانے لگا اور پھر اسے اپنے ذہن کے بہت سے خانے کھلتے ہوئے محسوس ہوئے ایک عجیب سی سنسناہٹ کے بعد فضا صاف ہوتی محسوس ہوئی۔ اور وہ اس کے سامنے آ گیا..... اس کی حسین آنکھیں خاور کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ دلچسپی سے خاور کے لباس کو دیکھ رہا تھا!

اور پھر اس کی آواز ابھری۔ '' مجھے یقین ہے کہ تمہارا دماغ روشن ہو گیا ہوگا۔ مدبر۔ کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔ میری گفتگو سمجھ رہے ہو۔؟'' اور بوڑھے خاور کی آنکھیں شدید حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ اسی کی زبان تھی۔ یہ خاور کی زبان تھی اور وہ اہل زبان کی طرح بول رہا تھا۔

'' تم۔ تم ہماری زبان بول رہے ہو۔'' اس نے حیرت سے کہا۔

'' یہ خیالات کی زبان ہے۔ وقت کی زبان ہے میں وہی زبان بول رہا ہوں جواب سے کچھ دیر قبل بول رہا تھا۔ تم اپنی زبان بول رہے ہو جو میری سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اب الفاظ کی اہمیت ختم ہو گئی۔ ہمارے خیالات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ الفاظ کچھ بھی ہوں۔ ان الفاظ کا وہی مفہوم تمہارے ذہن میں آئے گا جو ادا کیا گیا ہے۔ براہ کرم ان لڑکیوں سے بھی کہو۔ وہ بھی ہم میں شریک ہو جائیں۔''

'' حیرت انگیز۔ خدا کی قسم حیرت انگیز۔ لیکن تمہاری لیبارٹری دیکھ کر مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ تم کر سکتے ہو۔ لاؤ۔ یہ گلاس مجھے دو۔'' پروفیسر نے کہا اور اس کے ہاتھوں سے دونوں گلاس لے لئے۔ پھر وہ لڑکیوں کے قریب پہنچ کر بولا۔

'' فرزانہ۔ فروزاں، اسے پی لو۔ یہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ شاید ہم ایک عظیم انسان سے روشناس ہونے والے ہیں۔ اسے پی لو۔ ممکن ہے بیسویں صدی کی اس نئی الف لیلیٰ کے مصنف ہم ہی ہوں۔ پی لو اسے۔ یہ نقصان دہ نہیں ہے۔'' اور لڑکیوں نے جھجکتے ہوئے گلاس لے لئے۔ ایک ہلکا سا گھونٹ لے کر وہ سیال چکھا اور پھر گلاس خالی کر دیئے۔! پروفیسر ان کے سامنے کھڑا ان کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ لڑکیوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ شاید وہ ذہنی انتشار برداشت نہ کر سکی تھیں۔ لیکن چند منٹ کے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ حیرت سے پروفیسر کو دیکھ رہی تھیں۔ تب تابوت کا انسان آہستہ قدموں سے چلتا ہوا ان کے نزدیک پہنچ گیا۔

'' دوستی کا سلام قبول ہو۔'' اس نے خم ہوتے ہوئے کہا اور لڑکیوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ اس سے قبل وہ اس کی زبان نہیں سمجھ رہی تھیں لیکن اب وہ انہیں کی زبان بول رہا تھا۔ '' اپنی اس چھوٹی سی دنیا میں، میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ کیا اس خطے کی بھی ہیت بدل گئی۔؟'' اس نے پھر کہا۔ اور پروفیسر خاور اس کے قریب پہنچ گیا۔

''میں دوست کی حیثیت رکھتا ہوں مدبر۔ میری طرف سے بدگمان نہ ہو۔''

''لیکن میں اپنے دوست کی شخصیت سے ناواقف ہوں۔!'' خاور نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

''اس کے لئے کچھ مہلت طلب کروں گا۔ فرائض مہمان نوازی ادا کرنے کے لئے مجھے لمحات درکار ہیں۔ کیا اجازت ہے۔؟'' اور پروفیسر نے گردن ہلادی۔ اس نے لڑکیوں کی طرف گردن خم کی اور ایک طرف چل دیا۔ بڑی شاہانہ چال تھی، بڑا پروقار انداز تھا۔ وہ بے حد اسمارٹ تھا اور اس کی شخصیت ہر انسان پر حاوی ہو جانے والی تھی۔! پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو فروزاں نے متحیر لہجے میں کہا۔

''یہ۔ یہ سب کیا ہے ڈیڈی۔؟''

''عجائبات عالم۔ بہر صورت وہ معزز لگتا ہے۔ اور ایسے شخص سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''لیکن وہ اس تابوت میں کیا کر رہا تھا۔؟ وہ سیال میں غرق تھا۔ اس ہوابند تابوت میں قید تھا۔ اس کے باوجود زندہ ہے۔!''

''کون جانے وہ کیا ہے لیکن ہمیں اس پر اعتماد کرنا پڑے گا ممکن ہے اس پراسرار انسان کے ذرائع لامحدود ہوں ممکن ہے وہ ہمیں بیرونی دنیا تک پہنچنے کا بندوبست کر سکے۔!''

''خدا کرے۔'' فرزانہ کے منہ سے حسرت آمیز انداز میں نکلا۔!

''اس نے خود پر ملمع نہ چڑھا رکھا ہو ڈیڈی۔ اپنی اصلی شکل میں آکر وہ ہمارے لئے خطرناک نہ ثابت ہو۔'' فروزاں نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

''ایسی شکل میں بھی ہم مجبور ہوں گے۔ اس وقت قسمت ہمارے لئے راستے متعین کرے گی۔ ہم بے بس ہو چکے ہیں۔''

''وہ سیال کیسا تھا ڈیڈی۔؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''تم اس لیبارٹری کو دیکھ رہی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی عظیم سائنسدان ہے۔ ممکن ہے وہ اس ویرانے میں کوئی تجربہ کر رہا ہو۔ بہر حال اس کا تعلق بیرونی دنیا سے ضرور ہوگا۔ یہ سیال اس کے خیال میں خیالات کو ہم آہنگ کر لیتا ہے۔ گویا ہونٹ کسی زبان میں کچھ بھی کہیں۔ وہ اسی زبان میں ہم تک پہنچے گا جو ہم بولتے اور جانتے ہیں۔''

''اوہ! اسی لئے ہم اسکی زبان سمجھنے لگے تھے۔''

''ہاں اس کا یہی کہنا ہے۔''

''لیکن یہ فراڈ بھی تو ہو سکتا ہے ڈیڈی۔ ممکن ہے وہ خود کو پراسرار اور مافوق الفطرت ظاہر کرنے کے لئے یہ اداکاری کر رہا ہو۔'' ذہین فرزانہ نے کہا۔

''اس کا تجربہ تم کر سکتی ہو۔ وہ ہم سے دوبارہ ملے گا، ہونٹ ہلنے کے انداز سے بات کا پتہ چل جاتا ہے۔ تم اس کے ہونٹوں پر نگاہ رکھنا۔ اگر اس کی ادائیگی الفاظ سے ملتی جلتی ہو تو۔ ہم اسے فراڈ سمجھ سکتے ہیں۔ ورنہ پھر ہمیں اس کی باتوں پر یقین کرنا پڑے گا۔''

''ونڈرفل۔ میں بھی خیال رکھوں گی۔'' فروزاں نے کہا اور اسی وقت دور سے انہیں وہ آتا نظر آیا۔ اس کے جسم کا لباس بدل چکا تھا، اور وہ

اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ وہ اعلیٰ درجے کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ جس پر میچ کرتی ہوئی ٹائی باندھی گئی تھی البتہ بالوں کا اسٹائل قدیم تھا، جس سے اس کا حسن بے پناہ ہو گیا تھا۔ بلاشبہ لڑکیوں نے اس سے زیادہ وجیہہ نوجوان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ مشرقیت مانع تھی ورنہ وہ اپنی پسند کا اظہار ایک دوسرے پر کر ہی دیتیں۔

وہ تینوں اسے دیکھنے لگے۔ ”عزیز مدبر۔ کیا میں نے اس لباس کا استعمال غلط کیا ہے۔“ اس نے بوڑھے خاور کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ اور خاور اس کا چہرے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔

”لیکن چند لمحات میں یہ خوبصورت لباس تم نے کہاں سے مہیا کر لیا۔“ بوڑھے خاور نے حیرانی سے کہا اور اس کے ہونٹوں پر پھر وہی دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہ ایک طویل داستان ہے۔ آؤ۔ میں نے تمہارے لئے کچھ بندوبست کیا ہے۔ تم لوگوں کو شاید کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ میں تمہارے چہروں پر خراشیں دیکھ رہا ہوں۔ ہاں ایک بات اور بتاؤ۔ کیا تمہارے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں۔؟“

”تھے۔“ پروفیسر نے اداسی سے کہا۔ ”لیکن اب ان میں سے کوئی زندہ نہیں ہے۔“

”مجھے ہمدردی ہے۔ بہرحال۔ انہوں نے فنا کا حسن اپنا لیا ہے۔ تم ان کے لئے آزردہ ہو۔ لیکن تم کیا جانو انہوں نے کیسا سکون پایا ہے۔“ اس کے آخری الفاظ حسرت آمیز ہو گئے اور وہ پھر حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگے اس کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

”آؤ حسین لڑکیوں۔ میں نے تمہارے لئے اور اس محترم انسان کے لئے لباس کا بندوبست کیا ہے۔ لباس تبدیل کر لو۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے لوازمات سے لطف اندوز ہوں گے۔“ اس نے دونوں لڑکیوں کے ہاتھ پکڑ لئے اور نہ جانے اس کے لمس میں کیا مقناطیسیت تھی کہ وہ دونوں اپنی روح سلب ہوتی محسوس کرنے لگیں۔ وہ اس کی مطیع ہو گئیں۔ اس کے ہاتھ کی لطیف حرارت ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئی اور ان کا دل چاہا کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک ان کے ہاتھ اسی طرح تھامے رہے۔ البتہ بوڑھے خاور کے چہرے پر ہلکی سی تشویش کے آثار پھیل گئے تھے۔ تاہم وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ انہیں لئے ہوئے ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔ خاور کو یاد نہ آیا کہ وہ اس دروازے میں داخل ہوا تھا یا نہیں۔ البتہ اس نے وہ ملبوسات نہیں دیکھے تھے، جو یہاں موجود تھے۔!

”میں روشن ضمیر نہیں۔ البتہ قیافہ شناس ضرور ہوں۔ تمہیں میرا اس طرح لڑکیوں کا ہاتھ پکڑنا پسند نہیں آیا ہے۔ اس بارے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میں بے ضرر ہوں، میں اپنی مرضی کسی پر مسلط نہیں کرتا۔ ہاں اگر حسن خود میری آغوش میں آ گرے تو پھر کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ تاہم تم مجھ سے برے سلوک کے متوقع نہ رہو۔ کیونکہ تم میری دنیا میں میرے مہمان ہو۔ اس نے لڑکیوں کے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے اور بولا۔“ بے تکلفی سے لباس پسند کر لو۔ انہیں تبدیل کر لو اور اس دروازے سے باہر آ جاؤ۔ عزیز مدبر تم بھی میری طرف سے فکرمند نہ ہو میں تمہارے جذبات کا خیال رکھوں گا۔!“ وہ باہر نکل گیا۔

پروفیسر اور لڑکیاں ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ لڑکیاں کچھ خجل تھیں۔ تب پروفیسر نے ان کی خجالت دور کرنے کے لئے کہا۔

''کیا تم نے اس کے ہونٹوں پر غور کیا۔!''

''ہاں ڈیڈی۔؟''

''کیا اندازہ لگایا۔؟''

''اس کے الفاظ کی ادائیگی، الفاظ سے مختلف ہوتی ہے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال تھا۔ اس طرح ہمیں اس کے بیان پر یقین کرنا ہوگا۔ بہرحال میرا خیال ہے ہم اس سے تعاون کریں گے۔ اور تم بھی۔ وہ ہمارے کام آسکتا ہے۔ لیکن وہ خطرناک قسم کا قیافہ شناس ہے۔ کوئی کام ایسا نہ کرنا جو اسے ناگوار گزرے خواہ اس کے لئے تمہیں کچھ اخلاقی قیود کو توڑنا پڑے۔ میری طرف سے اجازت ہے کیونکہ مجھے تمہارے اوپر اعتماد ہے۔''

''شکریہ ڈیڈی۔'' فرزانہ نے کہا۔

''بس اب لباس تبدیل کرلو۔ میں بھی اپنے لئے کچھ تلاش کر لیتا ہوں۔ ان کپڑوں کو دیکھ کر یہ لباس جسم پر چبھنے لگا ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔ اور پھر اس نے اپنے لئے ایک ڈھیلی ڈھالی عبا، اور ایک پرانے طرز کا لباس پسند کیا اور اسے لئے ہوئے دوسری طرف چلا گیا۔ فرزانہ نے فروزاں کی طرف دیکھا اور دونوں ایک دوسرے سے شرما گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ تینوں لباس تبدیل کر کے اس دروازے کی طرف بڑھ گئے جس کے بارے میں اس نے بتایا تھا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک لمبی راہداری تھی جو پہاڑ تراش کر چوکور بنائی گئی تھی اور اس راہداری کے اختتام پر ایک کمرہ تھا۔ وہ کمرے میں ایک خوبصورت میز کے سامنے کھڑا تھا۔ میز پر چاندی کی چمکدار طشتریاں رکھی ہوئی تھیں، جن میں خشک میوے، نمکین گوشت سجا ہوا تھا۔ اس نے پر اخلاق انداز میں انہیں میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''شروع کرو مدبر۔ مجھے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر بڑی مسرت ہو رہی ہے۔'' اس نے کہا اور بوڑھے نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھالیا۔ اس نے اسے چکھا اور پھر مزے لے لے کر کھانے لگا۔ بڑا لذیذ گوشت تھا۔ فروزاں اور فرزانہ بھی ایک طویل عرصہ کے بعد اس نعمت کو کھانے لگیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ دراصل انہیں بوڑھے خاور کی جوشن گوئی یاد آرہی تھی بوڑھے نے ازراہ مذاق کہا تھا کہ جہاں پناہ کو جاگ جانے دو، نہ جانے ہمیں کون کون سی نعمتوں سے نوازا جائے، گو بوڑھے نے یہ الفاظ ازراہ مذاق کہتے تھے لیکن اس کا ایک ایک لفظ کتنا درست ثابت ہوا تھا۔ در حقیقت ان پر عنایتوں کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔

''میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے بے چین ہوں نوجوان، حیرت کی بات یہ ہے کہ ابھی تک مجھے تمہارا نام بھی نہیں معلوم۔؟'' خاور نے گوشت کے ایک بڑے ٹکڑے کو چباتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے بارے میں تمہیں سب کچھ بتانے کو تیار ہوں مدبر۔ لیکن اس کے لئے تمہیں طویل وقت صرف کرنا پڑے گا! میری داستان مختصر نہیں ہے۔''

''اگر تم اتنا لذیذ گوشت، اور ایسے نفیس میوے پیش کرتے رہے تو طویل وقت صرف کرنے میں کیا حرج ہے۔'' بوڑھے خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ چیزیں تم اپنی پوری زندگی کھا سکتے ہو۔ یہاں اس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''حیرت ہے۔ حالانکہ یہاں میں نے ایسے جانور نہیں دیکھے جن کا شکار کیا جا سکے۔ شاید وہ اس وادی کے کسی پوشیدہ حصے میں پائے جاتے ہیں۔''

''شکار کے جانور اس وادی کے کسی حصے میں نہیں پائے جاتے۔ یہ گوشت، جو تم کھا رہے ہو۔ صدیوں پرانا ہے۔ اب یہ تم ہی بتا سکتے ہو کہ یہ کون سی صدی ہے۔''

''کیا مطلب۔؟'' بوڑھے کا ہاتھ رک گیا۔ فروزاں اور فرزانہ بھی چونک پڑیں۔

''کھاتے رہو۔ میں نے درست کہا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''شاید تم مذاق کر رہے ہو۔'' بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ بھی مسکرانے لگا۔

''شاید۔'' اس نے کہا۔ اور بوڑھا پھر کھانے میں مشغول ہو گیا۔ خوب سیر ہو کر کھانے کے بعد وہ میز سے اٹھ گئے۔ اور وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک اور کمرے میں پہنچا یہاں چاروں طرف سپاٹ دیواریں تھیں۔ تب ایک دیوار کے قریب پہنچ کر اس نے دیوار کا ایک حصہ دبایا۔ اور دیوار میں ایک چوڑی سل کھل گئی۔ اندر عجیب سی دھات کے بنے ہوئے شفاف صندوق میں گوشت کے پارچے اوپر تک چنے ہوئے تھے۔ بوڑھے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''میں نے مذاق نہیں کیا تھا۔ ایک خاص عمل سے اس گوشت کو صدیوں کے لئے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ اس میں روز اول کی سی لذت اور وہی کیفیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔'' اس نے کہا اور بوڑھا منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔

''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ دوست۔ تم درحقیقت مجھے الف لیلیٰ کا کوئی کردار معلوم ہوتے ہو۔ کیا تم کوئی جادوگر ہو۔؟''

''جادو۔ الف لیلیٰ۔'' وہ حقارت سے مسکرایا۔ پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''آؤ۔ نشست کے کمرے میں چلیں۔ وہاں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔''

''تمہارے بارے میں بے شمار الجھنیں ہمارے ذہنوں میں ہیں۔ کیا تم ایک دوست کی حیثیت سے انہیں دور نہیں کرو گے۔؟''

''میں حاضر ہوں مدبر۔ میں تمہاری ہر الجھن دور کرنے کو تیار ہوں دلائل کے ساتھ، ثبوت کے ساتھ اور اس کے ساتھ متمنی بھی ہوں کہ تم میری ہر بات کو حقیقت سمجھو گے۔'' اس نے کہا۔

''وعدہ۔ ویسے میرا نام خاور ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''اور یہ میری دونوں بچیاں فروزاں اور فرزانہ ہیں۔''

''خاور۔ یعنی آفتاب، سورج، فروزاں، روشن، فرزانہ جہاندیدہ، ہوشیار، بڑے خوبصورت اور موزوں نام ہیں۔'' اس نے کہا۔

''اب یہی بات تعجب خیز ہے۔ تم ہماری زبان سے ناواقف ہو لیکن اس کے معنی سمجھتے ہو۔ تمہارے جسم پر قدیم لباس تھا۔ اب تم سوٹ میں

نظر آ رہے ہو۔ سب کیا ہے۔ یا تو صرف جادو۔ یا۔ پھر تم کوئی ایڈونچر پسند ہو جو اس ویرانے میں تفریحات کر رہے ہو۔؟" بوڑھے کہا اور وہ ہنس پڑا۔

"ابھی یہ سب کچھ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ میرے بارے میں تمہارا اور کیا خیال ہے۔"

"تم شیشے کے تابوت میں لیٹے تھے۔ تابوت میں گلابی رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا اور اوپر ایک بوتل لٹک رہی تھی جس سے چنگاریاں ٹپک رہی تھیں۔ وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ کیا تھا۔"

"چنگاریاں حیات تھیں روح کو زندہ رکھنے میں معاون تھیں۔ نیند کو گہرا اور با اثر بنانے میں اکسیر تھیں اور گلابی سیال جسم کا محافظ تھا لیکن تم ابھی نہ سمجھو گے۔"

"تب۔ تم ایک سائنسدان ہو اور دنیا سے دور اس ویرانے میں تجربات کر رہے ہو۔"

"تمہارے تمام قیافے غلط ہیں میرے دوست۔ لیکن فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤں گا۔ تم کسی چیز سے ناواقف نہ رہو گے کیونکہ تم میرے مہمان ہو۔ آؤ۔ اس کمرے میں آؤ۔ میں تمہیں اپنی لائبریری دکھاؤں۔ آؤ۔" اور وہ انہیں لئے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں پروفیسر پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں بے شمار کتابیں چنی ہوئی تھیں۔

"ان کتابوں میں تاریخ کائنات چھپی ہوئی ہے۔" اس نے الماریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نے وقت کا ایک تعین رکھا ہے۔" اس نے ایک الماری کے اوپری خانے سے ایک کتاب نکالی لیکن یہ کتاب نہیں تھی۔ ایک صندوق سا تھا جسے کتاب کی شکل دی گئی تھی۔ اس نے صندوق کھولا اس میں سیاہ رنگ کی کوئی چیز تھی۔ لکڑی کی طرح سخت ٹکڑے جن پر عجیب سے نشانات کھرچے ہوئے تھے۔ اس نے وہ ٹکڑے نکال نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

"یہ تحریر کی ابتداء ہے۔ جب انسان کے ذہن میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کے اس خیال نے زندگی پائی تھی۔ یہ لکیریں اس کے خیالات کی ترجمان ہیں۔ یہ درختوں کی چھال ہے اور اس پر یہ نشانات لمبے ناخنوں سے تحریر کئے گئے ہیں۔ تم اس زبان کو نہ پڑھ سکو گے لیکن میں آج بھی اس سے اسی طرح واقف ہوں جس طرح اس وقت واقف تھا۔ جب یہ طریقہ رائج ہوا تھا۔ ظاہر ہے تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے۔" اس نے ٹکڑے واپس صندوق پر رکھ دیئے اور پھر ایک اور صندوق اتار لیا۔ اس صندوق میں خشک پتے چنے ہوئے تھے۔ اس نے چند پتے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔ "یہ تحریر کا دوسرا دور ہے۔ جب انسان ترقی کی منازل پر گامزن ہو گیا تھا پتوں پر رنگین مٹی سے بنے ہوئے نشانات خیالات کے ترجمان بنے۔ اس سلسلہ میں تحقیقات ہوتی رہی۔ ٹیڑھے میڑھے نقوش مختلف اشکال اختیار کرتے رہے۔ جانوروں کی شکلیں ظہور پذیر ہوئیں۔ انسانی شکلیں ترتیب دی جانے لگیں۔ اگر تم ابتداء سے لے کر آج تک کی تحریروں کے نمونے دیکھو تو تمہارے کئی ہفتے اسی میں صرف ہو جائیں گے۔ میں نے یہ کتابیں بڑی احتیاط سے رکھی ہیں۔ ان کتابوں میں ادوار کی تاریخ ہے۔ ایک ایک حرف اپنے دور کا ترجمان ہے۔!"

پروفیسر خاور کی آنکھوں میں تاریکیاں ناچ رہی تھیں۔ اس کا دماغ سنسنا رہا تھا۔ یہ پراسرار انسان اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کتابیں۔ تم نے کہاں سے حاصل کیں۔ اگر۔ اگر یہ مہذب دنیا کو مل جائیں تو پوری دنیا میں تہلکہ مچ جائے۔" اس نے پھولے

ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔

"میری توہین نہ کرو دوست! میں ان کتابوں کا مصنف ہوں۔ یہ سب میں نے تحریر کی ہیں۔ صدیوں کی محنت کے بعد۔ بڑی جانفشانی کی ہے میں نے ان پر۔ ہاں یہ میری ہی تحریریں ہیں اور پھر ادوار کی ہیت اور تہذیب کے ارتقاء پر میں نے پیش گوئیاں کیں جو ان کتابوں میں درج ہیں۔" وہ آگے بڑھا اور اس نے ایک کتاب نکالی۔ یہ نفیس قسم کے کاغذ پر تحریر کردہ ایک قلمی کتاب تھی۔ اس نے اس کے صفحات الٹے اور پھر کتاب کا ایک صفحہ اس کے سامنے کر دیا۔ "دیکھو۔ شاید یہ تحریر تمہاری سمجھ میں آ سکے۔ یہ تمہارے دور کی پیش گوئی ہے۔ یہ اس زبان کا عکس ہے جو اس وقت کے لئے ہے جب مجھے جاگنا تھا۔ ہاں لیکن یہ میری آخری کتاب نہیں ہے۔ کیا تم بتا سکو گے میرے دوست کہ میری یہ پیش گوئی درست ہے یا غلط۔" اور خاور کتاب پر جھک گیا۔ دونوں لڑکیاں بھی بے ساختہ جھک آئی تھیں اور یہ درحقیقت ان کی زبان تھی۔ الفاظ بے معنی تھے۔ کوئی ربط نہ تھا ان میں لیکن زبان انہیں کی تھی۔ صرف معمولی سی غلطیوں کے ساتھ ان الفاظ سے تحریر بن سکتی تھی۔!

"ہاں۔" خاور نے گردن ہلائی۔ "یہ ہی ہماری زبان ہے۔ بیشک یہ ہماری زبان کے حروف ہیں۔"

"تب تمہیں میرے جسم پر موجود لباس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے اس دور کے لئے یہ لباس تیار کرایا تھا اور اس وقت کے لوگ اس لباس کو دیکھ کر خوب ہنسے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے کس دور میں آنکھ کھولنی ہے۔ اس کے لئے ضروری تیاریاں میں نے کر لی تھیں۔ تمہارے جسم پر بھی یہی لباس تھا۔ لہٰذا میں نے تمہارے لباس میں آنا مناسب سمجھا۔"

بوڑھے خاور کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ تب اس نے خاور کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی!

"ابھی تو تم میری فطرت کا، میری شخصیت کا ہزارواں حصہ بھی نہیں جان سکے ہو اور تمہاری حالت بگڑ رہی ہے لیکن۔ میں تمہیں سب کچھ بتانے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ آؤ۔ ان کرسیوں پر بیٹھو۔ میں نے یہ سب کچھ تمہارے لئے ہی تیار کرایا ہے۔ یہ سب تمہارے لئے میرے دوست۔ نہ صرف تمہارے لئے بلکہ اس دور کے ہر شخص کے لئے اور جب میں دوبارہ سونے کی تیاریاں کروں گا تو اپنی پیش گوئی کے طور پر آئندہ دور کا انتظام کروں گا۔ اس دور کا انتظام جو میری کتابوں میں درج ہے۔ ہاں میں نے اس دور کے بعد کے دور کے لئے پیش گوئی کی ہے اور اس کا تعین میں موجودہ دور میں کروں گا۔ یہی میرا طریقہ کار ہے۔" اس نے انہیں بیٹھنے کے لئے کرسیاں پیش کیں اور وہ بے جان سے ان کرسیوں پر گر پڑے۔

وہ پُراعتماد قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ ایک لفظ بھی بول سکے۔ وہ سب اپنے جسم، ذہن اور زبان کو مفلوج محسوس کر رہے تھے۔ پھر جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں ایک خوبصورت ٹرے تھی جس میں تین گلاس رکھے ہوئے تھے۔ ان گلاسوں میں ایک رنگین مشروب موجود تھا۔

"اسے پی لو۔ تمہارے اعصاب درست ہو جائیں گے۔"

"یہ کیا ہے۔" بوڑھے خاور نے گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میرا تیار کردہ ایک مشروب ہے۔اسے پی لو۔اس کی افادیت کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا۔'' اس نے کہا اور بوڑھے کی تقلید دونوں لڑکیوں نے بھی کی۔ انہوں نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لئے۔اس سے پہلے بھی اس نے ایک مشروب پیش کیا تھا اور وہ اس کا کمال دیکھ چکے تھے۔اس لئے انہیں یہ مشروب پینے میں تامل نہ ہوا۔اور۔یہ مشروب بھی حیرت انگیز ثابت ہوا۔انہیں اپنے ہونٹوں میں ایک خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا۔ان کی طبیعت بحال ہو گئی۔اعصاب درست ہو گئے۔ذہن صاف ہو گئے۔آنکھوں کو ایک ہلکے سے سرور کا احساس ہوا۔طبیعت میں جولانی سی پیدا ہو گئی اور بوڑھے خاور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم جو بھی ہو دوست۔میں تمہاری حیرت انگیز شخصیت کا اعتراف کرتا ہوں۔درحقیقت انسان تمہاری گفتگو سن کر پاگل ہو سکتا ہے لیکن تم اسے پاگل نہیں ہونے دیتے۔یہ تمہارا کمال ہے لیکن ابھی تک میں تمہارے نام سے بھی ناواقف ہوں۔''

''نام۔''! اس نے پرخیال انداز میں کہا۔پھر مسکراتے ہوئے بولا'' مجھے اس دور کا نام تم دو گے۔میرا کوئی نام نہیں ہے۔ہر دور کے انسان مجھے اپنی پسند کا نام دیتے رہے ہیں۔تم بھی جو چاہو مجھے کہہ سکتے ہو۔''

''لیکن خود تمہارا کوئی نام ضرور ہوگا۔'' پروفیسر نے کہا۔

''میرا نام۔ہاں۔میرا نام وقت ہے۔میرا نام خیال ہے۔تم مجھے ایک تصور کہہ سکتے ہو۔جو نہ جانے کہاں سے کہاں تک ہے۔مجھے خود بھی اپنے بارے میں نہیں معلوم۔یقین کرو میرے دوست میں اپنی ابتدا نہیں بتا سکتا، میں اپنی انتہا نہیں بتا سکتا۔میں نہ ابتدا ہوں نہ انتہا۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

''تمہارے والدین نے تمہیں کوئی نہ کوئی نام ضرور دیا ہوگا۔''

''والدین۔میں اس نام کے مفہوم سے نا آشنا ہوں لیکن میرے والدین نہیں تھے۔مجھے صدیوں نے جنم دیا ہے۔کوئی عورت ماں نہیں تھی۔میں تو صدیوں کا بیٹا ہوں۔بس ہر صدی میری ماں، ہر دور میرا باپ ہے۔انہوں نے مجھے کوئی نام نہیں دیا۔بس وہ میری پرورش کرتے رہے۔میری ابتدا ایک خیال تھی جب دنیا ویران تھی۔نہ جانے اس دنیا میں کیا کیا تھا۔میرے جسم کے حقیر ذرات فضا میں منتشر تھے۔میں اس وسیع کائنات میں بھٹک رہا تھا۔میرے جسم کی کوئی شکل نہیں تھی۔صرف ایک خیال تھا۔دنیا کے وجود کا احساس تھا۔میں نے زلزلوں سے لرزتی ہوئی ویران زمین کو دیکھا تھا جس میں نت نئے غار بنتے رہتے تھے۔اس کی شکلیں بدلتی رہتی تھیں اور میں ان شکلوں سے بخوبی واقف تھا۔میں نے خلاء میں گردش کرتے سیاروں کو بہت قریب سے دیکھا تھا جو ایک دوسرے سے ٹکراتے تو فضا میں آگ روشن ہو جاتی تھی۔میرے ذرات اس آگ میں پرورش پاتے رہے تھے۔میں چمکدار شعلوں میں نہاتا اور پھر یہ شعلے زمین تک پہنچ گئے اور زمین سے آتش فشاں ابل پڑے۔مجھے چنگاریاں اگلتے ہوئے یہ سوراخ بہت پسند تھے۔میرے ذرات اس کھولتے ہوئے لاوے میں شامل ہو کر دور تک بہہ جاتے۔یہ میرا دلچسپ مشغلہ تھا لیکن میں کیا تھا۔کیا ہوں۔اس کا مجھے کوئی احساس نہیں ہے۔آگ کی حدت، پانی کی ٹھنڈک میرے لئے بے معنی ہے۔میں نے گہرے سمندروں میں سفر کیا، زمین کی انتہا دیکھی اور پھر خشکی پر ابھر آیا۔زمین کی تبدیلیاں جاری رہیں اور پھر اس پر بڑے بڑے کوہان ابھر آئے۔زمین سکڑ کر بلند ہو گئی اور یہ بلندیاں مجھے بہت پسند تھیں۔

میں نے یہ بلندیاں اپنالیں پھر ان بلندیوں پر سبزہ اگ آیا۔ اونچے اونچے درخت پیدا ہو گئے۔ ان درختوں سے ٹکرا کر آنے والی ہوا مجھے بہت پسند تھی۔ میں نے انہیں بلندیوں پر رہنے کا فیصلہ کیا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔ میرے جسم کے منتشر ذرات سمٹ گئے۔ ایک جگہ یکجا ہو گئے تو میں نے ان کی ایک عجیب وغریب شکل پائی۔ کسی درخت کی طرح لیکن میرا رنگ سنہری تھا۔ میں نے اپنے اس عجیب وغریب جسم کو دیکھا اور مجھے خوب ہنسی آئی۔ نہ جانے میں کیا بن گیا تھا۔ کیسی عجیب شکل ہو گئی تھی۔ لیکن ان دلچسپیوں میں کچھ تکلیفیں بھی پیدا ہو گئی تھیں۔ میرے درخت نما جسم کے درمیانی حصے میں ایک عجیب سا درد اٹھنے لگا اور پہلی بار میں کسی تکلیف سے آشنا ہوا۔ اس تکلیف نے مجھے پاگل کر دیا۔ مجھے شدید غصہ آنے لگا۔ میں ان بلندیوں پر آوارہ پھرنے لگا۔ تب ایک دن مجھے ایک عجیب وغریب شے نظر آئی۔ یہ شے میری جسامت سے بڑی تھی۔ اس کے ذرات بھی شاید یکجا ہو گئے تھے لیکن یہ شے میری طرح خوبصورت نہیں تھی۔ اس کا اوپری حصہ سپاٹ تھا۔ باقی حصے پر بال ہی بال تھے۔ مجھے یہ شے بہت دلچسپ محسوس ہوئی اور میں رک کر اسے دیکھنے لگا لیکن میرے جسم کے درمیانی حصے کی تکلیف مجھے چین نہیں لینے دیتی تھی۔ تب وہ میری طرح چلتی پھرتی شے میری طرف آئی۔ اس کے جسم میں بھی شاید میری طرح درد تھا۔ اس نے میرے جسم کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی اور مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے بھی اس کی طرح اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی اور بلندیاں ہماری آوازوں سے گونج اٹھیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر چند وہ شے مجھ سے جسیم تھی لیکن میری بے پناہ قوت کے سامنے وہ کچھ بھی نہ تھی۔ اس نے میری طرح آگ سے غسل نہیں کئے تھے۔ اس نے میری طرح سمندروں کی گہرائیاں نہیں ناپی تھیں۔ میں نے اسے زیر کر لیا، میں نے اسے نیچے دبا دیا، میں اسے زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچا سکتا تھا۔ میرے ہاتھ اسے گرفت میں لئے ہوئے تھے، اب میرے پاس ایسا کوئی ہتھیار نہیں تھا جس سے میں اسے مزید اذیت پہنچا سکوں، تب میں نے اپنا منہ کھولا اور اس کے بالوں سے صاف حصے کو اس کی گرفت میں لے لیا۔ میرے تیز دانت اس کی گردن میں پیوست ہو گئے۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی اور اس کی گردن سے سرخ پانی نکال پڑا اور جب یہ پانی میری زبان سے ٹکرایا تو مجھے بڑی فرحت محسوس ہوئی میں نے دانتوں کی گرفت اور مضبوط کر دی اور اس کے جسم سے نکلتے ہوئے سرخ پانی کو زیادہ سے زیادہ اپنے حلق سے نیچے اتارنے لگا۔ اس طرح میری آتش انتقام بھی سرد ہو رہی تھی۔ اور میرے جسم کے درمیانی حصے کی تکلیف بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اس جانور کی گردن کے گوشت کو دور تک ادھیڑ دیا۔ اور اسے چبانے لگا آہ۔ کیا لذت تھی۔ اور اب میرے پیٹ کی تکلیف بالکل رفع ہو گئی تھی۔ جب میں خوب سیر ہو گیا تو میں نے اس جانور کو چھوڑ دیا۔ اور وہ چیختا چلاتا پوری قوت سے ایک طرف دوڑا چلا گیا۔!

لیکن مجھے سکون مل گیا تھا۔ مجھے اس درد سے نجات مل گئی تھی میں خوش خوش بلندیوں کی سیر کرنے لگا۔ اب میں پرسکون تھا۔ لیکن زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ پھر وہی درد شروع ہو گیا۔ لیکن اب میں اس کا علاج دریافت کر چکا تھا چنانچہ میں پھر اسی جانور کی تلاش میں چل پڑا۔ اب مجھے اس درد سے نجات حاصل کرنے کی ترکیب معلوم ہو چکی تھی لیکن وہ جانور مجھے نہ مل سکا۔ میں پریشان ہو گیا۔ میں نے دور دور تک کی بلندیاں چھان ماریں۔ لیکن وہ نہ جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ میں تھک کر ایک جگہ گر پڑا۔ درد شدید ہوتا جا رہا تھا، بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ دفعتاً کوئی متحرک شے میرے قریب سے گزری، چھوٹی سی، سفید سی شے، اور میں چونک پڑا۔ کیا یہ جانور اس کا بدل ثابت ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچا اور

میں جلدی سے اٹھ گیا۔ میں نے اسے متحرک چھوٹے سے جانور کو دیکھا، وہ ایک طرف جا رہا تھا۔ میں نے اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ بہت تیز دوڑتا تھا لیکن مجھ سے تیز نہیں۔ میں نے جلدی ہی اسے جالیا۔ اور پھر میں نے اسے اپنے مضبوط ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ اسے اٹھایا اور اس کے جسم میں اپنے دانت پیوست کر دیئے۔

''آہ۔ وہی لذت۔ وہی سکون۔ میں نے اس چھوٹے سے جانور کو جگہ جگہ سے ادھیڑ ڈالا۔ اور اس کے گوشت کو چبانے لگا۔ اس کے پورے جسم کا نرم نرم گوشت چبا گیا۔ سخت ہڈیاں مجھے پسند نہیں آئیں میرے پیٹ کا درد بند ہو گیا۔ اور میں پہلے کی طرح چاق و چوبند ہو گیا۔ اپنی کہانی میں تمہیں موجودہ دور کے الفاظ میں سنا رہا ہوں۔ ورنہ اس وقت درد، لذت، گوشت، چبانا، پیٹ، پکڑنا، دوڑنا، دبوچنا کسی چیز کے لئے کوئی الفاظ نہ تھے، زبان کا استعمال صرف چیخنے کی حد تک تھا۔ کوئی زبان ایجاد نہ ہوئی تھی کوئی اشارہ ایجاد نہ ہوا تھا۔ اپنے علاوہ میں نے کسی انسان کو نہ دیکھا تھا، مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کیا ہوں۔ کیوں ہوں۔ زمین کیا چیز ہے۔ کائنات کیا ہے۔ آسمان کیوں ہے۔ کوئی سوال نہ تھا کوئی جواب نہ تھا، صرف احساس سب سے قدیم چیز ہے۔

جانور کی ہڈیاں پھینکنے کے بعد۔ میں پھر چل پڑا۔ کہاں؟ کیوں؟ اس کا کوئی ذکر نہ تھا۔ البتہ ایک خیال میرے دل میں ضرور پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ میں اس درد سے تڑپتا رہوں گا اور اگر اسے رفع کرنے کے لئے کوئی جانور نہ ملا۔ تو۔ تو نہ جانے کیا ہوگا۔ میں تڑپتا رہوں گا، چنانچہ اس کے لئے ضروری ہے کہ درد کے اٹھنے سے قبل کسی دوسرے جانور کو تلاش کر لیا جائے۔ تب میرے ذہن میں خوف بیدار ہوا۔ اس درد کا خوف جسے اب ہم بھوک کہتے ہیں اور اس خوف نے مجھے مائل کیا اس بات کی طرف کہ میں اس درد کے رفع کرنے کا بندوبست کرلوں۔ انسان جنم لے چکا تھا، پیٹ کا مسئلہ شروع ہو چکا تھا جو آج تک جاری ہے۔ چنانچہ دوسری قدیم چیز بھوک ہے اور میں آوارہ گردی کرنے کے بجائے جانور کی تلاش کرنے لگا۔!

لیکن ان بلندیوں پر۔ جہاں چاروں طرف برف جمی ہوئی تی۔ اکا دکا جانور ملتے تھے۔ ان کے جسم سردی برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ اس لئے وہ پستیوں میں چلے جاتے تھے۔ بڑی تلاش کے بعد مجھے ایک اور جانور مل سکا۔ یہ جانور بڑا قوی ہیکل اور خونخوار تھا۔ وہ خود بھی بھوک کے درد کا شکار تھا، چنانچہ اس نے مجھ سے شدید مدافعت کی۔ وہ میرے جسم سے بھی وہی سرخ سیال نکالنے میں کامیاب ہو گیا جسے خون کہتے ہیں......لیکن......میں اس کے بس کا نہ تھا، بہر حال اسے پسپا ہونا تھا، اور وہ پسپا ہوا۔ میں اس وقت اسے کھانے کی خواہش نہ رکھتا تھا۔ اسی لئے میں نے سوچا کہ اب کیا کیا جائے۔ میں اسے دبا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے بے بس کر دیا۔ لیکن اسے بے بس کئے رہنے میں مجھے کافی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اور پھر اس کی وجہ سے مجھے ایک جگہ رکنا پڑا تھا۔ میں کوئی ایسی ترکیب کرنا چاہتا تھا جس سے وہ دیر تک بغیر مدافعت کے میرے قابو میں رہ سکے۔ میں ترکیب سوچتا رہا لیکن ایسی کوئی ترکیب میرے ذہن میں نہیں آسکی، وہ مسلسل جدوجہد کر رہا تھا، اور پھر وہ میری گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ میں اس کی طرف لپکا لیکن اس نے زندگی بچانے کے لئے پستیوں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ شکار کو یوں قابوں سے نکلتے دیکھ کر میں بھی بے قابو ہو گیا اور پھر میں اس کے تعاقب میں پستیوں میں اتر گیا۔ وہاں میری فطرت رہنمائی کر رہی تھی، میں نے اس جانور کے انداز میں پستیوں میں چھلانگ نہیں لگائی تھی بلکہ پتھروں سے بچتا احتیاط سے نیچے اتر رہا تھا۔ وہ بھی نیچے کی سمت بھاگ رہا تھا اور اس کی رفتار مجھ سے تیز تھی۔ اسے زندگی کا

خوف تھا جبکہ میں اس کا سا جذبہ نہیں رکھتا تھا اس لئے میں اسے نہ پا سکا اور وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اپنی ناکامی پر مجھے بڑی جھنجھلاہٹ تھی۔ میں نے پھر بلندیوں کا رخ نہیں کیا بلکہ نیچے اترتا رہا۔ یہاں تک کہ روشنی چھپ گئی اور تاریکی مسلط ہو گئی۔ تاریکی جو ہیبت ناک ہوتی تھی جس سے خوف محسوس ہوتا تھا۔ اور یہ خوف اس وقت تک طاری رہتا تھا جب تک نیند نہ آ جائے۔ سونے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش ابتدا سے رہی ہے، چنانچہ میں نے بھی ایک چٹان کا سایہ پسند کیا اور اس کے نیچے لیٹ گیا۔ اس وقت کوئی سوچ نہیں تھی، کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیٹنے کے بعد صرف سونا ہوتا تھا اور نیند بھی فوراً آ جاتی تھی۔ !میں سو گیا۔ اور جب سورج کی لطیف روشنی پھیل گئی تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں چٹان کے نیچے سے نکل آیا۔ !درد کی ابتدا ہو گئی تھی۔ ہلکا ہلکا سا احساس شروع ہو گیا تھا اور میں اس درد سے خوفزدہ تھا۔ ہاں درد دوسرے تمام احساسات پر حاوی تھا۔ سب سے پہلے اس کا مداوا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں، مجھے شکار کی تلاش تھی ہر وہ شے جو متحرک ہو میرے لئے دلکش تھی۔ میں نے پتھروں کو بھی چبانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس درد کا مداوا نہیں کر سکتے تھے۔ میں شکار کی تلاش میں نیچے اترنے لگا۔ !اور...... بہت دور...... پستیوں میں کبھی کبھی کوئی متحرک شے نظر آ جاتی تھی۔ میں اس وقت سے قبل کوئی متحرک شے پکڑ لینا چاہتا تھا جب درد شدید ہو۔ اور اسی خوف سے میں کافی نیچے اتر آیا۔ اب پستیوں کی انتہائی حدود آ گئی تھیں۔ اس کے بعد اونچے اونچے کوہان تا حد نگاہ پھیلے ہوئے تھے اور ان کوہانوں کے درمیان سبزہ جھانک رہا تھا۔

دفعتاً میں ٹھٹھک گیا...... ایک بڑے پتھر کی آڑ میں، میں نے کوئی متحرک شے دیکھی تھی۔ عجیب سی ساخت کی شے تھی، وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف کھسک رہی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا۔ میں اس پر چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے اس پر کامیاب چھلانگ لگانے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ اور پھر بے آواز اس اونچی چٹان پر پہنچ گیا جہاں سے میں اس پر کود سکتا تھا۔ پھر میں نے اپنے جسم کو تولا اور اس پر کود پڑا۔!

میرا قوی ہیکل جسم اس شے پر جا پڑا اور اس کے منہ سے ایک سریلی چیخ نکلی۔ !میں اس پر حاوی ہو گیا۔ اور میں نے اطمینان سے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ !لیکن...... پھر...... مجھے ایک انوکھا احساس ہوا۔ وہ شے تو بڑی لطیف تھی۔ اس کا گوشت تو بہت نرم تھا، ان دوسرے جانوروں سے مختلف، جنہیں میں نے اب تک شکار کیا تھا اور میں خوب غور سے اسے دیکھنے لگا! میری آنکھوں میں حیرت امنڈ آئی۔ یہ جانور تو میری طرح تھا۔ ہاں۔ بالکل میری طرح صرف معمولی سا فرق تھا، اس کے سر کے بال لمبے تھے۔ اس کے سینے پر دو چھوٹے چھوٹے سخت کوہان ابھرے ہوئے تھے۔ درد کی جگہ سے کچھ نیچے کی ساخت بھی مجھ سے تھوڑی مختلف تھی۔ بس۔ اس کے علاوہ اور کوئی اختلاف نہیں تھا۔

اپنے جیسے ایک جاندار کو دیکھ کر مجھے حیرت بھی تھی اور میں کچھ خوشی بھی محسوس کر رہا تھا۔ گو درد کی ابتدا ہو چکی تھی۔ لیکن میں اس متحرک شے سے اپنا درد دور نہیں کر سکتا تھا! میرا دل اسے کھانے کو نہیں چاہا۔ حالانکہ وہ پوری طرح میری گرفت میں تھی۔ دفعتاً اس کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور اس نے اپنے لمبے ناخنوں سے میرے جسم پر کئی خراشیں بنا دیں وہ غصہ کا اظہار کر رہی تھی۔ میں نے اظہار خیر سگالی کے طور پر اسے چھوڑ دیا اس نے ایک زقند بھری اور مجھ سے دور جا کھڑی ہوئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی کالی آنکھوں میں غصہ، مایوسی اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ میں بھی

خاموش اس انوکھے اور دلکش جانور کو دیکھتا رہا۔ میرا دل اس کی طرف کھینچ رہا تھا۔ پھر میں نے منہ سے بے معنی آواز نکالی اور اس کی طرف بڑھ گیا۔ ا
لیکن اس نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی تھی وہ بھی خود سپردگی کے انداز میں کھڑی رہی اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا اور نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تب۔ اس کے ہونٹ پھیلے اور وہ دلکش انداز میں مسکرادی۔ ہنسی اظہار خوشی کا قدرتی طریقہ ہے۔ میں بھی ہنس دیا گویا ہم دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا نہ اس نے میرا اوپر حملہ کیا۔ نہ میں نے اس کے اوپر۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اس کے ہاتھ کی لہریں میرے جسم میں منتقل ہو رہی تھیں۔ یہ دنیا کی پہلی زبان تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بھی درد کا شکار ہے۔ ایک جگہ اس نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا اور میں بھی رک گیا۔ ہم نے خود سے تھوڑی دور پر ایک سبزہ زار میں ایک سفید رنگ کے جانور کو کچھ تلاش کرتے دیکھ لیا تھا۔! میں آہستہ سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اس نے مجھے دبوچ لیا۔ وہ مجھے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور پھر اس نے جھک کر ایک پتھر اٹھالیا۔ ایک نوکدار پتھر اور اسے ہاتھ میں تولنے لگی۔ میں اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پتھر بلند کیا اور پھر آگے بڑھنے لگی۔ اور پھر اس نے اس جانور کے سر کا نشانہ لیکر پتھر اس پر کھینچ مارا۔ پتھر سیدھا اس جانور کے سر پر لگا تھا۔ اور دوسرے لمحہ وہ جانور الٹا ہو گیا تب اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور چیختی ہوئی اس جانور کی طرف دوڑی۔ جانور کا سر لہولہان تھا اور وہ تڑپ رہا تھا۔

اس نے جانور کو پکڑ لیا اور مسرت سے اچھلنے کودنے لگی۔ لیکن میں اس پتھر کو اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ شکار کرنے کا یہ طریقہ میرے نزدیک بہت بہتر تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ پتھر کے اس ٹکڑے نے کیسا کام کیا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ ذہین تھی کہ اس نے شکار کرنے کا اتنا آسان طریقہ دریافت کر لیا تھا۔! پتھر کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھنے کے بعد میں نے اسے نیچے ڈال دیا۔ اس دوران وہ جانور کا تیا پانچا کر چکی تھی۔ اس نے بے پناہ قوت سے کام لیتے ہوئے جانور کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے تھے اور وہ ساکت تھا۔ تب میں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ہم دونوں نے اس کے بال علیحدہ کر دیئے اور پھر اس کے ٹکڑے کر کے اس کا گوشت کھانے لگے۔ اس کے گلابی ہونٹوں سے خون ٹپک رہا تھا اور چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ہم دونوں نے سیر ہو کر گوشت کھایا اور پھر اسی جگہ بیٹھ گئے۔ وہ دلکش نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک بات محسوس کی تھی وہ یہ کہ جس طرح وہ میرے لئے اجنبی تھی۔ کیونکہ میں نے اپنے جیسے کسی جانور کو نہ اس طرح کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کا تصور کیا تھا، اس طرح میں اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے بہت جلد مانوس ہو گئی تھی لیکن میں ابھی تک حیران تھا۔ میں بار بار اس کے جسم کو دیکھ رہا تھا، اس کا اپنے جسم سے موازنہ کر رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا!

ہم لوگ کافی دیر تک وہاں بیٹھے آرام کرتے رہے۔ جانور کو ہڑپ کرنے کے بعد ہمیں اس درد سے نجات مل گئی تھی۔ لیکن مجھے احساس تھا کہ یہ درد ہمیشہ کے لئے ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ہمیں ہمیشہ اس سے دوچار رہنا پڑے گا۔ اس لئے میں آئندہ کے لئے سوچ رہا تھا۔ میں اس کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹی تھی۔ اور چمکدار گیند ہمارے سروں پر پہنچ گئی۔ اب وہ اٹھی۔ اس نے حسب معمول میرا ہاتھ پکڑا اور ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ اس کا سڈول جسم گو میری طرح طاقتور اور سخت نہیں تھا لیکن وہ میرے جسم سے زیادہ حسین اور دلکش تھا۔ اور اسے دیکھ کر میرے حواس پر ایک نشہ سا طاری ہو رہا تھا۔ ہم اس وقت کسی کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکتے تھے۔ البتہ محسوسات سے الگ نہ تھے۔

سورج کی چمک ماند پڑ گئی۔ ہم پہاڑوں میں کلیلیں کرتے رہے پھر وہ رک گئی۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ

کرورو کی جگہ رکھ لیا۔ میں اس کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگا۔ میرا کھردرا ہاتھ اس کے پیٹ پر رکھا ہوا تھا اور میں اس حرکت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تب اس نے زمین پر پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ اور ہنس پڑی۔ اس کی دلکش ہنسی کی کھنک آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ میں بھی ہنس دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیٹ پر رکھ دیا۔ اور پھر ہم دونوں قہقہے لگانے لگے۔ پھر میں نے بھی ایک پتھر ہاتھ میں اٹھا لیا اور ہم دونوں شکار کی تلاش میں چل پڑے۔

اس طرح بھوک کے اظہار کے لئے ہم نے ایک اشارہ ایجاد کر لیا۔ ابھری ہوئی چٹانوں کے درمیان ہم دوڑتے رہتے اور شکار تلاش کرتے رہے اور پھر ہمیں شکار نظر آ گیا۔ بہت بڑا شکار تھا۔ لمبی سی گردن کا بد ہیت جانور جس کے سامنے کے حصے پر نوکدار سینگ ابھرے ہوئے تھے۔

وہ رک گئی۔ شاید جانور کی جسامت سے وہ خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کی گرفت میرے ہاتھ پر سخت کر دی اور میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر اس کے انداز میں تولا لیکن اس نے مجھے پتھر مارنے سے منع کر دیا تھا۔ پھر اس نے مجھے کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ مجھے وہاں سے نکال لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے حیران سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے تعجب تھا کہ وہ شکار کو دیکھ کر کیوں فرار ہو رہی ہے لیکن وہ شاید اس خوفناک جانور سے واقف تھی البتہ اسے میری قوت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیٹ پر رکھ لیا اور وہ میری شکل دیکھنے لگی اور پھر قدرے تذبذب کے بعد وہ بھی جانور کے شکار کے لئے تیار ہو گئی۔ جانور گردن جھکائے اپنے نوکیلے سینگ زمین پر ادھیڑ رہا تھا۔ میں نے پتھر تولا اور پھر پوری قوت سے اس پر کھینچ مارا۔ میں اس کے سر کا نشانہ نہیں لے سکا تھا اس لئے پتھر جانور کے بازو پر پڑا اور وہ درد سے چیخ پڑا۔ اسی وقت اس نے بھی پتھر جانور پر دے مارا۔ یہ پتھر جانور کے سر پر لگا تھا لیکن اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

وہ دیو پیکر درندہ غصے سے چنگھاڑتا ہوا ہماری طرف لپکا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور میرا ہاتھ پکڑ کر پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ بات مجھے پسند نہ آئی اور میں اس خونخوار جانور سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ جانور وزنی ڈیل ڈول کی وجہ سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ طوفانی رفتار سے ہم دونوں کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے خوفزدہ انداز میں ایک اور چیخ ماری اور اچھل کر ایک چٹان پر چڑھ گئی۔

اس دوران جانور میرے قریب آ چکا تھا۔ اس نے دونوں پاؤں زمین پر مارے اور پھر گردن جھکا کر اپنے نوکدار سینگوں سے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس کی ٹکر بہت خوفناک تھی لیکن فطرت میری رہنمائی کر رہی تھی۔ میں پھرتی سے اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور اس کے نوکیلے سینگ ایک چٹان سے ٹکرائے۔

چٹان کا ایک ٹکڑا اکھڑ گیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس جانور کو بھی مزہ آ گیا تھا۔ اس کا ایک سینگ اپنی جگہ سے اکھڑ گیا اور خون کی موٹی چادر نے اس کی آنکھوں کو ڈھک لیا۔ اس دوران میں اس کے سینگ کے رخ سے بچ کر اس پر پڑا تھا اور ہم دونوں میں خوفناک قوت آزمائی ہونے لگی۔

میں وقت کا بیٹا..... اس لڑکی کے قبیلے والوں سے ہزار گنا طاقتور تھا۔ اس سے قبل اس نے کسی انسان کے اتنے قوی ہیکل جانور سے لڑنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ میری اور اس جانور کی ٹکر برابر کی ہے۔ گو وہ جسامت میں مجھ سے دس گنا بڑا تھا لیکن بہر حال میں اسے گرانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تب میں نے ہوشیاری سے کام لیا اور اسے ایکبار پھر ویسا ہی طوفانی حملہ کرنے کا موقع دیا۔ جیسا اس نے پہلے کیا تھا۔

اس بار میں جان بوجھ کر ایک بڑی چٹان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اور وہی ہوا جو میں چاہتا تھا زخمی درندہ پھر سنبھلا اور اس نے ایک اور خوفناک حملہ میرے اوپر کیا۔ وہ غصے سے چنگھاڑ رہا تھا اور میرے جسم کے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا لیکن میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ جونہی وہ میرے قریب پہنچا میں اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور اس بار اس کی دھاڑ بہت خوفناک تھی۔ اس کا دوسرا سینگ بھی اکھڑ کر نیچے لٹک گیا تھا۔ میں نے عقب سے اس پر حملہ کر دیا اور اس بار میں اسے نیچے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسرے لمحے میں نے چٹان سے نیچے چھلانگ لگا دی اور ایک بڑا پتھر اٹھا کر اس جانور پر دے مارا۔ جانور پہلے ہی نیم جان ہو رہا تھا۔ پتھر کے وار کی تاب نہ لا سکا اور آہستہ آہستہ اس کی دھاڑیں سست پڑتی گئیں۔ پھر اس نے دم توڑ دیا۔ اس نے خوشی کی ایک چیخ ماری اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کا جسم جیسے میرے جسم میں پیوست ہو گیا اور میں اپنے جسم میں لطیف حرارت محسوس کرنے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے الگ ہو گئی اور ہم اس جانور کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے موٹے اور سخت جسم کے ٹکڑے کرنے میں بھی ہمیں کافی دقت پیش آئی لیکن بہر حال ہم اس کی ایک ٹانگ علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے اور پھر ہم ایک پتھر پر بیٹھ کر مزے سے اس بدمزہ گوشت کی ضیافت اڑانے لگے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے دانت گوشت اُدھیڑنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ جانور کی ایک ٹانگ ہی ہمارے لئے کافی رہی۔ روشنی کم ہو گئی تھی اور تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔

ہم اپنے لئے پناہ گاہ تلاش کرنے لگے اور اس کے لئے زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑی۔ ایک سایہ دار چٹان کے نیچے ہم نے رات گزارنے کا پروگرام بنایا۔ وہ وہاں کی زمین کو چھوٹے چھوٹے پتھروں سے صاف کرنے لگی اور میں تعجب سے اسے دیکھتا رہا۔ اس سے قبل مجھے کسی جگہ کے صاف کرنے کا خیال نہ آیا تھا۔ حالانکہ رات کو سوتے وقت چبھنے والے پتھر تکلیف دہ ہوتے تھے۔ اس نے وہ جگہ صاف کر لی اور جگہ صاف کرتے ہوئے میں اس کے خوبصورت جسم کو دیکھتا رہا۔ گو اس کے اور میرے جسم میں تھوڑی سی تبدیلی تھی لیکن نہ جانے مجھے اس کا جسم اس قدر پرکشش کیوں معلوم ہو رہا تھا۔ ہم کھردری اور سنگلاخ زمین پر لیٹ گئے۔ تاریکی پھیل گئی تھی اور اب اس کا چہرہ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں سو جانے کے لئے کوشاں تھا اور وہ بھی یہی کوشش کر رہی تھی اور پھر ہماری آنکھوں میں غنودگی تیرنے لگی۔ اس کی گہری گہری سانسیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اس کے جسم سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی جو مجھے بہت پسند آئی تھی۔ میں نے اس کی طرف رخ کر لیا اور پھر مجھے نیند آ گئی۔

رات گزرتی رہی لیکن ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ کسی جانور کی چنگھاڑ سے میں جاگ گیا تھا اور جاگنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے جسم سے لپٹی بے خبر سو رہی تھی اور اس کے سانس میرے سانسوں سے ٹکرا رہے تھے۔ اس کے سانسوں میں ایک دلفریب مہک تھی جس سے میں پوری طرح بیدار ہو گیا۔ مجھے اس کے نرم و لطیف جسم کا لمس بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ میں اس کے سانس کی خوشبو کو اور قریب لانے کے لئے اس کی طرف جھک گیا اور وہ بھی جاگ گئی۔ اس کے سانس گرم ہو گئے تھے اور ایک لطیف آنچ ان سے اٹھ رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت دوڑ رہی تھی۔

کوئی خوفناک جانور ہمارے نزدیک ہی چنگھاڑ رہا تھا لیکن ہمیں کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ خواہ وہ ہمارے چیتھڑے ہی کیوں نہ اڑا دیتا۔ ہم کتاب فطرت پڑھ رہے تھے اور کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا ایک ایک باب ہمارے سامنے کھلتا جا رہا تھا۔

کیف و مستی، سکون و سرور کی ایک دنیا آباد ہوگئی۔ اس کی پھرتی، اس کے جسم کی لچک اس وقت سے کہیں زیادہ تھی۔ جب وہ شکار کی تلاش میں ہوتی اور اس پر حملہ آور ہوتی۔ اس کا ہیجان، اس کی تڑپ اس وقت سے کہیں زیادہ تھی جب وہ بھوک سے تڑپ رہی ہوتی اور اس کے بعد ہمارے اعضا اسی طرح پرسکون ہو گئے جیسے ہم نے پیٹ بھر کر گوشت کھا لیا ہو۔ وہ میرے سینے سے لپٹ کر بے سدھ ہوگئی۔

میری آنکھوں پر بھی منوں بوجھ آپڑا تھا۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ آتشیں گولہ نمودار ہو گیا اور اس نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ تب اس نے میرے سینے سے منہ نکالا اور اس کی ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ رات کے کھیل کے اثرات ہم دونوں کے چہروں سے عیاں تھے۔ ہم دونوں ہی اس کھیل کی دریافت پر مسرور تھے۔ غذا کا معقول بندوبست تھا چنانچہ ہم اپنے قوی ہیکل شکار کے نزدیک پہنچ گئے جس نے ہمارے بہت سے دنوں کو ہم پر آسان کر دیا تھا۔ ہم نے جانور کا گوشت حاصل کیا، سیر ہو کر کھایا اور پھر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے پہاڑوں میں قلانچے بھرنے لگے۔ ہم بہت خوش تھے۔ مسرت ہمارے چہروں سے عیاں تھی۔ وہ پستیوں کے اس علاقے سے بخوبی واقف تھی اور اطمینان سے ایک مخصوص سمت جا رہی تھی۔ میں صرف اس کا ساتھ دے رہا تھا تب وہ مجھے لئے ہوئے ایک نیلے پانی کی جھیل کے قریب پہنچ گئی۔ جھیل کے چاروں طرف سرسبز درخت ایستادہ تھے اور ان درختوں کے درمیان وہ جھیل بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ جھیل میں کنول کھلے ہوئے تھے۔ اس نے محبت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ جھیل کے شفاف پانی میں وہ مچھلی کی طرح تیر رہی تھی۔ کبھی غوطہ لگاتی اور کبھی سطح پر آ جاتی۔

پھر ایک بار کنارے پر آ کر اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ اسے حیرت تھی کہ میں اس دلچسپ کھیل سے دور کیوں ہوں اور میں اس سے دور نہ رہ سکا۔ میں بھی پانی میں کود گیا اور نہ جانے کب تک ہم جھیل میں کلیلیں کرتے رہے۔ دنیا بہت مختصر تھی۔ ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ پھر جب ہم نہاتے نہاتے تھک گئے تو وہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے کنارے کی طرف چل پڑی۔ میں بدستور اس کا ساتھ دے رہا تھا اور کائنات ہمارے ملاقات پر خوش تھی۔ اس جسمانی مشقت سے ہمیں پھر بھوک لگنے لگی تھی لیکن ہم نے نئے شکار کی تلاش کی بجائے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹنا مناسب سمجھا اور تیزی سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ اب ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سمجھے لگے تھے۔ گو ابھی اشارے ایجاد نہ ہوئے تھے لیکن آنکھیں دل کی ترجمان تھیں۔ آنکھوں کے تاثر سے ہم ایک دوسرے کا مقصد سمجھ لیتے تھے۔ طویل فاصلہ طے کر کے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

لیکن ہمارے ٹھکانے پر زبردست ہنگامہ برپا تھا۔ فضاؤں میں پرواز کرنے والے لمبی گردن کے بدصورت پرندے ہمارے شکار کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر حملہ آور ہو گئے تھے لیکن پھر آپس میں نااتفاقی ہوگئی تھی اور وہ ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ کر شکار کا زیادہ سے زیادہ گوشت حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئے اور اپنی جنگ بھول گئے لیکن انہوں نے شکار کے گوشت کو جگہ جگہ سے نوچ ڈالا تھا۔ اس نے چھوٹے پتھر اٹھا کر ان کی طرف اچھالے اور وہ پھر امار کر فضا میں بلند ہو گئے۔ تب ہم نے اپنے شکار سے گوشت حاصل کیا اور اسے کھانے لگے لیکن اب اس گوشت کا مزہ خراب ہو گیا تھا۔ ہمیں وہ زیادہ پسند نہیں آیا لیکن مجبوری تھی۔ اس وقت اسی پر گزارہ کرنا تھا چنانچہ ہم نے حسب ضرورت گوشت حاصل کر کے کھایا اور پھر آرام کرنے لیٹ گئے۔

حسب معمول تاریکی ابھر آئی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میرے نزدیک لیٹی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں اس کی طرف کھسکا اور وہ

جیسے میرے اشارے کی منتظر تھی اور پھر رات کی سرگوشیاں بڑھ گئیں۔ ان سرگوشیوں میں ہماری لذت آمیز سسکیاں بھی شامل تھیں اور پھر سانسوں کی بازگشت بڑھنے لگی اور ہم اس جانور کی طرح ساکت ہو گئے جس کے سینگ ٹوٹ چکے تھے۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں اس پراسرار زندگی کے خواب لہرا رہے تھے اور اس کے سامنے بیٹھے انسانوں کے چہرے زلف حیات کے حامل تھے۔ وہ ایک پراسرار سحر میں گرفتار تھے۔ وہ خود کو اس ماحول میں محسوس کر رہے تھے جب انسان جانوروں سے بدتر تھا۔ اسے زندگی کے کسی اقدار سے واقفیت نہیں تھی۔ وہ خود کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس بے باک نوجوان کی آواز میں ایسا سحر تھا کہ اس سحر سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور جب اس کی خاموشی سے یہ سحر ٹوٹا تو وہ جاگ پڑے۔ پروفیسر خاور نے اپنی بچیوں کی طرف دیکھا اور فرزانہ اور فروزاں گھبرا کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔ پھر ان کے چہرے پر شفق پھوٹ آئی۔ ان کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں اور ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرات ابھر آئے۔ باپ کی موجودگی میں یہ دلکش داستان سن کر وہ مجوب ہو گئی تھیں لیکن داستان گو ان کی کیفیات سے بے خبر اپنی ہی دھن میں مست تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس ماحول سے نہیں نکلنا چاہتا تھا جہاں کا تصور اس کے ذہن میں تھا۔

لیکن یہ داستان ایسی ہی دلکش، ایسی ہی حیران کن تھی کہ ان تمام کیفیتوں کے باوجود وہ اسے سننے کے خواہشمند تھے اور اس کی خاموشی انہیں گراں گزر رہی تھی۔ بوڑھے خاور کی گہری گہری سانسیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتے اس کی آواز پھر ابھری۔

''دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ہمارے دلی رابطے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ ہم کسی بھی کیفیت کے اظہار سے بے نیاز تھے لیکن وہ گہرے رشتے جو ہمارے دلوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے اس اظہار کے متقاضی نہیں تھے۔ ہم نے اپنے باسی شکار کا گوشت کھایا لیکن بہت کم مقدار میں۔ ہمیں وہ گوشت بالکل پسند نہیں آیا تھا اور اس گوشت کے ساتھ ہی ہمیں اس جگہ سے بھی نفرت ہو گئی۔ اس طرح ہم اس بات سے واقف ہوئے کہ تازہ شکار کا مزہ اچھا ہوتا ہے۔ ہم وہاں سے چل پڑے۔ اس کی خوشی آج بھی قائم تھی۔ اس کے چہرے کی دمک کچھ اور نکھر آئی تھی اور وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ ہم نے اسی جھیل میں پانی کا کھیل کھیلا اور بہت دیر تک کھیلنے کے بعد اکتا کر باہر نکل آئے۔ اس کے بال اس کے چہرے اور گردن سے چپٹے ہوئے تھے اور اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک میرا سہارا لئے چلتی رہی اور پھر ہرنیوں کی طرح کلیلیں بھرنے لگی۔ آج ہم جھیل کی مخالف سمت جا رہے تھے۔ نہ جانے ہم کہاں سے کہاں نکل آئے۔ زمین وسیع تھی۔ سرسبز علاقہ بہت پیچھے رہ گیا تھا اور اب ہم سنگلاخ چٹانوں کو طے کر رہے تھے۔ دور ایک دیوار نظر آ رہی تھی جو آسمان کی چھت سے مختلف تھی۔ نہ جانے اس سفید دیوار کے عقب میں کیا تھا۔ اب ہمیں بھوک لگ رہی تھی۔ ہم نے دو پتھر اٹھا کر ہاتھوں میں پکڑ لئے اور شکار تلاش کرنے لگے۔ لیکن ان سنگلاخ چٹانوں میں ہمیں شکار نظر نہ آیا اور ہم اس کی تلاش میں بہت دور نکل آئے۔ سورج تیزی سے سفر کر رہا تھا اور اب اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

دوسری طرف ہمیں بھوک نے نڈھال کر دیا تھا۔ ہماری رفتار بھی سست ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی لیکن ہمیں شکار نہ ملا۔ ہم دونوں بھوکے تھے لیکن مجبوری۔ یہ رات بھوکے رہ کر ہی گزارنی تھی۔ اس رات کو ہمیں مناسب جگہ بھی نہ مل سکی اس لئے ہم نے کھلے آسمان کے نیچے ہی رات گزاری۔ پھر جوں ہی وہ میری بانہوں میں آئی ہم اس درد کو بھول گئے جو تھوڑی دیر پہلے محسوس ہو رہا تھا۔ وہ میرے بازوؤں میں جذب ہو گئی اور

ہم گہری نیند سو گئے۔

لیکن دوسری صبح بھوک سے حالت خراب تھی۔ ہم نے سفر شروع کر دیا لیکن یہ سفر بہت سست رفتار تھا۔ ہمارے قدم بھوک سے ڈگمگا رہے تھے اور ہم شکار کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہے تھے۔

اس سنگلاخ علاقے سے گزر کر ہم پھر ایسے علاقے میں نکل آئے جہاں سبز گھاس اگی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی گول اور سفید چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ ہم ان چٹانوں کے رخنوں میں جھانکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ دفعتاً..... ایک تیز چیخ ہمارے کانوں سے ٹکرائی اور ہم اچھل پڑے۔ ہم نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور اسی وقت چیخ دوبارہ سنائی دی۔ اس بار ہم چیخ کی سمت کا اندازہ کر چکے تھے۔ چنانچہ مجھ سے پہلے وہ اس طرف دوڑی......! اور پھر ایک اونچی چٹان کے عقب میں پہنچ کر اس طرح ٹھٹکی جیسے خوفزدہ ہو گئی ہو..... دوسرے لمحے میں بھی اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ چٹان کی دوسری طرف میری ساتھی جیسے ایک جاندار موجود تھی اور اس کے خوبصورت جسم کو ایک عجیب سے جانور نے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ میں نے اس سے قبل ایسا جانور نہیں دیکھا تھا۔ اس کا جسم درخت کی شاخوں کی طرح گول لیکن چمکدار تھا۔ درمیان سے موٹا اور آخر میں پتلا ہوتا چلا گیا تھا۔ رنگ مٹی کی طرح تھا اور خوفناک منہ میں لمبی زبان تھی۔ اس نے اپنے لمبے چمکدار جسم سے اس دوسری جاندار کو کس رکھا تھا اور وہ خوف و تکلیف سے نڈھال تھی۔ میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ جانور کا خوفناک چہرہ اس کے چہرے کے قریب تھا اور اس کی لمبی سیاہ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ میں نے اس لچکدار جانور کے جسم کو چھو کر دیکھا۔ اس کا جسم نرم تھا۔ تب میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس کا گوشت بھی مزیدار ہوگا لیکن اسے کیسے حاصل کیا جائے۔ دوسری طرف مجھے اپنی ساتھی جیسی ایک اور جانور کو دیکھ کر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ میں نے جانور کے پورے جسم کو دیکھا اور پھر میری سمجھ میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ جانور کا چہرہ لڑکی کے چہرے کے نزدیک تھا۔ اس کا پورا جسم لڑکی کے جسم سے لپٹا ہوا تھا۔ بظاہر اس کے جسم پر ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی جو مجھے نقصان پہنچا سکتی اس لئے میں نے اپنی ساتھی کی طرف دیکھا اور ایک پتھر اٹھا کر اس کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ میرا مطلب سمجھ گئی۔ پھر میں اس جانور کے چہرے کی طرف بڑھا اور اس کی موٹی گردن کو پکڑ لیا۔ جانور کا جسم ربڑ کی طرح لچکدار تھا لیکن اس میں بے پناہ طاقت تھی۔ مجھے بڑی قوت صرف کرنی پڑی تب کہیں جا کر میں اس کے سر کو چٹان پر رکھ سکا۔ میری ساتھی میرے قریب ہی پتھر لئے منتظر تھی جونہی میں نے جانور کا سر پتھر پر رکھا میری ساتھی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر اس کے سر پر دے مارا۔ جانور کی دونوں آنکھیں پھوٹ گئیں اور اس کا سر لہولہان ہو گیا۔ اس نے تیزی سے اپنے شکار کے جسم کے گرد سے اپنا جسم کھولنا شروع کر دیا اور دوسرے لمحے وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ اس نے ایک چٹان کا سہارا لیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خوفناک جانور کو تڑپتے ہوئے جسم کو دیکھنے لگی۔

دوسری طرف ہم دونوں اس کے جسم کے ساکت ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم شدت سے بھوکے تھے اور اس وقت ہمیں صرف پیٹ بھرنے کی فکر تھی۔ میری توجہ اب اس دوسری لڑکی کی طرف سے بھی ہٹ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ہمارا شکار سست پڑنے لگا تب میں نے ایک پتھر اٹھایا۔

شکار کے وزنی جسم کو پتھر پر کھینچ کر میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتھر سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ پھر ایک بڑا ٹکڑا میں نے اپنی ساتھی کو دیا اور دوسرا خود لے کر کھانے لگا۔

پھر مجھے اس دوسری لڑکی کا خیال آیا جو اس شکار کے چنگل سے بچی تھی۔ میں نے اسے پتھر کے سہارے ٹکے کھڑے دیکھا اور مجھے اس پر رحم آنے لگا۔ میں نے شکار کے ایک ٹکڑے کو درمیان سے توڑا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اکاتے۔اکاتے۔'' اس کے منہ سے آواز نکلی اور میں اور میری ساتھی حیران سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ ہمارے ذہنوں میں آواز صرف چیخنے کی ضرورت پورا کرتی تھی۔ اسے کسی مخصوص انداز میں ڈھال کر کسی اور شکل میں نکالا جا سکتا ہے اس بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا۔

''اکاتے۔'' وہ پھر بولی۔ اور ہمیں اس کی آواز پر ہنسی آ گئی۔ میری ساتھی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ اس کے منہ سے چبے ہوئے گوشت کے ٹکڑے باہر نکل پڑے۔ دوسری لڑکی بھی مسکرا دی تھی۔ پھر وہ چٹان کے پاس سے ہٹی اور آگے بڑھ گئی۔ اس نے قرب وجوار سے خشک گھاس اور جھاڑیوں کی سوکھی ٹہنیاں جمع کیں اور ایک جگہ ڈھیر لگانے لگی۔ پھر اس نے دو موٹی ٹہنیوں کے درمیان ایک ٹہنی باندھی اور انہیں اس ڈھیر کے اوپر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے گوشت کے ایک بڑے ٹکڑے کو اس میں اڑس دیا اور پتھر کے دو ٹکڑے ہاتھوں میں لے کر خشک گھاس کے نزدیک بیٹھ گئی۔ ہم دلچسپی سے اس کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ کبھی کبھی ہمارے منہ سے قہقہے بھی نکل جاتے۔ وہ دونوں پتھروں کو ایک دوسرے پر مار رہی تھی۔ کئی مرتبہ اس نے یہ عمل دوہرایا اور اچانک...... خشک گھاس میں روشنی ہو گئی۔ ہم دونوں کی ہنسی غائب ہو گئی۔ ہم گوشت کھانا بھول گئے...... اور خوف و دہشت سے بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھنے لگے۔ جس نے خشک ٹہنیوں کو لپیٹ میں لے لیا تھا اور پھر آگ سے ایک عجیب سی بو اٹھنے لگی۔ ہمیں وہ بو بہت پسند آئی اور ہم گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ دوسری لڑکی آگ سے دور کھڑی تھی۔ آگ جلتی رہی اور پھر وہ سرد ہو گئی۔

تب لڑکی آگے بڑھی اور اس نے گوشت کے ٹکڑے کو جو اب بدرنگ ہو گیا تھا جلی ہوئی ٹہنی سے اتار لیا۔ اسے ہاتھ سے صاف کیا اور ہمارے قریب آ گئی۔ چند لمحات ہماری شکل دیکھتی رہی پھر اس نے اس گوشت کا تھوڑا تھوڑا حصہ ہم دونوں کو دیا اور ہم حیرت سے اسے دیکھتے رہے۔ ہم نے متحیرانہ انداز میں اسے دیکھا۔ لڑکی اپنا حصہ کھا رہی تھی۔ تب ہم نے اسے چکھا اور بلاشبہ وہ بے حد لذیذ تھا۔ ہم تعجب سے اچھل پڑے اور ہم نے ذرا سی دیر میں وہ گوشت چٹ کر لیا۔ یہ گوشت ہم دونوں کو اس قدر پسند آیا تھا کہ ہم دونوں نے ایک ہی بات سوچی۔ میری ساتھی قرب وجوار کے علاقے سے خشک گھاس اور ٹہنیاں جمع کرنے لگی اور میں بھی یہی کام کر رہا تھا۔ پھر ہم نے نئی دوست کی مدد سے چمکدار جانور کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بھونے اور انہیں ساتھ لیا۔ دوسری لڑکی اب ہماری گہری دوست بن گئی تھی۔ چنانچہ ہم نے اسے ساتھ لیا اور آگے بڑھ گئے۔ اب ہمارے پاس عمدہ خوراک تھی اور ہمیں بھوکے رہنے کی کوئی فکر نہ تھی۔

ویسے ہماری یہ دوسری ساتھی ہم سے بہت ذہین تھی۔ اس رات ہم نے ایک چشمے کے کنارے قیام کیا اور بلاشبہ قیام کے لئے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ چشمے پر طرح طرح کے جانور پانی پینے آتے تھے۔ اس طرح شکار کی بہتات تھی۔ اس کے نزدیک ایسی چٹانیں تھیں جو اندر سے کھوکھلی تھیں اور اس میں داخل ہونے کے بعد یہ تکلیف دہ ہواؤں سے محفوظ رہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ چشمے کے کنارے ایک ایسی ہی کھوکھلی چٹان میں ہم

داخل ہو گئے۔ ہم نے گوشت کے ٹکڑے ایک جگہ جمع کر دیئے اور دونوں لڑکیاں میرے سامنے بیٹھ گئیں۔ ہماری نئی ساتھی بغور ہمارا جائزہ لے رہی تھی۔

پھر تاریکی میں اس کی آواز ابھری۔ ''آ۔ گا۔ لے۔'' اور ہم چونک پڑے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کے منہ سے ایسے کئی جملے نکلے اور ہم پاگلوں کی طرح اسے دیکھتے رہے۔ پھر اسے احساس ہو گیا کہ ہمارے ساتھ مغز زنی بے کار ہے چنانچہ وہ خاموش ہو گئی۔

پیٹ بھرا ہوا تھا۔ ہمارے قویٰ تھکن محسوس کر رہے تھے۔ میری ساتھی حسب معمول میرے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ اس سے کچھ پرے دوسری لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔

باہر تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ جن کے سرد جھونکے کبھی کبھی اندر داخل ہو جاتے تھے۔

نہ جانے کتنی رات گزری تھی۔ نیند ہمارے جسموں کی پوزیشن بدل گئی تھی۔ میری ساتھی اب دوسری طرف کروٹ لئے سو رہی تھی۔ دفعتاً میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے جسم پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس کی۔ میں چونک پڑا۔ میں نے اس رینگتی ہوئی چیز کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ وہ بھی ایک ہاتھ ہی تھا۔

لیکن..... میری ساتھی لڑکی دوسری طرف کروٹ بدلے سو رہی تھی۔ اس سے قبل کہ میں اس ہاتھ کے بارے میں جان سکوں اچانک میرے اوپر ایک نرم بوجھ آپڑا۔ میں اگر چاہتا تھا تو اس بوجھ کو اٹھا کر دور پھینک سکتا تھا لیکن..... میرے ہاتھوں نے وہ جانے پہچانے نقوش ٹٹول لئے تھے جو مجھے پسند تھے۔

یہ دوسری لڑکی پہلی لڑکی سے بھی زیادہ خوبصورت اور دلکش تھی۔ پہلے میں نے اس کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا لیکن اب میں اس کی اہمیت سے واقف ہو رہا تھا۔ میری ساتھی کی آنکھ کھل گئی۔ تاریکی میں وہ شاید صورت حال کا جائزہ نہیں لے پا رہی تھی لیکن بہت جلد وہ حقیقت سے واقف ہو گئی اور پھر میری ساتھی لڑکی نے اس کے بال پکڑ لئے تھے اور پوری قوت سے اسے کھینچ رہی تھی۔ دوسری لڑکی کی..... چیخوں سے غار گونج رہا تھا۔ میری ساتھی نے اس کے بال بدستور پکڑے ہوئے تھے۔ وہ بپھری ہوئی شیرنی نظر آ رہی تھی اور اس دوسری لڑکی کو لاتوں اور گھونسوں سے مار رہی تھی پھر اس نے زور سے اسے دھکا دیا اور وہ ایک طرف جا پڑی۔

میں خاموشی سے غار کے ایک حصے میں کھڑا اپنی ساتھی کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ رقابت کے اس جذبے کو میں اس وقت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ دوسری لڑکی غار کی دیوار سے لگی ہانپ رہی تھی۔ دفعتاً اس کی غراہٹ گونجی اور پھر ایک تیز چیخ کے ساتھ وہ میری ساتھی لڑکی پر لپکی اور اس کی گردن دبوچ لی۔ میری ساتھی لڑکی بھی مدافعت کے لئے تیار تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں اور درندوں کی طرح لڑنے لگیں۔ وہ ایک دوسرے کو کاٹ رہی تھیں، بھنبھوڑ رہی تھیں۔ اپنے تیز ناخنوں کو استعمال کر رہی تھیں اور پھر غار میں ایک تیز چیخ گونجی۔ ایک دلدوز چیخ۔ یہ میری ساتھی لڑکی کی چیخ تھی۔

اور جنگ رک گئی۔ دوسری لڑکی کی تیز تیز سانسیں غار میں گونج رہی تھیں اور میں بدستور بت کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ میں نے ان کے معاملات میں دخل اندازی ضروری نہیں سمجھی تھی اور پھر جب فاتح لڑکی لڑکھڑاتے قدموں سے میرے نزدیک پہنچی تو میں نے اسے وہ سب کچھ دے دیا

جو وہ چاہتی تھی۔ میں نے اس کی فتح کا پورا پورا اعتراف کیا۔ دن کی روشنی میں، میں نے اپنی پہلی ساتھی کا حشر دیکھا۔ اس کا بھیجہ پاش پاش ہو گیا تھا۔ دوسری لڑکی نے پوری قوت سے اسکا سر دیوار پر دے مارا تھا اور یہی دیوار اس کی فتح کا باعث بنی تھی لیکن مجھے اس کے ختم ہو جانے کا کوئی افسوس نہ تھا۔ افسوس یا رنج کی کوئی حس ہی نہ تھی۔ چنانچہ اب دوسری لڑکی میری ساتھی بن گئی۔ گو اس کے جسم پر جگہ جگہ خراشیں تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ بہت سی جگہوں پر کاٹنے کے نیلے نیلے نشان پڑے ہوئے تھے لیکن اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے میں مل گیا تھا۔

ہم نے رات کا تیار کیا ہوا گوشت کھایا، چشمے سے پانی پیا اور پھر اسی چشمے میں اتر گئے۔ ٹھنڈے پانی نے شاید لڑکی کے زخموں میں سوزش پیدا کر دی تھی اس لئے وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور اپنے بھیگے بالوں کو خشک کرنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر تک وہ دھوپ میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد مجھے باہر چھوڑ کر اندر غار میں چلی گئی۔ اس نے پہلی لڑکی کی لاش گھسیٹ کر باہر نکالی اور اسے بے دردی سے کھینچتی ہوئی دور لے گئی۔ میں خاموشی سے اس کے اقدامات کا جائزہ لیتا رہا۔ لڑکی کی لاش کو دور پھینکنے کے بعد وہ میرے پاس آ گئی اور میرے قریب بیٹھ گئی۔ وہ میرے تعاون پر مسرور تھی۔

مجھے اس کے چہرے پر بے پناہ مسرتیں بکھری نظر آ رہی تھیں۔ بلاشبہ وہ پہلی لڑکی سے زیادہ دلکش اور حسین تھی۔ پھر اس نے اپنی مخصوص زبان میں کہا۔

"لا۔ کا۔ لاکا۔" اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ دیا اور میں اس کی بات کا کچھ اور مفہوم سمجھا۔ لیکن اس نے جلدی سے میرا ہاتھ ہٹا دیا اور گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"لاکا۔ لا۔ کا!" اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑ کو دوبارہ اپنے سینے پر رکھ دیا۔ میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور میں بھی اسی کے انداز میں اپنی زبان توڑنے مروڑنے لگا۔

"لا۔" وہ بولی اور میں نے اسی کے انداز میں کہا۔

"لا۔!"

"کا۔!" اس نے کہا اور میرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"کا۔!" میں نے کہا اور اس بار خود بخود اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔ وہ خوش ہو کر زور زور سے گردن ہلانے لگی۔

"لاکا۔ لاکا۔!" اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لاکا۔!" میں نے بھی اسی کے انداز میں گردن ہلائی اور وہ زور سے ہنس پڑی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"لاکا۔" میں نے بہ آسانی کہا۔ زبان کے اس استعمال سے مجھے ایک انوکھی لذت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی۔ اس بار اس نے مخالف سمت میں گردن ہلائی تھی اور پھر وہ بار بار میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھنے لگی۔ نہ جانے کس طرح میں نے بھی بے بسی سے گردن نفی کے انداز میں ہلا دی تھی۔ وہ سنجیدہ ہو گئی اور پھر کچھ سوچنے لگی۔ چند لمحات کے بعد اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"تو۔سا۔!" اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میں نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔"لاکا۔" اس نے میرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر بولی۔"توسا"

"توسا۔" میں نے کہا اور وہ جلدی جلدی گردن ہلانے لگی۔"لاکا۔" میں نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھا اور پھر اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر بولا۔"توسا۔!"

اس طرح پروفیسر۔انسانی جسم اختیار کرنے کے بعد مجھے جو پہلا نام ملا وہ توسا تھا۔میں نے یہ نام قبول کرلیا۔لاکا نے مجھے یہ نام دیا تھا اور لاکا کو میں بہت پسند کرتا تھا۔دوسری لڑکی کا احساس بھی میرے ذہن سے فنا ہوگیا تھا۔لاکا اس سے زیادہ ذہین تھی۔اس نے شکار کرنے کے سلسلے میں میری بڑی مدد کی۔اس وقت انسانی زندگی کو صرف یہی ایک ضرورت لاحق تھی۔چنانچہ لاکا کی مدد سے میں نے پہلا ہتھیار بنایا۔ایک بڑے اور مضبوط پتھر کو دوسرے پتھر پر گھس کر ایک لمبی موسلی کی شکل دے دی گئی جس کا اگلا حصہ وزنی اور نوکدار تھا۔پچھلا حصہ اتنا پتلا کرلیا گیا کہ ہاتھ کی مٹھی میں آسکے۔اس کے بعد اس نے مجھے شکار پر نشانہ لگانے کی مشق کرائی۔ہم چھوٹے چھوٹے پتھروں کو دور رکھ کر دوسرے پتھروں سے اس پر نشانہ لگاتے تھے۔میں خودی ذہانت کا مالک تھا کیونکہ میں ان انسانوں سے مختلف تھا جو اس وقت روئے زمین پر موجود تھے۔

میرے ہاتھ میں ہتھیار آگیا تھا۔پھر مجھ سے بڑا جنگجو کون ہوتا۔جنگل کے بڑے بڑے جانور میری شکل دیکھتے ہی دم دبا کر بھاگ جاتے۔ہاں جسے میں اپنا شکار منتخب کرلیتا اس کی زندگی ناممکن تھی۔لاکا میرے شانہ بشانہ ہوتی۔وہ جانوروں کا گوشت آگ پر بھون کر مجھے کھلاتی خود بھی میرے ساتھ کھاتی۔صبح کو چشمے کے سرد پانی میں کلیلیں کرتے۔اس طرح زندگی ہنسی خوشی گزرنے لگی۔

لیکن وہ تو زندگی کی ابتداء تھی۔ابھی تو انسانیت کو نہ جانے کتنی منازل طے کرنی تھیں اور ادوار بدلنے کے لئے انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ان انقلابات کی مختلف اشکال ہوتی ہیں۔ارتقا کی منازل حادثات کے شانہ بشانہ ہیں۔چنانچہ زندگی کا جمود ایک خوفناک زلزلے کی شکل میں ٹوٹا۔آدھی رات کا وقت تھا۔ہم سکون کی منازل طے کررہے تھے۔لاکا کے گرم جسم کی خوشگوار لہریں میرے جسم میں پیوست ہورہی تھیں۔دفعتاً وہ میری آغوش سے اچھل کر دور جا گری۔ایک خوفناک گڑگڑاہٹ ہوئی اور ہمارا چھوٹا سا گھر ہلنے لگا۔

"تابے شا۔تابے شا۔" لاکا دہشت زدہ آواز میں چیخی اور میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف بھاگی۔میں بھی خوفزدہ ہوگیا تھا اور ہمارے باہر قدم رکھتے ہی وہ چٹان جس پر ہمارا گھر تھا اچھل کر فضا میں بلند ہوگئی۔پھر ایک خوفناک دھماکے سے وہ ہمارے قریب ہی گری اور اس کے ٹکڑے اڑ گئے۔ہمارے قدموں کے نیچے زمین لرز رہی تھی۔چشمے کا پانی بلند ہورہا تھا اور پھر اچانک میرے سامنے کی زمین شق ہوگئی۔میں نے اور لاکا نے ایک ساتھ چھلانگ لگائی......!

اور ہم شق زمین کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ لاکا بے حد خوفزدہ تھی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع کر دیا۔ زلزلہ بیحد خوفناک تھا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ نئی نئی چٹانیں زمین سے بلند ہو رہی تھیں اور ہم دوڑ رہے تھے نئی ابھرنے والی چٹانوں سے بچتے ہوئے، خوفناک گہرائیوں سے سنبھلتے ہوئے جو اچانک ہمارے قدموں کے نزدیک نمودار ہو جاتی تھیں۔ اکثر چٹانیں اس انداز میں ابھرتیں کہ ہم ان کے ساتھ ساتھ بلند ہو جاتے اور ان سے بچنے کے لئے۔ ہمیں ان پر سے چھلانگیں لگانا پڑتیں۔!

لاکا اب وحشت سے چیخ رہی تھی اور اس کی چیخیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔ دوڑنے والوں میں ہم تنہا ہی نہ تھے، بھاری جسم والے بہت سے جانور بھی ہمارے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ ایک تو زلزلے کی گرج اوپر سے ان دوڑنے والے جانوروں کے قدموں کی دھمک اور پھر ان میں سے کوئی جانور جب اچانک کھل جانے والے زمین کے دہانے میں جا گرتا تو اس کی خوفناک چنگھاڑ پورے ماحول کو خوفزدہ کر دیتی...... دفعتاً لاکا کا ہاتھ میرے ہاتھ سے نکل گیا...... میں نے اس کی تیز چیخ سنی اور میرے قدم رک گئے...... میں نے لاکا کو دیکھا...... لیکن وہ موجود نہ تھی البتہ میرے پیچھے۔ ایک گہری دراڑ نظر آ رہی تھی، جو اتنی چوڑی تھی کہ اسے عبور کرنا ناممکن تھا اور جو اتنی گہری تھی کہ اس کی گہرائیوں میں نگاہ نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"لاکا...... !" میں نے چیخ کر اسے پکارا۔ لیکن جب اس کا جواب نہ ملا تو میں آگے بڑھ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ لاکا اب ان گہرائیوں سے واپس نہیں آئے گی...... لیکن رنج و غم جیسی کوئی چیز میرے سینے میں نہیں تھی میں آگے بڑھ گیا اور خود کو ان گہرائیوں سے بچانے لگا۔ تب زلزلے کی گڑگڑاہٹ کم ہوئی۔ زمین کی تھرتھراہٹ مدھم پڑنے لگی۔ جانوروں نے دوڑنا بند کر دیا اور میرے قدم بھی سست پڑ گئے۔ میں رک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

تاریکیاں چھٹ رہی تھیں۔ دور سے روشنی نمودار ہو رہی تھی میں تھک گیا تھا، چنانچہ میں ایک نوزائیدہ چٹان پر لیٹ گیا، جو ریت کے ڈھیر کی طرح نرم و سپاٹ تھی، دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر میں نے نمودار ہوتی ہوئی روشنی کی طرف دیکھا۔ یہ روشنی کہاں سے آتی ہے، کہاں جاتی ہے، کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں تھا، لیکن نہ جانے کیوں مجھے نمودار ہوتی ہوئی یہ روشنی عجیب لگی، میں اسے دیکھتا رہا اور دیکھتے دیکھتے سو گیا...... سوتا رہا...... نہ جانے کب تک، ہاں...... اتنا یاد ہے کہ جب جاگا تو روشنی میرے سر پر سے براہ راست میرے جسم پر پڑ رہی تھی...... لیکن میرا جسم اس روشنی کی تیزی سے متاثر نہیں تھا، روشنی کی تیزی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ ہاں وہ جانا بوجھا درد میرے جسم کی درمیانی جگہ میں موجود تھا، جس کے علاج سے اب میں بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ میں شکار تلاش کرنے لگا۔!

اور آج یہ کام بالکل مشکل نہ ہوا...... زلزلے کے شکار بہت سے جانور مجھ سے تھوڑے فاصلے پر مردہ اور نیم مردہ موجود تھے۔ ان میں کچھ شدید زخمی ہو گئے تھے، کچھ مر چکے تھے۔ میں نے ایک زخمی جانور کو تاکا جس کے زخموں سے تازہ تازہ خون بہہ رہا تھا اور وہ درد سے تڑپ رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا...... میں نے اس کے جسم کے ایک ادھیڑے ہوئے حصے پر دانت جما دیئے اور وہ تکلیف سے چنگھاڑا تھا، لیکن اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ مدافعت کرتا۔!

میں نے اس کے جسم سے کافی گوشت نوچا اور اسے دانتوں سے چبانے لگا، لیکن خدا جانے کیوں مجھے اب اس گوشت میں لطف نہیں آ رہا

تھا۔ میری ساتھی جس طرح گوشت کو آگ پر بھون لیتی تھی اس سے گوشت مزیدار ہو جاتا تھا۔ تاہم یہاں ایسے انتظامات نہ تھے، اور میں اس سلسلے میں اتنی محنت نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے ایسے ہی گوشت کھالیا اور میری تکلیف رفع ہوگئی...... نہ جانے میں اپنی پہلی جگہ سے کتنے دور نکل آیا تھا۔ یہاں میرے جیسا کوئی دوسرا موجود ہے یا نہیں...... میں نے چاروں طرف دیکھا...... لیکن، مردہ جانوروں کی لاشوں اور جنگلی درختوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا تب میں دوبارہ اس چٹان کی طرف بڑھ گیا جس پر میں سوتا رہا تھا۔

پھر میری نگاہ چٹان کے دوسری طرف اٹھ گئی اور میں تعجب سے ادھر دیکھنے لگا۔ دوسری طرف خوفناک گہرائیاں تھیں، لیکن ان گہرائیوں کی انتہا نظر آ رہی تھی...... بھوری سپاٹ ریت...... جس کا طویل میدان تاحد نگاہ چلا گیا تھا اور اس کے دوسری طرف لہریں لیتا ہوا نیلا پانی...... جو دور آسمان سے ملا ہوا تھا...... یہ منظر مجھے بے حد حسین لگا! کیسا انوکھا تھا یہ منظر۔ سمندر میرے لئے اجنبی نہیں تھا...... لیکن اس کی تصویر میرے ذہن کے آخر گوشوں میں تھی اور میں اس وقت اسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ تاہم میں اس کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ان گہرائیوں میں پہلا قدم رکھا۔ لیکن پہلا قدم رکھتے ہی میرے کانوں میں ایک عجیب سا شور گونج اٹھا، ایک خوفناک شور...... میں اچھل پڑا...... شاید زمین پھر لرزنے والی تھی...... میں سنبھل گیا۔ لیکن زمین نہ لرزی البتہ...... دور...... میں نے بہت سے جانوروں کو بھاگتے دیکھا وہ بے تحاشہ بھاگے چلے جا رہے تھے اور ان کے عقب میں ایک بہت بڑی چٹان رینگ رہی تھی۔ سیاہ رنگ کی اس خوفناک چٹان کو رینگتے دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب یہ جانور میرے قریب سے گزرے!

یہ جانور وہ نہ تھے جن کا میں شکار کرتا تھا۔ بلکہ یہ تو سب میرے جیسے تھے، بالکل میرے جیسے۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر کے ہتھیار تھے۔ لیکن وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے اور سیاہ چٹان ان کے پیچھے رینگتی ہوئی ان کی طرف بڑھ رہی تھی...... اچند دوڑتے ہوئے جانداروں نے میری طرف بھی دیکھا...... شاید انہیں تعجب تھا کہ میں ان کی طرح خوفزدہ کیوں نہیں ہوں...... اور پھر جب انہوں نے دوڑتے نہ دیکھا...... تو ان میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور مجھے دھکیلنے لگا۔

مین اس کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ نہ جانے میرے ذہن میں کیا آیا کہ میں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ اب میں انہی کے انداز میں ان کے ساتھ بھاگ رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد پتھروں کی ایک اونچی دیوار کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس دیوار میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ سب ان سوراخوں میں گھس گئے۔ یہ سوراخ اندر سے کافی کشادہ تھے اور ان میں عجیب سی روشنیاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ روشنیاں پتھروں کے گڑھوں میں ہو رہی تھیں...... اور روشنیوں کے نزدیک چھوٹے چھوٹے جاندار...... اور لاکا جیسی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چھوٹے جاندار ان کے سینوں سے لپٹے ہوئے تھے، اور سینے پر ابھرے ہوئے کوہانوں کو چوس رہے تھے!

میں تعجب سے یہ مناظر دیکھتا رہا...... اس وقت وہ لوگ خوفزدہ تھے۔ اس لئے اپنے درمیان ایک اجنبی پر انہوں نے توجہ نہ دی۔ وہ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑے ان سوراخوں میں پھنسا رہے تھے۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ دفعتاً میرے کانوں میں ایک دلدوز چیخ ابھری اور میں چونک پڑا۔ یہ چیخ لاکا سے مشابہہ تھی۔

''لاکا......!'' میرے منہ سے اچانک نکل گیا۔

''بے نی...... بے نی......!'' میرے قریب بیٹھا ایک بوڑھا بول پڑا۔

''لاکا!'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''بے نی...... بے نی......!'' اس نے خوفزدہ انداز میں سوراخ کی طرف اشارہ کیا..... میں نے سوراخ کی طرف دیکھا.....اس سوراخ کو بھی پتھر کے بڑے ٹکڑے سے بند کر دیا گیا تھا...... نہ جانے میرے ذہن میں کیا آئی کہ میں اٹھ کر سوراخ کی طرف بڑھ گیا..... میں نے سوراخ کا پتھر ہٹایا......اور باہر نکل گیا۔!

سیاہ متحرک چٹان زیادہ دور نہ تھی۔ میں نے پہلی بار اسے قریب سے دیکھا۔ وہ چٹان نہیں تھی۔ وہ تو کوئی جاندار تھا جو اپنے سیاہ خول سے گردن نکال نکال کر اپنے قریب کسی ننھی سی شے پر لے جاتا اور ننھی سی شے اچھل کر دور ہٹ جاتی۔ میں نے اس ننھی سی شے کو دیکھا۔ وہ شے کم ازکم میرے برابر تھی اور لاکا جیسی تھی۔ تیز چیخیں اسی کے منہ سے نکل رہی تھیں۔ میری آنکھوں میں لاکا گھوم گئی اور میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اچھل اچھل کر سیاہ شے کی گردن سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی اور سیاہ شے بار بار گردن بڑھا کر اسے اپنے منہ میں پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں جانوروں کے شکار سے واقف تھا۔ گو میرا پتھر کا ہتھیار میرے پاس نہیں تھا لیکن دوسرے خوفناک اور نوکیلے پتھر چاروں طرف بکھرے پڑے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک لمبا نوکیلا پتھر اٹھا لیا اور پھر میں تیزی سے اس سیاہ شے کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ میری طرف سے غافل بدستور اس خوبصورت مخلوق پر حملے کر رہی تھی۔ میں اس کی گردن کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر میں نے اس کی گردن پر پوری قوت سے وار کر دیا۔ سیاہ شے تلملائی اور میری طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کے سر کے حصے پر دو بڑی بڑی آنکھیں تھیں جو انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

اس نے لڑکی کی طرف سے توجہ ہٹا کر میری طرف مبذول کر دی لیکن میں اس کے لئے تر نوالہ نہیں تھا۔ میں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ خوفناک جانور تیزی سے اپنی گردن کو حرکت نہیں دے سکتا اور اسے اپنے پہاڑ جیسے جسم کو حرکت دینے کے لئے گردن سمیٹنی پڑتی تھی۔ اس کا جسم ناقابل تسخیر ضرور ہے لیکن اس کی گردن پر قابو پانا بڑی بات نہیں ہے چنانچہ میں پھرتی سے پینترے بدل بدل کر اس کی گردن پر وار کرنے لگا۔

میرے ہر وار پر سیاہ جانور تلملا جاتا تھا لیکن وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ دفعتاً مجھے کچھ خیال آیا اور اس بار میں نے اس کی آنکھ کا نشانہ لیا اور پھر میرے ہاتھ کا نوکیلا پتھر پوری قوت سے اس کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ پھچاک سے آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی اس جانور کا منہ کھل گیا۔ ایک تیز اور خوفناک دہاڑ سنائی دی اور جانور نے اپنی گردن اپنے جسم میں داخل کر لی پھر اس کا چٹان جیسا جسم پیچھے سرکنے لگا۔ وہ بہت تیزی سے پیچھے جا رہا تھا۔ میں نے کچھ اور پتھر اٹھا لئے اور اس کے جسم پر مارنے لگا۔ ان ضربات سے گھبرا کر وہ تیزی سے پیچھے ہٹا اور پھر پلٹ کر اس برق رفتاری سے بھاگا کہ میں حیران رہ گیا۔ میرا خیال باطل تھا کہ وہ تیز نہیں دوڑ سکتا اور اسی وقت سوراخوں سے شور ابل پڑا۔ چیختے چلاتے لوگ باہر نکل آئے اور اب وہ بھی میری طرح سیاہ جانور پر سنگباری کر رہے تھے۔ ان میں وہ بھی شامل تھی جو جانور کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔

یہاں تک کہ جانور پانی میں گھس گیا اور پھر وہ سمندر کی گہرائیوں میں بیٹھ گیا۔ پتھر مارنے والے رک گئے تھے۔ ایک لمحے کے لئے سکوت

رہا اور ایک بار پھر وہ شور مچانے لگے۔ ان کے منہ سے ایک آواز نکلی۔

"با نا کو۔ با نا کو۔" اور پھر سب با نا کو با نا کو چیختے ہوئے میرے گرد ناچنے لگے۔ بعد میں مجھے اس لفظ کے معنی معلوم ہوئے۔ وہ مجھے فاتح شکار کرنے والا کہہ رہے تھے۔

پھر چند ایسے لوگ جن کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے میرے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔ "کو بے۔ کو بے۔"

لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "کو بے۔؟" میں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تب وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آ تام۔ آ تام۔" پھر اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "کو بے۔ ا"

اور اس بار اس کی بات میری سمجھ میں آ گئی اور اس کے ساتھ ہی لاکا کا دیا ہوا نام یاد آ گیا۔

"تو سا۔" میں نے جواب دیا۔

"تو سا۔" وہ خوشی سے چیخا اور پھر اس نے دوسروں کی طرف رخ کر کے کہا۔ "تو سا۔!" اور وہ سب خوشی سے تو سا تو سا چیخنے لگے۔ انہوں نے میرے گرد حلقہ بنا لیا تھا اور وہ ناچ رہے تھے۔ ان میں لاکا جیسی عورتیں بھی شامل تھیں اور مرد بھی تھے۔ پھر وہ بھی آ گئی جو جانور کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔ وہ بالکل میرے قریب پہنچ گئی۔ اس کے ہاتھوں میں خوبصورت پتھروں کی ایک مالا تھی جو اس نے اظہار عقیدت کے طور پر میری گردن میں ڈال دی۔ اور ایک دم سب لوگ خاموش ہو گئے۔ وہ مجھ سے دور دور ہٹ گئے۔ صرف وہی لڑکی میرے پاس تھی۔ مالا ڈالنے کے بعد اس نے اپنے سر کے لمبے خوبصورت بالوں میں سے چند بال توڑے اور انہیں ایک گچھے کی شکل میں موڑنے لگی۔ پھر اس نے وہ بال میری مالا میں باندھ دیئے۔

اس طرح پروفیسر اس نے مجھے اپنا مالک تسلیم کر لیا تھا یا موجودہ زبان میں آپ اسے میری بیوی سمجھ سکتے ہیں۔۔!" وہ رک گیا اور پھر اس نے مسکراتے ہوئے فروزاں اور فرزانہ اور پھر پروفیسر کی طرف دیکھا۔ "شریف لڑکیوں۔ کیا تم میری داستان سے اکتاہٹ محسوس کر رہی ہو؟ لیکن ٹھہرو۔ میرا خیال ہے تم بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہو گے۔ آؤ چہل قدمی ہو جائے۔"

"تمہاری داستان ایک تاریخ ہے نوجوان۔ ہو سکتا ہے تم وقت کے بڑے محقق ہو اور یہ تاریخ اب دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ دور کی تفصیل بہت سے لوگوں نے لکھی ہے البتہ تمہاری داستان اس سے دلکش ہے کہ تم خود کو اس کا ایک کردار بنا کر پیش کر رہے ہو۔ اگر تم مجھے معاف کر دو نوجوان تو میں یہ کہوں گا کہ حقیقت میں تم ایک بے مثال داستان گو ہو اور تمہاری داستان گوئی انسانی اذہان کو بے شک اس ماحول میں لے جاتی ہے جس کی کہانی سنائی جا رہی ہو۔ حقیقت کیا ہے یہ تو تم ہی جان سکتے ہو۔" پروفیسر خاور نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں تم سے بے اعتباری کی شکایت نہیں کروں گا مدبر۔ ہاں وقت تمہیں میری سچائی کا ثبوت خود دے گا اور ایک دن تم اپنی زبان سے کہو گے کہ میرا ایک ایک لفظ درست ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ سب اس کمرے سے نکل آئے اور اس پراسرار عمارت کے ایک کھلے ہوئے حصے میں آ گئے۔ اس خوشنما حصے کو پروفیسر خاور پہلے دیکھ چکا تھا۔ اس وقت موسم کے لحاظ سے علاقہ اور حسین ہو گیا تھا۔ وہ سب سرسبز گھاس پر بیٹھ گئے۔ پروفیسر خاور نے کہا۔

''اس غار سے باہر۔ دوسری طرف بے پناہ حشرات الارض ہیں۔ کیا وہ رینگ کر یہاں نہیں آ سکتے۔؟''

''یہ پراسرار دنیا میری صدیوں کی تحقیق ہے۔ میں نے اسے مکمل کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ ہر بار جب میں یہاں آرام کرنے آتا ہوں تو ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کر لیتا ہوں۔ حشرات الارض یہاں نہیں پھٹک سکتے۔ ان کے لئے ایک حصار قائم کر دیا گیا ہے۔ اس حصار میں وہ داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔ زلزلے اس دنیا پر اثر انداز نہیں ہو سکتے کیونکہ اس صورت میں یہ پہاڑیاں نرم ربڑ کی ثابت ہوں گی۔''

''میں تمہیں دنیا کا سب سے زیادہ ذہین اور پراسرار سائنسدان کہہ سکتا ہوں۔'' پروفیسر نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ہم کہانی سننے کے لئے بے چین ہیں مسٹر۔'' فروزاں نے کہا اور وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

''اس کا نام بے نی تھا۔ دنیا بہت سمٹی ہوئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے انسانی گروہ قریب قریب رہتے تھے لیکن ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ وہ اپنی دنیا خود تک محدود سمجھتے تھے۔ ان میں سے کچھ ابھی دنیا اور اس کی ضرورتوں سے نابلد تھے۔ کچھ جو عقل کا استعمال سیکھتے جا رہے تھے اپنی ضروریات پوری کرنے میں غیر محسوس انداز میں کامیاب ہوتے جا رہے تھے۔ ارتقاء کا عمل جس تیزی سے اس دور میں طے ہوا اس کے بعد بہت سست پڑ گیا۔ ان لوگوں نے ایک ضابطہ حیات بنا لیا تھا وہ عورت اور شکار کے لئے لڑتے جھگڑتے نہیں تھے۔ وہاں سرداری نظام رائج تھا۔ جو سب سے عقلمند، سب سے طاقتور ہوتا اسے دوسروں سے افضل تسلیم کر لیا جاتا۔ اسی کے ایماء پر اجتماعی شکار ہوتا۔ سب میں تقسیم ہوتا، عورتیں باقاعدگی سے تقسیم ہو جاتیں اور ایک وقت میں ایک ہی شخص انہیں استعمال کر سکتا تھا اس میں عورت کی پسند بھی قبول کی جاتی۔ ویسے اس وقت پسند کا کوئی معیار نہیں تھا۔ کچھ رسومات بھی ایجاد ہو گئی تھیں جو میرے ساتھ بھی ادا کی گئیں۔ مجھے سمندر کے پانی سے غسل دیا گیا اور پھر میرے جسم پر جلنے والی چربی مل گئی جس سے میرا جسم چکنا اور چمکدار ہو گیا۔ یہ اس وقت کا سنگھار تھا۔ ان لوگوں نے چربی جلانے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا۔ اس طرح آگ کو محفوظ رکھا جا سکتا تھا جو گوشت بھوننے اور روشنی رکھنے میں معاون ثابت ہوتی۔ پتھر کے ٹکڑوں میں گڑھے کر کے ان میں چربی بھر دی جاتی اور پھر یہ چربی آہستہ آہستہ جلتی رہتی جس سے ان کے غاروں میں روشنی رہتی تھی۔

چربی مل کر میرے جسم پر رنگین مٹی سے نقش و نگار بنائے گئے اور پھر مجھے ایک چھوٹا سا غار عنایت کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ انہوں نے میری اس خدمت کے اعتراف میں کیا تھا جو میں نے سیاہ جانور کو اذیت دے کر بھگانے میں انجام دی تھی اور پھر بے نی کو میرے خلوت میں بھیج دیا گیا.....

چمکدار بے نی کے جسم کی لذت لاکا اور میری پہلی ساتھی لڑکی سے کہیں زیادہ تھی وہ پرجوش لڑکی مجھ سے بہت متاثر تھی کیونکہ میں نے اس کی زندگی بچائی تھی۔ میری راتیں پھر سے حسین ہو گئی تھیں، اب بے نی میری شریک حیات تھی، اور میں ذہنی طور پر بے حد مطمئن تھا! میں ان کے ساتھ شکار میں شریک ہوتا میں ان کی ذہانت دیکھتا اور پھر اس میں اختراع کرتا۔ اس طرح میں نے شکار کے چند نئے طریقے ایجاد کئے، جس سے شکار آسان ہو گیا۔ وہ سب بھی مجھ سے بے پناہ متاثر تھے۔ پھر ایک شام ہم سب ایک خوفناک لمبے سینگ والے گینڈے کا شکار کر رہے تھے۔ یہ طویل القامت گینڈا بہت خوفناک تھا اور اس بستی کا سردار پتھر کے ہتھیار لے کر اس کے سامنے ڈٹ گیا تھا، لیکن وہ گینڈے کو ہلاک کرنے میں ناکام رہا اور ایک بار

گینڈے کا داؤ چل گیا اس کا لمبا اور نوکدار سینگ سردار کے سینے میں اتر گیا اور سردار کا جسم اس کے سینگ میں پھنس گیا۔ گینڈا اس کے جسم سے جان چھڑانے کے لئے بھاگ رہا تھا اور ہم اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ لیکن سردار کا خون اچھل اچھل کر گینڈے کی آنکھوں کو دھندلا رہا تھا، چنانچہ ایک بار ٹھوکر کھا کر وہ گرا اور پھر سنبھل نہ سکا! ہم نے اسے شکار کر لیا۔ لیکن سردار مر چکا تھا اور میرے ذہن میں ایک خیال گردش کر رہا تھا۔ گینڈے کا یہ سینگ پتھر کے ہتھیار سے زیادہ مضبوط ہے۔

سردار کی لاش کو گینڈے کے سینگ سے نکال لیا گیا، لوگوں نے اسے حسب دستور ایک بڑے پتھر پر رکھ دیا اور شکار لے کر غاروں میں واپس آ گئے۔ اور دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے شکار لے آئے تھے چنانچہ شکار کا گوشت تقسیم ہوا، سب نے اسے آگ پر بھونا اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ابے نی۔ میرے ساتھ غار میں تھی۔ امیں اور وہ گوشت لے آئے تھے اور میں خاص طور سے گینڈے کا سینگ اٹھا لایا تھا، جسے میں ایک موثر ہتھیار بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ گوشت کھانے کے بعد میں بے نی سے پیار و محبت کی باتیں کرنے کے بجائے گینڈے کے سینگ کو صاف کرنے لگا، میں نے اس کی نوک دیکھی اور خیال کیا کہ جس طرح یہ نوک سردار کے سینے میں اتر گئی تھی، اسی طرح یہ میرے ہاتھوں سے کسی بھی جانور کے سینے میں اتر سکتی ہے۔ امیں نے گینڈے کے سینگ کے کنارے پر لگے ہوئے تمام گوشت کو دانتوں سے صاف کیا۔ اس سینگ میں میرا ہاتھ آسانی سے اندر تک چلا جاتا تھا۔ بے نی دلچسپی سے میرے اس ہتھیار کو دیکھ رہی تھی۔ اور جب میں اس ہتھیار سے مطمئن ہو گیا تو میں نے اسے ایک طرف رکھ دیا۔

دوسرے دن بستی کے بوڑھوں نے سردار کے انتخاب کا فیصلہ کیا۔ اس روز ایک خاص انداز سے شکار کھیلا گیا۔ یعنی لوگ ٹولیوں میں بٹ کر شکار کھیلنے نہیں گئے تھے بلکہ اجتماعی طور پر نکلے تھے اور پھر سب سے پہلا جو شکار سامنے آیا۔ وہ ایک طویل القامت بھینسا تھا جس کی ناک سے شعلے نکل رہے تھے۔ ایک قوی ہیکل آدمی کو اس کے شکار کے لئے بھیجا گیا اور وہ اپنا پتھر کا ہتھیار لے کر شکار کرنے گیا۔!

لیکن بھینسا اس سے زیادہ طاقتور اور چالاک تھا۔ اس نے اطمینان سے قوی ہیکل جوان کو ہلاک کر دیا۔ میں نے اپنا نیا ہتھیار اپنے ہاتھ پر چڑھا لیا تھا اور اسے استعمال کرنے کے لئے تیار تھا۔

بھینسا اپنے شکار کو ہلاک کر کے گروہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن ایسی خوفناک شکل میں بھی انہوں نے اسے اجتماعی طور پر ہلاک نہیں کیا بلکہ ایک آدمی کو اس کے مقابلے پر چھوڑ دیا گیا، لیکن وہ بے چارہ بھینسے کی ایک ٹکر کی بھی تاب نہ لا سکا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ گروہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا ہے کوئی بھی اس خونی بھینسے کے مقابل نہیں آ رہا تب میں نے اپنے نئے ہتھیار کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور گروہ کے فرار ہونے سے پہلے ہی بھینسے کی طرف لپکا۔

خونی بھینسا دو آدمیوں کو ہلاک کر کے اپنی طاقت کا اندازہ لگا چکا تھا، چنانچہ اس نے اپنے اس نئے مقابل، یعنی مجھے بھی سینگو پر رکھنے کی کوشش کی لیکن میں نے پھرتی سے اس کا داؤ خالی دیا اور اپنا مضبوط ہتھیار اس کی پسلیوں پر مارا۔ بھینسے کے لئے یہ ضرب غیر متوقع تھی۔ اس کے قدموں نے ٹھوکر کھائی۔ اور اسی دوران میں نے دوسرا وار اس کے سینے کے نرم حصے پر کیا جہاں پسلیاں نہ تھیں۔ میرے مضبوط ہاتھ کی قوت اور پھر نوکدار سینگ، بھینسے کے سینے سے خون کا فوارہ بلند ہو گیا۔ اور پھر میرے پے در پے واروں نے اسے ہلاک کر دیا۔ تب چاروں طرف سے "توسا۔ توسا" کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اور اس طرح میں اس بستی کا سردار بن گیا۔ اب میری سربراہی میں شکار ہوتا اور میں ان کے مسائل کا حل کرنے والا بن گیا۔!

اور پروفیسر زندگی گزرتی رہی...... ہم ترقی کرتے رہے۔ جانوروں کی ناکارہ ہڈیوں میں مضبوط ہڈیاں چھانٹ لی گئیں اور ان کے ٹیڑھے، سیدھے لمبے ہتھیار بننے لگے۔ اب پورے گروہ نے پتھروں کے ہتھیار چھوڑ کر ہڈیوں کے ہتھیاروں کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ بے نی بوڑھی ہوگئی۔ لیکن میں حیرت انگیز طور پر جوان تھا۔ میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پھر ایک دن بے نی بیمار ہوگئی۔ اسے بڑھاپے کی بیماری تھی اور وہ مرگئی...... اس کی لاش ایک پتھر پر رکھ دی گئی۔ اب میں تنہا رہ گیا تھا۔!

میرے سامنے پیدا ہونے والے بچے جوان ہوئے اور پھر بوڑھے ہوگئے لیکن میں وہی تھا۔ میں ان لوگوں سے منفرد تھا اور اب مجھے ایک وسیع تجربہ تھا میرا دل وہاں سے اکتا گیا...... ان لوگوں کے ساتھ زندگی ایک محور پر قائم ہوگئی تھی چنانچہ میں اس زندگی سے اکتا گیا تھا، پھر ایک شام میں نے اپنے مضبوط ہتھیار لئے اور ان سے جدا ہو گیا...... میں سمندر کے کنارے کنارے سفر کرنے لگا! مجھے کسی نئی دنیا کی تلاش تھی...... سورج ڈوبتے رہے، چاند ابھرتے رہے اور میں سفر کرتا رہا اور ایک صبح جب میں نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو میں ایک خوبصورت اور سرسبز وادی میں کھڑا تھا۔ چاروں طرف درخت جھوم رہے تھے...... اور ان درختوں پر عجیب سے گھونسلے بنے ہوئے تھے، ان گھونسلوں میں میرے جیسے بے شمار انسان موجود تھے۔!

میں اس نئی دنیا کو دیکھ کر بہت خوش تھا...... دور تک تاحد نگاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا...... روشنی نکلتے ہی درختوں پر موجود انسان نیچے اتر آئے انہوں نے مجھے دیکھا اور قہقہے لگانے لگے! میں بھی انہیں غور سے دیکھ رہا تھا، ان لوگوں نے درختوں کے چوڑے پتوں سے جسم کے وہ حصے ڈھکے ہوئے تھے جو پوشیدہ اعضاء میں شمار ہوتے ہیں...... یہ تہذیب سے قریب کے انسان تھے...... میں ان کے قہقہوں کے جواب میں قہقہے لگانے لگا! میں نے ان سے دوستی کی خواہش ظاہر کی اور انہوں نے مجھے دوست تسلیم کر لیا۔ مجھے ایک درخت پے لے جایا گیا۔ مجھے درخت پر چڑھنا نہ آتا تھا، چنانچہ چند انسانوں نے مجھے درخت پر چڑھایا اور میں ان کے مکان کو دیکھ کر حیران رہ گیا، انہوں نے اپنی ضروریات جس طرح پوری کی تھیں اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اور پہلی بار ان لوگوں کے ساتھ میں نے گوشت کے علاوہ اور کوئی چیز بھی کھائی۔ یہ پھل اور سبزیاں تھیں۔!

میں صرف گوشت کی لذت سے آشنا تھا۔ پہلے یہ سبزیاں مجھے پسند نہ آئیں۔ لیکن میں ان کی تہذیب کو اپنانا چاہتا تھا۔ یہ دنیا میرے لئے انوکھی تھی، چنانچہ میں نے انہی کے انداز میں سبزیاں استعمال کیں۔ انہی کی طرح میں نے اپنے جسم کو پتوں سے ڈھکا اور ان میں شامل ہو گیا۔ انہوں نے پورے خلوص سے مجھے قبول کر لیا...... وہ مجھ میں کافی دلچسپی لے رہے تھے۔ مجھے کوئی انوکھی مخلوق سمجھ رہے تھے۔ یہاں بھی سرداری نظام رائج تھا۔ ان کا سردار ایک نوجوان اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ اس کی درجنوں بیویاں تھیں اور ایک بہت بڑے درخت پر وہ ایک بہت بڑے مکان میں رہتا تھا۔ یہ لوگ زبان استعمال کرتے تھے اور انہوں نے اس میں کافی ترقی کر لی تھی، چنانچہ چند لوگوں نے مجھے اپنی زبان سکھانا شروع کر دی۔ میں جہاندیدہ انسان تھا اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا چنانچہ میں آسانی سے ان کی زبان سیکھنے لگا۔ وہ سب مجھ سے خوش تھے اور میں بھی ان سے پورا پورا تعاون کر رہا تھا۔ میں ایک طویل زندگی گزار چکا تھا اور اب زندگی کے بہت سے راز میری سمجھ میں آ گئے تھے۔ میری زندگی پر جو جمود طاری ہو گیا تھا وہ ان لوگوں میں آ جانے سے ٹوٹ گیا تھا۔!

وقت گزرتا گیا...... اب میں ان میں سے ایک تھا...... ان کے ساتھ رہتا...... ان کے ساتھ کام کرتا...... درختوں پر رہنے والے یہ نئے انسان ترقی کے خواہشمند تھے گو ان کے اذہان میں ترقی کا کوئی خاص تصور نہیں تھا...... لیکن انسانی ضروریات خود بخود راستے مہیا کر دیتی ہیں۔ پھر ایک شام جب میں سردار کے ساتھ بیٹھا پتھروں کا ایک دلچسپ کھیل کھیل رہا تھا، کہ قبیلے کا ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا۔ ''گو ہے لا۔ گو ہے لا۔ ا'' اس نے سردار کو بتایا اور سردار اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''بے کا۔ بے کا۔ ا'' اس نے پوچھا، جس کا مطلب تھا کہاں! اور آنے والے نے درختوں کے دوسری طرف اشارہ کیا۔ سردار نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چل پڑا...... میں بھی سردار کے ساتھ تھا۔

''گو ہے لا۔ ا'' سردار نے مجھ سے کہا۔ لیکن میں تو گو ہے لا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں چلتا رہا۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ درختوں کے دوسری طرف ہم نے چند لوگوں کو آتے دیکھا ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے بانس تھے، جن کے سروں پر انسانی کھوپڑیاں پرندوں کے پر اور ایسی ہی دوسری عجیب و غریب چیزیں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ سب ایک قطار میں اسی طرف آ رہے تھے۔ میں نے سردار کا چہرہ دیکھا، سردار شدید غصے میں تھا اور دانت پیس رہا تھا...... جوں جوں وہ قریب آتے گئے سردار کے غصے میں اضافہ ہوتا گیا...... یہ لوگ بھی پتے لپیٹے ہوئے تھے اور ان کے جسموں پر رنگین مٹی سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

''کیوں آئے ہو......؟'' سردار نے غصے سے لرزتے ہوئے کہا۔ ''تم نے اس طرف کا رخ کیوں کیا ہے۔؟'' اور آنے والوں میں سے سب سے آگے آنے والے نے چوڑے چوڑے سیاہ ٹکڑے سردار کی طرف بڑھا دیئے۔ یہ درختوں کی سیاہ چھال تھی، جس پر نشانات کھرچے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سردار کی زبان نہیں سمجھتے تھے اور سردار ان ٹکڑوں کی زبان نہیں جانتا تھا...... اس نے ان ٹکڑوں کو غور سے دیکھا...... اور وہ سب آنے والوں پر ٹوٹ پڑے۔! میں نے انسان کا انسان کو ہلاک کرنے کا تماشہ دوسری بار دیکھا۔ پہلی بار میں نے یہ تماشہ اس وقت دیکھا تھا جب لاکا نے جوش رقابت میں میری پہلی ساتھی کو قتل کر دیا تھا۔!

ذرا سی دیر میں ہڈیوں کے چوڑے ہتھیاروں سے آنے والوں میں سے ایک ایک کو ہلاک کر دیا گیا...... اور پھر ان کے سر پتھروں پر رکھ کر ہڈیوں کے ہتھیاروں سے ان کی گردنیں علیحدہ کر دی گئیں۔ اس کے بعد بانسوں سے ان کھوپڑیوں کو اتارا گیا جو وہ لوگ لائے تھے اور بانس کے نوکیلے سروں پر ان لوگوں کی کھوپڑیاں ٹانگ دی گئیں، اور پھر کچھ لوگ ان بانسوں کو لے کر چل پڑے۔ کھوپڑیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ سردار بانسوں والوں کو رہنمائی کر رہا تھا۔ کئی میل کا سفر ختم کر کے ہم اس علاقے میں پہنچ گئے جہاں درختوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا اور خشک چٹانی علاقہ شروع ہوتا تھا۔ سردار کے اشارے پر چٹانوں کے سوراخوں میں بانس گاڑ دیئے گئے۔ تب کہیں جا کر سردار کا غصہ اترا۔ اور پھر ہم سب واپس چل پڑے...... لیکن سردار کے چہرے سے کسی خاص جذبے کا اظہار ہو رہا تھا۔!

سیاہ چھال کے ٹکڑے اسی جگہ پڑے تھے جہاں سردار نے پھینکے تھے اور پروفیسر خاور، وہ سیاہ چھال اسی انداز کی تھی جس کی کتاب میں نے تمہیں دکھائی ہے۔ یہ کتاب میری تحریر کردہ ہے۔ اور ان لکیروں میں اس دور کی ایک ایک تفصیل موجود ہے۔ میں اس کتاب کا مصنف ہوں اور اس

میں وہ باب بہ آسانی تلاش کرسکتا ہوں۔جس میں، میں نے ان لوگوں کے طرز رہائش اور وہاں کے اہم واقعوں کی تفصیل لکھی ہے۔ گو اس تحریر میں ربط نہیں ہے منظر کشی نہیں ہے، لیکن بہر حال تم اسے دنیا کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک کہہ سکتے ہو......! راستے میں سردار نے ان ٹکڑوں کو اٹھا لیا۔ وہ لکیروں کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اس پر غور کرنا ضروری تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ میدانوں میں رہنے والے گوبے لا اس کے لئے کیا لائے تھے۔

بعد میں مجھے گوبے لا کی تفصیل معلوم ہوئی۔ گوبے لا ایک قبیلہ تھا جس کے تمام باشندوں کو یہ لوگ گوبے لا کہتے تھے۔ انسان میں رقابت اور دشمنی ابتدا ہی سے ہے، گوبے لا قبیلے کے لوگ درختوں پر رہنے والوں سے زیادہ ذہین تھے، ہوشیار تھے لیکن ان کی زندگی سخت کٹھن تھی۔ چٹانی علاقے میں انہیں شکار نہیں ملتا تھا، سبزیوں کا وجود نہیں تھا اور سب سے بڑی دقت یہ کہ انہیں پانی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ پانی حاصل کرنے کے لئے وہ مجبوراً اس علاقے میں آتے تھے لیکن اس علاقے کے لوگ ان سے نفرت کرتے تھے اور اکثر انفرادی جھڑپیں ہوتی تھیں جن میں گوبے لا والوں کو کافی جانی نقصان پہنچاتے تھے۔ اس طرح نفرت و رقابت کا یہ سلسلہ طویل ہوتا جا رہا تھا...... اب تک کوئی ابتدائی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ لیکن گوبے لا والے شاید اس کی تیاریوں میں مصروف تھے اور آنے والے ان کے قاصد تھے جو اس قبیلے کے لئے کوئی پیغام لائے تھے۔

چنانچہ سردار نے قبیلے کے ذہین لوگوں کو جمع کیا، اور پھر درختوں کی چھال کی آڑی ترچھی لکیروں پر غور کیا جانے لگا۔ یہ لکیریں کسی نوکدار چیز سے کھرچ کر بنائی گئی تھیں، بظاہر ان کا کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا تھا۔ لیکن وہ سب اپنے طور پر قیاس آرائی کرتے رہے، اور کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔!

لکیروں کا پیغام ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ چنانچہ جب کئی دن کے غور و خوض کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہوسکا تو سردار نے چھال کے ان ٹکڑوں کو پھینک دیا، اور مطمئن ہوگیا۔ زندگی حسب معمول گزرنے لگی! لیکن میں کچھ تردد میں مبتلا تھا۔ ابھی تک اس قبیلے کی کوئی لڑکی میری طرف ملتفت نہیں ہوئی تھی۔ میری ایک مہمان کی حیثیت کب کی ختم ہوچکی تھی۔ اب تو میں اسی قبیلے کا ایک فرد تھا، یہ درست تھا کہ میرے خدوخال ان لوگوں سے مختلف تھے لیکن باقی اور کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ سردار نے بھی یہ بات ضروری نہ سمجھی تھی۔ آپس میں یہ لوگ عشق و محبت کرتے تھے۔ مرد و زن ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن میں کسی نسوانی وجود سے محروم تھا اور یہ محرومی بعض اوقات میرے لئے غصے کا باعث بن جاتی تھی۔ میں سوچتا کہ یا تو زبردستی کسی لڑکی کو اپنالوں۔ یا پھر یہ قبیلہ چھوڑ دوں۔ لمبے قد کی ان بھدے خدوخال والی لڑکیوں نے نہ جانے کیوں مجھے نظرانداز کر دیا تھا۔ لیکن اس سے قبل کہ میں اپنے دونوں ارادوں میں سے کسی کو عملی جامہ پہناتا، اچانک ایک شام، حالات بدل گئے۔!

سردار اور اس کے ساتھی گوبے لا کی طرف سے غافل نہیں رہتے تھے۔ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور کچھ لوگ ہمیشہ نگرانی کرتے رہتے تھے۔ شام کو سردار اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھا تھا کہ نگراں دوڑتے ہوئے آئے اور سردار کے سامنے جھک گئے۔

"کیا بات ہے۔؟" سردار غصے سے بولا۔

"گوبے لا۔ گوبے لا۔!"

"پھر آئے ہیں وہ؟" سردار غصے سے بولا۔

"ابری ہائے ہوبا۔ ہوبا۔" آنے والوں نے بتایا اور سردار اچھل پڑا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس بار وہ جنگ کرنے آئے ہیں اور ان کے

ساتھ پورا لشکر ہے..... سردار اچھل کھڑا ہو گیا اور پھر سخت افراتفری کے عالم میں اس نے اپنے قبیلے کے جنگجوؤں کو اکٹھا کیا۔ پتھر اور ہڈیوں کے ہتھیار اکٹھے کیے گئے اور مرد عورتیں اور بچے..... سب ہی ان ہتھیاروں کو لے کر جنگ کرنے چل پڑے۔ میرے پاس بھی پتھر کا ایک بڑا ہتھیار تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سردار بپھرے ہوئے لشکر کے ساتھ سرحد پر پہنچ گیا جو درختوں کے اختتام پر تھی۔

سامنے ہی بے شمار گومبے لا نظر آ رہے تھے۔ دراز قامت اور سخت جسم۔ میدانوں میں رہنے سے ان کے جسموں پر براہ راست دھوپ پڑتی تھی اور ان کے جسم تانبے کی رنگت اختیار کر گئے تھے۔ لیکن ان کے خد و خال درختوں میں رہنے والوں سے حسین تھے اور جسم بھی سخت مشقت کی وجہ سے مضبوط تھے جبکہ درختوں میں رہنے والے آسائشوں کی وجہ سے موٹے اور بھدے لیکن سفید تھے۔ گومبے لا حسب معمول کھوپڑیوں اور پرندوں کے پروں کے علم اٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے ہتھیار ہلکے اور ہموار ہیں۔ وہ زیادہ سبک روی سے کام کر سکتے ہیں۔ پھر ان کے لڑاکوں میں صرف مرد تھے۔ جوان اور بوڑھے، مرد ہی مرد، جن کی تعداد کافی تھی۔ دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔ ا

پھر گومبے لا کی طرف سے لکڑی کے ڈھول پیٹے جانے لگے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی زبان میں چیخنے چلانے لگے۔ اور اس کے بعد طوفان کی طرح آگے بڑھے۔ میں صورت حال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ گومبے لا یقیناً اس قبیلے پر بھاری پڑیں گے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور وہ طاقتور بھی ہیں لیکن مجھے بہر حال ان لوگوں کا ساتھ دینا تھا، کیونکہ میں ان میں رہ رہا تھا اور وہی ہوا..... دونوں لشکر آپس میں گتھ گئے۔ اور گومبے لا کے خطرناک ہتھیار کھوپڑیوں کے ٹکڑے کرنے لگے۔ انہوں نے اس قبیلے کی صفیں الٹ دیں۔ ان کے ایک ایک جوان نے اس قبیلے کے دس دس افراد کو ہلاک کیا..... وحشت اور بربریت میں وہ بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، انہوں نے مرد اور عورت کی تحقیق کے بغیر ہر ہتھیار بند ہلاک کر دیا۔ میں بھی جنگ کر رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں پتھر کا ایک وزنی ہتھیار تھا۔ اور اب تک اس ہتھیار سے میں چھ گومبے لا ہلاک کر چکا تھا۔ ا دفعتاً دو قوی ہیکل گومبے لا میری طرف بڑھے، ان کے جسم چٹانوں کی طرح مضبوط تھے، اور ان کے ہاتھوں میں مضبوط ہڈیوں کے ہتھیار تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ میرے اوپر حملہ کیا اور میں نے پینترہ بدل کر ان کے وار خالی دیئے۔ پھر میرا پتھر کا ہتھیار گھوما اور ان میں سے ایک کی کمر درمیان سے ٹوٹ گئی۔ دوسرا پیچھے ہٹ گیا تھا، اس نے سنبھل کر مجھ پر حملہ کیا، لیکن میں نے پھر اس کا حملہ اپنے ہتھیار پر روکا اور ہڈی کا ہتھیار درمیان سے ٹوٹ گیا۔ قریب تھا کہ میں اپنے ہتھیار سے اس گومبے لا کا بھی صفایا کر دوں..... کہ اچانک بہت سے گومبے لا اس شخص کے گرد کھڑے ہو گئے۔ وہ اس کے لئے اپنی زندگی قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ان میں کوئی ممتاز شخصیت تھی۔

میں اپنے ہتھیار کو گردش دے رہا تھا، پھر گومبے لا کا ایک اور گروہ وہاں آ گیا اور مجھ سے جنگ کرنے لگا! مجھے اب زیادہ محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ ان کے ہتھیار میرے جسم پر پڑ کر اچٹ جاتے تھے اور میرا ہر وار کاری ہوتا تھا۔ نہ جانے کیوں ان کے ہتھیار میرے اوپر کارگر نہیں ہو رہے تھے اور اس صورت حال نے انہیں خوفزدہ کر دیا۔ اب وہ میرے سامنے آنے سے کترانے لگے۔ دوسرے گومبے لا اپنے سردار کو گھیرے کھڑے تھے، پھر میرے مقابل پسپا ہونے لگے۔ وہ دوسروں سے جنگ کرنے لگے۔ میرے مقابل کوئی نہ تھا..... سردار بالکل تنہا کھڑا تھا..... میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں وہ بھی مسکرانے لگا! اس نے مسکرا کر کچھ کہا، سامنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ میں نے قبیلے والوں کو دیکھا اور حیران رہ گیا۔

تقریباً سب ہی کام آچکے تھے اور جو باقی بچے تھے وہ فرار ہو رہے تھے۔ انہیں شکست ہو رہی تھی۔!

یہ سب کچھ میری توقع کے مطابق تھا، میں انہیں دیکھتا رہا اور پھر میں نے اپنا ہتھیار پھینک دیا۔ میرے ہتھیار پھینکتے ہی اس شخص کے گرد کھڑے گوہے لا میری طرف لپکے، وہ اپنے ہتھیاروں سے مجھے قتل کر دینا چاہتے تھے، لیکن اسی وقت وہ شخص چیخا۔ اس نے زور زور سے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ سب رک گئے اور پھر واپس پلٹ گئے، تب وہ شخص آگے بڑھا، اس نے میرا ہتھیار اٹھایا۔ میرے ہاتھ میں دیا اور پھر میرا بازو پکڑ کر اپنے بازو پر رکھ لیا۔ آ یہ اظہار دوستی تھا۔ اس کے چہرے سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ مجھ سے دوستی چاہتا ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ میں بھی مسکرا دیا۔ پھر اس نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

جا بجا مقامی لوگوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمی پڑے ہوئے تھے اور گوہے لا انہیں چن چن کر ہلاک کر رہے تھے۔ مجھے اب اس منظر سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ شکست خوردہ لوگ میرے نہیں تھے میں تو ان کے درمیان ایک اجنبی کی سی زندگی گزار رہا تھا۔ مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد گوہے لا ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ ان کے بھی بے شمار ساتھی مارے گئے تھے۔

اور پھر میرے ساتھی نے جسے وہ لوگ ''آکے'' کہہ کر پکار رہے تھے اپنی زبان میں چیخ کر کچھ کہا اور تمام گروہ لاشیں اٹھانے پر پل پڑا۔ وہ لاش کو کندھوں پر رکھ کر کہیں دور لے جا رہے تھے۔ میرا قوی ہیکل ساتھی ایک اونچی جگہ کھڑا یہ کام دیکھ رہا تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ میں اس کی زبان نہیں جانتا۔ اس لئے وہ کبھی کبھی اشاروں میں مجھ سے گفتگو کر رہا تھا اور میں اگر اس کے اشارے سمجھ لیتا تو اسی طرح اسے جواب دیتا۔ مگر اس نے میرے ناک چہرے اور آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اشارہ کیا۔ کہ میرے خدوخال اس قبیلے والوں سے مختلف ہیں۔ کیا میں ان میں سے نہیں ہوں۔؟ پھر جب میں دو تین دفعہ کے بعد اس کی بات سمجھ گیا تو میں نے گردن ہلا دی۔ میں نے کہا ..... کہ میں دور سے آیا ہوں ..... بہت دور سے جہاں زمین ملتی ہے ..... اس نے سمجھ جانے والے انداز میں گردن ہلائی تھی۔

پورا علاقہ لاشوں سے صاف کر کے وہ چل پڑے۔ ان کا پورا لشکر میدانوں کی طرف واپس جا رہا تھا۔ میں بھی آکے کے ساتھ تھا۔ وہ مجھ سے بڑی مہربانی سے پیش آ رہا تھا ..... میں نے بھی اس کی دوستی قبول کر لی دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھے۔ بہرحال یہ فاتح تھے اور مجھے تو کسی کے ساتھ زندگی گزارنی تھی۔ طویل سفر کے بعد ہم ان میدانوں میں پہنچ گئے جہاں گوہے لا آباد تھے۔ میں ان کی طرز رہائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ان لوگوں نے میدانوں میں مکان بنائے تھے۔ چٹانی پتھروں کو چن چن کر انہوں نے دیواریں کھڑی کی تھی اور ان پر لکڑی اور گھاس کی چھت ڈالی تھی۔ گویا ذہنی طور پر وہ بے حد آگے تھے اور انہوں نے مکانوں کی ابتداء کر لی تھی۔

میں نے ان مکانوں کو حیرت سے دیکھا۔ ویسے مجھے یہ مکان بہت پسند آئے تھے۔ خاص طور سے ان پر لکڑی اور گھاس کا استعمال۔ یہ لکڑی انہوں نے نہ جانے کہاں سے حاصل کی تھی۔ شاید درختوں کے اس علاقے سے چوری چھپے ..... لیکن اب یہ پورا علاقہ انہی کا تھا ..... اور اب ان کے لئے ترقی کے راستے کھل گئے تھے۔!

مکانوں کی اس بستی سے دور۔ عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کے ایک زبردست ہجوم نے اپنے فاتح جوانوں کا استقبال کیا۔ وہ سب رنگین پر

ہلا رہے تھے۔خوشی سے چیخ رہے تھے،ان کی عورتیں بھی انہیں کی طرح دارز قامت اور حسین خدوخال کی مالک تھیں،انہوں نے بھی اپنے جسم مختصر پروں سے ڈھکے ہوئے تھے اور رنگ برنگے پروں میں چھپی ہوئی تانبے کی رنگت والی اور سنہرے بالوں والی یہ لڑکیاں مجھے بہت پسند آئیں۔ان کے لمبے جسم بے حد سڈول تھے ان کی کمر چیتے کی کمر کی طرح پتلی اور نچلا حصہ سبک تھا۔!

استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے ایک طویل القامت بوڑھا کھڑا تھا،جس کے سینے پر لمبی داڑھی لہرا رہی تھی،سر پر پروں کی ٹوپی تھی اور جسم پر پتھروں سے تراشے ہوئے ٹکڑوں کے بے شمار ہار پڑے ہوئے تھے جن سے اس کا پورا جسم چھپا ہوا تھا۔اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور روشن تھیں اور چہرہ بے حد پر جلال۔!دوسرے تمام لوگ اس کے پیچھے کھڑے تھے۔اب تک میں اس نوجوان کو سردار سمجھ رہا تھا لیکن میں نے اسے بھی بوڑھے کے سامنے اس کے قدموں میں جھکتے ہوئے دیکھا۔گویا یہ بوڑھا گوبے لا کے لئے کوئی خاص حیثیت رکھتا تھا۔فاتح گوبے لا پوری رات خوشیاں مناتے رہے۔میرا دوست مجھے اپنے ساتھ اپنے مکان میں لایا چنے ہوئے پتھروں کا یہ مکان اندر سے بہت خوبصورت تھا،نرم گھاس بچھا کر سونے کا بندوبست کیا گیا تھا۔جانوروں کے خشک سروں سے اسے سجایا گیا تھا اور جگہ جگہ پتھروں میں رنگین پر اڑے ہوئے تھے،ہڈیوں کے نازک ہتھیار سجے ہوئے تھے۔وہ میری زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے بے چین تھا۔لیکن مجبوری۔ہم اشاروں میں بات چیت کررہے تھے۔!

پھر خاصی رات گئے وہ میرے لئے بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے لایا اور ایک پتھر کے پیالے میں پانی۔اس نے بھی میرے ساتھ کھانا کھایا اور پھر جشن دکھانے لے گیا۔جو بے معنی اچھل کود پر مبنی تھا۔چربی کی مشعلیں روشن تھیں اور ان کی دھندلی روشنی میں لڑکیاں اور نوجوان اچھل رہے تھے۔وہ فتح کے نشے سے سرشار تھے۔مفتوحہ علاقے کو فی الحال یونہی چھوڑ دیا گیا تھا۔!

مجھے وہاں کا ماحول بہت پسند آیا۔دوسری صبح میں نے پوری بستی کی سیر کی۔یہ لوگ بڑی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ایک مخصوص نظام کے تحت کام کررہے تھے۔کوئی ذہین دماغ ان کی رہنمائی کررہا تھا۔دوپہر گزر گئی اور پھر شام کو میرا دوست واپس آیا۔اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔جسے میں سمجھ نہ سکا لیکن پھر جب اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اٹھایا تو میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے کہیں لے جانا چاہتا ہے،چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑا تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک قدرے پرے ہٹ کر بنے ہوئے مکان کے نزدیک پہنچ گئے۔یہ مکان بستی کے تمام مکانوں سے بڑا اور اندر سے خوب سجا ہوا تھا۔یہاں گھاس کے ڈھیر پر مجھے وہی بوڑھا بیٹھا نظر آیا۔

نوجوان اس کے سامنے جھکا۔اور میں اس کی دیکھا دیکھی بوڑھے کے سامنے جھک گیا۔اس بات سے بوڑھا بہت خوش ہوا اور اس کے پر اسرار ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے ایک ہاتھ اٹھایا اور مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔میں اس کے سامنے بیٹھ گیا اور بوڑھا نوجوان سے کچھ گفتگو کرتا رہا۔!

نوجوان میرے سامنے جھکا اور پھر مکان کے دروازے سے باہر نکل گیا۔بوڑھا غور سے مجھے دیکھ رہا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی نگاہیں میرا ذہن ٹٹول رہی ہوں۔پھر اس نے گردن ہلائی اور اٹھ کر پتھروں سے چنی ہوئی دیوار کے نزدیک پہنچ گیا۔اس نے دیوار کی ایک درز سے خشک پتیاں نکالیں۔سوکھی ہوئی پتیاں نکوئی تھیں۔ان کا آدھا حصہ سبز تھا اور باقی سوکھ کر پیلا ہو گیا تھا۔بوڑھے نے وہ پتیاں دونوں ہتھیلیوں میں

مسلیں اور میری طرف بڑھادیں۔ میں کچھ نہ سمجھ سکا تو اس نے اپنا منہ کھولا۔ اور تھوڑی سی مسلی ہوئی پتیاں پھانک لیں، باقی میری طرف بڑھادیں۔
اب میں اس کا مطلب سمجھ گیا اور میں نے بھی وہی عمل کیا جو اس نے کیا تھا، میں نے وہ بدذائقہ پتیاں پھانکیں اور انہیں چبانے لگا نہ جانے وہ ایسا کیوں کرنا چاہتا تھا۔!

لیکن ان بدذائقہ پتیوں کا رد عمل حیرت انگیز تھا، مجھے اپنے جسم میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی اور پھر جیسے میرے ذہن کے بہت سے دروازے کھل گئے۔ ان دروازوں سے ہوا کی سائیں سائیں سنائی دے رہی تھی اور اسی بوڑھے کی آواز ابھری۔

''مجھے یقین ہے کہ تم میری بات سمجھ رہے ہوگے۔!''

میں اچھل پڑا۔ نہ جانے اچانک میں بوڑھے کی زبان سے کیسے واقف ہوگیا تھا، شاید تمہیں یقین آجائے پروفیسر..... کہ وہ سیال جو میں نے تمہیں اور ان لڑکیوں کو پلایا ہے، انہیں پتیوں کی ایک جدید شکل ہے۔ اس کے نتیجے میں تم میرا مافی الضمیر اپنی زبان میں بخوبی سمجھ رہے ہو۔ درحقیقت اس سلسلے میں ارساس نے میری مدد کی تھی اور میں اس کی دریافت سے..... فائدہ اٹھا رہا ہوں۔''

''بہرحال۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلادی تو بوڑھے نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا پھر اس نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میرا نام ارساس ہے اور تمہارا؟''

''توسا۔'' میں نے جواب دیا۔ لاکا مجھے اسی نام سے پکارتی تھی، تمہارے حساب سے پروفیسر اسے مرے ہوئے تین سو سال ہوگئے تھے۔''

''تین سو سال۔'' فرزانہ حیرت سے اچھل پڑی۔

''ہاں خوبصورت لڑکی۔ پورے تین سو سال اور اس کا حساب میں نے بعد میں کیا۔'' اس نے فرزانہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ہوا۔؟'' فروزاں بول پڑی۔ وہ اس کہانی کے طلسم کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور اس میں کوئی مداخلت سخت ناگوار گزرتی تھی۔

''مجھے اپنے بارے میں بتاؤ نوجوان۔ تم کون ہو۔؟ آکے نے بتایا تھا کہ تم بہت بڑے لڑاکے ہو اور تمہارے ہاتھ میں موجود ہتھیار کی ضرب لاجواب ہے۔ کیا تمہارا تعلق درختوں میں رہنے والوں سے ہے۔؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''نہیں۔!'' میں نے جواب دیا۔

''آکے کا بھی یہی خیال ہے اور اسی خیال کے تحت اس نے تمہاری زندگی کی حفاظت کی تھی۔ میں تمہارے چہرے پر کچھ خصوصیات دیکھ رہا ہوں اور تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے۔؟'' میں نے اظہار آمادگی کردیا تو وہ خوش ہوگیا اور پھر اس نے میرے بارے میں پوچھا۔ اور میں نے الجھے ہوئے انداز میں اسے اپنے بارے میں بتایا جسے سن کر وہ ششدر رہ گیا۔ اور مجھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میرا علم تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ اور کوئی بات میرے علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں دیکھوں گا۔ میں پرکھوں گا کہ تم کیا ہو۔؟''

اور بوڑھے ارساس نے مجھے اپنی زندگی کا مقصد بتادیا۔ وہ ہر لمحہ مجھے اپنے ساتھ رکھتا۔ میں آج تک حیران ہوں پروفیسر خاور۔ اس وقت جبکہ تہذیب،

نوزائیدہ تھی اس بوڑھے نے وہ علوم کہاں سے حاصل کر لئے تھے، جو صدیوں کے بعد عام ہوئے، وہ جادوگر تھا، وہ سائنسدان تھا۔ یقیناً اس کی معلومات نے دنیا کو بہت کچھ دیا۔ اس نے مجھے بھی بہت کچھ سکھایا جو شاید میں صدیوں کے بعد سیکھتا بوڑھے نے مجھے تحریر کا فن سکھایا اور یہ فن مجھے بہت دلکش معلوم ہوا۔ میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی، اب میں ہر خیال کو لکیروں میں ڈھالنے کا ماہر ہو گیا تھا۔ اس نے میری سوچ کو وسعت دی۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کا بہترین جانشین ثابت ہوں گا۔ اس کے دل میں انسانیت کا درد تھا۔ وہ اس جاندار کو ترقی دینا چاہتا تھا۔ اس طرح دنیا کے ابتدائی دور میں ہی انسان کے ذہن میں ترقی کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔!

اور میں اس کے ہر کام میں اس کا معاون تھا۔ نہ جانے کتنا عرصہ مجھے وہاں رہتے گزر گیا۔ آگے بوڑھے کا بیٹا تھا۔ میدانوں کی تقریباً آدھی آبادی جنگلوں میں منتقل ہو گئی، باقی لوگوں نے بستی میں رہنا پسند کیا تھا۔ وہ ضروریات کی چیزیں جنگلات سے حاصل کرتے اور بستی نکھرتی جا رہی تھی۔ بوڑھے کو یہ میدان ہی پسند تھے۔ اور ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ ان میدانوں میں بہت کچھ پوشیدہ ہے۔ اس نے مجھے پوری طرح پرکھا اور ایک ثابت قدم دلیر اور ذہین انسان پا کر بالآخر اس نے مجھے اپنی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے راز بتائے۔!

ایک شام جب میں اپنے نئے مکان میں بیٹھا تھا کہ مکان کے دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا۔ میں چونک پڑا۔ اور میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ایک طویل عرصہ میں بستی میں گزار چکا تھا۔ بستی کے تقریباً تمام باشندوں سے واقف تھا۔ تمام عورتیں اور مرد میری نگاہ میں تھے، لیکن وہ پہلی بار میرے سامنے آئی تھی۔ دراز قامت، سنہرے بالوں والی اس خوبصورت حسینہ کو دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا۔!

مجھے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹھکی، ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھی اور اٹکتے ہوئے الفاظ بولی۔ ”کیا تم تو سا ہو۔؟“

”ہاں۔!“ میں نے کہا۔ ”اور تم۔؟“

”میں سامی ہوں۔ ارساس کی بیٹی۔ آکے کی بہن۔“ اس نے کہا اور میں نے غور کیا۔ اس کے خدوخال آگے سے ملتے جلتے تھے، لیکن ان میں نسوانیت تھی، اس کا جسم سنگِ مرمر سے تراشا ہوا معلوم ہوتا تھا، چکنا اور سڈول۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔!

”مگر تم پہلے یہاں نہ تھیں۔؟“ میں نے کہا۔

”تھی۔ لیکن یہاں سے دور۔ میں نے ارساس سے تمہارے بارے میں سنا تھا لیکن، میں غاروں میں رہتی ہوں اور ایک طویل عرصے کے بعد وہاں سے آئی ہوں۔!“ میں نے خوشی سے گردن ہلائی۔ ”تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے ارساس تمہیں بلاتا ہے۔“ اس نے کہا اور میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے اس کی آمد پر حیرت بھی تھی اور خوشی بھی۔ ایک طویل عرصے سے میں عورت سے جدا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اسے بازوؤں میں دبوچ لوں، پیار کروں، اور وہی پرانا کھیل کھیلوں جو میں نے لاکا۔ اپنی ساتھی سے کھیلا تھا۔ لیکن یہ لڑکی ان دونوں سے مختلف تھی، بدل میں بھی گیا تھا۔ پہلے میں اپنی کسی ضرورت کے بارے میں سوچتا نہیں تھا، پوری کر لیتا تھا، لیکن اب کیفیت بدل گئی تھی۔ سوچ انداز بدل گیا تھا اب ایک جھجک تھی۔ اس وقت تک جب تک مقابل خود سپردگی کا اظہار نہ کرے۔ اور میں نے ایسا کوئی اظہار نہ پایا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں پسندیدگی کے جذبات تھے، لیکن ان میں خود سپردگی نہیں تھی، چنانچہ میں وہ نہ کر سکا جو چاہتا تھا۔ انسان کے دل میں تہذیب نے جنم لے لیا تھا۔ اقدار متعین ہو گئے تھے۔ میں اٹھا

اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا اس کی چال بہت دلکش تھی۔ سبک اور تیز رو۔ اس کے قدم زمین کو صرف چھو رہے تھے۔ قدم جمنے سے پہلے ہی وہ آگے بڑھ جاتی۔ انوکھی تھی یہ لڑکی۔

اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کے لئے مجھے اس کے ساتھ تقریباً بھاگنا پڑ رہا تھا۔ راستے میں اس نے کوئی بات نہ کی۔ میں بھی صرف اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ پہاڑوں میں کیوں رہتی ہے۔ اتنے طویل عرصے سے وہاں کیا کر رہی تھی۔؟ ہم لوگ اس سمت کا راستہ طے کر رہے تھے۔ جس طرف میں کبھی نہیں گیا تھا حالانکہ مجھے یہاں رہتے ہوئے بھی کافی دن گزر چکے تھے لیکن یہ سمت میرے لئے اجنبی تھی اور آج میں اسی اجنبی سمت جا رہا تھا جہاں اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور پھر ہم چٹانوں میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑی چٹان کے پیچھے پہنچ کر وہ رکی۔ سامنے ہی ایک غار کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''آ جاؤ'' اس نے کہا اور خود غار میں داخل ہو گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے غار میں داخل ہو گیا۔ ایک لمبی سرنگ تھی جس کے دونوں طرف دیواروں کے سوراخوں میں چربی جل رہی تھی۔ چربی کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اور روشنی ہو رہی تھی۔ اس روشنی میں ہم آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ سرنگ کا دوسرا دہانہ آ گیا اور میں سامی کے ساتھ اس دہانے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا غار تھا۔ دیواروں میں کافی بلندی پر چربی جل رہی تھی جس سے پورے غار میں روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس میلی روشنی میں مجھے غار میں بے شمار چیزیں بکھری نظر آئیں۔ جانوروں کی ہڈیوں کے ٹیڑھے میڑھے برتن، سینگ، جانوروں کے سر، پرندوں کے پر، ان کے سوکھے ہوئے جسم، گھاس کے ڈھیر، غرض تمام چیزیں انوکھی تھیں لیکن ان انوکھی چیزوں نے غار کی فضا کو بے حد پراسرار بنا دیا تھا۔

اس غار کے ایک کونے میں بوڑھا ارساس نظر آیا۔ وہ گھاس کے ایک ڈھیر پر دراز تھا۔ سامی اس کے سامنے جھکی اور میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ میں حیرانی سے غار کو دیکھ رہا تھا۔

''یہ میری خفیہ تجربہ گاہ ہے۔'' اس بوڑھے نے کہا اور میں چونک پڑا۔ ''یہاں رہ کر میں اپنے قبیلے کی بہتری کے لئے سوچتا ہوں۔ یہاں میں اپنے قبیلے کو مضبوط بنانے کی کوششوں میں مصروف ہوں اور میری بیٹی سامی میری معاون ہے۔ ہاں۔ سامی کو تم نہیں جانتے تو سا۔ میں اسے پورے قبیلے کی سب سے ذہین لڑکی سمجھتا ہوں۔ میرے کاموں میں میری سب سے بڑی معاون ہے لیکن یہ تنہا کچھ نہیں کر سکتی۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس میں، میں سامی کو پوری مدد نہیں دے سکتا کیونکہ میرے اوپر قبیلے کی دوسری ذمہ داریاں بھی ہیں لیکن...... اب میں سامی کے کندھوں کا کچھ وزن تمہارے اوپر بھی رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ تم اس کے لئے موزوں ہو۔!''

میں خاموشی سے بوڑھے کی بات سن رہا تھا۔ ''سنو میرے بچے! میرا علم بتاتا ہے کہ دنیا اتنی مختصر نہیں ہے جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ تم اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاؤ تو تمہاری عمر ختم ہو جائے گی اور اس پوری دنیا میں قبیلے آباد ہیں۔ سب جگہ لوگ رہتے ہیں اور آسائشوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ سنو...... میرا علم بتاتا ہے کہ انسان پیدا ہوتے رہیں گے، ختم ہوتے رہیں، یہ سلسلہ بہت طویل ہے۔ اتنا طویل جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے اور سنو جس قبیلے پر جمود طاری ہوا، جس نے کچھ کرنا چاہا وہ اسی طرح تباہ ہو جائے گا جس طرح درختوں والے۔

چنانچہ اپنے اپنے قبیلے کو زندہ رکھنے کے لئے محنت کرنا ہوگی۔ اپنے علم سے کام لے کر ان کی بقا کے لئے کام کرنا ہوگا۔ ان کے لئے وہ سب کچھ مہیا کرنا ہوگا جس کی انہیں ضرورت ہوگی۔ میں ان کا سردار ہوں۔ میں ان کا باپ ہوں مگر میں تنہا ان کیلئے سب کچھ نہیں کر سکتا۔ سامی تنہا سب کچھ نہیں کر سکتی۔ مجھے ایسے انسانوں کی ضرورت ہے جو میرا کام مکمل کر سکیں اور ان میں سامی کے بعد دوسرا انسان تم ہو۔ میں تمہیں اپنا علم سکھانا چاہتا ہوں۔ تم سامی کے ساتھ مل کر کام کرو گے اور پھر جب میں ختم ہو جاؤں گا تو تم میری طرح کا کام کرتے رہو گے۔ تم دوسرے اپنے جیسے لوگوں کا انتخاب کرو گے اور یہ تمہارا فرض ہوگا۔ مجھے بتاؤ۔ کیا تم یہ کرو گے۔؟''

بوڑھے کی باتیں میرے لئے عجیب تھیں۔ مجھے وہ پاگل معلوم ہو رہا تھا۔ نہ جانے وہ کیسی باتیں کر رہا تھا لیکن میں تیار ہو گیا کیونکہ اس نے کہا تھا کہ مجھے سامی کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوگا اور سامی مجھے پسند تھی۔ چنانچہ میں نے بوڑھے سے اقرار کر لیا۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں اس کے کہنے کے مطابق کام کروں گا اور بوڑھے نے اس پراسرار غار میں ایک علاقہ میری رہائش کے لئے ٹھیک کر دیا۔ میری رہائش گاہ سامی کی رہائش گاہ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ بوڑھے نے دو تین روز تک مجھے تحریر کے بارے میں بتایا۔ میرے کئی امتحان لئے اور پھر ایک شام وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔

''تم۔'' اس نے راستے میں کہا۔ ''تم بہت حیرت انگیز ہو۔ تم نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اگر وہ ٹھیک ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا میں تمہیں کیا سمجھوں۔ اس طرح تو تمہاری عمر مجھ سے کہیں زیادہ ہے لیکن تم ہمیشہ یونہی رہو گے۔ سنو۔ کیا تمہیں اپنا بچپن یاد ہے۔''

''بچپن۔!'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''یہ کیا ہوتا ہے؟''

''میرا مطلب ہے تم کبھی چھوٹے تھے۔ ایسے جیسے قبیلے کی عورتوں کی چھاتیوں سے چمٹے ہوئے بچے ہوتے ہیں۔''

''نہیں۔ میں نے جب پہلی بار خود کو دیکھا تو میں ایسا ہی تھا جیسا اب ہوں۔''

''کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ تمہارے معاملے میں میرا علم ساتھ نہیں دیتا۔ نہ جانے تم کیا ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دے سکو گے۔ سنو۔ دوسرے قبیلے بھی اسی طرح ہم سے واقف ہوں گے جس طرح ہم انہیں جانتے ہیں۔ ان قبیلوں میں بھی میرے جیسے انسان ضرور ہوں گے جو اپنے قبیلے کو مضبوط بنانے کی کوشش کر رہے ہوں گے تاکہ ان کے درختوں، سبزوں اور ان کی زمینوں پر قبضہ کر سکیں لیکن۔ میرا خیال ہے ابھی وہ اس چیز سے واقف نہ ہوئے ہونگے جس سے میں واقف ہو گیا ہوں۔''

''وہ کیا چیز ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''وہی میں آج تمہیں دکھانے لے جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اب میں اس چیز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آخر وہ کیا چیز ہے۔ بوڑھے نے دور کی پہاڑیوں کا طویل سفر کیا اور پھر وہ ایک اور پہاڑی کے غار کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن یہ جہنم کے غار تھے۔ ان غاروں میں آگ روشن تھی۔ خوفناک آگ......اور یہ غار زمین کی گہرائیوں میں نہ جانے کہاں تک تھے۔ ان غاروں سے شعلے ابل رہے تھے۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا لیکن مجھ سے زیادہ بوڑھے کی حالت خراب تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

''یہ خوف کے غار ہیں لیکن یہ ہمیں نقصان نہیں پہنچاتے۔ اکثر ان غاروں سے چنگاریاں اڑتی ہیں اور پھر یہ چنگاریاں زمین پر گر کر سرد ہو جاتی ہیں۔ ایک بار میں نے ان چنگاریوں کو رات بھر دیکھا اور جب یہ ٹھنڈی ہو گئیں تو میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ اب یہ گرم نہ تھیں لیکن چٹانوں پر ایک عجیب چیز موجود تھی۔ یہ چیز ان سرد چنگاریوں سے بنی تھی۔ میں نے سخت پتھروں کی مدد سے ان چنگاریوں کو کھرچ دیا۔ اور یہ چنگاریاں بہت سخت تھیں۔ تب میرے بچے۔ میں انہیں اٹھا لایا۔ میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ میں نے ان چنگاریوں سے بن جانے والی پتھریلی چیز کو پتھروں پر گھسا اور اس سے ایک خوفناک چیز بن گئی۔ یہ چیز بہت خطرناک ہے۔ تم ان سے درختوں کو کاٹ سکتے ہو۔ تم ان سے انسانوں کو بہ آسانی ہلاک کر سکتے ہو۔ ان غاروں کے دہانوں سے بہنے والی چنگاریوں کا ایک بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے میں ابھی دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا۔ آؤ۔ میں تمہیں سرد چنگاریاں دکھاؤں۔'' اور بوڑھا مجھے غاروں کے دوسری طرف لے گیا۔ یہاں ایک سیاہ سیاہ سی شے پتھروں کے درمیان جمی ہوئی تھی لیکن وہ شے پتھروں سے الگ تھی۔ بوڑھے نے نوکیلے پتھروں کی مدد سے اسے کھرچا اور اس کی پپڑیاں اکھڑ آئیں۔ بلاشبہ وہ پتھر سے زیادہ سخت تھی۔ پتھر سے زیادہ وزنی تھی اور پتھر کی طرح ٹوٹنے والی نہیں تھی۔ جانتے ہو پروفیسر وہ کیا تھا۔ وہ فولاد تھا۔ آتش فشانوں نے فولاد پگھلا کر اگل دیا تھا اور بالآخر وہ انسان تک پہنچ گیا۔ ہم فولاد کے بہت سے ٹکڑے غاروں میں اٹھا لائے اور میں سامی کے ساتھ مل کر پتھروں پر گھس گھس کر ہتھیار بنانے لگا۔ یہ بوڑھے کا پراسرار راز تھا جسے وہ ابھی طشت از بام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلاشبہ اس دور کیلئے یہ پراسرار راز تھا۔ اس راز سے واقف ہو کر قبیلے مضبوط بن سکتے تھے اور جس قبیلے کو یہ راز معلوم ہوتا وہ اس دور کا سب سے طاقتور قبیلہ ہوتا۔ اور بوڑھا اپنے قبیلے کو سب سے زیادہ طاقتور بنانا چاہتا تھا۔

اس نے ہمیں ہتھیاروں کی شکل ڈیزائن کر کے دی اور ہم اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے لگے! بوڑھا میری محنت سے بہت خوش تھا۔ ہم اس کی مرضی کے مطابق ہتھیار تیار کر رہے تھے اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ہم یہ کام بخوبی انجام دے سکتے ہیں تو اس نے ہمیں مکمل طور پر اختیارات دے دیئے۔ اس نے کہا کہ وہ قبیلے کے دوسرے امور دیکھنے واپس جا رہا ہے، اور وہ پہاڑوں سے چلا گیا۔ اب سامی اور میں تنہا رہ گئے تھے۔ اس دوران سامی مجھ سے بے تکلف ہو گئی تھی۔ وہ مجھ سے متاثر ضرور تھی، لیکن تنہائی میں بھی کبھی اس نے میری طرف کسی خاص التفات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ بعد میں میری سمجھ میں آئی۔ وہ اپنے باپ، بوڑھے ارساس سے خوفزدہ تھی! چنانچہ اس کے چلے جانے کے بعد، جب ہم آگ اگلنے والے پہاڑوں سے سیاہ شئے جمع کر رہے تھے۔ وہ تھک کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ پتھر پر بیٹھ کر وہ میری طرف دیکھنے لگی اور اس کی آنکھوں میں ایک پیغام ابھر آیا۔!

''کیا بات ہے سامی۔ واپس نہ چلوگی۔؟'' میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

''میں تھک گئی ہوں۔ سنو۔ پہاڑوں کے اس طرف ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے، اگر ہم اس چشمے میں نہالیں تو طویل تھکن دور ہو سکتی ہے۔ روشنی کا سفر ابھی دیر کا ہے، جس وقت آگ پہاڑوں میں غروب ہوگی ہم واپس پہنچ چکے ہوں گے۔''

''چلو۔!'' میں نے آمادگی ظاہر کر دی اور سامی میرے ساتھ چل پڑی۔ دراز قامت اور سبک جسم کی مالک یہ لڑکی مجھ سے تیز چل رہی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو بہ آسانی پھلانگ سکتی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ چل رہا تھا اور جب وہ کسی اونچی چٹان سے نیچے کودتی تو اس کے جسم کی حرکت میرے جسم میں ہیجان برپا کر دیتی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم چشمے کے قریب پہنچ گئے۔ اخشک بنجر پہاڑیوں میں اس چشمے کا وجود بہت دلکش

تھا۔ اکثر ننھے پرندے اس پر پانی پینے آجاتے تھے۔ سامی نے اپنے لمبے جسم کو جھکایا........... اور چشمے میں چھلانگ لگادی۔! میں چشمے کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ شفاف پانی میں وہ مچھلی کی طرح تیر رہی تھی۔ کبھی غوطے لگاتی اور اس کی ٹانگیں پانی چیرنے کے لئے پھیل جاتیں اور پھر وہ اچانک پلٹتی اور اس کا رخ میری طرف ہو جاتا۔ کئی منٹ تک وہ اسی طرح پانی سے اٹھکیلیاں کرتی رہی۔ پھر ایک بار اس نے چشمے سے گردن نکالی۔

''توسا۔!'' اس نے آواز دی۔

''ہوں۔!'' میں نے کہا۔

''کیا تمہیں پانی سے خوف لگتا ہے۔؟''

''نہیں۔! میں نے کہا۔

''تو پھر نہاتے کیوں نہیں۔ آؤ۔'' اس نے کہا اور دوسرے لمحے میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

وہ میری طرف دیکھ کر ہنسی اور پھر اس نے پانی میں غوطہ لگایا۔ وہ میرے مقابلے میں کہاں تیر سکتی تھی۔ ہم چشمے کی تہہ میں پہنچ گئے۔ اس نے میری طرف دیکھا اور ہنستی ہوئی میرے قریب آگئی۔ اس کا مچھلی کی طرح چکنا جسم میرے قریب تھا۔ میں اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں کسی گھڑیال کی طرح جھپٹا اور اس ننھی سی مچھلی کو بازوؤں میں دبوچ لیا، اس کا چکنا جسم میرے ہاتھوں سے پھسل رہا تھا۔ لیکن وہ خود مجھ میں جذب ہو جانا چاہتی تھی اور وہ جنگلی بیل کی طرح مجھ سے لپٹ گئی.....!

پھر ہمیں مجبوراً تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے کو چھوڑنا پڑا ہم کنارے کی طرف بڑھ گئے اور پھر کنارے پر وہ دوبارہ مجھ سے لپٹ گئی۔

اس نے میرے سینے میں منہ چھپالیا۔ اور جب شام بالکل سیاہ ہوگئی تو ہم دونوں اٹھے اور غاروں میں واپس آگئے۔ اس روز ہم سیاہ دھات نہیں لائے تھے، سامی کی چال میں عجیب سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کی آنکھیں ایک انوکھے خمار میں ڈوبی ہوئی تھیں اور راستے بھر وہ میرے جسم سے لگی لگی چلتی رہی تھی، غار میں داخل ہو کر وہ ایک بھر پھر میرے سینے سے لگ گئی۔

عجیب دیوانگی سی طاری تھی اس پر........... میں نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا۔ اور غار کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں کھانے پینے کا سامان موجود تھا۔

''میں بھوکا ہوں سامی۔!'' میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگی۔

پھر وہ سنبھل گئی۔ اس نے کھانے پینے کا سامان اکٹھا کیا اور ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔ وہ مسکرا کر مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کی اس معصوم مسکراہٹ پر میں بھی مسکرا رہا تھا۔!

سامی نوخیز تھی، جبکہ میں جہاندیدہ۔ میں نے دنیا دیکھی تھی، مجھے کئی لڑکیوں کا تجربہ تھا، جبکہ سامی کی زندگی میں، میں پہلا مرد تھا، بوڑھے ارساس نے اسے پورے قبیلے سے دور رکھا تھا۔ وہ سامی کو نہ جانے کیا بنانا چاہتا تھا اور سامی اس کے معیار پر پوری اتری تھی، وہ بوڑھے ارساس کی بہترین نائب تھی۔ اس نے بوڑھے کی ذہانت کا بڑا حصہ حاصل کرلیا تھا! لیکن بہر حال وہ ایک عورت تھی، ایک معصوم کلی تھی۔ اور کلیاں کھلنے کے بعد ہی

پھول بنتی ہیں۔ ہر کلی کے دل میں گلشن دیکھنے کی آرزو ہوتی ہے چنانچہ سامی کی آرزو پوری ہوگئی تھی اور یہ چمن اسے اس قدر پسند آیا کہ وہ بار بار اسے دیکھنے کی آرزو کرنے لگی۔ اور میں نے اس کی تمام آرزوئیں پوری کر دیں۔ میری راتیں پھر سے دلکش ہوگئیں۔ رات بھر ہم ایک دوسرے کی آغوش میں رہتے، دن کو البتہ پابندی سے بوڑھے ارساس کی ہدایت کے مطابق کام کرتے تاکہ اسے شکایت نہ ہو۔ ارساس تو جیسے ہمیں بھول ہی گیا تھا۔ ہفتوں گزر گئے۔ ایسا لگتا تھا، جیسے دنیا میں ہمارے علاوہ کسی کا وجود نہ ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے زندہ تھے۔

ایک رات سامی میری آغوش میں تھی۔ اس کا حسین جسم میرے جسم سے چپکا ہوا تھا۔ وہ میرے سینے میں منہ چھپائے کچھ سوچ رہی تھی۔

پھر اس نے مجھے آواز دی۔

''توسا۔!''

''ہوں۔!'' میں نے کہا۔

''کیا تم نے سمندروں کی سیر کی ہے۔؟''

''نہیں۔؟'' میں نے جواب دیا۔

''بابا ارساس۔ بہت بڑا جادوگر ہے۔ وہ سمندر میں سیر کر سکتا ہے۔''

''کیسے۔؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''یہ اس کا پوشیدہ راز ہے۔ لیکن میں تم سے کوئی راز نہیں چھپا سکتی تمہارے علاوہ اب میرے پاس کیا ہے۔ آج ہم سیاہ پتھر نہیں جمع کریں گے آج ہم سمندر کی سیر کریں گے۔!''

''لیکن کس طرح۔؟''

''بس تم دیکھ لینا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر دوسری صبح ہم نے کھانے پینے سے فارغ ہو کر سمندر کا رخ کیا۔ سمندر یہاں سے کافی دور تھا۔ لیکن ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے اونچی اونچی چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے سمندر کی طرف دوڑ رہے تھے۔ سورج بلند ہوتا جارہا تھا اور پھر دن خوب چمکنے لگا تھا جب ہم سمندر کے نزدیک پہنچے۔ سمندر میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھا، لیکن انسانی پیکر اختیار کرنے کے بعد سے اب تک مجھے سمندر میں داخل ہونے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں نے ان دیو پیکر موجوں کو دور سے دیکھا تھا۔ سمندر کے کنارے ریت کے اونچے نیچے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے سامی آہستہ آہستہ کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں ابھی تک اس کی بات پر حیران تھا۔ اس حالت میں ان لہروں پر سیر کیسے کی جاسکتی تھی۔ تب سامی نے کہا۔

''میرے بابا ارساس۔ ایک پوشیدہ علم جانتے ہیں، جس سے دوسرے لوگ ناواقف ہیں۔ ان کا علم انہیں نت نئے راستے بتاتا ہے، بابا کا کہنا ہے کہ ہم سخت ہتھیاروں کو لے کر سمندر پر سفر کرتے ہوئے دوسری بستیوں کی تلاش میں جائیں گے۔ نئے جہاں دیکھیں گے اور بابا اسی سلسلے میں دن رات سوچتے رہتے ہیں۔ کالے پتھروں کے ہتھیار بھی انہوں نے اسی لئے بنائے ہیں کہ دوسرے لوگوں کے پاس ان کے ہتھیاروں کا جواب نہ ہو

گا۔ دوسری چیز جو میرے بابا نے دریافت کی ہے۔ وہ لکڑی ہے۔ ہاں توسا، یہ درخت جن پر ہمارے قبیلے نے قبضہ کیا ہے، بابا کے لئے بہت کارآمد ہیں، بابا اس قبیلے پر صرف اس لئے قبضہ نہیں کرنا چاہتے تھے کہ وہاں اچھے پینے کا پانی اور سبزیاں ملتی ہیں، بلکہ ان کی سب سے بڑی ضرورت وہ درخت ہیں جن کی لکڑیوں سے وہ ایک انوکھی چیز بنانا چاہتے ہیں اور اس انوکھی چیز کا ایک نمونہ یہاں موجود ہے، اس کے بارے میں صرف مجھے معلوم ہے اور کوئی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور بابا۔ ایک بار مجھے اس کی سیر بھی کرا چکے ہیں۔ آ ؤ توسا...... سمندر کی لہروں پر اچھلنا بہت دلکش ہوتا ہے......... کیا تم سمندر کی سیر کرو گے۔؟'' اس نے پوچھا اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ریت کے ایک ٹیلے کے نزدیک پہنچ گئے۔ سامی نے احتیاطاً چاروں طرف دیکھا اور پھر وہ گھٹنوں کے بل ٹیلے کے نزدیک بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے سے ایسا ہی لگتا تھا، جیسے وہ کسی خزانے کا انکشاف کرنے جا رہی ہو۔ اس نے اپنی لمبی لمبی انگلیوں سے ریت کریدنا شروع کر دی، چند لمحے وہ ریت کریدتی رہی اور پھر اس کی مدد کے لئے میں بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا، ہم نے کافی ریت ہٹا دی تو کوئی گول گول سی سخت شئے برآمد ہوئی اور ہم ریت ہٹاتے رہے۔ میں درختوں کی لکڑیوں کے اس چوکور ڈبے کو دیکھ رہا تھا، جو میرے لئے انوکھا تھا۔ درخت کی موٹی موٹی ٹہنیاں ہموار کاٹ کر انہیں مضبوطی سے جوڑ کر درخت کی لمبی چھال سے باندھ دیا گیا تھا...... بلاشبہ پروفیسر اس دور میں یہ کام سخت مشکل تھا۔ موٹی اور مضبوط چھال سے ان لکڑیوں کو اس طرح جکڑا گیا تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل تھی۔

اس کا پہلے فرش بنایا گیا تھا اور پھر اسی انداز میں اس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کی گئی تھیں، وہ بغیر ڈھکن کے کسی صندوق کی شکل رکھتی تھی۔ یہ کشتی کی ابتدائی شکل تھی۔ میں اسے دنیا کی پہلی کشتی نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس وقت پوری دنیا کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تھی۔ نہ جانے کون سے خطے میں کون کون سے لوگ آباد ہوں گے۔ ان میں نہ جانے کتنے ذہین لوگ ہوں گے۔ بہرحال میں نے پہلی کشتی دیکھی، اور پھر ہم دونوں اس کشتی کو پکڑے ہوئے سمندر کے قریب پہنچ گئے۔ سامی بے دھڑک سمندر میں اتر گئی اور اس نے کشتی لہروں پر چھوڑ دی۔ پھر وہ اس کے کنارے پکڑ کر اچھل کر اس میں بیٹھ گئی۔ اور یہی عمل میں نے کیا۔ سامی نے کشتی کے ایک طرف رکھی ہوئی دو موٹی موٹی لکڑیاں اٹھائیں، ایک میرے ہاتھ میں دے دی اور دوسری خود پکڑ لی، پھر اس نے مجھے کشتی کھینا سکھایا۔!

اور کشتی سمندر کی لہروں پر دوڑتی آگے بڑھنے لگی۔ بلاشبہ مجھے اس چھوٹے سے سفر میں بے حد لطف آیا تھا۔ مضبوط کشتی لہروں پر ہچکولے لیتی آگے بڑھ رہی تھی اور سامی مسرت سے مسکرا رہی تھی، کافی دیر تک ہم سمندر کی سیر کرتے رہے۔ پھر سامی نے کشتی واپس موڑنے کا طریقہ بتایا اور کشتی کنارے کی طرف چل پڑی، جونہی وہ کنارے پر پہنچی میں کود کر نیچے اتر آیا۔ پھر میرا سہارا لے کر سامی بھی نیچے آ گئی اور ہم دونوں کشتی کو گھسیٹتے ہوئے ٹیلے کے نزدیک آ گئے۔ کشتی کو اسی احتیاط سے ریت میں چھپا دیا گیا جس طرح وہ پہلے تھی۔ ریت برابر کرنے کے بعد ہم پھر اپنے کام پر چل پڑے۔ اور سیاہ پتھر کی دھات لے کر واپس غار میں آ گئے۔

مڑے ہوئے تیز دھات والے ہتھیاروں کے ڈھیر لگتے رہے، ہم نے پہاڑوں کی اگلی ہوئی تمام دھات ہتھیاروں میں بدل دی، لیکن بوڑھا ارساس واپس نہ آیا، شاید وہ ان غاروں میں ہمیں چھوڑ کر بھول گیا تھا، یا پھر وہ درختوں والی بستی کو از سر نو تعمیر کر رہا تھا۔ وہ کچھ بھی کر رہا ہو، ہمیں

اس کی پرواہ نہیں تھی ،اس غار میں رہ کر ہم پوری دنیا کو بھول گئے تھے ، ہمارے کھانے پینے کے لئے یہاں اتنا کچھ موجود تھا کہ ہم سالہا سال گزار سکتے تھے ۔ پھر سامی کے لئے میں تھا اور میرے لئے سامی...... لیکن اب اس کا پیٹ پھول گیا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا میں اس کے پھولے ہوئے پیٹ کو دباتا ۔ اور وہ تکلیف سے چیخ اٹھتی ۔

"ایسے نہ کرو توسا ۔ ا" وہ ناز سے کہتی اور میں مسکرا دیتا ۔ میں جانتا تھا کہ اس کا پیٹ کیوں پھول گیا تھا ۔ گو میرے ساتھ رہنے والی دوسری لڑکیوں کے پیٹ کبھی نہ پھولے تھے ،لیکن میں نے کئی قبیلوں میں افزائش نسل دیکھی تھی ۔

پھر ایک شام اچانک بوڑھا ارساس واپس آ گیا...... ! ہم نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا ۔ ارساس بھی مسکرا رہا تھا ، اس نے شام کے جھٹپٹے میں سامی کے پیٹ پر غور کیا تھا ، لیکن مشعل کی روشنی میں اس نے ہتھیاروں کو دیکھ کر خوشی سے قلقاریاں لگائی تھیں اور پھر اس نے ہم دونوں کی خوب تعریفیں کیں ۔ وہ ہتھیاروں کے ڈھیر کو کافی دیر تک دیکھتا رہا ۔

"بلاشبہ تم دونوں میری امیدوں پر پورے اترے ، میں نے تم پر غلط اعتماد نہیں کیا تھا ۔ بہت جلد میں تمہیں ایک اعلیٰ منصب دوں گا توسا ! بہت جلد ہم بڑے قبیلوں میں شمار ہونے لگیں گے ۔ اور پھر ہم زمین کا سفر کریں گے ہمارے لشکر دوسرے قبیلوں کی طرف بڑھیں گے اور ہم ان قبیلوں کو اپنا فرماں بردار بنائیں گے ۔ ہم ان پر اپنی طاقت کا اظہار کریں گے ۔"

انسان کے دل میں ہوس ملک گیری جنم لے چکی تھی ۔ ارساس نے ہم لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا ۔ اور پھر وہ اپنی مصروفیات کے بارے میں بتانے لگا ! اس نے بتایا کہ درختوں والے بہت ذہین تھے ، لیکن انہیں وہ علم نہیں آتے تھے جو بوڑھا ارساس جانتا تھا ۔ بوڑھا ارساس زمینوں کے سینے سے سبزیاں کھینچ سکتا تھا اور بوڑھے ارساس نے جانوروں سے بھی ایک چیز حاصل کی ہے ۔ جسے اس وقت کوئی نام نہیں دیا گیا تھا لیکن اب ہم اسے دودھ کہتے ہیں ، اس نے درختوں کے درمیان سے وحشی جانور پکڑے اور انہیں انسان کا مطیع کر دیا اب جانور اس سے مانوس ہیں اور وہ ان کے تھنوں سے وہ چیز حاصل کرتا ہے جو بچے اپنی ماؤں کی چھاتیوں سے حاصل کرتے ہیں ۔ اور یہ بڑے کام کی چیز ہے ۔ !

رات کے بہت بڑے حصے میں بوڑھا اپنے کارناموں کی تفصیل سناتا رہا ۔ اور پھر گھاس کے ڈھیر پر سو گیا ۔ اس رات میں سامی سے دور رہا ، سامی بھی گھاس کے ڈھیر پر پڑی بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی ۔ لیکن خود اس نے بھی بوڑھے کی موجودگی کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ اور پھر رات کے کسی حصے میں ہم سو گئے ۔ !

صبح کو جب میری آنکھ کھلی ، تو میں نے بوڑھے کو دیکھا جو بوکھلائے ہوئے انداز میں سامی کا پیٹ ٹٹول رہا تھا اس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے ۔ اس نے چاروں طرف سے سوتی ہوئی سامی کو دیکھا اور پھر اسے تھپڑ مار کر جگانے لگا ! سامی جاگ گئی ۔ میں خاموش لیٹا بوڑھے کو دیکھ رہا تھا ۔ سامی حیران سی نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھ رہی تھی ۔ !

"یہ...... یہ کیا ہے...... اس میں کیا ہے......؟" بوڑھے نے سامی کے پیٹ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ۔ سامی نے اپنے پیٹ کی طرف دیکھا ، اور پھر میری طرف دیکھنے لگی ! میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں ۔

"ہوں...... تو میرا خیال ٹھیک تھا۔ اس کا ذمہ دار بھی ہے۔ مگر یہ تو نے اچھا نہیں کیا سامی۔ یہ تو نے بہت برا کیا۔ اور اس نے بھی بہت برا کیا۔ افسوس، افسوس۔ میں نے تم پر اعتماد کر کے برا کیا...... تو آگے کی ملکیت تھی سامی! میں نے آگے سے تیرے لئے وعدہ کیا تھا۔ اب آگے میرا جانشین نہیں ہوگا۔ اس قبیلے کا نظام مفلوج ہو جائے گا! ہمارے سارے خواب ڈھیر ہو گئے...... تیری وجہ سے...... تیری وجہ سے...... میرا سارا پروگرام درہم برہم ہو گیا...... اب میں تیرے لئے کیا کروں سامی...... میں کچھ نہ کر سکوں گا...... میں کچھ نہ کر سکوں گا...... ہمارا قبیلہ پستیوں میں جا گرا ہے، اب جو کچھ کرے گا آگے کرے گا، میں آگے کو اس سانحے کی اطلاع دوں گا! اور ممکن ہے اب میں کبھی واپس نہ آ سکوں۔ آہ تو نے مجھے فنا کر دیا۔!"

بوڑھا ارساس غار کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور میں سامی بت بنے خاموشی سے اسے جاتے دیکھتے رہے اور پھر جب کافی دیر گزر گئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔!

"کیا ہوا سامی۔! یہ سب کیا ہے۔ کیا تمہارے قبیلے میں مرد اور عورت تعلقات قائم نہیں کرتے۔؟" میں نے پوچھا۔

"کرتے ہیں تو سا۔ مگر۔ میں آگے کی ملکیت ہوں۔ آگے میرا حقدار ہے۔ ہمارا بچپن ایک دوسرے سے منسوب ہے اور ہماری سرداری اسی لئے قائم ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے جوڑے پیدا کرتے ہیں۔ ارساس نے اپنی بہن سے شادی کی اور اس کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، یعنی میں اور آگے، اس سے قبل ارساس کے باپ اور اس سے قبل اس کے باپ کے ہاں بھی ایسا ہی ہوا تھا، لیکن اب آگے کے دور میں یہ روایت ختم ہو گئی۔ اب سرداری ہمیں نہیں ملے گی اور آگے اور ارساس عام لوگ ہوں گے، سردار وہ بہن بھائی ہوں گے جو ایک دوسرے سے شادی کر سکیں گے اور پھر یہ سرداری انہی کی نسل میں چلتی رہے گی بشرطیکہ وہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا پیدا کرتے رہیں۔"

بات کسی حد تک میرے سمجھ میں آ گئی۔ درحقیقت بوڑھے کی پوری زندگی ناکام ہو گئی تھی۔ لیکن مکمل غلطی میری نہیں تھی، وہ ہمیں ان غاروں میں تنہا چھوڑ گیا تھا۔ سامی نوجوان تھی، امنگوں بھری تھی اور میں بھی بہرحال انسان تھا۔

"اب کیا ہوگا سامی۔؟"

"کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ آؤ۔ ہمیں یہ لمحات ایک دوسرے سے الگ نہیں گزارنے چاہئیں۔ ارساس کے آ جانے سے رات بڑی بے کل گزری ہے"۔ سامی نے کہا۔ بلاشبہ وہ ایک نڈر لڑکی تھی۔ میں پریشان تھا، آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیکن سامی کی بے خوفی نے مجھے نڈر کر دیا۔ سامی نے اپنے جذبات کا انتہائی مظاہرہ کیا کیونکہ یہ اس کی زندگی کے آخری لمحات تھے وہ نڈھال سی ہو کر گھاس کے ڈھیر پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوپہر کو وہ کھانے کے لئے بھی نہ اٹھی تو میں نے اسے آواز دی۔

"سامی۔!"

"ہوں۔!" اس نے کہا۔ وہ جاگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ کیا سوچ رہی ہو۔؟" میں نے پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں، بابا ارساس کو دیر کیوں ہو گئی۔ وہ ابھی تک کیوں نہیں آیا۔!"

''کیا تم اس کا انتظار کر رہی ہو۔؟''

''ہاں۔!''

''کیوں؟''۔

''وہ آئے گا......اور اس کے ساتھ قہر و غضب کی بجلیاں ہوں گی۔اس نے آج تک مجھے قبیلے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا۔وہ بے حد محتاط انسان ہے۔وہ اپنی نسل سے سرداری نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔وہ ضرورت سے زیادہ ہی خوفزدہ تھا۔تم دوسرے قبیلے کے انسان تھے۔اس نے نہ جانے کیوں تمہارے اوپر اس قدر اعتبار کر لیا......لیکن وہی ہوا، جس کے لئے اس نے پوری زندگی محنت کی تھی۔وہ تباہ ہو گیا......اب ہم اس کے دشمن کی حیثیت رکھتے ہیں، ہم نے اس کی نسل سے سرداری چھین لی ہے۔وہ ہم سے انتقام ضرور لے گا۔مجھے تعجب ہے وہ ابھی تک کیوں نہیں واپس آیا۔!''

''یہ انتقام کیسا ہوگا۔؟''میں نے پوچھا۔

''اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔بہر حال وہ موت سے کم نہ ہوگا۔؟''سامی نے کہا۔

''سامی۔!کیوں نہ ہم ریت میں چھپی ہوئی شئے کے ذریعے سمندر کے راستے فرار ہو جائیں۔ہم سیاہ پتھروں کے ہتھیار لے کر کیوں نہ دوسری دنیاؤں کی تلاش میں چل پڑیں جن کا تذکرہ بوڑھا ارساس تم سے کرتا ہے۔''میں نے تجویز پیش کی۔تب سامی نے مجھے جواب دیا۔

''توسا......!میں اس کی بیٹی ہوں، وہ میرا بابا ہے۔تھوڑی سی غلطی اس کی تھی، کہ اس نے تم جیسے خوبصورت قوی ہیکل نوجوان کو میرے پاس تنہا چھوڑ دیا، میں جذبات میں بہہ گئی۔میں ے وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو مجھے آگے سے ملتا، میں قبیلے سے دور تھی لیکن میری فطرت قبیلے کی دوسری لڑکیوں سے مختلف نہیں تھی اور توسا، میں بابا کی وفادار بھی ہوں۔میں نے ایک غلطی کی، جس سے میرے بابا کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا، چنانچہ وہ مجھ سے انتقام لینے میں حق بجانب ہے۔میں نے اسے ایک بڑا دکھ دیا ہے، لیکن دوسرا بڑا دکھ میں اسے نہیں دینا چاہتی۔اس نے پوری زندگی محنت کر کے جو چیز بنائی، اگر اس سے میں فائدہ اٹھاؤں تو پھر اس کے پاس کیا رہ جائے گا، کیا اپنی اس ناکامی پر اس کا دل تڑپ نہ اٹھے گا۔میں اسے دوسرا دکھ نہیں دینا چاہتی۔اور نہ میں تمہیں ایسا کرنے دوں گی، اگر تم نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو میں سیاہ پتھر کے ہتھیار سے تمہیں ہلاک کر دوں گی......میں نے تمہیں اپنے جسم کی ساری رعنائی دیدی ہے......اس کے عوض میں نے تم سے کچھ نہیں مانگا۔تم میری راتوں کا خراج اس طرح ادا کرو......کہ میرے ساتھ خود کو بھی بابا کے انتقام کے حوالے کر دو......اگر تم نے ایسا کیا تو میں خوشی سے مرنا پسند کروں گی......میں بابا سے دوسری بار غداری نہیں کر سکتی۔!''

میں اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوا......بے شک وہ درست کہہ رہی تھی۔اس کی ذمہ داری مجھ پر بھی عائد ہوتی تھی۔میں نے بوڑھے کے اعتماد کو تباہ کیا تھا۔سزا کا حقدار میں بھی تھا۔چنانچہ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اس کے ساتھ میں بھی سزا قبول کرنے کو تیار ہوں۔اور وہ میرے اس فیصلے سے بہت خوش ہوئی!پھر سورج ڈھلا ہی تھا کہ پہاڑوں کے نزدیک غیض و غضب کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔!

وہ آ گئے تھے......اور غیض و غضب کا طوفان لائے تھے۔!

''آؤ دیکھیں...... بابا ہمارے لئے کیا سوغات لایا ہے......؟''

پوری بستی امڈ آئی تھی۔ ان کی سربراہی آگے اور ارساس کر رہے تھے۔ آگے کے منہ سے جھاگ ابل رہے تھے۔ وہ سخت طیش میں معلوم ہوتا تھا۔ غاروں سے کچھ دور وہ رک گئے۔ بستی کے لوگ ہمارے طرف گھونسے ہلا رہے تھے، ہتھیار بلند کر کے ہم سے نفرت کا اظہار کر رہے تھے، اور آگے خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر طوفان سا کن تھے۔ تب بوڑھا ارساس آگے بڑھا اور مضبوط قدموں سے ہمارے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے سامی کا ہاتھ پکڑا اور اسے آگے بڑھا دیا۔

''لوگو...... دیکھو...... یہ میری لڑکی ہے...... دیکھو...... یہ آگے کی امانت ہے۔ جس کا اسے انتظار تھا۔ لیکن دیکھو...... اس نے قبیلے سے غداری کی ہے...... دیکھو...... اس نے اجنبی سے خود کو داغدار کر لیا ہے...... دیکھو...... اس نے میری نسل کی سرداری ختم کر دی ہے...... ہاں، تم میں سے وہ سردار ہوں گے جو صاف ہوں گے جن کی نسل برقرار رہے گی...... یہی اصول ہے اور یہی انصاف! سامی کے پیٹ میں اجنبی کا بچہ ہے...... دیکھو، میں غلط نہیں کہتا......؟''

اس نے سامی کے جسم سے پتے ہٹا کر اسے برہنہ کر دیا۔

قبیلے والے پھر ہتھیار ہلانے لگے۔ اور پھر بوڑھا پیچھے ہٹا۔ اور بولا۔ ''اور دیکھو...... یہ اجنبی ہے...... جسے ہم نے پناہ دی...... جسے ہم نے عزت دی اس نے ہمیں دکھ دیا ہے...... یہ ہمارا دشمن ہے...... اس لئے لوگوں...... سرداری چھوڑنے سے قبل...... میرا آخری حکم سن لو...... غداری کے الزام میں، ان دونوں کو آگ کی سزا دی جائے گی...... آگ تیار کر لی گئی ہے...... اور ہم وقت کے منتظر ہیں۔!''

مجمع پھر شور مچانے لگا! تب آگے، آگے بڑھا...... اس نے اپنا لمبا تیزہ بلند کیا...... اور اس کے ساتھ بہت سے آدمی آگے بڑھ آئے، انہوں نے مجھے اور سامی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔!

''تمہیں ہمارا فیصلہ منظور کرنا ہوگا۔ بولو...... کیا تم جنگ کرو گے یا ہمارے فیصلے کے سامنے سر جھکا دو گے۔!''

''مجھے فیصلہ منظور ہے۔!'' سامی نے آہستہ سے کہا۔

''تب آگے بڑھو۔! بستی کا الاؤ تمہارا منتظر ہے۔!'' آگے نے کہا اور نیزوں سے ہمیں اشارہ کیا۔ سامی نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم آگے بڑھنے لگے۔ ہجوم نے ہمیں راستہ دیا۔ آگے اور اس کے ساتھی ہمیں آگے آگے لے کر چل رہے تھے۔ میرے جسم سے مختصر لباس نوچ دیا گیا تھا۔ سامی پہلے ہی برہنہ ہو گئی تھی اور ہم آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ بستی کے نزدیک پہنچ گئے! بستی میں موجود عورتوں اور بچوں نے نفرت سے ہاتھ ہلاتے ہوئے ہمارا استقبال کیا...... ہم ہر ایک کی نفرت کا شکار تھے...... سامی بالکل خاموش تھی، میری گردن بھی جھکی ہوئی تھی اور پھر بستی کے وسط میں ہمیں لکڑیوں کے اس الاؤ کے پاس لے جایا گیا جو ہماری آخری منزل تھی۔ شاید بوڑھا ارساس اس تمام وقت میں یہ الاؤ تیار کراتا رہا تھا اس نے الاؤ کی یہ لکڑیاں درختوں کے علاقے سے منگوائی تھیں۔ لکڑیوں پر جلنے والی چربی چھڑکی گئی تھی اور ہم دونوں کو الاؤ کے درمیان بٹھا دیا گیا...... ہم بالکل خاموش تھے۔ میرے دل میں موت کا کوئی خوف نہیں تھا، بس ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے زندگی کی کوئی ضرورت پوری ہو رہی ہو...... لیکن مجھے سامی پر حیرت تھی۔ وہ بھی

خوفزدہ نہ تھی اور پھر جب لکڑیاں سمیٹ کر ہمارے چاروں طرف اکٹھا کر دی گئیں اور ہم ان میں چھپ گئے تو سامی مسکراتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی۔

"توسا۔!" اس نے پیار سے کہا۔ "تم مجھے آگے سے زیادہ پسند ہو۔"

"اس سے قبل کہ آگ ہمارے جسموں کو چھوئے۔ آؤ...... آخری بار محبت سے لپٹ جائیں...... آؤ......" اور میں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اسی وقت شعلے بھڑک اٹھے۔

شعلوں کی تپش محسوس ہونے لگی۔ اور سامی کے اعضاء میں پھرتی آ گئی۔ وہ آگ کے قریب آنے سے پیشتر میرے جسم میں سما جانا چاہتی تھی۔ لیکن شعلوں کی زبانیں بہت تیز تھیں...... الاؤ کے شعلے آسمان تک جا رہے تھے...... آگ نے سامی کو مہلت نہ دی اور اس کے جسم سے لپٹ گئی۔ تکلیف کی شدت سے سامی نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں بھی بدحواس ہو گیا۔ سامی کے سنہرے بالوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ میری آنکھیں بھی بند ہونے لگیں۔ لیکن...... دفعتاً مجھے محسوس ہوا جیسے میرے جسم کو ایک لطیف توانائی مل رہی ہو...... میری رگ و پے میں خون کی گردش تیز ہو گئی ہو...... آگ کی ہلکی حرارت میرے جسم کو بے حد خوشگوار محسوس ہو رہی تھی...... اور پروفیسر خاور...... یہ میرے جسم کی پوشیدہ قوت تھی...... یہ وہ حرارت تھی جو میرے ذرات کو فضاء میں ملی تھی...... اس حرارت پر وقت کی تہہ جم گئی تھی...... میں خود کو انسان سمجھنے لگا تھا اور میرے ذرات کی پوشیدہ صلاحتیں سو گئی تھیں...... لیکن اس جلن نے مجھے اپنی قوت کا احساس دلایا۔ سامی کا پورا جسم جل رہا تھا۔ وہ کبھی کی مر چکی تھی اور اب اس کا جسم سیاہی مائل کوئلے میں بدل چکا تھا...... پگھل رہا تھا...... چربی کی بو پھیل رہی تھی...... خدوخال بدل گئے تھے......! لیکن میں نے اپنے جسم میں ایک عجیب سی سرخی محسوس کی۔ میری ذرات نے حرارت تازہ کر لی تھی۔ میری صلاحتیں جلا پا رہی تھیں...... میں ایک نیا انسان بن رہا تھا...... انسانی جسم اختیار کرنے کے بعد میں ایک عام انسان بن گیا تھا اور اس کے بعد سے میں نے اپنی حقیقت پہچاننا چھوڑ دی تھی، میں خود کو بھول گیا تھا...... لیکن اب مجھے یاد آ گیا...... آگ کی حرارت، سمندر کی ٹھنڈک...... میرے لئے جانی پہچانی چیز تھی...... خوف میری توہین تھا...... طاقت میری غلام تھی۔ میں شہنشاہ تھا۔ جس کی اطاعت لازمی تھی، اور آگ کے شعلوں نے مجھے میری حیثیت یاد دلا دی تھی۔!

مین نے اپنے ہاتھ پاؤں اور پورے جسم کو دیکھا۔ میرا جسم کندن بن گیا تھا۔ نکھر گیا تھا۔ میرے بال آتشی رنگ کے ہو گئے تھے، چہرے پر خون کی سرخی اور بڑھ گئی تھی۔ اور آگ آہستہ آہستہ سرد ہو رہی تھی۔ وہ اپنا کام ختم کر چکی تھی۔

تب میں ایک شہنشاہ کے سے وقار کے ساتھ کھڑا ہوا اور آگ کے سرد ہوتے الاؤ سے باہر نکل آیا۔ بستی والے خاموش کھڑے تھے۔ وہ ارساس کی سرداری کا سوگ منا رہے تھے۔ آگے سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر بستی والوں نے مجھے آگ سے نکلتے دیکھا اور عورتوں کی چیخیں ابھریں۔ سب چونک پڑے۔ بوڑھے ارساس نے مجھے دیکھا اور آگے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ آگے نے مجھے دیکھا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

میں ان سب کو حقیر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ تب آگے کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا اور مجھے غور سے دیکھنے لگا۔

"آگ سے بچ جانے والے۔ تیری سزا بہر حال موت ہے۔ اگر آگ نے تجھے بخش دیا تو میرے نیزے کی دھار تیرا خاتمہ کر دے گی۔ تیری زندگی ہم سب کی موت ہے۔" اس نے نیزہ سیدھا کر لیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"واپس لوٹ جا حقیر کیڑے۔!" میں نے اس سے کہا۔"میری توہین نہ کر ورنہ سزا پائے گا۔!" اور آگے نے دانت کچکچا کر اپنے خوفناک نیزے سے میرے جسم پر وار کیا۔ بلاشبہ یہ وار ایسا تھا کہ انسانی جسم تراز و ہو جائے۔ نیزہ میرے سینے پر پڑا اور درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ تب میں نے اطمینان سے آگے کو اٹھایا اور اس کے ساتھیوں کی طرف اچھال دیا۔

"بوگا سا۔ بوگا سا۔" بستی والوں میں سے ایک ضعیف العمر بوڑھا چیخا اور دوسرے لمحے لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بھاگنے والوں میں آگے اور ارساس بھی تھے۔ ذراسی دیر میں الاؤ کا میدان خالی ہو گیا۔ اب وہاں صرف میں تھا، بجھی ہوئی آگ تھی یا اس آگ میں پڑی سامی کی جھلسی ہوئی لاش۔ میں ایک بار پھر الاؤ کی طرف بڑھا اور میں نے اس میں سے سامی کی لاش اٹھالی۔ سامی۔ وہ پر جوش اور محبت کرنے والی لڑکی جو مجھ سے جدا ہو گئی تھی۔ جو اپنی محبت، اپنی وفا کا شکار ہو گئی تھی۔ میں اسے الاؤ سے نکال لایا اور اس وقت کے دستور کے مطابق اسے ایک اونچے پتھر پر رکھ دیا۔ کئی منٹ تک میں خاموش اس کے نزدیک کھڑا رہا تھا اور پھر وہاں سے پلٹا۔

میرے دل میں ہلکی سی خلش تھی۔ ہم اسے رنج کا نام دے سکتے ہیں لیکن یہ خلش زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ میں نے اسے دل سے مٹا دیا اور واپس بستی کی طرف چل دیا۔ میں بستی والوں کے جذبات سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔ میں انہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں ان سے افضل انسان ہوں۔ مجھے ان پر فوقیت حاصل ہے لیکن جب میں پہنچا تو میں نے بستی میں ایک دلچسپ منظر دیکھا۔

بستی خالی پڑی تھی۔ بستی والے افراتفری کے عالم میں اسے خالی کر گئے تھے۔ وہ اپنا جو سامان لے جا سکتے تھے لے گئے تھے۔ باقی چھوڑ گئے تھے۔ وہ مجھ سے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ بوگا سا شاید ان کے لئے کوئی خوفناک نام تھا۔ میں اگر چاہتا تو درختوں کا رخ کر سکتا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں ادھر کا رخ کرتا تو وہ درختوں کے علاقے کو بھی چھوڑ بھاگتے۔ اگر نہ بھاگتے تو پھر میری خوفناک قوتوں سے خوفزدہ ہو کر بستی چھوڑتے لیکن میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنی قوتوں سے ایسا کوئی کام نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ مجھے انسانوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنی بستی کی ایک لڑکی کو جلا کر فنا دیا تھا میرا کیا بگاڑا تھا۔

چنانچہ میں نے بستی سے ان غاروں کا رخ کیا جہاں بوڑھے ارساس کے بنائے ہوئے ہتھیار موجود تھے۔ تم ان ہتھیاروں میں سے کچھ کو اب بھی دیواروں پر آویزاں دیکھ سکتے ہو پروفیسر خاور۔ لوہے کے وہ ہتھیار۔ جو اس وقت بنائے گئے تھے جب لوگ فولاد سے ناواقف تھے، جب وہ اسے آگ اگلنے والے غاروں سے نکل آنے والی ایک عجیب چیز سمجھتے تھے۔

ان غاروں میں غذائی اشیاء وافر مقدار میں موجود تھیں۔ میں یہاں ایک طویل عرصہ گزار سکتا تھا چنانچہ میں وہاں رہنے لگا۔ سامی اب میرے پاس موجود نہیں تھی لیکن اس کی روح میرے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ میں نے درجنوں بار سامی کی آہٹیں، اس کی ہنسی کی جھنکار وہاں سنی۔ اس کے قدموں کی چاپ محسوس کی اور رات کی گھور تاریکیوں میں اس کے مرمریں ہاتھوں کو اپنے جسم پر محسوس کیا۔ میں اس تنہائی سے اکتا گیا۔ ان غاروں سے اکتا گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ تب میں نے درختوں کی چھال کے ٹکڑوں پر اپنی داستان حیات لکھی۔ میں نے اپنے تجربات، ابتدائی بلندیوں کے ذکر سے شروع کئے۔ ان میں میری بے نام ساتھی کا تذکرہ بھی تھا۔ ان میں لاکا بھی تھی اور ان تمام قبیلوں کا تذکرہ تھا

جن میں، میں نے زندگی گزاری۔ اور جب یہ طویل کہانی اس دور تک پہنچی جو میں سامی کے غاروں میں گزار رہا تھا تو ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ وہ کتاب تھی پروفیسر خاور۔ جو دنیا میں سب سے پہلے لکھی گئی۔ میں نے تمہیں وہ کتاب دکھائی ہے۔ وہ میری تحریر کردہ ہے۔!

میری کتاب مکمل ہوگئی۔ اس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے میرا وقت خوب گزرا۔ میں نے ایک نئی دلچسپی تلاش کرلی تھی لیکن کتاب ختم ہوگئی اور اب میرے لئے کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ میں درختوں میں جاؤں۔ ان لوگوں کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کروں لیکن پھر میں نے یہ ارادہ ملتوی کردیا۔ وہ میرے دشمن تھے، مجھ سے خوفزدہ تھے۔ ایسی صورت میں، میں ہمیشہ ان کی نفرت کا شکار رہتا، نہ ہی قبیلے کی کوئی لڑکی مجھے محبت دے سکتی تھی۔!

تب میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ کیوں نہ بوڑھے ارساس کی بنائی ہوئی ریت میں دفن کشتی سے میں سمندروں کی سیر کروں۔ ممکن ہے بوڑھے کے خیال کے مطابق میں دوسری دنیاؤں میں جانکلوں۔ اس دنیا میں مجھ سے نفرت کرنے والے نہ ہوں گے اور میں ان کے درمیان آرام سے رہ سکوں گا۔ یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑ گیا اور میں نے اس سمندری سفر کی تیاریاں شروع کردیں۔ مجھے اپنی کتاب سے بہت محبت تھی۔ میں نے اسے سنبھال کر رکھا۔ کچھ آہنی ہتھیار لئے اور کافی مقدار میں کھانے پینے کی چیزیں لیں پھر میں نے ریت میں دفن کشتی کو کھود کر نکالا اور اسے لے کر سمندر کی طرف چل پڑا۔ سمندر میں کشتی ڈال کر میں نے اپنا سامان اس میں بار کیا اور سامی کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کشتی آگے بڑھا دی۔ سبک رو کشتی سمندر کی لہروں پر جھومتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ مجھے سامی یاد آئی جس کے ساتھ میں نے سمندر کی سیر کی تھی لیکن اب میں تنہا تھا۔ سامی کے کھنکتے قہقہے میرے ساتھ نہ تھے۔ ساحل دور ہوتا رہا، کشتی سفر کرتی رہی۔ سمندر پر میری پہلی رات سخت خوفناک تھی۔ تیز ہوائیں لہروں میں ہیجان برپا کررہی تھیں اور طاقتور لہریں مجھے اپنی طاقت کا احساس دلا رہی تھیں۔ رات بھر مجھے نیند نہ آسکی اور جب صبح کی روشنی پھوٹی تو مجھے کچھ سکون ہوا۔ سمندر بھی اب مجھے اتنا خوفناک نہیں معلوم ہورہا تھا جس قدر رات کو۔ کشتی آگے بڑھتی رہی۔ اب اسے میرے ہاتھوں کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ لہروں نے خود آگے بڑھانے کا کام سنبھال لیا تھا اور وہ اپنی مرضی سے میرے لئے راستے منتخب کررہی تھیں۔ دن میں، میں نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور پھر وہی خوفناک رات آگئی۔!

دن کا سفر جاری رہا۔ اب راتیں میرے لئے خوفناک نہیں رہی تھیں۔ رات کو میں آرام سے کشتی میں سوجاتا اور سورج نکلتے جاگتا۔ سمندر کی مخلوق سے بھی میری شناسائی ہوگئی تھی۔ دن کا کچھ حصہ میں اپنی پہلی کتاب کو درست کرنے میں صرف کردیتا اور کچھ اور ٹکڑوں پر میری تحریر کے نقش کندہ ہونے لگے۔ یہ میرے سفر کی داستان تھی۔

نہ جانے کتنے عرصے میں سمندر پر بہتا رہا۔ کھانے پینے کی چیزیں ختم ہوگئی تھیں۔ اب میں بھوکا تھا لیکن نہ جانے کیوں اب بھوک میرے لئے ناقابل برداشت نہیں رہی تھی۔ بھوک پیاس کے عالم میں، میں نے ایک طویل عرصہ گزار دیا۔ سورج کی شعاعوں سے میرے جسم کو توانائی مل رہی تھی اور میں زندہ تھا لیکن اب میرے ذہن پر اکتاہٹ سی سوار ہوگئی تھی۔ نہ جانے میرا دل کیا چاہنے لگا تھا۔ میری آنکھوں کے پپوٹے وزنی ہوگئے تھے۔ میں سونا چاہتا تھا۔ ایک رات کی نیند نہیں، ایک طویل نیند۔ ایک ایسی نیند جب میں اس نیند سے جاگوں تو میرا ذہن صاف ہو۔ دنیا میرے لئے نئے سرے سے دلکشی کی حامل ہو۔ اس کے پرانے انداز بدل گئے ہوں۔ نئے لوگ پیدا ہوگئے ہوں۔!

لیکن اس نیند کا راز مجھے معلوم نہ تھا۔ اسی نیند کا تصور میرے ذہن میں موجود تھا لیکن اس کے حصول کا ذریعہ میرے پاس نہیں تھا اور پھر ایک رات میری یہ خواہش پوری ہوگئی۔ شاید ہولناک ہوائیں مجھ سے تعاون کے لئے چلی تھیں۔ ہاں۔ تاریک رات تھی۔ آسمان پر روشنی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ فضا میں عجیب سی بے کلی تھی۔ میرا ذہن ساکت تھا۔ فضا ساکت تھی۔ لیکن پھر میرے عقب سے ہوا کے زبردست جھونکے ابھرے، لہریں چیخ پڑیں، کشتی ڈگمگانے لگی۔ اور پھر سمندر کی ایک طوفانی لہر کشتی کو اپنے سر پر بلند کئے انجانی سمت میں دوڑنے لگی۔ ہوائیں چیخ رہی تھیں۔ سمندر گہرائی میں چلا گیا تھا۔ میں لہر کے دوش پر اڑا جا رہا تھا اور لہر کا سفر جاری تھا۔ یہ لہر نہ جانے مجھے کہاں لے جانا چاہتی تھی اور لہر کا طویل سفر جاری رہا۔

پھر میری آنکھوں نے ایک سفید زمین دیکھی۔ تاحد نگاہ سفید زمین۔ جو طوفانی رفتار سے میری طرف دوڑ رہی تھی۔ میں اس خوفناک سفیدی کو گھور رہا تھا۔ لہر نے مجھے اس سفیدی پر پٹخ دیا۔ میرے جسم کو ٹھنڈی ہواؤں کا احساس ہوا اور اس خنکی میں مجھے نیند آ گئی۔ عالم نوم میں، میں نے اپنے جسم پر سفید ذرات کی بارش محسوس کی۔ سفید ذرات میرے جسم پر تہہ در تہہ چڑھتے جا رہے تھے اور میں ان ذرات کی خوشگواری میں گہری نیند سو گیا۔ ایک طویل عرصے کے لئے۔!

فروزاں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں لیکن اس نے اس رنگین اور پراسرار داستان کا ایک ایک لفظ بغور سنا تھا۔ ایک تو اسکا انداز بیان، پھر اس کی پراسرار لیکن دلوں کو موہ لینے والی شخصیت، اس کی مردانہ وجاہت، جو صنف مخالف پر بھرپور تاثر چھوڑتی تھی......اس کے بولنے کا انداز، اس کی آنکھوں کی چمک، سننے والے کو ان ہی جہانوں کی سیر کرا رہی تھی، جن کی داستان وہ بیان کر رہا تھا جب وہ خاموش ہوتا تو ایسا لگتا جیسے رواں دواں زندگی پر گہرا سکوت چھا گیا ہو۔ کائنات خاموش ہوگئی ہو۔ دونوں لڑکیوں کو محسوس ہوتا جیسے انہیں ان وادیوں سے زبردستی نکال دیا گیا ہو جہاں کی وہ سیر کر رہی تھیں۔ ہاں انہی وادیوں کی جہاں لاکا کی وحشیانہ چیخیں گونجتی تھیں، انہی وادیوں کی جہاں سامی کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا تھا، جب وہ کسی جنگ کی داستان بیان کرتا تو ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگتے وہ اس جنگ کا اختتام جاننے کے لئے بے چین ہو جاتیں، جب وہ اپنی کسی مصیبت کے بارے میں بتا رہا ہوتا تو ان کا دل اس کے لئے تڑپنے لگتا اور ان کی آرزو ہوتی کہ وہ اس مصیبت سے بخیر و خوبی نکل آئے اور جب وہ فخر سے سینہ تانے فاتح بن کر نکلتا تو وہ اس طرح سکون کے سانس لیتیں جیسے خود کوئی معرکہ سر کر آئی ہوں جب وہ کسی خوبصورت لڑکی کا ذکر کرتا.........تو ان کے چہروں پر شفق پھوٹ آتی اور وہ چور نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتیں جیسے ان کی چوری پکڑی گئی ہو، جیسے ان کے رنگین خیالوں کو سرعام عریاں کر دیا گیا ہو۔

ایسے موقعوں پر پروفیسر خاور کی موجودگی سے بھی وہ شرمسار ہو جاتیں، وہ جس ماحول کی پروردہ تھیں اس میں یہ اجازت نہ تھی کہ بیٹیاں دیدہ دلیری سے باپ کے سامنے بیٹھ کر حسن و عشق کی رنگین داستانیں سنیں۔ لیکن۔ وہ جن ہولناک واقعات سے دوچار ہوئے تھے انہوں نے باپ بیٹیوں کے درمیان سے ایک حد تک حجاب اٹھا دیا تھا شیطان فطرت نوجوانوں کے مطالبے کو سازش کے ذریعہ ناکام بنانے میں پروفیسر نے بحالت مجبوری بیٹیوں کا سہارا لیا تھا اور ان سے ایسی گفتگو کی تھی، جو یقیناً ایک باپ کو زیب نہیں دیتی تھی۔ لیکن اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا تھا! اور ابھی غیر یقینی حالات ختم نہیں ہوئے تھے، ان کی منزل نہ جانے کتنی دور تھی۔ نہ جانے ابھی انہیں کون کون سے مراحل سے گزرنا تھا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ پروفیسر خاور نے بھی ابھی تک اس بات کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ اور پھر یہ داستان چند جگہوں سے قابل اعتراض ضرور تھی لیکن اس میں تاریخ تہذیب تھی۔ ایک ایسا انسان یہ کہانی سنا رہا تھا جو پتھروں اور غاروں کے زمانے کا انسان تھا، جس کے نزدیک تہذیب کا ارتقا صرف ایک رنگین داستان تھی۔ وہ اس داستان کے کسی بھی پہلو کو پوشیدہ نہیں رہنے دینا چاہتا تھا اور کوئی رنگین منظر بیان کرتے وقت اس کی توجہ ان لڑکیوں کی طرف نہیں ہوتی تھی۔ خاور نے خاص طور سے یہ بات نوٹ کی تھی۔ چنانچہ اس نے اس بیباک نوجوان کو معاف کر دیا تھا۔ وہ اپنی بچیوں کو بھی اس داستان کے سننے سے منع نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ اس پراسرار اور دلکش کہانی سے محروم رہ جاتیں۔

چنانچہ۔ کچھ دیر کے لئے پروفیسر خاور اپنے رشتہ بھول گیا تھا۔ وہ لوگ انسان کی تاریخ سن رہے تھے۔ دور قدیم کے انسان کے بارے میں جان رہے تھے اور اگر اس داستان سے وہ رنگین حصے جدا کر دیئے جاتے تو تاریخ کا ایک باب نامکمل رہ جاتا۔ انسان نے جنس کے بارے میں کس دور میں کس انداز سے سوچا، یہ بات نہ معلوم ہو سکتی۔ اس لئے اس نے بھی بیٹیوں کی موجودگی نظر انداز کر دی تھی۔

داستان کے اس حصے پر آ کر وہ رکا۔ اور پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے دونوں لڑکیوں کو دیکھا اور ان کی پلکیں جھپک گئیں۔

”نیند۔!“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”زندگی کی دوسری اہم ضروریات میں سے ایک ہے، میں تو صدیوں جاگتا ہوں۔ اور پھر صدیوں کی نیند صدیوں تک پوری کرتا ہوں۔ لیکن آپ لوگوں کا تعلق اسی عالم سے ہے پروفیسر۔ میں ان دونوں حسین لڑکیوں کی آنکھوں میں نیند کے سائے دیکھ رہا ہوں اس لئے اب چند لمحات کے لئے اپنی داستان ملتوی کرتا ہو...... تاکہ آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔ اس وقت تک میں ان واقعات کو اپنے ذہن میں تازہ کرلوں گا جو میری پہلی نیند کے بعد شروع ہوئے۔ کل دن کی روشنی ان غاروں کو جگائے گی تو میں اپنی داستان کے کچھ اور حصے آپ کو سنا دوں گا۔“

پروفیسر خاور نے ایک گہری سانس لی اور مسکراتے ہوئے بولے۔ ”تم جو کوئی بھی ہو تمہاری داستان دنیا کی سب سے زیادہ پراسرار داستان ہے اور جو کچھ تم نے بتایا ہے پوری دنیا کے لئے حیرت انگیز ہوگا! تاریخیں تو بہت سی مرتب ہوئی ہیں، لیکن انسان کی معلومات صرف ان کتابوں تک محدود تھی جو ان کے جیسے دوسرے مورخوں نے لکھیں۔ انسانی تاریخ کا کوئی بھی مورخ تاریخ کو اس خوبصورت داستان کی طرح نہیں بیان کر سکتا۔ اگر تم نے روداد کو اسی انداز میں لکھا ہے تو میں تمہیں کیا کہوں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔“

”تم میری داستان پر شبہ کرنے میں حق بجانب ہو پروفیسر لیکن میں تمہیں ایسے ثبوت دوں گا جن سے تمہیں میری داستان کے ایک ایک لفظ پر یقین آ جائے گا، اطمینان رکھو۔!“ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس کے اشارے پر پروفیسر اٹھ کھڑا ہوا۔! اور وہ ان تینوں کو لئے ہوئے غار کے ایک حصے میں آیا۔

”مجھے یقین ہے پروفیسر۔ کہ تم یہاں خوشگوار نیند سو سکو گے۔ ہاں ایک بات اور کہہ دوں۔ تاریخ کے بیشمار ادوار میں میرے بیشمار روپ رہے ہیں۔ لیکن میں ہمیشہ باظرف دوست رہا ہوں۔ میری نگاہوں میں انسان کی وقعت ہے، اس لئے دل سے میرے بارے میں تمام وسوسوں کو نکال کر سکون سے سوؤ۔ اور اپنا اعتماد بحال رکھو یہی بات میں ان لڑکیوں سے کہوں گا دوسری صورت میں میری دل کو تکلیف ہوگی۔ اچھا کل تک کے لئے رخصت۔!“ اور وہ غار سے باہر نکل گیا۔

تب پروفیسر نے ایک گہری سانس لی۔ ”آرام کرو فروزاں۔ لیٹ جاؤ فرزانہ، بیشک اس کی کہانی ایک تاریخی سرمایہ ہے، کاش ہم اسے مہذب دنیا تک لے جا سکیں وہ جو کچھ بھی ہے، درحقیقت ایک باوقار دوست ہے۔ اس کے ایک بھی انداز میں، میں نے لغزش نہیں پائی ہے اور یہ میرا تجربہ ہے اس لئے تم آرام سے سو جاؤ۔“

لڑکیاں خاموشی سے لیٹ گئیں، پروفیسر ان سے کچھ دور لیٹ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے خراٹے گونجنے لگے۔ فرزانہ اور فروزاں ابھی تک ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی لیٹی تھیں۔ حالانکہ نیند سے ان کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں لیکن ذہن میں...... اب تک کے سنے ہوئے واقعات گردش کر رہے تھے اور یہ واقعات نیند کو قریب نہیں پھٹکنے دے رہے تھے۔

کافی دیر خاموشی رہی۔ تب فروزاں نے فرزانہ کے کان میں سرگوشی کی۔ ”باجی۔“

''ہوں''! فرزانہ نے ایک گہری سانس لی۔

''کیا سوچ رہی ہو باجی۔؟''

''کچھ نہیں۔!'' فرزانہ نے جواب دیا۔

''کیا تم اس کی داستان کو جھوٹ سمجھتی ہو۔''

''نہیں۔!''

''تب وہ کیا ہے باجی۔؟'' فروزاں نے سسکی سی لی۔

''ایک ناقابل یقین شخصیت! اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''وہ جو کچھ بھی ہے باجی۔ اس کی داستان بڑی پرکشش ہے۔ ہائے اس نے کیسے کیسے لوگوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ بیشک اس دور کی لڑکیاں بھی اس کی پراسرار شخصیت کو بہت پسند کرتی ہوں گی۔''

''ہاں فروزاں۔ اس سے زیادہ حسین نوجوان آج تک نگاہوں سے نہیں گزرا۔ کتنا بہادر ہے وہ۔!''

''لیکن ہمیں اس سے متاثر نہیں ہونا چاہئے باجی۔ وہ مافوق الفطرت حیثیت کا حامل ہے۔ ہمیں اس کی داستان کا کوئی حصہ نہیں بننا چاہئے۔ ہمیں احتیاط کرنا ہوگی۔!'' فروزاں نے کہا اور فرزانہ گردن گھما کر اسے دیکھنے لگی۔ تب فروزاں نے شرم سے آنکھیں بند کرلیں، اس کی آنکھوں میں کچھ انجانی خواہشیں صاف پڑھی جاسکتی تھیں۔ فرزانہ کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے وہ خود خوف زدہ تھی۔ اس طرح ان دونوں نے رات سوتے جاگتے گزاردی جبکہ پروفیسر خاور اطمینان سے خراٹے نشر کررہا تھا۔

دوسری صبح وہ دونوں اٹھ گئیں۔ رات کی کچی پکی نیند کے تاثرات دونوں کے چہروں سے عیاں تھے۔ ان کی آنکھوں کے پپوٹے نیم متورم تھے اور آنکھوں میں گلابی ڈورے پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن نیم گرم پانی سے غسل نے ان کی تھکن دور کردی۔ پروفیسر خاور اس پورے ماحول سے اس طرح بے تکلف نظر آرہا تھا، جیسے وہ اپنے کسی دوست کے گھر مہمان ہو۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر تینوں اس قدرتی کمرے سے باہر نکل آئے اور اس طرف چل پڑے جہاں پچھلی رات نشست رہی تھی۔ وہ ہال میں ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔ اس کے جسم پر نیا لباس تھا۔ بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے اور چہرہ تر و تازہ تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھا۔ قدرے خم ہوکر انہیں تعظیم دی اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

''مجھے یقین ہے رات آرام سے گزری ہوگی دوستوں۔؟''

''بے حد آرام سے، بڑی خوشگوار نیند آئی، اور تمہیں یہ سنکر خوشی ہوگی کہ میں نے تمہاری میڈم لاکا، اور، خاتون سامی سے بھی ملاقات کی تھی، دونوں خیریت سے ہیں۔'' پروفیسر خاور نے مزاحیہ انداز میں کہا اور وہ ہنس پڑا۔

''خوب۔ خوب۔ آپ نے وہاں میرے جگہ تو نہیں لے لی تھی پروفیسر۔'' اس نے بھی مذاق کیا۔

''اوہ۔نہیں بھئی۔جنگلی جانوروں سے مجھے بڑا خوف محسوس ہوتا ہے۔اور پھر تمہاری طرح میرے جسم نے کائنات کے ہر موسم میں پرورش نہیں پائی۔''پروفیسر نے جواب دیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔فرزانہ اور فروزاں کو اس کے موتی جیسے دانتوں کی دلکش چمک بے حد پسند تھی،تب وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''آیئے پروفیسر......ناشتہ ہو جائے اس کے بعد نشست جمے گی۔ویسے میں لڑکیوں کو زیادہ خوش و خرم نہیں دیکھ رہا۔شاید انہیں خوفناک خواب ستاتے رہے ہیں اور یہ سکون کی نیند نہیں سو سکیں۔''

''میں نہیں کہہ سکتا کہ دونوں میں سے کون سی بات ہے۔ممکن ہے میرے خراٹے ان کی نیند میں خلل انداز ہوئے ہوں۔''

''اوہ۔نہیں ڈیڈی۔ایسی کوئی بات نہیں۔''فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

''بہرحال۔آپ لوگوں کی کسلمندی ابھی دور ہو جائے گی۔''اس نے کہا۔اور اس ہال سے نکل کر اس دوسرے ہال میں پہنچ گئے جہاں کھانے کی خوبصورت میز پڑی ہوئی تھی اور اس میز پر انواع و اقسام کا ناشتہ چنا ہوا تھا۔

''کیا مطلب۔؟''یہ انتظامات کس نے کئے۔؟''پروفیسر نے حیرت سے کہا۔

''میں نے۔!بس آپ لوگوں کا انتظار تھا۔میں نے سوچا آپ کی نیند میں خلل انداز نہ ہوں۔ورنہ ناشتہ تو بہت پہلے تیار تھا۔''

''بھئی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔یہ کام تمہارا نہیں ہے۔کل سے تکلف بالائے طاق رکھ کر یہ کام لڑکیوں کے سپرد کردو۔''

''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ایسا ضرور کرتا۔مجھے ان میں سے کچھ تیار نہیں کرنا پڑا ہے۔آپ دیکھ چکے ہیں۔''

''مگر یہ صدیوں پرانی چیزیں بھی خوب ہیں!اور ان کی تر و تازہ رکھنے کا انتظام بھی تم نے خوب کیا ہے۔''پروفیسر ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

اس نے لڑکیوں کو بیٹھنے کی پیشکش کی اور خود بھی بیٹھ گیا۔پھر اس نے ایک سبز رنگ کا جگ اٹھایا جس میں سبز سیال موجود تھا۔جو اس نے آدھا آدھا گلاسوں میں انڈیلا اور ان تینوں کی طرف گلاس بڑھا دیئے۔

''یہ کیا ہے۔؟''پروفیسر خاور نے پوچھا۔

''کام کی چیز ہے پروفیسر۔براہ کرم آپ بھی اسے پی لیں۔!''لڑکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر گلاس اٹھائے۔سیال کی خوشبو ہی مسحور کن تھی۔انہوں نے اسے حلق میں انڈیل دیا۔پروفیسر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔!

سیال کا اثر فوری ہوا تھا انہیں اپنے جسموں کی تھکن نچڑتی محسوس ہوئی۔آنکھوں کا بوجھ معدوم ہو گیا اور ذہنوں پر خوشگوار کیفیت چھا گئی۔تب پروفیسر نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''اگر مناسب سمجھو تو مجھے ایک بات بتاؤ۔!''

''ضرور پروفیسر......آپ کو اجازت ہے مجھ سے کسی بھی وقت کوئی بھی بات پوچھ سکتے ہیں۔''

''شکریہ۔ امیں نے تمہاری پراسرار شخصیت کو تسلیم کرلیا۔ بیشک تم نے مختلف ادوار میں زندگی گزاری ہے۔ تم نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ لیکن سائنس کے یہ فارمولے تمہیں کہاں سے مل گئے۔''

''آپ سائنس کو آج کا علم کیوں سمجھتے ہیں پروفیسر۔ سائنس ہر دور میں رہی ہے۔ کیا آپ کے خیال میں زمانہ قدیم کے انسان سائنس سے ناواقف تھے۔؟ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ سائنس وقت کی ضرورت ہے۔ اگر آپ آج کی سائنس کو بہت زیادہ ترقی یافتہ کہتے ہیں تو وہ بھی غلط ہے۔ دراصل ہر دور نے اپنی ضروریات پوری کی ہیں اور انسان کی تحقیق نے اسے وہ تمام چیزیں مہیا کردیں جن کی انہیں ضرورت تھی۔ میں نے طویل عمر گزاری بلکہ ان حقیقتوں پر بھی نگاہ رکھی ہے جو کسی بھی دور کے انسان کے ضرورت ہوتی ہیں۔ میں محققوں کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے...... مجھے اپنی بقا کے لئے ان چیزوں کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے میری لیبارٹری دیکھی۔ وہ عمل دیکھا جس سے میرا جسم اسی حالت میں موجود تھا، جس میں، میں سویا تھا۔ یہ سب کچھ میری ان کاوشوں کا نتیجہ ہیں جو میں نے ہر دور کے محققوں کے ساتھ وقت صرف کر کے کی ہیں۔ میں نے ان کے تجربات سے بے حد فائدہ اٹھایا ہے انہی کی پیشین گوئیوں سے میں نے آنے والے زمانے کے متعلق سمجھا ہے۔ وہ لوگ موسم کی رفتار سے، فضاؤں کی تبدیلی سے آنے والے انسانوں، اور تبدیل ہونیوالی ہستیوں کا اندازہ لگاتے تھے۔ میں بھی اس فن میں ماہر ہوگیا۔ اور پھر میری پیش گوئیاں ان سے بہتر نکلیں، سب حقیقت آپ خود دیکھ رہے ہیں پروفیسر۔ یہ لباس، یہ زبان، یہ کتابیں ضروریات کا یہ سامان۔ یہ سب میری پیشین گوئی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور آپ دیکھ لیں کہ میری پیشین گوئی بالکل درست ہے۔ یہ لباس میں نے اس دور کے لئے تیار کرایا تھا۔ اس وقت یہ لباس تیار کرنے والے مجھے پاگل تصور کررہے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے یہ آپ کے لئے اجنبی نہیں ہے۔''

''ہوں۔!'' پروفیسر نے ایک گہری سانس لی۔ ''اس کا مقصد ہے کہ تم آئندہ آنے والے ادوار کی بھی پیشین گوئی کروگے۔؟''

''کروں گا نہیں پروفیسر۔ کرچکا ہوں، میں تمہیں آئندہ ادوار سے روشناس کراؤں گا۔ میرا وعدہ ہے اور تم دیکھو گے کہ میری پیشین گوئی میں سرمو فرق نہیں تھا۔''

''لیکن بھئی، میں تمہاری طرح وہ دور دیکھنے کے لئے زندہ تو نہ رہ سکوں گا۔!'' پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ہونٹوں پر بھی ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی، ایک ایسی مسکراہٹ جسے کوئی معنی نہیں پہنائے جاسکتے تھے۔

ناشتہ شروع ہوگیا۔ لڑکیاں بے چین تھیں۔ گو یہ گفتگو بھی دلچسپ تھی لیکن وہ اس کے بعد اس کی داستان سننا چاہتی تھیں۔ وہ جاننا چاہتی تھیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے جلدی جلدی ناشتہ کرلیا۔ وہ بدستور مسکرارہا تھا ان کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ اٹھ گیا۔ ''آیئے پروفیسر...... اسی کمرے میں چلیں۔ آپ کی لڑکیاں بے چین ہیں۔''

''اوہ۔ ہاں بھئی۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ کہ تم اس پہلی نیند سے کس طرح جاگے جو تمہارے لئے متوقع نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے تم جان بوجھ کر تو نہیں سوئے تھے۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور وہ خاموشی سے اٹھ کر واپس اسی کمرے میں آگئے جہاں پچھلی رات گفتگو کرتے رہے تھے۔!

اس نے ان لوگوں کو بیٹھنے کی ہدایت کی اور پھر خود ایک میز کی طرف بڑھ گیا۔اس میز پر بھی ایک چوکور بکس رکھا ہوا تھا۔اس نے سیاہ رنگ کا وہ بکس اٹھایا اور سے لئے ہوئے پروفیسر کے سامنے پہنچ گیا۔پھر اس نے بکس کھولا اس میں تہہ در تہہ عجیب سے پتے چنے ہوئے تھے۔ان سبز پتوں پر سفید رنگ کی اجنبی سی تحریر تھی۔اس نے ایک چوڑا پتہ نکال کر ہتھیلی پر رکھا اور اسے پروفیسر کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

''اس تحریر سے آپ واقف نہ ہوں گے پروفیسر۔'' اور پروفیسر پتے پر جھک گیا۔ظاہر ہے اس کے فرشتے بھی اس تحریر کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ اس نے گردن ہلا دی۔تب وہ مسکرایا۔'' یہ بھی میری ہی تحریر ہے، یہ اس دور میں رائج تھی جب میں نے دوسری بار آنکھ کھولی۔اس نے چند پتے الٹے۔ اور پھر ان پر سے دو چوڑے پتے اٹھائے۔

''سنو پروفیسر۔یہ تحریر میرے ہے لیکن میں نے بوڑھے ارکاک کی کتاب سے نقل کی تھی،ارکاک جو میرا دوست تھا اور بلاشبہ اپنے دور کا ایک عالم تھا۔چونکہ یہ تحریر میرے متعلق تھی اس لئے میں نے اس کی اجازت سے اسے نقل کرلیا تاکہ میری کتاب مکمل ہوجائے۔سنو پروفیسر!''

''ارسانہ کے خونریزوں کی چیرہ دستیاں بڑھ چکی ہیں۔برف کے سفید ویرانے ہمارے خون سے رنگ گئے ہیں۔سفید برف پر سرخ دھبے نظر آتے ہیں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ آرسانہ کے وحشیوں کا کوئی گروہ ادھر سے گزرا ہے۔!خوف سرد ہوگیا ہے۔آگ جاگ رہی ہے اور اس آگ کا نام ہے ہاروک۔!بلاشبہ وہ جوانمرد ہے۔جلانے والا اس کی رہنمائی کرے۔''

اس نے پتہ رکھ دیا اور دوسرا پتہ اٹھالیا۔!

''یہاں سکوت ہے۔ہاروک کے لشکر ہی بڑھتے جارہے ہیں۔مانیرا کے غار فولادی ہتھیاروں کے مسکن بن گئے ہیں۔بہت جلد روشنی ہماری ہوگی۔ہم تاریکیوں سے نکل آئیں گے۔اب ہمارے پاس بیشمار دوڑنے والے جانور ہیں اور بیشمار بہادری دکھانے والے۔

تیسرے پتے کی تحریر یوں تھی۔

'خبر دینے والوں نے آرسانہ کے خونریزوں کے بارے میں بتایا کہ وہ ادھر آرہے ہیں۔ہم نے سفر کیا اور محفوظ ویرانوں کا رخ کیا جہاں پانی کی چادریں فضا میں بلند ہیں اور اپنے ساتھ برف کی زمین کو بہا کر لے جاتی ہیں۔جلانے والے کا روشن چہرہ ہمارے سامنے ہے۔لیکن۔یہ اجتماع کیوں ہے۔شاید ہاروک اپنے لشکریوں کو ہدایت دے رہا ہے۔نہیں کوئی اور بات ہے۔اوہ۔برف کی تہہ سے جھانکتی ہوئی سیاہی،یہ کیا ہے۔ لشکریوں نے ہاروک کی ہدایت پر اس شے کو نکالا۔آہ۔یہ تو سمندر کی لہروں پر تیرنے والا جانور ہے جسے لکڑی سے تیار کیا جاتا ہے مگر اس میں یہ کون ہے۔

جلانے والے کی قسم۔یہ تو ہمارا جیسا انسان ہے۔مگر یہ۔اس برف میں کہاں سے آیا کیا یہ ہماری فتح کی علامت ہے؟۔کیا یہ جلانے والا کا اشارہ ہے؟۔

''یہ میں تھا پروفیسر۔!'' اس نے پتے کو احتیاط سے بکس میں رکھتے ہوئے کہا۔اور دوسرے پتے اس پر جمانے لگا۔پھر اس نے یہ عجیب و غریب کتاب بند کردی۔بکس کو احتیاط سے اس کی جگہ رکھ دیا۔اور پھر ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ترقی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ انسان نے غذائی اجناس اگانے شروع کر دیئے، بہتر مکانات تیار کر لئے تھے، اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے مناسب انتظامات کر لئے تھے۔ یوں سمجھیں پروفیسر کہ انسان حجری اور برنجی دور سے گزر کر آہنی دور میں داخل ہو گیا تھا۔ سفید فام، زرد فام اور سیاہ فام نسلیں وجود میں آ چکی تھیں۔ الگ الگ گروہ بن چکے تھے، خوف پیدا ہو گیا تھا اور آسمانی قوتوں کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے مجھے دریافت کیا سورج پرست تھے اور اسے جلانے والے کے نام سے پکارتے تھے جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ شہروں کی تشکیل ہو گئی تھی۔ فوجوں کا تصور پیدا ہو گیا تھا اور اب انسان نے دوسروں پر برتری کے خوابوں پر عمل شروع کر دیا تھا۔ جس کا اندازہ آپ کو اس تحریر سے ہو گیا ہوگا۔ چنانچہ وہ لوگ جنہوں نے مجھے دریافت کیا وہ خانہ بدوش تھے۔ جن پر فتح حاصل کر کے انہیں مطیع کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے کشتی سمیت برف سے نکال لیا۔ سورج کی شعاعوں نے میرے جسم کو حرارت بخشی۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے گرد پھیلے ہوئے انسانوں کو دیکھا۔ یہ گندمی رنگ کے، کھڑے کھڑے نقش و نگار کے خوبصورت نیلی آنکھوں والے لوگ تھے۔ انہوں نے جسموں کو رنگین کپڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ان کے جسموں کے پوشیدہ حصے برہنہ نہیں تھے، انسان کو ستر پوشی کا احساس ہو گیا تھا، جو موسمی لحاظ سے بھی ضروری تھی۔

میں نے ان لوگوں کو تعجب سے دیکھا۔ میں گزشتہ واقعات پر غور کرنے لگا اور آہستہ آہستہ مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ سمندر کی ایک طوفانی لہر نے مجھے برف کی چادر پر دھکیل دیا تھا۔ اور پھر جسم برف کے خنک ذرات میں ڈھک گیا تھا۔ لیکن میرے گرد کھڑے ہوئے یہ لوگ کون تھے۔ اس وقت میں ان کی حقیقت نہیں سمجھ سکا تھا۔

وہ بھی مجھے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ سب سے آگے ان کا نوجوان سردار ہاروک تھا۔ ایک دیو قامت انسان جس کی نیلی آنکھوں میں بجلیاں کوندتی تھیں بلاشبہ اس کی آنکھوں میں بہادری کی چمک تھی۔ تب۔ نیلی آنکھوں والے نے مجھے مخاطب کیا۔

زبان بدلی ہوئی تھی جو پہلے تو میری سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن پھر میں نے اپنی ان ذہنی قوتوں کو آواز دی جو مجھ میں پوشیدہ تھیں۔ میں نے وہی عمل دوہرایا جو ارساس نے مجھے بخشا تھا۔ اور ان کی باتیں میری سمجھ میں آ گئیں۔ وہ مجھ سے میرے بارے میں پوچھ رہے تھے!۔ بدلے ہوئے دور کا مجھے احساس تھا۔ میں اس اکتا دینے والے دور سے نکل آیا تھا۔ صدیوں کی نیند نے میرے ذہن کو تازہ کر دیا تھا! چنانچہ میں نے سردار ہاروک سے بڑی دلچسپ گفتگو کی۔ میں نے اس سے کہا کہ میں ایک پوشیدہ شخصیت ہوں۔ وہ مجھے جو چاہے سمجھ لے، جو چاہے نام دیدے۔

لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھے کیا سمجھ رہے تھے وہ مجھے سورج کا اشارہ سمجھ رہے تھے۔ وہ مجھے ایسی قوت سمجھ رہے تھے جو ان کے لئے آسمان سے اتری ہو۔ اور جو جلانے والے کا پیغام ہے، فتح و کامرانی کا پیغام۔ اور سردار ہاروک نے اپنے لشکریوں کو یہ پیغام پہنچا دیا۔ میرے جواب نے اس کے وہم کو یقین کا درجہ دے دیا تھا۔

لشکری شور غل مچانے لگے اور وہ خوشی سے ناچ رہے تھے انہوں نے میری کشتی پر حملہ کر دیا۔ اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور اس کے ایک ایک ٹکڑے کو تبرک کا آپس میں تقسیم کر لیا۔ بمشکل تمام میں اپنی کتاب اور ان چیزوں کو بچا سکا جو گزشتہ دور کی یادگار تھیں۔ سردار ہاروک نے احترام سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر برف سے ڈھکے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ پھر نقارے بجنے لگے اور دور دور پھیلے ہوئے لشکری ٹیلے کے

چاروں طرف جمع ہو گئے۔ سفید برف انسانوں سے ڈھک گئی۔ بڑا عظیم لشکر تھا۔ وہ سب میرے متعلق باتیں کر رہے تھے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہے تھے۔

تب سردار بارو ک کی آواز ابھری۔

''عظیم ساتھیو! تمہیں آرسانہ والے حقارت سے دیکھتے ہیں...... تم جو جلانے والے کے پرستار ہو...... تم جو اپنی حیثیت، اپنے وجود کو منوانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ خوش ہو جاؤ۔ سجدہ شکر کرو جلانے والے کا کہ اس نے ''لاتوئی'' کو ہمارے درمیان بھیج دیا۔ ہاں یہ وہی لاتوئی ہے جس کی اطلاع ہمارے بڑوں نے دی اور کہا کہ اس کی آمد نصرت کا نشان ہے۔ خوش ہو جاؤ غاروں میں بسنے والو...... کہ اب آرسانہ کی بستیاں ہماری ہوں گی۔ ہمارے حقوق ہمیں مل جائیں گے۔ آرسانہ والے ہمارے غلام ہوں گے۔ ان کی ہمیں غلام بنانے کی کوششیں فنا ہو جائیں گی۔ جلانے والے نے ہماری مدد کی ہے ہمیں لاتوئی کے وجود کو سجدہ کرنا چاہئے۔ جھک جاؤ۔ سب لاتوئی کے سامنے جھک جاؤ۔''

اور میں نے دیکھا۔ وہ سب اوندھے منہ گر پڑے۔ خود سردار بارو ک بھی میرے سامنے سربسجود ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن میں جہاندیدہ تھا۔ میں نے دنیا دیکھی تھی میں انہیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ان کی کسی حرکت سے انحراف نہ کیا۔

پھر وہ اٹھے...... اور بارو ک مجھے اسی احترام سے نیچے لے آیا۔ تب وہ سب خوشی سے ناچنے کودنے لگے۔ شور مچانے لگے اور بارو ک مجھے لئے ہوئے سفید دیوار کی دوسری طرف پہنچ گیا جہاں ان کی عورتیں اور بچے خیموں میں موجود تھے۔ یہاں بھی مجھے سجدے کئے گئے اور ایک بڑے خیمے میں پہنچا دیا گیا اور یہیں میری ملاقات ارکاک سے ہوئی۔ ارکاک جو ایک مخلص انسان تھا اور جس کے پاس علم کی بے پناہ قوتیں تھیں۔ ارکاک مجھ سے بڑے احترام سے ملا اور مجھے اس بوڑھے میں بہت کچھ نظر آیا چنانچہ میں نے اس کا احترام کیا۔

''میں تیرا غلام ہوں لاتوئی۔ تیرا ایک ادنیٰ غلام۔ میں تیری خدمت میں حاضر رہوں گا۔ ان لوگوں نے مجھے تیری خدمت کے لئے مقرر کیا ہے۔ میں تجھ سے ہدایات لے کر انہیں دوں گا۔ ہم مظلوم ہیں لاتوئی۔ آرسانہ کے انسانوں نے ہم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے۔ ہم ان کے ظلم سے نجات چاہتے ہیں ہمیں نجات دے۔''

''فتح تمہاری ہے۔'' میں نے اس سے کہا اور اس نے یہ پیغام باہر نشر کر دیا۔ ان کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ کیا بتاؤں پروفیسر کہ انہوں نے کس کس انداز میں خوشیاں منائیں۔ مجھے یہ ماحول بہت پسند آیا تھا۔ اس ماحول میں اجنبیت تھی، دلکشی تھی، ندرت تھی چنانچہ میں نے اس ماحول کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سوچ لیا کہ میں پہلے ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا اور ان میں اپنا ایک مقام بناؤں گا جس انداز میں بھی ہو سکا ان کی مدد کروں گا اور اپنا بھرم قائم رکھوں گا۔!

چنانچہ بوڑھا ارکاک اس سلسلہ میں میرا زبردست معاون ثابت ہوا۔ بوڑھا زیرک تھا، ہوشیار تھا لیکن میرا وجود جس طرح ظہور میں آیا تھا اس کے پیش نظر وہ بھی مجھے کوئی آسمانی قوت سمجھتا تھا اور میرے اوپر ایمان رکھتا تھا۔

انہوں نے میری خاطر مدارت میں زمین آسمان ایک کر دیئے۔ عمدہ اور لذیز کھانے جن کا مزہ میرے لئے بالکل نیا تھا۔ اب وہ آگ پر

پکے ہوتے تھے۔ آگ کے بغیر اب کھانوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھل اور سبزیوں کی بات دوسری تھی۔ یہیں میں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے ان سیاہ و سفید جانوروں کا استعمال دیکھا جنہیں گھوڑا کہتے ہیں۔ میں نے یہ لفظ غلط تو نہیں استعمال کیا پروفیسر......؟'' اور پروفیسر نے نفی میں گردن ہلادی۔

بہرحال یہاں مجھے لاتوئی کا نام دیا گیا تھا جس کا مطلب تھا سورج کا بیٹا......! اور پروفیسر اس لحاظ سے میرے اس دوسرے دور میں میرا نام لاتوئی تھا۔ میں لاتوئی بن گیا اور لاتوئی ہی بنے رہنے میں، میں نے عافیت سمجھی۔ ان لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا تھا اور میرے احکامات کے منتظر تھے۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد ان کے بارے میں معلومات حاصل کرلوں۔ اس وقت سے پہلے جب آرسانہ کے لوگ یہاں تک پہنچ جائیں اب ان کی زندگی کی حفاظت میرا بھی فرض تھا۔!

چنانچہ میں ان میں گھس گیا۔ میں نے ان خیموں میں دیکھا۔ وہ فطرت انسانی کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ صرف تھوڑی سی تربیت یافتہ تبدیلیوں کے ساتھ۔ مجھے ان کے رہن سہن کو سمجھنے میں دقت نہ ہوئی۔ تب ایک شام ارکاک میری خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی کہ میں نے اس سے کہا۔

''مجھے آرسانہ کے بارے میں بتاؤ ارکاک۔ مجھ سے اپنی تکلیفیں بیان کرو۔ تم اب تک کیوں خاموش ہو۔؟''

''ہم تیرے حکم کے منتظر تھے لاتوئی......! ہم تیرے احکامات کا انتظار کر رہے تھے اور یہ تیرے قدموں کی برکت ہے کہ آرسانہ والوں کا رخ اس طرف نہیں ہوا اور نہ اب تک وہ یہاں پہنچ جاتے۔''

اور میں نے تعجب کی ایک گہری سانس لی۔ اگر آرسانہ والے یہاں آجاتے اور جنگ ہوتی تو میری وقت کم ہو جاتی۔ شاید وہ اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرتے چنانچہ میں پھر وہی الفاظ دوہرائے۔ بوڑھے ارکاک نے نظر جھکا کر کہنا شروع کیا...... تو سب کچھ جانتا ہے لاتوئی۔ تاہم اگر تیرا حکم ہے تو سن۔ قرب و جوار کے تمام قبیلے سمٹ کر آرسانہ سے جاملے ہیں۔ آرسانہ والے ان کی تحقیر کرتے ہیں کیونکہ ان کے رنگ سفید ہیں۔ وہ خود کو برف کا پرستار سمجھتے ہیں لیکن ان کی قوت نے تمام قبیلوں کو زیر کرلیا ہے۔ ہم جن کی کوئی ہستی نہیں ہے ہم جو برف کے مسافر ہیں ایک جگہ قیام کرنا چاہتے ہیں لیکن آرسانہ والوں کا خیال ہے کہ ہمیں بھی ان کا غلام ہونا چاہئے۔ ہم نے یہ غلامی قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ چنانچہ وہ ہم پر ستم کرتے ہیں۔ ہمارے قافلوں پر حملہ کرکے ہمیں تباہ کردیتے ہیں، موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں اور ہم ان کے خوف کے چھپے چھپے پھرتے ہیں لیکن اب ہم سب ہاروک کی قیادت میں جمع ہو گئے ہیں۔ ہم نے آرسانہ والوں کے ہتھیاروں کی نقل شروع کردی ہے اور برف کے اس میدان سے پرے ہمارے بے شمار آدمی ہتھیاروں کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ہمارے آدمیوں کا ایک گروہ خشک علاقے میں گھوڑے پکڑ کر انہیں سدھانے پر مامور ہے۔ ہم اپنی بقا کی آخری جنگ چاہتے ہیں۔ ہم غلامی قبول نہیں کریں گے۔!

میں بوڑھے ارکاک کا چہرہ دیکھ رہا تھا جس کے خدوخال میں آزادی کی چمک تھی۔ وہ حریت پسند انسان تھا اور ایسے لوگوں کی مدد انسانی فرض ہوتا ہے چنانچہ میں نے تہیہ کرلیا کہ میں حتی المقدور ان کی مدد کروں گا!

''آرسانہ یہاں سے کتنی دور ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''برف کے دوسرے سرے پر آباد ہے۔ انہوں نے خشکیاں اپنا رکھی ہیں اور وہاں اونچے اونچے مکان بنا کر رہتے ہیں۔''

''گویا ان کے اور ہمارے درمیان یہ برف کے میدان حائل ہیں۔''

''ہاں!''

''تب پھر ہم برف پر کیوں رہتے ہیں؟ جب تک ہم ان سے جنگ کر کے ان کی بستیوں پر قابض نہ ہو جائیں ہمیں ان سے زیادہ فاصلے پر رہنا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ اس جگہ جہاں ہمارے ساتھی ہتھیار تیار کر رہے ہیں۔''

اورارکاک مجھ سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔ اس نے لاتوئی کا پہلا حکم سنایا اور تمام لوگ سفر کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اب یہ دنیا میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھی۔ میں ان لوگوں کو خوب سمجھ گیا تھا اور مجھے ان میں اپنا بھرم قائم رکھنا تھا اس کے لئے میں چالاکی سے کام لے رہا تھا۔ میں ان پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ کس طرح میرے احکامات پر زندگی لٹانے پر تیار ہیں۔ اس لئے ان کی حفاظت میرا فرض بن گئی تھی اور میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے انہیں نقصان ہو اور وہ مجھ سے بدظن ہو جائیں۔

گھوڑے کے سفر میں مجھے بڑی دقتیں پیش آئی تھیں۔ میں نے اس سے قبل کسی جانور پر سفر نہیں کیا تھا لیکن میں اس سواری سے لاعلمی یا اناڑی پن کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے بڑی احتیاط سے گھوڑے کی سواری کی اور پروفیسر۔ مجھے اس سواری میں بہت لطف آیا۔ ایک لشکر عظیم میری رہنمائی میں سفر کرتا رہا۔ میری ذہنی قوتیں بیدار تھیں اور میں ہر ضرورت کے وقت اس انداز سے ارکاک سے دریافت کر لیتا تھا تاکہ اسے شبہ بھی نہ ہو اور میرا بھرم بھی قائم رہے۔

لیکن ہاروک کے لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے میں جن کے ذہنوں میں چبھ رہا تھا چنانچہ سفر ہی کے دوران...... ایک سرمئی شام کو، جب ہم نے ایک برفانی تودے کے پیچھے اپنے خیمے ڈالے ہوئے تھے میں نے خیمے کے باہر کچھ شور سنا۔ اس وقت میں اپنے خیمے میں تنہا تھا۔ شور بڑھتا جا رہا تھا میں نے ان کی آوازیں سنیں لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

تب میرے ذہن میں خیال گزرا۔ شاید آرسانہ والوں نے حملہ کر دیا ہے اور میں بجلی کی سی تیزی سے باہر نکل آیا۔ ہاں میں نے ایک جم غفیر دیکھا۔ لوگ کسی کو کھینچ رہے تھے۔ اس پر ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے۔ میں آگے بڑھا اور ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ تب مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ لوگوں نے مجھے جگہ دے دی اور ادھر ادھر ہٹ گئے۔

میں نے درمیان میں دس بارہ آدمیوں کو دیکھا جن کے لباس پھٹ گئے تھے۔ جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے۔ لوگ اب بھی خونخوار نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان میں ہاروک بھی شامل تھا۔

''کیا بات ہے ہاروک۔ کیا بات ہے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اور انہوں نے کیا کیا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔ اور مجمع میں سے ارکاک نکل کر میرے سامنے آ گیا۔

''گناہِ عظیم کیا ہے انہوں نے جلانے والے کے بیٹے۔ انہوں نے ہمارے معبود کی توہین کی ہے۔'' ارکاک کے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے وہ بھی سخت غضبناک معلوم ہوتا تھا۔ میں ابھی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔ چنانچہ میں پریشان نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''انہوں نے تیرے اوپر شک کیا ہے لاتوئی۔ ہاں وہ تیرے لئے دل میں شبہ رکھتے ہیں۔'' اس بار باروک نے کہا۔

''میرے لئے۔؟'' میں تعجب سے بولا۔

''ہاں۔ انہوں نے وہ الفاظ کہے ہیں جو ہم ادا نہیں کر سکتے۔'' باروک نے کہا۔

''مجھے بتاؤ انہوں نے کیا کہا ہے؟'' میں عتاب زدہ لوگوں کو دیکھتے ہوئے بولا ''مجھے بتاؤ۔ یہ میرا حکم ہے۔'' اس بار میں نے سخت لہجے میں کہا۔ درحقیقت ان کی خاموشی پر مجھے غصہ آ رہا تھا۔

''انہوں نے کہا ہے لاتوئی۔ تو لاتوئی نہیں ہے۔ ہم نے تجھے لاتوئی تصور کرایا ہے۔ تو جلانے والے کا بیٹا نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے لاتوئی۔ کہ ہو سکتا ہے تو آرسانہ والوں کا مخبر ہو۔ اور چالاکی سے یہاں تک پہنچا ہو۔ انہوں نے گناہِ عظیم کیا ہے لاتوئی۔ انہیں تو ہی سزا دے۔ یہ تیرے گنہگار ہیں۔''

میں ایک بار پھر ان زخمیوں کو دیکھا۔ بیشک وہ ذہین تھے اور انہوں نے ذہانت کی بات کی تھی۔ اپنے مذہبی عقائد کی بناء پر انہوں نے ان لوگوں کو مجرم سمجھا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ چالاک تھے اور قابل سزا نہ تھے۔ زمانے کے سرد و گرم نے مجھے غیر فانی ذہانت بخش دی تھی پروفیسر۔ کیونکہ میں ان لوگوں سے نہ تھا۔ جو پیدا ہوتے اور مر جاتے ہیں۔ میں تو ہر دور کا مدبر ہوں، اور اب میں نے جینے کے ڈھنگ سیکھ لئے تھے۔ میں اپنی حیثیت پہچان گیا تھا میرا اندازِ فکر ان سے بالکل مختلف تھا۔ کیونکہ میرے جسم میں خاصی قوتیں سرایت کر گئی تھیں۔ کائنات نے، جس کے وجود کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا مجھے ایک خاص قوت بخشی تھی۔ بہت عرصے تک زندہ رہنے کی قوت، تو اس قوت کے ساتھ اس نے مجھے ذہن بھی ایسا بخشا تھا کہ میں دوسروں سے منفرد انداز میں سوچ سکتا تھا۔ ہاں میں نے تہذیب کا ارتقاء دیکھا اور خود کو اسی رنگ میں ڈھالنے کی قوت پائی۔ مجھے جینا آتا تھا، مجھے ہر دور میں اپنی جگہ بنانی آتی تھی اور اس کے لئے مجھے جو خصوصی ذہانت بخشی گئی تھی میں اسے ہمیشہ بروئے کار لاتا رہا۔

مجھے ان کے ساتھ رہنا تھا۔ دنیا دیکھنی تھی، علم سیکھنے تھے اور میں جانتا تھا کہ وہ اس دور کے انسان ہیں، مجھے ان میں اپنا بھرم قائم رکھنا ہے۔ چنانچہ میں نے کچھ سوچا۔ میں چاہتا تو انہیں موت کی سزا دے سکتا تھا جنہوں نے میرا کھوج لگانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان چند لوگوں کو سزا دے کر میں اس خیال کو فنا نہیں کر سکتا تھا۔ نہ جانے کتنے ہوں گے جو میرے بارے میں اس انداز میں سوچتے ہوں گے۔ مجھے انسانی زندگی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی کہ میں ان لوگوں کی جان لینے کی کوشش کرتا۔ چنانچہ میں نے ایسی ترکیب سوچی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ نفرت کی آوازوں پر میری آواز غالب آ گئی۔

''سنو اے لاتوئی والو...... سنو...... غور سے سنو...... یہ لوگ مجرم نہیں ہیں۔ یہ اپنی ملت کے وفادار ہیں۔ ہاں یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ جینا جانتے ہیں یہ اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ تم نے کیا دیکھ کر مجھے لاتوئی مانا ہے۔ صرف یہ کہ میں برف میں دفن ملا ہوں۔ یہ میرے لاتوئی ہونے کی

دلیل نہیں ہے۔ انہیں آزاد کردو، اور انہیں اپنے سوال کا جواب لینے کا حق بخشو۔ اگر یہ حق انہیں نہ ملا تو پھر مجھ میں اور آرسانہ والوں میں کیا فرق رہ جائے گا جو حقوق غصب کر کے آوازیں دبانا چاہتے ہیں۔''

میری یہ چھوٹی سی تقریر ان کے لئے بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ بارو ک کے چہرے پر شرمندگی کے آثار ابھر آئے۔ آرکاک کا منہ لٹک گیا لیکن میں نے دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لئے عظمت اور محبت دیکھی۔ تب باروک کے اشارے پر بندھے ہوؤں کو کھول دیا گیا۔ وہ لوگ بھی اب مجھ سے نگاہیں نہیں ملا رہے تھے۔

لیکن میں نے انہیں آواز دی اور اپنے سامنے کھڑے ہونے کو کہا۔

''مجھ سے پوچھو لوگو۔ کہ میں کون ہوں۔ میں تمہیں جواب دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ہم جاننا چاہتے تھے کہ کیا تم لاتوئی ہو.....'' ان میں سے ایک نے بے خوفی سے کہا۔

''تم نے مجھے یہ نام دیا ہے۔ تم نے مجھے لاتوئی کہا ہے..... بتاؤ کیا تم میں سے کوئی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں خود کو لاتوئی کہا ہے۔ جواب دو۔!'' اور میرے اس سوال پر وہ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

پھر جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے خود کہا۔ ''لیکن تم ٹھیک کہتے ہو..... میں لاتوئی ہوں۔ اگر لاتوئی اسے کہتے ہو جو تمہاری مدد کرنے آیا ہے جو تمہیں آرسانہ کے ظلم و ستم سے نجات دلانے آیا ہے تو ہاں میں لاتوئی ہوں۔ میں آرسانہ والوں کی موت ہوں۔ میں ان سب سے زیادہ طاقتور ہوں جو تمہارے اوپر ظلم کرتے ہیں اور میں تمہیں اس کا ثبوت دوں گا۔ لیکن سنو اگر اس ثبوت کے بعد بھی اگر تم نے میرے اوپر شک کیا تو پھر میں خاموشی سے تمہارے درمیان سے چلا جاؤں گا۔ اور پھر آرسانہ والے میرے دوست ہوں گے۔''

تب میں نے باروک کو آواز دی......!''باروک اپنے سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار انہیں دو۔ یہ میرا حکم ہے۔''

''ہتھیار دو۔!'' باروک نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ ان سب لوگوں کو فولاد کے تیز دھار والے چمکدار ہتھیار دیئے گئے..........اور وہ ہتھیار لے کر لرزنے لگے۔

''سنو۔ میرے جسم پر وار کرو۔ پوری قوت سے۔ اور اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو میں تمہیں سزا دوں گا، تم میں سے ایک ایک کو قتل کر دوں گا۔''

''ہمیں معاف کر دے لاتوئی۔ ہمیں معاف کرو۔'' وہ سب ہتھیار پھینک کر اوندھے منہ گر پڑے لیکن میں ان سب پر اپنی ہیبت، اپنی پراسرار قوتوں کی دھاک بٹھانا چاہتا تھا، مجھے وہ جنگ یاد تھی جو میں نے گولامیوں سے لڑی تھی۔ اس جنگ میں گولامیوں کے ہتھیار میرے جسم پر بے کار ثابت ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ان کے ہتھیار بھی میرے اوپر کارگر نہ ہوں گے۔

''میرے حکم کی تعمیل کرو۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ہزاروں انسانوں کے مجمع پر سکوت طاری تھا۔ میرا غصہ کارآمد ہوا۔ وہ لوگ لرزتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے ہتھیار اٹھا لئے۔ اور پھر وہ میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔

''میرے جسم پر وار کرو۔ اگر تمہارے وار کمزور ہوئے تو میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔'' میں نے کہا۔ اور پھر میں آرکاک کی طرف رخ کر کے بولا۔'' ارکاک، آگ کا ایک بڑا الاؤ تیار کرو...... فوراً۔ ا'' اور آرکاک نے بھی گردن جھکا دی۔ سب لرز رہے تھے، یہاں تک کہ ہاروک کے جسم پر بھی رعشہ طاری تھا۔ بہرحال میرے دوسرے حکم کی بھی تعمیل ہونے لگی۔

وہ لوگ بادل نخواستہ میرے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے تھے اور پھر میرے سامنے کھڑے ہوئے قوی ہیکل جوان نے اپنے مڑے ہوئے تیز دھار والے تیشے سے میرے بائیں شانے پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ اور اپنے بارے میں میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ اس کا خوفناک ہتھیار میرے شانے پر پڑ کر اچٹ گیا۔ اور حملہ آور کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ پھر جیسے انہیں اس کام سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ وہ ہتھیاروں سے میرے اوپر حملے کرنے لگے۔ اور مجھے بھی اپنی پراسرار قوت کو آزمانے کا موقع مل گیا۔

یہاں تک کہ وہ لوگ تھک گئے اور جونہی انہوں نے ہتھیار پھینکے ہاروک سمیت تمام لوگ سجدوں میں گر پڑے۔ اب وہ دل سے میری پراسرار قوتوں کے قائل ہو گئے تھے۔ لیکن میں نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ اور ہاروک کی طرف بڑھ کر بولا۔

''نوجوان سردار...... تم نے مجھے لاتوئی کہا ہے۔ تم جلانے والے کی پرستش کرتے ہو۔ دیکھو۔ آگ میرے لئے ایک حقیر شے ہے۔ وہ مجھے نہیں جلا سکتی کیونکہ...... میں اسی آگ کا مظہر ہوں۔ آؤ...... اس کے بعد تمہارے دل میں کوئی خلش نہ رہ جائے۔'' میں آگ کے اس دہکتے ہوئے الاؤ کی طرف بڑھا جس کے شعلے آن کی آن میں آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے لوگوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ خوفناک الاؤ سے دور تپش پھیل گئی تھی اور اس کی تپش سے برف پگھل رہی تھی۔ میں اطمینان سے آگ میں داخل ہو گیا۔ یہ آگ میرے لئے واقعی حقیر تھی۔ آگ تو میرے جسم کو جلا بخشتی تھی میرے ذہن پر چھائی ہوئی کہر صاف ہو گئی۔ میرا رنگ اور نکھر آیا۔ اب میں دو آتشہ ہو گیا تھا۔ آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ سے جب میں نے باہر قدم رکھا تو میرے مخالف زمین پر لوٹ رہے تھے وہ اپنے چہرے پیٹ رہے تھے کہ انہوں نے مقدس لاتوئی پر شک کیوں کیا۔ ہاروک اور ارکاک گردن جھکائے کھڑے تھے۔ ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی ان پر۔ میں تمہیں کیا بتاؤں پروفیسر۔ کہ ان لوگوں کی کیا کیفیت تھی۔ خوف اور امید کی ملی جلی کیفیت! تب میں نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

''تم نے میری حقیقت جاننا چاہی تھی، میں نے تمہیں بتا دی۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ سفر شروع کرو۔ کامرانی کا سفر۔ ا'' ان سب کے چہرے مسرت سے کھل اٹھے اور وہ لوگ خوشی سے اچھلنے لگے! اس طرح میں نے ان کے دل فتح کر لئے تھے۔

تم مجھے ہر دور کا ذہین ترین انسان کہہ سکتے ہو پروفیسر۔ ممکن ہے تمہاری نگاہ میں یہ خود پرستی ہو۔ لیکن تاریخ گواہ ہے، واقعات شاہد ہیں کہ میں نے جس دور میں بھی آنکھ کھولی، دنیا کو جہاں بھی پایا، وہاں اپنا ایک منفرد مقام بنا لیا۔ وہاں کے باشندوں میں۔ وہاں کی سلطنتوں میں ایک ممتاز حیثیت کا حامل رہا۔ میں اب دنیا کو پوری طرح سمجھ گیا تھا۔ میں ہر دور کی ضروریات سے آگاہ تھا، کیونکہ میرے پاس تجربات تھے۔ میں دوسروں سے بہتر سوچ رکھتا تھا۔ میں قوموں کی تقدیریں بدلنے کی قوت رکھتا تھا۔ چنانچہ غار والے مجھے مقدس لاتوئی کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ وہ صرف میرے احکام مانتے تھے اور میں انہیں منظم کر رہا تھا۔ میں انہیں ایک زبردست جنگ کے لئے تیار کر رہا تھا۔ آرکاک جیسا جہاندیدہ شخص میرا مشیر تھا۔

میں نے اس سے اس وقت کے بہت سے علوم سیکھے، رائج الوقت تحریر سیکھی اور اس دور کی مکمل تاریخ لکھنے لگا۔ میرا صرف یہی کام نہیں تھا۔ میں نے غاروں میں ان کی حکومت قائم کردی تھی ان کی سرحدوں کی ناکہ بندی کرادی تھی۔ کچھ لوگ سرحدوں کی حفاظت کرتے اور آرسانہ والوں سے ہوشیار رہتے۔ آرسانہ کے فوجی دستے کبھی کبھی ان علاقوں سے گزرتے اور غاروں والے نفرت سے انہیں دیکھتے۔ لیکن میرے سخت ہدایت پر کبھی غار والوں نے آرسانہ کے دستوں کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ان سے ہمیشہ پوشیدہ رہے۔ حالانکہ ہم چاہتے تو ان دستوں کو آسانی سے ختم کر سکتے تھے لیکن میں حکمت عملی سے کام لے رہا تھا۔ میں ابھی غار والوں کی قوت منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ آرسانہ والوں کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ برف کے ناکارہ باشندے ایک بڑی قوت بن کر سامنے آسکتے ہیں۔ میں خاموشی سے ان پر ٹوٹ پڑنا چاہتا تھا، اور اس کے لئے بھرپور تیاریاں کر لینا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آرسانہ کے دستے بے خوف وخطر نقل وحرکت جاری رکھے ہوئے تھے۔

ویسے میں نے ان سفید فاموں کو دیکھا تھا، وہ بڑے خوبصورت تھے غار والوں کی طرح ان کے نقوش تیکھے تھے۔ اور رنگ سفید، جس کی وجہ سے وہ بہت خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ہتھیار بھی خوب چمکدار ہوتے اور ان کے گھوڑے تندرست ہوتے۔ میں جانتا تھا کہ بڑا سخت مقابلہ ہوگا!! اور میں غار والوں کو مکمل تیاری کے بغیر ان کے سامنے لانا نہیں چاہتا تھا۔

یہاں مجھے ہر طرح کا آرام تھا، سوائے ایک تکلیف کے۔ اور وہ تکلیف جنس کی تھی۔

ہاں پروفیسر...... یہاں اس قبیلے میں، میں ابھی تک عورت سے محروم تھا۔ اس نئے دور میں کوئی عورت میرے قریب نہیں آئی تھی۔ دراصل رشتے متعین ہو چکے تھے۔ باپ، بھائی، ماں، بہن بیٹی کا تصور پیدا ہو گیا تھا، بھائی اور بہن آگے اور سامی بھی تھے۔ سامی کو صرف اس لئے ہلاک کر دیا گیا کہ وہ آگے کے لئے تھی اور اس کا جسم آگے کے بجائے مجھے پیش کر دیا تھا۔ لیکن اس زمانے میں، میں نے رشتوں کی تفریق دیکھی، بھائی بہن کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا تھا، باپ بیٹی کو اور ماں بیٹے کو۔

میں اگر چاہتا تو یہاں کی ہر لڑکی میرے حرم میں داخل ہو جاتی لیکن وہ مجھے اپنا مقدس رہنما مانتے تھے۔ ہر لڑکی مجھے باپ سمجھتی تھی۔ اور اسی انداز میں پیش آتی تھی...... ان دنوں میں ایک ایسے غار میں مقیم تھا جو دوسرے غاروں سے قدرے بلند مقام پر تھا۔ یہاں میرے لئے ہر آسائش کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ یہاں سے میں دور دور تک نظر رکھ سکتا تھا اور اکثر شام کی کجلاہٹوں میں، میں غار سے باہر نکل آتا، اور غروب ہوتے سورج کا منظر دیکھتا۔ یہ منظر مجھے بہت پسند تھا۔

ایسی ہی ایک شام کو میں تن تنہا غار سے دور ایک پتھر پر بیٹھا تھا، میرے نگاہیں پتھروں میں بھٹک رہی تھیں کہ میں نے کچھ آہٹیں سنیں اور میری گردن اس طرف گھوم گئی۔ رنگین لباس میں ملبوس، ایک شعلہ بدن، دبے پاؤں ایک طرف بڑھ رہی تھی۔ جس طرف وہ بڑھ رہی تھی۔ میں نے اس طرف دیکھا، تب میری نگاہ اس نوجوان پر پڑی۔ وہ جو ایک پتھر سے ٹکا بیٹھا تھا۔ اس کا فولادی ہتھیار اس کے نزدیک رکھا تھا۔ یہ شاید پہرے داروں میں سے تھا اور لڑکی اسی طرف جا رہی تھی۔

گویا یہاں بھی حسن عشق کی دلکشی موجود تھی۔ میں نے سوچا اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھنے لگا۔ میرے دل میں لاکا جاگ اٹھی تھی۔ مجھے سامی

یاد آ گئی تھی، اس سے پہلے کی لڑکیاں یاد آ گئی تھیں، جن کا کوئی نام نہیں تھا۔ میں نے لڑکی کو اس نوجوان کے قریب پہنچتے ہوئے دیکھا۔ تب نوجوان نے شاید اس کے قدموں کی آہٹ سن لی۔ اس نے بجلی کی طرح تڑپ کر اپنا ہتھیار اٹھایا اور لڑکی کی طرف پلٹ پڑا۔

لڑکی ایک سریلی سی چیخ مار کر ہنس پڑی۔ اور نوجوان بھی ہنسنے لگا اس نے لپک کر لڑکی کو دبوچ لیا۔ اور لڑکی اس کے بازوؤں میں سما گئی۔ دونوں شاید ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ نوجوان نے اسے پتھر پر لٹا دیا.....لڑکی کی بانہیں اس کی گردن میں حمائل تھیں۔

اس منظر نے میری رگوں میں انگارے بھر دیئے اور میں بے چین ہو گیا مجھے پھر کسی ساتھی کی ضرورت تھی۔ میں ایسی مرمریں بانہیں اپنی گردن میں حمائل دیکھنا چاہتا تھا۔ میں پرشوق نگاہوں سے ان دونوں کو پیار کرتے دیکھتا رہا۔ انہوں نے محبت کی حدود قائم کر رکھی تھیں اور پھر دونوں کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ سورج چمکتا رہا۔ یہاں تک کہ تاریکی پھیل گئی۔ میں پتھر کے بت کی طرح ساکت تھا۔ میرے دل و دماغ میں ہیجان برپا تھا۔ پھر لڑکی نے شاید نوجوان سے اجازت مانگی اور اپنا لباس درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

نہ جانے میرے ذہن میں کیا سمائی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے لڑکی کو گزرنا تھا۔ لڑکی واپس آ رہی تھی اور میں اس طرف چھپا ہوا تھا، اور پھر جونہی وہ میرے قریب پہنچی۔ میں اس کے سامنے آ گیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔

اس نے مجھے دیکھا۔ اور اس کے چہرے پر عقیدت کی سرخی دوڑ گئی اس کا خوف رفع ہو گیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' میں نے اس سے کہا اور واپس مڑ گیا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں اپنے غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں لگی ہوئی مشعلیں میں نے روشن کر دیں۔ یہ موی مشعلیں تھیں جن کی روشنی کافی تیز ہوتی تھی۔ اور ان مشعلوں کی روشنی میں، میں نے لڑکی کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا جیسے اسے میری طرف سے کوئی خدشہ نہ ہو میں اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس کی نگاہیں جھک گئیں۔

''کیا نام ہے تمہارا۔؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''کوکی۔!'' اس نے جواب دیا۔

''کہاں سے آ رہی ہو۔؟''

''وہ۔ وہ۔'' اس کے چہرے پر ہلکی سی زردی پھیل گئی۔ لیکن مجھ سے جھوٹ بولنا گناہ تھا۔ اس لئے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''سالوگ کے پاس سے۔''

''وہ تمہارا کون ہے؟''

''کوئی.....کوئی نہیں.....مگر.....میں اسے پیار کرتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ یہ جواب بھی بحالت مجبوری دیا گیا تھا، ورنہ شاید اگر کوئی اسے قتل بھی کرتا تب بھی وہ یہ بات نہ بتاتی۔ میں نے اسے اوپر نیچے تک دیکھا۔ وہ انتہائی خوبصورت جسم کی مالک تھی۔

میں آگے بڑھا اور میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ لئے۔ اس نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، اس کے ہاتھ لٹکے رہے اس نے.....گرم جوشی کا ثبوت نہ دیا.........میں تلملا کر رہ گیا۔ میں نے اس کے شانے چھوڑ دیئے۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا پروفیسر۔ البتہ اس کی آنکھوں سے

اب بھی عقیدت جھلک رہی تھی۔ اور اس وقت یہ عقیدت مجھے زہر معلوم ہونے لگی میں اسے گھورتا رہا۔ اس کی آنکھیں پھر جھک گئی تھیں۔ میں اسکے جذبات بیدار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میری گردن اس کی بانہوں کو ترستی رہی۔ میرے ہونٹ اس کی تحریک کو ترستے رہے۔

وہ اب بھی عقیدت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

''کوکی۔!'' میں نے دنت پیستے ہوئے کہا۔

''مم۔ مقدس لاتوئی۔!'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی...... لیکن اس کے چہرے کا سکوت میرے ذہن کو جھنجوڑ رہا تھا۔

''کوکی۔'' میں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے کہا۔

''مقدس لاتوئی۔!''

''بیٹھ جاؤ۔!'' میں نے کہا اور وہ میرے اشارے پر بستر پر بیٹھ گئی۔

''لیٹ جاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ لیٹ گئی۔

''اگر میں تمہارے اس حسین جسم کو پامال کر دوں تو تمہارے کیا تاثرات ہوں گے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں...... میں سمجھوں گی...... میں سمجھوں گی مقدس لاتوئی، اسی میں میری بہتری ہو گی۔ اسی میں میری نجات ہو گی۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا اور میرے ذہن میں تاریکی چھا گئی۔ یہ صورتحال میرے لئے سخت اذیت ناک تھی۔ میں غار والوں کے تمام جوانوں سے زیادہ حسین تھا۔ ان سب سے زیادہ خوبصورت جسم کا مالک تھا لیکن ان سب کے دلوں میں میری عقیدت تھی۔ وہ مجھے ایک مرد کی حیثیت سے دیکھنا بھی گناہ سمجھتی تھیں اور پروفیسر۔ جنس مخالف اگر خود سپردگی کا اظہار نہ کرے تو اس کے حصول میں کیا لذت رہ جاتی ہے۔ میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی۔ میں خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا اور وہ اسی انداز میں لیٹی رہی جس طرح میں نے کہا تھا۔ تب میں نے اسے اٹھ جانے کا حکم دیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میرے دوسرے حکم پر خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں پریشان بیٹھا رہا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہاں کا بچہ بچہ میری عزت کرتا ہے۔ مجھے اوتار سمجھتا ہے۔ اپنا مقدس پیشوا سمجھتا ہے چنانچہ مجھے جنس کی لطافت نہ مل سکے گی۔ اس تصور سے میں پریشان ضرور رہا لیکن میرے دل میں کوئی ایسی بات نہ آئی جو ان کے لئے نقصان دہ ہوتی۔ میں اب بھی ان کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا چنانچہ میں نے خود کو تسلی دی جو کچھ میں کر رہا تھا اسی میں خود کو مصروف رکھنا ہو گا۔ ذہن سے عورت کا تصور نکالنا ہو گا۔

اور میرے دل میں پاکیزگی سرایت کر گئی۔ اس قبیلے میں یہ پہلا اور آخری واقعہ تھا پروفیسر...... اس کے بعد میں نے قبیلے کی لڑکیوں کو فراموش کر دیا۔ کوکی نے مجھے بہترین سبق دیا تھا لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک خلش بیدار ہو گئی تھی۔ میں اب قبیلے کی کسی لڑکی کو غلط نگاہ سے نہ دیکھتا لیکن عورت کی طلب کو میں نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ تب ایک رات میرے ذہن میں انوکھا خیال آیا۔ مجھے غار والوں کی سرحدوں سے گزرنے والے سفید فام آرسانی یاد آئے۔ غار والے مجھے مقدس لاتوئی سمجھتے تھے لیکن آرسانہ کے لوگ مجھ سے واقف نہ تھے اور یقیناً ان کی عورتیں

بھی ان کی طرح حسین ہوں گی۔ سچ کہوں پروفیسر...... مجھے آرسانہ والوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ ان کی ہیبت کے قصوں نے مجھے ان سے متنفر کر دیا تھا اور میں ان کو تباہ کر دینا چاہتا تھا حالانکہ میں نے انہیں دیکھا نہیں تھا۔ انہیں پرکھا نہیں تھا لیکن جن لوگوں سے میرا واسطہ تھا وہ اتنے اچھے تھے کہ آرسانہ والوں کو میں برا سمجھنے پر مجبور تھا۔ یہ سیدھے سادے لوگ تھے اور میں سمجھتا ہوں یہ آزادی ان کا حق تھی۔ طاقت کے زور پر انہیں غلام بنانے والوں کو فنا ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے جو ترکیب سوچی وہ یوں تھی کہ کیوں نہ جنگ سے پہلے میں آرسانہ والوں کو دیکھوں۔ ان کی طاقت کا جائزہ لوں اور اگر مل سکے تو وہاں سے کوئی عورت حاصل کروں۔ ان تمام باتوں میں عورت کا تصور میرے لئے بے حد دلکش تھا چنانچہ میں نے اپنی اسکیم پر فوری عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اسی دن میں نے ارکاک کو طلب کیا۔

بوڑھا مدبر میرے سامنے پہنچ کر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں ارکاک کہ ہماری تیاریاں تیزی سے تکمیل کو پہنچتی جا رہی ہیں۔"

"لاتوئی کی برکت سے۔" بوڑھے نے کہا۔

"چنانچہ اب میں ایک دوسرا کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم سب پر لاتوئی کے احکامات کی تعمیل فرض ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"تب میری روانگی کا بندوبست کرو۔ مجھے دوڑنے والا مضبوط جانور دو۔ میں آرسانہ جانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور ارکاک کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مجھے میری جسارت پر معاف کر لاتوئی۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں۔؟" اس نے شدید حیرت کے عالم میں کہا۔

"ہاں! تم لوگوں کی تیاریاں تکمیل تک پہنچ رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آرسانہ والے ہمارے بھرپور حملے کی تاب نہیں لا سکیں گے لیکن دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ کرنا ضروری ہے۔ ہم حملہ آور ہوں گے۔ دوسرے کی زمین پر جا کر لڑیں گے۔ اس لئے ہمارا کوئی پہلو کمزور نہیں رہنا چاہئے۔ مجھے بتاؤ۔ کوئی ایسا ہے جس نے آرسانہ کی سیر کی ہو۔ اگر ہے تو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں اس سے آرسانہ کے در و دیوار کے بارے میں پوچھوں۔ میں معلوم کروں کہ آرسانہ والوں کی اندرونی قوت کتنی ہے ہم کون سے رخ سے حملہ کریں کہ ہمیں زیادہ نقصان نہ ہو۔"

"ایسا کوئی نہ ہوگا لاتوئی۔" بوڑھے نے کہا۔

"تب زیرک ارکاک۔ میں کیوں نہ آرسانہ میں داخل ہو کر ان کے راستوں کا جائزہ لوں۔ ان کی طاقت کا اندازہ کروں تاکہ جب ہم آرسانہ پر حملہ آور ہوں تو ہمارے لئے سیدھے راستے موجود ہوں۔"

ارکاک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے گردن اٹھا کر دبی آواز سے کہا۔ "تو جس مقصد سے جا رہا ہے مقدس لاتوئی وہ خطرناک ہے...... تیری موجودگی سے غار والوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر تو ان کے درمیان نہ ہوگا تو ان کے دل بجھ جائیں گے اور ممکن ہے ان کے حوصلے پست ہو جائیں۔"

"تم میرے مقصد کی تشہیر کر سکتے ہو۔ یہ غار والوں کے مفاد میں ہے۔"

"اگر تو بہتر سمجھتا ہے مقدس لاتوئی۔ تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ میں ابھی باروک کے پاس جا رہا ہوں۔" ارکاک میرے پاس سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں واپس آ گئے۔ ارکاک اور باروک دونوں پریشان تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کوئی میرے ساتھ جائے لیکن میں نے انہیں روک دیا۔

"میرے عزیز دوستو۔" میں نے کہا۔ "میں جس طرح تمہارے لئے اجنبی تھا اسی طرح ان کے لئے اجنبی ہوں لیکن تمہارے چہرے وہ پہچانتے ہیں میں ان میں ایک اجنبی کی حیثیت سے داخل ہوں گا اور تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے لیکن اگر انہوں نے تمہیں پایا تو بے دریغ تمہیں ہلاک کر دیں گے اس لئے میں تم میں سے کسی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ تم تیاری جاری رکھو اور میرا انتظار کرو۔ میرا یہ پیغام غار والوں تک پہنچا دو۔"

اور انہوں نے گردن جھکا دی۔ تب میں نے اپنے سفید رنگ کے قوی ہیکل گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اب میں گھوڑے کی سواری میں طاق تھا اور اسے تیز رفتاری سے دوڑانے میں میرے لئے کوئی دشوار نہیں تھی۔ آرسانہ کا راستہ مجھے معلوم تھا اور میں نئی آرزو دل میں بسائے اس خطرناک علاقے کی طرف چل پڑا۔ حالات و واقعات کافی بدل چکے تھے۔ مجھے ابتدائی دور بھی یاد تھا جب پہلی بار میں نے بھوک کو ایک تکلیف کی شکل میں محسوس کیا تھا اور پھر ایک جانور کے خون سے پیٹ کی آگ بجھائی تھی۔ اس کے بعد ادوار بھی مجھے یاد تھے انسان بتدریج ترقی کی راہوں کی طرف گامزن تھا۔ اس وقت کا میں آج سے کس قدر مختلف تھا۔ آج دنیا کے بے شمار علوم مجھے آتے تھے۔ میں ذہانت و چالاکی سے سوچ سکتا تھا۔ میں ہر دور کے انسانوں سے کچھ حاصل کرتا آیا تھا۔ میں نے زندگی بے مقصد نہیں گزاری تھی بلکہ اپنی زندگی میں کچھ کیا تھا۔ بہت کچھ۔ میں جس قبیلے سے منسلک ہوا اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہا چنانچہ آج میں ان غار والوں کے لئے بہت کچھ کرنے جا رہا تھا۔

لیکن میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ انسان کے اپنے بھی اغراض و مقاصد ہوتے ہیں۔ خود میرے دل میں بھی ایک غرض تھی۔ ایک طلب تھی اور میں وہ طلب پوری کرنا چاہتا تھا۔ انسان کی فطرت پر غور کریں پروفیسر...... وقت کے ساتھ ساتھ اس میں کیسی کیسی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے جب خود کو انسانی وجود میں محسوس کیا تھا، تو جنس بھی میرے لئے ایک طلب تھی جو کہیں سے بھی پوری کی جا سکتی تھی۔ جب میری دوسری ساتھی لڑکی نے میری پہلی ساتھی کو رقابت میں ہلاک کیا تھا تو مجھے کوئی دکھ نہیں ہوا تھا۔ دوسری لڑکی موجود تھی، اس سے آپ انسانی فطرت کی اصلیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں۔ انسان میں سب کچھ موجود تھا، بس وہ خود نامکمل تھا اور جوں جوں وہ مکمل ہوتا گیا اس میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ طلب، رقابت، محبت، سب کچھ اس میں موجود تھا۔ ورنہ میری دوسری ساتھی پہلی ساتھی کو ہلاک نہ کرتی! یہاں غاروں میں میری فطرت نے ایک نیا انداز سیکھا۔ یعنی وہ لڑکی۔

اگر میں اسے حکم دیتا تو وہ پوری زندگی میرے ساتھ گزارے لمحات کا ذکر کسی سے نہ کرتی۔ لیکن پھر۔ میرے دل نے ہی اسے قبول نہ کیا۔ میں قبیلے کی دوسری لڑکیوں کو بھی آزما سکتا تھا۔ لیکن میں جان گیا کہ وہ لوگ مجھے کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کے بعد میری ہمت نہ ہوئی کہ میں کسی اور لڑکی کو آزماؤں۔ اور اس کے لئے میں نے آرسانہ جانے کا خطرہ مول لیا۔ بہر حال میرا گھوڑا انجانے راستوں پر دوڑتا رہا۔ برف کی زمین جاری

تھی۔لیکن بتدریج برف کی تہہ ہلکی ہوتی جارہی تھی یہاں تک کہ برف بالکل ختم ہوگئی اور ہموار زمین شروع ہوگئی۔

یہ علاقہ میرے لئے اجنبی تھا،اس سے قبل میں نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔لیکن مجھے اس بات کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔میں سفر کررہا تھا، یہاں تک کہ سورج ڈوبا اور شام ہوگئی۔تاریک رات میں ان اجنبی راستوں پر سفر نہیں کرسکتا تھا،اس لئے میں نے وہیں قیام کا فیصلہ کرلیا،اور پھر ایک مناسب جگہ دیکھ کر گھوڑے کو روک لیا۔گھوڑے کو ایک جگہ باندھا اور پھر اس کی پشت پر لٹکا کھانے پینے کا سامان لے کر میں ایک بلند مسطح چٹان پر چڑھ گیا۔لیکن چٹان سے کچھ دور روشنیاں دیکھ کر میں چونک پڑا،مشعلوں کی روشنیاں تھیں اور ان روشنیوں میں لوگ چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔

"آرسانی۔!" میرے ذہن نے کہا۔یقیناً آرسانی تھے۔ان کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔ان کے خیمے سفید اور اونچے تھے۔جگہ جگہ آگ روشن ہورہی تھی۔میرے دل میں گدگدیاں ہونے لگیں۔شاید کوئی آرسانی دستہ ہے میں نے جلدی جلدی پیٹ کی آگ بجھائی اور پھر ان لوگوں سے مل بیٹھنے کی ترکیب سوچنے لگا۔کوئی حرج نہیں پڑتا۔لیکن ان لوگوں کو اپنی یہاں موجودگی کا احساس کس طرح دلاؤں۔؟" میں سوچتا رہا۔

اور تاریکی پھیلتی رہی۔ابھی میں یہ غور وخوض کرہی رہا تھا کہ اچانک کچھ عجیب سی آوازیں آنے لگیں۔اور میں چونک پڑا۔یہ آوازیں میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ویسے جنگلی ڈھول میں نے سنے تھے،لیکن ان کی آوازیں بھیانک اور دلوں کو گرمادینے والی ہوتی تھیں۔ان آوازوں میں ڈھول بھی شامل تھا،لیکن اس پر دلکشی اور دل موہ لینے والی قوت پوشیدہ تھی۔آوازیں تیز ہوتی گئیں۔اور میں خود پر قابو نہ پاسکا۔میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس طرف چل پڑا اور چند منٹ کے بعد میں ان لوگوں کے نزدیک پہنچ گیا۔عجیب محفل جمی ہوئی تھی۔تیز روشنیوں کے درمیان ایک خوبصورت لڑکی دلکش لباس میں ملبوس تھرک رہی تھی اسے دیکھنے والے خوشی سے دانت نکالے ہوئے تھے۔

"یہ کیا کررہی ہے۔؟" میں نے سوچا بہرحال جو کچھ بھی کررہی ہے اچھا ہے۔میں نے اسے غور سے دیکھا۔وہ یقیناً آرسانی تھی حسین نقش ونگار،سفید رنگ،خوبصورت اور متناسب اعضا۔میں ان لوگوں کے بالکل قریب پہنچ گیا۔وہ ایسے محو تھے کہ انہیں میری آمد کا احساس بھی نہیں ہوا۔میں بھی ان کے اس کھیل میں مست ہوگیا تھا۔درحقیقت مجھے یہ سب بہت دلچسپ محسوس ہورہا تھا میں نے گرد وپیش کے ماحول پر نگاہ ڈالی تب میری نگاہ سامنے اٹھ گئی۔ایک خوبصورت نشست گاہ پر ایک خوبصورت عورت،چمکدار لباس پہنے بیٹھی تھی۔یہ لباس اس کے جسم پر چست تھا۔اور اس میں رنگین چمکدار پتھر ٹنکے ہوئے تھے۔اس کے سر پر ایک کلغی تھی جس میں ایک بڑا چمکدار پتھر جگمگا رہا تھا۔کچھ اور خوبصورت لڑکیاں اس کے پیچھے باادب کھڑی ہوئی تھیں۔

یہ عورت شاید ان میں کسی ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔میں نے سوچا اور پھر اس عورت کو دیکھنے لگا جو درمیان میں ابھی تک تھرک رہی تھی۔ پھر اچانک شور بند ہوگیا۔عورت نے تھرکنا بند کردیا اور پھر وہ اس عورت کے سامنے جاکر جھکی اور عورت نے اپنی گردن سے موتیوں کا ایک ہار اتار کر اس کی طرف اچھال دیا۔

یہ سب کچھ میرے لئے بالکل نیا تھا۔اور میں اسے دیکھ کر عجیب سی دلچسپی محسوس کررہا تھا۔لیکن اسی وقت ان لوگوں میں سے کسی کی نگاہ میرے اوپر پڑ گئی۔اس نے دوسروں سے کہا۔اور پھر تقریباً سب ہی مجھے دیکھنے لگے۔میں اب بھی اسی کھیل کا منتظر تھا لیکن کھیل رک چکا تھا اور وہ

سب مجھے دیکھ رہے تھے میں ان میں اجنبی تھا، میرا آتشی رنگ، آتشی بال یہ سب کچھ ان کے لئے اجنبی تھے۔ وہ تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان کا مجمع چھٹ گیا۔ انہوں نے میرے گرد ایک طویل دائرہ بنالیا تھا۔ اور ان میں سے کچھ اس عورت کو میری طرف اشارہ کر کے کچھ بتا رہے تھے۔

میں سب کچھ سمجھ گیا لیکن دل ہی دل میں، میں مطمئن تھا۔ یہ تو میں خود چاہتا تھا۔ تب وہ عورت کھڑی ہوگئی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہا۔ الفاظ فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ میں اپنی ذہنی قوتوں کے سہارے سے انہیں سمجھنے لگا۔ عورت کہہ رہی تھی۔

''اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔ گرفتار کر کے اسے میرے سامنے لاؤ۔ کیا یہ میدانوں کا باشندہ ہے۔؟''

''نہیں ملکہ...... یہ کوئی اجنبی ہے۔''

''گرفتار کرلو۔ ہاں اسے نقصان نہ پہنچے۔'' اس نے کہا اور اسی وقت میں نے ایک فیصلہ کیا۔ میں ان کی زبان سے بھی اجنبیت ظاہر کروں گا۔ اور نہ انہیں اپنی زبان سمجھنے دوں گا، میں ان پتھروں کے دور کی زبان بولوں گا۔

بہرحال۔ ان کا دائرہ میرے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ شاید میری جسامت سے خوفزدہ تھے۔ کیونکہ ان کے مقابلے میں میرا جسم بے حد قوی تھا۔ میرا سینہ چوڑا تھا، اور اس پر گوشت کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ میری کمر چیتے کی کمر کی طرح پتلی تھی اور میں جسم ہی سے بے حد پھرتیلا نظر آتا تھا۔ بہرحال وہ میرے بالکل قریب پہنچ گئے۔ اور پھر ڈرتے ڈرتے انہوں نے میرے بازو پکڑ لئے۔

میں نے کوئی تعرض نہیں کیا تو ان کی ہمت اور بڑھی، اور پھر کئی آدمیوں نے میرے بازو اور جسم جگہ جگہ سے پکڑ لیا۔ اور مجھے اس عورت کی طرف دھکیلنے لگے جسے انہوں نے ملکہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

میں خاموشی سے عورت کے سامنے پہنچ گیا۔ مجھے پکڑنے والوں نے میرے جسم پر اپنی گرفت اور سخت کر دی تھی۔ تب میں نے اچانک اپنے جسم کو زوردار جھٹکا دیا اور اس میں بالکل مبالغہ نہیں ہے پروفیسر کہ وہ لوگ اچھل اچھل کر کئی فٹ دور جا گرے۔ تمام ادسانیوں کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل گئیں۔ انہوں نے ہتھیار سنبھال لئے۔ لیکن اسی وقت عورت نے ہاتھ بلند کر کے انہیں روک دیا۔ وہ مجھے بڑے اچنبھے سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے بھی ہتھیار اٹھانے والوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور عورت کو دیکھنے لگا۔

اس کی عمر ڈھلنے لگی تھی لیکن جسم مضبوط تھا، اس عمر میں بھی وہ کافی حسین اور پرکشش تھی، لیکن مجھے بحیثیت عورت اس سے خاص رغبت نہیں محسوس ہوئی، تب عورت مسکرائی اور اٹھ کر میرے نزدیک آگئی۔

''تم کون ہو نوجوان۔؟ یقیناً تم ان میں سے نہیں ہو جو ہمارے باغی ہیں۔'' اس نے کہا۔ میں نے اس کی بات سمجھی۔ لیکن اپنے چہرے پر ایسے تاثرات نہ پیدا ہونے دیئے جس سے اسے اندازہ ہو کہ میں اس کی بات سمجھ سکا ہوں۔

''تاآری کی قسم۔ تم تو آسمان سے اترے ہوئے کوئی دیوتا معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے جیسا دلکش جوان اس دنیا میں نہیں پیدا ہو سکتا۔'' اس نے میرے چوڑے سینے کے اوپر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا...... میں نے اس پر کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

''بتاؤ تم کون ہو...... مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ فکر مت کرو، تم ساریشہ کی پناہ میں ہو۔'' وہ پھر بولی۔ اور میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''اوہ۔ شاید تم ہماری زبان سے ناواقف ہو۔ کیا تم غاروالوں کی زبان جانتے ہو۔؟'' اس نے کہا، لیکن میں تو خاموش رہنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

''ہاکوس۔ یہ وحشی ہرن ہماری بات نہیں سمجھ رہا۔ تم اس سے بات کرو۔'' اس نے اپنی مدد کے لئے ایک درمیانی عمر کے قوی ہیکل آدمی کو بلایا اور وہ میرے سامنے پہنچ گیا۔

''آرسانہ کی ملکہ ساریتہ تم سے ہمکلام ہے۔ اس کی بات کا جواب دو۔'' اس نے مجھ سے کہا۔ اور پھر کئی زبانوں میں یہ جملے دوہرائے۔ ہر بات میری سمجھ میں آرہی تھی۔ کیونکہ میں اپنی قوتوں کے سہارے الفاظ کو ذہن سے پڑھتا تھا یہ عمل مجھے بوڑھے ارساس نے سکھایا تھا، لیکن میں خاموش ہی رہا، تب ہاکوس نے پریشانی سے کہا۔

''تاآری کی قسم ملکہ۔ یہ تو کسی اور ہی جہاں کا باشندہ ہے، کوئی زبان نہیں سمجھتا۔''

''ہم نے سچ کہا تھا ہاکوس۔ یہ آسمان سے اترا ہوا کوئی دیوتا ہے۔ اور دیوتاؤں کی زبان ہم بھی نہیں سمجھ سکتے! ہم اس سے دل کی زبان میں بات کریں گے۔ تم اسے ہمارے خیموں میں پہنچادو۔ اور ہاں اس سے جنگ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ تم دیکھ رہے ہو وہ کس قدر طاقتور ہے۔'' ملکہ نے کہا۔ اور واپس مڑ گئی۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ہر چند یہ عورت دلکش نہیں تھی لیکن بہر حال عورت تھی۔ اور مجھے ایسی عورت کی شدید ضرورت تھی جو مجھے بحیثیت مرد پسند کرے۔ دیکھنا یہ تھا کہ یہ ملکہ آرسانہ ایک دیوتا کے ساتھ کیا سلوک کرتی تھی۔

ہاکوس نے میری کمر پر ہاتھ رکھ کر مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا، اور میں بلاتعرض اس کے ساتھ چل پڑا۔ تب وہ مجھے ایک بلند خیمے کے نزدیک لے گیا، جس کے سامنے دو آدمی ہتھیار لئے کھڑے تھے۔ ہاکوس نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر چلا گیا۔

وسیع وعریض خیمہ خوب سجا ہوا تھا۔ یہاں میں نے سجاوٹ کے نئے نئے سامان دیکھے۔ بہر حال یہ میری معلومات میں اضافے کی حیثیت رکھتے تھے۔ خیمے میں میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ایک صندلی میز پر بڑی پلیٹ میں بہت سے خوبصورت اور نئے نئے پھل رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اس میں سے کچھ پھل اٹھائے اور اطمینان سے کھانے لگا۔

رنگین شمعیں روشن تھیں جن سے چمکدار پتھر جگمگا رہے تھے پھر مجھے ان پتھروں میں لغزش محسوس ہوئی اور میں چونک کر پلٹا، میں نے ملکہ ساریتہ کو دیکھا جو ایک خوبصورت رنگ برنگے لباس میں ملبوس کھڑی تھی۔ اس باریک لباس سے اسکا سفید جسم صاف نظر آرہا تھا، میں اسے دیکھتا رہا اور وہ مسکراتی رہی۔

''تو کون ہے جنگلی ہرن۔ تاآری کی قسم۔ ہم نے تجھ جیسا حسین مرد اس سے پہلے نہیں دیکھا، کاش تو ہماری آغوش قبول کرلے۔ تو پورے آرسانہ سے زیادہ حسین ہے۔ ہمارا دل چاہتا ہے ہم تیری غلامی قبول کرلیں۔!'' اس نے عجیب سے مخمور لہجے میں کہا۔ اور پھر آگے بڑھ آئی۔ اس نے آہستگی سے میرا ہاتھ پکڑا اور میں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

تب وہ مجھے لئے ہوئے خیمے کے اس دروازے کی طرف بڑھ گئی جو دوسری طرف تھا اور ہم خیمے سے باہر نکل آئے! باہر ایک تختہ رکھا ہوا تھا۔ اونچا تختہ جس میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اور یہ رسیاں چار قوی ہیکل گھوڑوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ ملکہ نے مجھے تختہ پر کھڑا کیا اور پھر خود بھی

میرے برابر آ کر کھڑی ہوئی اور پھر اس نے گھوڑوں کے چابک رسید کر دیا۔ گھوڑے آگے بڑھے اور تختہ ان کے ساتھ پھسلنے لگا۔ میں ڈگمگایا لیکن پھر سنبھل گیا۔ ملکہ شاید اس عجیب وغریب سواری کی عادی تھی اس لئے اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ اور تختہ ہموار زمین پر پھسلتا رہا۔

مجھے اس انوکھے سفر میں بہت مزہ آ رہا تھا۔ اس سے قبل میں نے صرف گھوڑے کی سواری کی تھی۔ میرے لئے یہ سواری نئی اجنبی تھی۔ تاہم میں خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔

سفر طویل نہیں تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم ایک آبشار کے نزدیک پہنچ گئے۔ یہ شاید ملکہ کی خصوصی تفریح گاہ تھی۔ یہاں بھی چند خیمے لگے ہوئے تھے۔ یہ خیمے بلندی پر تھے۔ اور نیچے بہت سے آرسانی سپاہی تعینات تھے۔ گھوڑے ہمیں لے کر خیموں کے نزدیک پہنچ گئے۔ پتھروں میں موٹی مشعلیں روشن تھیں، جنہیں خاص انداز میں ہوا سے محفوظ کیا گیا تھا۔ یہاں ہم اس سواری سے اتر آئے اور ملکہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک خیمے کی طرف چل دی۔ راستے سے بہت سی حسین لڑکیاں جو رنگین اور خوبصورت لباسوں میں ملبوس تھیں، ہمارے ساتھ ہو گئیں لیکن وہ اس خیمے کے اندر نہیں داخل ہوئی تھیں، جس میں ملکہ مجھے لے گئی تھی۔

تب ملکہ نے ایک لڑکی کو بلا کر اسے کچھ ہدایت کی اور لڑکی باہر نکل گئی۔ میں بظاہر انجان بنا ہوا تھا لیکن ملکہ کی باتیں بخوبی سن رہا تھا۔ یہ شوقین عورت مجھ سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ بہرحال میں تو آیا ہی اس لئے تھا۔ گو وہ میری پسند نہیں تھی، لیکن بہرحال میری ضرورت تھی۔

''میں تجھ سے کس طرح باتیں کروں اے حسین دیوتا۔ کاش تو میری زبان جانتا۔'' وہ میرے سینے کو چومتے ہوئی بولی۔ میں نے اس کی اس حرکت پر تعرض نہیں کیا تھا تاہم اپنی طرف سے کوئی حرکت نہ کر کے میں اس کی آتش شوق کو ہوا دے رہا تھا۔ اس لڑکی نے چند منٹ کے بعد واپس آ کر ملکہ کو انتظامات مکمل ہو جانے کی اطلاع دی اور ملکہ ایک بار پھر خیمے سے نکل آئی۔ اس بار ہم آبشار کے اس طرف پہنچ گئے جہاں چراغاں کیا گیا تھا۔ شعلوں کی روشنی سے یہ جگہ بقعۂ نور بنی ہوئی تھی۔ ہر مشعل کے نزدیک پتھروں پر حسین لڑکیاں نیم برہنہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کچھ کے ہاتھوں میں عجیب وغریب ساز تھے جن سے سحر انگیز نغمے پھوٹ رہے تھے۔ یہ موسیقی میرے لئے نئی چیز تھی تاہم اس نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ بعض پتھروں پر دو دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ان کے لباس نہ ہونے کے برابر تھے۔

یہ گویا مجھے ملکہ کی طرف راغب کرنے کی کوشش تھی۔ ملکہ مجھے لئے ہوئے ایک چوڑی چٹان پر پہنچ گئی جہاں دو لڑکیاں صرف اپنے نسوانی اعضا پر رنگین پٹیاں چپکائے دوزانو بیٹھی تھیں۔ سامنے ہی فرش بچھا ہوا تھا جس کے گرد شمعیں روشن تھیں۔

ملکہ میرے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی اور پھر ایک لڑکی ہاتھوں میں عجیب سے برتن لئے ہوئے قریب پہنچ گئی۔ اس نے وہ برتن سامنے رکھے اور پھر ایک لمبے برتن سے کوئی رنگین سیال دو گلاسوں میں انڈیل دیا۔ پھر اس نے لکڑی کا خوبصورت تراشا ہوا ایک گلاس ملکہ کے ہاتھ میں اور دوسرا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے گلاس کے سیال کو دیکھا اور پھر ملکہ نے مسکراتے ہوئے گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ میں اس سیال کی حقیقت جاننا چاہتا تھا لیکن ملکہ نے مجھے اس کا موقع نہ دیا اور میں نے وہ خوش رنگ لیکن کسی قدر بدمزہ سیال پی لیا۔ اب میں اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ اس بات کو

سمجھ نہ سکتا۔ چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس ملکہ کے ہونٹوں سے لگا دیا اور ملکہ نے خوشی سے اسے پی لیا۔

اس کے ساتھ ہی دو زانو بیٹھی ہوئی لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سازوں کی آواز تیز ہو گئی اور لڑکیاں رقص کرنے لگیں۔ رقص کیا تھا پروفیسر۔ بے معنی اچھل کود تھی جس میں صرف جسمانی اعضا کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ انہیں ہیجان انگیز انداز میں ایک دوسرے سے ٹکرایا جا رہا تھا۔ بار بار میرے سامنے لایا جا رہا تھا۔

دوسری طرف ملکہ رنگین سیال کے کئی گلاس مجھے پلا چکی تھی۔ پتھروں پر بیٹھی ہوئی لڑکیوں کی حرکات میں تیزی آتی جا رہی تھی اور...... نہ جانے کیوں یہ سیال پینے کے بعد میری بھی کچھ عجیب حالت ہو گئی تھی۔ میرے جسم میں بھٹیاں سلگنے لگی تھیں اور میں ہوش و حواس سے عاری ہوا جا رہا تھا تب ملکہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میری دیوتائیت رخصت ہو گئی تھی اور میں زمین کا انسان بن گیا تھا۔ یہی غنیمت تھا کہ میں نے اپنی زبان پر قابو رکھا ورنہ کیا عجب تھا کہ میں اپنی حقیقت اگل دیتا۔ ملکہ بھی دیوانی ہو گئی تھی۔ لڑکیوں کے رقص میں تیزی آ گئی تھی۔ اب وہ انتہائی ہیجان خیز حرکات کر رہی تھیں۔

میں بھی حواس باختہ ہو گیا تھا۔

میں ان تمام لڑکیوں کو بھول گیا تھا جو میرے قریب کھڑی ہوئی تھیں۔ میں لاکا کے ساتھ خود کو کسی غار میں محسوس کر رہا تھا۔ میں سامی کے سامنے چشمے کی سیر کر رہا تھا۔ لاکا، سامی اور دوسری لڑکیاں ملکہ میں سما گئی تھیں اور پھر ماحول میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

مجھے یوں لگا کہ میں فضاؤں میں منتشر ہو گیا ہوں۔ میرا وجود باقی نہ رہا تھا۔ صرف ملکہ تھی جو میں تھا اور جو میں تھا وہ ملکہ تھی۔

دوسری صبح میں نے خود کو اسی خیمے میں پایا جہاں سے ملکہ مجھے پہاڑوں پر لے گئی تھی۔ میں ایک نرم بستر پر پڑا ہوا تھا۔ میرے علاوہ خیمے میں کوئی نہیں تھا۔ میں رات کے واقعات کا جائزہ لیتا رہا۔ میں اسی چٹان پر ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا جہاں ملکہ مجھے لے گئی تھی۔ ملکہ نے خود کو میرے سپرد کر دیا تھا لیکن میرے حواس قائم نہ تھے۔ نہ جانے کیسی کیفیت طاری تھی مجھ پر...... شاید یہ اس رنگین سیال کا اثر تھا جو ملکہ نے مجھے پلایا تھا۔ تم اس رنگین سیال کی حقیقت سمجھ گئے ہو گے پروفیسر!

پھر کچھ لڑکیاں خیمے میں آ گئیں۔ انہوں نے بڑے پیار سے مجھے اٹھایا۔ بلاشبہ یہ لڑکیاں ملکہ سے زیادہ حسین تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ نوجوان تھیں لیکن میں جانتا تھا کہ ان کی طرف بڑھنا مناسب نہیں ہے ملکہ صاحب اختیار ہے وہ ناراض بھی ہو سکتی ہے۔

الغرض پروفیسر اس طویل اور رنگین داستان کا ایک ایک باب دلکش ہے لیکن میں مختصراً سناؤں گا۔ یوں سمجھو کہ ملکہ میری دیوانی تھی۔ وہ ان لمحات کو جاوداں کر دینا چاہتی تھی۔ وہ پوری زندگی میری آغوش میں گزار دینا چاہتی تھی۔ ہر رات شب وصال ہوتی، محفل جمتی، عجیب عجیب ڈرامے ہوتے اور ان ڈراموں کا اختتام میری آغوش میں ہوتا۔ میں اس پرکیف ماحول میں اپنا مشن بھول گیا تھا۔ مجھے یاد نہ تھا کہ غار والے میری کامیاب واپسی کے منتظر ہیں۔

پھر ایک دوپہر...... چند گھوڑے سوار ملکہ کے سامنے آئے۔ انہوں نے ملکہ کو کوئی پیغام دیا اور ملکہ نے اداسی کے ساتھ واپسی کا حکم دے دیا لیکن مجھے وہ کیسے چھوڑ سکتی تھی۔ میں اب اس کے اشارے سمجھنے لگا تھا۔ میں نے اسے اپنا نام تک نہیں بتایا تھا البتہ پتھروں کی زبان میں اس سے چند

جملے ضرور کہے تھے جو مجھے یقین ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکے تھے۔

واپسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ خیمے اکھاڑ دیئے گئے اور پھر ہم چل پڑے۔ ملکہ گھوڑے پر سوار تھی۔ میں اسی گھوڑے پر سوار تھا جو غار والوں نے میرے سپرد کیا تھا اور اتنے دن کے بعد جونہی میں گھوڑے پر سوار ہوا مجھے اپنا مشن یاد آ گیا۔ مجھے سب کچھ یاد آ گیا اور میں سنبھل گیا۔

اس بوڑھی ملکہ کی آغوش ہی سب کچھ نہیں تھی۔ مجھے ان لوگوں کے لئے بھی کچھ کرنا تھا جو مجھ سے کچھ آس لگائے بیٹھے تھے۔ بہرحال کام خود بخود ہو رہا تھا۔ مجھے آرسانہ لے جایا جا رہا تھا لیکن میری حیثیت بلند تھی۔ میں ملکہ کا منظورِ نظر تھا۔ ہم بڑی شان سے آرسانہ میں داخل ہوئے لیکن آرسانہ کو دیکھ کر میرے حواس گُنگ ہو گئے۔

میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آرسانہ اس قدر ترقی یافتہ شہر ہو گا۔ اس میں خوبصورت گلی کوچے تھے۔ خوبصورت مکانات تھے۔ ایسے مکانات جن کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ مجھے یہ پورا ماحول طلسمی معلوم ہوا۔ میرا علم اس ماحول کے سامنے کچھ بھی نہ تھا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں انہیں دیکھ کر احساسِ کمتری کا شکار ہو گیا۔ غار والوں کا مستقبل مجھے تاریک نظر آنے لگا۔ ان لوگوں سے غار والے کیا جنگ کر سکتے تھے جو ایسے مکانات بنا سکتے تھے جو ذہنی طور پر اتنے بلند ہوں۔ لیکن پھر مجھے ملکہ کا خیال آیا۔ ملکہ میں تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ تو ایک عام عورت ہے بلکہ جسمانی طور پر تو وہ عام عورتوں سے بھی بدتر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے ملکہ مجھے اپنے خوبصورت مکان میں لے گئی۔ اس نے مجھے غلاموں کے حوالے کر دیا۔ کنیزوں سے اس نے مجھے دور رکھا تھا اور میں پہلی بار ایک ایسے مکان میں رہنے لگا جو جھونپڑوں اور خیموں سے مختلف تھا۔ گو اسے پتھروں سے بنایا گیا تھا لیکن اس میں صناعی تھی۔

مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ ملکہ ان تین دنوں میں ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئی تھی۔ دوسری لڑکیاں اکثر میرے سامنے سے گزرتیں اور میں دلچسپی سے انہیں دیکھتا لیکن وہ میرے لئے نہیں تھیں۔ ملکہ نے شاید خاص طور سے ان سب کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ میرے پاس نہ آئیں۔ لیکن چوتھی رات کو ملکہ خاموشی سے میرے پاس آئی۔ شاید وہ چھپ کر آئی تھی۔ اس نے اپنا جسم، اپنا چہرہ ایک کپڑے سے چھپایا ہوا تھا۔ وہ آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔

''تم یقیناً اداس ہو گئے ہو گے میری زندگی۔ میں بھی تمہارے لئے تڑپ رہی تھی لیکن میں مجبور تھی۔ بوڑھا شہنشاہ مجھے چھوڑ نہیں رہا تھا لیکن آج وہ دو دن کے لئے چلا گیا ہے۔ دو دن بعد پھر آ جائے گا لیکن یہ دو دن میں تمہارے پاس ہی گزاروں گی۔ آہ۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ تم کیا ہو۔ میرا بس چلتا تو تمہیں ہی آرسانہ کا شہنشاہ بنا دیتی۔!''

اس کی باتیں میری سمجھ میں آ رہی تھیں لیکن میں خاموش تھا۔ ویسے اس معمر ملکہ سے میرا دل اکتا گیا تھا۔ میں کچھ اور چاہتا تھا۔ ملکہ نے درحقیقت دو دن تک مجھے نہ چھوڑا لیکن تیسرے دن وہ غائب ہو گئی اور پھر کئی دن تک نہ آئی۔ میری راتیں تکلیف میں گزر رہی تھیں اور اب میں اس جمود کو برداشت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس رات کو میں نے خاموشی سے نکل جانے کا پروگرام بنایا۔ میں نکلنا چاہتا تو مجھے کون روک سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آدھی رات کو میں نکل جاؤں گا۔

لیکن اس وقت رات کا ایک پہر گزرا تھا کہ میری قیام گاہ پر دستک ہوگئی۔ میں چونکہ جاگ رہا تھا اس لئے چونک پڑا۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والی ملکہ تھی۔ اس نے وہی لباس اوڑھا ہوا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے لباس پھینک دیا اور مجھ سے لپٹ گئی۔ میرا دل اسے قبول نہیں کر رہا تھا لیکن مصلحت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میں نے ملکہ سے محبت کا اظہار کیا حالانکہ مجھے کوفت ہوئی تھی کہ میرا یہاں سے نکلنے کا پروگرام ادھورا رہ گیا۔ ملکہ بہت دن سے مجھ سے جدا تھی۔ وہ انتہائی بے صبر ہو رہی تھی۔ وہ ان تمام دنوں کی قیمت چند لمحات میں وصول کر لینا چاہتی تھی۔

لیکن...... ابھی میں ملکہ کے پاس بیٹھا ہی تھا...... کہ اچانک میری قیام گاہ کا دروازہ کھلا...... اور بہت سے لوگ اندر گھس آئے۔ ان میں سب سے آگے ایک لمبی گردن والا بوڑھا تھا جس کے چہرے سے مکاری عیاں تھی۔ بوڑھے کی آنکھیں غیض وغضب میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ آتشی نگاہوں سے ملکہ کو گھور رہا تھا اور ملکہ...... میرے بستر پر پڑی ہوئی کانپ رہی تھی۔

"مجھے بتاؤ سارینہ۔ تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔" لمبی گردن والے کی کانپتی ہوئی آواز ابھری لیکن ملکہ سارینہ اسی طرح کانپتی رہی...... اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"یہ اطلاع مجھے ایک عرصہ پہلے ملی تھی لیکن افسوس۔ میں نے اطلاع دینے والے کے سینے میں اپنے ہاتھ سے خنجر بھونک دیا۔ میں نے اسے جھوٹا سمجھا تھا لیکن۔ اب ان تمام لوگوں کو سزا ملے گی جو یہ بات جانتے تھے۔ کھڑی ہو جاؤ۔"

اور سارینہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ مجھے یہ تماشہ بھی خاصا دلچسپ لگ رہا تھا۔ چند منٹ پہلے یہ عورت میری محبت میں مری جا رہی تھی لیکن اب اس پر موت کا خوف طاری تھا اور وہ اس خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی مجھے اس کے خوف پر بے تحاشہ ہنسی آ رہی تھی لیکن میں غیر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور پوری دلچسپی سے اس پر لطف منظر کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے کانپتی ہوئی ملکہ سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ میں اس لمبی گردن والے بوڑھے کو بھی دیکھ کر ہنسی ضبط کر رہا تھا جس کی شکل عجیب نظر آ رہی تھی۔ پھر اس بوڑھے نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا۔

"اسے گرفتار کر لو۔"...... لمبی گردن والے کے ساتھی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا لیکن میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی حالانکہ اگر میں چاہتا تو ان سب کی گردنیں بہ آسانی توڑ سکتا تھا۔ میرے لئے ان رسیوں کی کوئی وقعت نہیں تھی جو میرے جسم سے بندھی ہوئی تھیں لیکن میں خاموش تماشائی بنا رہا۔ میں تو ان حالات سے لطف اٹھا رہا تھا۔ میرے علم میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں نئی نئی باتیں سیکھ رہا تھا۔

تب مجھے ایک خطرناک جگہ پر...... ایک بڑے پتھریلے غار میں بند کر دیا گیا جس میں موٹی فولادی دیواروں کا دروازہ تھا۔ اس دروازے کے دوسری طرف بہت سے سپاہی ہتھیاروں سے آراستہ کھڑے تھے۔

تین دن تک میں خاموش رہا۔ یہاں لا کر میری رسیاں کھول دی گئی تھیں۔ اگر نہ کھولتے تو میں توڑ دیتا۔ بہرحال تیسرے دن مجھے اس غار سے نکالا گیا۔ سپاہیوں کی پوری فوج مجھے لے کر ایک عجیب سی جگہ پہنچ گئی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس کے اوپر بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی اور یہاں وہی لمبی گردن والا شہنشاہ بے شمار انسانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

ہال کے ایک سرے پر لکڑی کے ایک موٹے سے ستون سے ملکہ رسیوں سے بندھی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے کی جھریاں نمایاں تھیں اور

اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ پھر میں نے ہال کی ایک دیوار کے سوراخ سے قوی ہیکل جوانوں کو نکلتے دیکھا۔ ان کی تعداد پندرہ بیس کے قریب تھی اور ان سب کے ہاتھوں میں فولاد کے چمکدار لمبے لمبے ہتھیار تھے۔ میں نادان نہ تھا میں سمجھ گیا کہ ملکہ کو سزا دی جارہی ہے اور اس کے بعد شاید میری باری ہوگی۔

لکڑی کے ایک ایسے ہی ستون سے مجھے باندھ دیا گیا۔ میں نے اب بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔

پھر میں نے ایک اور عجیب منظر دیکھا۔ ہال کی دیوار کے دوسرے سوراخ سے بہت سے لوگوں کو نکالا گیا۔ ان میں بوڑھا باکوس بھی تھا اور دوسرے لوگ بھی میرے جانے پہچانے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس وقت ملکہ کے ساتھ تھے جب میں نے اسے دیکھا تھا۔

اوہ...... یہ بھی عتاب زدہ ہیں...... شاید اس لئے کہ انہوں نے میرے بارے میں شہنشاہ کو نہیں بتایا تھا۔ بہرحال یہ سب کچھ میرے لئے بہت دلچسپ تھا۔ میرے ذہن کی تمام گرد دھل گئی تھی اور میں بڑا لطف حاصل کررہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ درحقیقت میں نے یہاں آ کر بہت اچھا کیا ہے ورنہ یہ سب کچھ دیکھنے کو نہ ملتا۔

پہلے سپاہیوں کو ہال میں چھوڑ دیا گیا اور پھر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے گئے لیکن وہ رو رہے تھے گڑگڑا رہے تھے، سجدے کررہے تھے، معافی مانگ رہے تھے۔

تب شہنشاہ کھڑا ہو گیا اور اس نے چیخ کر کہا۔ ''ہتھیار اٹھاؤ بزدل غدارو...... تم نے میرے ساتھ غداری کی ہے۔ تم نے اس روسیاہ عورت کے کرتوتوں کی پردہ پوشی کی ہے۔ ہتھیار اٹھاؤ اور جواں مردوں کی موت مرو۔ موت تمہارا مقدر ہے۔ لڑ کر جان دو۔ تاکہ لوگ تمہاری بزدلی پر ہنسیں۔''

میں نے اس لمبی گردن والے بے وقوف کو دیکھا جو چیختے ہوئے کانپ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے دو خوبصورت لڑکیاں بیٹھی نظر آئیں اور میں انہیں دیکھ کر چونک پڑا۔ یہ کنیزیں نہیں تھیں۔ میں نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا اور درحقیقت دونوں لڑکیاں بے حد خوبصورت تھیں۔ کاش ان میں سے کوئی مجھے مل جائے...... میں نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سوچا اور پھر میں نے تہیہ کرلیا کہ یہاں سے فارغ ہوکر میں ان لڑکیوں کی جستجو کروں گا۔

نہتے آدمیوں نے ہتھیار نہیں اٹھائے تھے تب شہنشاہ نے چیخ کر ہتھیار والوں کو مخاطب کیا۔ ''قتل کردو انہیں۔ مار ڈالو۔ تباہ کردو۔ ٹکڑے کردو۔ ان بزدلوں کے۔ بزدلی کی موت ان کا مقدر ہے۔'' اور ہتھیار والے بھوکے جانوروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے مقابلہ نہیں کیا تھا۔ ذرا ہی دیر میں ان کے جسموں کے ٹکڑے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ پھڑکتے ہوئے اعضا عجیب منظر پیش کررہے تھے۔ ہتھیار والوں کے چہروں سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔!

تب شہنشاہ نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''تو کیا چاہتا ہے گمنام اجنبی۔ کیا تو بھی بزدلی کی موت چاہتا ہے یا ان سے مقابلہ کرے گا۔''
تب کسی نے میرے بارے میں بتایا کہ میں ان کی زبان نہیں جانتا۔ مجھ سے اشاروں میں باتیں کی جاسکتی ہیں اور پھر ایک آدمی میرے نزدیک آ گیا۔

اس نے ایک لمبا فولادی ہتھیار اٹھا کر میرے سامنے کیا اور ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا جو ہتھیار لئے کھڑے تھے۔

میں نے حقارت سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ یہاں میں خود کو نہ روک سکا پروفیسر...... اور میں نے اپنے جسم کو بل دے کر ستونوں کی رسیاں توڑ ڈالیں۔ میں نے وہ ستون اکھاڑ کر پھینک دیا جس سے میں بندھا ہوا تھا اور چاروں طرف سے عجیب آوازیں ابھریں۔ پھر میں نے اس شخص سے ہتھیار لیا جو میرے سامنے کھڑا تھا اور اب بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا۔ میں نے ہتھیار دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور جھٹکے سے توڑ کر اسے حقارت سے ایک طرف پھینک دیا۔

میری اس حرکت سے وہ شخص درحقیقت بھاگ نکلا اور ہال میں کھڑے لڑاکے پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ کون تھا جس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نہیں تھے۔ طاقت کا ایسا بے پناہ مظاہرہ کس نے دیکھا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ان لڑاکوں کی طرف بڑھا جنہوں نے ابھی بہت سے لوگوں کو بے دریغ قتل کر دیا تھا اور جن کے ہتھیاروں سے ابھی تک خون کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ ملکہ سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ لیکن اس حیرت انگیز منظر سے وہ اپنی موت کو بھی چند منٹ کے لیے بھول گئی تھی۔

ہتھیار بند لڑاکے جلدی سے سنبھل گئے۔ وہ اجتماعی طور پر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ لمبی گردن والا شہنشاہ بے چینی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے حلق سے ایک وحشت زدہ آواز نکالی اور ان لڑاکوں پر ٹوٹ پڑا۔ ان کے ہتھیار اٹھے، چمکے اور پوری قوت سے میرے جسم پر پڑے لیکن نتیجہ کا اندازہ تم کر سکتے ہو پروفیسر...... ان کے دلوں میں خوف سا گیا تھا۔ وہ تعجب سے ان کند ہتھیاروں کو دیکھنے لگے جو میرے جسم پر خراش بھی نہیں ڈال سکے تھے۔

میں نے ایک لڑاکے کو پکڑ لیا، سر سے بلند کیا اور دوسروں پر دے مارا۔ دوسرے لڑاکے چیخ پڑے تھے پھر وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے مجھ سے جنگ کرنے لگے لیکن ایک ایک کو پکڑ کر مارنا مجھے برا لگ رہا تھا۔ وہ پورے ہال میں بھاگتے پھر رہے تھے تب میں نے جھک کر وہ ستون اٹھا لیا جس سے مجھے باندھ دیا گیا تھا اور پھر میں ستون گھمانے لگا۔

پورے ہال میں شور مچ رہا تھا۔ لوگ طرح طرح کی آوازیں نکال رہے۔ جھک جھک کر یہ خوفناک جنگ دیکھ رہے تھے۔ ان میں دونوں حسین لڑکیاں بھی تھیں۔ ذرا سی دیر میں، میں نے تمام لڑاکے مار گرائے۔ ان میں سے کسی کی گردن ٹوٹ گئی تھی، کسی کا سر غائب ہو گیا تھا، کسی کا بھیجہ نکل پڑا تھا اور کسی کی ٹانگیں علیحدہ ہو گئی تھیں۔

''تا آری کی قسم...... یہ انسان نہیں ہے......!'' شہنشاہ نے چیخ کر کہا۔ ''گوما...... گوما...... اس پر بھو کے شیر چھوڑ دو...... جلدی کرو...... یہ وحشی باہر نہ آ جائے۔'' وہ بدحواسی سے بولا تھا۔

لیکن میں اطمینان سے اپنے کام میں مصروف رہا اور پھر جب ایک بھی لڑاکا باقی نہ رہا تو میں نے ستون پھینک دیا۔ میں اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا لیکن جلد ہی میں نے اپنے عقب میں خوفناک گرج سنی۔ اس کے ساتھ ہی ملکہ سارینہ کی دہشت ناک چیخ سنائی دی تھی۔!

❁

سارینہ کی چیخ سن کر میں چونک پڑا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا اور ایک خوفناک منظر میرے نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ سارینہ کی گردن اس کے شانوں پر موجود نہیں تھی۔ گردن اور شانوں کے درمیانی غار سے سرخ خون ابل رہا تھا، ابھی میں اس کی گردن تلاش بھی نہیں کر سکتا تھا کہ خوفناک غراہٹ کے ساتھ ایک بوجھ میرے اوپر آ پڑا اور میرا جسم ہل گیا۔ خونخوار درندے نے اپنے تیز پنجے کھول رکھے تھے، وہ دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی تر نوالہ محسوس کر رہا تھا، لیکن پھر وہ خود بخود میرے جسم سے پھسل گیا، پنجوں کی مدد سے وہ میرے جسم پر گرفت کرنے میں ناکام رہا تھا، میں سارینہ کی زندگی نہیں بچا سکا تھا جس کا مجھے کوئی افسوس تو نہیں تھا لیکن ان درندوں پر مجھے غصہ آ گیا، جن کی تعداد چار تھی۔ بڑے طویل القامت اور قوی الجثہ درندے تھے، ان میں سے ایک تو باقاعدہ ملکہ سارینہ کے جسم کو پھاڑ رہا تھا اور اس وقت سارینہ کے جسم کے بہت سے حصے غائب ہو گئے۔ بقیہ تین کے حصے میں، میں آیا تھا، وہ تینوں اپنی سڈول دمیں ہلا کر بھوکی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

دوسری طرف آرسانہ کے باشندے سانس روکے ہوئے شیروں کی کامیابی کے منتظر تھے۔ میں نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور پھر خونخوار شیروں کو دیکھنے لگا! ان میں سے ایک نے پہل کی اور میرے اوپر جست لگائی۔ میں بھی ان سے نپٹنے کے لئے لائحہ عمل بنایا جا چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اس جانور کی جست ناکام بنا دی، البتہ اس کی پچھلی ٹانگیں میرے مضبوط پنجوں کی گرفت میں آ گئی تھیں، میں نے ان ٹانگوں کو پکڑ لیا اور پھر اس قوی جانور کے پورے جسم کو فضا میں گردش دینے لگا، دوسرے جانور جو مجھ پر حملہ کرنے کے لئے تیار تھے، یہ منظر دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے، شاید انہیں اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع نہیں مل رہا تھا، یا پھر وہ اس حیرت انگیز منظر سے پریشان ہو گئے تھے اوپر بیٹھے ہوئے تماشائیوں کی نگاہیں شیر کے بھاری بھرکم جسم کے ساتھ گھوم رہی تھیں، ان سب کے چہرے حماقت آمیز انداز میں پھیل گئے تھے۔ میں نے گھمانے کی رفتار تیز کر دی۔ میں شیر کے بھاری جسم کو ہیمر تھرو کی طرح گھماتا رہا اور پھر میں نے اس کی دونوں ٹانگیں چھوڑ دیں، شیر وزنی شمشیر کی طرح میرے ہاتھ سے نکلا، مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی دور جا گرے گا، وہ پوری قوت سے ایرینا کی دیوار سے ٹکرایا تھا، لیکن میرے رکنے سے دوسرے شیروں کو موقع مل گیا اور انہوں نے بیک وقت میرے اوپر حملہ کر دیا، ایک شیر کی گردن میری گرفت میں آ گئی اور میں نے اسے نیچے پٹخ دیا۔ دوسرا شیر میری گردن، پشت اور شانوں پر حملے کر رہا تھا، اور خود کو چغد محسوس کر رہا تھا، اس کے تیز ناخنوں کی کاٹ میرے جسم پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی، اس کے نوکیلے لمبے دانت میرے شانوں میں اترنے میں ناکام رہے تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی کیفیت ایسی ہی رہ گئی تھی، جیسے کوئی بوڑھا مدبر دو لڑتے ہوئے بچوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔!

لیکن سامنے والے شیر کی حالت خراب تھی، وہ زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا، اس کی گردن پر میری گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی اور اس کی خونخوار آنکھیں بے بسی کے انداز میں پھٹی ہوئی تھیں، بالآخر اس کی زبان باہر نکل پڑی، تب میں نے اپنے سے اٹھکیلیاں کرنے والے شیر کی طرف دیکھا لیکن اس جواں مرد نے اب بھی ہار نہیں مانی تھی اور مسلسل کوششوں میں مصروف تھا۔ تب میں نے اسے بھی زندگی کی قید سے نجات دلانے کا فیصلہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی اپنے ساتھی کے برابر محو استراحت ہو گیا، تیسرا زندہ شیر اب سارینہ کی پنڈلی کی ہڈی چبا رہا تھا۔

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ لیکن اس کے انداز میں مصالحت تھی، اس کی آنکھوں سے ایسا ہی لگ رہا تھا، جیسے کہہ رہا ہو" کھا پی لینے دو بھائی، بہت دن کے بعد غذا میسر ہوئی ہے۔" چنانچہ میں نے اسے معاف کر دیا، اور پھر میں نے منہ پھاڑے، محوِ حیرت بیٹھے لوگوں کی طرف دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ اور پھر میں نے مزید دلچسپی کی غرض سے ایک چوڑا کھانڈا اٹھایا اور ایرینا کے اوپر جانے والی سیڑھی کی طرف بڑھا۔

وحشت زدہ تماشائیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ سب سے پہلے لمبی گردن والا شہنشاہ اٹھ کر بھاگا تھا، اور اس کے پیچھے اس کے وفادار ساتھی، لیکن بوڑھا شہنشاہ اپنے نوجوان ساتھیوں کی طرح تیز رفتاری سے نہیں دوڑ سکتا تھا۔ تاہم دوڑ رہا تھا۔ اور اس خطرناک ہنگامے میں سب سے پیچھے رہ جانے والی وہی دونوں لڑکیاں تھیں، جنہیں میں نے شہنشاہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تھا، وہ بے چاریاں کئی بار گری تھیں، کئی بار اٹھی تھیں۔ لیکن جان کے خوف سے بھاگنے والوں نے ان کے حسن و نزاکت کو نظر انداز کر دیا تھا۔!

بھاگنے والے دور پہنچ چکے تھے۔ مجھے ان کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں تھی، چنانچہ میں ان لڑکیوں کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں لڑکیاں سہم کر ایک دوسرے سے چمٹ گئیں، مجھے دیکھ کر ان کی شکلیں بگڑ گئی تھیں مجھے یہ سہما ہوا حسن بے حد پسند آیا۔ میں نے کھانڈا ایک طرف پھینک دیا اور انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔ میری مسکراہٹ سے ان کی کچھ ہمت بندھی اور میں ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

"خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے لڑکیو۔!" میں نے ان سے کہا اور وہ اچھل پڑیں۔ ان کے لئے میرا بولنا بھی حیرت انگیز تھا، کیونکہ اب تک میں نے ان کی زبان سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ "میں نے صرف ان لوگوں کو قتل کیا ہے جو مجھے قتل کرنا چاہتے تھے، اس کے علاوہ میں نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا، پھر تم مجھ سے خوفزدہ کیوں ہو۔؟"

دونوں کچھ نہ بولیں۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"اس کے باوجود کہ تمہارے شہر میں میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا، میں تم سے دوستی کا خواہشمند ہوں، تمہاری ملکہ نے مجھے زبردستی اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ میں خود اس کی طرف راغب نہیں ہوا تھا۔ ہو سکے تو اپنے شہنشاہ کو میری دوستی کا پیغام پہنچا دو۔ میں اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کو نظر انداز کر دوں گا، اور اگر مجھے دوستی نہ ملی، تو اسے بتا دو کہ میری دشمنی کس قدر خطرناک ہو گی۔"

"تت۔ تم کون ہو۔؟"

"آسمان کا باشندہ۔ کائنات میں بھٹکتا ہوا تمہارے درمیان آ گیا ہوں۔ لیکن مہمانوں کے ساتھ تمہارا سلوک اچھا نہیں ہے۔" لڑکیاں میری گفتگو سے متاثر نظر آنے لگیں، ان کا خوف دور ہوتا جا رہا تھا۔ پھر ان میں سے ایک بولی۔

"شہنشاہ نے اگر تمہیں پناہ نہ دی تو خود اس کے لئے نقصان دہ ہو گا۔ وہ تمہیں زیر کرنے میں ناکام رہے ہیں، تم عظیم قوتوں کے مالک ہو آؤ ہمارے ساتھ، اگر تم دوستی کے پیامبر ہو تو شہنشاہ کو تمہاری دوستی قبول کر لینا چاہیئے۔"

"شکریہ۔! چلو۔!" میں نے کہا اور پھر میں دونوں لڑکیوں کے درمیان چل پڑا۔ انسانوں کا دور دور تک پتہ نہیں تھا، ہم ایرینا کی عظیم الشان عمارت کے عظیم الشان دروازے سے باہر نکل آئے اور پھر ایک چوڑی سڑک پر پیدل چلنے لگے!

''افسوس، بھاگنے والے سواریاں بھی لے گئے۔ ہمیں پیدل ہی محل تک جانا پڑے گا۔''

''محل زیادہ دور نہیں ہے۔'' میں نے دور سے محل کی عمارت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لڑکیوں نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، ویسے وہ بار بار چور نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگتی تھیں۔ سڑکیں ویران پڑی تھیں، لوگوں نے اپنے گھروں میں پناہ لے لی تھی۔ سڑک پر اکا دکا چلنے والے بھی دور سے ہمیں دیکھ کر چھپ جاتے، ان کے چہرے خوف سے سفید ہو جاتے، میری حیرت انگیز قوت کی داستانیں آرسانہ کے ہر گلی کوچے میں پھیل گئی تھیں، میں یہ دلچسپ مناظر دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اور لڑکیوں کے قرب سے خوش بھی تھا، راستے میں، میں نے ایک لڑکی سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔؟''

''ہائیسا۔!'' اس نے جواب دیا۔

''اور تمہارا۔؟'' میں نے دوسری لڑکی سے پوچھا۔

''آکاشا۔!'' دوسری لڑکی نے جواب دیا۔

''تم دونوں بے حد خوبصورت ہو۔'' میں نے کہا اور ان کے چہروں پر شرم کی سرخی پھیل گئی۔ ''شہنشاہ سے تمہارا کیا رشتہ ہے میں نے تمہیں اس کے پاس بیٹھے دیکھا تھا۔''

''وہ ہمارا باپ ہے۔''

''اوہ۔ تو تم سارینہ کی لڑکیاں ہو۔؟''

''نہیں۔ ہم شہنشاہ کی دوسری بیویوں کی اولاد ہیں۔ شہنشاہ کی بہت سی بیویاں ہیں، لیکن اس کی اولاد میں ہم دونوں ہی ہیں۔ ہماری مائیں بھی الگ الگ ہیں۔''

''بڑا بزدل ہے تمہارا باپ...... اپنی اولاد کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔'' میں نے کہا اور دونوں لڑکیوں کے چہرے شرم سے لٹک گئے! لیکن اسی وقت میں چونک پڑا۔ سامنے ہی آہن پوش سپاہیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم راستہ روکے کھڑا تھا...... ان کے چمکدار ہتھیار آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے اور وہ یقیناً جان دینے اور جان لینے پر تلے ہوئے تھے۔

میں بڑھتا رہا...... لڑکیوں کے سینوں کا زیر و بم بڑھ گیا تھا، انہوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہی تیزی سے آگے بڑھ گئیں، پھر انہوں نے چیخ چیخ کر سپاہیوں سے کہا۔

''منتشر ہو جاؤ...... راستہ مت روکو...... ہمارے لئے سواری فراہم کرو...... وہ دوست ہے، برے ارادے نہیں رکھتا، ہاں اگر تم نے اسے روکنے کی کوشش کی تو نقصان اٹھاؤ گے...... راستہ چھوڑ دو، اس کے سامنے دشمن کی حیثیت سے مت آؤ...... ہمارا حکم ہے...... میں شہنشاہ کے نام پر تمہیں حکم دیتی ہوں۔'' انہوں نے چیخ چیخ کر کئی بار یہ الفاظ کہے اور سپاہیوں کی صفوں میں افراتفری پھیل گئی۔ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا اور منتشر ہونے لگے! پھر ان کے عقب سے ایک ویسی ہی گاڑی نکل آئی جس میں سارینہ مجھے یہاں لائی تھی۔ سفید رنگ کی گاڑی میں گھوڑے جتے ہوئے تھے،

بائیسا نے کوچوان کو گاڑی سے اترنے کے لئے کہا اور خود گھوڑوں کی باگیں سنبھال لیں، میں اور آکاشا گاڑی پر کھڑے ہو گئے اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ آہن پوش سپاہی ہمیں دیکھتے رہ گئے تھے۔

گاڑی کافی تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی محل میں داخل ہو گئی اور پھر محل کی عمارت کے سامنے رک گئی۔ ہتھیار لئے ہوئے سپاہی دہشت زدہ ہو کر ادھر ادھر ہٹ گئے تھے، میں سینہ تانے ہوئے محل میں داخل ہو گیا، دونوں لڑکیاں اب خلوص دل سے میری میزبانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں، ویسے پورے محل میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ خوفزدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ لڑکیاں مجھے لئے ہوئے ایک خوبصورت کمرے کے دروازے پر پہنچ گئیں، انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئیں۔

”آؤ..... ہمیں تمہارا نام معلوم نہیں ہے۔؟“ آکاشا نے کہا۔

”نام..... میرا کوئی نام نہیں ہے، جس کا جو دل چاہتا ہے کہہ لیتا ہے۔“ میں نے جواب دیا اور وہ الجھے ہوئے انداز میں ایک دوسری کی شکل دیکھنے لگیں۔

”اگر تم اجازت دو..... اور اسی کمرے میں رہنے کا وعدہ کرو تو ہم شہنشاہ سے تمہارے بارے میں بات کریں۔ ہم شہنشاہ کو تمہاری دوستی کا احساس دلائیں گے۔!“

”میں اس وقت تک دوست ہوں، جب تک تم لوگ میرے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ زیادتی کے جواب میں، میں بھی جواب دوں گا۔“

”تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا! اطمینان رکھو۔“ آکاشا نے کہا اور وہ دونوں باہر نکل گئیں، ان کے چلے جانے کے بعد میں نے کمرے کے ماحول کو دیکھا، بڑا خوبصورت کمرہ تھا، غاروں میں رہنے والے اس حسین جگہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، بیشک یہ لوگ ترقی کی راہ پر گامزن تھے، مجھے ان ذہین لوگوں کی مدد کرنی چاہئے تھی جنہوں نے زندگی کو اس قدر حسین بنا دیا تھا، لیکن یہ ظالم تھے، یہ پہاڑوں سے زندگی کا حق چھین کر انہیں اپنا محکوم بنانے کے خواہشمند تھے، حالانکہ وہ بھی ان جیسے انسان ہی تھے، یہ بات درست نہیں تھی، یہ خود کو افضل کیوں سمجھتے تھے، یہ غاروں اور پہاڑوں والوں کو بھی خود میں شامل کر کے ترقی کی منازل کیوں نہیں طے کرتے تھے، یہی بات ناقابل برداشت تھی اور یہی بات مجبور کرتی تھی کہ میں ان کے خلاف کام کروں، تاکہ میرے دوست باروک اور اس کے ساتھیوں کو بھی زندہ رہنے کا حق مل جائے۔! بہر حال میں نے ان سے وعدہ کیا تھا، وہ لوگ مجھ سے آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں انہیں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ ہاں اگر صلح کی کوئی کوشش ہو سکتی تو ٹھیک تھا، اگر یہ لوگ خلوص دل سے باروک اور اس کے ساتھیوں کا حق بھی قبول کر لیتے تو ٹھیک تھا۔!

یہ خیال میرے ذہن میں آیا تھا پروفیسر۔ لیکن یہ میرا اپنا خیال نہیں تھا۔ ارتقاء کی منازل قدم بہ قدم طے ہو رہی تھیں انسان کو انسان سے ہمدردی ہوتی جا رہی تھی، سیاست کی ابتداء ہو چکی تھی، بڑی طاقت چھوٹی طاقت کو محکوم بھی رکھنا چاہتی تھی، لیکن اسے حقوق دلوانے کے لئے بھی طاقت چھوٹی طاقت ہی سے کام لیا جا سکتا تھا..... انسان وہی سب کچھ سوچ رہا تھا جو اسے سوچنا چاہئے تھا، ذہن کے اندر در یچے کھل رہے تھے، نئے نئے خیال آ رہے تھے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی قوت بھی پروان چڑھتی جا رہی تھی۔

میں اس کمرے کے آرام وہ فرش پر دراز ہو گیا۔ یہاں سکون ہی سکون تھا، مجھے یہ دنیا بہت پسند آئی تھی، میں ان عقلمند لوگوں کی عقل و دانش کو دل ہی دل میں سراہ رہا تھا۔لیکن ان کی طرف سے میرے دل میں کد بھی تھی اور بعد میں ظاہر ہو گیا پروفیسر۔ کہ وہ لوگ ذہین ضرور تھے لیکن ان کی ذہانت نے ان کے ذہنوں کو غرور سے پراگندہ کر دیا تھا۔ وہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھ کر زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ اور یہ فطرت میرے، یا کسی کے بدلنے سے نہیں بدل سکتی تھی۔ یہ فطرت آج تک نہیں بدل سکی ہے پروفیسر.....اس وقت بھی نہیں بدلی تھی جب میں آخری بار سویا تھا۔ کیا اب انسان میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں۔؟ اس نے سوال کیا۔

اور آرسانہ کے طلسمی ماحول سے نکلنے میں پروفیسر اور ان کی لڑکیوں کو کافی دقت پیش آئی۔ اس نے کئی بار ان سے اپنا سوال دوہرایا تو وہ چونکے۔!

''کیا کہا تم نے۔؟'' پروفیسر نے سوال کیا۔

''اوہ شاید تم آرسانہ میں تھے.....؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... میں اس کمرے میں تمہیں فرش پر دراز دیکھ رہا تھا، میں اس دنیا میں کھویا ہوا تھا، جس میں تم موجود تھے۔''

''میں نے سوال کیا تھا پروفیسر..... کہ کیا اس دور کے انسان کے ذہن میں برتری کے خیال نے گھر نہیں کیا، کیا انسانی اقدار بدلی ہیں۔''

''ہرگز نہیں..... بلکہ یہ جذبہ اور شدید ہو گیا ہے، رنگ، نسل، آب و ہوا کے بل پر انسان ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں..... آج بھی احساسِ برتری کا دور دورہ ہے۔!''

''یہ چیز بھی انسان کی فطرت میں ابتدا سے ہے، اس نے کائنات کے ایک ایک ذرے پر قابو پالیا ہے، وہ نئی نئی ایجادات کرتا ہے..... عقل و دانش کی بلندیوں پر پرواز کر رہا ہے، لیکن خود وہ کیا ہے، وہ آج تک نہیں جان سکا، یہ راز فطرت ہے جسے حل کرنے کی کوششوں کے باوجود انسان اس سے ناواقف ہے۔ اگر وہ خود کو پہچان لے تو اس کائنات میں عظیم تبدیلیاں واقع ہو جائیں۔ بہرحال۔ مجھے کافی دیر گزر گئی..... تب میں نے اس دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنی..... پہلے آکاشا اور بائیسا ہی اندر داخل ہوئی تھیں، بزدل شہنشاہ نے خود اندر داخل ہونے کی جرأت نہیں کی تھی.....لیکن جب لڑکیوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی تو پہلے دو جغادری بوڑھے اس کے پیچھے چار مسلح جوان اور پھر شہنشاہ اندر آیا.....! وہ سب خوفزدہ تھے اور اسی انداز میں اندر آئے تھے کہ اگر بھاگنے کی ضرورت پیش آئے تو سب سے پہلے وہی نکل سکیں۔!

میں فرش پر بیٹھ گیا اور وہ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ تب آکاشا نے کہا۔''میں نے شہنشاہ کو بتایا ہے کہ اس کی کوششوں کے باوجود تم خود کو اس کا دوست ثابت کر سکتے ہو..... کیا میں نے غلط کہا ہے۔؟''

''نہیں..... یہ درست ہے شہنشاہ۔!'' میں نے کہا اور تمام لوگ اچھل پڑے۔

''تم۔ تم ہماری طرح بول سکتے ہو..... مگر اس سے قبل تو تم ہماری بات بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔؟'' شہنشاہ نے کہا۔

''یہ ان پراسرار قوتوں کے راز ہیں شہنشاہ۔ جنہوں نے مجھے تم میں بھیجا ہے..... ہاں.....اس وقت تک میں نہیں بول سکتا تھا تمہاری بات صرف اشاروں میں میری سمجھ میں آتی تھی، لیکن پھر ان قوتوں نے مجھے بولنے کی قوت دی..... تمہاری زبان سمجھنے کی قوت دی.....اور میں تم سے بات

کرنے لگا۔!"

"تم کون سی قوتوں کی بات کرتے ہو۔؟" شہنشاہ نے کہا۔

"میں نہیں جانتا تم ان قوتوں کو کس نام سے پکارتے ہو، کوئی انہیں روشنی کہتا ہے تو کوئی تاریکی، کوئی انہیں گرج کا نام دیتا ہے تو کوئی چمک کا، میں انہیں آسمانی قوتوں کی بات کرتا ہوں جن کی پوجا کی جاتی ہے۔"

"تا آری کی قسم۔ یہ تو دیوتاؤں کی طرح بات کرتا ہے..... کیا یہ درحقیقت آسمان سے اترا ہوا کوئی دیوتا ہے..... کیا یہ آسمان کا بیٹا ہے.....!" شہنشاہ کے ساتھ آنے والے ایک بوڑھے نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور شہنشاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔!

"ہاں..... یہ آسمان کا بیٹا ہے..... ورنہ زمین پر کونسی ایسی نسل موجود ہے جو بیک وقت تین شیروں کو ہلاک کر دے..... جس کے سامنے درجنوں ہتھیار بند لڑا کے بے اثر ہوں۔ یہ آسمان کا بیٹا ہے..... یہ آسمان کا بیٹا ہے.....!" چاروں بوڑھے چیخنے لگے، اور پھر وہ میرے سامنے اوندھے گر پڑے، بوڑھا شہنشاہ پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا..... ایسا لگتا تھا، جیسے اس نے دل سے ان لوگوں کی بات قبول نہیں کی ہو۔ لیکن میرے سلسلے میں وہ بے بسی کا شکار تھا۔ آخر کیا کرتا میرا.....!

چنانچہ آہستہ آہستہ وہ جھکا اور پھر ان چاروں کی طرح اوندھے منہ گر پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی لڑکیاں بھی انہی سب کے انداز میں گر پڑیں۔ اور مجھے ہنسی روکنا مشکل ہوگئی۔! پھر سب سے پہلے بوڑھے شہنشاہ نے ہی گردن اٹھائی، کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے بولا۔

"ہم تجھے آرسانہ کی سرزمین پر خوش آمدید کہتے ہیں آسمان کے بیٹے، ہر چند کہ تیری آمد عجیب و غریب انداز میں ہوئی۔ ہم نہیں جانتے کہ آرسانہ کی بے غیرت ملکہ نے تجھے کہاں سے حاصل کیا اور تو نے کیوں اس کے ناپاک جسم کو قبول کیا جبکہ زمین کی کنواریاں تیرے لئے خوشی سے آغوش وا کر دیتیں لیکن دیوتاؤں کی مصلحت سے تو ہی واقف ہوگا۔ وہ کیفر کردار کو پہنچ گئی جس نے دغا کی تھی، عہد شکنی تھی لیکن تیرے اوپر آسمانوں کا سایہ ہے۔ ہم تجھے ختم نہ کر سکے اور یہ ہمارے بس میں نہیں تھا۔ ہم تیری آمد سے خوش ہیں۔ ہمارے درمیان رہ۔ اور ہم پر برکتیں نازل کر۔" بوڑھا خاموش ہوگیا اور اس کی آواز بند ہوتے ہی زمین پر پڑے بوڑھے بھی اٹھ گئے۔ ان کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

"جاؤ..... اے آرسانہ کے مدبرو۔ عوام سے کہہ دو کہ وہ دیوتا ہے جو ہمارے درمیان آیا ہے۔ وہ ہمارا دوست ہے۔ اس سے خوفزدہ نہ ہوں جاؤ کہ آرسانہ پر برکتیں نازل ہوں گی اور پہاڑوں کے سرکش زیر ہوں گے۔ اب کوئی آرسانہ کا ہم پلہ نہ ہوگا۔ اور دور دور تک کی ریاستیں ہمارے زیر نگیں آجائیں گی۔ جاؤ۔ تیاریاں کرو کہ ہم آسمان کے بیٹے کی سربراہی میں پہلی کاری ضرب پہاڑوں کے سرکشوں پر لگائیں گے۔"

چاروں بوڑھے خاموشی سے باہر نکل گئے اور بوڑھے لیکن چالاک شہنشاہ نے دونوں لڑکیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔" بلاشبہ آکاشا اور ہائیسا تم نے ہمیں صحیح راہ دکھائی ہے۔ تم نے وہ کام کیا ہے جو آرسانہ کے حق میں تھا۔ ہم تم سے خوش ہیں۔ آؤ۔ تاکہ ہم معزز مہمان کی آسائش کے انتظامات کر سکیں۔" اس نے لڑکیوں کو دروازے کی طرف دھکیلا اور لڑکیوں نے عجیب انداز سے میری طرف دیکھا۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

ان کے جانے کے بعد میں پھر فرش پر دراز ہو گیا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات گردش کر رہے تھے۔ جو کچھ ہوا وہ میری توقع کے خلاف نہیں تھا۔ انہوں نے اس انداز میں میری برتری قبول کی، کسی نہ کسی انداز میں کرنی ہی تھی۔ بہرحال مجھے کام کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ خیال اب میرے ذہن میں موجود تھا کہ میں پہاڑ والوں اور ان لوگوں میں صلح کرا دوں۔ جنگ نہ ہو اور یہ لوگ ان کا حق تسلیم کر لیں۔ انہیں اپنی ایک دنیا بنا کر رہنے کی اجازت دے دیں اور ان کی زندگی میں مداخلت نہ کریں۔ ہر چند کہ میں نے لمبی گردن والے شہنشاہ کی آنکھوں میں مکاری کی جھلکیاں پائی تھیں اور مجھے یہ کام سخت مشکل نظر آ رہا تھا۔

شہنشاہ کے محل میں میری خوب خاطر مدارات ہوئیں۔ درجنوں لونڈیاں اور غلام میری خدمت پر مامور کر دیئے گئے۔ جو دن رات میرا خیال رکھتے تھے لیکن میں بہت جلد سمجھ گیا کہ ان میں سے کچھ میری نگرانی بھی کرتے تھے لیکن مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔ ان میں سے کوئی میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا جو لونڈیاں میری خدمت پر مامور کی گئی تھیں۔ ان میں سے کئی خوبصورت تھیں لیکن میں نے ان کی طرف التفات نہیں کیا۔ میں تو ان دونوں لڑکیوں کو پسند کرنے لگا تھا اور ان میں سے کسی کو چاہتا تھا لیکن تین دن گزر گئے تھے اور ابھی تک مدعا حاصل نہیں ہوا تھا۔ میں الجھن میں تھا کہ کس طرح انہیں حاصل کروں کہ چوتھی رات میری مشکل حل ہو گئی۔ لڑکیاں اس دوران دو مرتبہ میرے پاس آئی تھیں لیکن خرانٹ شہنشاہ ان کے ساتھ ہوتا۔ اس لئے میں دل کی بات نہیں کہہ سکا تھا۔ چوتھی رات جب شہنشاہ مجھ سے ملاقات کر کے واپس جا چکا تھا اور میں کھانے وغیرہ سے فارغ ہو چکا تھا کہ ہائیسا میرے پاس آئی۔ بظاہر وہ میرے پاس شہنشاہ کا پیغام لائی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس رات شہنشاہ محل سے باہر تھا اور اسے موقع مل گیا تھا۔

اتنی رات گئے میں ہائیسا کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ وہ شرمائی شرمائی سی تھی۔ "کیسے آنا ہوا ہائیسا۔؟" میں نے اس کے شرمائے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے پہرے داروں کو بتایا ہے کہ میں تمہارے لئے شہنشاہ کا پیغام لائی ہوں۔" اس نے مترنم آواز میں کہا۔

"اور حقیقت کیا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"حقیقت یہ ہے کہ...... حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں بتانے آئی ہوں شہنشاہ میرا باپ ایک کینہ پرور شخص ہے۔ اس نے دل سے تمہیں قبول نہیں کیا ہے۔ وہ تمہاری طرف سے مشکوک ہے۔ وہ تمہیں آسمان کا بیٹا نہیں تسلیم کرتا۔ اس کا خیال ہے کہ تم کوئی زمینی مخلوق ہو جو بے پناہ طاقتور ہے اور اس طاقت نے تمہیں مافوق الفطرت بنا دیا ہے۔ وہ دھوکے سے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات وہ اپنے خاص مشیروں سے کر رہا تھا۔ میں نے سن لی اور تمہیں بتانے کے لئے بے چین ہو گئی۔"

اسے اجازت ہے ہائیسا۔ جو دل چاہے کرے وہ پہلے بھی ناکام رہا ہے آئندہ بھی ناکام رہے گا لیکن میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے مجھے اپنے باپ کی سازش سے کیوں آگاہ کیا۔ تم خود بھی اس سازش میں شریک کیوں نہ ہو گئیں۔" میں نے اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس کی برقپاش آنکھیں جھک گئیں۔ پھر اس کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ ہلے۔ "کیونکہ...... کیونکہ میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ تمہیں بے

پناہ چاہنے لگی ہوں۔" اس نے کہا اور اس کا سر میرے سینے سے آ ٹکا۔ میرے روئیں روئیں میں مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ ہو گیا تھا جو میں چاہتا تھا اور میں اسے سینے سے لگائے لگائے فرش پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر میری آغوش میں رکھ دیا تھا۔

"اگر تم مجھے پسند کرنے لگی تھیں ہائیسا تو پھر یہ تین دن مجھ سے دور رہ کر کیوں گزارے۔" میں اس کے حسین جسم کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"شہنشاہ نے خاص طور سے ہماری نگرانی شروع کرا دی تھی۔ تم نہیں جانتے وہ کس قدر چالاک ہے۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ ہم تمہیں ساتھ لیکر آئی ہیں اس لئے ہمارا تم سے خاص تعلق نہ قائم ہو گیا ہو۔"

"اس کا خیال درست ہی تھا ہائیسا۔ میں بھی اسی وقت سے تمہیں پسند کرنے لگا تھا جب میں نے ایرینا میں اترتے وقت تمہیں شہنشاہ کے قریب بیٹھے دیکھا تھا۔" میں نے کہا اور اس کی آنکھوں میں مستی ابھر آئی۔ اس نے بے خود ہو کر خود کو میرے سپرد کر دیا اور میری دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔ آرسانہ کی حسیناؤں کے لئے میں یہاں آیا تھا لیکن راستے میں ملکہ سارینہ مل گئی۔ درمیانی عمر کی وہ عورت بہت زیادہ پرکشش نہیں تھی تاہم عورت ضرور تھی۔ وقتی طور پر میں نے اسے قبول کر لیا تھا لیکن میری طلب برقرار رہی تھی اور آج وہ خواہش بھی پوری ہو گئی تھی۔ صبح ہونے تک ہائیسا میرے ساتھ رہی اور پھر اس نے رخصت کا پروگرام بنا لیا اور کہا۔

"میں نہیں جانتی کہ اب تم سے دور رہ کر میرا وقت کس طرح گزرے گا تاہم جس وقت بھی موقع مل سکا میں ضرور آؤں گی۔"

"موقع جلد ملے گا۔ تم فکر مت کرو۔" میں نے کہا اور وہ چلی گئی لیکن شہنشاہ اس رات بھی واپس نہیں آیا تھا چنانچہ ہائیسا پہرے داروں کو رشوت دے کر میرے پاس آ گئی۔ اس رات وہ مجھ سے بہت بے تکلف تھی اور اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس نے دیوتاؤں سے دعا مانگی کہ شہنشاہ کافی دنوں تک واپس نہ آسکے لیکن اس نے ایک اور بات کہی جو میرے لئے خاصی دلچسپ تھی۔ اس نے بتایا کہ پچھلی رات کو اس کی آمد کی اطلاع آکاشا کو مل گئی تھی اور یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ میں رات بھر تمہارے پاس رہی ہوں۔ ہائیسا نے بتایا کہ آکاشا اس کی بہن کے علاوہ ایک رازدار دوست بھی ہے چنانچہ اس نے رات کی کہانی ہائیسا سے پوچھی اور ہائیسا نے اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ آکاشا بھی مجھ میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ آکاشا کی اداسی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا اور پھر اصرار کرنے پر آکاشا نے اسے بتایا کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے لیکن ہائیسا اس سے زیادہ دلیر نکلی کیونکہ وہ کوشش کے باوجود میرے نزدیک آنے کی جسارت نہیں کر سکی تھی۔

مجھے یہ واقعہ بہت دلچسپ معلوم ہوا پروفیسر۔ رقابت کی کہانی نے اخلاق کے لبادے اوڑھ لئے تھے۔ ایک دور وہ تھا جب لاکا نے میری پہلی ساتھی لڑکی کو رقابت کی آگ میں جل کر وحشیانہ انداز میں ہلاک کر دیا تھا اور اب...... انداز فکر بدل گیا تھا...... انسان تہذیب سے آشنا ہو گیا تھا۔ ایک دوسرے کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔

بظاہر یہ عام سی کہانی تھی پروفیسر۔ لیکن میں اس کہانی کی روح سے واقف تھا۔ میں بدلتی ہوئی اقدار سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میں انسان کی تبدیلیوں کے آشنا ہو رہا تھا۔ گو ابھی مجھے آرسانہ والوں کی تہذیب سے آشنا ہونے کا پورا پورا موقع نہیں ملا تھا۔ یہاں میری شخصیت کو آزادی نہیں تھی لیکن جہاں تک میں اندازہ لگا سکا تھا آرسانہ کے انسان ترقی کی کچھ منازل طے کر چکے تھے لیکن اس کے اندر ایک اور جذبہ بیدار تھا۔ یعنی خود پرستی

وہ خود کو دوسرے انسانوں سے افضل سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ صرف حکمرانی کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور دوسروں کو صرف ان کی اطاعت کرنا چاہئے۔ اگر وہ اس جذبے سے ہٹ کر کام کرتے پروفیسر، تو مجھے یقین تھا کہ اس وقت کی سب سے ذہین اور ترقی یافتہ قوم ہوتے لیکن وہ خود کو کھونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انسان ذہنی طور پر ابھی پست تھا۔ ایرینا میں ہونے والا خونی کھیل، پتھروں کے زمانے کی داستان دوہراتا تھا۔ انسان کی ذہنی سطح کسی حد تک بلند ہوئی تھی لیکن ابھی اس میں وحشیانہ خو باقی تھی۔ بلکہ اگر وحشت کا اندازہ لگایا جائے تو وہ پتھر کے دور کے انسان سے بھی بدتر ہو گیا تھا۔ پتھر کے دور کا انسان صرف اپنی بقاء کے لئے وحشت و بربریت کے کھیل کھیلتا تھا لیکن اس دور کا انسان بے وجہ بھی اس کھیل سے لطف اندوز ہونے کی حس رکھتا تھا۔ میں نے اپنی دوسری کتاب میں اس دور کے انسان کے بارے میں تفصیلات لکھی ہیں اور اسی دور میں میرے ناقص ذہن نے اندازہ لگایا تھا کہ اگر انسان اسی راہ پر چلتا رہا تو وہ ترقی کی راہوں پر کہیں سے کہیں نکل جائے گا لیکن وہ وحشیانہ خو بو جو اس میں ابتدا سے ہے کچھ اور بڑھ جائے گی اور یہ حقیقت اسے سب کچھ بنا دے تو انسان نہ بننے دے گی۔ ترقی کی انتہائی منازل طے کرنے کے بعد بھی اس کے مسائل برقرار رہیں گے۔ یہ ترقی اسے سب کچھ دے دے گی لیکن سکون واطمینان کی دنیا سے بہت دور کر دے گی..... اور تاریخ شاہد ہے پروفیسر کہ میری پیشگوئی حرف بحرف درست نکلی۔ میں نے اس کے بعد کے سینکڑوں دور دیکھے اور ہر نئے دور کے انسان کو سکون کی منزل سے دور پایا۔ اس نے سب کچھ حاصل کر لیا لیکن سکون حاصل نہ کر سکا۔

ہائیسا اس رات بھی میرے پہلو میں رہی اور پھر دو مزید راتیں اس نے مجھے دیں۔ پھر شہنشاہ واپس آ گیا اور ہائیسا اپنی جگہ محصور ہو گئی۔ میں ایک آزاد انسان جسے قیدیوں کی زندگی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی قید کیسے رہ سکتا تھا اور اس قید سے نکلنے کے لئے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے غلاموں اور کنیزوں نے مجھے دیکھا، مجھ سے باہر نہ جانے کی درخواست کی لیکن میں اس درخواست کو قبول کرنے کے لئے مجبور تو نہیں تھا۔ میں اپنے کمرے سے نکل آیا۔ میں نے پورے محل کو گھوم پھر کر دیکھا۔ کس کی مجال تھی کہ مجھے روکے۔ جس طرف میں جاتا سپاہی خوفزدہ ہو کر راستہ چھوڑ دیتے۔ شہنشاہ کو بھی میرے باہر آنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت میں محل کے دروازے پر تھا جب شہنشاہ اپنے آدمیوں کی پوری فوج کے ساتھ میرے نزدیک آ گیا۔

''آسمان کے بیٹے کی خدمت میں تعظیم۔!'' اس نے خم ہوتے ہوئے کہا۔ ''کہاں کا ارادہ ہے۔؟''

''میں اپنے عجیب میزبان کی دنیا کو دیکھنے جا رہا ہوں جس نے مجھے مہمان بنا کر قیدیوں کی سی حیثیت دے دی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میں سخت مصروف تھا دیوتاؤں کے منظور نظر۔ آ میرے ساتھ آ۔ میں تجھے اس دنیا کی سیر کراؤں گا۔'' اس نے احترام سے کہا۔

''نہیں۔ میں آزادی سے گھومنا چاہتا ہوں۔ میں تنہا ہی تمہارے شہر کی سیر کروں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ تب بحالت مجبوری شہنشاہ نے میرے لئے دوڑنے والے جانوروں کی ایک گاڑی مہیا کر دی۔ میں نے اس گاڑی کے کوچوان کو بھی ساتھ نہیں لیا تھا۔ پھر میں گاڑی کو چلاتا ہوا سڑکوں پر نکل آیا۔ پورے شہر کے لوگ مجھے دیکھنے کے مشتاق تھے۔ ذرا سی دیر میں تمام کاروبار بند ہو گئے۔ میرے گھوڑوں کو آگے بڑھنے میں مشکلات کا سامنا تھا۔ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں مجھے دیکھنے جوق در جوق آ رہے تھے۔ بہت سی جگہوں پر میرے اوپر پھول بھی برسائے گئے۔

مجھے کھانے پینے اور تحائف اور لباس بھی پیش کئے گئے لیکن میں نے ان کے لئے معذرت کر لی اور میری گاڑی شہر کے مختلف حصوں میں گھومتی رہی۔ شام تک میں آدھا شہر دیکھ ڈالا۔ اپنا پروگرام بھی پیش نگاہ تھا چنانچہ میں اس کے لئے بھی اپنے ذہن میں نقشہ مرتب کرتا جا رہا تھا اور بہت سی کام کی باتیں سوچ چکا تھا۔ شام کو میں واپس محل پہنچ گیا۔ رات کے کھانے پر شہنشاہ نے مجھ سے ملاقات کی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ ہی کھانے کی پیش کش کی تھی اور در حقیقت شہنشاہ سے میری یہ پہلی تفصیلی ملاقات تھی۔

کھانے کی میز پر اس کے بہت سے جغادری مشیر بھی تھے، سب نے میری تعظیم کی، لیکن میں نے ان کی آنکھوں میں اپنے لئے کینہ پروری کے تاثرات پائے تھے...... لمبی گردن والا مکار مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا، اور میں اس کے جوابات دیتا رہا...... بے وقوف انسان مجھ سے میری شخصیت اگلوانا چاہتا تھا، لیکن اس کی پچاس پشتیں بھی میرے تجربے کو نہیں پہنچ سکتی تھیں، وہ اپنے مطلب کی ایک بھی بات مجھ سے معلوم نہیں کر سکا تھا۔ اس کے مشیروں نے بھی کچھ سوالات کئے اور میں نے انہیں بھی جوابات دیئے۔

پھر کھانا ختم ہو گیا...... اور میں آرام کرنے چلا گیا، بائیسا نے میرے جسم کی دبی ہوئی چنگاریاں کرید دی تھیں، وہ پھر مجبوری کی قید میں چلی گئی تھی، اس لئے میری راتیں بے چینی سے گزر رہی تھیں، دوسری باندیاں مجھے حاصل ہو سکتی تھیں، لیکن میں انہیں پسند نہیں کرتا تھا۔ میں اپنا معیار برقرار رکھنا چاہتا تھا۔!

دوسری صبح میں نے حسب معمول پھر شہر کی سیر کا پروگرام بنالیا، گاڑی مہیا ہو گئی اور میں چل پڑا۔ میری خواہش تھی کہ اب میں جلد از جلد اپنا کام مکمل کر لوں اور یہاں سے چل پڑوں تاکہ جب پہاڑ والوں کے ساتھ آرسانہ میں داخل ہوں تو میری حیثیت ہی دوسری ہو۔

آرسانہ والوں کے جوش و خروش کا وہی عالم تھا، لوگ مجھ سے ملنے کے لئے ٹوٹے پڑ رہے تھے، وہ مجھے دیکھتے اور حیران رہ جاتے، کیونکہ شکل و صورت میں، میں ان سے مختلف تھا۔ اس کے علاوہ ان میں سے کچھ نے مجھے ایرینا میں لڑاکوں اور شیروں سے جنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا، کچھ نے صرف وہ کہانیاں سنی تھیں، لوگوں کے ہجوم سے میں بمشکل گزر سکا۔ مجھے کسی پرسکون گوشے کی تلاش تھی، چنانچہ میں نے ایک سمت گاڑی دوڑا دی اور بہت تیز رفتار گھوڑوں کی مدد سے میں شہر سے دور نکل آیا۔ سرسبز علاقہ تھا اور ان علاقوں میں سبزے کی کاشت کی گئی تھی۔ اکا دکا لوگ مجھے کھیتوں میں کام کرتے ہوئے ملے۔ انہوں نے زمین کی حقیقت معلوم کر لی تھی، اس کے سینے میں پوشیدہ خزانوں سے واقف ہو کر وہ انہیں نکالنے میں کوشاں تھے۔

بیشک یہ ذہین لوگ میرے لئے انوکھے تھے۔ میں انہیں ترقی کے لئے محنت کرتے دیکھ کر ان کی عزت کرنے لگا تھا، لیکن ان کی ایک بات سے مجھے نفرت ہوتی تھی۔ وہ پہاڑ والوں کو بھی اپنا جیسا انسان کیوں نہیں سمجھتے۔ اگر وہ انہیں بھی خود میں شریک کر کے زندگی گزاریں تو آرسانہ زیرکوں جنت بن جائے۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان انداز میں سوچنے کے قائل نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ کبھی اس کے لئے تیار ہوں گے! میں گشت کرتا رہا، اور پھر تیز دھوپ کی وجہ سے میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے رکا! میں تو ٹھیک تھا، لیکن گھوڑوں کے چہروں پر تھکن کے آثار ہویدا تھے۔ میں اس درخت کی دلکش چھاؤں میں آرام کر رہا تھا کہ دفعتاً دور سے میں نے ایسی ہی ایک گاڑی آتے دیکھی جیسی میرے استعمال میں تھی۔ میں سنبھل گیا اور غور سے اس گاڑی کو دیکھنے لگا۔!

گاڑی قریب آتی گئی...... رنگین لباس اور خوبصورت ہیولے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی عورت ہے اور پھر میں اسے پہچان گیا۔ بلا شبہ یہ آکاشا تھی...... تھوڑی دیر کے بعد آکاشا میرے قریب پہنچ گئی...... اور پھر اس نے گاڑی روک لی، اس کا چہرہ دھوپ کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا، جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا باریک لباس جسم کے کچھ حصوں سے چمٹ گیا تھا۔!

میں نے سہارا دے کر اسے نیچے اتارا۔ لیکن اس کے چہرے پر وہ شگفتگی اور مسرت نہیں تھی، جو میں نے پہلے دیکھی تھی۔!

''میں تمہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں، بمشکل تمام مجھے محل سے نکلنے کی اجازت ملی تھی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شہنشاہ نے تم دونوں پر اس قدر پابندی کیوں لگادی ہے۔''

''تمہاری سمجھ میں بھی نہیں آئے گا! کیونکہ تمہارا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے......'' اس نے اداس لہجے میں کہا اور میں اسے درخت کے سائے میں لے آیا۔!

''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کہنی ہیں...... اس کے بعد میں چلی جاؤں گی کیونکہ شہنشاہ کے کارندے مجھے شہر میں تلاش کر رہے ہوں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ انہیں تم سے میری ملاقات کا علم ہو سکے۔''

''کیا بات ہے آکاشا...... تم سنجیدہ اور غمگین ہو؟''

''کچھ نہیں ہے۔!'' اس نے خود سے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں تمہیں تمہاری محبوبہ کے بارے میں بتاؤں، شہنشاہ کو علم ہو گیا ہے کہ اس نے کچھ راتیں تمہارے ساتھ گزاری ہیں...... اور یہ بات چھپی بھی کیسے رہ سکتی ہے کیونکہ پہرے دار بہر حال شہنشاہ کے نمک خوار ہیں۔''

''اوہ۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔؟''

''ہائیسا کو ایک خاص جگہ قید کر دیا گیا ہے...... اس انداز میں کہ کسی کو قید کے بارے میں معلوم بھی نہ ہو سکے اور وہ اس مخصوص حصے سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے۔''

''اوہ......!'' میں نے غصے سے کہا۔ ''وہ میری وجہ سے قید ہوئی ہے۔ میں اسے آزاد کرا لوں گا۔''

''سنو...... عقل سے کام لو، بیشک تم بہادر ہو، تم اسے آزاد کرانے کی قوت رکھتے ہو، لیکن اس کے مردہ جسم کی آزادی سے تمہیں کیا ملے گا؟''

''میں نہیں سمجھا۔'' میں نے پریشانی سے کہا۔

''شہنشاہ ان معاملات میں بہت سخت ہے۔ اگر تم نے اسے آزاد کرانے کی کوشش کی تو وہ اسے زندہ کسی طور سے تمہارے ہاتھ نہیں لگنے دے گا اس کی زندگی چاہتے ہو تو اسے قید رہنے دو۔''

''مجھے بتاؤ۔ میں اس کے لئے کیا کروں۔؟''

''فی الحال خاموش رہو...... میں کوشش کر رہی ہوں کہ کسی طرح اسے آزاد کرا دوں...... اگر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی تو تم دونوں کو یہاں سے فرار کا موقع فراہم کر دوں گی۔ تم اسے لے کر یہاں سے نکل جاؤ اور پہاڑوں میں پناہ لو۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

''کیا تم بھی ہمارے ساتھ نہیں چل سکتیں آ کاشا۔؟'' میں نے کہا۔

''میں جا کر کیا کروں گی؟'' اس نے غمگین لہجے میں کہا۔

''میں تم سے بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی ہائیسا سے۔'' میں نے کہا۔ اور وہ عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لیکر کہا۔

''تم دیوتاؤں کی سرزمین سے آئے ہو۔ ممکن ہے تمہارے ہاں محبت کا معیار کچھ اور ہو۔ ہم اس سے مختلف ہیں، ہم محبت میں کسی کی شرکت برداشت نہیں کر سکتے...... ہائیسا تم سے قریب ہے، وہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہے۔'' اس نے گردن جھکالی اور میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر واپس پلٹتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اب جانا چاہیئے، ایک بات اور تم سے کہنی ہے، وہ یہ کہ شہنشاہ بے حد کینہ پرور ہے۔ اس نے تمہیں صرف ایک انسان تصور کیا ہے۔ اور وہ ایسے کسی انسان کو خود نہیں دیکھ سکتا جو اس کے احکامات سے مبرا ہو، اور جس سے اس کی شہنشاہیت کو خطرہ ہو۔ چنانچہ اس کے خاص مشیر روزانہ سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں، اور تمہارے بارے میں مشورے کرتے ہیں۔ وہ کیا سوچ رہے ہیں اور کیا کرنے کے خواہشمند ہیں اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ لیکن بہر حال وہ تمہارے بارے میں نیک ارادے نہیں رکھتے۔'' ☆

''تم فکر مت کرو۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔'' میں نے کہا اور آ کاشا گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ ''سنو آ کاشا......'' میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اس کے گداز کاندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔ ''تم نے میری محبت کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ میں تمہیں بھی اتنا ہی چاہتا ہوں، جتنا ہائیسا کو...... کیا تم بھی ہائیسا کی طرح میری نہیں ہو سکتیں۔ کیا تم شہنشاہ سے بہت خوفزدہ ہو۔؟''

''تمہاری قربت کی ایک گھڑی کے لئے میں زندگی دینے کو تیار ہوں۔ لیکن...... میں نے خود کو ہائیسا کے حق میں دستبردار کر لیا ہے...... میری اس محنت کو خاک میں نہ ملاؤ...... تمہارے جسمانی قرب سے میں پاگل ہو جاؤں گی اور پھر میری زندگی عذاب بن جائے گی۔'' اس نے خود کو میرے ہاتھوں سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ وہ تیزی سے مڑ کر گاڑی میں سوار ہو گئی...... میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا...... اور اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی...... پھر میں ہائیسا کے بارے میں سوچنے لگا! بیچاری لڑکی میری وجہ سے قید کی صعوبتیں بھگت رہی ہے...... میں اس کے لئے کیا کروں...... پھر میری نگاہوں میں لمبی گردن والا مکار شہنشاہ گھوم گیا اور میرے ہونٹ بھینچ گئے...... ہوں...... تو بوڑھا شہنشاہ میرے خلاف سازشیں کر رہا ہے! لیکن میرا بگاڑ کیا سکے گا البتہ ہائیسا...... مجھے اس لڑکی کی زندگی بچانے کے لئے کچھ کرنا ہوگا...... وقت ضائع کرنا بیکار ہے...... مجھے کچھ کرنا ہی چاہیئے۔

اس دوران میں آرسانہ کی قوت کا کسی حد تک اندازہ کر چکا تھا...... آرسانہ کے لوگ محنتی تھے اور ذہین تھے۔ انہوں نے خوبصورت اور پراثر ہتھیار تیار کر لئے تھے، لیکن وہ پہاڑ والوں کی طرح جفاکش نہ تھے...... عقل و فراست نے انہیں نرمی بخشی تھی...... وہ تنہا مجھ سے خوفزدہ تھے تو پھر پہاڑ والوں کی تعداد تو بہت زیادہ تھی۔ وہ افرادی قوت اور جفاکشی کے ذریعے آرسانہ والوں پر قابو پا سکتے تھے...... بہر حال میں نے فیصلہ کر لیا کہ شہنشاہ سے ہائیسا کو طلب کروں گا۔! اور اگر اس نے ہائیسا کو میرے حوالے نہ کیا تو اسے قتل کر دوں گا اور یہاں سے نکل جاؤں گا۔! اپنے دل میں اٹل فیصلہ

کر کے میں نے واپسی کی تیاری کی اور تھوڑی دیر کے بعد میری گاڑی محل کی طرف واپس جانے لگی، راستے میں مجھے دیکھنے والوں کے ہجوم کی وہی حالت تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح میں محل واپس پہنچ گیا۔!

میرے لئے متعین غلاموں نے میرا استقبال کیا اور اپنے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے میں نے ایک غلام کو روک کر کہا۔ ''میں شہنشاہ سے فوری طور پر ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ جاؤ اسے میرا پیغام دو۔'' اور غلام سر جھکا کر چلا گیا..... اپنے کمرے میں داخل ہو کر شہنشاہ کے جواب کا انتظار کرنے لگا، میں کافی بے چین تھا۔ غلام کافی تاخیر سے واپس آیا۔ اس نے مجھے تعظیم دی اور کہا۔

''شہنشاہ نے آپ کو محل خاص میں بلوایا ہے..... وہ آپ کے منتظر ہیں۔''

میں کھڑا ہو گیا اور پھر میں غلاموں کے ساتھ خاص محل کی طرف چل پڑا۔ بہت سی غلام گردشوں سے گزر کر میں ایک خوبصورت کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گیا جہاں موجود پہرے دار مجھے دیکھ کر جھکے اور انہوں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ میں اندر داخل ہو گیا..... بڑا آراستہ کمرہ تھا، شہنشاہ ایک مسند پر بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے بڑے تپاک کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے خوشی ٹپک رہی تھی۔

''آؤ..... آؤ آسمان کے بیٹے..... تمہاری آمد ہمارے لئے فال نیک ہے..... آؤ کہ تمہاری خوشنودی حاصل کر کے ہم سربلندی حاصل کر سکتے ہیں، میرے نزدیک بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ ہم سے تمہاری خدمت میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی ہے۔؟''

میں اس لمبی گردن والے بوڑھے مکار کو بغور دیکھنے لگا! اس نے جس انداز سے میرا استقبال کیا تھا، اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤں، چنانچہ میں نے اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا کر لی اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''میں تجھ سے خوش ہوں شہنشاہ۔ بلاشبہ تو نے غلط سوچ کر میرے لئے برا انتظام کیا تھا، لیکن میں نے تیری بھول کو معاف کر دیا تھا..... مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن میں تجھ سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں دل و جان سے سنوں گا آسمان کے بیٹے..... ضرور ان میں میرے لئے کوئی بہتری کی راہ ہو گی..... کیونکہ تو دیوتاؤں کا ہمعصر ہے۔'' بوڑھے نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور میں اس چاپلوس کی چکنی چپڑی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا۔ ضرور اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال آیا ہے۔ جس نے وقتی طور پر اس کی فطرت تبدیل کر دی ہے۔

''میں تجھ سے پہاڑ والوں کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں، جو تیرے ستم کے شکار ہیں..... میں تجھ سے ان کے حقوق کی بات کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو انہیں مناسب زندگی گزارنے دے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو انہیں آرسانہ کی طرح ایک شہر بسانے دے، جہاں وہ آرسانہ کی طرح ترقی کر سکیں اور بہتر زندگی گزار سکیں۔''

میں نے دیکھا پروفیسر..... کہ بوڑھے کا رنگ ایکدم بدل گیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی کرختگی نظر آنے لگی، اس کی مکار آنکھوں میں شبہ تیرنے لگا۔ تب اس نے کریہہ آواز میں کہا۔

''تجھے ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوا آسمان کے بیٹے...... کیا تو ان سے ملا ہے...... کیا تو نے ان کے ساتھ زندگی گزاری ہے......؟''

''تیرے الفاظ تیرے سوال کا جواب ہیں شہنشاہ، کیا تو دل سے مجھے آسمان والا تسلیم نہیں کرتا، کیا تو نے مجھے دیوتاؤں کا ہمعصر نہیں جانا۔ کیا تجھے علم نہیں ہے کہ میں، جو تیری زبان، تیرے ماحول سے ناواقف تھا، اچانک سب کچھ جان گیا...... کیا تجھے نہیں معلوم کہ تیرے تمام حربے میرے جسم پر بے اثر ہو گئے تھے...... ان تمام باتوں میں اپنے سوال کا جواب تلاش کر...... میرا رابطہ آسمانوں سے ہے، مجھے وہیں سے علم ملتا ہے اور میں اسی علم کی روشنی میں گفتگو کرتا ہوں۔!'' میں نے کہا۔

''تو کیا دیوتاؤں کی خواہش ہے کہ میں ان کالے غلاموں کو برابر کا درجہ دیدوں...... انہیں اپنے پاس بٹھاؤں...... وہ ہماری خدمات کے لئے پیدا ہوئے ہیں...... انہیں اپنا دوست بنالوں، یہ کیسے ممکن ہے آسمان کے بیٹے...... یہ کیسے ممکن ہے۔؟''

''وہ تیرے جیسے انسان ہیں شہنشاہ، ان میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں ہے، تو خود کو ان سے افضل کیوں سمجھتا ہے...... اگر تو نے انہیں یہ درجہ نہ دیا تو وہ خود ایک دن یہ مقام حاصل کرلیں گے۔''

''وہ دن کبھی نہ آئے گا آسمان کے بیٹے۔ میری طرف سے دیوتاؤں کو پیغام دے دینا......'' بوڑھے نے مکاری سے کہا اور میں دانت پیس کر رہ گیا۔ اسے سمجھانا فضول تھا۔ طاقت کے نشے میں چور اس انسان کو عقل نہیں آسکتی تھی۔

''بہرحال ان کی باتوں کو چھوڑ...... مجھے بتا تیری کیا خدمت کروں۔ میں تیری حیرت انگیز باتوں سے خوش ہوں اور تجھے انہی مراعات سے نوازنا چاہتا ہوں جو تیرا حق ہے۔'' اس نے کہا۔ اور مجھے بائیسا یاد آ گئی۔ میں اسے سمجھانے کی کوشش میں ناکام ہو گیا تھا، میں جانتا تھا کہ لمبی گردن والا صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔ تب میں نے کہا۔

''دوسری بات یہ ہے شہنشاہ...... کہ تو اپنی بیٹی بائیسا مجھے بخش دے میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔!''

''مجھے معلوم تھا...... مجھے معلوم تھا...... بہرحال خوش ہو جا...... وہ تجھے دے دی گئی...... وہ تیرے پاس پہنچ جائے گی! میں بس تیری خوشی چاہتا ہوں، میں اس قدر مصروف تھا کہ ابھی تک تیرے اعزاز میں کچھ نہیں کر سکا تھا، تجھے کچھ بھی نہیں دے سکا تھا...... لیکن کل کا دل آرسانہ والوں کے لئے چھٹی کا دن ہے کل وہ عیش و عشرت میں رہیں گے...... کل وہ تفریحات کا دن منائیں گے اور میں نے تیرے اعزاز میں خصوصی انتظامات کئے ہیں۔ میرے مشیر تیرے لئے دلچسپی کا سامان کر رہے ہیں۔''

میں حیران رہ گیا۔ بوڑھے مکار کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں اس فراخ دلی کا متوقع نہیں تھا۔ کیا سوچا ہے اس بوڑھے نے۔ کیا یہ مجھے بے وقوف بنا رہا ہے۔

''بائیسا کہاں ہے۔ اسے بھی میرے پاس بھیج دو۔''

''ابھی پہنچ جائے گی۔ اس کی تقدیر تیری تقدیر سے وابستہ کر دی گئی ہے...... اور کچھ مانگ آسمان کے بیٹے۔!''

''تب میں اپنے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھا بھی میرے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے

تعظیم کے لئے گردن جھکا دی اور پھر میرے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

''مہمان کو احترام سے مہمان خانے میں پہنچا دو۔'' اس نے غلاموں سے کہا اور غلام میرے ساتھ چل پڑے۔ میں سخت حیران تھا۔ بوڑھے کی یہ چال میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے اچانک میرے بارے میں رائے کیوں بدل دی تھی۔ بہرحال بائیسا کے آنے نہ آنے کا فیصلہ ہو جائے گا۔ میں نے سوچا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میرے کمرے کا دروازہ کھلا......اور بائیسا اندر آ گئی۔ وہ بے حد خوش تھی۔ اندر آتے ہی مجھ سے لپٹ گئی اور میں اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ بائیسا ہی ہے یا کوئی اور ہے اور اگر بائیسا ہے تو پھر آکاشا کی اطلاع......؟ لیکن بہرحال وہ بائیسا ہی تھی۔ اس نے میری پیشانی، آنکھوں اور ہونٹوں کو چومنا شروع کر دیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ جب وہ اظہار محبت سے فارغ ہو گئی تو اس نے خوشی کے عالم میں مجھے بتایا۔

''مجھے ہمیشہ کے لئے تمہارے سپرد کر دیا گیا ہے آسمان کے بیٹے۔ اب میں تمہاری ہوں۔ ہمیشہ تمہارے پاس رہوں گی۔!''

''مگر یہ سب کیسے ہوا بائیسا۔ بوڑھے شہنشاہ نے یہ بات کیسے قبول کر لی۔''

''میں خود حیران ہوں آسمان کے بیٹے۔ لیکن یہ سب حقیقت ہے۔ شہنشاہ کے خاص غلام مجھے قید خانے سے نکال کر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔!'' بائیسا نے بتایا۔

''تو آکاشا کی اطلاع درست تھی۔ تمہیں قید کر دیا گیا تھا۔؟''

''ہاں۔ انہوں نے مجھے قید کر دیا تھا۔ وہ سب مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ شہنشاہ نے مجھ سے نفرت زدہ لہجے میں کہا تھا کہ میں اس کی بیٹی ہوں تو کیا......وہ مجھے بھی ساریینہ کی طرح ہلاک کر دے گا لیکن مجھ سے زیادہ وہ تمہاری طرف سے پریشان تھا کہ آسمان کے بیٹے، میں نہیں جانتی کہ شہنشاہ کے دماغ میں یہ تبدیلی کس طرح آئی۔؟''

''ممکن ہے اسے عقل آ گئی ہو۔ ممکن ہے اس نے دیوتاؤں کی قوتوں کو تسلیم کر لیا ہو۔ بہرحال مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہے۔ میں تو خوش ہوں کہ تم میرے پاس آ گئیں۔'' میں نے بائیسا کو آغوش میں کھینچتے ہوئے کہا۔

''میں بھی تمہارے بغیر سانسوں میں گھٹن محسوس کر رہی تھی۔ تمہارے ساتھ گزرے ہوئے لمحات پر میں زندگی قربان کرنے کو تیار ہوں۔''

بائیسا میری محبت کا جواب بھرپور محبت سے دے رہی تھی اور بلاشبہ مجھے لاکا یاد آ گئی۔ سومالی یاد آ گئی جو بہت پرجوش تھی۔ بائیسا ان سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ ہمارے جذبات پوری رات جاگتے رہے۔ بائیسا کی خواہش تھی کہ وہ میرے جسم ہی کا ایک جزو بن جائے اور پوری رات ہم یکجان رہے۔ دوسری صبح بائیسا بہت خوش تھی۔ مسرت اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی اور اس وقت یہ مسرت اس بات کی تھی کہ اب اسے خاموشی سے مجھ سے جدا نہیں ہونا تھا۔ اسے پہرے داروں کا خطرہ نہیں تھا۔

چنانچہ وہ مسہری پر لیٹی مجھے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ سورج کی روشنی پوری طرح پھیل گئی۔ تب ہم نے گرم پانی کا غسل کیا اور پھر ہمارے خادم ہمارے لئے ناشتہ لے آئے۔ بائیسا نے اور میں نے مل کر پرلطف ناشتہ کیا۔ کسی نے ہمارے درمیان مداخلت نہیں کی

تھی۔ پھر جب سورج ایک پہر بلند ہو گیا تو خدام نے مجھے شہنشاہ کا پیغام دیا۔ شہنشاہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔

وقتی طور پر میں اس بوڑھے مکار سے بھی خوش تھا جس نے کسی سازش کے تحت ہی سہی۔ بہر حال کچھ رعایت دی تھی اور بائیسا کو بلاتعرض میرے حوالے کر دیا تھا چنانچہ میں بائیسا سے رخصت ہو کر اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لمبی گردن اور مکار چہرے والا شہنشاہ ایک خوبصورت مسند پر دراز تھا۔ اس کے قدموں میں اس کے تین بوڑھے مشیر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب نے اٹھ کر مجھے تعظیم دی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ تینوں بوڑھے بغور میرے جسم کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر شہنشاہ نے کہا۔

''آسمان کے بیٹے۔ بلاشبہ ہم میں تیری آمد حیرت انگیز طور سے ہوئی ہے۔ بے شک ہمارے ذہنوں نے تجھے قبول نہیں کیا تھا لیکن ہم تیری قوت کے قائل ہو گئے۔ تو عام انسانوں سے بلند ہے۔ تو بے پناہ طاقتور ہے۔ تو نے ہماری نفرت کے باوجود ہمیں محبت دی اور اس بات سے ثابت ہو گیا کہ تو رحم کا دیوتا ہے۔ آسمان کے بیٹے۔ ہم تجھ سے ایک درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تو ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو جائے تو ہم ایک بڑی مشکل سے نکل سکتے ہیں۔ آج تو نے پہاڑ...... والوں سے صلح کا سبق دیا تھا۔ غور کر اے دیوتا کے منظور نظر۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ہمارے ہم پلہ ہوں۔ جو رنگ میں گہرے اور عقل میں ہم سے پیچھے ہیں۔ ہم انہیں غلام بنا کر پناہ تو دے سکتے ہیں۔ اپنے شانہ بشانہ کھڑا نہیں کر سکتے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ باغی پہاڑوں میں روپوش ہیں۔ وہ طاقت حاصل کر رہے ہیں لیکن وہ جتنی طاقت بھی حاصل کر لیں۔ ہم انہیں کامیاب نہ ہونے دیں گے اور جب سے ہم نے تیرے بارے میں سوچا ہے تب سے ہماری امیدوں کے چراغ روشن ہو گئے ہیں۔ تو ہی ہے جو ان باغیوں کی سرکوبی کر سکتا ہے۔ کون ہے جو تیرا مقابل ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو فوج کا ایک جتھہ لے کر جائے اور باغیوں کو نیست و نابود کر دے لیکن یہ سب کچھ تیری مرضی پر ہے۔ اگر تو اس بات کو پسند نہیں کرے گا تو ہم تجھے مجبور نہیں کریں گے۔'' بوڑھے مکار نے اپنی لمبی تقریر ختم کی۔ اس کی تقریر جیسی بھی تھی اس کا مطالبہ جیسا بھی احمقانہ تھا۔ میرے ذہن سے ایک الجھن دور ہو گئی تھی۔ اب تک میں بوڑھے کی مہربانیوں کا مقصد نہیں سمجھ سکا تھا۔ یہ نہیں جان سکا کہ بائیسا مجھے کیوں بخش دی گئی ہے لیکن اس گفتگو کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ بوڑھا دراصل کیا چاہتا ہے۔ وہ میری طاقت کو پہاڑ والوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ ضرور اس کے مشیروں نے یہ مشورہ دیا ہو گا اور اسی مشورے کے تحت بوڑھے سیاست دان نے بائیسا کو میرے حوالے کر کے مجھے خوش کرنا ضروری سمجھا۔ میں جو پہاڑ والوں میں نجات دہندہ کہلاتا تھا۔ میں جسے آرسانہ والوں سے نفرت تھی۔ بھلا اس بوڑھے کی بات کیسے مان سکتا تھا لیکن چالاکی کا جواب چالاکی سے دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''ہر چند کہ میں ان لوگوں سے مکمل طور سے واقف نہیں ہوں۔ میری نگاہ میں سب انسان برابر ہیں لیکن تو نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ آخر وقت میں سہی لیکن اس کے باوجود مجھے غور کرنے کا موقع دے شہنشاہ۔''

''میری طرف سے اجازت ہے۔ خوب غور کر کے فیصلہ کرو۔ مجھے اعتراض نہ ہو گا۔'' بوڑھے نے کہا اور اس کی اس فراخ دلی پر بھی میں نے غور کیا لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں مجھے کوئی عار نہیں ہے پروفیسر۔ کہ اس چالاک بوڑھے نے نہایت اطمینان سے مجھے بے وقوف بنا دیا تھا۔ اگر میری پراسرار قوتیں مجھے سہارا نہ دیتیں تو وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کامیابی میں کوئی شبہ باقی نہیں تھا۔ اس نے بخوبی اپنے

اصل پروگرام کی طرف سے میرا ذہن ہٹا دیا تھا۔

میں وہاں سے خوش و خرم واپس آ گیا۔ میں نے اس سے سوچنے کی مہلت مانگ لی تھی لیکن اس مہلت کے دوران میں بوڑھے کی طرف سے پہاڑوں والوں کے خلاف لڑنے کے لئے نہیں سوچنا چاہتا تھا بلکہ مجھے سوچنا یہ تھا کہ اب ہائیسا کو یہاں سے لے کر نکل جانے کی کیا صورت ہو گی۔ یہاں میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ ہائیسا مجھے مل گئی تھی چنانچہ اب یہاں رہنے کا جواز نہیں تھا۔

ہائیسا مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ اس نے بوڑھے شہنشاہ کے بلانے کا مقصد پوچھا اور میں نے بلا کم و کاست اسے بھی تفصیل بتا دی۔ ہائیسا بھی میری ہم خیال تھی۔ اس نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ یہ اچانک مہربانی اسی وجہ سے ہے۔ بہرحال اس بارے میں ہائیسا نے مداخلت نہیں کی۔ بلکہ اس نے یہ سب کچھ میرے اوپر چھوڑ دیا کہ میں جیسے مناسب سمجھوں کروں۔

دوپہر ڈھل گئی تو محل کے غلام اور دوسرے لوگ زرق برق لباس تبدیل کر کے جوق در جوق جانے لگے۔ ہائیسا نے مجھ سے بھی تیار ہونے کے لئے کہا۔

''ہمیں کہاں جانا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''آبادی سے دور۔ پہاڑوں میں۔ ہم ہر سال یہ جشن مناتے ہیں۔ ایک خاص جشن ہوتا ہے جس میں بہادر فضا میں پرواز کرتے ہیں اور یہ ہمارے قومی کھیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کے اس جشن میں تمہاری عزت افزائی بھی شامل ہے۔''

''فضا میں کیسے پرواز کرتے ہیں۔؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ یہ سب عقلی کارنامے ہیں۔'' ہائیسا نے کہا اور میں تیار ہو گیا۔ ہائیسا نے میرے لئے ایک رنگین لباس تیار کرایا تھا۔ جس میں چیتے کی کھال اور رنگین کپڑا استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ایک گاڑی جس میں چار طاقتور گھوڑے جتے ہوئے تھے ہم دونوں کو لے کر چل پڑی۔ گھوڑے برق رفتاری سے دوڑ رہے تھے۔ ہمیں طویل سفر طے کرنا تھا۔ بہرحال اس سفر کا اختتام تاحد نگاہ پھیلے ہوئے بھورے بھورے اور سیاہ پہاڑوں پر ہوا۔ دور ایک انتہائی وسیع و عریض میدان میں بے شمار لوگ جمع تھے۔ پورا آرسانہ امڈ آیا تھا۔ لوگ رنگین لباس پہنے ہوئے تھے اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ یہ وسیع و عریض میدان ایک نوکیلے پہاڑ کے گرد گھوم جاتا تھا اور اس نوکیلے پہاڑ کے دہانے سے دھواں نکل رہا تھا۔ میں آگ اگلنے والے اس خوفناک پہاڑ سے اچھی طرح واقف تھا۔ آج کی زبان میں اسے آتش فشاں کہتے ہیں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا پروفیسر۔'' اس نے رک کر پوچھا۔ لیکن کسی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ فروزاں، فرزانہ اور پروفیسر تو اس وسیع و عریض میدان میں موجود تھے جہاں یہ جشن منایا جا رہا تھا۔ لمبی گردن والا امکاران کے سامنے تھا اور وہ زمانہ قدیم کے ان پراسرار لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

ان سب کو داستان کے سحر میں مبتلا پا کر وہ مسکرایا اور اس نے اپنی داستان پھر سے شروع کر دی۔!

''ہماری گاڑی ایک مخصوص حصے میں پہنچ گئی جو معززین کے لئے مخصوص تھا۔ غلاموں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور ہم نیچے اتر آئے، تھوڑے فاصلے پر بوڑھا شہنشاہ نصف درجن بیویوں کے جھرمٹ میں موجود تھا۔ اس کے پیچھے اس کے مشیر بھی تھے۔ انہیں عورتوں میں، میں نے

آ کاشا کو بھی دیکھا۔ اور جب میں نے آ کاشا پر نگاہ ڈالی تو وہ بھی سلگتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی میری نگاہ پڑتے ہی اس نے مجھ پر سے نگاہ ہٹالی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پھر ہمیں شہنشاہ کی آواز سنائی دی۔

''آؤ...... آسمان کے بیٹے۔ اس جشن میں تمہاری شرکت ہمارے لئے نیک فال ہے......'' اور وہ خود ہمارے استقبال کے لئے آگے بڑھ آیا۔ پھر وہ ہمیں لئے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ ایک حصہ شاہی افراد کے لئے مخصوص تھا۔ بوڑھے شہنشاہ نے مجھے اپنے برابر جگہ دی اور میرے بیٹھنے کے بعد سیاہ گروں کے کرتب شروع ہو گئے۔

یہ جشن بھی وحشیانہ تھا۔ مقابلہ کرنے والوں کو مفتوح کے قتل کی اجازت تھی، بلکہ جب کوئی فاتح اپنے مفتوح کو زیر کر لیتا تو وہ فاتحانہ انداز میں عوام کی طرف دیکھتا اور عوام پر جوش مطالبہ کرتے کہ وہ مفتوح کو قتل کر دے تب فاتح اپنا ہتھیار مفتوح کے سینے میں اتار دیتا۔ لمبی گردن والا شہنشاہ اس خونریز مقابلے سے خوش تھا۔ لڑاکے جلد جلد میدان میں آ رہے تھے، موت کا بازار گرم تھا اور میں ان خونریزوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ہائیسا اس وقت میرے پاس موجود نہیں تھی۔ وہ دوسری عورتوں میں شامل ہو گئی تھی۔

کئی گھنٹے تک یہ خونی مقابلے جاری رہے۔ پھر ختم ہو گئے۔ جیتنے والوں کو میرے ہاتھوں سے انعام دلوائے گئے۔ عوام کی بہت بڑی تعداد مجھے دیکھ رہی تھی، میرا خیال تھا کہ مجھے بھی کسی سے جنگ کرنے کی دعوت دی جائے گی، لیکن کون تھا جو میرے مقابل آنے کی حماقت کرتا۔! اس کے بعد میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اجانوروں کی کھالوں سے بنی ہوئی ایک چوکور شے میدان میں لائی گئی۔ جس میں عجیب انداز میں لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ اس میں تسمے بھی لگے ہوئے تھے، اور اس کے ساتھ ہی دو سفید رنگ کے مضبوط گھوڑے بھی آئے جن پر موٹی رسی لدی ہوئی تھی۔

تب شہنشاہ میری طرف جھکا۔ اور اس نے کہا۔ ''یہ ہمارا قومی کھیل ہے...... میرا ایجاد کیا ہوا...... تم یقیناً اسے دیکھ کر محظوظ ہو گے...... میں نے انسان کے فضا میں پرواز کرنے کی بات کی تھی...... اب تم اس کا عملی مظاہرہ دیکھو گے اس کھیل کی ابتدا میں کروں گا۔!'' شہنشاہ اٹھ گیا...... اس نے اپنی بیویوں کے جھرمٹ کی طرف دیکھا۔ سب اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تب اس نے آواز دی۔!

''لاشی...... آؤ...... آج اس کھیل میں تم بھی میرے ساتھ شریک ہو گی۔'' اور ایک نوجوان ملکہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ آئی۔ شہنشاہ کی اجازت سے اس نے اپنا لباس اتارا جس کے نیچے ایک چست لباس موجود تھا، خود شہنشاہ نے بھی لباس اتار دیا اور آگے بڑھ آیا۔ لاشی اس کے ساتھ تھی۔!

شہنشاہ کے آگے بڑھتے ہی مجمع نے شور و غل کرنا شروع کر دیا وہ شہنشاہ اور ملکہ لاشی کے نام کے نعرے لگا رہے تھے، درحقیقت میں ابھی تک اس کھیل کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ چنانچہ میں دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ شہنشاہ چمڑے کی چوکور شے کے قریب پہنچ گیا! اس میں گھوڑے کے جسم پر ڈالی جانے والی رکاب کی طرح چار چھلے لٹک رہے تھے۔ شہنشاہ نے ہجوم کی طرف اور پھر میری طرف ہاتھ لہرایا، اور پھر رکاب میں پیر ڈال دیئے، اس کی ملکہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا، پھر ایک بہت لمبی رسی گھوڑوں کے کندھوں پر بندھی ہوئی چرخی سے کھول کر اس چوکور شے میں باندھ دی گئی اور شہنشاہ اور ملکہ نے وہ رسی پکڑ لی۔ تب دو سائیس گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اس کے بعد خوفناک انداز میں ڈھول بجنے لگے! بات اب کچھ کچھ میری سمجھ میں آتی جا رہی تھی۔ لیکن اتنے حیرت انگیز کھیل کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... پھر آخری بار ڈھول زور سے بجے، اس کے ساتھ

ہی ایک آواز آئی اور گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے سائیسوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑے برق رفتاری سے دوڑنے لگے اور چوکور شے زمین سے بلند ہونے لگی۔ بلند اور بلند...... اور بلند...... شہنشاہ اور ملکہ بھی اس کے ساتھ چپکے ہوئے تھے اور گھوڑوں کے کندھوں سے بندھی ہوئی چرخی آہستہ آہستہ کھل رہی تھی جس کی وجہ سے رسی دراز ہو رہی تھی اور ملکہ اور شہنشاہ بلند ہوتے جا رہے تھے۔ میں حیرت سے منہ پھاڑے اس عجیب کھیل کو دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ مجھے انسان کی یہ پرواز بے حد پسند آئی تھی۔ کیسا انوکھا، کیسا دلچسپ کھیل تھا۔ گھوڑے میدان کے انتہائی سرے پر پہنچ گئے تھے اور پھر وہ پہاڑ کے دوسری طرف گھوم گئے! لیکن شہنشاہ اور ملکہ بدستور پرواز کر رہے تھے، وہ دھواں اگلنے والے پہاڑ سے بھی بلند تھے اور کئی باراس کے دہانے کے اوپر سے بھی گزرے، گھوڑے دوڑتے ہوئے دوسری طرف نکل آئے، اب وہ واپس آرہے تھے، اور شہنشاہ کی پرواز جاری تھی۔!

مجھے یہ کھیل بہت ہی پسند آیا۔ جو کچھ بھی تھا شہنشاہ بہرحال بہادر تھا، ورنہ زمین سے اتنی بلندی پر اڑنا بہت خطرناک تھا، گھوڑے کافی دیر تک دوڑتے رہے، شہنشاہ جب عوام کے اوپر سے گزرتا تو لوگ اسے دیکھ کر پرجوش نعرے لگاتے، تالیاں بجاتے اور بہت خوش ہوتے تھے، شہنشاہ بھی رسی ایک ہاتھ سے پکڑ کر ان کی طرف ہاتھ ہلاتا۔ گھوڑوں نے تقریباً میدان کے ایک درجن چکر لگائے اور پھر ان کی رفتار سست ہونے لگی۔

ملکہ اور شہنشاہ ایک خاص انداز میں نیچے اتر رہے تھے، پھر وہ زمین پر آگئے۔ لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ واپس پہنچ گئے اور شہنشاہ نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"کیا تمہیں یہ کھیل پسند آیا آسمان کے بیٹے۔؟"

"بے حد...... میں نے اپنی زندگی میں کسی ایسے کھیل کا تصور بھی نہیں کیا۔"

"یہ میری ایجاد ہے...... اور اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے...... بس رسی پکڑے کھڑے رہو...... باقی کام گھوڑوں اور سائیسوں کا ہے...... دیکھو، ابھی دوسرے لوگ بھی اس کا مظاہرہ کریں گے۔" وہ پھر میرے نزدیک بیٹھ گیا...... میدان میں دو نئے گھوڑے اور چند لوگ آگئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی خاص طور سے اس کھیل کی مشق کی تھی، ایک کے بعد دوسرا آدمی آتا گیا، میں اس کھیل میں محو تھا، درحقیقت مجھے یہ بہت آسان اور بہت دلچسپ محسوس ہوا تب شہنشاہ نے جھک کر میرے کان میں کہا۔

"اگر تم اس کھیل کا مظاہرہ کرنا چاہو تو میرے وطن کے لوگ تمہاری مزید عزت کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ تم ہائیسا کو ساتھ لے کر آسمان کی سیر کرو۔"

"میں تیار ہوں......" میں نے کہا اور شہنشاہ بہت خوش ہوا...... اس نے اعلان کرا دیا۔ کہ آسمان کا بیٹا فضاؤں میں پرواز کرے گا اور ہائیسا اس کے ساتھ ہوگی۔ میرے لئے خصوصی انتظامات کئے جانے لگے، ہائیسا بھی خوشی سے میرے نزدیک آگئی تھی۔!

"مجھے بھی یہ کھیل بہت پسند ہے اور پھر تم ساتھ ہو گے تو کس بات کا خوف ہے۔" اس نے کہا اور تالیوں اور نعروں کے شور میں، میں ہائیسا کے ساتھ میدان میں آگیا۔ اس دوران میں پرواز کرنے کی تکنیک سمجھ گیا تھا، اس لئے میں اطمینان سے چمڑے کی چٹنگ میں کھڑا ہو گیا...... ہائیسا بھی میرے نزدیک تھی...... اس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا، کیونکہ عوام کی نگاہوں میں بھی اس کا یہ اعزاز آگیا تھا کہ وہ آسمان کے بیٹے کی منظور نظر ہے۔

چاق و چوبند گھوڑوں پر سائیس سوار ہو گئے۔ ڈھول پیٹے، اور ہم دونوں فضا میں بلند ہونے لگے! میرا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا بلندی زیادہ سے زیادہ ہوتی جا رہی تھی...... نیچے موجود لوگ ننھے ننھے کھلونوں کی مانند نظر آنے لگے تھے، دور سے آرسانہ کی عمارتیں بھی صاف دکھائی دے رہی تھیں......! بائیسا پہلے قدرے خوفزدہ ہوئی، لیکن پھر وہ بھی اس انوکھی پرواز سے لطف اندوز ہونے لگی، گھوڑے میدان کے سرے پر پہنچ رہے تھے...... ہم دھواں اگلنے والے پہاڑ کے طرف بڑھ رہے تھے اور پھر ہم اس کے اوپر سے گزرے...... سخت تپش تھی...... بائیسا ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی، لیکن میں نے چیخ کر اسے دلاسہ دیا...... گھوڑے پہاڑ سے گھوم کر نکل آئے! لوگ خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے، چیخ رہے تھے، میری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے، گھوڑوں نے پھر میدان کا چکر لگایا...... ہم کافی بلندی پر پہنچ چکے تھے، میری نگاہیں اس جگہ تھیں، جہاں شہنشاہ اور مشیر وغیرہ کھڑے ہوئے تھے، دفعتاً شہنشاہ نے ہاتھ اٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک سرخ کپڑا تھا۔ وہ زور زور سے سرخ کپڑا ہلانے لگا۔ ہم بتدریج دھواں اگلنے والے پہاڑ کے دہانے پر پہنچتے جا رہے تھے، تب شہنشاہ نے سرخ کپڑا نیچے گرا دیا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑے دوڑانے والے سائیسوں نے وہ رسیاں کاٹ دیں، جو گھوڑوں کے کندھوں سے بندھی ہوئی چرخی سے منسلک تھیں۔ اس وقت ہم آتش فشاں کے سرخ دہانے کے عین اوپر تھے۔ رسیاں کٹتے ہی ہماری پتنگ کی پرواز ختم ہو گئی اور ہم کسی پتھر کی طرح نیچے گرنے لگے۔!

بائیسا کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ سرخ آگ کا دہانہ تیزی سے قریب آ رہا تھا، ہمارے جسموں کے لباس آگ کی تپش سے بھڑک اٹھے میں بھی اس خوفناک صورت حال سے ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا، میرے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسا حادثہ ہو سکتا ہے۔ میں بائیسا اور خود کو اس دہانے کی سمت سے ہٹانے کی کوئی کوشش نہ کر سکا اور ہماری پتنگ آگ اور گیس کے حصار میں داخل ہو گئی۔ بائیسا نے پھر ایک چیخ مارنے کی کوشش کی لیکن یہ چیخ کسی باز کے شکنجے میں پھنسی ہوئی ننھی چڑیا کی چیخ سے مشابہہ تھی۔

''قیس'' کی آواز میرے کانوں میں گونج اٹھی، لیکن چاروں سمت آگ کی سرخ دیواریں تھیں، اور اب کھولتے ہوئے سرخ پتھر ہمارے پیروں سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے گیس کا ایک مرغولہ اٹھا، بائیسا سلولائیڈ کی طرح جل گئی۔ صرف ایک شعلہ سا لپکا تھا جس میں جلنے والے گوشت کی چراند شامل تھی۔ اور بس...... بائیسا کا وجود ختم ہو گیا۔

لیکن، میرے جسم کو ایک لطیف حرارت مل رہی تھی، میں ان پگھلے ہوئے پتھروں میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا...... مجھے ان کی گرمی بے حد خوش گوار محسوس ہو رہی تھی...... ہاں یہ آگ تھی۔ میری زندگی، میری حیات، اور جس قدر حرارت اس آگ میں تھی، اس سے پہلے مجھے نہیں ملی تھی۔ میرا آتشیں حسن اور نکھر آیا...... میرے جسم نے اپنی غذا حاصل کر لی...... میں خود کو اتنا توانا محسوس کرنے لگا، جتنا پہلے کبھی نہیں محسوس کیا تھا، بائیسا کی موت کا احساس آن کی آن میں فنا ہو گیا...... میں ان میں سے نہ تھا...... وہ سب تو میرے سامنے حقیر تھے، ایک بائیسا کیا، پوری کائنات میرے زیر نگیں تھی، پھر مجھے اس کی موت کیا پرواہ ہوتی۔ میں آتشیں غسل کرتا رہا۔ کندن بنتا رہا اور جب میرا دل بھر گیا تو میں آگ کی دیواروں میں ابھرے ہوئے پتھر پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔ میرے جیسے انسان کے لئے یہ کون سا مشکل تھا...... میں بے حد پھرتیلا تھا، بے حد چاق و چوبند تھا، دیکھتے ہی دیکھتے میں اس دھواں اگلنے والے پہاڑ کے دہانے پر پہنچ گیا...... شام کافی حد تک جھک آئی تھی، فضائیں دھندلا گئی تھیں۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں نے غسل

آتش کیا تھا۔ بہر حال میں دہانے کے کنارے پکڑ کر اوپر رینگ آیا، اور پھر اسی طرح رینگتا ہوا ایک چٹان پر پہنچ گیا۔ میں نے گردن اٹھائی۔ ا
جشن ختم ہو گیا تھا...... لوگ واپس جا رہے تھے۔ مجمع بہت دور نظر آ رہا تھا...... میں نے ایک گہری سانس لی۔ دماغ روشن تھا، خیالات تیزی سے آ رہے تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ ہم دونوں کا آتشیں غار میں گرنا کوئی حادثہ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ شہنشاہ کے اشارے پر ہوا تھا...... یہ پروگرام شاید اس نے پہلے ہی بنا لیا تھا اور سب کچھ اس کے پروگرام کے مطابق ہی ہوا تھا۔ ضرور ایسا ہی تھا لیکن اس طرح وہ صرف اپنی بیٹی کی جان لے سکا تھا، مجھے تو نئی زندگی مل گئی تھی...... میرے جسم و جان کے لئے تو اس نے طاقت فراہم کی تھی۔

میدان کے انتہائی سرے خالی ہو چکے تھے...... آرسانہ والے اپنی دانست میں مجھے ختم کر کے واپس چلے گئے تھے اور میں ان کی بے وقوفی پر مسکرا رہا تھا، پھر مجھے، ہائیسا کا خیال آیا اور اس کی موت پر تھوڑا سا رنج ہوا۔ ظالم باپ بیٹی سے بھی انتقام لینے کی سوچ چکا تھا۔ لیکن بہر حال وہ ناکام رہا تھا۔ میں اس سے ایک اور ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ ا

چنانچہ جب رات ہو گئی تو میں بلند پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔ میری آنکھوں کی روشنی تیز تھی، اور میں تاریکی میں بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں بڑی بڑی چٹانوں اور درختوں کو پھلانگتا ہوا نیچے پہنچ گیا، اور پھر میں نے تیزی سے میدان میں دوڑنا شروع کر دیا۔ میری رفتار تیز رفتار گھوڑوں سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ میں نے بہت جلد میدان پار کر دیا اور شہر کی طرف دوڑنے لگا! بہت زیادہ رات نہیں گزری تھی کہ میں آرسانہ میں داخل ہو گیا۔ یہ ایسا وقت تھا جب آرسانہ والے عموماً گھروں میں داخل ہو کر آرام کرنے لیٹ جاتے تھے، لیکن آج پورا شہر جاگ رہا تھا، انہیں اپنے اس قومی جشن کے عجیب و غریب خاتمے پر حیرت تھی، انہیں تعجب تھا کہ ان کے شہنشاہ نے آسمان کے بیٹے کو کیوں ہلاک کر دیا...... وہ تو برکتوں کا مظہر تھا، لوگ جگہ جگہ گروہ لگائے یہی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

میں نے ان میں سے چند لوگوں کی گفتگو سنی، پھر ان سے بچتا بچاتا محل کی طرف چل پڑا۔ میرے ذہن میں ایک مکمل منصوبہ موجود تھا، محل میں، میں کافی دن گزار چکا تھا، اس لئے وہاں کے چپے چپے سے واقف ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کہاں سے محل میں داخل ہوتے ہوئے میں پہرے داروں کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکتا ہوں، چنانچہ میں محل کی بغلی سمت سے اندر داخل ہو گیا۔ محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، ابھی وہاں رات نہیں ہوئی تھی، اور پھر یہ تو جشن کی رات تھی۔ شہنشاہ نے ایک بڑا عظیم کام سرانجام دیا تھا...... میں مختلف حصوں سے گزرتا، پہرے داروں کی نگاہوں سے بچتا، اس بڑے ہال میں پہنچ گیا جہاں شہنشاہ اپنے مشیروں کے ساتھ موجود تھا۔

اس وقت بھی ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، شہنشاہ نے معززین کو تفصیل بتانے کے لئے مدعو کیا تھا، وہ ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا، اس کے مشیر اس کے دائیں بائیں موجود تھے اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ میں نے پوشیدہ رہنے کے لئے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی۔ جہاں سے میں ان لوگوں کی آوازیں سن سکتا تھا۔ شہنشاہ کہہ رہا تھا۔

"اس نے مجھے پہاڑوں والوں کی حیثیت قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ میں اسے پہاڑوں والوں کا جاسوس ثابت کر سکوں، لیکن یہ حقیقت ہے، بہر حال اس کی قوت بے پناہ تھی اور میں اس قوت کا راز سمجھنے میں آج تک ناکام رہا ہوں، آپ سب نے

دیکھا، بھوکے شیر اسے ہلاک نہ کرسکے، لڑاکوں کی تلواریں اس کے لئے ناکارہ ثابت ہوئیں، تب میں نے اپنے مشیروں سے مل کر یہ پروگرام تیار کیا...... مجھے علم ہوا کہ میری بیٹی بائیسا اس کے عشق میں گرفتار ہوگئی ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ بائیسا کو بھی وہی سزا دوں گا جو سارینہ کو دی گئی تھی، لیکن پھر میں نے ایک تیر سے دو شکار کئے، آپ نے دیکھا، بائیسا بھی اس کے ساتھ ہلاک ہوگئی...... ہاں، مجھے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بڑی چالاکی کا ثبوت دینا پڑا...... میں نے اس سے ایسی گفتگو کی کہ جیسے میں اسے پہاڑوں والوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہوں اور وہ میری نیت کی طرف سے مطمئن ہوگیا، لیکن درپردہ میں نے سالانہ جشن کے کھیل میں اس کی موت کا کھیل کھیلنے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا، اس طرح میرے اس کھیل کی اہمیت اور واضح ہوجاتی ہے۔ کیا آپ اس سے انکار کرتے ہیں۔''

''آرسانہ کا شہنشاہ بے پناہ عقل و دانش رکھتا ہے، وہی شہنشاہی کے قابل ہے۔'' اس کے سامنے موجود لوگوں نے بیک آواز کہا اور میرے ہونٹ بھنچ گئے۔ تاہم میں یہ اعتراف پہلے بھی کرچکا ہوں پروفیسر۔ کہ اس نے ایک کامیاب چال چلی تھی اور اگر میں غیر معمولی طاقتوں کا حامل ہوتا تو کون ہے جو اس کی چال کو کامیابی سے روک سکتا تھا، بہرحال ابھی صرف میں جانتا تھا کہ اس کی چال ناکام ہوگئی ہے، لیکن بہت جلد دوسرے لوگ بھی جان جائیں گے، میں نے سوچا اور پھر میں نے وہ جگہ چھوڑ دی، اب مجھے آکاشا کی تلاش تھی، ہاں آکاشا، جو مجھے چاہتی تھی اور بائیسا کی موت کے بعد وہی میری محبت کی حقدار تھی۔ میں اس کا حق اسے بخش دینا چاہتا تھا، چنانچہ میں اسے تلاش کرنے لگا، پہریدار ابھی تک مجھے نہیں دیکھ سکے تھے، میں ان لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا اس کمرے کی نزدیک پہنچ گیا جہاں آکاشا تھی۔ آکاشا کے کمرے میں نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ صرف وہی تھی جسے آج کے واقعے کا دلی رنج ہوگا، بائیسا اس کی بہن تھی اور میں اس کا محبوب۔ ان دونوں کی موت صرف اسے غمگین کرسکتی تھی، اس لئے اس کے کمرے میں مسرت کی روشنی کیوں ہوتی۔!

میں نے کواڑوں کو دھکا دیا...... اور وہ بے آواز کھل گئے۔ تب میں نے کمرے میں قدم رکھا اور سسکیوں کی ان آوازوں کو بخوبی سن لیا جو آکاشا کے علاوہ کسی اور کی نہیں تھیں، وہ یقیناً اپنے بستر میں منہ چھپا کر بلک رہی تھی، تاریکی کے باوجود مجھے اس کا ہلتا ہوا جسم نظر آگیا۔ اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں گھٹنوں کے بل جھکا اور میں نے اس کے نرم ریشمی بال سہلائے۔ اس کی سسکیاں رک گئیں اور وہ اچھل کر سیدھی ہوگئی۔

''کون...... کون ہو تم......؟'' اس کی خوفزدہ آواز ابھری اور تاریکی کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا۔ ''تاآری کی قسم...... تم تو وہی ہو...... وہی ہو تم جسے موت کے جہنم میں ڈال دیا گیا تھا...... آہ...... وہ روح فرسا منظر میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا، پھر میں کون سی بات پر یقین کروں۔ لوگوں کی آوازوں پر جو تمہاری موت کی تصدیق کررہے تھے، یا تم پر، جو میرے سامنے موجود ہو۔!

''تمہیں اسی وقت یقین کرلینا چاہئے تھا آکاشا، جب تمہارے بھوکے شیر میرے ہاتھوں موت کا شکار ہوگئے تھے، جب تمہارے لڑاکے میرے سامنے بیکار ہوگئے تھے، بہرحال جب نہیں تو اب یقین کرلو۔!''

''بائیسا کہاں ہے؟ میری بہن کہاں ہے۔؟''

''وہ ظالم باپ کے انتقام کا شکار ہوگئی...... بوڑھے شیطان نے اسے اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ کاش میں اسے بچا سکتا۔!''

''آہ..... میری بہن، آہ.....!'' آکاشا دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی! تب میں نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

''اٹھو آکاشا..... ہمیں اب یہاں بھی نہیں رکنا چاہیئے ..... تمہارا باپ تمہارے بارے میں ویسا ہی سوچ سکتا ہے جیسا اس نے تمہاری بہن کے بارے میں سوچا تھا..... اٹھو ساتھ چلو..... میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے چلوں گا۔!''

''ہاں..... وہ ظالم ہے..... وہ خود غرض ہے..... اسے صرف اپنی سرداری پیاری ہے..... وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے محبت نہیں کر سکتا..... چلو، مجھے یہاں سے لے چلو..... میں آرسانہ کی زمین سے نفرت کرنے لگی ہوں، اس زمین سے نفرت کے بخارات اٹھتے ہیں..... مجھے یہاں سے دور لے چلو..... بہت دور جہاں نفرت کی بو نہ پہنچ سکے۔!'' وہ کھڑی ہوگئی۔ وہ میری ساتھ چلنے کے لئے تیار تھی۔ تب میں اسے لئے ہوئے کمرے سے نکل آیا۔

''آؤ..... میں محل سے باہر جانے کا خفیہ راستہ تمہیں بتاؤں۔ وہی راستہ جس سے نکل کر ایکبار میں تمہارے پاس گئی تھی۔ اور واپس آ گئی تھی۔'' اس نے کہا اور مجھے لئے ہوئے محل کے عقبی حصے کی طرف چل پڑی۔ کئی راہداریوں سے گزر کر وہ کمرے میں پہنچی اور پھر کمرے کی دیوار کے ایک خفیہ دروازے سے محل سے باہر نکل آئی۔ یہاں ایک اصطبل موجود تھا جس میں شاندار گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ میں ان گھوڑوں کو دیکھ کر خوش ہوگیا۔ مشکلات خود بخود حل ہو رہی تھیں۔!

تب میں نے اس سے کہا۔ ''تم یہاں میرا انتظار کرو آکاشا۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔!''

''کہاں جا رہے ہو۔؟ واپس نہ جاؤ۔ وہ بھیڑیئے تم پر جھپٹ پڑینگے۔'' اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔

''بھیڑیوں کے مرض کا بہترین علاج میرے پاس موجود ہے آکاشا، اس وقت تک انتظار کرو جب تک میں واپس نہ آ جاؤں۔'' میں نے کہا اور بازو چھڑا کر واپس پلٹ پڑا، میں پھر اسی راستے پر واپس جا رہا تھا جہاں میں نے ان لوگوں کو دیکھا تھا۔ میرے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میں لمبی گردن والے مکار سے آخری ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اپنے احمق مشیروں کی نگاہ میں ایک ذہین بادشاہ ہے، درحقیقت گدھا ہے۔ اس نے میری قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا اور وہ اپنی اس چال میں بھی بری طرح ناکام رہا ہے۔!

تھوڑی دیر کے بعد میں واپس اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا جہاں اب شراب کا دور چل رہا تھا، شہنشاہ کے مشیر اس کا نام لے کر پی رہے تھے اور ایک نیم برہنہ رقاصہ سازوں کی دھن پر تھرک رہی تھی، میں نے کمرے کے دروازے کو دھکیلا اور اندر داخل ہوگیا۔ رندوں کے ہاتھوں سے جام گر پڑے۔ رقاصہ کے قدم رک گئے۔ شہنشاہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں سازندوں کے دم خشک ہوگئے۔ اس وقت میں شہنشاہ تھا اور بڑی شان سے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''بے وقوف بزدل..... تو اپنی چال پر بہت مغرور ہے، میری قوتوں کو بھول گیا تھا، ہاں آسمان کا بیٹا کہہ کر مجھے بے وقوف بنانے میں کوشاں تھا لیکن دیکھ تو کس طرح ناکام رہا ہے، تو نے آگ اگلنے والے پہاڑ کے دہانے میں گرا کر صرف اپنی بیٹی سے انتقام لیا ہے۔ ہاں وہ ان پتھروں میں شامل ہوگئی لیکن وہ آگ دیوتاؤں کے منظور نظر کو کیسے جلا سکتی تھی بس کہ آگ تو میری زندگی کا ایک جزو ہے، اگر ان پہاڑوں سے پوچھتا تو

وہ مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیتے...... پاگل بوڑھے، تو خود کو چالاک سمجھتا ہے لیکن تو روئے زمین کا سب سے بڑا احمق ہے، سنو اس بیوقوف کے ساتھیوں۔ تمہارے شہنشاہ نے آرسانہ کے زوال کو دعوت دی ہے اس نے ان قوتوں کو چیلنج کیا ہے جو تمہاری قسمتیں بدلنے پر قادر ہیں...... سنو تمہارے اس احمق شہنشاہ نے پورے آرسانہ کی قسمت پر سیاہی مل دی ہے...... میں جا رہا ہوں کیونکہ یہ مخلصوں کی بستی نہیں ہے۔ اگر میں یہاں رہتا، مجھے صحیح مقام دیا جاتا تو آرسانہ کی بستی میں چار چاند لگ سکتے تھے، لیکن اب منتظر رہو کہ آرسانہ کے خوبصورت مکان کھنڈرات میں بدل جائیں گے۔ تمہاری اولادیں غلام ہوں گی۔ تمہارے مظالم کا جواب طلب کیا جائے گا اور یہ تباہی و بربادی تم پر صرف تمہارے اس بے وقوف شہنشاہ کی وجہ سے نازل ہوگی۔ اس وقت تم سب کا حق ہوگا کہ تم اس سے حساب لو۔ صرف اس سے۔!''

خوفزدہ لوگوں کے جسم کانپنے لگے! خود شہنشاہ کی بری حالت تھی۔ ''بس مجھے یہی کہنا تھا تم سب کی زندگیاں میرے ہاتھوں میں ہیں، میں چاہوں تو تمہیں اسی جگہ چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں، لیکن تمہاری زندگی اس وقت تک محفوظ ہے جب تک تم آرسانہ کا حشر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو۔''

میں واپس پلٹ پڑا۔ اور جوں ہی میں نے دروازے سے قدم نکالے، ایک کان پھاڑ دینے والی جھنکار پیدا ہوئی، شہنشاہ نے اس گھنٹے پر ہتھوڑی ماری تھی جو شاید خطرے کا الارم تھا، کیونکہ میں نے ہر کونے سے مسلح محافظوں کو شہنشاہ کے ہال کی طرف دوڑتے دیکھا۔!

میں بھی ان کی نگاہ بچا کر دوڑنے لگا اور آن کی آن میں اس خفیہ راستے کے دروازے پر پہنچ گیا جو مجھے آکاشا نے بتایا تھا۔ محل سے باہر جانے والی سرنگ میں دوڑتا ہوا بالآخر میں آکاشا کے پاس پہنچ گیا جس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو رواں تھے...... وہ شاید بائیسا کو یاد کر کے رو رہی تھی...... میں نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے ایک طاقتور گھوڑے کی رسی کھول لی۔ پھر میں نے آکاشا کو اس پر سوار کرایا اور خود بھی گھوڑے پر بیٹھ کر اسے ایڑ لگا دی، آکاشا میرے سینے سے چمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ گھوڑا ایک ناہموار راستے پر دوڑنے لگا۔

''مجھے آرسانہ سے باہر جانے کا راستہ بتاؤ آکاشا۔!'' میں نے کہا۔

''ہم صحیح رخ پر جا رہے ہیں۔'' آکاشا نے کہا، اور میں نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ ناہموار میدان طے کر کے ہم ایک کچی سڑک پر آ گئے۔ جس کی کئی شاخیں تھیں، یہاں آکاشا نے میری رہنمائی کی اور میں نے گھوڑے کو ایک رخ پر موڑ دیا، لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے بائیں سمت شور سنا، اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں، بہت سی مشعلیں دوڑ رہی تھیں، یقیناً وہ شاہی گھوڑے سوار تھے، جو کچھ بھی تھا ان کی پھرتی اور مستعدی کی میں نے دل میں داد دی۔ ان کے ہاں خبر رسانی کا نظام اچھا تھا، ورنہ اتنی جلدی میری راہ پر پڑ جانا ممکن نہیں تھا...... شاید چاروں طرف گشت کرنے والوں کو میرے فرار کی اطلاع دے دی گئی تھی، کیونکہ ایک دوسری سڑک سے گزرتے ہوئے بھی میں نے روشنیاں دیکھیں جو تیزی سے دوڑ رہی تھیں، لیکن بہر حال ان کا فاصلہ بہت تھا اور میرا گھوڑا جس رفتار سے دوڑ رہا تھا اس کے پیش نظر فی الحال کوئی خطرہ بھی نہیں تھا!

''تم مضبوطی سے بیٹھی رہنا آکاشا۔ یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور آکاشا نے گھوڑے کو مضبوطی سے پکڑ لیا، ویسے مجھے احساس تھا کہ طاقتور گھوڑا اس رفتار سے نہیں دوڑ رہا جس سے اسے دوڑنا چاہیے۔ تاہم مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔!

مشعلیں اب یکجا ہوگئی تھیں۔ وہ چاروں طرف سے آملے تھے اور اب ان کے گھوڑے سیدھ میں دوڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم شہر سے نکل آئے۔ میرا رخ اسی ویرانے کی طرف تھا جدھر سے میں یہاں آیا تھا، کوئی با قاعدہ راستہ نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود میں کافی مہارت سے گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اگر آکاشا میرے ساتھ نہ ہوتی میں گھوڑا روک کر بھی ان کی مزاج پرسی کر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت آکاشا کی زندگی کا سوال بھی میرے سامنے تھا۔

میرا تعاقب کرنیوالے بھی مضبوط قوت ارادی کے لوگ تھے کیونکہ انہوں نے ابھی تک ہار نہیں مانی تھی، البتہ ان کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی۔ کیونکہ غیر محسوس طریقے سے ایک آدھ بار میں نے کسی مشعل کو زمین بوس ہوتے دیکھا تھا۔ غالباً گھوڑے ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گرتے تھے اور پھر جو بھی حشر ہوتا ہو۔!

آنکھ مچولی جاری تھی اور وقت گزرتا رہا۔ میرے گھوڑے کا جوش وخروش سرد پڑتا جارہا تھا۔ میرا وزن معمولی نہیں تھا اس کے علاوہ آکاشا بھی اچھے تن وتوش کی مالک تھی چنانچہ گھوڑے کو کافی وزن لیکر دوڑنا پڑ رہا تھا اور اب اس کے انداز سے تھکن مترشح ہو رہی تھی لیکن ابھی میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف مشعل برداروں کا فاصلہ کم ہوتا جارہا تھا۔ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر جاری تھا۔

رات کی روشنی ڈھلنے لگی۔ چاندنی بے رونق ہوگئی اور پھر صبح کی شفق پھوٹنے لگی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ مشعل برداروں کا ایک جتھا اب بھی میرے پیچھے تھا۔ ان کی تعداد کے بارے میں، میں نے اندازہ لگایا کہ کم ازکم پندرہ سے بیس تک تھے۔ گویا جس وقت پورا گروہ میرے پیچھے تھا اس وقت اس کی تعداد اسی نوے سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ یہ افراد میرے بہت قریب پہنچ گئے تھے اور پھر وہ اتنے قریب آگئے کہ انہوں نے پشت سے حملہ شروع کر دیا۔ وہ مشعلیں پھینک کر مار رہے تھے۔ کئی مشعلیں میری پشت پر لگیں اور میں خوش ہوا کہ آکاشا کو پیچھے نہیں بٹھایا تھا ورنہ وہ یقیناً زخمی ہوگئی ہوتی...... اب تو وہ میرے چوڑے جسم کی پناہ میں تھی اور پیچھے سے کئے ہوئے حملے کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ رہا میرا سوال تو آگ کی مشعلیں مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ ہاں ان سے اڑنے والی چنگاریوں سے گھوڑے کی پشت ضرور زخمی ہوگئی تھی لیکن اس سے ایک فائدہ بھی ہوا تھا۔ گھوڑے نے تکلیف کی وجہ سے رفتار تیز کر دی تھی اس طرح ایک بار پھر میرا ان سے کافی فاصلہ ہوگیا...... لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان سے مقابلہ کئے بغیر چارہ کار نہیں تھا۔ وہ تعاقب میں چلے آرہے تھے۔ میرا گھوڑا پوری طاقت صرف کرکے دوڑ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے قدم یقیناً سست ہو جائیں گے اور تعاقب کرنے والے ہمیں آلیں گے۔ مجھے تو ان کی پرواہ نہیں تھی لیکن اس جنگ میں آکاشا کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا چنانچہ میں نے گردن جھکائی اور آکاشا کے کان میں بولا۔

''آکاشا!''

''ہوں۔!'' اس نے کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں سمجھ گیا کہ آکاشا بھی اب تھک گئی ہے۔ ممکن ہے تھوڑی دیر اور اسی طرح دوڑتے رہنے سے وہ بے ہوش ہو جائے۔ بہرحال وہ عورت تھی چنانچہ میں نے کہا۔

''آکاشا۔ خود کو سنبھالو۔ لو گھوڑے کی باگیں پکڑ لو۔ میں گھوڑے سے کود رہا ہوں۔ تم اسے تھوڑی دور تک لے جاؤ...... اور پھر اتنی دور

سے اس جنگ کا نظارہ کرو جو...... ابھی ہونے والی ہے کہ تم اس کی زد میں نہ آسکو...... ۔'' میرے الفاظ سے آکاشا چونک پڑی۔ اس نے اپنے حواس سنبھالے اور گھوڑے کی باگیں تھام لیں۔

''کیا وہ قریب آ گئے۔؟'' اس نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

''ہاں آکاشا۔ میں ان سے لڑے بھڑے بغیر تمہیں نکال لے جانا چاہتا تھا لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہے۔ انہیں ہلاک کر دینا ضروری ہے۔''

''مگر تم......؟...... تم......؟''

''فکر مت کرو...... کیا تم تیار ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور گردن موڑ کر پیچھے آنے والوں کو دیکھنے لگی۔ تب میں نے اپنے جسم کو تولا اور پھر گھوڑے سے اوپر اچھل گیا۔ گھوڑا میرے نیچے سے نکل گیا تھا۔ میں نے سنبھل کر زمین پر پاؤں ٹکائے اور آنے والوں کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے گھوڑے سے گرتے دیکھ کر ان کی ہمتیں بڑھ گئیں اور آن کی آن میں انہوں نے مجھے آلیا۔ انہوں نے آگے چلی جانے والی آکاشا کی پرواہ نہیں کی تھی اور یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ اگر ان سے کچھ سوار آگے نکل کر آکاشا کا تعاقب کرتے تو شاید میں وقتی دلجمعی سے ان سے نہ لڑ سکتا۔

تمام گھوڑے میرے گرد پھیل گئے۔ پھر دو سواروں نے نیزے سیدھے کئے اور گھوڑے میری طرف دوڑائے۔ ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ رات بھر دوڑتے رہنے کی وجہ سے ان کی حالت بھی خراب تھی۔ ایک کا نیزہ میرے سینے سے ٹکرایا۔ دوسرا میرے برابر سے نکل گیا لیکن سینے سے ٹکرانے والے نیزے کو میں نے پکڑ لیا اور میرے زبردست جھٹکے سے وہ گھوڑے کی پشت سے نیچے آ پڑا۔ دوسرے کا گھوڑا جھونک میں آگے نکل گیا تھا۔

بہرحال نیزہ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ اب ان کو کون بچا سکتا تھا...... پہلی دلدوز چیخ گونجی اور وہ سب چونک پڑے۔ انہوں نے اجتماعی طور پر مجھ پر حملہ کر دیا۔ بہت سے ہتھیار میرے جسم سے ٹکرائے لیکن میرے نیزے نے ایک اور سوار کا خون پی لیا تھا۔ وہ پے در پے مجھ پر حملے کر رہے تھے اور اگر میں غیر فانی جسم کا مالک نہ ہوتا پروفیسر تو میرا قیمہ بن چکا ہوتا۔ لیکن صورتحال دوسری تھی۔ ان کے ہتھیار میرے جسم سے ٹکرا کر اچٹ رہے تھے اور میرا نیزہ ہر بار ان میں سے کسی نہ کسی کو گرا لیتا تھا۔ یہ جنگ ان کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوئی جس کا انہیں بہت جلد احساس ہو گیا۔ چنانچہ اس بار پروگرام کے تحت وہ گھوڑے دور لے گئے اور پھر سب گھوڑے سے اتر پڑے۔ انہوں نے اپنی چوڑی تلواریں نکال لی تھیں۔ جو بات انہوں نے اپنے حق میں بہتر سمجھی تھی وہ دراصل میرے لئے سودمند تھی۔ پہلے ان کے تیز رفتار گھوڑے میرے قریب سے تیزی سے نکل جاتے تھے اور ایک آدھ آدمی نشانہ بنتا تھا لیکن اب دست بدست جنگ کا موقع مل گیا تھا جو بہرحال ان کے حق میں بہتر نہیں تھا البتہ مجھے آسانی ہو گئی تھی۔ میں نے جلدی سے ایک مردہ سپاہی کے نیام سے تلوار کھینچ لی اور ان کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ سب ایک حلقہ بنائے آگے بڑھ رہے تھے شاید انہوں نے بھی موت کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ میرے بالکل قریب پہنچ گئے۔ تب انہوں نے ایک وحشیانہ نعرہ لگا کر چاروں طرف سے حملہ کر

دیا۔ بے شمار تلواریں میرے جسم پر پڑیں اور کند ہوگئیں۔ صرف میری تلوار کام کر رہی تھی۔ میں بھی جلد از جلد یہ قصہ نپٹا دینا چاہتا تھا اس لئے میرے ہاتھ پھرتی سے ان کا صفایا کرنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا۔ چند میرے ہاتھوں سے اسی جگہ مارے گئے جو نسبتاً عقلمند تھے۔ وہ فرار ہونے لگے لیکن میں انہیں فرار ہونے کی مہلت نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ میں ان پر لپک لپک کر انہیں قتل کرنے لگا۔

یہاں تک کہ آخری آدمی بھی کھیت ہوگیا۔ ان کا صفایا کرنے کے بعد میں فاتحانہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ سوائے لاشوں یا جانکنی کے عالم میں تڑپتے جسموں کے اور کچھ نہیں تھا۔ تب میں نے آکاشا کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں لیکن آکاشا مجھے نظر نہیں آئی اور میں چونک پڑا۔ آکاشا کہاں گئی......؟ میں نے سوچا اور میری نگاہ دور ایک سیاہ ڈھیر پر پڑی۔ وہ یقیناً گھوڑا تھا۔ میرا گھوڑا۔ جس پر سوار ہو کر ہم یہاں تک آئے تھے لیکن وہ زمین پر پڑا تھا۔ میرے دل کی عجیب کیفیت ہونے لگی۔ کیا کوئی سپاہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ کیا آکاشا اور گھوڑے کو ہلاک کر دیا گیا۔ میں مردہ گھوڑے کی طرف دوڑا اور آن کی آن میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

گھوڑا مر چکا تھا۔ شاید اس نے دوڑنے میں پوری قوت لگا دی تھی۔ اس کی ناک کے نتھنوں سے خون بہہ رہا تھا۔ جسم پر اور کوئی زخم نہیں تھا۔ پھر میں نے آکاشا کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ گھوڑے سے کچھ دور وہ بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے سینے کے زیر و بم سے میں نے اس کی زندگی کا احساس کیا اور اس کے قریب گیا۔ پھر میں نے اس کا سر اٹھا کر زانو پر رکھ لیا۔ اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے ہوش میں آنے میں کافی وقت لگا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور کئی منٹ تک خالی الذہنی کے عالم میں میری شکل دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں خوف اُمڈ آیا۔

''کیا۔ کیا وہ فرار ہوگئے۔؟'' اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ پوچھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں۔ وہ زندگی سے فرار ہوگئے آکاشا......!'' میں نے پیار سے کہا اور وہ میرے زانو سے گردن اٹھا کر ادھر دیکھنے لگی جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔

''اوہ۔ تو تم نے ان پر فتح حاصل کر لی۔ بے شک تم فاتح اعظم ہو۔ تم۔ تم۔'' وہ مجھ سے لپٹ گئی اور میں فرط محبت سے اس کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کرنے لگا۔ وہ کئی منٹ تک اسی طرح مجھ سے لپٹی نہ جانے کیا سوچتی رہی پھر اس نے دونوں ہاتھ میرے سینے پر رکھے اور مجھ سے دور ہٹ گئی۔

میں نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کی یہ نئی حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ الجھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں اور آہستہ سے بولی۔ ''یہاں سے نکل چلو۔ شہنشاہ بہت ضدی ہے۔ وہ اپنے اور آدمی روانہ کرے گا اور اس وقت تک ہمارا تعاقب کرے گا جب تک ہم اس کے ہاتھ نہ آجائیں۔''

''اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ لیکن تمہاری خاطر یہاں سے چلنا ضروری ہے۔ تم بے ہوش کیوں ہوگئی تھیں؟''

''میں نہیں جانتی۔ گھوڑا گر پڑا تھا۔ میں بھی گر گئی اور اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا۔ کیا گھوڑا مر گیا؟''

''ہاں۔ اس نے اپنی قوت سے زیادہ جدو جہد کی تھی لیکن فکر مت کرو۔ سپاہیوں کے گھوڑے موجود ہیں۔ گو ان کی حالت بھی خراب ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ہم ان سے کام لے سکتے ہیں۔''

''تو پھر چلو۔ یہاں سے نکل چلو۔'' اس نے خوفزدہ انداز میں کہا اور میں اس کے شانے پر تھپکی دے کر سپاہیوں کے گھوڑوں کی طرف چل پڑا۔ جو خالی پشت ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ میں نے ان میں سے دو گھوڑوں کو پکڑا اور ان کی باگیں تھامے ہوئے آکاشا کے نزدیک پہنچ گیا۔ آکاشا بھی ہمت کر کے کھڑی ہو گئی تھی۔ میں نے اسے سہارا دے کر ایک گھوڑے پر سوار کرا دیا اور پھر دوسرے گھوڑے کی باگیں پکڑے آکاشا کے گھوڑے کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

''اس علاقے سے جلد نکل چلو ورنہ......؟''

''تم بالکل بے فکر رہو۔ اگر شہنشاہ کے اور آدمی بھی یہاں پہنچ گئے تو ان کا حشر دوسروں سے مختلف نہ ہوگا۔'' میں نے کہا اور وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔ تھوڑی دور چل کر میں نے کہا۔ ''اگر شہنشاہ تمہیں پالے تو تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔؟''

''میرا حشر بھی بائیسا سے الگ نہ ہوگا۔'' اس نے جواب دیا۔

''آخر کیوں۔؟''

''یہ اس کی آن کا سوال ہے اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اسے میرے فرار اور تمہاری آمد کا علم ہو گیا ہوگا۔''

''بہت ظالم ہے وہ۔''

''اسے انسانوں سے نفرت ہے۔ وہ صرف خود سے محبت کرتا ہے۔ اپنی آن پر ہر ایک کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔''

''کیا تم اپنے ظالم باپ سے اب بھی محبت کرتی ہو۔''

''نہیں۔ میں اس سے بے پناہ نفرت کرتی ہوں۔ اس نے تمہارے اور بائیسا کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کے بعد سے میں اس کی صورت دیکھنے کو بھی تیار نہیں ہوں۔ اس نے جسے چاہا موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس کے مظالم کی کہانیاں سن کر دل دھڑکنا بھول جاتے ہیں۔''

''لیکن ہر ظالم کتے کی موت مرجاتا ہے آکاشا۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہارا باپ بھی ایسی ہی موت کا شکار ہوگا۔''

''اسے میرا باپ کہہ کر مخاطب نہ کرو۔ میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔ وہ تو ایک وحشی درندہ ہے۔''

''میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔'' میں نے دل سے کہا۔ ''یوں بھی تم ایک ایثار پسند لڑکی ہو۔ مجھے وہ لمحات یاد ہیں جب تم نے بائیسا کا پیغام مجھے دیا تھا۔ حالانکہ تم خود بھی مجھے چاہتی تھیں۔'' میرے ان الفاظ پر اس نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ بولی۔

''کیا تم میرے ساتھ زندگی گزارنا پسند کرو گی آکاشا۔'' میں نے کہا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ پھر اس کی سسکیاں سنائی دیں اور اس نے روتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا آسمان کے بیٹے۔ تم ہائیسا کے محبوب ہو اور میں مرنے کے بعد اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی۔" میرے قدم رک گئے۔ میں اس عظیم لڑکی کو تعجب سے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ حقیقت تھی مجھے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس کے بعد میں خاموشی سے سفر کرنے لگا۔ وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھے سسکیاں لیتی رہی۔ کافی دور پیدل سفر کرنے کے بعد میں بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اب مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں ہمیں شکار مل سکے۔ بھوک لگنے لگی تھی اور سورج کافی چڑھ آیا تھا۔ گھوڑے سست روی سے دوڑتے رہے۔ آکاشا اب سنبھل گئی تھی۔ اس کا گھوڑا میرے گھوڑے کے برابر دوڑ رہا تھا۔ اس طرح ہم اس جگہ سے کافی دور نکل آئے جہاں لاشیں پڑی تھیں۔ تب مجھے دور سے وہ جھرنے نظر آئے جہاں میں نے ملکہ ساریتہ کو پہلی بار دیکھا تھا۔ میں خوشی سے اچھل پڑا کیونکہ اس جگہ میں نے کافی وقت گزارا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ وہاں شکار بھی موجود ہے۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ آکاشا کے گھوڑے کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ شاید گھوڑوں نے بھی پانی دیکھ لیا تھا اس لئے وہ بھی تیز دوڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم جھرنوں کے قریب پہنچ گئے۔

گھوڑے پانی پر جھپٹ پڑے تھے۔ میں نے آکاشا کو سہارا دے کر اتار لیا اور پھر میں اسے لئے ہوئے اس خوبصورت جگہ پہنچ گیا جہاں میں نے ساریتہ کے ساتھ پہلی رات گزاری تھی۔ آکاشا دلچسپ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر کچھ نشانات دیکھ کر اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ابھر آئے۔

"کیا بات ہے۔؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"یہاں سے جلدی نکل چلو۔ شاید پہاڑی دستے ادھر سے گزرے ہیں۔ یہ دیکھو ان کے قیام کے نشانات۔" اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

❁

اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں جانتا تھا کہ یہ نشانات کسی پہاڑی گشتی دستے کے نہیں تھے بلکہ ساریینہ کے قیام کے نقوش تھے جبکہ ساریینہ موت کی آغوش میں سو چکی تھی تب میں نے آکاشا سے پوچھا۔ "یہ تمہارے ملک کے گشتی دستے ان پہاڑوں میں کیوں بھٹکتے ہیں۔"

"باغیوں کی تلاش میں..... جو آرسانہ کے دشمن ہیں۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا، اور میں گردن ہلانے لگا۔

"کیا تم مجھے ان باغیوں کے بارے میں کچھ بتاؤ گی آکاشا۔؟" میں نے اس سے پوچھا اور معصوم لڑکی میری شکل دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ میں نے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ ظالم ہیں، لٹیرے ہیں، وہ بستیوں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ انہیں آرسانہ سے نفرت ہے اور وہ آرسانہ کی تباہی کے خواہشمند ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ ہم سے کمتر ہیں، وہ ہمارے زیرنگیں آنا پسند نہیں کرتے۔ شہنشاہ کے حکم کے مطابق آرسانہ کے ہر باشندے پر فرض ہے کہ وہ کسی باغی کو دیکھے تو فوراً اسے قتل کر دے یا اگر ان کی تعداد زیادہ دیکھے تو فوجیوں کو اطلاع دے جو ان کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں، تاکہ فوجی انہیں ٹھکانے لگا دیں۔" آکاشا نے جواب دیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔!

"خود تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے آکاشا۔؟" میں نے پوچھا۔

"میں۔ میں نے تو کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچا۔ ہاں پہاڑوں کی سیر کرتے ہوئے میں ان سے خوفزدہ ضرور رہی ہوں۔ لیکن ممکن ہے شہنشاہ نے ان کے بارے میں بھی غلط کہا ہو، کیونکہ میں تمہیں شہنشاہ کے بارے میں بتا چکی ہوں وہ جسے پسند نہیں کرتا اس کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلا دیتا ہے۔"

"تب یقین کرو آکاشا۔ اس نے پہاڑ والوں کے بارے میں بھی آرسانہ والوں سے سب کچھ غلط کہا ہے۔ وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح امن و سکون کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں، ایک ہی طرح مرتے ہیں، پھر انسان، انسان کا غلام کیوں بنے۔ شہنشاہ کو ان سے شکایت ہے کہ وہ برتری کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ وہ دوسروں کی طرح اس کے غلام کیوں نہیں بن جاتے۔ یہ کیسے ممکن ہے وہ اپنے طور پر زندگی گزارنے کے خواہشمند ہیں، وہ آرسانہ والوں سے نفرت نہیں کرتے بلکہ ان سے برابری کا حق مانگتے ہیں۔"

"یقیناً۔!" آکاشا نے کہا۔ "شہنشاہ بہت تنگ دل ہے۔ اس نے آرسانہ میں ان کے لئے نفرت کی فضا پیدا کر دی ہے۔ مگر سنو..... تم پہاڑ والوں کے بارے میں یہ سب کچھ کیسے جانتے ہو۔؟"

"میں کائنات کا بیٹا ہوں آکاشا..... میں ان کے بارے میں بھی جانتا ہوں جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا..... میں پہاڑ والوں کے قریب رہ چکا ہوں وہ میری عزت کرتے ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں آرسانہ والوں سے ان کا حق مانگ لاؤں گا، وہ انہیں پہاڑوں میں آباد ہونے کی اجازت دیدیں گے۔ وہ ان پر فوج کشی نہیں کریں گے۔ وہ ان کا قتل عام نہیں کریں گے، اور یہی سب کچھ کرنے کے لئے میں آرسانہ

آیا تھا آکا شا کہ راستے میں شہنشاہ کی ملکہ مجھے مل گئی اور اس عورت نے مجھے اپنے جسم کے فریب میں پھانس لیا تب میں اسکے ساتھ آرسانہ گیا اور وہاں شہنشاہ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا وہ پوری طرح تمہارے علم میں ہے۔ اس کے باوجود میں نے شہنشاہ سے پہاڑ والوں کے بارے میں گفتگو کی، میں نے اس سے کہا کہ پہاڑ والوں کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔ لیکن یہ بات شہنشاہ کے دماغ میں نہیں آئی کہ سانولے رنگ کے لوگ بھی اس کے ہم پلہ زندگی گزار چکے ہیں۔ اور پھر۔ آکاشا۔ میں نے پیش گوئی کر دی کہ شہنشاہ کی ضد آرسانہ والوں کے لئے مصیبت بن جائے گی انہیں ایک تباہ کن نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا...... اور یہ پیشگوئی تم بھی سن لو...... ہم پہاڑ والوں میں چل رہے ہیں...... وہ آرسانہ پر برسنے کے لئے تیار ہوں گے اور ہماری کوئی کوشش انہیں نہیں روک سکے گی۔!''

''مگر ہم وہاں کیوں چل رہے ہیں......؟'' آکاشا نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

''میں نے ان سے وعدہ کیا ہے آکاشا...... اور وعدہ ضرور پورا کرنا چاہیئے۔''

''مگر وہ مجھے دیکھتے ہی قتل کر دیں گے...... وہ پہچان لیں گے کہ میں کون ہوں۔؟''

''یہ خیال تمہارے دماغ میں صرف اس لئے آیا ہے کہ تم ان سے ناواقف ہو...... وہ اتنے وحشی نہیں ہیں کہ ایسا کریں...... تم ان کے بارے میں دل سے یہ خیال نکال دو...... ہاں...... آرسانہ کی تباہی کو میں نہ روک سکوں گا۔''

''مجھے آرسانہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... مجھے اپنے سنگدل باپ سے بھی کوئی محبت نہیں ہے۔ اس نے میرے بہن کو آگ میں جلا دیا ہے اور اپنی کسی غرض پر وہ یہی سلوک میرے ساتھ بھی کر سکتا ہے۔''

''تب ٹھیک ہے، آؤ...... آج ہم اس جگہ قیام کریں گے جہاں ملکہ ساریتہ پہلی بار مجھے ملی تھی۔!'' میں نے کہا اور آکاشا چونک پڑی۔

''وہ جگہ کہاں ہے۔؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہ وہی جگہ ہے آکاشا۔ یہ نشانات جن کو تم باغی دستے کے قیام کے نقوش کہتی ہو۔ یہاں پہلی بار ساریتہ مجھے ملی تھی۔'' میں نے کہا...... اور آکاشا گہری سانسیں لینے لگی، میں نے اسے ایک مناسب جگہ بٹھا دیا، گھوڑے چرنے لگے تھے۔ تب میں شکار کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا، اور پروفیسر...... میں نے بہت دور...... ہرنوں کی ایک ڈار چرتے دیکھی...... میرے پاس مرنے والے سپاہیوں کے ہتھیار تھے۔ لیکن میں نے آج قدیم طریقے سے شکار کھیلنا پسند کیا۔ وہ طریقہ صدیوں پہلے رائج تھا اور آکاشا مجھے برق کی طرح دوڑتے دیکھتی رہی۔ ہرنوں کی ڈار مجھے دیکھ کر قلانچیں بھرنے لگی تھی، لیکن میرا فاصلہ ان سے کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر ایک دوڑتا ہوا ہرن میرے ہاتھ آ گیا۔ کمزور جانور نے مدافعت کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کے نوکیلے سینگ میرے جسم پر ناکارہ تھے۔ میں اسے بازوؤں میں دبوچے ہوئے واپس آکاشا کے پاس پہنچ گیا...... آکاشا آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھیں، تب میں نے ہرن کو ذبح کیا اور چقماق کے ذریعے آگ روشن کر کے اسے بھوننے لگا۔

آکاشا بھی بھوکی تھی اور میں بھی، ہرن کا...... گوشت کچھ زیادہ ہی مزیدار محسوس ہوا، ہم دونوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور آکاشا کے وجود پر کھانے کا نشہ طاری ہو گیا۔ میں نے اسے ایک سایہ دار جگہ پر لٹا دیا اور وہ گہری نیند سو گئی میں اس کے حسین پیکر کو گھورنے لگا۔ بلاشبہ آکاشا بھی

مجھے پسند تھی اور اگر بائیسا کے بجائے آکاشا پہلے میری طرف پیش قدمی کرتی تو میں اسے بھی نہیں ٹھکرا سکتا تھا۔ اب جبکہ بائیسا مر چکی تھی، پہاڑوں کی لڑکیاں مجھے آسمان کا بیٹا تصور کر کے صرف میری عزت کرتی تھیں اور خود کو میرے قرب کے قابل نہیں سمجھتی تھیں آکاشا کی اہمیت مسلم تھی۔ میرے لئے صرف وہی عورت تھی، لیکن اس کے ذہن پر بائیسا سوار تھی۔ چنانچہ میں الجھنے لگا، اگر بائیسا مستقلاً اس کے ذہن پر سوار رہی تو...... پھر مجھے بہت دقت پیش آئے گی...... لیکن پھر میں نے خود کو تسلی دی۔ میں نے سوچا آکاشا کے ذہن پر تازہ زخم ہے۔ زخم مندمل ہونے کے بعد وہ خود بخود کھل جائے گی۔ اور اس کے لئے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہی جھرنے تھے، اور وہی بے خود کر دینے والی فضا، جہاں سارینہ نے پہلی بار مجھے خوشیاں بخشی تھیں...... شام کو جاگنے کے بعد آکاشا نے غسل کیا تھا، اور غسل کرنے کے بعد وہ نکھر گئی تھی، شام کے لئے بھی میں نے تازہ شکار کر لیا تھا اور پھر گوشت کھانے کے بعد ہم جھرنے پر آ گئے۔ گنگناتا پانی پھواریں اڑا رہا تھا، یہ پھواریں آکاشا کے چہرے اور جسم کو نم کر رہی تھیں، میں نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور میں نے آکاشا کے جسم میں ایک نمایاں لرزش دیکھی۔ وہ خاموش لیٹی تھی۔

''آکاشا۔!'' میں نے اسے آواز دی۔

''ہوں۔'' اس نے آنکھیں بند کر کے جواب دیا، اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا جس سے اس کے رخساروں میں گڑھے پڑ گئے تھے، اور چاندنی میں وہ بے حد حسین نظر آنے لگی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔؟''

''اپنے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ میرے زندگی کا کیا مقصد ہے۔ میں سب سے بچھڑ گئی ہوں۔ میرا دل خالی ہے۔ ذہن خالی ہے، تم کب تک مجھے اپنے ساتھ رکھو گے آسمان کے بیٹے...... ایک دن تم بھی مجھے چھوڑ کر آسمان پر چلے جاؤ گے...... تب میری زندگی کا کیا مصروف ہوگا۔!''

''یہ زندگی مجھے دیدو آکاشا...... میں اس کی حفاظت کروں گا۔ میں تمہیں خود سے جدا نہ کروں گا! یہ میرا وعدہ ہے، اور آکاشا اپنی حسین آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی لہریں گردش کر رہی تھیں، وہ میرے اوپر اعتبار کر لینا چاہتی تھی، اور شاید اس نے میرے اوپر اعتبار کر لیا تب اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''تم...... تم میری آرزو ہو آسمان کے بیٹے...... میں تو پہلی ہی نگاہ میں دل ہار بیٹھی تھی...... مگر...... بائیسا...... میں اس کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئی، میں نے سوچا، تم اسے پسند کرتے ہو۔'' اور پھر اس نے میری آغوش میں سر چھپا لیا...... میں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما اور اسے خود سے قریب کر لیا۔ چاندنی کا حسن کچھ اور نکھر گیا۔ فضا میں سرسراہٹیں ابھرنے لگیں۔ ان سرسراہٹوں میں آکاشا کے گہرے گہرے سانس شامل تھے، میری گرمجوشی شامل تھی، ہم دونوں کی چاہت شامل تھی اور ان تمام چیزوں کے اشتراک نے ایک حسین ماحول کو جنم دی، جھرنے کی تیز آواز مدھم ہو گئے جیسے وہ دبے پاؤں ہمیں دیکھنے آ گئی ہو۔ ہم سے پوشیدہ رہنا چاہتی ہو کہ یہ طلسم ٹوٹ نہ جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد آکاشا میرے پہلو میں بے سدھ پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ خشک تھے۔ ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی اس پر، میں اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اسے آواز دی۔ لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ رات آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی، آکاشا نے پہلی بار

زندگی کا راز جانا تھا، پہلی بار اس کی لذتوں سے ہمکنار ہوئی تھی۔ لیکن ابھی کچھ پہلو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ گئے تھے۔ چنانچہ وہ بار بار سر پٹک رہی تھی، میں نے اسے زندگی کی دلکشی سے سیراب کر دینے کا فیصلہ کر لیا...... اور...... پوری رات آنکھوں میں گزر گئی...... چاندنی میں سکون آمیز سسکیاں گھلتی رہیں اور پھر چاندنی بھی سیراب ہو کر سو گئی...... سفید کرنوں والا بوڑھا سورج لال پیلی آنکھیں نکالے نمودار ہوا۔ اسے کنواری چاندنی کی بے باکی پسند نہیں آئی تھی، اس نے سخت نگاہوں سے ہم دونوں کو گھورا۔ لیکن ہمیں ان بڑے میاں کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی ہم دونوں جھرنے میں اتر گئے۔ آکاشا کے حسین جسم کو پانی میں بھگونے میں بہت لطف آیا۔ وہ بے انتہا خوش تھی شاید آنے والی ہر دلکش راتوں کے تصور سے۔ کیونکہ میں اب اس کا تھا۔!

میں نے شکار کیا...... آکاشا اسے بھوننے کے انتظامات کرتی رہی، اور پیٹ بھرنے کے بعد ہم تازہ دم گھوڑوں پر بیٹھ کر آگے بڑھ گئے، صرف ایک رات میں آکاشا سب کچھ بھول گئی تھی، اس نے آرسانہ کو فراموش کر دیا تھا۔ وہ ہائیسا کی موت بھول گئی تھی۔ پہاڑ والوں کا خوف اس کے دل سے نکل گیا تھا۔ سفر کی صعوبتوں کا بھی اسے کوئی احساس نہیں تھا، ہاں کبھی کبھی اس کی نگاہیں آسمان کی طرف ضرور اٹھ جاتیں۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ سورج کا راج کب ختم ہوگا، رات کب آئے گی۔ چاندنی کب نکلے گی، سرگوشیاں کب ابھریں گی اور میں اس کے انتظار کو محسوس کر رہا تھا۔ اس سے محظوظ ہو رہا تھا۔

گھوڑے مناسب رفتار سے سفر کرتے رہے۔ ہم نے جان بوجھ کر ان کی رفتار تیز نہیں کی تھی، میں جانتا تھا کہ پہاڑ والوں میں جا کر مجھے مصروف ہونا پڑے گا ممکن ہے پھر ہمیں...... کوئی تنہا رات نصیب نہ ہو۔ اس لئے ہم ان پہاڑوں میں ایک اور خوبصورت رات بسر کرنا چاہتے تھے۔

جوں جوں شام جھک رہی تھی، آکاشا کے گالوں سے شفق پھوٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں میں چمک بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ سورج مطمئن ہو کر آرام کرنے چلا گیا۔ چاندنی اسے بہلا دینے کے لئے روپوش تھی۔ ہم نے ایک مسطح چٹان...... منتخب کی، دن کا محفوظ کیا ہوا گوشت کھایا اور پھر آرام کرنے لیٹ گئے۔!

ستارے ایک دوسرے سے سرگوشی کر رہے تھے۔ پھر کسی نے چاند کو چپکے سے اطلاع کر دی اور چاند مسکراتا ہوا بادلوں کے غلاف کا کونا اٹھا کر جھانکا۔ ہمیں...... ایک دوسرے میں گم پا کر وہ کچھ اور ابھرا اور پھر تمام اخلاقی بندشیں توڑ کر ہمارے سروں پر آدھمکا۔ آج وہ کل سے زیادہ بیباک تھا۔ اور آج آکاشا کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے چاند کو نظر انداز کر دیا اور مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے بھی اس کی گرمجوشی کا جواب بھرپور گرمجوشی سے دیا تھا۔ اور یہ رات بھی پچھلی رات سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ آکاشا میری آغوش میں سر رکھ کر سو گئی۔ اور مجھے بھی نیند آ گئی...... دوسری صبح ہم حسب معمول سفر کی تیاریاں کرنے لگے اور ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر چل پڑے۔ وہ جگہ اب یہاں سے زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی جہاں سے میں پہاڑ والوں سے رخصت ہوا تھا، مجھے یقین تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد پہاڑ والے مجھے دیکھ لیں گے اور انہیں میری واپسی کی اطلاع مل جائے گی اور میرا یہ اندازہ غلط نہیں تھا...... سورج نے نصف سفر بھی نہیں کیا تھا کہ میں نے ڈھول کی آواز سنی۔ یہ پہاڑ والوں کی پیغام رسانی کا ذریعہ تھا۔ جس کے ذریعہ آرسانہ کے جنگلی دستوں کی اطلاع ایک دوسرے کو دیتے تھے۔!

لیکن اس ڈھول کے بھی اشارے تھے، انہوں نے میری آمد کی اطلاع دی تھی۔ اور آن کی آن میں ہر پہاڑی انسان اگلنے لگی۔ عورتیں، مرد، بچے بوڑھے سب ہی اپنی جگہ سے نکل کر ہمیں حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور پھر وہ لاتوئی مقدس لاتوئی، سورج کا بیٹا آ گیا۔ سورج کا بیٹا آ گیا، کے نعرے لگاتے ہوئے ہماری طرف دوڑ پڑے۔ چاروں طرف سے انسانوں کا سیلاب امنڈ آیا تھا..... آکاشا سہم کر اپنا گھوڑا میرے گھوڑے کے برابر لے آئی۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے دوڑتے ہوئے انسانوں کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ۔ یہ..... کیا یہ ہمیں قتل کر دیں گے آسمان کے بیٹے۔ کیا یہ ہمیں.....؟''

''نہیں آکاشا..... وہ سب خوشی کا اظہار کرنے کے لئے آ رہے ہیں، تم بے فکر رہو۔'' میں نے جواب دیا اور آکاشا سہمی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی۔ دوڑنے والے ہمارے نزدیک پہنچ گئے اور پھر وہ سب میرے گھوڑے کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ میں نے فخریہ نگاہوں سے آکاشا کو دیکھا اس کے ہونٹوں سے بھی مسکراہٹ چھوٹ رہی تھی، دور سے باروک اور ارکاک اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آ رہے تھے، شاید انہیں میری آمد کی اطلاع دیر سے ملی تھی۔ تب میں گھوڑے سے اتر آیا اور پھر میں نے سہارا دے کر آکاشا کو بھی نیچے اتار لیا۔

''اٹھو..... محبت کے پرستارو..... اٹھو آزادی کے متوالو..... آزادی آ گئی ہے..... ہاں میں نے اسے تمہارے لئے تلاش کر لیا ہے..... اٹھ جاؤ اب آرسانہ کے سفید فام تمہارے غلام ہوں گے، اٹھو..... آرسانہ والوں کی گردنیں تمہاری تلواروں کی منتظر ہیں اور سنو، خوب غور سے سنو۔ ان کی گردنیں تمہاری تلواروں کے سامنے موم کی حیثیت رکھتی ہیں..... وہ تمہارے بازوؤں کی تاب نہ لا سکیں گے۔ ہاں یہ تمہارے لئے لاتوئی کی طرف سے خوشخبری ہے..... جاؤ..... تیاریاں کرو..... اپنی قسمت بدلنے کی۔''

اور زمین پر پڑے لوگ اٹھ گئے۔ وہ خوشی سے چیخ رہے تھے، اور پہاڑ لرز رہے تھے۔ وہ میرے نام کے نعرے لگا رہے تھے۔ تب باروک اور بوڑھا ارکاک میرے پاس پہنچ گئے۔ وہ دونوں گھوڑے سے اترے اور خوشی سے مجھ سے لپٹ گئے۔!

''ہرچند کہ یہ گناہ تھا مقدس لاتوئی۔ لیکن ہمارے دل تیرے لئے پریشان تھے۔ ہم جانتے تھے کہ آرسانہ کے حقیر لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے لیکن ہم تیری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔''

''اور میں..... فتح کی تلاش میں تھا۔ تیار ہو جاؤ۔ آرسانہ کی سرزمین ہمارے گھوڑوں کے قدموں تلے روندے جانے کی منتظر ہے۔ کیا تمہاری تیاریاں مکمل ہیں۔؟''

''ہم پوری طرح تیار ہیں مقدس لاتوئی۔ لیکن۔ یہ کون ہے۔؟'' سردار باروک نے پہلی بار آکاشا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''یہ آرسانہ کے شہنشاہ کی بیٹی ہے۔ لیکن تمہاری ہمدرد۔ اس نے اپنا وطن چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہ شہنشاہ کے ظلم سے نالاں تھی۔''

''یہ ہمارے لئے قابل احترام ہے لاتوئی، کیونکہ یہ تمہارے ساتھ ہے، آ..... اے مقدس عورت، ہم تیرا استقبال کرتے ہیں۔!'' ارکاک نے کہا۔ اس کے بعد وہ سب مجھے اور آکاشا کو لے کر چل دیئے۔ میرے لئے بنایا ہوا جھونپڑا کچھ اور خوشنما بنا دیا گیا تھا، ہم نے وہاں قیام کیا۔ پہاڑ والے خوشیاں منا رہے تھے۔ لاتوئی کی واپسی سب کے لئے خوشیوں کا پیغام لائی تھی۔ ہمارے سامنے بے شمار تحائف پیش کئے گئے۔ اب آکاشا بھی

یہاں آکر خوش تھی۔ جس کا اظہار اس نے کیا۔

''میں جانتی ہوں یہ جفاکش لوگ فتح حاصل کریں گے۔ آرسانہ کے لوگ طاقت کے نشے میں طاقت کھو بیٹھے ہیں۔ بے شک وہ ان کی ضرب کی تاب نہیں لاسکیں گے، میں خیال کی آنکھ سے ان کو غلام دیکھ رہی ہوں کیونکہ غلامی ان کا مقدر ہے۔ لیکن میں خود تمہارے ساتھ ان میں رہ کر خوشی محسوس کروں گی آسمان کے بیٹے۔ کیونکہ یہ تمہیں احترام سے دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں تمہاری محبت ہے۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

رات کو ارکاک اور ہاروک میرے پاس آئے، وہ مجھ سے آئندہ کے لئے ہدایت لینے آئے تھے۔!

''کل شام تک لشکر منظم کردو، سب کو مسلح کردو، جس قدر گھوڑوں کا انتظام ہوسکے کرلو۔ کل صبح میں تمہیں نقشہ جنگ بتاؤں گا اور پھر رات کو ہم آرسانہ کی طرف چل دیں گے۔''

''جو حکم مقدس لاتوئی۔!'' ہاروک نے کہا اور وہ دونوں ہمارے جھونپڑے سے چلے گئے۔ آکاشا کی آنکھوں میں طلب کے سائے رقص کر رہے تھے۔ میں نے بڑھ کر اسے آغوش میں کھینچ لیا۔ یہ رات طویل تھی کیونکہ اس کے بعد ممکن ہے مجھے مصروف رہنا پڑتا، میں نے آکاشا کو سینے سے لگائے لگائے صبح کی روشنی کو دیکھا۔ ہماری آنکھوں میں رات کا خمار تھا۔ آکاشا تو ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد سوگئی اور میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر نکل آیا۔ تب میں نے دور ہی سے میدان کی طرف دیکھا۔ پورے میدان میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ ان کے ہتھیار چمک رہے تھے۔ ہر شخص زبردست خوشیاں منا رہا تھا۔ بے پناہ جوش وخروش کا اظہار کررہا تھا۔

بہت سی جنگیں میں دیکھ چکا تھا۔ بہت سوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا تھا لیکن اس سے قبل میری اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مجھے لڑنے والوں کی ہار جیت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس بار میں باقاعدہ ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرکے آرسانہ والوں کو شکست دینا چاہتا تھا اور یقیناً آرسانہ والوں پر بہت برا وقت آنے والا تھا۔ میں اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا۔ تب ہاروک کی نگاہ مجھ پر پڑگئی۔ وہ اپنے تجربے کار جرنیلوں کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا اور ارکاک بھی ان میں شامل تھا۔ چنانچہ ایک سرسبز پہاڑی کے عقب میں ہماری یہ میٹنگ ہوئی جس میں میری رائے ان کے لئے حرف آخر تھی۔

میں نے ہاروک سے پہلا سوال کیا۔ ''ہاروک۔ کیا عورتیں اور بچے بھی ہمارے ساتھ میدان جنگ میں جائیں گے۔''

''ہم سب پہاڑوں سے نکل کر بستیوں کا رخ کررہے ہیں مقدس لاتوئی۔ سب کی خواہش ہے کہ وہ بستیاں آباد کریں۔ تیری کہی ہوئی بات پر سب کو یقین ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم فتح حاصل کرنے جارہے ہیں۔ اس خوشی میں سب شریک ہونا چاہتے ہیں لیکن ہوگا وہی جو تو چاہے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم اپنے آدمیوں کو چار حصوں میں تقسیم کرینگے۔ ایک حصہ عورتوں اور بچوں کی نگرانی کرے گا اور ان کے ساتھ شریک رہے گا۔ اگر جنگ کے دوران آرسانہ کے دستے عقب سے حملہ آور ہوں گے تو وہ دستہ جنگ کرے گا ورنہ اس کی قوت محفوظ رہے گی۔ پہلا دستہ آرسانہ کے دروازے پر حملہ کرے گا۔ دوسرا حصہ تین حصوں میں بٹ کر اس کے چاروں طرف پھیل جائے گا۔ تیسرا حصہ اپنی طاقت محفوظ رکھے گا اور اس

وقت جب دوسرا حصہ اور پہلا حصہ جنگ کرتے کرتے تھک جائے گا۔ یہ تیسرا حصہ جنگ میں کود پڑے گا۔ آرسانہ والے تھک چکے ہوں گے اور اس تازہ دم حصے کی ضرب کی تاب نہیں لاسکیں گے۔ چنانچہ شکست ان کا مقدر بن جائے گی۔ یہی صورتحال اس وقت بھی رہے گی۔ اگر آرسانہ والوں نے میدان میں آکر جنگ کی، ہاں اس وقت جنگ کا فیصلہ جلد ہو جائے گا۔"

"بلاشبہ پروفیسر۔ یہ میرا پہلا جنگی پلان تھا۔ اس وقت تک دنیا میں بہت سی جنگیں ہوئی ہوں گی لیکن ایک تجربے کار جرنیل کے انداز میں کسی نے جنگی حکمت عملی سے کام نہ لیا ہوگا۔ لوگ غیض وغضب میں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تھے، ہلاک کردیتے تھے۔ ہلاک ہوجاتے تھے البتہ باقاعدہ جنگ کی یہ پہلی مثال تھی جس میں باروک اور ارکاک کے علاوہ دوسرے لوگ بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔ بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی۔ مقابل کی قوت پر کاری ضربیں لگانے کے لئے یہ پہلی جنگی حکمت عملی تھی جسے ان لوگوں نے بہت پسند کیا۔ اس کے علاوہ میں نے چھوٹی چھوٹی فوجی ٹکڑوں کے نگران مقرر کئے جن کے سپرد ان ٹکڑوں کی دیکھ بھال تھی۔ یہ تجربے کار لوگ تھے۔ دوپہر تک ہم اس کام سے فارغ ہوگئے۔ جس قدر گھوڑے مل سکتے تھے ساتھ لے گئے تھے۔ باقی لوگ پیدل تھے۔ خچر اور اونٹ بھی تھے جنہیں عورتوں اور بچوں کے حوالے کردیا گیا تھا۔ ان پر سامان خورد ونوش لدا ہوا تھا۔ جو پیدل چل سکتے تھے وہ پیدل تھے اور باقی ان خچروں اور اونٹوں پر سوار۔ پیدل دستے ان کے نگران تھے۔

اور پھر سورج جھکا تو۔ ہم نے سفر شروع کردیا۔ آکاشا میرے ساتھ گھوڑے پر سوار تھی۔ میں باروک، ارکاک اور دوسرے کچھ تجربہ کار جنگجو ایک ساتھ آگے آگے چل رہے تھے۔ میرا دل جوش وغضب سے معمور تھا۔ ہر ہاتھ خون بہانے کیلئے بے چین تھا۔ حالانکہ پیدل دستے بھی تھے لیکن اس کے باوجود ہماری رفتار بہت تیز تھی۔ دوسرے وقت کا انتخاب اس طرح کیا گیا تھا کہ سورج کی حشر سامانیوں کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ صبر وسکون کا سفر جاری رہا۔ رات ہوئی لیکن سفر جاری رہا۔ چلتے چلتے کھانے پینے سے فراغت حاصل کی گئی اور پوری رات ہم سفر کرتے رہے۔ حکمت عملی کے تحت مشعلیں روشن نہیں کی گئی تھیں۔ ان کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ چاند ہمارا دوست تھا۔ آخر رات تک اس نے ہماری رہنمائی کی اور پھر تھوڑی دیر کے لئے دوبارہ تاریکی کا سفر جاری رہا۔ صبح ہونے تک ایک طویل فاصلہ طے ہو چکا تھا۔

پھر جب سورج نے سر ابھارا تو ہم ایک عظیم الشان پہاڑی سلسلے کے دامن میں تھے۔ پہاڑوں کے دامن میں ہم نے آرام کیا۔ رات بھر کی تھکن اتاری اور اس وقت تک سفر ملتوی رکھا جب تک سورج قہر برساتا رہا۔ پھر جب سورج نے واپسی کا سفر شروع کیا تو ہمارے دستے تازہ دم ہو چکے تھے۔ سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہورہا تھا اور ان لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ رہا تھا اس لئے وہ بہت خوش تھے۔

حسب معمول ہم نے شام کو اور رات بھر سفر جاری رکھا۔ ابھی تک آرسانہ کے کسی گشتی دستے سے بھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ دوسرے دن اسی انداز میں آرام کیا اور پھر تیسرے دن حسب معمول سفر شروع کردیا۔ اس رات کی صبح ہوئی تو ہم دور سے آرسانہ کے آثار دیکھ سکتے تھے۔ آج آرام کا دن نہیں تھا کیونکہ دشمن سے اس قدر قریب پہنچ کر آرام نہیں کیا جاسکتا تھا۔

البتہ یہ ہماری خام خیالی تھی کہ آرسانہ والوں کو اس سیلاب عظیم کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ حقیقتاً ان کے جاسوسوں نے انہیں کافی عرصہ پہلے ہماری آمد کی خبر دیدی تھی اور اس وقت وہ ہمارے بھرپور استقبال کے لئے تیار تھے۔ ان کی فوجیں اسی میدان میں صف آرا تھیں جس میں چند روز قبل

انہوں نے سالانہ جشن منایا تھا اور بائیسا کو آتش نشاں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

ہم نے آرسانہ کی فوجوں کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ وہ ہم سے کم تھے لیکن ہمارے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ اب مجھے احساس ہوا کہ آرسانہ کے کشتی دستوں سے ملاقات کیوں نہیں ہوئی۔ یقیناً تمام دستے سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر لئے گئے تھے اور وہ جنگ کے لئے آمادہ تھے۔

"یہ اور بہتر ہوا۔" میں نے ہاروک سے کہا۔ "اب ہم آرسانہ والوں سے کھلے میدان میں جنگ کریں گے اور ان سے یہیں نمٹ کر فاتح کی حیثیت سے آرسانہ میں داخل ہوں گے۔"

"مقدس لاتوئی کی برکت سے ایسا ہی ہوگا۔ ہمارے جرنیلوں نے ایک درخواست کی ہے۔" ہاروک نے کہا۔

"وہ کیا۔؟" میں نے پوچھا۔

"جرنیلوں کی خواہش ہے کہ مقدس لاتوئی کسی بلند جگہ کھڑا ہو کر ہماری رہنمائی کرے۔ ہم اس کی تلوار کے سائے میں آرسانہ والوں سے جنگ کریں گے۔!"

"اس درخواست کے پس پردہ حقیقت کو میں سمجھ رہا ہوں ہاروک۔ لیکن میں اس درخواست کو قبول نہیں کروں گا۔ ان سے کہو کہ لاتوئی ان کے شانہ بشانہ جنگ کرے گا۔ وہ اس کی تلوار کی سرخ چمک دیکھ کر جنگ کریں۔ اور تم دیکھو گے ہاروک کہ آرسانہ کے بزدل کس طرح اس تلوار کی چمک سے خوفزدہ ہوں گے۔ ان سے کہہ دو کہ لاتوئی عورت نہیں ہے۔ وہ جنگجو ہے اور آرسانہ کو شکست دینے میں بھی اس کی تلوار بھرپور کردار ادا کرے گی۔"

"میں تیرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا لاتوئی۔ لیکن یہ میری بھی خواہش تھی۔" ہاروک نے دبی آواز میں کہا۔

"اور میری خواہش ہے ہاروک کہ دل سے تمام خدشات نکال دو۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اس کے بعد ہاروک کو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ تب میں نے آکاشا سے درخواست کی۔ "آکاشا۔ میں چاہتا ہوں تم عورتوں میں چلی جاؤ۔ اب ہم آرسانہ کے شاہی محل میں ملیں گے۔"

"میں بھی تیرے حکم کی تعمیل کروں گی آسمان کے بیٹے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تو آرسانہ کی پوری فوج کو شکست دے سکتا ہے۔ ہاں آرسانہ کے جیالے تیری شکل دیکھ کر ہی پریشان ہو جائیں گے۔ پھر یا تو وہ فرار اختیار کریں گے یا موت کا یقین کر کے الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں چلائیں گے۔"

آکاشا اپنے گھوڑے پر عورتوں کے کیمپ کی جانب روانہ ہوگئی۔

میں جانتا تھا کہ آرسانہ والے پہل نہیں کریں گے۔ وہ پہاڑ والوں کی پیش قدمی کا انتظار کریں گے اور میں اس انتظار سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ رات بھر کا تھکا ہوا لشکر تھوڑی بہت دیر آرام چاہتا ہوگا چنانچہ میں نے ارکاک کو طلب کیا اور اس سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"آرسانہ والے پہل کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ وہ ہماری طرف سے جنگ کی ابتدا کا انتظار کریں گے لہٰذا اس انتظار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے کے دستوں کو ہوشیار رہنے دو۔ اور پیچھے والوں سے کہو کہ وہ آرام کر لیں۔ ہم آرسانہ والوں کو جنگ کی ابتدا فوری طور پر نہ کر کے پریشان کر دیں گے اور اس اثنا میں ہمارے دستے آرام بھی کر لیں گے۔"

''تو کتنا زیرک ہے لاتوئی۔ بے شک یہ دوہری چال ہے۔ ادھر تو آرسانہ کے لوگ جو جنگ کے منتظر ہیں پریشان ہو گئے اور دوسری طرف ہمارے لوگ آرام بھی کرلیں گے۔!''

ہر دستے تک یہ پیغام پہنچا دیا گیا اور حرف بہ حرف وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ تمام دستے دو دو گھنٹے آرام کر کے آگے آتے رہے اور آگے والے آرام کرنے جاتے رہے۔ اس طرح ہمارے فوجی نہ صرف اپنی ضروریات سے فارغ ہو گئے بلکہ انہوں نے اپنے سفر کی تکان بھی اتار لی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

یہ رات بھی آرام کی رات تھی۔ میری ہدایت پر پورے لشکر میں مشعلیں روشن کر دی گئیں جس سے معلوم ہوا کہ لشکر جاگ رہا ہے لیکن صورتحال وہی رہی یعنی لشکری دو دو گھنٹے آرام کرتے رہے۔ سامنے کے رخ کو متحرک رکھا گیا تھا لیکن آرسانہ کے جیالے رات بھر پریشان رہے ان میں سے کوئی بھی ایک لمحے کو نہ سو سکا ہوگا۔ مبادا ہم رات میں حملہ کر دیں۔

اس کا نتیجہ نہایت خوشگوار ثابت ہوا۔ ہمارا پورا لشکر صبح کو چاق و چوبند تھا جبکہ آرسانہ کے فوجی انتظار سے تھک گئے تھے۔ یقیناً یہ زبردست زمینی جنگ تھی۔ صبح بھی ہم نے اطمینان سے ضروریات سے فراغت حاصل کی۔ اب ہمارے لشکر کا ایک ایک جوان تازہ دم تھا۔

''باروک، ارکاک اور دوسرے لوگ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ انہوں نے جنگ کرنے کا فیصلہ تو کر لیا تھا لیکن اس جنگ میں وہ ایسی زبردست پوزیشن اختیار کر جائیں گے انہیں گمان بھی نہیں تھا، چنانچہ وہ بے حد خوش تھے۔ اور پھر اس طوفانی صبح کو ضائع کرنا ہم نے پسند نہ کیا۔

پروگرام کے مطابق ہمارا پہلا حصہ آگے بڑھا۔ باقی دوسرے حصے کے فوجی تین حصوں میں بٹ کر تین طرف پھیل گئے۔ فوجوں کی اس نقل و حرکت نے آرسانہ والوں میں کھلبلی مچا دی وہ بھی جلد از جلد صف آرا ہونے لگے اور پھر ہمارے گھڑ سوار دستے نے پیش قدمی شروع کر دی۔ ہماری رفتار بہت تیز تھی، میں سب سے آگے تھا میرے ساتھ باروک اور ارکاک بھی تھے کیونکہ ہمیں پہلا دھاوا ہی زبردست ڈالنا تھا۔ میں نے دور سے لمبی گردن والے مکار شہنشاہ کو دیکھا، اس نے بھی میری شکل دیکھ لی تھی اور سراسیمہ نظر آ رہا تھا، آرسانہ کے فوجی دستے بھی خوف و دہشت سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے ان میں بہت سے وہ بھی تھے جو پہلے مجھے آرسانہ میں دیکھ چکے تھے۔

تب آرسانہ کی فوجوں سے تھوڑے فاصلے پر میں نے اپنی چوڑی تلوار بلند کر کے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا...... اور گھوڑے رک گئے، ہمارے آدمی دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بے چین تھے، لیکن بہر حال وہ میرا احترام میں خود کو روکے ہوئے تھے۔ تب میں نے بلند آواز میں کہا۔

''آرسانہ کے مکار شہنشاہ...... دیکھ تیری موت کتنی قریب ہے۔ یاد کر میں نے تجھے خیر سگالی کا پیغام دیا تھا، میں نے کہا تھا کہ تو پہاڑوں میں رہنے والوں کو بھی انسان سمجھ...... میں نے تجھ سے کہا تھا کہ تو انہیں بھی جینے دے۔ تب تو نے کہا تھا کہ کالے غلام کبھی میرے برابر نہ بیٹھ سکیں گے...... تو نے کہا تھا کہ وہ دن کبھی نہ آئیگا دیوتاؤں کو تیرا پیغام دے دوں...... تو سن...... میں نے دیوتاؤں کو تیرا پیغام دے دیا جانتا ہے دیوتاؤں نے کیا کہا...... انہوں نے کہا...... اب آرسانہ کے مقدر میں تباہی لکھ دو...... اس کے مغروروں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دو اور یہ قول پورے آرسانہ کا مقدر بن گیا...... سنو تم کہ جو مجھے جانتے ہو اور جو مجھے نہیں جانتے، میں آسمان کا بیٹا ہوں، میں وہ ہوں جسے تمہارے شہنشاہ نے قتل کرانے کے لئے

پوری فوج بھیجی تھی، جس نے میرے اوپر شیر چھوڑے تھے، ہاں میں وہی ہوں، جسے آگ کے پہاڑ میں گرا کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن نتیجہ تمہارے سامنے ہے اور آج میں اپنے جیسے بے شمار انسانوں کے ساتھ تمہارے سامنے آیا ہوں۔ تم صرف قتل کرنے کے لئے ہو...... اور وہ میری طرح ناقابل تسخیر ہم تم سب کو قتل کر دیں گے، ہوشیار ہو جاؤ کہ تم نے اپنے شہنشاہ کے ایما پر ہمارے سامنے آنے کی کوشش کر کے اپنی موت کو پکار لیا ہے۔"

میں خاموش ہو گیا...... میں نے اپنی تقریر کا ردعمل ان کے چہروں پر دیکھا...... بلاشبہ صرف میری تقریر نے ان لوگوں کو ادھ موا کر دیا تھا۔ ان کے چہرے وحشت سے پھیل گئے...... خود شہنشاہ کی زبان گنگ تھی۔ وہ میری تقریر کے جواب میں اپنے سپاہیوں کی ہمت بھی نہ بندھا سکا اور ایسے موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت تھی۔

میں نے باروک کو اشارہ کیا اور پھر اپنے گھوڑے کی ایڑ لگا دی۔ میری تلوار گری، اور سر اڑنے لگے، خون اچھلنے لگا، آرسانہ والے گومگو کی کیفیت میں تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جنگ کریں یا نہ کریں، کہ ان پر مصیبت نازل ہو گئی...... باروک، ارکاک اور اس کے پیچھے پورے لشکر نے وحشیانہ حملہ کر دیا، آرسانہ والوں کے بازو شل ہو گئے تھے، وہ اپنی تلوار سنبھالنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے، مدافعت یا حملہ کیا کرتے، صرف میری موجودگی ہی انہیں موت کا یقین دلانے کے لئے کافی تھی نہ کہ پھر میری تقریر...... ا تو یقین کرو پروفیسر...... انسانوں کی پہلی صف کو ٹھکانے لگانے میں ہمیں چند لمحات بھی نہ لگے اور پلک جھپکتے ہم دوسری صف پر تھے...... آرسانہ کے سپاہی جنگ کرنے کے بجائے خوف و دہشت سے چیخ رہے تھے۔ اور ایسی بزدل قوم کبھی کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔ یوں سمجھو جنگ ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اور جنگ جس غیر متوقع انداز میں جیتی گئی اس کی مثال مشکل ہے۔ لمبی گردن والا شہنشاہ بھی خوف سے کانپ رہا تھا، یہاں تک کہ میں راستہ صاف کرتا ہوا اس تک پہنچ گیا...... تب اسے ہوش آیا...... اس نے تلوار سنبھال کر میرے اوپر وار کیا۔ میں نے اس کی تلوار کو جسم پر پڑنے کا موقع دیا، لیکن تلوار میرے جسم پر لگی اور اچٹ گیا۔ دوسرا وار اس نے پوری قوت سے کیا تھا، اس لئے اس بار تلوار اس کے ہاتھ میں رہ نہ سکی اور چھوٹ گئی۔

تب میری تلوار نے اس کی گردن کاٹی، اور گردن میں نے اس احتیاط سے کاٹی تھی کہ وہ نیچے نہ گرنے پائے...... میں نے اسے تلوار کی نوک پر بلند کر لیا اور تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھا لیا...... اپنے شہنشاہ کی گردن دیکھ کر تو آرسانہ والوں کے ہوش اڑ گئے۔ تمام جنگی قوت عمل بیکار ہو گئی، سوچا کچھ تھا، ہوا کچھ...... آرسانہ کے جیالے میدان میں ٹک ہی نہ سکے۔ یہ جنگ اس آسانی سے جیت لی جائے گی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، آرسانہ والے میدان چھوڑ چکے تھے۔ پوری فوج تازہ دم تھی، تعاقب کیا گیا، بہت سوں کو ٹھکانے لگا دیا گیا...... لیکن میرے ایما پر قتل عام کا سلسلہ بند ہو گیا اور اب ہمارے فوجی صرف آرسانہ والوں کو قیدی بنا رہے تھے۔

پورے میدان میں فتح کا اعلان کر دیا گیا۔ اور پھر میری سرکردگی میں بہت سے دستے آرسانہ کی طرف بڑھنے لگے! آرسانہ میں داخل ہو کر وہاں کی سب سے اونچی جگہ پر شہنشاہ کا سر لٹکا دیا گیا۔ یہ فتح کی علامت تھی، اور آرسانہ کے شہری گھروں سے نکل نکل کر میدانوں میں جمع ہونے لگے۔ سیاہ فاتح اب پورے شہر میں دندناتے پھر رہے تھے...... اور پھر پروفیسر میں نے انسانیت کا فرض پورا کیا...... وہ رسومات جو ایک سچے مذہب نے دنیا میں پھیلائیں...... وہ رسومات جو انسانیت کا تقاضا تھیں، وہ میں نے بھی پوری کیں، شہریوں، عورتوں اور بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا

گیا...... آرسانہ والے اپنے وطن سے محروم ہو گئے تھے...... اب وہ صرف قیدی تھے...... اور سیاہ غلام اب شہر کے مالک تھے۔ ایک بڑی انوکھی فتح تھی پروفیسر وہ...... جس کا سہرا وہ سب میرے سر باندھ رہے تھے اور تم یقین کرو پروفیسر...... یہ حقیقت تھی...... میری تقریر...... میری شکل نے ان کے حواس گم کر دیئے تھے ورنہ وہ اتنے نکمے نہ ثابت ہوتے۔!

''آرسانہ فتح ہو گیا پروفیسر...... میرا خیال ہے آرام کرو...... باقی داستان کل......!'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا...... اور پروفیسر خاور چونک پڑا۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور پھر ایک گہری سانس لے کر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا فروزاں اور فرزانہ کا دل تو ایک لمحے کے لئے بھی اٹھنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ پر اسرار داستان...... نہ ختم ہونے والی داستان، اگر پوری زندگی جاری رہتی تب بھی وہ نہ اکتاتیں۔ ان کے ذہن انہی جہانوں میں بھٹک جاتے تھے جہاں کی داستان وہ بیان کر رہا تھا۔!

''ہاں...... تھکن تو محسوس نہیں ہو رہی...... لیکن میرا خیال ہے آرام...... ضروری ہے۔'' پروفیسر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''ایک سوال پوچھوں۔؟''

''ضرور پروفیسر۔!''

''کیا تمہاری قوتیں ابھی تک برقرار ہیں جن کا تذکرہ تم کرتے آئے ہو۔؟''

''امتحان چاہتے ہو پروفیسر۔؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... یہ جرأت نہیں کر سکتا...... لیکن......''

''میں تمہارا اعتماد چاہتا ہوں پروفیسر...... تم اس داستان سے اسی وقت لطف اندوز ہو سکتے ہو جب میرے اوپر اعتماد کر لو۔''

''نہیں...... نہیں یہ بات نہیں ہے......'' پروفیسر نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''کوئی ہرج نہیں ہے پروفیسر۔! اس بار تم میرے دوست ہوئے دور کے دوست...... اور پھر دنیا بہت بدل چکی ہے، اس کے علاوہ مجھے بھی تھکن کا احساس ہو رہا ہے...... کل کا دن امتحان کا دن ہوگا پروفیسر۔ کل میں امتحان دوں گا، اور دوبارہ چاق و چوبند ہو کر اپنی بقیہ داستان مکمل کروں گا۔''

''مم۔ میرا یہ مطلب بالکل نہیں تھا، یقین کرو۔''

''مجھے تمہاری نیت پر بھروسہ ہے پروفیسر...... اب آرام کرو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا...... اور پروفیسر بھی اٹھ گیا۔ دونوں لڑکیاں بھی اٹھ گئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔

بوڑھا خاور کسی گہری سوچ میں گم تھا لڑکیاں برابر لیٹی کچھ اور سوچ رہی تھیں۔ تب خاور نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''وہ کیا امتحان دینا چاہتا ہے۔؟''

''نہیں معلوم ڈیڈی...... لیکن...... کہیں...... کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔'' فروزاں نے کہا۔

''کیسی گڑبڑ۔؟''

"وہ یہاں ہماری امیدوں کا سہارا ہے...... اگر اسے کچھ ہو گیا تو اس وادی سے باہر نکلنے کا راستہ نہ مل سکے گا۔!" فروزاں نے جواب دیا۔

"وہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اگر وہی ہے تو فروزاں، اسے کچھ نہ ہو گا...... اور پھر...... ہم اسے روک بھی تو نہیں سکتے...... نہ جانے وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔" پروفیسر نے کہا اور فروزاں خاموش ہو گئی...... پروفیسر بھی کافی دیر تک خاموش رہا...... پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "بہر حال ذہن الجھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے...... ہم تو غیر یقینی حالات کے شکار ہیں...... ہر حادثے، ہر واقع کے لئے خود کو تیار رکھو۔!" اس کے بعد کوئی کچھ نہ بولا...... اور تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر نے کروٹ بدل لی۔ اس کے خراٹے سنائی دینے لگے، لیکن لڑکیاں جاگ رہی تھیں۔

"فرزانہ۔" فروزاں نے سرگوشی کی۔

"ہوں۔!" فرزانہ آہستہ سے بولی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو۔؟"

"کچھ نہیں باجی۔!" فرزانہ نے گہری سانس لی۔

"عجیب سحر انگیز داستان ہے...... ایسی انوکھی باتیں سناتا ہے کہ ذہن کھو کر رہ جاتا ہے...... سچ کہو فرزانہ، کیا تمہیں اکتاہٹ کا احساس ہوتا ہے؟"

"قطعی نہیں باجی...... اس کے برعکس وہ تمام کردار ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔ جن کے بارے میں وہ بتا رہا ہوتا ہے۔ بتاؤ...... تم کس سے واقف نہیں ہو...... بتاؤ کون سے کردار کی شخصیت تمہاری آنکھوں میں نہیں ہے۔"

"ہاں......!" فروزاں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر بولی۔ "فرزانہ۔"

"جی باجی......"

"تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔"

"کیا......؟"

"اسے ہر دور میں لڑکیوں کی آرزو رہی ہے...... اور اس نے ہر جائز اور ناجائز طریقے سے انہیں حاصل کر لیا ہے...... کبھی کبھی تو مجھے خوف محسوس ہونے لگتا ہے۔"

"کیا خوف باجی......؟" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"تم کیوں بھول جاتی ہو کہ ہم بھی......"

"لیکن باجی...... اس نے ہر دور میں انسانیت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ صرف محبت کرتا رہا ہے...... اس نے کسی کو مجبور نہیں کیا...... اس کی پرسحر شخصیت خود ذہنوں پر طاری ہو جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ وہ ایسا نہیں کرے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس کے باوجود میں خوفزدہ ہوں فرزانہ۔!" فروزاں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیوں باجی......؟ میں نہیں سمجھی۔"

''اگر..... اگر ہم میں سے کوئی اس کے سحر میں گرفتار ہو گیا تو۔؟'' فروزاں نے کہا اور فرزانہ چونک پڑی۔ اس نے غور سے فروزاں کا چہرہ دیکھا اور پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''ایسی باتیں نہ کرو باجی..... ہم مہذب دنیا کی لڑکیاں ہیں..... اور پھر ہمارے دلوں میں ایماں ہے۔ بے شک وہ قابل محبت ہے۔ اس کی شخصیت پر سحر ہے، لیکن ہمیں ڈیڈی کی عزت کا احساس ہے..... میرا خیال ہے ہم سے لغزش نہ ہوگی۔''

فروزاں خاموش ہوگئی۔ پھر دوسری صبح اس نے حسب معمول مسکراتے ہوئے انہیں صبح بخیر کہا۔ سب نے ناشتہ کیا۔ اور پھر پروفیسر، فروزاں اور فرزانہ کو لئے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ پروفیسر کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے، لیکن راستے بھر وہ کچھ نہ بول سکا! آج اس نے ان غاروں کے انتہائی سروں کا رخ کیا تھا، اور وہ وادی کے عقب میں پہنچ گئے..... لیکن جس جگہ وہ پہنچے وہاں آگ کا ایک سرخ اور دہکتا ہوا الاؤ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے..... پروفیسر کا چہرہ فق ہو گیا تھا لڑکیاں بھی سراسیمہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''یہ..... یہ الاؤ.....!'' پروفیسر نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آگ کا الاؤ ہے پروفیسر..... میری غذا ہے..... جتنی شدید آگ ہو میرے لئے زیادہ فرحت بخش ہوگی۔ ان پگھلے ہوئے آتشی پتھروں کی بہ نسبت یہ آگ پانی کی حیثیت رکھی ہے..... آپ اس کی تپش محسوس کر رہے ہونگے اس سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ مصنوعی نہیں ہے۔''

''لیکن کیا تم۔؟''

''ہاں پروفیسر..... آپ کو امتحان بھی دیدوں گا، اور میرے جسم کی تھکن بھی دور ہو جائے گی، یوں بھی ہر دور میں غسل آتش میری زندگی کو جلا بخشتا ہے۔''

''نہیں..... نہیں..... سنو.....'' پروفیسر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''تم شاید میری بات کا برا مان گئے ہو۔''

''نہیں معزز پروفیسر..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کہہ چکا ہو کہ آگ میری جسمانی بقا کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آپ فکر نہ کریں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، حقیقت ہے۔'' اس نے لباس اتارتے ہوئے کہا۔

فروزاں نے فرزانہ کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا اور دونوں لڑکیاں پروفیسر کے بالکل نزدیک پہنچ گئیں..... وہ سہمی ہوئی تھیں۔ اس نے پورا لباس اتار دیا اور لڑکیوں کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں۔

''مختلف ادوار میں تہذیب نے مختلف روپ دھارے ہیں ستر پوشی کافی عرصہ پہلے رائج ہو گئی تھی اور بہرحال اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ انسان کی دلکشی میں اضافہ کر دیتی ہے، لیکن میں ابتداء سے ہوں۔ میرے لئے برہنگی کوئی اجنبی چیز نہیں ہے..... نہ جانے کتنا وقت میں نے اسی انداز میں گزارا ہے، اس لئے آپ میری اس حرکت کا احساس نہ کریں پروفیسر۔ میں ان لڑکیوں سے بھی معذرت خواہ ہوں.....'' اس نے کہا۔ اور پھر الاؤ کے نزدیک ایک ستون سے لٹکا ہوا ایک لکڑی کا ڈرم اٹھایا..... اسے سر سے بلند کیا اور الاؤ میں جھونک دیا۔ ڈرم سے سیاہ رنگ کی

کوئی چیز نکل کر بہہ نکلی اور آگ کے شعلے ایک دم بلند ہو گئے...... آگ بے پناہ ہو گئی...... اور دوسرے لمحے اس نے آگ میں اس انداز میں چھلانگ لگا دی جیسے پانی میں غوطہ خوری کی جاتی ہے۔

لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ شرم و حیا بھول کر اس برہنہ انسان کے ہیولے کو دیکھنے لگیں، جو آگ میں نظر آ رہا تھا۔ آگ میں سے اس کی لذت آمیز سسکاریاں سنائی دے رہی تھیں، شعلوں میں اس کا مسرور چہرہ نظر آ رہا تھا، وہ دونوں ہاتھوں سے آگ کو جسم پر مل رہا تھا۔ اور پروفیسر منہ پھاڑے آگ میں جھانک رہا تھا۔

''فروزاں...... فرزانہ...... آج...... آج اس کے بیان کردہ ایک ایک لفظ پر یقین کرنا پڑے گا۔..... بولو...... کیا تم اب بھی اس پر شک کرو گی سنو...... میرے دل میں کشمکش تھی...... میرے ذہن کے...... گوشوں میں ایک خیال چھپا ہوا تھا، میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے وہ کوئی عظیم داستان گو ہو، ممکن ہے تہذیب پر اس کی بے پناہ ریسرچ ہو۔ میں سوچتا تھا کہ ممکن ہے وہ ایک عظیم سائنسداں ہوں اور اس ویرانے میں کچھ بھیانک تجربے کر رہا ہو، ممکن ہے وہ ہم لوگوں کو کسی خاص مقصد کے تحت بے وقوف بنا رہا ہو۔ لیکن یہ آگ...... یہ منظر...... اسے ہم کیا سمجھیں۔؟ پھر...... کیا اب بھی ہم اس کی داستان کا کوئی حصہ غلط سمجھ لیں۔''

لڑکیاں کچھ نہ بولیں...... وہ آگ میں نہانے والے کو دیکھ رہی تھیں نہ جانے کتنی دیر تک وہ شعلوں میں غسل کرتا رہا، اور پھر شعلے سرد پڑنے لگے، آگ نیچی ہونے لگی، تب وہ آگ سے باہر نکل آیا...... اس کا آتشیں بدن کندن بن گیا تھا، وہ دنیا کا حسین ترین انسان نظر آ رہا تھا، اس کے خدوخال اور تیکھے ہو گئے تھے۔ اس کے بال آتشی رنگ میں رنگ گئے تھے...... اس میں ایک انوکھا بانکپن پیدا ہو گیا تھا...... اس نے اطمینان سے اپنا لباس پہنا اور پھر سنور کر ان کے قریب پہنچ گیا۔ اپروفیسر خاور اور اس کی دونوں لڑکیاں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''یہ ایک چھوٹا سا مظاہرہ ہے پروفیسر۔ ان مظاہروں میں سے ایک، جو میں قدیم لوگوں کو اپنی شخصیت، اپنی قوتوں کا یقین دلانے کے لئے کرتا رہا ہوں۔ لیکن تمہیں مطمئن کرنے کے لئے میں ایسے ایسے بہت سے مظاہرے کر سکتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ...... مجھ پر یقین کر لینے کے بعد تمہیں میری داستان میں زیادہ لطف آئے گا۔ میں نے ہر دور میں تجربات کئے ہیں اور کرتا رہوں گا...... اس دور میں بھی میں نے ایک تجربے کے بارے میں سوچا تھا، اس سلسلے میں تمہیں پھر بتاؤں گا۔ فی الوقت ہم دوسری باتیں کر رہے ہیں...... آؤ پروفیسر پلیز، میرے ساتھ آؤ......''

''سنو...... میرا خیال ہے کسی دوسرے تجربے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اطمینان کر چکے ہیں۔'' پروفیسر نے کہا۔

''آؤ بھی پروفیسر...... تھوڑی سی چہل قدمی ہی سہی......'' اس نے دوستانہ انداز میں کہا اور آگے بڑھ گیا...... اب وہ آگ کے الاؤ سے کافی دور نکل آیا تھا، پھر اس نے پروفیسر اور لڑکیوں سے ایک جگہ رکنے کے لئے کہا۔ اور...... چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ''میرا خیال ہے آپ لوگ اس چٹان پر کھڑے ہو جائیں۔'' اس نے ایک طرف اشارہ کیا...... اور پروفیسر لڑکیوں کے ساتھ چٹان پر پہنچ گیا۔

''براہ کرم یہاں سے ہلنے جلنے کی کوشش نہ کریں، ورنہ آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔'' اس نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ جس جگہ یہ لوگ کھڑے تھے، وہاں سے تقریباً دو سو گز دور پر وہ ایک بھاری چٹان کے قریب پہنچ گیا۔ یہ چٹان بہت سی دوسری چٹانوں کا بوجھ سنبھالے ہوئے

تھی اور اس طرح ابھری ہوئی تھیں کہ انسانی ہاتھوں کی گرفت اس پر ہو سکتی تھی، لیکن اسے اپنی جگہ سے اکھاڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تاہم اس کے لمبے اور مضبوط ہاتھ اس کے گرد پہنچ گئے۔ پروفیسر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اصل بات تو وہ اس وقت سمجھ سکے تھے، جب انہوں نے چٹان کا اوپر کا پتھر لڑھکتے دیکھا۔ یہ پتھر کہلانے کے بجائے ایک چھوٹی چٹان کہلا سکتا تھا، جب اس نے اپنی جگہ چھوڑی تو تینوں کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ کیونکہ پتھر اسی طرف گر رہا تھا جہاں وہ موجود تھا۔ وزنی چٹان اس کے جھکے ہوئے شانوں پر گری، اس کے پیچھے ایک دوسری چٹان آ رہی تھی۔!

''ڈیڈی...... ڈیڈی......'' فرزاں نے کانپتے ہوئے پروفیسر کا بازو بھینچ لیا...... پروفیسر بھی تھوک نگلتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اب بڑی چٹان جس پر وہ طاقت صرف کر رہا تھا، اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی اور اس کی جگہ چھوڑتے ہی اس کے اوپر جو کچھ تھا، وہ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ نیچے آ رہا تھا۔ بڑے بڑے منوں وزنی پتھر اس کے جسم پر گر کر اچھل رہے تھے، اور پھر ان کی تعداد اتنی ہو گئی کہ اس کا جسم ان پتھروں میں چھپ گیا...... وہ چھوٹے بڑے پتھروں میں دفن ہو گیا تھا!

''یہ...... یہ کیا ہوا ڈیڈی......؟'' فرزانہ کی بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ لیکن پروفیسر خاموش کھڑا تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے پتھروں کے اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جس کے نیچے وہ موجود تھا۔ گوشت پوست کے کسی انسان کی زندگی کا تصور بھی حماقت تھی...... ان سنگی چٹانوں کے نیچے سے کسی کا زندہ نکل آنا ناقابل یقین بات تھی...... وہ ان غیر متحرک پتھروں کو دیکھتے رہے۔

''وہ...... وہ مر گیا ڈیڈی...... وہ ان بھاری چٹانوں کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا......'' فرزاں لرزتے ہوئے بولی۔ لیکن دوسرے لمحے فرزانہ چیخی۔

''وہ دیکھو...... وہ دیکھو باجی......'' اور سب چونک پڑے۔ ایک وزنی چٹان فضا میں بلند ہو رہی تھی...... دو ہاتھ اسے بلند کئے ہوئے تھے۔ پھر چٹان اچھل کر ایک طرف جا پڑی۔ اس کے بعد پتھر خود بخود لڑھکنے لگے۔ وہ اچھل اچھل کر دوسری طرف گر رہے تھے...... اور پھر وہ ان کے نیچے سے نکل آیا...... وہ اپنے جسم کی گرد جھاڑ رہا تھا...... ایک چٹان پر چڑھ کر وہ کودا...... اور پھر ان کی طرف بڑھنے لگا...... اس کے جسم یا کپڑوں پر ایک بھی سرخ نشان نہیں تھا...... چند منٹ کے بعد وہ ان کے قریب پہنچ گیا...... اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔!

''مجھے افسوس ہے پروفیسر...... کہ یہ ایک بچکانہ حرکت تھی، لیکن خود کو جو کچھ کہتا رہا ہوں، اس کی وہ اہمیت نہ تھی جو اس کے بعد ہو گی! میں کہہ چکا ہوں کہ ایسے ایسے بہت سے تماشے میں آپ کو دکھا سکتا ہوں...... لیکن یہ تہذیب کا ابتدائی دور نہیں ہے...... ان لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے ایسے شعبدوں کی ضرورت ہوتی تھی...... آج کے لئے دلائل اور میرا کتب خانہ کافی ہے، اپنے دور کے یا اس سے پہلے کے کسی بھی محقق کی کوئی تصنیف اٹھا کر دیکھ لو۔ جس انداز میں تہذیب کا ارتقاء ہوا ہے، میری گفتگو اس سے الگ نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انہوں نے تاریخ کے حوالوں سے اپنی تصانیف مرتب کی ہیں اور میں نے ان ادوار میں سانس لی ہے۔''

''تم بے حد عجیب ہو...... تم انتہائی حیرت انگیز ہو۔'' پروفیسر کے منہ سے نکلا۔

"مجھے اس دور کے لئے کوئی نام نہ دو گے پروفیسر۔؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے لئے کوئی نام تلاش کرنے میں ناکام رہوں گا۔تم صدیوں کے مسافر ہو...... میں تمہیں صدیوں کا بیٹا ہی کہہ سکتا ہوں۔"

پروفیسر نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔ پھر اس نے پروفیسر کا ہاتھ پکڑا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"آؤ پروفیسر...... آرسانہ کی کہانی مکمل کرلیں۔ تماشے تو ہوتے ہی رہیں گے...... آؤ...... میں تمہیں زندگی کا رس پلاؤں...... اسے پی کر تم خود کو کبھی بوڑھا نہ محسوس کرو گے۔" وہ پروفیسر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی لیبارٹری میں تھا۔

یہ لیبارٹری تمہارے لئے حیرت انگیز ہوگی پروفیسر...... میں کوئی باقاعدہ سائنسداں نہیں ہوں...... لیکن سائنس کا تصور آج کا نہیں ہے۔ انسان نے اپنی ضروریات سے ہٹ کر بھی بہت کچھ سوچا ہے...... اس کے ذہن میں کائنات کے ذرے ذرے کا تصور ہمیشہ سے ہے اور حالات نے جب بھی اسے سہولتیں فراہم کی ہیں اس نے کائنات کے بارے میں سوچا ہے...... اس پر کام کیا ہے، اگر وہ اس کام کو مکمل نہیں کر سکا، تب بھی اس نے دوسروں کے لئے راستے ضرور ہموار کر دیئے ہیں اور انسان ایک دوسرے کی مدد سے آگے بڑھتا رہا ہے، میں تمہیں اپنی پیش گوئی کی وہ کتاب دکھاؤں گا جس میں، میں نے انسان کے اس دور کے بارے میں بھی کہا ہے...... پھر میں تم سے پوچھوں گا کہ میری پیش گوئی کس حد تک درست ہے۔"

اس نے ایک عجیب ساخت کی ٹنکی کے ڈھکن کو کھولا اور سرخ رنگ کی بھاپ بلند ہونے لگی۔ ٹنکی میں ایک سرخ سیال کھول رہا تھا، اس نے کھولتے ہوئے سیال کا ایک گلاس بھرا......" یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے پروفیسر، جسے پیتے ہوئے تم سوچو کہ اس کا ٹکراؤ تمہاری مذہبی قیود سے تو نہیں ہے...... اس لئے پی لو اسے...... تم خود میں نمایاں تبدیلی محسوس کرو گے۔"

پروفیسر نے گلاس لے لیا...... اس کا خیال تھا کہ گلاس سخت گرم ہوگا، کیونکہ سیال کھول رہا تھا، اور گلاس سے بھی سرخ بھاپ اٹھ رہی تھی۔ لیکن گلاس بہت ٹھنڈا تھا، اس سے اٹھنے والی بھاپ بالکل یخ تھی۔ پروفیسر اسے ناک کے قریب لے گیا۔ اس کی خوشبو نہایت خوشگوار تھی، تب پروفیسر نے گھونٹ گھونٹ کر کے اسے پی لیا۔ اسے اپنے جسم میں سرور کی لہریں دوڑتی محسوس ہوئیں۔ اس اثنا میں اس نے دو گلاس بھر کر لڑکیوں کی طرف بڑھا دیئے تھے...... لڑکیوں نے جھجکتے ہوئے گلاس لے لئے اور پھر انہوں نے بھی گلاس خالی کر کے اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"درحقیقت اس کی تاثیر حیرت انگیز ہے۔" پروفیسر نے اعتراف کیا۔ "لیکن...... ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔"

"وہ کیا پروفیسر......؟" اس نے پروفیسر کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے یہ تمام چیزیں کہاں سے دریافت کیں۔؟"

"دراصل...... زندگی کے ابتدائی دور سے نکل کر جب میں نے تہذیب کے دور میں قدم رکھا تو سوچنے سمجھنے کی قوت دوسروں کی بہ نسبت میرے ذہن میں زیادہ تھی پروفیسر...... دوسرے سلسلوں سے ہٹ کر میں نے فرصت میں ایسے لوگوں کو تلاش کیا، جو انسانیت کو ترقی کی راہ پر لے جانے کے لئے سرگرم تھے، ہر دور میں، میں ایسے لوگوں کا ہمعصر رہا۔ ان کی تحقیقات سے میں فیضیاب ہوتا رہا...... بہت سے نکتے جو ان کے ذہنوں میں پوشیدہ تھے اور کسی طور وہ انہیں حل نہ کر پاتے تھے، میں نے اپنی کوششوں سے حل کیے۔ ان کی زندگی نے ان کا ساتھ نہ دیا جو وہ اپنا کام مکمل

کرتے، لیکن اگر میرے ذہن میں کوئی گرہ رہ جاتی تو میں اس کی لگن میں لگ جاتا، اور جو کام وہ مکمل نہ کر سکتے تھے، میں مکمل کر لیا کرتا تھا..... آج کے دور میں ان لوگوں کے نام احترام سے لئے جاتے ہوں گے، انہیں بانی تہذیب کہا جاتا ہوگا، یا ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگوں کے نام منظر عام پر ہی نہ آئے ہوں کیونکہ ان سب کی تحقیقات کو نچوڑ حاصل کر کے میں نے اس میں اپنی ذہانت شامل کی ہے پروفیسر..... لیکن..... میں اس ذہانت سے خود فائدہ اٹھاتا رہا ہوں۔ کیونکہ میرے ذہن میں خود پرستی کبھی نہیں آئی۔ میں نے خود کو دنیا سے روشناس کرانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا، میں تو الگ تھلگ انسان ہوں، جو اپنے طور پر زندگی گزار رہا ہو۔"

"خوب..... تو تم نے دنیا کے مشہور ترین لوگوں مثلاً افلاطون، سقراط، بقراط اور لقمان وغیرہ کے ساتھ بھی زندگی گزاری ہے۔؟"

"یہ سب نام میرے لئے اجنبی ہیں..... ممکن ہے یہ بہت بعد کے انسان ہوں۔ ان سے پہلے کے لوگوں سے میں واقف ہوں۔"

"ہوں.....!" پروفیسر نے ایک گہری سانس لی، وہ لیبارٹری سے نکل کر پھر اس جگہ آ گئے جہاں ان کی نشست ہوئی تھی۔!

"پہاڑ والوں کا کیا ہوا۔؟" فروزاں بول اٹھی..... اور اس نے مسکراتے ہوئے فروزاں اور پھر فرزانہ کی طرف دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لیکر گردن جھکالی۔

"سیاہ رو فاتح آرسانہ میں داخل ہوئے۔ ان کے دلوں میں نفرت تھی، انتقام کی خواہش تھی، لیکن وہ لالوتی کے حکم کے خلاف نہیں چل سکتے تھے۔ وہ ان سے انتقام نہیں لے سکتے تھے..... آرسانہ کے سفید فاموں کو پناہ دی گئی۔ ان سب کو حکم دیا گیا کہ سیاہ فاموں کی اطاعت کریں، ان کے ساتھ مل جل کر زندگی گزاریں..... اور اگر انہوں نے کبھی سرکشی کی تو موت ان کے لئے آسان ہو جائے گی۔ اور آرسانہ والوں نے وفاداری کا ثبوت دیا۔ تب ہاروک شہنشاہ کے محل میں داخل ہو گیا۔ ارکاک بھی اس کے ساتھ تھا، لیکن وہ دونوں ہی میرے ممنون تھے۔ ان کے خیال میں میری وجہ سے انہیں یہ فتح حاصل ہوئی تھی۔!

بلاشبہ سیاہ فام فاتح کسی طور آرسانہ کے سفید فاموں سے کم نہ تھے انہوں نے آرسانہ کا پورا انتظام اس طرح سنبھال لیا جیسے وہ چل رہا تھا۔ یہ میری تجویز تھی۔ میں نے ہاروک کو بتایا کہ ابتداء میں پورے نظام کو سمجھنے کے لئے اسے سفید فاموں کی ضرورت ہے..... وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے..... انہیں اپنے ساتھ شامل کرلے..... اور ہاروک نے یہی کیا..... اس نے آرسانہ کے ذہین لوگوں کو اپنے قریب ہونے کا موقع دیا..... اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔

بہت سے سورج نکلے، غروب ہوئے، اور پھر آرسانہ پر ہاروک کا مکمل کنٹرول ہو گیا۔ اب کوئی دقت نہیں تھی..... سیاہ فاموں کے لئے نئے مکان تعمیر ہو رہے تھے۔ سفید فام اور سیاہ فام مل کر کام کر رہے تھے۔ کھیتیاں وسیع کی جا رہی تھیں۔ زمین میں سوراخ کر کے پانی کے حصول کا انتظام ہو رہا تھا۔ میرا تجربہ بھی ان تمام کاموں میں شامل تھا..... میری حیثیت منفرد تھی..... محل کا ایک خوبصورت گوشہ میرے لئے تھا، جہاں رات کی پرسکون تنہائیوں میں آکاشا کی نرم بانہیں میری گردن میں حمائل ہوتیں۔ آکاشا نے سب کچھ فراموش کر دیا تھا، وہ صرف مجھ میں گم ہو گئی تھی، اور میں بھی اس کی محبت کی بھرپور پذیرائی کر رہا تھا، اور پھر جب تمام کام مکمل ہو گئے تو ہاروک نے آرسانہ کے حکمراں کی حیثیت سے میرا نام لیا..... کون تھا جو اس

بات پر خوش ہو کہ سورج کا بیٹا ان کا حکمراں ہوگا! کسی کو اعتراض نہیں تھا، اعتراض صرف مجھے تھا۔ چنانچہ میں نے ارکاک اور باروک کو سمجھایا۔

''میرے لئے یہ کسی طور ممکن نہیں ہے باروک، کہ میں انسانوں پر حکمرانی کروں۔ میں تمہارے درمیان موجود ہوں...... میں تمہارے ساتھ شریک ہوں، میری مدد تمہارے ساتھ رہے گی...... حکمراں تم ہوگے باروک۔ میں تمہیں صرف ہدایات دوں گا اور تم ان پر عمل کرو گے...... اور ہدایات تمہارے قدم مضبوط کریں گی۔ اس کے علاوہ میں تمہارے لئے اور کچھ نہ کرسکوں گا۔''

''یہ سب کی خواہش تھی سورج کے بیٹے۔''

''اور یہ میری خواہش ہے۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے حکمرانی کا تاج پہناؤں گا۔ اور میری خواہش کا احترام کیا گیا...... باروک کو میں نے اپنے ہاتھوں سے شہنشاہ بنایا اور پورے آرسانہ میں خوشیاں منائی گئیں۔ ان خوشیوں میں آرسانہ کے قدیم باشندے بھی شریک تھے۔ باروک حکمرانی کرنے لگا۔ ور میں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ پورے آرسانہ میں امن وسکون کی زندگی گزرنے لگی۔ آرسانہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوگیا...... انسانوں کی سہولتوں کے لئے کام کئے جانے لگے...... ان میں ارکاک پیش پیش تھا۔ بے شک بوڑھا ارکاک بے پناہ ذہانت کا مالک تھا۔ اس کے ذہن میں تحقیقاتی جراثیم موجود تھے۔ اور جب آرسانہ کے لئے اس کا کام مکمل ہوگیا تو اس نے اپنا کام شروع کردیا۔ وہ ستاروں کی چالیں معلوم کرنے کا شوقین تھا، اور جب اس نے مجھے اپنے ساتھ شریک کرلیا تو وہ دوآتشہ ہوگیا...... تو پروفیسر ہم دونوں نے ستاروں کی گردش پر نگاہ رکھنی شروع کردی اور تھوڑے عرصے میں ہم نے علم نجوم پر دسترس حاصل کرلی...... ہم آرسانہ کے موسم کے بارے میں پیش گوئی کرسکتے تھے...... انسانوں پر موسم کے جو اثرات ہوتے ان پر ہم بہت کچھ سوچ سکتے تھے...... درحقیقت میں نے ارکاک سے بہت کچھ سیکھا، لیکن ارکاک میری بالادستی تسلیم کرتا رہا۔ اس کے ذہن میں جو نئی بات آتی وہ مجھ سے کہتا...... اور میں اس پر اپنی ذہنی توتیں صرف کرکے اس بات کی تکمیل تک پہنچادیتا۔ یوں میں علم نجوم میں یکتا ہوگیا۔ وقت گزرتا رہا۔ آکاشا کے سر کے بال چاندی کے تاروں میں بدلنے لگے۔ باروک بوڑھا ہوگیا، اسکی اولادیں جوان ہونے لگیں...... ارکاک مرگیا...... پھر باروک بھی مرگیا اور میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے بیٹے کو تخت نشین کردیا۔ پھر جب آکاشا بھی بوڑھی ہوکر مرگئی تو میرا دل آرسانہ سے اچاٹ ہوگیا...... میں چاہتا تو آرسانہ کی کوئی بھی حسین لڑکی میری آغوش کی زینت بن سکتی تھی...... لیکن پروفیسر میرے دل نے اسے قبول نہ کیا...... میں وہاں ایک معزز اور مقدس شخصیت کا مالک تھا، یہ لڑکیاں میری نگاہوں کے سامنے پیدا ہوکر جوان ہوئی تھیں، اس لئے میں انہیں اپنے تصرف میں نہیں لاسکتا تھا۔!

جب ایک رات...... تنہائی میں میں نے آرسانہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا...... میں نے سوچا میں نئے جہان تلاش کروں جہاں میری حیثیت اجنبی ہو۔!'' اب میں آرسانہ میں تنہا رہ گیا تھا...... وہ لوگ مرچکے تھے جن کے ساتھ میں آرسانہ داخل ہوا تھا...... نئے نئے لوگ میرے سامنے تھے۔ گو میری عزت اسی انداز میں ہوتی تھی، میں ایک طرح سے ان کا دیوتا بن گیا تھا۔ وہ محل جس میں، میں رہتا تھا اب ایک معبد کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ باروک کے بیٹے نے اپنے لئے ایک نیا محل بنوالیا تھا اور اس محل میں، چند غلاموں کے ساتھ میں رہتا تھا، باروک کا بیٹا مجھے تعظیم دیتا تھا...... وہ ہفتہ میں ایک بار مجھ سے دعائیں لینے آتا تھا...... لیکن...... میں اب آرسانہ سے بیزار ہوگیا تھا۔ میں کسی نئی دنیا میں جانے کے لئے بے چین تھا......

میں جانتا تھا کہ اگر میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان لوگوں سے کر دیا تو پورا آرسانہ میری منت کرنے کے لئے آ جائیگا۔ وہ تمام برکتیں میرے دم سے سمجھتے تھے۔ وہ مجھے بہت بڑا اوتار مانتے تھے۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کرلیا اور پھر ایک رات میں نے ایک مضبوط گھوڑا اور چند ہتھیار لئے اور جب چاند آخری سفر کر رہا تھا، آرسانہ گہری نیند سو رہا تھا، میں اپنا اثاثہ، یعنی چند کتابیں لے کر چل پڑا۔ یہ کتابیں میں نے ہر دور میں زندگی سے عزیز رکھی ہیں پروفیسر۔ سچ پوچھو تو یہی میرا سرمایہ ہے۔ میں جب بھی جاگتا ہوں انہیں دیکھ کر تر و تازہ ہو جاتا ہوں۔!

رات کی تاریکی میں، میں ایک سمت چل پڑا، کسی نے مجھے نہیں دیکھا تھا کوئی منزل متعین نہیں تھی، بس چل رہا تھا۔ ستاروں کے نقشے سے میں نے ایک ایسی سمت متعین کی تھی جس طرف میں کبھی نہیں گیا تھا۔ رات گزرتی رہی...... سورج نکل آیا...... روشنی میں، میں نے ایک صحرا دیکھا...... بلاشبہ میں نے رات کے اس مختصر حصے میں کافی سفر کیا تھا، آرسانہ کے نقوش دور دور تک نہیں تھے...... میں نے سورج کی پرواہ نہیں کی، چلتا رہا۔ البتہ جب میں نے گھوڑے میں تھکن کے آثار محسوس کئے تو ایک مناسب جگہ قیام کرلیا۔ میرے پاس ہتھیار تھے، صحرائی جانوروں کی کمی نہیں تھی، جب ضرورت ہوتی شکار کر لیتا، گھوڑے کے لئے البتہ بعض اوقات پریشانی اٹھانی پڑتی...... اس کے لئے مناسب جگہوں سے خوراک کا ذخیرہ بھی کرنا پڑتا۔

زمین کی طوالت طے ہوتی رہی...... دن رات گزرتے رہے۔ منزل نامعلوم تھی۔ نہ جانے کتنے سورج سر سے گزرے، نہ جانے کتنے چاند نکلے...... سفر جاری رہا اور پھر ایک طویل عرصے کے بعد میں نے انسانوں کی شکل دیکھی۔ پتھر کے ٹکڑوں سے ایک کنواں بنا ہوا تھا اور یہ انسان اس کے گرد آرام کر رہے تھے۔ میں ان کی طرف بڑھ گیا۔ نہ جانے کیوں انسانوں کو دیکھ کر میں نے اپنے دل میں خوشی محسوس کی تھی۔ میرا گھوڑا تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا ان انسانوں کے قریب پہنچ گیا اور پھر میں گھوڑے سے اتر گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ ساکت لوگ آرام نہیں کر رہے تھے بلکہ ان میں زندگی نہیں تھی۔ ہاں یہ مردہ تھے۔ میں نے جھک کر ان میں سے ایک کو دیکھا۔ وہ اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے شانے سے پکڑ کر سیدھا کیا تب مجھے اس کے پہلو میں ایک خنجر پیوست نظر آیا۔ زخم سے بہنے والا خون خشک ہو گیا تھا۔ میں اس کی شکل دیکھتا رہا۔ عجیب سی ہیئت تھی اس کی۔ جسم پر باقاعدہ لباس تھا۔ ایک کپڑا سر سے بھی بندھا ہوا تھا۔ تمام لوگوں کے لباس یکساں تھے اور سب کے سب ہی مردہ تھے۔ سب کے جسموں پر خون تھا۔ تب میں نے پریشان نگاہیں چاروں طرف دوڑائیں...... اور بہت دور مجھے کچھ گھوڑے چرتے ہوئے نظر آئے۔ یہ غالباً انہیں لوگوں کے گھوڑے تھے لیکن نہ جانے کس نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ کیوں قتل کر دیا تھا۔ ان کے چہروں سے کسی بات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے الٹ پلٹ کر ان کی لاشیں دیکھیں اور پھر کچھ نہ کچھ سمجھ کر ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گیا۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ کوئی بستی قریب ہے۔ انسانوں سے جلد ملاقات ہونے والی ہے۔ نہ جانے کیسے لوگ ہیں۔ نہ جانے کس انداز میں پیش آئیں لیکن بہرحال مجھے فکر نہیں تھی۔ میں تو ہر قسم کے لوگوں میں جگہ بنانے کا عادی تھا۔ گھوڑا دوڑاتا رہا۔ یہ وفادار جانور شروع سے باوفا ہے۔ اسے ہمیشہ انسانوں سے محبت رہی ہے۔ وہ میری طرح طاقتور نہیں تھا لیکن بہرحال میرے بوجھ کو گھسیٹ رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ایک بڑا حصار نظر آیا۔ یہ حصار گہرائی میں تھا اس لئے یہاں سے صاف نظر آتا تھا۔ اس کی دیواریں کافی اونچی تھیں اس لئے اندر کا ماحول تو نظر نہیں آتا تھا لیکن اس کے طول و عرض کا پتہ ضرور چل جاتا تھا۔ اس کے سامنے کے رخ پر لکڑی کا ایک عظیم الشان دروازہ تھا جو بند تھا۔ فصیلوں کی بلندیوں پر بہت سے انسان نظر آ رہے تھے۔

میں بلندی سے ان کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میں نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ تب وہ چوکور لکیر نمایاں ہونے لگی جو دور سے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ لکیر ایک گہرا گڑھا تھا جو دروازے کے سامنے اور حصار کے چاروں طرف موجود تھا۔ اس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ میں غور کرنے لگا۔ یقیناً یہ حفاظتی گڑھا تھا جو شاید دشمنوں کو اندر آنے سے باز رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

میں اس ذہانت کو دل میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ یقیناً اس حصار کے باسی ذہین لوگ ہوں گے اور میں ان لوگوں سے ملاقات کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں آگے بڑھتا رہا اور پھر پانی کی اس خندق کے کنارے پہنچ گیا۔ تب میں نے چیخ کر کہا۔

''بستی کے لوگو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے اندر آنے کا راستہ دو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں...... میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں'' فصیلوں پر کھڑے ہوئے لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ ہاتھ ہلا کر دوسرے لوگوں کو بلا رہے تھے اور اس طرح بہت سارے لوگ بلند فصیلوں پر جمع ہو گئے۔ نہ جانے وہ میرے بارے میں کیا صلاح مشورے کر رہے تھے۔ میں ان کی طرف دیکھ دیکھ کر چیخ رہا تھا۔

پھر دفعتاً بہت سے لوگ پیچھے ہٹے۔ ان کے ہاتھوں میں نہ جانے کیا چیز تھی۔ میں اسے نہ سمجھ سکا لیکن پھر بہت سے نوکیلے ہتھیار میری طرف لپکے۔ ان ہتھیاروں سے میں ضرور واقف تھا۔ یہ چھوٹے نیزے کی شکل کے تھے بہت نوکدار ہتھیار میرے جسم سے ٹکرائے لیکن وہ میرے جسم پر اثر انداز ہونے کی قوت نہیں رکھتے تھے۔ ہاں ان میں سے کچھ میرے گھوڑے کے جسم میں ترازو ہو گئے۔ گھوڑا زور سے اچھلا، واپس پلٹا اور میں اس کی پشت سے گر پڑا لیکن نوکیلے ہتھیار بدستور برس رہے تھے۔ چند اور ہتھیار گھوڑے کے لگے اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اس نے میری نگاہوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ مجھے اس بے زبان دوست کی موت پر بہت غصہ آیا اور میں نے دانت پیس کر کہا۔

''او مردودو...... کیوں اپنی موت کو دعوت دیتے ہو۔ دروازہ کھول دو ورنہ'' لیکن میری بات کے جواب میں بھی نوکیلے پتھر برستے رہے۔ یقیناً وہ اچھے لوگ نہیں تھے۔ مجھے ان پر شدید غصہ آ گیا۔ انہیں میرے جسم سے ٹکرا کر ناکام رہنے والے ہتھیاروں پر سخت حیرت تھی۔ چند منٹ کے بعد ہتھیار برسنا بند ہو گئے۔

میں کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ وہ دو حصوں میں بٹ گئے تھے پھر ان میں سے ایک شخص نمودار ہوا۔ یہ رنگین لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے پر داڑھی تھی۔ ہاتھ پاؤں کا بھی بہت مضبوط نظر آتا تھا۔ وہ مجھے دیکھتا رہا۔ اس کی شخصیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ان لوگوں کا شہنشاہ یا دوسری کوئی معزز شخصیت ہے۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ ہلائے اور واپس پلٹ گیا۔ میں اب بھی غصے سے کھول رہا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے خوفناک چڑچڑاہٹ کے ساتھ عظیم الشان دروازے کو ایک پل کی طرح خندق پر چھاتے دیکھا اور جوں ہی وہ زمین سے لگا بے شمار انسان گھوڑوں پر سوار باہر کی طرف لپکے۔ آن کی آن میں انہوں نے میرے گرد حصار بنا لیا۔ وہ تلواریں ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہے تھے۔ میں ان کے الفاظ، ان کے اشاروں کو سمجھتا رہا۔ میں نے اپنی پراسرار ذہانت سے کام لیا اور ان کی زبان سے واقف ہو گیا۔ وہ مجھے اندر چلنے کا حکم دے رہے تھے۔ تب میں ان کے ساتھ اندر چل پڑا۔ اپنے گھوڑے کی موت کا مجھے افسوس تھا۔ ان لوگوں نے اسے بے گناہ قتل کر دیا تھا لیکن بہرحال طویل عرصے کے بعد مجھے ایک نئی دنیا دیکھنے کو ملی تھی۔ میں یہاں دشمنوں کے انداز میں نہیں داخل ہونا چاہتا تھا۔ میں نے خود پر قابو پا لیا ورنہ جتنے لوگ مجھے گرفتار کرنے آئے تھے انہیں تو

میں چند سیکنڈ میں قتل کر سکتا تھا۔

چوبی دروازے سے گزر کر میں اندر شہر میں داخل ہو گیا۔ درمیانے قسم کا شہر تھا۔ گندہ اور بدبودار۔ عمارتیں بھی کشادہ اور صاف ستھری نہیں تھیں۔ اس کی بہ نسبت آرسانہ بہت اچھا شہر تھا۔ مجھے گرفتار کر کے لانے والے مجھے لے کر چل پڑے۔ سب سے پہلے میری نگاہ جس چیز پر پڑی وہ لکڑی کے موٹے موٹے ستون تھے جن سے رسیاں بندھی ہوئی تھیں اور ان رسیوں سے لاشیں لٹکی ہوئی تھیں۔ ان لاشوں کی تعداد درجنوں سے زیادہ تھی۔ سب ایک لائن سے لٹکے ہوئے تھے۔ میں چونک کر رک گیا۔ تب گھوڑوں پر سوار سپاہیوں نے میرے جسم میں لمبے نیزے چبھو کر مجھے آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا۔

میں ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا لیکن بہرحال ان لوگوں کے بارے میں جاننے کا خواہشمند تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ اس آبادی کا حکمران شاید آرسانہ کے شہنشاہ سے بھی زیادہ سنگدل ہے۔ گھڑسوار سپاہی مجھے ایک بھدی پتھروں کی عمارت کے قریب لے گئے۔ چوبی دروازے کو کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا گیا۔ اندر بہت سے لوگ موجود تھے۔ تباہ حال، بھوکے پیاسے، برہنہ جسم۔ سوکھے ہوئے ہڈیوں کے ڈھانچے۔ ان کے ساتھ کچھ قوی ہیکل لوگ بھی تھے جو کوڑے لئے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ میں اس وسیع عمارت کی بلند دیواروں کو دیکھنے لگا۔ بلاشبہ یہ قیدی یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے تھے لیکن وہ کون تھے؟ کیوں قید تھے؟ اس سلسلے میں فی الحال کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

میں پوری عمارت کی سیر کرتا رہا۔ قیدیوں میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی اور بوڑھے بھی...... سب کی حالت تباہ تھی۔ وہ قابل رحم تھے۔ پوری عمارت دیکھنے کے بعد میں ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ان قیدیوں کے سلسلے میں، میں حیران تھا۔ بہرحال میں انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ تمام قیدی بھوکے تھے۔ پورے دن انہیں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں دی گئی تھی۔ رات ہونے سے قبل کچھ لوگ عمارت کے چوبی دروازے سے اندر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے لکڑی کے برتن لٹکے ہوئے تھے جس میں ایک بدبودار سیال تھا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ قیدی لکڑی کے پیالے لے کر لائن سے بیٹھ گئے اور آنے والے تھوڑا تھوڑا سیال ان پیالوں میں ڈالنے لگے۔ میں بھی بھوکا تھا لیکن جس انداز میں یہ سیال دیا جا رہا تھا اور جو اس کی کیفیت تھی اس کے تحت میں کسی قیمت پر اسے لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

وہ لوگ میری طرف بھی آئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''تمہارا برتن کہاں ہے؟''

''یہ نیا آیا ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''اوہ...... تب پھر آج اسے بھوکا رہنے دو۔'' پہلے نے نخوت سے کہا اور وہ آگے بڑھ گئے۔ میں خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گیا۔ ابھی ان سے الجھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا تاوقتیکہ حالات معلوم نہ ہو جائیں...... اور اسی وقت میں نے درمیانی عمر کے ایک آدمی کو پکڑ لیا۔

''سنو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''میں اس قید خانے میں نیا آیا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگوں کو یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔''

اس شخص نے حیرت سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''کیا تم بھی اسی لئے قید نہیں کئے گئے۔ جس لئے ہم۔؟''

''نہیں...... میری قید کی کوئی وجہ نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''آہ...... یہ قید ہماری وفاداری کا امتحان ہے۔ ہم اس روشنی کے پجاری ہیں جو پہاڑوں میں پھوٹتی ہے۔ بے شک وہ سچ بولتا ہے۔ بلاشبہ وہ سچ کہتا ہے۔ طاآس ہماری طرح انسان ہے۔ وہ کسی کا معبود نہیں ہو سکتا۔ طاآس ایک حقیر کیڑا ہے جو بہر حال فنا ہو جائے گا۔ ہمارا گناہ یہی ہے کہ ہم طاآس کو معبود نہیں مانتے۔ ہم اسے معبود سمجھتے ہیں جو پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جو روشنی طلوع کرتا ہے۔ ہم طلوع کے پجاری ہیں اور طاآس ہمیں اپنی محکومی پر مجبور کرتا ہے۔ ہم اسے حاکم روحانی نہیں مان سکتے۔ خواہ وہ ہم میں ہر ایک کو فنا کر دے۔ا''

''کیا روشنی کے پجاریوں کی تعداد صرف اتنی ہے جتنے یہاں موجود ہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں...... جہاں جہاں طاآس کی حکومت ہے وہاں لوگوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ روشنی کو معبود سمجھنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ ہر جگہ ان کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے لیکن اہل وفا نذرانہ زندگی پیش کر رہے ہیں، کرتے رہیں گے۔'' بوڑھے نے پرجوش انداز میں کہا اور میں نے اپنے ذہن میں ایک خوشگوار سی کیفیت محسوس کی۔ میں زندگی کے ایک نئے باب سے روشناس ہو رہا تھا پروفیسر۔ یوں سمجھو مذہب کی ابتدا ہو گئی تھی۔ عقائد کے پروانوں نے اصول زندگی پر نثار ہونا سیکھ لیا تھا۔ انسانیت تشکیل پا رہی تھی۔ گو اس کی شکل بھدی اور بے خدوخال تھی لیکن ارتقا کی منازل طے ہو رہی تھیں۔ اس رات میں نے اپنا کردار تلاش کیا۔ نئے لوگوں میں خود میری اپنی پوزیشن کیا ہونی چاہئے۔ مجھے کس کا ساتھ دینا چاہئے۔ میں کسی کو معبود نہیں مان سکتا تھا۔ طاآس بھی ایک انسان تھا۔ ان قیدی انسانوں کی مانند۔ اسے بھی کوئی قید کر سکتا تھا جبکہ یہ لوگ مجھے قید رکھنے کے مجاز نہیں تھے۔ یہ جھگڑا عقائد و اقتدار کا تھا۔ میں نے اس سے دور ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان لوگوں کی مظلومیت پر تھوڑا سا افسوس ضرور ہوا تھا لیکن یہ ایک جگہ محدود نہیں تھے۔ میں انہیں کہاں کہاں سہارا دیتا۔

دوسری صبح حسب معمول تھی۔ قیدیوں سے یہاں کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ البتہ ان کی نگرانی سخت رکھی جاتی تھی۔ کوڑے بردار سپاہی ان کی ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور جب انہیں کوئی ناپسندیدہ حرکت نہ ملتی تب بے مقصد کوڑے برسانا شروع کر دیتے۔ تمام دن اسی کیفیت میں گزرا...... اور پھر شام ہو گئی۔ شام کو حسب معمول لکڑی کے برتنوں میں سیال لایا گیا۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن میں یہ سیال کسی طور پینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سپاہی سیال تقسیم کرتے رہے اور پھر وہ میرے پاس بھی پہنچ گئے۔

''تمہارا برتن کہاں ہے۔؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا اور اس سوال پر مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے اطمینان سے گرم سیال کی بالٹی سپاہی کے ہاتھ سے چھینی اور اس کے سر پر الٹ دی۔ سپاہی کی دلدوز چیخوں سے پورے قیدیوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ تب دوسرے بہت سے سپاہی میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے چاروں طرف سے کوڑے برسانا شروع کر دیئے۔ چند کوڑے کھانے کے بعد میں نے دو سپاہیوں کے کوڑے پکڑ کر انہیں جھٹکا دیا اور اپنے قریب کھینچ لیا۔ ان دونوں کی گردنیں میرے آہنی ہاتھوں کے شکنجوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ سپاہی انہیں میری گرفت سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں نے انہیں اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک ان کی زبانیں باہر نہ لٹک گئیں۔ ان دو آدمیوں کی موت پر سپاہی

براَنگیختہ ہو گئے۔ انہوں نے ہتھیاروں کا استعمال شروع کر دیا لیکن یہ بھی ان کی بدبختی تھی۔ انہوں نے ہتھیاروں سے میرے اوپر حملہ کر کے مجھے ہتھیار فراہم کر دیئے تھے چنانچہ ایک سپاہی کی چوڑی تلوار میرے ہاتھ آ گئی...... اور میں نے قید خانے کو سپاہیوں کا مقتل بنا دیا۔ بدحواس قیدی چیختے چلاتے کونوں کھدروں میں چھپ رہے تھے۔

قید خانے کا ایک ایک سپاہی میرے ہاتھوں قتل ہو گیا تو میں اپنی خون آلود تلوار لہراتا ہوا قید خانے سے باہر نکل آیا۔ دوسرے قیدیوں کو قید خانے سے باہر نکلنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ میں قید خانے سے تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ سپاہیوں کا ایک غول سامنے سے آتا نظر آیا اور میں تلوار لے کر تیار ہو گیا۔ لیکن پھر میں نے کچھ اور سوچا۔ میں نے سوچا دیکھوں تو یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے دوبارہ مجھے اسی قید خانے میں لے جانے کی کوشش کی تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔ ہاں اگر مجھے طاآس کے سامنے پیش کیا تو ٹھیک ہے۔ اس طرح کم از کم مجھے اس سے ملاقات کا تو موقع ملے گا۔ سپاہیوں نے میرے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا اور مجھے تلوار پھینک دینے کا حکم دیا۔ میں نے تلوار پھینک دی۔ تب وہ گھوڑوں سے اترے اور مجھے رسیوں سے باندھ لیا۔ یہ رسیاں میرے لئے کچے دھاگوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔ اس بار مجھے اس قید خانے میں تو نہیں لے جایا گیا لیکن ایک دوسرے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے سوچا۔ اس قید خانے میں، میں تنہا تھا اس کی دیواریں بھی بہت مضبوط تھیں لیکن اب مجھے بھوک ستا رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس بھوک سے کیسے نجات حاصل کروں لیکن اس کے لئے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ مسلح سپاہیوں کا پورا دستہ قید خانے پر پہنچ گیا اور مجھے قید سے نکال دیا گیا۔ اس بار مجھے ایک گھوڑے کی پیش کش کی گئی تھی۔ میں گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سپاہی مجھے لے کر چل پڑے۔ جہاں ہم پہنچے وہ شہنشاہ طاآس کا محل تھا۔ ایک طویل رقبے کا احاطہ کئے ہوئے یہ محل بھدے طرز تعمیر کا نمونہ تھا۔ تاہم قیمتی سامان سے آراستہ۔ عظیم الشان دروازے سے گزر کر ہم ایک چوڑی روش کو عبور کرتے ہوئے ایک اور دروازے کے سامنے پہنچے۔ اس دروازے کے دوسری طرف طاآس کا دربار لگا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ باادب بیٹھے تھے۔ کچے فرش پر جانوروں کی کھالوں کا فرش بچھا ہوا تھا جو طاآس کے تخت تک چلا گیا تھا۔ طاآس کے قریب اس کی پانچ بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور پروفیسر...... یہ سب کی سب جوان اور خوبصورت تھیں۔ میں نے دور سے انہیں دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خود طاآس ایک قوی ہیکل جسم کا مالک اور خطرناک شکل کا آدمی تھا۔ یہ وہ شخص نہ تھا جسے فصیل پر دیکھ کر میں نے شہنشاہ سمجھا تھا۔ اس کی گہری نگاہیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ سپاہی مجھے لے کر اس کے سامنے پہنچ گئے اور پھر ایک سپاہی نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر سخت آواز میں کہا۔

''جھک جا احمق انسان۔ جھک جا طاآس کے سامنے۔!'' لیکن سپاہی کے بازو کی طاقت مجھے جھکا نہ سکی۔ البتہ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے زمین سے اٹھایا اور دور اچھال دیا۔

طاآس کی نگاہوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ بلند کیا اور تمام سپاہی پیچھے ہٹ گئے تب طاآس کی آواز گونجی۔

''تم کون ہو جوان...... کیا تمہارا تعلق ہماری قلمرو سے نہیں ہے؟''

''کیا تم شہنشاہ ہو۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہ صرف شہنشاہ...... بلکہ تمہاری قسمتوں کا مالک بھی۔''

''تب شاید تم نے میرا رزق بھی ختم کر دیا ہے۔ میں تین روز سے بھوکا ہوں۔'' میں نے ازراہ تمسخر کہا۔

''اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ تم نے ہماری معبودیت تسلیم نہیں کی۔''

''جس معبودیت کی ابتداء فاقہ کشی سے ہو اسے کون تسلیم کر سکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور شہنشاہ لاجواب ہوکر درباریوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں سرکشی کے باوجود زندگی دی گئی ہے۔''

''زندگی کا تعلق پیٹ سے بھی ہے شہنشاہ۔ یہ انوکھی زندگی میری سمجھ میں نہیں آئی۔!'' میں نے بیباکی سے کہا اور شہنشاہ کی تقریباً تمام بیویاں مسکرا اٹھیں۔ درباریوں کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آئی اور غائب ہوگئی۔

''تمہیں اس گستاخی کی سزا موت بھی دی جاسکتی ہے۔''

''تب میری خواہش ہے شہنشاہ...... کہ مجھے غذا میں زہر دے کر مار دیا جائے۔ میں بھوکے پیٹ موت قبول نہیں کروں گا اور شاید تمہیں علم ہو چکا ہو کہ تمہارے سپاہی مجھے قتل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔''

''تمہارا غرور ابھی خاک میں مل جائے گا۔'' شہنشاہ نے گرجدار آواز میں کہا اور پھر اس نے ایک درباری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اسے خوراک مہیا کرو۔''

شہنشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی اور میں نے سکون کا سانس لیا۔ بھنا ہوا بکرا، موٹی موٹی روٹیاں اور دوسری چیزیں۔ خاصی عمدہ خوراک تھی۔ تین دن کی بھوک کے بعد اس میں سے کچھ باقی بچانے کی گنجائش نہیں تھی۔ دربار عام میں گویا خوش خوراکی کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں، میں نے سب کچھ صاف کر دیا...... اور پھر شہنشاہ کی شکل دیکھی۔ وہ اپنی بیویوں سے کچھ کھسر پسر کر رہا تھا۔ جب میرے سامنے سے برتن ہٹ گئے تو شہنشاہ نے مجھ سے سوال کیا۔

''اب ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ جوان۔ تم کون ہو؟''

''اگر اسی طرح کھانا مہیا کرتے رہو تو تمہارا دوست۔'' میں نے جواب دیا۔

''تمہاری موت ہی آگئی ہے بے وقوف نوجوان۔ تم شہنشاہ سے دوستی کا اظہار کر رہے ہو۔ وہ عظیم ہے۔ وہ طاقتور ہے۔ اس کے ایک اشارے پر تمہاری گردن اڑائی جاسکتی ہے۔'' ایک درباری نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''یہی تمام خصوصیات مجھ میں ہیں۔ میں عظیم ہوں۔ میں طاقتور ہوں اور کس کی ہمت ہے جو میری گردن اڑا دے''۔ میں نے جواب دیا۔

''ہم نے سنا ہے کہ تم نے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ ہم تمہاری طاقت کا امتحان لیں گے۔''

''اب میں ہر امتحان کے لئے تیار ہوں شہنشاہ۔'' میں نے جواب دیا اور شہنشاہ نے ایک طرف ہاتھ کر کے کوئی اشارہ کیا۔ چند لمحات کے بعد تین دیو پیکر انسان ایک دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ ان کے اوپری جسم برہنہ تھے۔ نچلے جسم پر انہوں نے عجیب ساخت کے زیر جامے پہن

رکھے تھے جن پر کمر کے قریب رسی بندھی ہوئی تھی۔ ان تینوں کے جسم فولاد سے ڈھلے ہوئے تھے۔ سر بہت بڑے بڑے اور گنجے تھے۔ گردنیں شانوں سے ملی ہوئی تھیں۔

''اس کے جسم کا ایک ایک عضو علیحدہ کر دو۔'' شہنشاہ نے حکم دیا اور وہ تینوں میرے گرد آ گئے۔ وہ لڑاکا مرغوں کی طرح گردنیں جھکائے ہوئے تھے پھر ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ اس کے انداز میں لاپرواہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں قوی ہیکل بازو پھیلائے اور مجھے ان میں دبوچنے کی کوشش کی۔ میرا موڈ بھی بہت خوشگوار تھا۔ میں نے اس کے پھیلے ہوئے بازوؤں پر توجہ نہ دی البتہ میں نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے اس کا گنجا سر پکڑ لیا۔ اور پھر تھوڑی سی قوت صرف کرنے سے اس کا سر اخروٹ کی طرح تڑخ گیا۔ اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکلی اور اس کا بھیجہ خون میں شامل ہو کر باہر نکل آیا۔

تمام درباری دم بخود رہ گئے تھے لیکن دوسرے پہلوانوں نے اپنے ساتھی کے حشر سے عبرت نہ حاصل کی۔ وہ ذہنی طور پر بھی پہلوان ہی تھے۔ دونوں بیک وقت میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ دوسرے لمحے ان کی گردنیں میری بغلوں میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ پوری قوت صرف کر کے میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کئی منٹ تک میں نے انہیں موقع دیا اور جب اس دلچسپ کھیل سے میری طبیعت اکتا گئی تو میں نے دونوں کے سر پوری قوت سے ٹکرا دیئے۔ دونوں جنگلی بھینسوں کی طرح چیخے۔ ان کی کھوپڑیاں خون اگل رہی تھیں...... درباری خوفزدہ انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔

اور شہنشاہ...... اس کے اوپر بھی برا وقت آ گیا تھا۔ وہ منہ پھاڑے کھڑا تھا...... اور اسی عالم میں کئی منٹ گزر گئے۔ تب میں آگے بڑھا اور شہنشاہ نے خوفزدہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری دوستی کو قبول کرتا ہوں...... بے شک تم میری دوستی کے قابل ہو۔'' میں نے تمسخرانہ انداز میں شانے جھکا کر اسے تعظیم دی اور سیدھے کھڑے ہو کر درباریوں کی طرف دیکھا۔ درباریوں کی اب بھی بری حالت تھی۔ تب شہنشاہ تیزی سے ایک دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی بیویاں بھی اس کے پیچھے لپکیں۔ شہنشاہ دروازے میں غائب ہو گیا۔ درباری البتہ اب بھی میرے سامنے کھڑے تھے۔

''کیا حکم ہے میرے لئے دوستو۔!'' میں نے پوچھا اور ایک بوڑھا میرے قریب آ گیا۔

''تم...... تم شہنشاہ کے دوست ہو۔ ہمارے لئے قابل احترام۔ ہمارے ساتھ آؤ۔ ہم تمہیں دوستوں کے مقام پر پہنچا دیں۔'' اور میں ان کے ساتھ چل پڑا۔

بہت ہی خوبصورت تھا یہ دوستوں کا مقام پروفیسر۔ سبزہ زار سے لدا ہوا...... پھولوں سے ڈھکا ہوا...... چھوٹی سی خوبصورت عمارت مجھے بہت پسند آئی تھی اور میں اس نئی دنیا میں آ گیا۔ کئی خادم میری خدمت پر مامور کر دیئے گئے۔ ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔ یہاں مجھے جو حالات پیش آئے تھے ان میں سے کچھ تکلیف دہ ضرور تھے لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ جگہ دلچسپ محسوس ہو رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہاں بھی بہت جلد اپنے لئے جگہ بنا لوں گا۔ بہر حال آرسانہ کی اکتا دینے والی زندگی سے یہ زندگی خاصی بہتر تھی۔

میں نے کافی وقت غور و خوض میں گزارا۔ سچ پوچھو پروفیسر۔ آرسانہ والوں نے مجھے سورج کا بیٹا سمجھا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک مذہبی

حیثیت دی تھی۔ گو میں نے اس کی تردید نہیں کی تھی لیکن میری خواہش بھی نہیں تھی کہ وہ کسی دیوتا کی طرح میری پوجا کریں۔ ان کا احترام میں نے ضرور قبول کیا تھا لیکن ان کا پیشوا بننے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ حالانکہ اگر میں چاہتا تو یہ ڈھونگ بخوبی رچایا جا سکتا تھا...... لیکن مجھے ایسے کسی ڈھونگ سے دلچسپی نہیں تھی۔ میری شخصیت تو خود میرے ذہن میں الجھی ہوئی تھی۔ جب بھی میں نے کبھی خود پر غور کیا میرے ذہن میں ویرانیاں امڈ آئی تھیں اور میں ان ویرانیوں سے بہت خوف کھاتا ہوں پروفیسر۔ اس لئے میں اپنے بارے میں کبھی نہیں سوچتا۔ مذاہب کے بے شمار ادوار گزرے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ذاتی خود نمائی کے لئے مذاہب ایجاد کئے۔ کچھ نے دیوانگی میں عجیب عجیب دعوے کئے۔ کچھ لوگ انسانیت کی بھلائی کے لئے سامنے آئے۔ کچھ حقیقی مذہب لے کر آئے۔ میں نے کبھی مذاہب کا تجزیہ نہیں کیا۔ یوں سمجھو میں نے اپنی طویل زندگی میں صرف ایک شعبہ چھوڑ دیا۔ میں نے مذاہب کی گہرائی نہیں ناپی۔ ہاں انسانیت کی قدریں مجھے پسند ہیں۔ جو مذہب انسانیت کی بھلائی کا درس دیتا ہے وہ میرے نزدیک محترم ہے۔ چنانچہ طاآس کی دیوانگی سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان لوگوں کی ضد سے بھی مجھے کوئی لگاؤ نہیں تھا جو روشنی کے پجاری تھے۔ اگر وہ طاآس کی خدائی تسلیم کر لیتے تو ان پر نعمتوں کی بارش ہو جاتی۔ یہ ان کا اور طاآس کا جھگڑا تھا۔ جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور میرے خیال میں جھگڑا انہیں خود ہی طے کرنا چاہئے تھا۔

میری خوب خاطر مدارت کی گئی۔ بہترین قسم کا گوشت پھل وغیرہ میرے لئے آتے رہے۔ پھر تیسرے روز طاآس کے پاس میری طلبی ہوئی۔ میں بے تکلفی سے سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ طاآس نے مجھے اپنے خاص محل میں بلایا تھا۔ اس کی دو رانیاں اس کے پاس موجود تھیں۔ میں مسکراتا ہوا اس کے سامنے پہنچ گیا۔ طاآس نے مجھے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن پھر اسے اپنی حیثیت کا خیال آ گیا اور وہ سنبھل گیا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے ایک تخت کی طرف اشارہ کیا جو اس کے عین سامنے تھا۔

''میں نے دونوں رانیوں کو سرسری نگاہ سے دیکھا تھا۔ ویسے ان میں سے ایک مجھے پسند آئی تھی۔ یہ ایک سانولے رنگ کی دراز قامت عورت تھی اور پروفیسر...... میں نے اس کی نگاہوں میں پسندیدگی کے جذبات پائے تھے۔ مجھے لانے والے واپس چلے گئے تو طاآس نے اپنے کمرہ خاص کا دروازہ بند کر دیا اور پھر میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔

''تمہارا نام کیا ہے بہادر۔''

''کوئی نام نہیں ہے۔ جس نے جو دل چاہے نام دیا ہے۔ تم بھی اپنی پسند کا کوئی نام مجھے دے سکتے ہو۔''

''کہاں کے باشندے ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ میری قلمرو سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمہارے خدوخال مختلف ہیں۔''

''اسی زمین پر ہوش سنبھالا ہے۔ تم نے زمین کی حد بندی کی ہے لیکن میں اس پوری زمین کو اپنی ملکیت سمجھتا ہوں۔ تم مجھے زمین کا باشندہ کہہ سکتے ہو۔''

''تمہارے لہجے میں دوستی کی بو نہیں ہے۔''

''دشمنی کے خیال کو ذہن سے نکال دو۔ جو کچھ ہوا وہ فطرت کے مطابق تھا۔ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور جب دشمن نہیں ہوتے تو دوست

ہوتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور طاآس پریشان نگاہوں سے اپنی بیویوں کو دیکھنے لگا۔ تب سانولی عورت مسکرائی اور اس نے شیریں لہجے میں کہا۔

"پھر بھی دنیا تمہیں کسی نام سے تو پکارتی ہوگی۔ تم اس زمین کے کون سے حصے سے یہاں آئے ہو۔؟"

"میں ان دونوں باتوں کا جواب دے چکا ہوں اور جو کچھ کہہ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا یہ درست ہے کہ تم طاآس کی قلمرو کے باشندے نہیں ہو۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔ میں بہت دور سے آیا ہوں"۔ میں نے ذہین عورت کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اسے دیکھا۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"تم دوستوں کے وفادار رہتے ہو بہادر۔؟"

"بے شک...... بشرطیکہ میرے دوست خود کو میری دوستی کا اہل ثابت کر دیں۔"

"کیا تمہیں طاآس کی قوت کے بارے میں معلوم ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی فوجوں نے دشمنوں کے سر ہمیشہ جھکائے ہیں۔؟"

"میں صرف ذاتی قوت کا قائل ہوں اور اس طرح میں طاآس سے زیادہ طاقتور ہوں۔"

"ہم اب بھی تمہاری باتوں کا برا نہیں مانیں گے نوجوان۔ کیونکہ تم نے خود کو بہادر ثابت کر دیا ہے اور ہم بہادروں کی عزت کرتے ہیں۔ ہم انہیں ان کی بہادری کے مطابق مرتبہ دیتے ہیں۔ تم ہمارے دوست ہو۔ ہمارے ملک کے بہی خواہ ہو۔ ہمیں تمہاری دوستی عزیز ہے۔" طاآس نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔

"بے شک میں تمہارا دوست رہوں گا۔" میں نے کہا۔

"بتاؤ ہم کس طرح خود کو تمہاری دوستی کا اہل ثابت کریں۔ مانگو ہم سے کچھ مانگو۔ ہم معبود ہیں۔ ہم قادر ہیں۔ ہم تمہیں سب کچھ بخش سکتے ہیں۔" شہنشاہ نے کہا اور میں اسے دیکھنے لگا۔

"مانگ لو نوجوان بے شک جو چاہو مانگ لو۔ میں جانتی ہوں شہنشاہ بے حد فراخ دل ہیں۔ وہ بخش دیتا ہے اسے سب کچھ جسے وہ چاہتا ہے۔" خوبصورت عورت نے کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں آہستہ آہستہ شہنشاہ کی طرف بڑھا اور پھر میں نے خوبصورت عورت کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ عورت مجھے دے دو شہنشاہ۔" میں نے کہا اور عورت کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ شہنشاہ اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں خون کا سیلاب موجزن نظر آیا۔ وہ خوفناک نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا لیکن میں لاپرواہی سے مسکرا رہا تھا۔ عورت کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور اس نے میری گرفت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شہنشاہ خونی نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ اس کے خدوخال اعتدال پر آ گئے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "اس کے جواب میں ہمیں کیا دو گے بہادر۔"

"اپنی دوستی۔ جو تمہارے لئے بے حد قیمتی شے ہوگی۔"

''دوست، دوست کو مایوس نہیں کرتا۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے۔؟''

''ہاں۔ میں جانتا ہوں۔''

''تب لتا کا آج سے تمہاری ہے۔ یہ تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔'' اس نے کہا اور میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے تعظیم دی۔ تب میں نے عورت کی آنکھوں میں جھانکا اور اس کی نگاہوں کی گہرائیوں میں تردد نہ پا کر سکون کی سانس لی۔ وہ اس بخشش سے ناخوش نہیں تھی۔

''ہم آرام چاہتے ہیں۔ تم بھی آرام کرلو جوان۔ لتا کا آج رات تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔'' اور میں واپس پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی قیام گاہ پر آ گیا لیکن دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ میری دوستی مغرور شہنشاہ کو بہت مہنگی پڑی تھی لیکن اس کے باوجود میں چوکنا تھا۔ میں لمبی گردن والے شہنشاہ کو نہیں بھول سکا جس نے میرے ساتھ بائیسا اپنی بیٹی کو بھی آگ میں جھونک دیا تھا۔ طاآس اس بھی کم نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال مجھے اپنی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ شہنشاہ طاآس مجھ سے خوش نہیں ہے۔ یہاں اسے مجھ سے نقصان کے علاوہ کیا ملا تھا۔ نہ جانے اس نے میری دوستی کیوں قبول کرلی تھی۔ بہرحال یہ واقعات مختلف انداز کے تھے اس لئے میں ان میں پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ میں بے چینی سے رات کا انتظار کرتا رہا اور پھر جونہی دن کی روشنی نے سیاہ چادر اوڑھی۔ لتا کا حسین لباس میں میرے پاس پہنچ گئی۔ اس کے وجود میں انوکھی مہک تھی۔ وہ شرمائی شرمائی سی تھی اور اس کی آنکھوں کا یا اجنبی اجنبی سا حجاب مجھے بے حد پسند آیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔

''بے شک طاآس وعدے کا پابند انسان ہے۔ میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ کیا تمہیں میری طلب سے دکھ ہوا ہے لتا کا۔''

''نہیں۔'' اس نے گردن ہلاتے ہوئے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ ''لیکن تم نے مجھے ہی کیوں طلب کیا جبکہ تمہاری طلب پر ایک سے ایک حسین لڑکی تمہارے حوالے کی جاسکتی تھی۔''

''مجھے تم اسی وقت پسند آگئی تھیں جب پہلی بار مجھے شہنشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔''

''میں نے بھی تمہیں پسند کیا تھا لیکن تم میری دسترس سے بہت دور تھے۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ میری خواہش اس طرح پوری ہو جائے گی۔'' اس نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو میں بہت خوش ہوں۔ ہاں۔ اگر تمہیں میری اس مانگ سے افسوس ہوتا تو میں اپنے الفاظ واپس لے سکتا تھا۔''

''نہیں۔ تم بے حد حسین ہو۔ بے پناہ طاقتور اور بہادر...... لیکن اس کے ساتھ ظالم اور سنگدل بھی ہو۔''

''وہ کیوں۔؟'' میں نے پوچھا اور وہ اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔

''تم کسی کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔''

''کس طرح اندازہ لگایا۔؟''

''میں بھی تمہارے نام سے ناواقف ہوں۔ مجھے بھی نہیں معلوم تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔؟''

''اگر میں اپنے بارے میں تمہاری بستی کو بتادوں تو طاآس کی شہنشاہیت، اس کی معبودیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس وقت میں معبود

کہلانے کا صحیح حقدار ہوں گا لیکن میں ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ رہا نام کا سوال تو میں نے درست کہا تھا۔ میرا کوئی نام نہیں ہے۔ دنیا مجھے اپنے پسند کے نام دیتی رہی۔ کسی نے مجھے توسا کہا ہے، کسی نے لاتوئی، کوئی مجھے آسمان کا بیٹا کہتا رہا ہے تو کوئی سورج کا بیٹا۔ میں جاننا چاہتا ہوں تم مجھے کیا کہو گی۔؟"

"صرف بہادر۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھیں شراب برسانے لگیں۔ آکاشا کی موت کے بعد یہ پہلی عورت تھی جو میری خلوت میں آئی تھی۔ میں خود پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ وہ ہر معاملے میں میری شریک تھی اور طویل عرصے کے بعد مجھے لاکا یاد آئی۔ لاکا جیسی گرم جوشی مجھے اس عورت میں ملی تھی اور یقیناً میں لتاکا کے لئے انوکھا مرد تھا۔ اس نے ایک مصنوعی معبود کو دیکھا تھا جو جنسی معاملات میں بھی اپنی معبودیت برقرار رکھتا تھا۔ اور ظاہر ہے لتاکا کو یہ معبودیت پسند نہ ہوگی۔ وہ میری پرجوش فطرت سے حیران رہ گئی۔ تب وہ مجھے بے پناہ چاہنے لگی۔ صرف ایک رات نے طاآس کی معبودیت ختم کر دی۔ وہ اسے بھول کر میری دیوانی ہوگئی اور رات کے آخری پہر میں، میرے سینے سے لپٹے ہوئے اس نے بتایا۔

"بہادر۔ کیا تم مجھے معاف کر دو گے۔ اگر میں تمہیں ایک راز بتا دوں۔؟"

"میں نے تمہیں بتانے سے پہلے معاف کر دیا۔ اب بتاؤ کیا راز ہے۔!"

"میں خلوص نیت سے تمہارے پاس نہیں آئی تھی۔"

"کیا تمہارے لباس میں کوئی خنجر پوشیدہ ہے۔"

"خنجر نہیں۔ البتہ میرے سینے میں طاآس کا ایک پروگرام پوشیدہ ہے۔ اس کی دوستی بے غرض نہیں ہے۔"

"کیا چاہتا ہے وہ مجھ سے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ تمہارے ذریعے آگناس کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمہاری طاقت سے بہت مرعوب ہے لیکن آگناس کی گرفتاری کا تصور بھی موت کے مترادف ہے۔ وہ انسان نہیں ہے۔"

"آگناس کون ہے۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"طاآس کا سب سے بڑا مخالف۔ الکورہ کا سب سے بڑا باغی جس نے طاآس کی فوجوں کے منہ پھیر دیئے ہیں۔"

"کیا وہ بہت طاقتور ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ سنا ہے کہ اس نے تنہا اس کی پوری فوج کو شکست دی ہے...... اور اب طاآس کی فوج کے بڑے بڑے سورما اس کی گرفتاری سے دبک جاتے ہیں۔ طاآس کسی سورما کو اس کی گرفتاری کے لئے تیار نہیں کر سکا ہے۔"

"تب وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔؟"

"اس کی خواہش ہے کہ میں تمہیں چالاکی سے کام لے کر آگناس کی گرفتاری پر آمادہ کر لوں۔ ممکن ہے تم آگناس کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکو تو مارے جاؤ گے اور طاآس کے مقابلے کی دوسری طاقت فنا ہو جائے گی۔"

''ہوں۔'' میں سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر میں گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''قصور صرف طاآس کی نیت کا ہے۔ اگر وہ مجھے ایک دوست کی حیثیت سے کام سونپتا تب بھی کوئی ہرج نہیں تھا۔ میں اس کی خواہش کی تکمیل کرتا۔''

اس نے اسی لئے مجھے تمہارے حوالے کر دیا ہے۔ میرا کام صرف یہ تھا کہ میں تمہیں اس کے لئے تیار کرلوں۔ اگر تم آگناس کو گرفتار کر لاتے تو وہ مجھے تمہارا انعام سمجھ لیتا اور اگر تم آگناس کے ہاتھوں مارے جاتے تب بھی طاآس کے لئے سودا برا نہیں تھا۔''

''میں کہہ چکا ہوں۔ صرف اس کی نیت کا قصور ہے۔ جسے میں معاف کرتا ہوں بے شک وہ صاف دل دوست نہیں ہے لیکن اس نے تمہیں مجھے دے کر میرے اوپر ایک قرض لاد دیا ہے۔ میں اس قرض کو آگناس کی صورت میں اتار دوں گا۔''

''نہیں بہادر۔ میں نہیں چاہتی۔ اب میں نہیں چاہتی کہ تم آگناس کو گرفتار کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔''

''کیوں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''جو کچھ میں نے اس کے بارے میں سنا ہے۔ وہ اچھا نہیں ہے۔ آگناس شیطان ہے۔ بہت سی بری بلائیں اس کے قبضے میں ہیں۔ وہ انسان نہیں ہے۔ اسے گرفتار کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔''

''میرے دل میں اس سے ملاقات کا اشتیاق بڑھ گیا ہے۔ سنو۔ تم طاآس کو اپنی کامیابی کی داستان سنا دو۔ میں آگناس کی گرفتاری کے لئے روانہ ہونے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن ایک شرط ہوگی۔ وہ یہ کہ تم میرے ساتھ جاؤ گی۔''

''نہیں بہادر۔ نہیں۔ اب میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں کبھی اس بات پر آمادہ نہ ہوں گی۔ سنو۔ ہم ایک ترکیب کرتے ہیں۔ تم آگناس کی گرفتاری کا وعدہ کرلو۔ مجھے ساتھ لے چلو۔ ہم یہاں سے چلیں گے، فوج ہمارے ساتھ ہوگی لیکن راستے سے ہم فرار ہو جائیں گے اور طاآس کی سرحدوں سے اتنی دور نکل جائیں گے۔ جہاں طاآس کے فوجی ہمیں تلاش نہ کرسکیں۔!'' اس نے میرے سینے سے منہ رگڑتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔

''کیوں؟ تم ہنس کیوں رہے ہو بہادر؟'' لتا کا نے اپنا رخسار میرے سینے پر رکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔

''احمق طا آس کی بدنصیبی پر ہنس رہا ہوں۔ اس کی سازش کس طرح ناکام ہورہی ہے۔ بیوی بھی گئی اور مقصد بھی پورا نہ ہوسکا۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہ احمق نہیں ہے بہادر۔ پوری دنیا میں اس سے زیادہ شریر، اور وحشی انسان نہ ہوگا۔ اس نے ایسے خطرناک جال پھیلا رکھے ہیں کہ جن سے اس کے دشمن پناہ مانگتے ہیں۔ وہ خود کو معبود کہتا ہے۔ انسانوں کی قسمت کا مالک کہتا ہے اور اس دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس ایسے لوگ ہیں جو اس کی ہر پیش گوئی کو حقیقت بنا دیتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے بارے میں جانتی ہوں۔ لیکن دوسرے لوگ اس کی خدائی قوتوں کے قائل ہوجاتے ہیں اور اس سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ صرف قوت کی برتری تسلیم کرتا ہے۔ اسے احساس ہے کہ تم بے پناہ طاقتور ہو۔ اور اس کی کوئی کوشش تمہیں شکست نہیں دے سکے گی۔ اس لئے دیکھو، اس نے کس چالاکی سے تمہیں راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا ہے اگناس کی گرفتاری ناممکنات میں سے ہے۔ وہ جو کچھ ہے اس سے مقابلے کے لئے منتخب کیا۔ دونوں میں سے کوئی ہلاک ہوجائے اس کا بہرحال فائدہ ہے۔ کیا اس کے بعد بھی تم اسے احمق کہو گے؟''

''ہاں؟'' میں نے جواب دیا۔

''آخر کیوں؟'' لتا کا نے میری گردن میں باہیں ڈال کر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس لئے لتا کا، کہ اس نے اس معاملے میں تمہیں رازدار بنایا ہے، اور اتنی بڑی ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ڈال دی۔ اس نے یہ نہ سوچا کہ تم میری محبت کا شکار بھی ہوسکتی ہو اور مجھے یہ سب بتا سکتی ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور لتا کا لاجواب ہوگئی۔ واقعی اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''تاہم۔!'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔'' میں اسے خوش ہونے کا موقع ضرور دوں گا۔ اور تم..... لتا کا اسے خوشخبری سناؤ گی کہ تم نے اپنا کام کامیابی سے انجام دیا ہے۔ میں اگناس کو گرفتار کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''لیکن، ہم اگناس کو گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، بلکہ فرار ہوجائیں گے۔''

''نہیں لتا کا..... ہم اسے گرفتار کرکے طا آس کے سامنے ضرور پیش کریں گے۔'' میں نے کہا اور لتا کا پریشانی سے میری شکل دیکھنے لگی۔!

''ضد نہ کرو بہادر..... ضد نہ کرو..... میں تمہیں پیار کرتی ہوں۔''

''غلط..... اگر پیار کرتی ہو تو پھر موت سے کیوں ڈرتی ہو۔ اگر اگناس گرفتار نہ ہوسکا، تو زیادہ سے زیادہ ہم مارے جائیں گے۔'' میں نے کہا اور لتا کا خاموش ہوگئی۔

صبح ہوتے ہی لتا کا چلی گئی، دوسری رات کو واپس آنے کا وعدہ کرکے۔ اور میں مسکراتے ہوئے اگناس کے بارے میں سوچنے لگا.....

دراصل پروفیسر...... میں اب زندگی کو رواں دواں رکھنا پسند کرتا تھا۔ طویل وقت گزر جانے سے میرے ذہن پر کھولت سی طاری ہوگئی تھی اور یہ کھولت اسی شکل میں دور ہوسکتی تھی کہ میں متحرک رہوں...... میرے اوپر جمود نہ طاری ہوسکے۔ اگناس کتنا ہی طاقتور ہوا گر وہ اس دنیا کا انسان ہے۔ تو میرے مقابلے پر نہ رک سکے گا۔ اور اگر وہ بھی میری طرح کوئی مافوق الفطرت شخصیت ہے تو پھر مقابلہ دلچسپ رہے گا...... بہرحال میں اسے ملنے کا متمنی تھا!

دوپہر کو طاآس کے خاص ملازم میرے لئے خلعت فاخرہ لائے طاآس نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دی تھی۔ میں نے طاآس کا بھیجا ہوا قیمتی لباس پہنا اور پوری طرح سج بن کر طاآس کے خاص محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں مجھے دیکھنے والے حیرت سے انگلیاں کاٹنے لگتے تھے۔ بلاشبہ میں اس وقت روئے زمین کا سب سے حسین، سب سے شاندار انسان لگ رہا تھا۔ قیمتی جواہرات کا عکس میرے چہرے کے آتشی رنگ پر قوس وقزح کی طرح دمک رہا تھا۔ اور جب میں طاآس کے کمرہ طعام میں پہنچا، تو طاآس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کی تمام رانیاں آنکھیں اور منہ پھاڑے مجھے دیکھتی رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں حسرت امنڈ آئی اور ایک کونے میں کھڑی ہوئی لتاکا، ان سب کی کیفیت دیکھ کر پرغرور انداز میں مسکرانے لگی، شہنشاہ طاآس احساس کمتری کا شکار ہوگیا تھا...... تاہم اس نے خود کو سنبھالا، اور اپنے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

”خوش آمدید اجنبی بہادر...... خوش آمدید ہمارے دوست۔ اور خوش آمدید اگناس کے قاتل...... ہاں...... میں تیری پیشانی پر چمکدار ستارے رقصاں دیکھ رہا ہوں...... یہ ستارے فتح کی نشاندہی کرتے ہیں...... یہ ستارے عظمت کی راہبری کرتے ہیں...... ہماری آنکھیں زمین کی گہرائیوں اور آسمان کی بلندیوں کا ہر راز جانتی ہیں اور ہم فطرت کے ان مقدس رازوں میں سے ایک راز کا انکشاف کرتے ہیں کہ فاتح ہے...... ہمیشہ فاتح رہے گا...... شکست تیرے دامن تک کبھی نہ پہنچے گی...... آ...... ہم تیرا استقبال کرتے ہیں۔“

وہ کھڑا ہوگیا...... اور اس کی تمام رانیاں اس کے ساتھ کھڑی ہوگئیں۔ تب میں آگے بڑھا اور اس کے مقابل پہنچ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں اس کی گرمجوشی کا راز خوب جانتا تھا پروفیسر...... شاید لتاکا نے اسے میری آمادگی سے آگاہ کر دیا تھا۔ پھر اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور میں دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ لتاکا میرے برابر آبیٹھی...... طاآس کی دوسری تمام رانیاں طاآس کے دونوں طرف بیٹھی تھیں اور میری نگاہیں یونہی طاآس کے نزدیک بیٹھی سیاہ آنکھوں والی ایک کمسن رانی کی طرف اٹھ گئیں...... ہاں پروفیسر...... ان سیاہ آنکھوں میں رقابت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ سیاہ آنکھیں حسد سے تلملا رہی تھیں۔ میں نے ان آنکھوں میں اجنبی چمک دیکھی لیکن اس وقت ان کا مفہوم نہیں سمجھ سکا لیکن سیاہ آنکھوں والی رانی بڑی ہی خوبصورت تھی۔ طاآس کی دوسری تمام رانیوں سے خوبصورت اور ان سب سے کمسن!

لیکن دیکھنے کے قابل چہرہ اس لتاکا کا تھا جو میرے قرب سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ دوسری تمام رانیوں کے چہرے اس کے سامنے پھیکے نظر آرہے تھے۔ لیکن رنگین لباس والے خادموں نے ہمارے سامنے لذیذ کھانوں کے خوان رکھ دیئے اور ہم کھانے میں مشغول ہوگئے۔ بڑی پرلطف محفل رہی، خوب کھایا اور پھر کھانے کے بعد طاآس اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر جوڑے اور پھر انہیں دونوں سمت گرا لیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ تخلیہ چاہتا تھا البتہ اس نے لتاکا کی طرف انگلی اٹھا دی تھی۔

تمام رانیاں ایک ایک کر کے طعام کے کمرے سے نکل گئیں اور اب کمرے میں صرف میں، طاآس اور لتاکا رہ گئے تھے۔ تب طاآس نے محبت سے میرا بازو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے لتاکا کا بازو پکڑا اور طعام کے کمرے سے ملحق دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ ایک خوبصورت نشست گاہ تھا۔ قیمتی ساز و سامان سے آراستہ......! طاآس نے زرنگار کرسیوں پر ہم دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ہمارے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ بغور میری شکل دیکھ رہا تھا پھر اس نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

''لتاکا نے مجھے ایک عجیب خبر سنائی ہے اور میں اس حقیقت سے انحراف نہیں کر سکتا کہ یہ خبر میرے لئے دلکش بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔ اس خبر سے میں نے لتاکا کی ذہانت کا اعتراف بھی کیا ہے اور تمہاری دلیری اور احسان شناسی کا بھی اور نہ جانے کیوں مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگناس صرف تمہارے ہاتھوں شکست کھا سکتا ہے...... چنانچہ پہلے مجھے یہ بتاؤ نوجوان کہ کیا یہ خبر صحیح ہے۔؟'' طاآس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

میں دل ہی دل میں اس کی مکاری پر مسکرا رہا تھا تاہم میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''لتاکا نے تمہیں کیا بتایا ہے طاآس؟''

''ہاں۔ میں تمہیں بتاؤں گا بہادر شخص۔ سنو۔ ہماری قلمرو زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلی ہوئی ہے اور غور سے سنو۔ ہم براہ راست آسمان سے ماں کے پیٹ میں اترے تھے۔ ہمارا کوئی باپ نہیں ہے اس کی تصدیق مقدس بزرگ کر دیں گے...... ہم دوسروں سے افضل ہیں جسے سب نے تسلیم کیا اور بزرگوں نے اس کی تصدیق کی۔ گردش کائنات ہمارے قبضے میں ہے...... بارش اور خشک ہوائیں ہماری مٹھی میں بند ہیں۔ ہم جہاں چاہتے ہیں قہر بن جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں اپنی عنایتوں کی بارش کر دیتے ہیں۔ ہم اس مملکت کے معبود ہیں۔ ہم زندگیاں لیتے ہیں، زندگیاں بخشتے ہیں میرے بہادر دوست...... یوں سمجھو کہ ہم سا کوئی نہیں ہے اور حالات شاہد ہیں کہ جس نے ہم سے سرکشی کی زندہ نہ رہ سکا۔ ہمارا ہنٹر اسے زمین دوز کر دیتا ہے...... ہم تم پر بھی قادر ہیں لیکن تم نے خود کو ہماری دوستی کا اہل ثابت کر دیا اور ہم نے تمہیں اپنی دوستی بخش دی۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے تمہیں منہ مانگا انعام، اپنی چہیتی لتاکا بھی دے دی اور ہمیں اس پر افسوس نہیں ہے کیونکہ درحقیقت تم منہ مانگے انعام کے مستحق ہو......

تو ہمارے عزیز دوست، لتاکا واقف ہے اس بات سے کہ الکورو کے ایک بڑے حصے میں ہمارے خلاف بغاوت سر ابھار رہی ہے اور اس کا سربراہ اگناس ہے۔ اگناس...... جو نہ جانے کہاں سے اپنے جسم میں بڑی قوت سمیٹ لایا ہے اور وہ زیر نہیں ہوتا ہماری فوجوں سے۔ ہم اگناس کے لئے کچھ اور نہیں کر پاتے تھے لیکن جیسا کہ ہمیں لتاکا نے بتایا کہ اس کے ذہن میں تمہارا خیال آیا......اور بے شک یہ خوب خیال تھا۔ بے شک صرف تم ہو جو اگناس کا غرور توڑ سکتے ہو......اور لتاکا نے تم سے بات کی اور آفرین ہے تم پر...... کہ تم نے حق وفاداری ادا کرتے ہوئے اس کی بات مان لی۔ چنانچہ اگر یہ درست ہے میرے دوست تو میری مبارکباد وصول کرو۔ میں تمہارے اس فیصلے سے بہت خوش ہوں۔''

تو پروفیسر خاور...... میں غور سے اس بدمعاش طاآس، اس خود ساختہ خدا کی بکواس سن رہا تھا اور دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ بے شک وہ بہت بڑا بے وقوف تھا۔ اسے وہ خوف یاد نہیں رہا تھا جو اس وقت اس پر طاری ہوا تھا جب میں نے اس کے تینوں جیالوں کو چوہے کی موت مار دیا تھا اور پھر اس کی طرف بڑھا تھا...... اس کی خدائی قوتیں اس وقت اس کا ساتھ نہ دے سکی تھیں اور وہ ان کا بھرم بھی نہیں قائم رکھ سکا تھا۔

تب اس نے کہا۔ ''اور...... دلیر جانباز...... اگر تم اگناس کو قتل کر کے سرخرو واپس آئے تو اطمینان رکھو۔ تم گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ ہم الکورہ کی حکومت تمہارے حوالے کر دیں گے۔ تم ہمارے دوستوں میں شمار ہو گے اور ہم تم پر خراج بھی معاف کر دیں گے۔ تم الکورہ کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گے۔!''

''لیکن طاآس...... اگناس کی سرکوبی کے لئے تم مجھے کیوں بھیج رہے ہو۔ تم اس خطۂ ارض کے معبود ہو...... آسانی تو تمہارے قبضے میں ہیں۔ تم الکورہ پر اپنے قہر کی بارش کر دو۔ اگناس کو موت کی آغوش میں دھکیل دو۔ الکورہ میں قحط سالی کر دو...... وہاں کے بادلوں کی نمی چھین لو۔ وہ خود تمہاری خدائی کا اعتراف کرتے ہوئے تمہارے قدموں میں آ گریں گے۔''

اور پروفیسر میری بات پر اس بے وقوف شہنشاہ کا چہرہ اتر گیا۔ وہ بغلیں جھانکنے لگا اور اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں لتاکا کی طرف دیکھا۔ لتاکا نے گردن جھکا لی تھی۔ تب وہ سنبھلا۔ اور اس نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آہ میرے معصوم دوست۔ تم بے حد بہادر ہو، بے حد دلیر لیکن تم خدائی رمز کیا جانو۔ ہمارے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہے۔ اگر ہم الکورہ پر تباہی نازل کریں گے تو وہ لوگ بھی اس کا شکار ہو جائیں گے جو دل ہی دل میں ہماری پرستش کرتے ہیں۔ ہم صرف ظالموں اور نافرمانوں کے لئے قہر ہیں۔ اپنے ماننے والوں کے لئے ہم مجسم رحم و کرم ہیں۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے...... اگناس اور اس کے حواریوں کو سزا ملنی چاہئے۔ بے گناہوں کو نہیں۔''

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''بہرحال لتاکا نے ٹھیک کہا ہے۔ میں اگناس کی سرکوبی کے لئے تیار ہوں۔ مجھے بتاؤ اس سلسلے میں مجھے کیا کیا انتظامات کرنے ہوں گے۔''

''سب انتظامات ہم کریں گے۔ ہم تمہیں اپنی بہترین فوج دیں گے۔ تم اس فوج کی قیادت کرو گے اور اگناس کے علاقے پر حملہ کر دو گے۔ لتاکا تمہارا دل بہلانے کے لئے تمہارے ساتھ ہو گی۔ تمام راستے اسے معلوم ہیں۔ تم مطلق العنان ہو گے جس طرح چاہو گے فوجوں کو لڑاؤ گے۔ اور پھر اگناس کی گردن یا اسے زندہ گرفتار کر کے لے آؤ گے۔''

''تب میں تیار ہوں۔'' میں نے کہا اور طاآس نے کھڑے ہو کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔

☆☆☆

لتاکا رات کو میرے کمرے میں داخل ہوئی تو میری شکل دیکھتے ہی ہنس پڑی۔ وہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی اور میں مسکراتے ہوئے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ سانولی سلونی سی یہ لڑکی ہنستے ہوئے بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ یوں بھی آج اس نے انوکھا سنگھار کر رکھا تھا۔ اس کے جسم پر انوکھا لباس تھا۔ کمر پر سرخ موتیوں کی پٹی بندھی ہوئی تھی جس میں لٹکی ہوئی باریک موتیوں کی جھالر نے اس کے جسم کو چھپانے کی ناکام کوشش کی تھی...... اوپری لباس سیاہ موتیوں کا تھا۔ موتیوں ہی کی ایک لڑی اس نے اپنی چمکدار اور کشادہ پیشانی پر باندھی ہوئی تھی اور اس کے نیلاہٹ لئے ہوئے سیاہ بالوں میں سفید رنگ کے پھول مہک رہے تھے اور پھر اس کے بے تحاشا ہنسنے سے موتیوں کی جھالریں ہل رہی تھیں جس سے اس کا پورا جسم

رقصاں نظر آ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں پسندیدگی کے جذبات تھے۔

وہ ہنستی ہوئی میری آغوش میں آ گری۔ ''اس بے پناہ ہنسی کی وجہ۔'' میں نے خوبصورت جسم کو آغوش میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''یہ قہقہے تو نہ جانے کیسے میں نے ضبط کئے ہیں۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''کیوں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''احمق طاؤس کی حماقت پر..... کس طرح گھما پھرا کر تم سے گفتگو کر رہا تھا لیکن تم نے بھی اسے خوب بے وقوف بنایا۔ تمہارے سوال پر اس کی گھبراہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔''

''ہاں۔ بہرحال اس نے بات بنا ہی دی۔ لیکن تم نے اس سے کیا کہا تھا؟''

''میں نے بتایا تھا کہ میں نے اپنے طور پر تمہیں اگناس کے بارے میں بتایا اور تمہیں جوش دلایا کہ تم اگناس کو گرفتار کرو۔ بس تم جوش میں آ کر تیار ہو گئے اور اب طاؤس تم سے بات کرے۔''

''خوب۔ اب کیا پروگرام ہے۔ میرا مطلب ہے اگناس کی گرفتاری کا پروگرام۔''

''میں تمہاری کنیز ہوں۔ جو تم چاہو گے اس سے انحراف نہیں کروں گی۔ میری زندگی تو اب تمہاری ہے۔ ہاں تمہاری زندگی مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے۔ وہی ہوگا جو تم چاہو گے۔''

''میں اگناس سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''اب تو میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ درحقیقت اگر تم نے اگناس پر قابو پا لیا تو طاؤس الکورہ کی حکومت تمہارے حوالے کر دے گا اور پھر میں الکورہ کی ملکہ ہوں گی اور تم شہنشاہ...... اس سے بڑی آرزو اور کیا ہو سکتی ہے۔'' اور میں نے اس حسین عورت کی تمام آرزوئیں پوری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ مجھے حکومت اور شہنشاہیت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

☆☆☆

پورے دس دن تک الکورہ جانے والی فوج کے لئے تیاریاں کی جاتی رہیں۔ بڑے بڑے بہادروں کو مقرر کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے جفادری جرنیل تیار کئے گئے تھے۔ ایک سے ایک بہادر سپاہی منتخب کیا گیا تھا۔ گو کہ فوج کی تعداد زیادہ نہیں تھی لیکن وہ پوری طرح اسلحہ میں غرق تھی اور اس کے پاس فولاد کے جدید ترین ہتھیار تھے۔ ہتھیاروں کی کچھ نئی قسمیں میں نے ان لوگوں کے پاس دیکھیں جن میں تیر کمان بھی تھے اور یہ حقیقت ہے پروفیسر کہ مجھے ان کا یہ ہتھیار بہت پسند آیا تھا۔

اعلیٰ نسل کے ایک گھوڑے پر میں سوار تھا اور دوسرے پر لنا کا۔ جرنیلوں کا پورا گروہ ہمارے پیچھے تھا۔ طاؤس نے ایک خاص تقریب میں ہمیں رخصت کیا اور ہم بوڑھے گورب کی رہنمائی میں الکورہ کی طرف چل پڑے۔ گورب ان علاقوں کا کیڑا تھا اور سفر کے فن سے پوری طرح واقف بلکہ اس کا ماہر تھا۔ لنا کا بہت خوش تھی۔ اسے مجھ سے عشق ہو گیا تھا..... اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی پروفیسر۔ جتنی لڑکیوں کو میرے قریب آنے کا موقع ملا

وہ پھر میرے ہی گن گاتی رہیں تا آنکہ موت نے ان کی گردن نہ دبوچ لی۔ میں تو تھا ہی محبت کیے جانے کے قابل۔ ہر دور کی عورتوں نے میری پذیرائی کی ہے۔ ہر دور کی عورتیں میرے عشق میں گرفتار رہی ہیں اور انہوں نے مجھ پر جان چھڑکی ہے۔ چنانچہ لتا کا کو احساس تھا کہ وہ ایک خطرناک مہم پر جا رہی ہے لیکن میں اس کے ساتھ تھا...... اسے میری خوبیوں کا علم نہیں تھا بس وہ جانتی تھی کہ اگر اسے موت بھی آئی تو میرے نزدیک ہی آئے گی اور وہ اسی بات پر خوش تھی۔ طاآس کے ملک کی سرحدیں بہت وسیع تھیں۔ ہمارے برق رفتار گھوڑے زمین کا سینہ دہلاتے ہوئے دوڑ رہے تھے اور بہت جلد شہر کے آثار نگاہوں سے معدوم ہو گئے۔ سورج کی روشنی میں ہم نے سفر شروع کیا تھا۔ ہمارے رفتار گھوڑے سورج سے تیز سفر کرنا چاہتے تھے چنانچہ شام ہوتے ہوتے ہم نے ایک طویل فاصلہ طے کر لیا اور پھر سیاہ رنگ کی سنگلاخ چٹانوں میں رات کی تاریکی نے ہمارے قدم پکڑ لئے اور ہم نے گھوڑے روک دیئے۔

بڑی خوفناک جگہ تھی پروفیسر...... یقیناً اس علاقے میں کبھی کوئی خوفناک آتش فشاں ہوگا جواب زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہو گیا ہے۔ کسی مناسب وقت سر ابھارنے کے لئے...... لیکن پوشیدہ ہونے سے پہلے اس نے خوفناک تباہی مچائی تھیں۔ جس کے آثار دور دور تک نمایاں تھے۔

میلوں دور تک سیاہ جلے ہوئے پتھر نظر آ رہے تھے۔ زمین بھی سیاہ تھی اور اس علاقے میں رات بھی ٹوٹ کر آتی تھی۔ فوجیوں نے چھوٹے چھوٹے گروہ بنا کر قیام کیا تھا۔ بے شمار مشعلیں روشن تھیں لیکن ان کی روشنی اس علاقے کی بھیانک سیاہی دور کرنے میں ناکام رہی۔ پھر چاند نکل آیا اور سیاہ چٹانوں پر چاندنی عجیب مناظر پیش کرنے لگی۔

میرے لئے خاص طور پر ایک خیمہ ایستادہ کرایا گیا تھا۔ پانی یا شکار کی کوئی دوسری چیز یہاں ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا اس لئے ساتھ لائی ہوئی چیزوں پر گزارہ کیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں اور لتا کا خیمے سے نکل آئے۔ باہر ہمارے پہریدار مؤدب کھڑے تھے۔

''گورب کو ہمارے پاس بلاؤ۔'' میں نے ایک پہریدار کو حکم دیا اور لتا کا کا ہاتھ پکڑ کر ایک اونچی چٹان کے نزدیک پہنچ گیا۔ پھر میں نے اسے سہارا دے کر چٹان پر چڑھایا۔ اور ہم دونوں بیٹھ کر چاندنی کی کرنوں کا رقص دیکھنے لگے۔ تب عقب سے بوڑھے راہبر کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ گورب ہماری خدمت میں حاضر ہو گیا تھا۔

''ان سیاہ چٹانوں کی کیا داستان ہے گورب۔؟'' میں نے ایک سیاہ پتھر پر بیٹھنے کا اشارہ کرنے کے بعد پوچھا۔

''یہ چٹانیں بہت قدیم ہیں بہادر۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں کھولتے ہوئے پتھروں کا بہت بڑا سیلاب آیا تھا۔ اس سے قبل یہاں ایک بستی آباد تھی لیکن سرخ سیلاب نے آبادی کو ہضم کر لیا اور پھر یہ سیلاب نہ جانے کہاں نکل گیا۔ پتھر ٹھنڈے ہو کر سیاہ چٹانوں میں تبدیل ہو گئے اور اب یہاں پودے نہیں اگتے۔'' گورب نے بتایا۔

میرا خیال درست تھا۔ یہ آتش فشاں کا لاوا ہی تھا۔ بہر حال پھر میں نے گورب سے راستے کے بارے میں پوچھا۔ ''الکورہ کئی راتوں کے سفر پر ہے۔ جس طرف ہم جا رہے ہیں یہ محفوظ راستہ ہے۔ سیاہ چٹانوں کے بائیں سمت سے جانے پر ہمیں سپاٹ اور صاف راستہ مل سکتا ہے لیکن اس طرف بستیاں آباد ہیں۔ ان میں سے چند بستیوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہاں اگناس کے مخبر موجود ہیں۔ وہ طاآس کی فوجوں کے بارے میں

اگناس کو اطلاع دے دیتے ہیں جو اگناس پر حملہ آور ہونے جاتی ہیں۔ چنانچہ مجھ ناچیز کی رائے ہے کہ ناہموار راستہ اختیار کیا جائے جو بستیوں سے دور گزرتا ہے۔ اس طرح ہم پوشیدہ طور پر اگناس کے پیچھے پہنچ سکتے ہیں۔ اس راستے پر شکار اور پانی موجود ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم اسی راستے سے ہی سفر کریں گے۔ بس اب تم واپس جاؤ۔'' اور گورب گردن جھکا کر چلا گیا۔ تب میں لتا کا کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے جسم پر انگڑائیاں ٹوٹ رہی تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور وہ مچل کر مجھ سے لپٹ گئی۔

''مجھے ان سیاہ چٹانوں سے خوف محسوس ہو رہا ہے بہادر۔ آؤ خیمے میں چلیں۔!'' اس نے بوجھل لہجے میں کہا اور میں اسے لئے خیمے میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

سفر کرتے ہوئے ہمیں پانچ دن گزر چکے تھے۔ اب ہم جس علاقے میں سفر کر رہے تھے۔ یہ سرسبز تھا۔ یہاں شکار کی بہتات تھی، جنگلی جانور بھی تھے لیکن فوجوں کی کثیر تعداد دیکھ کر دور بھاگ جاتے تھے۔ بہرحال خوب شکار ہو رہا تھا۔ پانی کی بہتات تھی۔ تھوڑے فاصلے پر جھرنے اور دریا مل جاتے تھے۔ ان تمام چیزوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہم آگے بڑھ رہے تھے۔ مجھے نہ اگناس کی فکر تھی اور نہ کسی اور کی، میری زندگی کا مقصد پورا ہو رہا تھا...... سہانا سفر اور حسین ساتھی...... اس کے علاوہ اور کیا چاہیے تھا۔

اور وہ سفر کی ساتویں رات تھی۔ سرسبز علاقہ ختم ہو گیا تھا۔ اور اب بے آب و گیاہ پہاڑ آ گئے تھے...... نوکیلے پہاڑ جو انتہائی دشوار گزار تھے۔ گورب کچھ راستے ایسے جانتا تھا جس کی وجہ سے ان پہاڑوں کی بلندیوں پر چڑھنے کے بجائے ان کے درمیان سرنگ نما راستوں سے گزرا جا سکتا تھا۔ ویسے میں نے اپنے چند جرنیلوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ نہ جانے کیوں وہ کچھ مضطرب سے تھے۔ پھر چاند بھی نہیں نکلا تھا کہ وہ سب جمع ہو کر میرے خیمے پر پہنچ گئے۔ پہریدار نے مجھے ان کے آنے کی اطلاع دی اور میں باہر نکل آیا۔

''کیا بات ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں معزز سردار۔؟'' ایک جرنیل نے کہا۔

''آؤ۔ میرے خیمے میں آ جاؤ۔!'' میں نے کمال نرمی سے کہا اور وہ سب اندر آ گئے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور وہ ممنون انداز میں بیٹھ گئے۔!

''ہمیں گورب کی نیت پر شبہ ہو رہا ہے بہادر۔!''

''کیا مطلب۔؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''صحرا اور پہاڑوں کا کوئی راستہ اتنا طویل نہیں ہے کہ ابھی تک ہمیں الکور کے آثار بھی نہ ملیں اور یہ پہاڑیاں خوف کی پہاڑیاں کہلاتی ہیں جن میں بھٹکنے کے بعد انسان کبھی راستہ نہیں پاتے۔ اگر ہم اس راستے سے واپس جانے کی کوشش کریں، جس سے یہاں تک آئے ہیں تو طا آس کی قسم ہمیں وہ راستہ کبھی نہ ملے گا۔!''

میں نے حیرت سے اس جرنیل کی بات سنی۔ غور کیا اور اندازہ لگایا کہ کم از کم راستے کے بارے میں وہ درست کہہ رہا ہے۔ ''لیکن گورب کی نیت کے بارے میں تم کیا کہہ رہے ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہ کہتے۔ اگر ہماری فوج کے دو سپاہی راتوں رات غائب نہ ہو جاتے یہ دونوں آدمی وہ تھے جو گورب کے ساتھی تھے۔ اکثر ہم ان تینوں کو یکجا دیکھا ہے۔ وہ کچھ پراسراری گفتگو کرتے تھے اور اگر کوئی ان کے قریب پہنچ جاتا تو وہ طاآس کی فتح اور اگناس کی گرفتاری کی باتیں کرنے لگتے تھے۔''

''اوہ...... وہ دونوں کب غائب ہوئے۔؟''

''پچھلی رات...... چونکہ ہم نے اپنے اپنے دستوں کی پوری ذمہ داری سنبھال رکھی ہے۔ ایک ایک سپاہی پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اس لئے آج قیام کے وقت جب سپاہیوں کی پڑتال کی گئی تو...... دو سپاہی کم تھے۔ ان کے گھوڑے بھی غائب ہیں...... تب ہم نے لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو ایک سپاہی نے بتایا کہ اس نے شام میں ان دونوں کو دیکھا تھا...... وہ رات کے کسی حصے میں غائب ہوئے ہیں۔ ہم نے گورب سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ وہ تو ان دونوں سے واقف بھی نہیں ہے۔ اور یہی شبہ کی بنیاد ہے۔''

وہ چپ رہا تو ایک اور جرنیل بول اٹھا۔

''ہمیں اندیشہ ہے معزز سردار۔ کہ گورب اگناس کا ہم خیال نہ ہو...... باغیوں کی تحریک بہت زبردست ہے...... بے شمار لوگ ان کے حامی ہیں...... نہ جانے ہماری فوج میں ہی کون کون ہو...... حالانکہ ان کا انتخاب کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ گورب جان بوجھ کر ہمیں اس راستے پر لایا ہے تاکہ ہم اگناس تک نہ پہنچ سکیں۔''

''خوف کی پہاڑیوں کی پرہول داستانیں مشہور ہیں...... یہاں زلزلے آتے ہیں اور ان پہاڑیوں کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ ان میں بے شمار چٹانیں کافی بلندیوں پر ہیں اور ان انداز میں رکھی ہوئی ہیں کہ تھوڑی سی کوشش سے اپنے ساتھ بے شمار پتھر لئے لڑھک سکتی ہیں۔''

''ہوں......؟'' میں نے ایک گہری سانس لی، ان کا چہرہ اتر گیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے مجھے کیا فکر ہو سکتی تھی۔ تاہم ان لوگوں کا اطمینان بھی ضروری تھا...... چنانچہ میں اٹھ کھڑا ہوا...... اور میرے ساتھ ہی وہ سب بھی اٹھ گئے۔!

''گورب کو میرے سامنے پیش کرو۔''

''میں ایک اور درخواست بھی کرنا چاہتا ہوں معزز سردار۔''

''کہو...... کیا بات ہے۔؟''

''ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم مشتبہ سپاہیوں کو گرفتار کر لیں...... ایسے کچھ لوگ اور ہوں گے جو اگناس کے ساتھی ہوں۔''

''میری نگاہ میں ایک سپاہی ہے......'' ایک جرنیل بول اٹھا۔

''کیا مطلب۔؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ میرے دستے کا سپاہی ہے...... جس وقت سپاہیوں کا انتخاب کیا جا رہا تھا تو ان کے قد و قامت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ شرط تھی کہ وہ

سب کے سب قوی ہیکل اور طاقتور ہوں تاکہ اگناس کی فوج کے خلاف مؤثر طور پر لڑ سکیں۔ لیکن وہ سپاہی نہ صرف پستہ قد ہے بلکہ عمر اور ناتجربہ کار بھی معلوم ہوتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ وہ سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔"

"عجیب باتیں ہتا رہے ہو تم لوگ..... بہرحال گورب کو بلاؤ۔" میں نے کہا۔ لتاکا بھی میرے ساتھ باہر نکل آئی۔ جرنیلوں کے چلے جانے کے بعد اس نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"یہ تو بہت خوفناک بات ہوئی بہادر..... اب کیا کرو گے؟ اگر اگناس کی فوج نے ہمیں یہاں گھیر لیا تو ہماری فوج کی تمام بہادری رکھی رہ جائے گی۔ اگناس پہاڑوں کا کیڑا ہے..... وہ پتھروں سے سر ابھاریں گے اور ہمیں فنا کر دیں گے۔"

"خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے لتاکا۔ گورب کو آ جانے دو ممکن ہے ہمارے ساتھیوں کا خیال غلط ہو۔"

"میری تجویز اب بھی برقرار ہے بہادر....." وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا.....؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بہترین موقع ہے..... ہم راستے کی تلاش میں چلتے ہیں اور کسی طرف نکل جاتے ہیں۔ اگر اگناس فوج کو گھیر کر مار بھی لے تو ہمیں کیا۔"

"نہیں لتاکا۔ یہ خودغرضی ہے..... اول تو میں بزدلوں کی طرح اگناس سے بھاگنا نہیں چاہتا اور پھر ایسی صورت میں، جب یہ سب خود کو مصیبت میں گرفتار محسوس کر رہے ہیں۔"

لتاکا ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ تب ہم نے دور سے گورب کو جرنیلوں کے ساتھ آتے دیکھا اور ہم اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ گورب آہستہ آہستہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ پھر وہ میرے سامنے پہنچ کر جھکا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جرنیل اس کے پیچھے کھڑے تھے۔!

"کیا ان لوگوں نے تمہیں بتا دیا گورب..... کہ تمہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے۔؟"

"نہیں سردار..... انہوں نے صرف آپ کا پیغام دیا ہے۔!" گورب نے صاف لہجے میں کہا۔

"کیا یہ پہاڑیاں خوف کی پہاڑیاں کہلاتی ہیں گورب؟" میں نے پوچھا اور گورب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ چند لمحے وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا..... پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہاں۔!"

"کیا یہاں زلزلے آتے رہتے ہیں۔؟"

"ہاں۔!" اس نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

"گویا یہ جگہ بے حد خطرناک ہے۔؟"

"ہاں۔!" گورب نے اسی انداز میں جواب دیا۔ اس کی آنکھوں سے ایک عجیب سی کیفیت عیاں ہونے لگی تھی۔ چہرے کے خدوخال بے حد سخت ہو گئے تھے۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ اس پر شبہ ہو گیا ہے۔ لیکن کسی اندرونی جذبے نے اسے بے خوف کر دیا تھا۔

"تب پھر تم نے اس طرف کا رخ کیوں کیا۔؟"

"جان بوجھ کر؟" گورب نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ پہاڑیاں نہ صرف خوف کی پہاڑیاں، بلکہ موت کی پہاڑیاں بھی کہلاتی ہیں سردار۔ یہاں داخل ہونے والے زندہ نہیں بچتے۔ کیونکہ یہاں دن رات زلزلے آتے رہتے ہیں۔ زلزلے نہ بھی آئیں تو یہاں سے نکلنے کے راستے تلاش کرنا تمہاری فوج میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے تم انہیں پہاڑیوں میں بھٹکتے رہو گے تاوقتیکہ کوئی زلزلہ تمہیں نہ آئے۔ گورب نے بڑے سکون سے جواب دیا اور جرنیلوں کے چہرے بگڑ گئے۔ ان کے دانت خوفزدہ انداز میں باہر نکل آئے اور انہوں نے اپنی تلواریں سونت لیں۔ لیکن میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں صبر کرنے کا اشارہ کیا اور نرمی سے گورب سے پوچھا۔

"لیکن تم تو ہمارے راہبر تھے گورب۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔؟"

"میں طاآس کی معبودیت قبول نہیں کرتا۔ میں تو روشنی کا پجاری ہوں میں طلوع کا پرستار ہوں اور ان سینکڑوں لوگوں میں سے ایک ہوں جنہیں ظالم طاآس کی نگرانی پر متعین کیا گیا ہے۔ تاکہ طلوع کے پرستاروں کو طاآس کی ریشہ دوانیوں سے باخبر رکھا جاسکے۔ میرے لئے اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ میں طاآس کی ایک بڑی فوج کو اپنی حکمت عملی سے تباہ کر دوں۔ اور تم...... سنو سردار...... تم بے پناہ طاقتور ہو...... لیکن میری بات غور سے سن لو اگناس پر طلوع کا سایہ ہے وہ اس وقت پیدا ہوا تھا جب سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی تھی اور اس پہلی کرن نے سب سے پہلے اگناس کے جسم کو چھوا تھا۔ اس کے رہبر روشنی کے سائے ہیں۔ اسے تم کیا، تمہارے جیسے ہزار انسان بھی زیر نہ کرسکیں گے۔"

میں دلچسپی سے گورب کی بے باکانہ گفتگو سن رہا تھا۔ جرنیلوں کا برا حال تھا۔ ان کے بدن خوف سے کپکپا رہے تھے۔

"تم نے ان دو آدمیوں کو کہاں بھیجا ہے گورب۔؟"

"وہ بھی طلوع کے پرستار تھے...... وہ اگناس کو تمہارے بارے میں بتانے گئے ہیں...... اگر زلزلہ نہ آیا...... تو اگناس تمہیں ان پہاڑیوں میں گھیر کر مار دے گا۔!" گورب نے بتایا اور جرنیل بے قابو ہوگئے۔

"ذلیل...... کتے۔ بزدل......" وہ اس پر ٹوٹ پڑے، انہوں نے بے پناہ درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گورب کو گھونسے مار مار کر ہلاک کر دیا۔ انہوں نے اس کی گردن توڑ دی۔ ہاتھ پاؤں ایک دوسرے سے جدا کر دیئے اور اس کے جسم کے ٹکڑوں کو فضا میں اچھال دیا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ میں کچھ نہیں کرسکا۔!

اور پھر جب وہ وحشی پرسکون ہوئے تو میں نے غضیلی آواز میں انہیں پکارا۔ "طاآس نے تم سب کو ہدایت کی تھی کہ تم میرے حکم کی تعمیل کرو۔ پھر تم نے گورب کو کس کے حکم سے قتل کیا۔؟"

"وہ غدار تھا۔ وہ دشمن تھا سردار۔!" ایک جرنیل نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا۔

"اس نے ہمیں موت کی وادیوں میں لا پھینکا ہے...... اب ہم یہاں سے کیسے نکلیں گے۔؟"

''تم سب بے وقوف ہو۔ کیا اسے زندہ رکھ کر ہم اس سے یہاں سے نکلنے کا راستہ نہیں دریافت کر سکتے تھے۔ اب تم میں سے کون یہ راستہ تلاش کرے گا؟ جواب دو۔!'' اور جرنیلوں میں سناٹا چھا گیا۔

''ہم اسے اذیت دے کر راستہ بتانے پر مجبور کر سکتے تھے۔ لیکن تم نے یہ راہ بند کر دی۔ اس کے ذمہ دار تم ہو۔ صرف تم۔ چنانچہ اب تم راستہ تلاش کرو اور مجھے اطلاع دو...... جاؤ۔'' میں دہاڑا اور جرنیل کان دبائے لوٹنے لگے۔ مجھے درحقیقت غصہ آ گیا تھا۔ گورب کو میں زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس سے اگناس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ نرم رویہ رکھا تھا!

دفعتاً مجھے کچھ خیال آیا...... اور میں نے اس جرنیل کو آواز دی جس نے مجھ سے کسی مشکوک سپاہی کا تذکرہ کیا تھا...... وہ کانپتا ہوا میرے سامنے آ گیا۔ ''تم نے مجھ سے کسی ایسے سپاہی کا تذکرہ کیا تھا جو تمہاری نگاہ میں مشکوک ہے۔''

''ہاں سردار۔!'' اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

''اسے میرے پاس لے آؤ۔!''

''بہت اچھا سردار......'' جرنیل دوڑتا ہوا چلا گیا اور میں خاموشی سے چٹان پر بیٹھ گیا۔ لتا کا اب بھی میرے بازو سے چمٹی ہوئی کھڑی تھی...... اس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا...... میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور وہ میرے بازو سے رخسار رگڑنے لگی۔

''تم خوفزدہ ہو لتا کا۔؟''

''تم نہیں ہو بہادر۔؟''

''نہیں...... امیں یہاں سے نکلنے کی ہمت رکھتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی، اور پھر اچانک اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ...... مجھے معاف کرنا۔ میں بھول گئی تھی...... ہاں میں جانتی ہوں تم غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہو۔ تم ان سب سے افضل ہو جو اس فوج میں شامل ہیں۔ بے شک تم راستہ تلاش کر سکتے ہو۔''

''راستہ موجود ہے لتا کا۔ اور یہی کافی ہے۔ جو چیز موجود ہے اسے تلاش نہ کر سکنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جب اس فوج میں شامل عام سپاہی باہر نکل سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں۔''

''ہاں...... ہم نکل سکتے ہیں...... لیکن یہ زلزلوں کی وادی ہے...... یہاں سے جس قدر جلد ہو سکے نکل چلو۔ مجھے یہاں بہت خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

''رات گزرنے کا انتظار کرنا ہوگا۔ دیکھنا یہ ہے کہ جرنیل کیا تیر مارتے ہیں۔؟''

''آؤ...... خیمے میں چلیں...... میں تمہارے بازوؤں میں سمٹ کر یہ خوف دل سے نکال دینا چاہتی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''صرف چند لمحے اور...... اس سپاہی کو آ جانے دو جو پست قد ہے۔'' میں نے اسے روکتے ہوئے کہا اور وہ گردن جھکائے میرے نزدیک

بیٹھ گئی۔ میں اس کی دلجوئی کرنے لگا۔ مجھے کوئی خوف نہیں تھا پروفیسر۔ ہاں طاآس کی پوری فوج ضرور مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ یہاں پر تم مجھے خود غرض بھی کہہ سکتے ہو لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جہاں انسان کوشش کے باوجود کچھ نہیں کرسکتا اور پھر یہاں بھی پہاڑ والوں جیسا معاملہ تھا۔ مسائل مختلف تھے لیکن وہی جذبہ کارفرما تھا۔ آرسانہ کا شہنشاہ سیاہ فاموں پر اپنی برتری قائم رکھنا چاہتا تھا۔ انہیں اپنا محکوم دیکھنا چاہتا تھا...... اور طاآس خدا بن بیٹھا تھا۔ وہ سب کو اپنی روحانی برتری کا قائل کرنا چاہتا تھا۔ یہی چکر چل رہا تھا۔ حالانکہ اگر صحیح طور پر دیکھا جاتا تو میں ان سب سے برتر تھا پروفیسر...... کیونکہ میری بناوٹ ان سے مختلف تھی۔

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد وہ جرنیل واپس آ گیا۔ اس کی گردن لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے تعجب سے اسے دیکھا کیونکہ وہ تنہا تھا۔ "کیوں...... کیا بات ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"شاید ہماری موت ہی آ گئی ہے سردار...... ہر قدم پر ناکامی ہو رہی ہے۔ وہ سپاہی غائب ہے۔ تلاش کے باوجود اس کا پتہ نہیں چل سکا۔"

"اوہ۔!" میں نے گردن ہلائی۔ "گویا وہ بھی نکل گیا۔ خیر ٹھیک ہے۔ جاؤ۔ راستے تلاش کرو۔ اور اگر مل جائیں تو مجھے ان کے بارے میں بتاؤ میں اپنے خیمے میں آرام کررہا ہوں۔" میں نے لتاکا کا بازو پکڑا اور خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ لتاکا کی کیفیت عجیب تھی۔ حالات پر غور کرتی تو خوفزدہ ہو جاتی اور پھر جب میں ڈھارس بندھاتا تو مطمئن ہو جاتی۔

اور پھر رات گئے وہ حسب معمول میری آغوش میں منہ چھپا کر سو گئی۔ مجھے بھی سوچتے سوچتے نیند آ گئی۔ اور نہ جانے کتنی رات گزری تھی کہ اچانک کسی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔

سوتے سوتے لتاکا مجھ سے الگ ہو گئی تھی۔ وہ دوسری طرف کروٹ لئے سو رہی تھی...... اور خیمے میں تاریکی تھی۔ اس تاریکی نے ہی مجھے ہوشیار کر دیا۔ عام طور پر مشعل جلتی رہتی تھی اور اس کے بجھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی تاوقتیکہ کوئی اسے بجھا نہ دے۔ لیکن گہری تاریکیاں بھی میری آنکھوں سے وہ بینائی نہیں چھین سکتی تھیں۔ جو صدیوں نے مجھے بخشی تھی۔ میں رات کی تاریکی میں دن کے اجالے کی طرح دیکھ سکتا تھا۔ اور میں نے اس پستہ قد سائے کو دیکھ لیا جس کا ایک ہاتھ بلند ہو کر جھکنے ہی والا تھا۔ اس ہاتھ میں ایک چمکدار خنجر تھا۔ میرے دماغ میں بجلی کوند گئی۔ ایک لمحہ...... صرف ایک لمحہ...... چشم زدن میں ہاتھ لتاکا کے سینے پر پہنچ جائے گا اور خنجر اس میں پیوست ہو جائے گا۔ خون کا فوارہ بلند ہوگا اور لتاکا کا جسم تڑپے گا پھر ساکت ہو جائے گا۔

چنانچہ میں نے ایک ساعت کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کر لیا۔ اس سائے کو پکڑنے کی کوشش اس وقت مناسب نہیں تھی۔ اس کے بجائے لتاکا کو اس کے خنجر کی زد سے بچانا زیادہ سودمند تھا۔ میں نے بجلی کی سی تیز رفتاری سے لتاکا کا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا اور اسی وقت خنجر کھچاک سے لتاکا کے بستر میں گھس گیا۔ لتاکا چیخ پڑی۔ وہ میرے کھینچنے کی وجہ تو نہیں سمجھی ہوگی البتہ شاید وہ واگناس کے پہاڑیوں کے زلزلے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اس لئے اس کی چیخ کافی زوردار تھی۔

اور حملہ آور سائے نے خیمے کے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ میں نے لتاکا کو اس کی زد سے بچا کر اچھلا اور خیمے کے دروازے کی

طرف لپکا لیکن جب میں دروازے سے باہر نکلا تو چاروں طرف خاموش چاندنی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ کوئی چاپ نہیں تھی۔ چالاک حملہ آور جانتا تھا کہ قدموں کی چاپ پر میں اس کے پیچھے چلا آؤں گا اس لئے اس نے کسی بڑی چٹان کے عقب میں پہنچ کر سانس روک لی تھی۔ میں نے ایسی چٹانوں کا تعین کیا جہاں وہ چھپ سکتا تھا اور پھر وہ تمام چٹانیں چھان ماریں لیکن حملہ آور کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ تب میں خیمے کی طرف واپس چل پڑا۔ نہ جانے لتا کا کا کیا حال ہو۔

لتا کا خاموش پڑی تھی۔ یہی غنیمت تھا کہ وہ صورت حال نہیں سمجھ سکی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچا اور اسے آواز دی۔ اس نے میری آغوش میں سر رکھ دیا اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کیا ہوا تھا بہادر...... کیا ہو گیا تھا...... کہاں گئے تھے تم۔؟''

''کیا تم خواب دیکھ رہی تھیں لتا کا۔؟''

''ہاں...... کیا میں خواب میں چیخ پڑی تھی۔؟''

''شاید۔ ایسا ہی ہوا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''آہ بہادر۔ میں نے خواب دیکھا تھا...... میں نے ان پہاڑوں کو لرزتے دیکھا تھا۔ بڑے بڑے پتھر گر رہے تھے اور پھر ایک پتھر میرے جسم کی سیدھ میں آرہا تھا کہ تم نے مجھے کھینچ لیا۔ کیا تم نے بھی وہی خواب دیکھا تھا جو میں نے دیکھا؟''

''یونہی سمجھ لو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حقیقت بتا کر میں اسے خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''پھر تم باہر کیا کرنے گئے تھے۔؟'' لتا کا نے پوچھا۔

''دیکھنے گیا تھا کہ پہاڑیاں سچ مچ تو نہیں ہل رہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر۔؟'' لتا کا نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

''وہ صرف خواب تھا۔''

''اوہ'' لتا کا نے گہری سانس لی اور میرے سینے میں گھس کر دوبارہ سو گئی۔ لیکن میں پھر نہ سو سکا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سایہ کون تھا؟ وہ لتا کا کو کیوں قتل کرنا چاہتا تھا۔ کیا وہ میرے دھوکے میں لتا کا کو قتل کر رہا تھا......؟ لیکن ایسی حماقت ممکن نہیں تھی۔ مجھ میں اور لتا کا میں تو بآسانی تمیز کی جاسکتی تھی پھر......؟ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی اور صبح ہو گئی۔ خوفزدہ سپاہیوں نے ہمیں ناشتہ پیش کیا۔ ان کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے سب کام کر رہے تھے۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں لتا کا کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ تمام مسلح فوجی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ ایک بھی جرنیل ان میں موجود نہ تھا۔ میں نے ایک فوجی سے جرنیلوں کے بارے میں پوچھا۔

''وہ سب راستے کی تلاش میں گئے تھے۔ ابھی تک واپس نہیں آئے۔'' فوجی نے خوفزدہ انداز میں بتایا۔

''رات ہی کو چلے گئے تھے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

اور میں گردن ہلانے لگا۔ مجھے خدشہ ہوگیا تھا کہ وہ راستہ بھٹک کر پہاڑوں کی بھول بھلیوں میں نہ گم ہو گئے ہوں اور جوں جوں وقت گزرتا رہا میرا شبہ یقین میں بدلتا گیا۔ دوپہر ڈھل گئی۔ شام ہو گئی اور ایک بھی جرنیل واپس نہیں آیا۔ دوسری رات بھی میں نے اسی جگہ گزاری۔ اس رات میں تشویش میں مبتلا تھا اور لتا کا مطمئن۔ نہ جانے کون سے خیال نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔

لیکن میں جرنیلوں میں الجھا ہوا تھا۔ اگر کل صبح تک وہ واپس نہ آئے تو پھر انہیں مردہ تصور کیا جائے اور اس کے بعد...... اس کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں آگے کا سفر شروع کر دوں گا۔

لتا کا سو گئی۔ لیکن اس رات میں سکون سے نہیں سو سکا۔ مجھے لتا کا پر پچھلی رات کا حملہ یاد تھا جس کے بارے میں، میں دن بھر میں بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔ پھر صبح ہو گئی۔ معمول میں کوئی فرق نہ تھا سوائے اس کے کہ ناشتہ لانے والوں کے چہرے کچھ اترے گئے تھے۔ سورج نے ایک طویل سفر طے کر لیا تو میں نے فوجیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا کہا اور سب کے سب فوجی میرے سامنے پہنچ گئے۔

''طا آس کے وفادارو۔ تمہارے معبود نے ایک غلط آدمی کو بطور رہبر ہمارے ساتھ بھیج دیا تھا۔ یہ اس کا کام تھا کہ وہ صحیح آدمی کا تعین کرتا کیونکہ میں ان راستوں سے واقف نہیں تھا۔ پھر تمہارے جرنیلوں نے اس شخص کو قتل کر دیا جو ہمیں کسی نہ کسی طرح راستہ بتا سکتا تھا اور پھر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ وہ راستے کی تلاش میں چل پڑے۔ طویل وقت گزر چکا ہے اور ان میں سے کوئی واپس نہیں لوٹا۔ جس سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ راستے کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے۔ جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ زلزلوں کی سرزمین ہے۔ یہ پہاڑیاں بے حد مخدوش اور خطرناک ہیں۔ چنانچہ اگر ہم نے یہاں رک کر جرنیلوں کا انتظار کیا تو کوئی بھی زلزلہ ہمیں آ لے گا اور ہم بے موت مارے جائیں گے۔ اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آگے بڑھیں۔ متحد ہو کر چلیں اور ہر قسم کے حالات سے نپٹنے کے لئے تیار رہیں...... تمہارا کیا خیال ہے۔؟''

''ہم سب تمہارے وفادار ہیں۔ تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔'' سب نے بیک آواز کہا۔

''تب تیار ہو جاؤ...... اور سفر شروع کر دو۔'' میں نے کہا اور پھر میرے اشارے پر سپاہی منتشر ہو گئے۔ میں نے بھی لتا کا کو ساتھ لیا۔ لباس تبدیل کیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ہمارا خیمہ اکھاڑ کر گھوڑے سے بار کر دیا گیا تھا۔ جب تمام سپاہی تیار ہو گئے تو میں نے ان کا جائزہ لیا۔ میں اس شخص کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا تھا جو پچھلی رات لتا کا پر حملہ آور ہوا تھا لیکن کوئی اندازہ نہ لگا سکا اور پھر میں نے انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

خوفناک پہاڑیوں، گہری گھاٹیوں اور دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے ہم سست رفتاری سے آگے بڑھتے رہے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے ہیں راستہ خطرناک سے خطرناک تر ہوتا جا رہا ہے لیکن اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ کہ ہم یہ راستہ طے کرتے رہیں اور راستہ طے ہوتا رہا۔ کبھی کبھی کسی سپاہی کے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز اور اس کی آخری چیخ سنائی دیتی تو ہم سب چونک پڑتے لیکن سپاہی کی لاش اتنے گہرے کھڈ میں پڑی ہوتی کہ اسے نکالنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مرنے والے کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔ سب کو اپنی اپنی زندگی کی

فکر لاحق تھی۔ بعض جگہ اتنے تنگ راستے ملتے کہ ایک ایک سوار بمشکل گزر سکتا۔ اور بعض جگہ زمین کا صرف اتنا سا ٹکڑا ملتا کہ گھوڑا بمشکل قدم جما کر نکل سکتا۔ دونوں سمت گہری کھائیاں ہوتیں۔ ہوا کی پراسرار سیٹیاں اس خوفناک علاقے کی ہیبت کو اور بڑھا رہی تھیں...... ہاں خوفزدہ سپاہی بعض اوقات ایسے راستوں پر سے گزرتے ہوئے خود ہی گھوڑے سے چھلانگ لگا کر زمین کی پستیوں میں چلے جاتے۔ انہیں قدم قدم پر مرنے کی بجائے ایک دفعہ کی موت بہتر لگتی۔ اس طرح فوج کے جوان کم ہوتے جا رہے تھے لیکن ہم آگے بڑھ رہے تھے اور میں اگناس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

بلاشبہ اس کے وفادار گورب نے طاآس کی فوج کو اس مصیبت میں ڈال کر ایک بیش بہا کارنامہ انجام دیا تھا اور اب طاآس کی یہ ٹوٹی پھوٹی فوج اگر اس علاقے سے نکل بھی گئی تو اگناس کی تازہ دم فوج کے مقابلے میں چند منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتی۔ تو یہ ہے اگناس...... اور جوں جوں میں اس کے بارے میں سوچتا میرے دل میں اس سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا جاتا۔

سورج چھپ گیا۔ تاریکی پھیل گئی اور سپاہی رک گئے۔ رات کی خوفناک تاریکی میں ایک قدم آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ راستے کی خوفناک صعوبتوں نے فوجیوں کو زندگیوں سے مایوس کر دیا تھا۔ آج انہوں نے میرا خیمہ بھی نہ لگایا۔ ہر شخص بیزار بیزار سا نظر آ رہا تھا۔ زرد چہرے، ایک دوسرے کی شکل میں موت تلاش کر رہے تھے۔ خاموش خاموش...... جانکنی کی کیفیت میں مبتلا...... کچھ نہ ہوا...... کھانے پینے کا بھی کسی کو خیال نہ آیا۔ میں نے بھی رات کھلے ماحول میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ لتاکا میرے پاس تھی۔ وہ بھی خاموش تھی۔ سب پژمردہ تھے سوائے میرے۔

''لتاکا۔!'' میں نے اسے آواز دی اور اس نے اداس آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ ''کیا سوچ رہی ہو۔؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''میرے ساتھ آنے پر افسوس کر رہی ہو۔؟''

''نہیں۔''

''پھر۔؟'' میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ زندگی کی منزل قریب آ گئی۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''اتنی مایوسی اچھی نہیں۔'' میں نے کہا۔

''لیکن جو لمحات میں تمہارے ساتھ گزار چکی ہوں۔ وہ حاصل زندگی تھے۔ تمہاری آغوش، دنیا کی سب سے حسین جگہ ہے۔ کوئی بھی عورت...... اسے پا کر کسی اور چیز کی آرزو نہیں کر سکتی۔ اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔'' اس نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''میری موجودگی میں تمہیں فکر نہیں کرنی چاہئے لتاکا۔'' میں نے اسے تسلی دی۔ لیکن اس نے میری اس بات پر توجہ نہیں دی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

''آخری بار...... ہاں...... شاید آخری بار...... مجھے پیار کر لو۔ شاید اس کے بعد مجھے کچھ نہ ملے......'' اور پھر وہ اسی دیوانگی کے عالم میں مجھے پیار کرنے لگی۔ میں نے اس وقت سوچا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ناکارہ ہونے کی وجہ سے ایسی حرکات کر رہی ہے لیکن بعد میں مجھے اندازہ ہوا پروفیسر۔

کہ اسے موت کی آہٹ سنائی دے گئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ زندگی کے لمحات مختصر ہیں...... موت آنے والی ہے اور میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔ عجیب ہیجان خیز لمحات تھے پروفیسر...... اور اس کے بعد...... اس کے بعد سے آج تک میری زندگی میں ایسی رات نہیں آئی پروفیسر۔ میں اس کی وحشت سے پریشان ہوگیا تھا کہ اچانک...... ایک خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ میں اچھل پڑا۔

''زلزلہ۔'' لتا کا کی وحشت خیز چیخ ابھری اور وہ چھپکلی کی طرح مجھ سے چمٹ گئی۔

''زلزلہ۔ زلزلہ۔'' فوجیوں کی بھیانک چیخیں ابھریں اور وہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ بڑی بڑی چٹانیں لڑھک رہی تھیں۔ دھماکے ہو رہے تھے، گرد اڑ رہی تھی اور فضا بے حد بھیانک ہوگئی تھی۔ چاروں طرف سے وحشت خیز کراہیں، خوفناک چیخیں ابھر رہی تھیں پھر ایک بہت بڑا پتھر میری ٹانگوں پر گرا اور اچھل کر دور جا گرا۔ مجھے کوئی احساس نہ ہوا تھا۔ ایک اور چٹان میری پشت پر آگری اور میرے نیچے دبی ہوئی لتا کا کی بھیانک چیخ گونجی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ چٹان کا صرف ایک کونہ اس کے سر کو چھو گیا تھا لیکن یہی کافی تھا۔ لتا کا کے سر کا اب کوئی وجود نہیں تھا۔ اس کا بھیجہ خون کی آمیزش کے ساتھ چٹان کے رخنوں سے باہر نکل گیا تھا۔ اس کا جسم ہولے ہولے کئی بار میرے جسم کے نیچے تڑپا اور ساکت ہو گیا۔ لتا کا مر چکی تھی۔ اب اس کے بے جان جسم کی حفاظت بے سود تھی۔ میں نے قوت صرف کر کے چٹان اپنے جسم سے دھکیلی اور کھڑا ہوگیا۔ زمین ڈگمگا رہی تھی۔ بڑے بڑے شگاف بن رہے تھے۔ چٹانیں پرشور آواز کے ساتھ اکھڑتیں اور اپنے ساتھ پتھروں کا لشکر لئے نیچے کی طرف دوڑتیں اور تاک تاک کر شکاروں کو نشانہ بناتیں۔ چیخیں کم ہوگئی تھیں۔ چیخنے والے خاموش ہو چکے تھے۔ ہمیشہ کے لئے۔ بچے کھچے بھی موت کا مزہ چکھ رہے تھے۔ یہ چٹانیں میرے جسم پر بھی گر رہی تھیں لیکن میں ابھی تک ان سے محفوظ تھا۔ پھر چند چٹانوں نے بیک وقت مجھ پر حملہ کیا اور میں ان کے نیچے دب گیا۔ میں نے بھی سوچا کہ اب جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیا جائے۔ زلزلہ ختم ہو جائے اس کے بعد نکلوں گا چنانچہ میرے اوپر پتھروں کا انبار لگتا رہا۔

نہ جانے کب تک یہ خوفناک گڑگڑاہٹ جاری رہی اور اس کے بعد مکمل سکوت چھا گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی تیز رفتار ٹرین گزر جانے کے بعد سکوت چھا جاتا ہے۔ اور پھر جب چھوٹے بے سہارا پتھر بھی اپنی جگہ حاصل کر چکے تو میں نے اپنے اوپر پڑی چٹانوں کے وزن کا اندازہ کیا۔ میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور چٹانیں میرے ہاتھوں کے ساتھ بلند ہوگئیں۔ میں نے انہیں دور پھینکنا شروع کیا اور بالآخر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اس علاقے کا نقشہ ہی بدل چکا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ چند کراہوں کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی۔ میں نے کراہوں کی سمت کا جائزہ لیا اور اسی طرف بڑھا لیکن وہ شاید آخری کراہیں تھیں کیونکہ اس کے بعد کسی آواز نے میری رہنمائی نہیں کی۔ میں نے پورے علاقے کا ایک طویل چکر لگایا اور کہیں زندگی کی رمق نہ پا کر بالآخر ایک بڑی چٹان پر بیٹھ گیا۔

اپنی ذہنی حالت کا میں کوئی تجزیہ نہیں کر سکتا پروفیسر۔ میں نہیں کہہ سکتا اس وقت میں کیا سوچ رہا تھا۔ مجھے لتا کا کے مرنے کا افسوس ضرور تھا لیکن وہ میری آرزو نہیں تھی۔ وہ میری آخری چاہت نہیں تھی۔ میں جانتا تھا کہ اگر اس نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک بھی میرا ساتھ دیا تو وہ کتنی ہوگی۔ ایک روز وہ مر جائے گی پھر ایسی ناپائیدار ہستیوں کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں میں تنہا رہ گیا تھا اور اب مجھے تنہائی کا احساس تھا۔ میں نے چٹان پر بیٹھے بیٹھے بہت سے پروگرام بنائے۔ جن کی انتہا یہ تھی کہ ہر قیمت پر اگناس کو تلاش کیا جائے۔ اس سے دو دو ہاتھ کئے

جائیں۔ دیکھا تو جانے وہ کیا ہے۔ ممکن ہے وہ بھی میرے جیسا ہی کوئی انسان ہو۔ اس چٹان پر مجھے صبح ہو گئی۔ سورج نکلا اور اس کی روشنی نے ایک بھیانک ماحول کو اجاگر کیا۔ خون میں رنگی ہوئی چٹانیں، مٹی میں ابھرے ہوئے انسانی اعضاء، کچلے ہوئے سر، ٹوٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ انسانی لاشے اوندھے منہ زمین پر گڑے ہوئے تھے۔ صرف دو ٹانگیں ابھری ہوئی تھیں۔ باقی جسم چٹانوں میں پوشیدہ۔

یہ لرزہ خیز منظر اس قدر بھیانک تھا کہ اگر میرے جیسے مضبوط دل و دماغ کے انسان کے بجائے کوئی عام انسان اسے دیکھتا تو ذہنی توازن کھو بیٹھتا لیکن میں نے تو نہ جانے کتنی بار ایسی تباہی دیکھی تھی۔ میرے سامنے تو نہ جانے کون کون سے بھیانک مناظر آ چکے تھے۔ ان مناظر نے مجھے زیادہ متاثر نہیں کیا۔ ہاں طاآس کی فوج کا ایک سپاہی بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ میں لاشوں کے قریب جا جا کر انہیں دیکھتا رہا اور پھر میں نے وہاں سے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کے تحت میں مڑا ہی تھا کہ مجھے ایک انسانی کراہ سنائی دی۔ میں چونک پڑا۔ میری نگاہیں قرب و جوار کا جائزہ لینے لگیں۔ تب میری نگاہ چٹانوں کے اس سائبان کے نیچے پڑی جو قدرتی طور پر بن گیا تھا۔ دو عظیم الشان نوکدار چٹانیں بیک وقت گر کر ایک دوسرے سے ٹکرا گئی تھیں۔ ان کی نوکیں آپس میں جڑ گئی تھیں اور ان کے نیچے ایک خلاء رہ گیا تھا۔ پتھروں کے دوسرے ٹکڑے ان عظیم الشان ان چٹانوں کی پوزیشن نہیں بدل سکتے تھے اور ایک انسانی زندگی اس خلاء میں محفوظ تھی۔

ہاں...... یہ ایسے ہی عجوبوں میں سے ایک تھا جو اکثر میری نگاہوں کے سامنے سے گزر چکے تھے۔ مجھے احساس تھا۔ ہر دور میں احساس رہا کہ ایک پراسرار اندیکھی قوت اس کائنات میں موجود ہے جو انوکھے کارنامے دکھا کر اپنی زندگی کا احساس دلاتی ہے اور مجھے حیرت زدہ کرتی رہتی ہے۔ میں نے کسی دور میں اس قوت کو نہیں دیکھا لیکن اس کے وجود کا احساس کیا ہے اس پر یقین رکھا ہے لیکن میں اسے کوئی نام نہیں دے سکا البتہ تم اسے خدا کہتے ہو پروفیسر۔ تم نے اسے اپنے ایمان میں شامل کیا ہے اور میں نے ہر دور میں قریب پایا ہے اور اس وقت بھی اس قوت کا پیش کردہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

میرے قدم تیزی سے ان چٹانوں کی طرف بڑھ گئے۔ یہ طاآس کی فوج کا ایک سپاہی تھا۔ جو شاید بے ہوش تھا اور اب اسے ہوش آ رہا تھا۔ میں چٹان کے نیچے جھکا اور میں نے اس سپاہی کی ٹانگیں پکڑ کر اسے باہر گھسیٹ لیا۔ ٹانگیں کھینچنے سے اس کے سر پر منڈھا ہوا خود اتر گیا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ خود اترتے ہی لمبے لمبے بال بکھر گئے تھے۔

نرم اور ریشمی بال...... میں نے ان بالوں کے نیچے ایک جوان اور حسین چہرہ دیکھا جو گرد سے اٹا ہوا تھا لیکن...... جو نہ جانے کیوں مجھے جانا پہچانا لگ رہا تھا۔ میں نے اسے احتیاط سے باہر کھینچ کر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ دیا۔ بلاشبہ یہ عورت ہی تھی جو پوری طرح ہوش میں نہیں آئی تھی۔

لیکن...... میری حیرت کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ طاآس کے فوجیوں میں عورت بھی ہو گی میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ حسین اور دلربا آنکھیں۔ دل موہ لینے والی سیاہ آنکھیں۔ جو کھوئے کھوئے انداز میں مجھے تک رہی تھیں۔ میری ذہنی کیفیت عجیب تھی۔ میں ان آنکھوں کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

تب وہ آنکھیں ہوش میں آ گئیں۔ ان میں خوف در آیا اور اس کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی...... نسوانی اور دلکش چیخ...... جو میرے کانوں

میں ایک خوش گوار اثر چھوڑ گئی تھی۔

''زلزلہ۔زلزلہ......'' اس نے دو بار کہا۔

''ختم ہو گیا ہے۔!'' میں نے اسے تسلی دینے والے انداز میں کہا اور اس کا سر سینے سے بھینچ لیا...... وہ بھی کسی خوفزدہ بچے کی طرح مجھ سے چمٹ گئی۔! کئی منٹ تک اسی طرح میری آغوش میں منہ چھپائے، آنکھیں بند کیے لیٹی رہی...... پھر اس نے اپنے جسم کو جنبش دی۔ اور میرا سہارا لے کر اٹھ بیٹھی۔ اب وہ میری شکل دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے اور ان سے آواز نکلی۔!

''لتا کا کہاں ہے۔؟''

''زلزلے کی نذر ہو گئی...... مگر تم کون ہو......؟'' میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''تم مجھے نہیں پہچانتے۔؟'' اس نے شاکی انداز میں کہا۔

''ہاں...... میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے یاد نہیں آسکا...... تاہم میں نے تمہیں دیکھا۔''

''میں انطاریہ ہوں...... طاآس کی سب سے چھوٹی رانی...... کیا تمہیں یاد آ گیا۔؟'' اس نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا اور میری آنکھوں سے ایکدم پردہ ہٹ گیا۔ میرے ذہن سے غبار چھٹ گیا اور مجھے وہ شام یاد آ گئی جب شہنشاہ طاآس اپنی رانیوں کے ساتھ بیٹھا...... مجھے اگناس کی گرفتاری پر آمادہ کر رہا تھا، اور میری نگاہیں اس کی ایک کمسن رانی کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ تب میں اس حسین رانی کی آنکھوں میں رقابت کے جذبات محسوس کیے تھے۔ سیاہ حسین آنکھوں میں رشک و حسد کی آگ دیکھی تھی۔ یہی تو وہ آنکھیں تھیں۔ یہی تو وہ خدوخال تھے جو گرد میں اٹے ہونے کے باوجود انتہائی دلکش تھے۔!

لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے شدید حیرت ہوئی تھی۔ ''تم۔ ہاں، میں تمہیں پہچان گیا۔ لیکن تم...... یہاں اس لباس میں۔؟'' میں نے حیرت سے کہا...... اور اس نے ایک گہری سانس لے کر رخ دوسری طرف کر لیا۔

''ہاں...... میں انطاریہ ہوں...... طاآس کی سب سے چھوٹی رانی۔ اس کی سب سے بڑی چاہت۔ لیکن۔ وہ میری چاہت نہیں بن سکا، میں نے تمہیں دیکھا، پسند کر لیا۔ لیکن تم...... بے درد انسان...... تم نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا...... تم تو لتا کا میں کھوئے ہوئے تھے......'' اس کے انداز میں شکایت تھی۔

''ہاں...... مجھے۔ اعتراف ہے۔ لیکن تم یہاں کب اور کیسے آ گئیں۔؟''

''میں تمہاری محبت میں پاگل ہو گئی تھی اور دیکھ لو...... تمہارے لئے میں نے سب کچھ چھوڑ دیا...... میں چالاکی سے، بھیس بدل کر اس فوج میں شامل ہو گئی، جو اگناس کی سرکوبی کے لئے تمہاری سرکردگی میں آ رہی تھی...... میں نے تمہاری معیت میں یہ دشوار گزار راستے پار کیے۔ میں، جس نے کبھی پھولوں کی پتیوں سے پاؤں نیچے نہیں اتارا...... لیکن لتا کا تمہارے گلے کا ہار بنی رہی...... ہم یہاں تک آ گئے۔ تب مجھ پر انکشاف ہوا کہ جرنیل میرے چھوٹے قد کی وجہ سے میرے اوپر شبہ کرنے لگے ہیں اور میں انہیں پہاڑوں میں روپوش ہو گئی...... وہ مجھے نہیں تلاش کر سکے اور مجھے بھی

گورب کا ساتھی سمجھ لیا گیا...... مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ میں تو بس لتا کا کو ہلاک کر کے تمہارا قرب چاہتی تھی اور پچھلی رات میں نے لتا کا کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تو تم جاگ گئے اور تم نے اسے بچالیا تم نے میرا تعاقب کیا...... لیکن میں تمہارے خیمے کے عقب میں پوشیدہ ہوگئی۔ اگر تم مجھے پالیتے تو ہلاک کر دیتے نا......؟ بولو......"

میں دیوانوں کی طرح منہ پھاڑے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ بڑی عجیب کہانی سنائی تھی اس نے۔ بڑی حیرت انگیز لڑکی تھی وہ۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنی قسمت پر بھی ناز کر رہا تھا...... میری تنہائی دور ہوگئی تھی...... ایک اور حسین ساتھی میرا مقدر بن گیا تھا...... اب مجھے ان پہاڑوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی میں تو یوں بھی ہر ماحول میں زندگی گزارنے کا عادی تھا...... اور مجھے جس چیز کی ضرورت تھی وہ مل گئی تھی...... بہرحال حیرت کی وجہ سے میرے حواس ابھی تک بحال نہیں ہوئے تھے۔!

"لتا کا مر چکی ہے اور تم ابھی اس کا سوگ مناؤ گے۔ کیوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بھی کیوں نہ مرگئی...... فوج کے باقی لوگ کہاں ہیں...... کیا زلزلے نے کچھ اور لوگوں کی بھی جاں بخشی کر دی ہے۔؟"

"کوئی بھی زندہ نہیں بچا اطاریہ...... ان خوفناک پہاڑوں میں اب میرے اور تمہارے سوا کوئی جاندار نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکرانے لگی۔!

"کیا اب بھی تم میری محبت کے قائل نہ ہو گے۔ کیا تمہیں احساس نہیں ہے کہ میری شدید محبت کی تڑپ نے ہی تمہاری زندگی...... بچائی ہے، ورنہ تم بھی دوسروں کی طرح کچل کر مر جاتے۔"

اس کی عمر بہت کم تھی پروفیسر...... اس کی آواز، اس کے لہجے اور اس کے سوچنے کے انداز میں بے پناہ معصومیت تھی۔ وہ اپنی طلب کی سچائی پر نازاں تھی اور خود کو میری زندگی کا محافظ سمجھ رہی تھی۔ میں اس کی معصومیت پر مر مٹا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے آغوش میں لے لیا اور بولا۔

"بے شک...... میری زندگی صرف تمہاری وجہ سے بچ گئی ہے۔" میری غیر متوقع حرکت، میرا محبت بھرا انداز میرے لہجے کی حلاوت ان تینوں چیزوں نے اسے حیران کر دیا...... ایسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی غیر متوقع چیز مل گئی ہو...... وہ حیرانی سے ان تینوں باتوں کا یقین کرنے لگی...... کیا معصوم انداز تھا پروفیسر...... پھر یہ جاننے کے بعد کہ یہ سب کچھ اس کے تصور کا وہم تو نہیں تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"میں چاہتی ہوں تم ہمیشہ زندہ رہو...... لتا کا تو اب مرہی گئی...... بس تم مجھے پیار کرتے رہو۔!" اس نے محبت سے میری گردن اور رخسار چومتے ہوئے کہا۔

"تم کہتی ہو تو میں ہمیشہ زندہ رہوں گا تم نے میرے لئے بہت تکلیف اٹھائی ہے...... میں نے گرم جوشی سے اسے سینے سے بھینچتے ہوئے کہا۔

"تم لتا کا کو تو یاد نہیں کرو گے......؟" اس نے مشتبہ انداز میں مجھے گھورا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ خوش ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ کافی دیر کے بعد وہ مجھ سے علیحدہ ہوئی۔ پھر اس نے بچوں کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھا، اور پریشانی سے بولی۔

''لیکن اب ہم یہاں سے کیسے نکل سکیں گے۔؟''

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔؟''

''اوہ...... ہاں...... میں بھول گئی تھی...... تم میرے ساتھ ہو۔'' اس نے جیسے مطمئن ہو کر کہا اور پھر وہ مطمئن انداز میں میری طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔

''آؤ...... یہاں سے چلیں...... اس جگہ کے مناظر اچھے نہیں ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد یہاں تعفن پھوٹنے لگے گا۔ ہمیں یہاں سے دور نکل چلنا چاہیے۔!''

''پیدل چلیں گے۔ گھوڑے تو مر چکے ہوں گے۔!'' اس نے کہا۔

''ہاں...... پیدل چلیں گے۔!'' میں نے کہا...... اور ہم پیدل چل پڑے میں سب کو بھول گیا تھا۔ صرف یہ ننھی لڑکی مجھے یاد تھی جو لنا کا سے زیادہ حسین تھی...... اس سے زیادہ معصوم تھی اور میں بے حد خوش تھا...... میں اسے سہارا دے کر خطرناک راستے عبور کر رہا تھا...... میری خواہش تھی کہ جلد از جلد ان پہاڑوں سے دور نکل جاؤں...... اور ہم سفر کرتے رہے...... کافی تیز رفتاری سے خطرناک گھاٹیاں، سر بلند خوفناک پہاڑیاں عبور کرتے رہے...... اچانک انطاریہ نے ایک طرف اشارہ کیا...... اور میں نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا۔

ایک جنگلی جانور تھا...... ان علاقوں میں یہ پہلا جانور نظر آیا تھا اس جانور کے بہت سے سینگ تھے...... اس سے قبل بھی میں ایسے جانور شکار کر چکا تھا۔ بلاشبہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے...... لیکن اس وقت میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا...... میں جانور کی طرف دیکھتا رہا...... اس جانور کی یہاں موجودگی سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی سبزہ زار زیادہ دور نہیں تھا۔ ممکن ہے اس پہاڑی دیوار کے دوسری طرف اس جیسے پہاڑوں کے بجائے ہموار میدان ہوں۔ جن پر سبزہ اگا ہوا ہو۔! ہم لوگ بھوکے بھی تھے۔ میں نے ایک لمحے سوچا اور پھر فیصلہ کر لیا کہ زمانہ قدیم کی طرح اسے شکار کروں گا، میرے لئے کوئی بات اجنبی نہیں تھی، میں نے انطاریہ کو رکنے کا اشارہ کیا اور ایک نوکدار پتھر تلاش کر کے اٹھا لیا۔ پھر میں دبے پاؤں جانور کی طرف بڑھا۔ لیکن چالاک جانور کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور اس نے قلانچ بھری۔ میں اسے نکلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ جانور نے ایک سمت کا رخ کیا تھا اور پھر وہ ایک بہت بڑے غار کے دہانے میں گھس گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے دہانے میں داخل ہو گیا تھا۔ اندر تاریکی تھی لیکن بائیں سمت کچھ ہٹ کر روشنی کا ایک دھبہ دکھائی دے رہا تھا...... میں تیزی سے اس دھبے کی طرف مڑا اور بہت تھوڑا فاصلہ طے کر کے اس کے قریب پہنچ گیا...... دوسری طرف تیز روشنی تھی میں جلدی سے روشنی میں نکل آیا۔!

تب میں حیران رہ گیا...... دوسری طرف ایک طویل میدان تھا۔ سبز گھاس، درخت، اور دور کافی دور ایک چمکدار لکیر نظر آ رہی تھی...... پانی...... ! میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ تب میں نے اس جانور کی تلاش میں نگاہ دوڑائی وہ میرے بائیں سمت دوڑ رہا تھا۔ میں نے پھر اس کی طرف چھلانگ لگائی اور جب فاصلہ کم ہو گیا، تو میرا ہاتھ کا نوکدار پتھر پوری قوت سے نکل کر جانور کی پسلیوں پر پڑا۔ وہ زور سے اچھلا اور نیچے گر پڑا۔ تب میں اس کے سر پر پہنچ گیا...... جانور کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں...... اور وہ دم توڑ رہا تھا۔ میں نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کی گردن توڑ کر اسے زندگی کی

تکلیف سے نجات دے دی۔ اور پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر واپس پلٹا...... پہاڑ کے سوراخ سے نکل کر میں دوسری طرف آیا جہاں انطاریہ حیران و پریشان کھڑی تھی۔

مجھے دیکھ کر اس نے خوشی کی آواز نکالی اور میں اس کے قریب پہنچ گیا...... ''میں تمہارے لئے خوشخبری لایا ہوں......'' میں نے مسرور لہجہ میں کہا۔

''کیا......؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''آؤ......!'' میں اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ نزاکت سے میرے ساتھ چل پڑی۔ میں اس کے لوچدار جسم کی لچک دیکھ رہا تھا۔ بے چاری نے میری وجہ سے کس قدر مشقت کی ہے ورنہ وہ بچ مچ پھولوں کی رانی ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔ ہم سوراخ میں داخل ہو کر دوسری طرف نکل آئے اور دوسری طرف کا منظر دیکھ کر وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

''آہ......ہم کس قدر دلکش ماحول میں آگئے......کیسی حسین جگہ ہے یہ......مگر تمہارا شکار کہاں ہے۔؟''

''وہ اس طرف......'' میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔'' اس بے چارے نے صرف یہاں تک ہماری رہنمائی کرنے کے لئے جان دی ہے۔ آؤ ہم اسے احترام سے پیٹوں میں اتار لیں۔'' میں نے قدرے مزاحیہ انداز میں کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بڑا جاندار...... بڑا معصومانہ قہقہہ تھا...... میں کافی دیر تک اس کی نغمگی میں کھویا رہا......اور پھر پروفیسر...... میں نے اپنے ہاتھوں سے شکار کی کھال اتاری......اس کی مضبوط ہڈیاں توڑیں۔ خشک لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی اور شکار بھوننے لگا۔

انطاریہ بہت خوش تھی...... وہ کبھی مجھے کام کرتے دیکھتی اور کبھی اس مرغزار پر نگاہیں دوڑاتی۔ گوشت بھن گیا۔ سورج جھک گیا تھا۔ میں نے ایک ران انطاریہ کے ہاتھوں میں پکڑا دی اور دوسری خود دانتوں سے بھنبھوڑنے لگا...... انطاریہ بھی میری طرح کھا رہی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ بارہ سنگھے کا گوشت چباتے ہوئے اس نے کہا۔

''محلوں کے تکلفات سے دور...... اس طرح کھانے میں کس قدر لطف آ رہا ہے۔ اسی کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ اس میں میرے محبوب کے ہاتھوں کی بو رچی ہوئی ہے۔''

اس کے الفاظ سے میں سرشار ہو گیا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔'' تم اس قدر چاہتی ہو مجھے انطاریہ......؟''

''کاش میں الفاظ سے اپنی محبت کا صحیح اظہار کر سکتی۔''

ہم نے خوب پیٹ بھر کر گوشت کھایا، باقی گوشت میں نے ساتھ لے لیا اور انطاریہ کا ہاتھ پکڑ کر اس چمکدار لکیر کی طرف بڑھ گیا جو دور سے اب بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ انطاریہ خوشی خوشی میرے ساتھ سفر کر رہی تھی...... طویل فاصلہ طے ہو گیا......اور ہم پانی کی قریب پہنچ گئے۔!

صاف و شفاف پانی...... جس کی تہہ صاف نظر آ رہی تھی۔ بھوری ریت کے اوپر بہتا ہوا پانی دیکھنے ہی میں خوش نما معلوم ہوتا تھا...... ہم نے چلوؤں سے پانی پیا......اور پھر سیر ہونے کے بعد گردن اٹھائی......تب میری نگاہ انطاریہ کے سیاہ بالوں پر پڑی جو دھول سے اٹے ہوئے تھے۔ اور میرے دل میں گدگدی ہونے لگی۔

''اطاریہ......'' میں نے اسے آواز دی۔

''ہوں۔!'' وہ کھسک کر میرے سینے سے آ لگی۔

''تمہارے بالوں میں مٹی اٹی ہوئی ہے۔ چہرہ بھی گرد آلود ہے کیوں نہ ہم نہالیں......اس شفاف پانی میں نہانے سے تمام تھکن دور ہو جائیگی۔''

اس نے شرمائی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔

''تب پھر اٹھو......!'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کا شرمایا سرخ چہرہ بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حیا سے جھکی ہوئی تھیں۔

نسوانیت کا یہ انوکھا انداز اس سے قبل میرے سامنے نہیں آیا تھا......اور یہ بات مسلم ہے پروفیسر......کہ نسوانیت اگر حیا لئے ہوئے ہو تو اس کی کشش ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔ اب تک مجھے جو عورتیں ملی تھیں انہوں نے مجھ سے زیادہ ہوس کا مظاہرہ کیا تھا......بے شک وہ بحیثیت عورت بہت کچھ تھیں......لیکن اطاریہ کا یہ شرمایا شرمایا انداز ان تمام عورتوں کی گرم جوشی پر حاوی تھا......! میرے دل میں خوشگوار دھڑکنیں بیدار ہو گئیں پھر میں اسے ہاتھوں میں اٹھائے پانی کی طرف بڑھ گیا......وہ بالکل خاموش تھی......میں پانی میں اتر گیا......ٹھنڈا فرحت بخش پانی......میں نے جھرنے کی ندی میں بیٹھ کر اسے پانی میں غوطہ دیا تو وہ سردی سے متاثر ہو کر میرے جسم سے لپٹ گئی......اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

''اطاریہ......'' میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہوں۔!'' اس نے آنکھیں بند کئے کئے جواب دیا۔

''نہاؤ گی نہیں؟''

''ہوں۔!'' وہ پھر اسی انداز میں بولی۔ اور اس کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ ابھر آئی......میں نے شرارتاً اسے پانی میں پھینک دیا۔ اور اس نے گھبرا کر جلدی سے آنکھیں کھول دیں اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا اور دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

عجیب لڑکی تھی پروفیسر......وہ......انتہائی عجیب۔!

اس نے رک کر پروفیسر خاور کے چہرے کی طرف دیکھا۔ بوڑھے خاور کی آنکھوں میں جوانی کی چمک نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اشتیاق کے آثار تھے۔ وہ خود کو اسی ماحول میں محسوس کر رہا تھا......وسیع و عریض میدان سبزے سے لدا ہوا۔ جس کے درمیان بہتی ہوئی حسین ندی......اور حسین ندی میں دو چمکدار جسم......جوانی سے بھرپور......حسن و عشق کی اٹھکیلیوں میں مصروف۔

اور خود پروفیسر خاور......ہاں......وہ ان سے زیادہ دور نہیں تھا......اس مرغزار میں......ایک درخت کی اوٹ سے جھانکتا ہوا......خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا......ان جسموں پر نگاہیں جمائے......اس نوشگفتہ جوڑے کے آئندہ اقدامات کا انتظار کر رہا تھا!

اس کے رکنے سے طلسم ٹوٹ گیا تھا۔ پروفیسر کی نگاہ اس کے چہرے پر پڑی اور وہ اچھل پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے درخت کی اوٹ سے اس کا سر نظر آ گیا ہو اور اب وہ دونوں اسے دیکھ رہے ہوں۔ اس کی موجودگی پر شرمسار ہوں۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں داستان گو کا چہرہ

دیکھا...اور پھر اپنی بچیوں کی طرف!

فرزانہ اور فروزاں کے چہرے بھی جوشِ جذبات سے سُرخ ہو گئے تھے۔ان کے تنفس بھی تیز تھے۔ان کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں، ان کے آنکھوں میں نشہ تیر رہا تھا... بالکل اسی طرح، جیسے انطاریہ کی آنکھوں میں...! پروفیسر نے گھبرا کر ان کے چہرے سے نگاہ ہٹالی۔ وہ بد حواس ہو گیا تھا۔

داستان گو کی طویل خاموشی سے لڑکیاں بھی چونک پڑیں.....سب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور چور بن گئے۔سب ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے۔داستان گو کو احساس ہو گیا۔اس کے ہونٹوں کی شرارت آمیز مسکراہٹ نے سب پر عیاں کر دیا کہ وہ سب کی چوری پکڑ چکا ہے۔انطاریہ اور بہادر نے کچھ دور کھڑے تینوں افراد کو دیکھ لیا تھا جو درخت سے جھانک رہے ہیں!

لیکن اس نے انھیں مزید شرمسار ہونے سے بچالیا اور جلدی سے اپنی داستان دوبارہ شروع کر دی۔'' کافی دیر تک ہم پانی میں نہاتے رہے پروفیسر۔انطاریہ جذبات میں ڈوب گئی۔اس کی خاموش آنکھیں مجھے پکار رہی تھیں۔میں نے اُن کی آواز سنی اور اسے اپنے سینے میں جذب کر لیا ایسی خود سپردگی مجھے آج تک نہ ملی تھی پروفیسر۔اس میں حجاب بھی تھا بے چینی بھی! طلب بھی تھی اور جھجک بھی...اور میں نے تمام چیزیں خود میں سمیٹ لیں۔میں اسے بازوؤں میں بھینچے ہوئے باہر نکل آیا۔ندی کے کنارے کی لمبی لمبی گھاس پر لٹا دیا اور پھر میں اُس پر جھک گیا.....روشنی نے شرما کر تاریکی کی چادر اوڑھ لی۔چہچہاتے پرندے خاموش ہو گئے۔وہ ہماری سرگوشیاں سُن رہے تھے!

اور پھر جب چاند نے سر اُبھارا تو انطاریہ کا گلنار چہرہ میرے سامنے تھا----اس کے چہرے پر بے پناہ سکون تھا اُس نے میرے لئے ایک طویل جدوجہد کی تھی۔اس نے اپنی زندگی میں ایک ہی خواہش کی تھی اور اپنی پسند حاصل کرنے کے بعد اسے دنیا کی کسی اور چیز کی ضرورت نہ رہی تھی اور اب وہ میری آغوش میں کیف و سرور کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔میں بھی آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔میرے ذہن میں بے شمار خیالات تھے۔بہت سے احساسات تھے۔یوں تو سوچنے کے لئے میرے پاس نہ جانے کیا کیا تھا اُس دور کی کہانی میرے ذہن میں محفوظ تھی۔کہاں تک سوچتا۔کس کس کو یاد کرتا بس ذہن کے پردے پر گزرے ہوئے واقعات کی پرچھائیاں تیزی سے دوڑتی گزر جاتیں، مناظر بدلتے رہتے اور میں سوچتا کہ ان میں سے کون سے دور کو اپنی زندگی کا سب سے حسین دور کہوں۔یہ فیصلہ بے حد مشکل تھا۔ہر دور کی ہر تبدیلی نے مجھے نئی نئی مسرتوں سے روشناس کرایا تھا۔ہر نیا دور مجھے کچھ دے کر گیا تھا۔ہاں ایک بات کا احساس مجھے کبھی کبھی ہونے لگتا تھا وہ یہ کہ میں بے شمار لوگوں کے ساتھ زندگی گزار چکا تھا۔بہت سے لوگوں کی قسمت بدلنے میں میرا ہاتھ تھا لیکن میری حیثیت ابھی تک کوئی ٹھوس شکل اختیار نہیں کر سکی تھی۔میں ایک سیلانی روح کی طرح تھا، ادوار لوگوں اور ماحول کو دیکھتا چلا جاتا۔خود میں نے اپنے آپ کو ان ادوار سے روشناس کرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔تاریخ مجھے کوئی حیثیت نہیں دے سکی تھی اور کبھی کبھی میں سوچنے لگتا تھا کہ میں اپنے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔خود کو کچل رہا ہوں...! پھر میں اپنی فطرت سے سوال کرتا! جو کچھ میں ہوں اگر وہ نہ رہوں تو کیا بن جاؤں....؟ بلاشبہ اپنے زورِ بازو سے میں بہت بڑی قلمروں کا حکمراں بن سکتا تھا.....میری سلطنت اتنی وسیع ہو سکتی ہے کہ اب تک زمین پر کسی کی نہ ہوتی.....اور میں دنیا کا سب سے کامیاب و کامران حکمران ہوتا لیکن اس سے فائدہ.....لوگ پیدا ہوتے ہیں۔مرجانے کے لئے

مختصر زندگی ہوتی ہے۔ اس زندگی میں جو کچھ کر جاتے ہیں اس پر ناز کرتے ہیں۔ میری زندگی مختصر نہیں تھی۔ میں کہاں تک، کیا کیا کرتا اور اگر کچھ کرنے ہی کو دل چاہ گیا تو طویل زندگی پڑی ہے۔

نہ جانے کیوں اس وقت اس قسم کے خیالات ذہن گھوم رہے تھے۔ میری محبوبہ میرے پہلو میں پڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اچانک مجھے اپنی کمر میں ایک چبھن کا احساس ہوا۔ نہ جانے کیا تھا، میں نے گردن گھمائی، تانبے کے رنگت کی دو ٹانگیں نظر آئیں... ایک لمبا نیزہ نظر آیا جس کے انی میری کمر میں چبھی ہوئی تھی۔

میں چونک پڑا۔ اُچھل پڑا۔ دوسرے لمحے میں نے انطاریہ کو تھپ تھپایا اور آہستہ سے بولا۔ ''اٹھو انطاریہ۔ سین بدل گیا ہے۔''

''سونے دو۔'' انطاریہ نے نشے آلود آواز میں کہا۔

''اُٹھ جاؤ انطاریہ!'' میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔'' نہ جانے اُس نے کیا دیکھا کہ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اور پھر وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ گئی۔ تب میں بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا...... میں نے صرف دو ٹانگیں دیکھی تھیں...... لیکن اٹھنے کے بعد مجھے بے شمار لوگ نظر آئے جو میرے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے...... مجھے صرف ایک بات پر حیرت ہوئی۔ نہ جانے کیوں میں ان لوگوں کے قدموں کی آہٹ نہیں سن سکا تھا!

پھر اپنے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

''کیا چاہتے ہو جوان......؟''

''خود کو ہمارے حوالے کر دو...... اگر کوئی حرکت کی تو تمہیں اور لڑکی کو قتل کر دیا جائے گا۔''

''کوئی حرکت نہیں ہوگی...... اطمینان رکھو...... مگر تم ہو کون۔؟''

''الکورہ کے محافظ......''

''اگناس کے ساتھی۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ عظیم اگناس کے جاں نثار......'' اس نے جواب دیا۔

''مجھے کیوں گرفتار کرنا چاہتے ہو......؟''

''یہ طلوع پرستوں کی سرزمین ہے۔ جس کی طرف خود ساختہ خدا طاآس کی بری نگاہیں ہمیشہ پڑتی ہیں۔ وہ اس سرزمین کے اسرار معلوم کرتا رہتا ہے۔ اس کے ہرکارے اگناس کی طاقت کا زور جاننے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ ہماری بستیوں کے نشان حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ انہیں تباہ کر سکے اس لئے ہم اجنبیوں کو اس سرزمین پر پسند نہیں کرتے۔ کون جانے تم بھی طاآس کے ساتھی ہو۔ اور یہاں کسی خاص مقصد کے تحت آئے ہو۔''

''تب پھر...... اب تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''تمہیں اگناس کے سامنے پیش کریں گے۔ اگناس تمہارے بارے میں فیصلہ کرے گا۔''

''ٹھیک ہے دوستو۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔'' میں نے مسرور ہوتے ہوئے کہا۔ میں تو خود اگناس سے ملاقات کا خواہشمند تھا۔ میں اس باغی سردار کو دیکھنا چاہتا تھا جس کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا میں نیا انطاریہ کو آواز دی۔ اور انطاریہ میرے قریب آ گئی۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے انطاریہ۔ یہ لوگ ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔''

''مگر...... یہ اگناس کے آدمی ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟''

''اگناس طاآس کا دشمن ہے۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ ہم طاآس کے ساتھی ہیں تو......''

''تو کچھ بھی نہ ہوگا انطاریہ...... تم بے فکر رہو۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس کا بازو پکڑ کر ان لوگوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ سب...... نیزے تانے آگے بڑھنے لگے۔ ان کی تعداد پچاس سے کم نہ ہوگی۔ سب میرے گرد گھیرا بنائے چل رہے تھے۔

''تمہاری بستی یہاں سے کتنی دور ہے۔ اور کیا تم پیدل سفر کرو گے۔؟'' میں نے چیخ کر پوچھا۔

''بستی زیادہ دور نہیں ہے۔ اور ہم گھوڑوں پر سفر کریں گے۔ گھوڑے درختوں کے دوسری طرف موجود ہیں۔'' اس نے جواب دیا...... اور میں نے اطمینان کی سانس لی مجھے اپنی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن انطاریہ میرے ساتھ تھی نہ جانے اس صنف میں کیا کشش ہے کہ انسان ہمیشہ اس کی بہتری کے لئے سوچتا رہا ہے۔ وہ خود دنیا بھر کی تکلیف گوارہ کر لیتا ہے۔ لیکن عورت کی تکلیف اس سے نہیں دیکھی جاتی۔ بہرحال ہم ان لوگوں کے ساتھ درختوں کے دوسری طرف پہنچ گئے جہاں دو آدمی گھوڑوں کی نگرانی کر رہے تھے۔

انہوں نے دو مضبوط گھوڑے ہمارے حوالے کر دیئے۔ جن لوگوں کے گھوڑے ہمارے استعمال میں آئے تھے وہ دوسروں کے ساتھ ان کے گھوڑوں پر بیٹھ گئے...... وہ ہمارے گھوڑوں کو گھیرے میں لئے چل رہے تھے تاکہ ہم فرار نہ ہو سکیں۔ گھوڑوں کی رفتار بھی سست تھی۔ ہم سفر کرتے رہے۔ راستے میں میں نے انطاریہ سے پوچھا۔

''کیا طاآس کو تمہاری گمشدگی پر حیرت نہ ہوگی انطاریہ۔؟''

''نہ صرف حیرت بلکہ وہ سخت پریشان ہوگا۔ بوڑھا ابوالہوس سب سے زیادہ مجھے چاہتا تھا۔ لیکن میرے دل میں کبھی اس کی محبت پیدا نہ ہو سکی اور سچ پوچھو بہادر...... تو میں بھی اس کی معبودیت کو دل سے تسلیم نہیں کرتی۔ وہ دوسروں کے سامنے خدا بن جاتا ہے۔ لیکن تنہائی میں وہ ایک بے بس چوہا ہوتا ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں کچھ نہیں ہے۔''

''اس نے تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کی ہوگی۔؟''

''اپنی قلمرو کے چپے چپے میں۔ وہ بہت نڈھال ہوگا۔''

''کیا دیوانگی میں اپنی فوجیں تو یہاں نہ بھیج دے گا۔؟''

''اگناس کے علاقے میں وہ کوئی کمزور قدم اٹھانا حماقت سمجھتا ہے۔ ایسا نہ کرے گا۔'' انطاریہ نے جواب دیا اور میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

سفر جاری رہا۔ گھوڑوں کی سست رفتاری کی وجہ سے خاصی دیر لگی اور پھر ہمیں ایک بستی کے آثار نظر آئے۔ عارضی بستی تھی جو ایک بلند و بالا پہاڑی کے دامن میں بسائی گئی تھی۔ چاروں طرف سر بفلک پہاڑیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں اور بستی تک پہنچنے کے لئے صرف ایک درہ تھا۔ گویا اگر کوئی بیرونی فوج حملہ آور ہوتی تو پوری قوت اس درے پر لگائی جا سکتی تھی اور اس طرح فوج کو روکنا بہت آسان تھا۔ ہاں اگر بہت ہی بڑے لشکر سے مقابلہ ہوا اور وہ پہاڑیاں عبور کر کے اس بستی پر حملہ آور ہوں تو دوسری بات تھی۔ ایسی شکل میں بھی ان پہاڑیوں سے دفاع کیا جا سکتا تھا۔

جھونپڑیوں کی تعداد قابل شمار تھی۔ بس تا حد نگاہ جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں نظر آ رہی تھیں جس سے اس بستی کی بے پناہ آبادی کا اندازہ ہوتا تھا۔ جگہ جگہ کنوئیں بنے ہوئے تھے جن سے ہوا کے ذریعے پانی نکالا جا سکتا تھا۔ گویا یہاں پن چکیاں ایجاد ہو چکی تھیں جو اس سے قبل میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھیں۔

بعد میں، میں نے ان لوگوں کا پورا انتظام عمل دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ بلاشبہ یہ دنیا کی ذہین ترین نسل تھی۔ خود طاآس کی عالیشان قلمرو میں بھی وہ کچھ نہیں تھا جو یہاں اس بستی میں موجود تھا۔ میں نے ایک نگاہ میں ہی اندازہ لگایا کہ یہ مائل بہ ترقی اور ناقابل تسخیر قوم ہے اور طاآس ان پر کبھی فتح نہیں حاصل کر سکتا۔

جھونپڑیوں کے درمیان لوگ چل پھر رہے تھے۔ تندرست و توانا لوگ۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے۔ سب کے سب ہشاش بشاش۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے رہے۔ کوئی جھونپڑی ایسی نہیں تھی جس کے سامنے کے حصے میں ترکاریاں نہ لگی ہوں۔ بہت سی جھونپڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے بالآخر ہم ایک جھونپڑی کے سامنے پہنچ گئے۔ اس جھونپڑی کا صحن دوسری طرف تھا چنانچہ گھوڑے سوار سب ایک طرف رک گئے۔ صرف دو آدمی مجھے اور انطاریہ کو ساتھ لے کر جھونپڑی کے دوسری طرف چل پڑے۔ وہ اب بھی گھوڑوں پر تھے۔

صحن میں ترکاریاں لگی ہوئی تھیں اور میں نے ان پودوں کے درمیان ایک دیو قامت نوجوان کو دیکھا۔ بلاشبہ یہ دیو ہی تھا۔ انتہائی لمبا قد۔ لمبے لمبے بال۔ تانبے کی طرح سرخ چہرہ۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں۔ درختوں کی موٹی شاخوں جیسی کلائیاں۔ وہ ترکاریوں کے پودوں کے درمیان سے خودرو پودے چھانٹ رہا تھا۔ گھوڑوں کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے گردن اٹھا کر ہماری طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں غضب کا جلال تھا۔ تب وہ کھڑا ہو گیا اور تعجب سے ہمیں دیکھنے لگا۔

دونوں گھوڑے سوار نیچے اتر آئے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی میں بھی نیچے اتر گیا اور انطاریہ بھی۔ دیو قامت نوجوان تعجب سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ تب ایک گھوڑے سوار نے آگے بڑھ کر کہا۔

''میں نے اسے مابسا کی سرحد کے قریب سے گرفتار کیا ہے اگناس۔''

"کون ہیں یہ دونوں؟" اگناس نے پوچھا۔ میں اس مشہور زمانہ انسان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ دنیا کا طاقتور ترین انسان ہوگا۔

"مابیسا کی چھوٹی ندی کے کنارے۔ ایک دوسرے سے ہم آغوش تھے۔ ہمارے لئے اجنبی ہیں۔" ہمیں لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"کیا انہوں نے سرکشی کی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ اگناس کے نام پر انہوں نے خود کو چوہوں کی طرح ہمارے حوالے کر دیا۔"

"کیا تم نے ان سے کوئی بدسلوکی کی؟" اس نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

"نہیں اگناس۔ ان سے معلوم کر سکتے ہو۔"

"کیا یہ درست کہہ رہے ہیں؟" اس نے براہ راست مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی۔" میں نے جواب دیا اور اگناس نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ پھر وہ اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اجنبیوں کو مہمان کی حیثیت سے رکھو۔ کل سمجھداروں کے سامنے ان سے سوال و جواب کئے جائیں گے اور تم جانتے ہو کہ مہمانوں کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے۔"

"ہم تیرے حکم کا احترام کریں گے اگناس۔" اس کے دونوں آدمیوں نے سر جھکا کر کہا اور پھر ہمیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہم دونوں کو لے کر ایک خوشنما جھونپڑی کے پاس آیا اور پھر ہمیں اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ اب ان کے رویے میں نرمی تھی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہم میزبانی کے لئے حاضر ہیں قابل احترام شخص۔ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی لیکن مہمان کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم ایک معقول مہمان ثابت ہو گے۔"

"تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔" میں نے کہا اور وہ گردن جھکا کر باہر نکل گئے۔ میں نے جھونپڑی کو اندر سے دیکھا۔ خاصی کشادہ جھونپڑی تھی۔ دیواروں پر جانوروں کی کھالیں منڈھی ہوئی تھیں۔ پرندوں کے پروں کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ آرام دہ بستر موجود تھے۔ میں نے انطاریہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ فکرمندی سی بیٹھ گئی۔

"اب کیا ہوگا۔؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"کیوں۔ تم کیوں پریشان ہو۔؟" میں نے بےفکری سے سوال کیا۔

"ہم اگناس کے قیدی ہیں۔"

"ہم کسی کے قیدی نہیں ہیں انطاریہ۔ ان کی کیا مجال تھی کہ وہ مجھے یہاں تک لے آتے لیکن میں اگناس سے ملنے آیا تھا۔ طاآس نے مجھے اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے۔ میں اس شخص کو دیکھنا چاہتا تھا جس نے طاآس کی پوری فوج کو شکست دی تھی۔"

"اور تم نے دیکھ لیا۔ وہ کون سے جہان کا انسان ہے۔" انطاریہ نے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اتنا طاقتور انسان نہیں دیکھا۔"

بلاشبہ ہماری خوب خاطر کی گئی۔ پھل، گوشت اور دودھ ہمارے سامنے ڈھیر کر دیا گیا۔ شام کو مکی اور کچی ترکاریوں اور دودھ سے تواضع کی گئی اور رات کو بھنا ہوا گوشت اور دوسرا کھانا۔ جو میں نے اور انطاریہ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ پھر رات آ گئی اور میں نے جھونپڑی کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں بالکل پرسکون تھا۔ کم از کم اتنا اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ وہ لوگ برے نہیں ہیں اور اس وقت تک برے ثابت ہوں گے جب تک ان کے ساتھ کوئی شرارت نہ کی جائے۔

اور پھر رات تھی اور انطاریہ..... حسن و دلکشی کا پیکر..... خود سپردگی لیکن حجاب کے ساتھ..... دیوانگی لیکن اظہار صرف آنکھوں سے ہوتا تھا۔ یہ رات بھی زندگی کی دلکش راتوں میں سے تھی۔ انطاریہ بھی بے حد خوش تھی۔ اس نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا تھا کہ میرا قرب پانے کے بعد اسے دنیا کی اور کسی چیز کی آرزو نہیں رہی ہے۔ رات کے کسی حصے میں ہم تھک کر سو گئے اور دوسری صبح جبکہ روشنی نہیں نکلی تھی۔ زور زور کے نقارے بجنے سے ہماری آنکھ کھل گئی۔

''یہ کیسا شور ہے؟'' انطاریہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' میں نے جواب دیا اور جھونپڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ باہر چند لوگ کھڑے تھے۔ وہ شاید میرے پاس ہی آئے تھے۔

''کیا بات ہے۔؟'' میں نے ان سے پوچھا۔

''اگر طلوع کے پجاری ہو تو ہمیں حکم ملا ہے کہ عبادت کی جگہ تمہاری رہنمائی کریں۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''میں طلوع کا پجاری نہیں ہوں لیکن تمہاری عبادت دیکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور وہ چونک پڑے پھر وہ پریشانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ بالآخر کسی نتیجے پر پہنچ کر انہوں نے کہا۔

''تم چل سکتے ہو۔ اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ ممکن ہے تمہارا ذہن اس مقدس روشنی کی طرف راغب ہو جائے جو لو ربخشتی ہے۔''

''تب میں تیار ہوں۔'' میں نے کہا اور انطاریہ کو لباس پہن کر باہر آنے کے لئے کہا۔ انطاریہ تیار ہو کر آ گئی اور ہم ان لوگوں کے ساتھ چل پڑے۔

جھونپڑیوں سے دور ایک وسیع میدان میں انسانوں کا سمندر موجزن تھا۔ بستی کا ایک ایک فرد نکل آیا تھا۔ شیر خوار بچے تک ماؤں کی گودوں میں تھے اور جاگ رہے تھے۔ سہانی ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر ابر تھا۔ بڑا دلکش ماحول تھا۔ ہم بھی اسی میدان کی سمت جا رہے تھے اور پھر ہم ان لوگوں کے قریب پہنچ گئے۔ سب ایک قطار میں بیٹھے تھے۔ مجھے اور انطاریہ کو چھوڑ کر سب لانے والے کہیں اور چلے گئے۔ یہاں ہمارے اوپر کوئی پابندی نہیں تھی۔ میں انطاریہ کا ہاتھ پکڑے ان لوگوں سے قدرے فاصلے پر ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور انہیں دیکھتا رہا۔ بلاشبہ لاکھوں کا مجمع تھا لیکن کیا مجال جو کوئی ہلکی سی آواز بھی سنائی دے رہی ہو۔

دیوقامت اگناس بھی لوگوں کی قطار میں موجود تھا اور بیٹھے ہوئے بھی وہ کھڑے ہوتے والوں سے لمبا نظر آ رہا تھا۔ صرف اپنے قد کی وجہ سے اسے شناخت کیا جا سکتا تھا ورنہ اس میں اور عام لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔

وقت خاموشی سے گزرتا رہا اور پھر..... سامنے کی جھاڑیوں میں اجالے کی کرنیں پھوٹ پڑیں اور آہستہ آہستہ ایک بھنبھناہٹ گونج اٹھی۔

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ جوں جوں روشنی بلند ہوتی رہی یہ بھنبھناہٹ بڑھتی رہیں اور جب سورج کی پہلی کرن نے زمین کا رخ کیا تو وہ سب کھڑے ہوگئے۔ ان کا ایک ہاتھ بلند تھا اور وہ زور زور سے کہہ رہے تھے۔

''خوش آمدید...... خوش آمدید...... اے شہنشاہ نور...... خوش آمدید...... اے رحم والے...... خوش آمدید اے برکت والے...... ہماری آنکھوں نے تیرا منور چہرہ دیکھا۔ یقیناً برکتوں کی شام آئے گی۔ ہمیں تجھ پر بھروسہ ہے۔ تو ہمارا معبود ہے۔ تیری ضیاء سے زمین اناج اگلتی ہے۔ بھیڑیں دودھ دیتی ہیں۔ تو ہماری پرورش کرتا ہے...... ہماری عبادت قبول کر...... ہماری دعا قبول کر۔''

اور وہ خاموش ہوگئے۔ پھر وہ سب جھکے۔ انہوں نے زمین پر ہاتھ رکھ کر پیشانی پر لگایا اور عبادت ختم ہوگئی۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ سورج کے پجاری اس کی زیارت کرنے کے لئے صبح ہی صبح جاگ جاتے تھے۔ بہرحال یہ عبادت مجھے کافی دلچسپ محسوس ہوئی۔ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ واپس چل پڑا لیکن میں نے محسوس کر لیا تھا کہ میرے اردگرد کے لوگ چونکنے ہیں۔ ایک طرح سے وہ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ میں نے ان کی پرواہ نہ کی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس اپنی جھونپڑی میں آگئے۔

''عجیب لوگ ہیں۔'' اطاریہ نے تبصرہ کیا۔

''ان کی تعداد کتنی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''بے پناہ...... اور وہ سب قوی ہیکل ہیں۔''

''اور اگناس۔ میں نے آج ہی اسے دیکھا۔ وہ اس دنیا کا آدمی نہیں ہے۔ میری بات مانو۔ طاآس اسے کبھی شکست نہیں دے سکے گا۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا نہ ہی اسے اپنی توہین محسوس کیا۔ غریب اطاریہ تو میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ حالات اسے خود بتا دیں گے کہ میں کیا ہوں۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد ہمارے لئے ناشتہ آ گیا۔ حسب معمول دودھ، پھلوں اور عجیب ساخت کی موٹی موٹی روٹیوں پر مشتمل تھا۔ میں نے بے تکلفی سے ناشتہ کیا۔

پھر سورج نے تھوڑا سا سفر طے کیا تھا کہ کچھ نیزہ بردار ہمارے جھونپڑے میں آگئے۔ ان میں سے ایک اندر داخل ہوا۔

''اگناس نے تم دونوں کو طلب کیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہم تیار ہیں۔'' میں نے کہا اور پھر میں اطاریہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل آیا۔ نیزہ بردار میرے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ صرف ایک شخص ہماری رہنمائی کے لئے آگے چل رہا تھا۔ اس طرح ہم ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک احاطے کے قریب پہنچ گئے جس کا بہت بڑا دروازہ تھا۔ یہ عظیم الشان احاطہ بھی بانسوں سے بنایا گیا تھا۔ میں اطاریہ کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ احاطے میں تقریباً دو سو آدمی موجود تھے۔ دیوار کے کنارے کنارے پتھر کی نشستیں تھیں۔ جن پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے ایک بڑا چبوترہ تھا جس پر تین کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے درمیانی کرسی پر اگناس بیٹھا تھا اور اس کے دونوں طرف ایک انتہائی ضعیف بوڑھا...... جس کی ڈاڑھی پیٹ تک آتی تھی اور ایک اس سے کم بوڑھا موجود تھا۔ دونوں بوڑھے چہرے اور آنکھوں سے انتہائی دانش مند اور زیرک نظر آتے تھے۔ اگناس کے چہرے پر بے پناہ جلال تھا۔ وہ بڑی بڑی آنکھوں سے

مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ہمارے قریب آؤ اجنبی۔اس عورت کے ساتھ۔'' اگناس نے کہا اور میں بے خوفی سے اطاریہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

''ہم نے اس روئے زمین پر تمہارے جیسے رنگ اور تمہاری جیسی شان کا انسان نہیں دیکھا۔ بے شک تم متاثر کرنے والی شخصیت کے مالک ہو اور تمہاری ساتھی بے حد خوبصورت ہے۔کیا تم ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ گے؟'' اگناس نے کہا۔

''اگناس کیا پوچھنا چاہتا ہے؟''

''ہماری سرحد میں تم کیوں آئے ہو۔اور کس حیثیت سے آئے ہو؟''

''ایک دشمن کی حیثیت سے آیا تھا۔باغی اگناس کی سرکوبی کے لئے......اسے گرفتار کرنے کے لئے لیکن فی الحال اس کا مہمان ہوں۔'' میں نے کہا اور اطاریہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی البتہ اگناس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔

''باغی سے تمہاری کیا مراد ہے۔؟''

''طاآس کا نمائندہ۔''

''تو تم طاآس کے نمائندے ہو۔؟''

ہاں۔یہی سمجھ لو۔''

''کیا تم طاآس کی قلمرو کے باشندے ہو۔؟''

''نہیں۔میں ایک اجنبی دنیا سے طاآس کی دنیا میں آیا تھا۔''

''ہمیں تفصیل سے بتاؤ بہادر۔تمہارے سینے میں بہت بڑا دل معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم حق گو ہو۔'' اگناس نے کہا۔

''طاآس کی قلمرو میں،میں اجنبی تھا۔طاآس کے سپاہیوں نے مجھے گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا اور طاآس نے میری طاقت سے مرعوب ہو کر مجھے اپنا دوست بنا لیا۔اس نے اپنی ایک رانی مجھے پیش کر دی اور اس کے ذریعے پیش کش کی کہ میں حق دوستی ادا کروں اور طاآس کے سب سے بڑے دشمن باغی اگناس کو گرفتار کر کے زندہ یا مردہ اس کے حضور پیش کر دوں۔طاآس کے دوستانہ رویے سے متاثر ہو کر میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔اگناس کے بارے میں مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ غیر معمولی قوتوں کا مالک ہے اور غیر معمولی قوتوں والے انسان کو گرفتار کرنے سے مجھے خاصی دلچسپی تھی۔طاآس نے اپنی بہترین فوج تیار کی اور ہم چل پڑے۔لیکن تمہارے ایک وفادار گورب نے چالاکی سے ہمیں لرزتی وادیوں میں پہنچا دیا جہاں طاآس کی پوری فوج پتھروں کا شکار ہو گئی۔صرف میں اور یہ لڑکی بچ سکے۔''

''میں تمہاری حق گوئی کی عظمت کا قائل ہوں جوان۔اس کے بعد کیا ہوا۔؟'' اگناس نے کہا۔

''کچھ نہیں۔ہم پہاڑ کے سوراخ سے اس طرف نکل آئے اور تمہارے ساتھیوں نے مجھے آلیا۔''

''گورب کا کیا ہوا۔؟''

''اس نے حقیقت بتادی تو طاآس کے جرنیلوں نے اس کے جسم کے ٹکڑے کردیئے۔''

''تمہارے حکم سے۔؟'' اگناس نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں ایسا احمقانہ حکم نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ اگر جرنیل جلد بازی سے کام نہ لیتے تو گورب ہی ہمیں باہر نکلنے کا راستہ بتاتا۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔

''یہ بہت اچھا ہوا جوان۔ ورنہ گورب کے قتل کا انتقام ضرور تم سے لیا جاتا۔ بے شک تم نے ایک ایک لفظ سچ کہا ہے۔ گورب نے اس فوج کی آمد کی اطلاع کے لئے دو سپاہی بھیجے تھے جو ہمارے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے وہ سب کچھ بتادیا تھا جو اب ہم کہہ رہے ہیں۔ لیکن ایک اور سوال ہم تم سے کریں گے۔'' اگناس نے کہا۔

''وہ بھی کرو۔'' میں نے کہا۔

''کیا طاآس تمہارا دشمن تھا۔ کیا تمہیں موت کے جبڑوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔؟''

''یہ اندازہ تم نے کیونکر لگایا۔؟'' میں نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

''کیا تمہیں اگناس کی قوت کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔؟''

''میں طاآس کی پیش کش قبول نہ کرتا لیکن اگناس کے افسانے سن کر میرے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ میں اسے ضرور گرفتار کروں۔ مجھے اس فوج کی چنداں ضرورت نہیں تھی جو طاآس نے میرے ساتھ بھیجی۔ کیونکہ یہ معمولی کام میں خود بھی انجام دے سکتا تھا۔'' میں نے بدستور لاپرواہی سے کہا اور انطاریہ کا چہرہ خوف سے زرد ہوگیا۔ اگناس کے دربار میں بھنبھناہٹیں گونج اٹھیں اور پھر اگناس کے قریب بیٹھے...... بوڑھے نے ہاتھ اٹھایا اور خاموشی چھاگئی۔

'' کیا اگناس کو دیکھنے کے بعد بھی تم اسے معمولی کام کہہ سکتے ہو۔؟'' بوڑھے نے کہا۔

''میں...... میں اب بھی اس کام کو معمولی سمجھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور انطاریہ نے میرا بازو دبایا۔ میں نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپتھپایا اور اگناس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سکون تھا اور چہرے پر پہاڑوں کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''کیا تم فاترالعقل ہو۔؟'' بوڑھے نے قدرے درشت لہجے میں کہا اور اگناس نے ہاتھ اٹھالیا۔

''اس سے صرف سوالات کرو محترم استاد۔ بدکلامی نہ کرو۔'' اور بوڑھا سنبھل گیا۔ چند ساعت وہ خاموش رہا۔

''کیا تم اب بھی اگناس کو گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔؟''

''میری ساتھی انطاریہ اگر پسند کرے تو میں اگناس کو گرفتار کرکے طاآس کے سامنے پیش کرسکتا ہوں۔'' میں نے کہا اور ایک بار پھر بھنبھناہٹیں گونج اٹھیں۔

''گویا تم اگناس کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے۔ تمہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے۔'' بوڑھے نے بمشکل اپنے غصے کے جذبات کو دباتے ہوئے کہا۔

''ہاں معزز بزرگ۔ ایسی ہی بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''حالانکہ تم اگناس کے قیدی ہو۔'' بوڑھے نے ہونٹ دباتے ہوئے کہا۔

''میں اگناس کا مہمان ہوں معزز بزرگ۔ وہ لوگ جو مجھے یہاں تک لائے ہیں۔ صرف اس لئے مجھے یہاں لا سکے ہیں کہ میں خود یہاں آنا چاہتا تھا۔ میں اگناس کی قوت دیکھنا چاہتا تھا، ورنہ ان کی لاشیں تمہیں دریا کے کنارے مل جاتیں۔'' میں نے کہا۔

''اگر تمہاری ساتھی تم سے کہہ دے کہ تم اگناس کو گرفتار کرلو تو کیا تم اس بستی سے اگناس کو گرفتار کر کے لے جا سکتے ہو۔؟''

''ہاں۔ میں اس بستی کے ایک ایک فرد کو قتل کر دوں گا۔ اس قتل عام میں مجھے وقت ضرور لگے گا۔ لیکن جب میں فارغ ہوں گا تو صرف اگناس زندہ بچے گا اور میں اسے گھوڑے پر بٹھا کر طاآس کے پاس لے جاؤں گا۔''

''تو..... یقیناً دیوانہ ہے۔ تو یقیناً پاگل ہے۔ طاقت والا مجھے معاف کرے۔ میں مجبور ہوں اگناس..... اس سے زیادہ میرے کان کچھ نہیں سن سکتے۔'' بوڑھا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو استاد محترم۔ یہ تمہاری شان کے خلاف ہے۔ کیا تمہارے خیال سے اگناس کا ثانی اس پوری کائنات میں نہیں ہے۔ اگر یہ خیال ہے تو تم غلط راستے پر ہو۔ ہم تو اس کائنات کے بارے میں کچھ نہیں جانتے..... نہ جانے روشنی نے اس جہاں کو کون سی طاقتیں بخشی ہیں۔ تاہم..... اس جوان کو اپنی حسرت نکالنے کی آزادی ملنی چاہیے۔ سنو اے بہادر حق گو ممکن ہے تم بے حد نڈر اور بہادر ہو..... ممکن ہے تمہاری گفتگو صرف لاف گزاف نہ ہو۔ لیکن تم نے ان لوگوں کے سامنے جس بات کا اظہار کیا ہے، اس کا مظاہرہ کر سکو گے۔؟''

''تم کیا چاہتے ہو دوست۔؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''دیکھنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ درست ہے یا صرف تمہاری خبط الحواسی۔؟''

''تو دیکھو۔ لیکن اگر میں فاتح ہوا تو.....؟''

''اگناس تمہارا غلام ہوگا۔ پوری بستی تمہاری غلام ہوگی۔ اور اگناس کے وفادار اگناس کے قول کا احترام کریں گے۔ پھر تم چاہو گے تو اگناس ہاتھ باندھ کر طاآس کی خدمت میں پیش ہو جائے گا۔''

''میں تیار ہوں اگناس۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہادر..... بہادر..... ایسا نہ کرو۔ میں..... میں زندہ نہ رہوں گی۔ میں کس کے سہارے رہوں گی۔؟''

''عورت میری کمزوری نہ بن سکے گی اطارنیہ..... مجھے معاف کرنا۔ تمہاری یہ آرزو پوری نہ کرسکوں گا۔'' میں نے کہا۔ اور اطارنیہ کا بازو پکڑ کر اسے بیٹھے ہوئے لوگوں کے قریب چھوڑ دیا۔

''میں حاضر ہوں اگناس۔'' میں نے کہا اور اگناس اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی پشت سے ایک ستون نما گرز اٹھایا جو خالص فولاد کا بنا ہوا تھا۔ اور اس کا وزن تمہارے لئے ناقابل یقین ہوگا

بے شک اگناس کے چوڑے ہاتھ کی انگلیاں ہی اسے گرفت میں لے سکتی تھیں۔ اگناس اسے لئے چبوترے سے نیچے اترا اور گرز کو زمین پر ڈال دیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور زمین لرز اٹھی۔ پھر وہ ایک کمان اور تیر اٹھا لایا اور...... اسے بھی میرے قدموں کے نزدیک رکھ دیا۔ تب اس نے مسکرا کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اس گرز کو زمین سے اٹھا کر اس احاطے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لے جاؤ نوجوان۔ اور اس تیر کو کمان پر چڑھا کر فضا میں پھینک دو۔ تب تم پہلے امتحان سے گزر سکو گے۔''

میں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر گردن جھکا دی۔ اور اگناس باوقار انداز میں چلتا ہوا چبوترے پر پہنچ گیا۔ میں نے اطاریہ کی طرف دیکھا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اس کی معصوم آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے خیال میں، میں نے اپنے لئے مصیبت کھڑی کر لی تھی۔ اور اب میری زندگی کے امکانات نہیں تھے۔ میرا دل چاہا کہ ایک قہقہہ لگاؤں۔ لیکن میں نے خود کو باز رکھا۔ اور پھر...... میں نے جھک کر اگناس کے گرز کو اٹھا لیا۔ اسے دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور فضا میں گھما کر اسے میدان کے دوسرے سرے پر پھینک دیا۔ میرے جسم میں زندگی لوٹ آئی تھی۔ یہ کام میں نے اس طرح چشم زدن میں کیا تھا کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ انہوں نے بے انتہا وزنی گرز کو...... میدان کے دوسرے سرے پر پڑے دیکھا۔ وہ احمقوں کی طرح اسے دیکھتے رہ گئے۔ تب میں نے کمان اٹھایا۔ اس کا چلا چڑھایا۔ موٹا نیزے نما تیر اس میں رکھا اور اسے آسمان کی طرف رخ کر کے چلا کھینچا اور نیزہ فضا میں بلند ہو گیا وہ سب آنکھیں اور منہ پھاڑے فضا میں دیکھ رہے تھے لیکن نیزہ ان کی نگاہوں کی حد سے دور چلا گیا تھا۔ تب میں نے اگناس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور پہلی بار میں نے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پائے۔

''مجھے بہت افسوس ہے اگناس۔ تم نے میرے امتحان کا معیار بہت پست رکھا تھا۔'' میں نے کہا۔ ہال میں بیٹھے لوگ کھڑے ہو گئے۔ پھر جلدی سے بیٹھ گئے۔ بوڑھے کا منہ کھلا ہوا تھا۔ البتہ میں نے لمبی داڑھی والے بوڑھے کو اس طرح مطمئن دیکھا جیسے وہ پہلے بیٹھا تھا۔

''ہاں مجھے بھی افسوس ہوے دوست۔ میں نے واقعی تمہارے بارے میں صحیح طور سے نہیں سوچا تھا۔ اور اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں ابھی اور اسی جگہ اپنے اور تمہارے بارے میں فیصلہ کر لوں۔''

''میں تیار ہوں اگناس۔ اصل میں تمہیں میری طاقت کا اندازہ اسی سے لگا لینا چاہئے تھا کہ تم طاآس کی خدائی کو ختم نہیں کر سکے۔ اور اس کے خوف سے پہاڑوں میں پوشیدہ ہو۔ جبکہ میں نے بھرے دربار میں...... طاآس کو اپنی قوت کا احساس دلا کر خوف زدہ کر دیا تھا اور وہ بحالت مجبوری مجھے دوست بنانے پر تیار ہوا تھا۔ اس نے مجھے تمہاری سرکوبی کے لئے اس واسطے بھیجا تھا کہ اگر میں تمہارے ہاتھوں مارا گیا تو وہ ایک بڑی قوت سے محفوظ ہو جائے گا اور اگر تمہیں زیر کر لیا تو یہاں کی حکومت میرے سپرد کر کے مجھے اپنا دوست بنا سکتا تھا۔ بے شک طاآس کی خدائی ختم کرنے والا واحد انسان اس روئے زمین پر صرف میں ہوں۔''

''کیا تم طاآس کو معبود تسلیم نہیں کرتے۔'' اگناس نے پوچھا۔

''میں سے بے حقیقت انسان سمجھتا ہوا اور جب چاہوں اس چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

''کیا تم روشنی کے پجاری نہیں ہو؟''

''نہیں۔ کیونکہ میں اس روشنی کو خود میں جذب کرسکتا ہوں۔ میں نے اس روشنی میں پرورش پائی ہے۔ یہ گرم سمندر میرے وجود کو فنا نہیں کرسکتا۔''

''کفرتہ بکو جوان۔ کفرتہ بکو۔ میں اپنا عہد پورا کروں۔'' اگناس نے کہا اور اپنا اوپری لباس اتارنے لگا۔ چند ساعت کے بعد اس کے چمڑے کا زیریں لباس رہ گیا اور وہ میرے مقابل آ گیا۔ بلاشبہ گوشت اور ہڈیوں کا ایک پہاڑ میرے سامنے موجود تھا اور میں گردن اٹھا کر ہی اس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا۔ پتھر کی کرسیوں پر بیٹھے لوگ اضطراب کے عالم میں کھڑے ہو گئے تھے اور انطاریہ کے چہرے پر غشی کی سی کیفیت طاری تھی۔

❁

بے شک اگناس کے مقابل کھڑے ہونے والے اس کے جسم کے عقب میں دوسری چیزیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اتنا ہی چوڑا تھا اس کا جسم۔ اس کی ستون نما پنڈلیاں، درختوں کی شاخوں جیسے مضبوط ہاتھ جن کی گرفت میں آ کر کوئی شے سالم نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے اور اچانک اس کے چہرے کے خطوط بگڑ گئے۔ ان میں زندگی ابھر آئی جیسے اسے احساس ہو گیا کہ اب وہ اپنے دشمن کے سامنے ہے۔ دشمن کی قوت کا اندازہ وہ اس نے بخوبی لگا لیا تھا۔ میں نے اس کے ناقابل تسخیر ہتھیاروں کا طلسم توڑ دیا تھا۔ وہ ہتھیار، جن پر اگناس کی پوری قوم کو ناز تھا۔ میں نے ان ہتھیاروں کو کھلونا بنا لیا تھا۔ اس طرح اگناس جانتا تھا کہ پہلی بار اسے ایک صحیح مقابل ملا ہے۔

لیکن اس کے چہرے پر بے پناہ اعتماد تھا۔ جیسے اسے یقین تھا کہ بہت جلد اس کا مقابل اس کی گرفت میں آ جائیگا۔ ہم دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ ہم پہلے اپنی جسمانی قوت آزمانا چاہتے تھے...... یوں جسمانی طور پر ایک دوسرے کو زیر نہ کر سکنے کے باعث ہم کسی بھی وقت ہتھیار طلب کر سکتے تھے۔

اگناس کی خونخوار نگاہیں میرے جسم پر جمی ہوئی تھیں۔ بلاشبہ جسمانی طور پر میں اس کا پاسنگ بھی نہیں تھا لیکن دیکھنے والے میری طاقت بھی دیکھ چکے تھے اور دیکھ رہے تھے۔ اگناس کی عمر چند روزہ تھی جبکہ میرے پاس صدیوں کا تجربہ تھا اور نہ جانے آئندہ کب تک کی زندگی میری اپنی تھی۔ اگناس ایک عظیم الشان پہاڑ تھا لیکن میرا جسم ٹھوس پیتل کا ڈھلا ہوا تھا۔ میری آنکھوں میں اس سے زیادہ دم تھا۔ میں اس سے زیادہ چاق و چوبند تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر اگناس کی غراہٹ ابھری۔

''تو طاآس کا ماننے والا بھی نہیں ہے۔ تو روشنی کا مذاق اڑاتا ہے۔ پھر تو کون ہے جوان۔ مجھے بتا تاکہ میں تیرے بارے میں اندازہ لگا سکوں۔''

''تو مجھے نہیں سمجھ سکے گا اگناس۔ میرے بارے میں جاننے کی خواہش چھوڑ دے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر تو میرے ہاتھ سے مارا گیا تو میں تیرے بارے میں ہمیشہ الجھن میں رہوں گا۔''

''فکر مت کر اگناس...... میں تیرے بس کی بات نہیں ہوں۔ نہ میں تجھے قتل کروں گا کیونکہ حسب وعدہ میں تجھے طاآس کے سامنے پیش کروں گا۔ بس اب وقت ضائع نہ کر۔ میں تیرا طلسم توڑنے کے لئے بے چین ہوں۔''

''آہ۔ آہ۔ تیری باتیں بے شک غصہ دلانے والی ہیں۔ سنبھل۔ بے خبری میں حملہ نہیں کرنا چاہتا۔'' اگناس نے عجیب سی غراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کے موٹی موٹی شاخوں جیسے ہاتھ آگے بڑھے اور میں نے ان چوڑے ہاتھوں میں پنجے ڈال دیئے۔ وہاں بیٹھے لوگوں کا خیال ہوگا کہ میں نے اگناس کے حملے کو اپنی جسمانی پھرتی سے روکنے کی بجائے اس سے پنجہ آزمائی کر کے سخت حماقت کی ہے اور اب کم از کم میرے ہاتھ فوری طور پر ناکارہ ہو جائیں گے۔ میں نے یہ بات کئی لوگوں کے چہروں پر محسوس کی۔

لیکن پروفیسر...... میں احمق نہیں تھا۔ میں جو کچھ تھا، جو کچھ ہوں۔ تم جان چکے ہو گے۔ اگناس میرے پنجوں پر قوت آزمائی کرنے لگا اور میں نے اسے اس کا پورا پورا موقع دیا۔ میں اس دیو کی طاقت کے بارے میں تمہیں کیا بتاؤں پروفیسر...... زمین اس کے وزن کا بوجھ برداشت کرنے

سے قاصر تھی۔ جہاں اس کے قدم جمتے ، زمین اندر دھنس جاتی۔ لیکن مجھے صدیوں نے پرورش کیا تھا۔ میرے جسم کو آگ نے نمو دی تھی۔ پانی نے سینچا تھا۔ میں عام انسان نہیں تھا اس لئے اگناس کو کوئی کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی برگد کی طرح مضبوط باہیں میرے بازوؤں کو موڑنے میں ناکام رہیں اور جب وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گیا تو میں نے اچانک پوری قوت صرف کر کے اس کے بازو موڑ دیئے اور پھر اپنے گھٹنے کو اس کی کمر سے نکال کر اسے ایک زوردار دھکا دیا۔

دیو پیکر اگناس کئی قدم دوڑتا چلا گیا لیکن وہ گرنے سے بچ گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر شدید حیرت تھی۔ وہ پلٹ کر مجھے تعجب سے دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس کے چہرے پر خون ہی خون نظر آنے لگا۔ اس نے ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ میرے اوپر حملہ کر دیا لیکن میں بھی مستعدی سے اس کے حملے کو ناکام بنانے کے لئے تیار تھا۔ اگناس کے جسم کی چٹان میرے جسم سے ٹکرائی۔ میں تڑپا اور میں نے اگناس کی کمر پکڑ کر ایک مخصوص داؤ مارا۔ اگناس فضا میں اچھل کر زمین پر گرا اور شاید اس کی کمر نے پوری زندگی میں پہلی مرتبہ زمین دیکھی تھی۔ وہ ایک لمحے تک زمین پر پڑا رہا۔ پھر اس نے دونوں ٹانگیں اٹھائیں اور ان کی قوت سے اچھلا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ہم دونوں پھر مقابل آ گئے۔ میں ہر بار اگناس پر ایک نیا داؤ لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس بار میں آگے بڑھا۔ میں نے اس طرح جھکائی دی جیسے اگناس کی ٹانگوں کو پکڑنا چاہتا ہوں۔ اگناس بھی میرا داؤ ناکام بنانے کے لئے جھکا اور دوسرے لمحے اس کا بڑا سا سر میرے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں تھا۔ میں نے ایک پاؤں اس کے سینے پر رکھا اور ایک دم چت گر پڑا۔ اگناس میرے سر سے اچھل کر بری طرح دوسری طرف گرا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ بچانے کے لئے پوری کوشش کی تھی ورنہ اس کا چہرہ زمین سے ٹکرا کر لہولہان ہو جاتا۔

اگناس کے ساتھیوں کی بری حالت تھی۔ وہ بار بار کھڑے ہو رہے تھے، بیٹھ رہے تھے، ہاتھ مسل رہے تھے، مٹھیاں بھینچ رہے تھے، نہ جانے کیا کیا کر رہے تھے۔ ان کے دل خون ہو رہے تھے۔ ان کا ہیرو، ان کا ناقابل تسخیر بیٹا مصیبت میں گرفتار تھا لیکن خاص بات یہ تھی کہ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ سب کی آوازیں بند ہو چکی تھیں۔ یہ اگناس ہی کا حکم تھا۔

اگناس اٹھ کر پھر میرے مقابل آ گیا تھا۔

میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اطاریہ کی طرف دیکھا جو خود بھی ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھی ...... اور پروفیسر کیا بتاؤں میں ...... اس وقت اطاریہ کی کیا کیفیت تھی۔ کون کون سے تاثرات تھے اس کے چہرے پر۔ وہ میری خوفناک قوت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ میری پرسحر شخصیت کے بارے میں سوچ رہی تھی اور پھر یہ سوچ رہی تھی کہ یہ قوت، شخصیت اس کی اپنی ہے۔ فی الحال وہ بلا شرکت غیرے اس کی مالک ہے اور پروفیسر ... شاید وہ اپنے وجود میں، اپنے آپ میں، میرے جسم کے تاثرات محسوس کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ میں ایک ناقابل تسخیر انسان، اس وقت کیا تھا۔ جب وہ میری آغوش میں تھی اور اب ...... اگناس جیسے پہاڑ کی میرے ہاتھوں یہ درگت دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی زندگی کو ایک مضبوط پناہ گاہ مل گئی ہے۔

بے شک وہ یہ سوچ رہی تھی پروفیسر کہ اگناس مجھے زیر نہ کر سکے اور شاید اگناس بھی اب یہی سوچ رہا تھا لیکن ایک باوقار دشمن تھا۔ باوقار

انداز میں لڑ رہا تھا اور شاید اس وقت تک لڑتے رہنا چاہتا تھا جب تک شکست تسلیم کر لینے کو دل نہ چاہے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اب اس کے خدوخال نرم پڑ گئے تھے۔ ان میں نرمی آ گئی تھی۔ اس بار وہ یقیناً سوچ رہا تھا کہ کوشش کر کے میرے جسم کو گرفت میں لے لے۔ مجھے نیچے گرا کر اس پر چڑھ بیٹھے اور اس وقت تک زور آزمائی کرتا رہے جب تک میں تھکن سے نڈھال نہ ہو جاؤں اور جب میں تھک جاؤں تو وہ اپنی بچی کھچی قوت مجتمع کر کے میرے اوپر صرف کر دے۔

لیکن تم جانتے ہو پروفیسر...... یہ اس کی خام خیالی تھی۔ جو کچھ وہ سوچ رہا تھا وہ کسی طرح ممکن نہیں تھا میں تو اس سے ہفتوں اسی انداز میں جنگ کر سکتا تھا۔ ٹھیک ہے قصور اس بے چارے کا نہیں تھا۔ وہ غریب میرے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا۔ اگناس نے اس بار بڑے محتاط انداز میں حملہ کیا تھا۔ اس کے تنومند بازوؤں نے میرے جسم کو گرفت میں لے لیا۔ اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔ آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہو گئیں۔ وہ پوری قوت صرف کر کے مجھے گرانا چاہتا تھا لیکن اس کے مضبوط بازو بہت جلد دکھ گئے۔ میرے ٹھوس فولادی جسم کا اسے احساس ہو گیا۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ مجھے گرانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ میں نے کوئی مدافعت نہیں کی۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی مزید بے عزتی نہ ہو۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اب اس کی آنکھوں سے تھکن کا اظہار ہونے لگا تھا۔ اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا تم ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا پسند کرو گے جوان۔''

''مجھے ہر وہ بات پسند ہے جسے تم پسند کرو اگناس۔ اس بات کا یقین کر لو کہ تم کسی طور میرے اوپر فتح نہیں حاصل کر سکو گے۔''

''لیکن۔ میں آخری کوشش بھی کر لینا چاہتا ہوں۔ بے شک تم غیر معمولی انسان ہو۔ اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ مجھے تمہارے ہاتھوں شکست ہو گی لیکن میں نہیں چاہتا کہ کل میری قوم کہے کہ میں نے کوتاہی کی تھی۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اگناس۔'' میں نے کہا اور اگناس نے اپنا نیزہ طلب کیا۔ نیزہ کیا تھا ایک ستون تھا جس کی سامنے کی نوک بال سے باریک تھی۔ وہ مضبوط فولاد کی ڈھلی ہوئی تھی۔

''تم کون سا ہتھیار پسند کرو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں ہتھیار استعمال نہیں کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیوں۔؟'' وہ اچھل پڑا۔

''میں تمہیں زخمی نہیں کرنا چاہتا اگناس۔ تمہیں میرے ساتھ طاآس کی قلمرو کا سفر کرنا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اس سے زیادہ کسی کی کیا بے عزتی ہو سکتی ہے پروفیسر...... اگناس غم و غصے سے مجھے دیکھتا رہا۔ لیکن میں نے پہلے بھی جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا اور کر دکھایا تھا۔ اور اگناس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی کہ مجھے قائل کر سکے۔ اس نے اپنے لوگوں کی طرف دیکھا اور پھر ستون نما نیزہ سنبھال لیا۔ چند ساعت وہ وزنی نیزہ تولتا رہا اور پھر اس نے خوفناک انداز میں مجھ پر حملہ کر دیا۔

میں چاہتا تو اس کے نیزے کا وار اپنے سینے پر روک سکتا تھا لیکن میں نے صرف پینترہ بدلنے پر اکتفا کیا۔ دراصل اس جنگ کو میں خوش

دلی سے نہیں لڑ رہا تھا۔ مجھے اگناس کی شرافت کا احساس تھا۔ وہ ایک باوقار شخص تھا۔ کسی عیاری سے کام نہیں لے رہا تھا اور دوران جنگ بھی اس نے شرافت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

اگناس نے دوسرا حملہ کیا جو پہلے سے بھی زیادہ خطرناک تھا اور اس بار میں نے اس کے نیزے پر ہاتھ ڈال دیا۔ میں نے ایک جھٹکا دیا اور نیزہ اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور درمیان سے توڑ دیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ نیزہ کا بقیہ حصہ بھی فولادی تھا۔

اگناس کا دیو پیکر جسم تھلتھلا رہا تھا۔ وہ غم و غصے سے کانپ رہا تھا۔ پھر اس نے دونوں گھٹنے زمین پر ٹکا دیئے۔ دونوں ہاتھ سورج کی طرف اٹھا دیئے۔

''مقدس روشنی کے مالک۔ تو جانتا ہے اگناس کو شکست ہو چکی ہے۔ بے شک یہ تیری رضا ہے اور تیری ہر جنبش میں راز پنہاں ہوتے ہیں۔ تو نے جب تک چاہا اگناس کو سرخروئی عطا کی۔ اور جب تو نے پسند کیا اسے ذلت کے غاروں میں دھکیل دیا۔ بلاشک میں تیرے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ چمکدار اجنبی کو جسمانی طور پر زیر کرنے میں، میں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن تو نے اس کے ہاتھوں میری شکست لکھ دی ہے۔ میں تیرا یہ عطیہ بھی قبول کرتا ہوں۔'' اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک لمحے اسی انداز میں ساکت رہا پھر کھڑا ہو گیا اور میری طرف گردن جھکا کر بولا۔

''میں نے شکست تسلیم کر لی ہے بہادر فاتح۔ میں اور میری قوت اس قول کی پابند ہے جو میں نے تجھ سے کیا تھا۔ تو میرا آقا ہے۔ تو اس سرزمین کا خالق ہے۔ ہم سب تیرے احکامات کے پابند ہیں۔ ہمیں حکم دے ہم کیا کریں۔'' اور پھر وہ مجمع کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''بتاؤ میرے لوگو، میرے ساتھیو، کیا تم اگناس کے قول پر صاد کرو گے یا اسے شکست خوردہ سمجھ کر اس سے بغاوت کرو گے۔؟'' اگناس کی آواز بھرا گئی اور بستی کے لوگ بلک اٹھے۔ ہر شخص پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا، بین کر رہا تھا اور اگناس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنسو لرز رہے تھے۔ میں بھی اس صورتحال سے متاثر تھا لیکن بہرحال میں ایک بار اگناس کو طاآس کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر بستی کے چند بوڑھے آگے بڑھ آئے۔

''تو ہماری زندگی ہے اگناس۔ ہم تیرے قول کا پاس اپنی زندگی کو کھو کر بھی کریں گے۔ ہم سب الکورہ کو برباد کر کے پہاڑوں میں روپوش ہو جائیں گے یا پھر...... ہم سب مل کر طاآس پر لوٹ پڑیں گے۔ اسے فنا کرنے کی کوشش میں خود بھی فنا ہو جائیں گے۔'' ان میں سے ایک بوڑھے نے کہا۔

''نہیں میرے لوگو۔ اگناس تمہارے درمیان نہ ہوگا لیکن خبردار سنو۔ غور سے سنو۔ اگناس کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم طلوع کے پجاری ہو۔ تمہارے درمیان کوئی دوسرا اگناس بھیج دیا جائے گا۔ وہ تمہاری رہنمائی کرے گا۔ طاآس آج بھی اگر الکورہ پر لشکر کشی کرتے تو تم پر فتح نہ حاصل کر سکے گا۔ ہاں۔ اگر وہ تم پر لشکر کشی کرے تو پھر تم اس سے جنگ کرو۔ میری غیر موجودگی میں تم طاآس سے جنگ کی تیاریاں کرتے رہو۔ یہ میرا حکم ہے۔ یہ میری التجا ہے۔''

اور سب نے گردن جھکا دی۔

اور پروفیسر...... وہ بڑی بھیانک رات تھی۔ آسمان میں چاند بھی پوشیدہ تھا۔ چاروں طرف گھور تاریکی تھی۔ پورے شہر میں ایک بھی چراغ روشن نہیں کیا گیا تھا۔ یہ اگناس کی شکست کا سوگ تھا۔ رات بھر پوری بستی بین کرتی رہی تھی۔ میں اور انطاریہ اپنے خیمے میں تھے اور اگناس خیمے کے باہر چوکیداری کر رہا تھا۔ وہ ایک پتھر پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اس بستی کا کوئی جوان سر ہتھیلی پر رکھ کر میرے قتل کے ارادے سے نہ چل پڑے۔ اور اگناس کسی قیمت پر یہ بدعہدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

انطاریہ کو جونہی تنہائی ملی وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس نے میرے چہرے اور پھر جسم کے بے شمار بوسے دیئے۔ اس نے میری مضبوط بازوؤں پر اپنی آنکھیں رگڑیں۔ میں اس کی یہ بے پناہ الفت دیکھ کر مسکرایا تھا اور جب میں اس کے بوسوں سے تھک گیا تو میں نے اسے روکا۔

''بس کرو انطاریہ۔ تھک جاؤ گی۔؟'' میں نے اسے بازوؤں میں بھینچتے ہوئے کہا۔

''آہ۔ کس طرح اپنی محبت، اپنی عقیدت کا اظہار کروں بہادر۔ تم دنیا کے سب سے عظیم فاتح ہو۔ تم نے کس طرح گوشت کے پہاڑ کو شکست دی ہے۔ اس کا تصور بھی کسی ذہن میں نہیں آسکتا اور پھر میں یہ سوچ کر مر جانا چاہتی ہوں کہ یہ عظیم فاتح میرا ہے۔ اس کا چوڑا جسم، اس کی ناقابل تسخیر آغوش میری ہے۔ آہ بہادر۔ اس تصور کے عوض اگر کوئی میرے جسم کا رواں رواں مانگ لے تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ اپنی یہ عظمت کسے دکھاؤں۔ کس کو اپنی خوش قسمتی کے بارے میں بتاؤں۔؟'' وہ پھر میرے بازو سے لپٹ گئی۔

''مجھے بتاؤ انطاریہ۔ میں تمہارا ہوں۔؟'' میں نے اسے سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

''کاش۔ کوئی ان الفاظ کے عوض میری زندگی لے لے۔'' انطاریہ نے دفور محبت سے مجھ سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''تمہاری زندگی قائم رہنی چاہئے انطاریہ۔ کیونکہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' میں نے انطاریہ پر جھکتے ہوئے کہا۔

''میرے روئیں روئیں کا نچوڑ کر اپنے پاؤں دھولو بہادر۔ کاش میں تمہیں تمہارے شایان شان محبت دے سکتی۔؟'' اس نے خود سپردگی سے کہا اور میری آنکھوں میں نشہ آگیا۔ میں انطاریہ میں گم ہوگیا۔ میں نے اپنے وجود کو تحلیل کر دیا۔ میں فنا ہوگیا لیکن انطاریہ اپنی زندگی کا پورا پورا ثبوت دے رہی تھی۔ اس وقت یہ کمزور سی ہستی میرے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کا نازک بدن میری قوتوں کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس نے میری برتری تسلیم نہیں کی تھی۔ نازک سی یہ گڑیا میرے مقابل تھی اور بلاشبہ خوب مقابل تھی۔ ہم دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے سے شکست قبول کر لی۔ ایک حسین اور دلکش شکست اور پھر ہم ایک دوسرے میں گم ہو کر گہری نیند سو گئے۔ اگناس جیسے انسان کی بستی میں مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس نے خود کو میرا غلام کہہ دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ آخر تک اس کا پاس رکھے گا۔

دوسری صبح سورج کی روشنی بھی نہیں ہوئی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ انطاریہ حسب توقع میرے پہلو میں سو رہی تھی۔ میں اس کے حسین چہرے کو دیکھ کر آنکھیں روشن کرتا رہا۔ تب اس کی آنکھ بھی کھل گئی۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور پھر میرے بازو پر رخسار رکھ دیا۔

''کیا خیال ہے انطاریہ۔ طلوع کا منظر دیکھیں۔؟''

''چلو۔ باہر کی فضا بے حد خوشگوار ہوگی۔'' انطاریہ نے کہا اور میں اٹھ گیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باہر نکل آئے

لیکن باہر سب سے پہلے ہماری نگاہ جس پر پڑی وہ اگناس تھا۔ وہ اسی طرح پتھر پر بیٹھا تھا جس طرح میں نے رات کو اسے چھوڑا تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ دوسرے لمحے میں اس کے نزدیک تھا۔

''اگناس۔'' میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک کر اٹھ گیا۔

''آقا۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''تم رات بھر اسی طرح بیٹھے رہے ہو۔؟''

''غلام کی یہی ڈیوٹی تھی۔''

''مگر میں نے تمہیں غلام تسلیم نہیں کیا۔''

''عزت افزائی ہے۔ لیکن غلام کو اپنی حیثیت کا احساس ہے۔''

''تم طلوع کی پرستش کے لئے بھی نہیں گئے۔ کیا بستی کے دوسرے لوگ بھی آج عبادت کرنے نہیں گئے۔''

''سب جا چکے ہیں آقا۔ غلام بھی آخری بار اپنی بستی والوں کے ساتھ عبادت کا خواہش مند تھا لیکن آقا کی مرضی کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا۔ آقا سو رہے تھے غلام جگانے کی جسارت کس طرح کر سکتا تھا۔''

''تم جذباتی انداز میں مت سوچو اگناس۔ تم میرے غلام نہیں ہو۔ تم عبادت کے لئے جا سکتے ہو...... جاؤ...... ورنہ روشنی طلوع ہو جائے گی۔ میں واپسی کے بعد تم سے گفتگو کروں گا۔''

''آقا کی اجازت سے۔'' اگناس نے کہا اور سر جھکائے آگے بڑھ گیا۔ ہم دونوں خاموشی سے اسے جاتے دیکھتے رہے۔ پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو انطاریہ نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

''کچھ بھی ہو۔ یہ قول کا سچا ہے۔''

''ہاں۔ ایک باوقار دشمن۔ ایک باظرف جیالا۔ میں اس کی عزت کرنے لگا ہوں انطاریہ۔''

''تب۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''خیال۔؟'' میں نے سوالیہ انداز میں انطاریہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔ اسے آزاد کر دو۔ اسے دوست بناؤ اور اسی کی قلمرو میں رہ پڑو۔ ہم یہاں باعزت طور پر رہ سکیں گے۔''

''نہیں انطاریہ یہ ناممکن ہے۔ میں اسے قید کر کے طاآس کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ طاآس ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔''

''کیا کہہ رہے ہو بہادر۔ کیا تم طاآس کے پاس واپس جاؤ گے۔؟''

''ہاں۔ میں اس سے وعدہ کر کے آیا ہوں۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو بہادر۔ اس سے وعدے کی کیا حیثیت ہے۔ وہ خود بھی تمہارے لئے مخلص نہیں تھا۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں اس نے

تمہیں اگناس کے ہاتھوں قتل کرانے بھیجا تھا۔ وہ اب بھی تمہارے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتا ہوگا۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے انطاریہ۔ میں اسے انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں اس کے بعد وہ کونسی نئی چال چلے گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر بہادر۔ میرے بارے میں بھی تو کچھ سوچو۔ میں کس طرح اس کے پاس واپس جاسکوں گی۔''

''کیوں۔ تم میری محبوبہ کی حیثیت سے طاآس کی قلمرو میں جاؤ گی۔ پھر کس کی مجال ہے جو تمہاری طرف نگاہ اٹھا سکے۔''

''ضد نہ کرو بہادر۔ خونخوار اور مکار طاآس ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اور پھر اس شخص کو معاف کر کے تم اس کی پوری قوم پر احسان کرو گے۔ دیکھو نا۔ کس طرح سب بے چارے رو رہے ہیں۔''

''نہیں انطاریہ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہاری کوئی بات نہیں مان سکتا۔ میں اگناس کو طاآس کے دربار میں ضرور پیش کروں گا۔ یہ میرا عہد ہے۔'' میں نے کہا اور انطاریہ پریشان انداز میں خاموش ہوگئی۔ بہر حال اس کے بعد اس نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔

سورج نکل آیا۔ بستی آباد ہوگئی۔ اگناس ہمارے لئے ناشتہ لے کر آیا اور میں نے اس سے کہا۔ ''تم ہمیں شرمندہ کر رہے ہو اگناس۔''

''تصور نہ کریں آقا۔ غلاموں کے یہی کام ہوتے ہیں۔ میری حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ اب میں صرف ایک غلام ہوں اور غلام اپنا فرض پہچانتا ہے۔''

میں خاموش ہو گیا۔ میں نے انطاریہ کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر میں نے اگناس کو طلب کیا۔ اگناس فوراً میرے نزدیک پہنچ گیا۔ ''میں چاہتا ہوں اگناس کہ..... جیسا کہ میں طاآس سے عہد کر کے آیا ہوں۔ تمہیں گرفتار کر کے اس کے پاس لے جاؤں۔ کیا تمہیں اعتراض ہوگا۔؟''

''غلام زبان دے چکا ہے آقا۔ اب آپ مجھے طاآس کیا، کسی کتے کے پلے کے سامنے لے جا کر ڈال دیں گے تو میں اعتراض نہیں کروں گا۔'' اگناس نے کہا۔

''تب پھر تیاری کرو اگناس۔ ہمیں سفر کے لئے تین اعلیٰ قسم کے گھوڑے، راستے کے لئے کھانے پینے کا سامان، ایک خیمہ راستے کے قیام کے لئے اور سفر کی دوسری ضرورتوں کا بندوبست کرنا ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں مدد کر سکو گے۔؟''

''غلام ہر کام کر سکتا ہے۔'' اگناس نے کہا اور وہ واپس چلا گیا۔ سورج نے ایک مخصوص فاصلہ طے کیا تھا۔ جب اگناس تمام تیاریوں کے ساتھ واپس پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے اس کی پوری قوم تھی۔ لوگوں کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لیکن اس وقت کسی کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ سب کے سب خاموش تھے۔ ان کی آہ وزاری پر یہ پابندی اگناس نے لگائی ہوئی تھی۔

میں اور انطاریہ گھوڑے پر سوار ہوگئے تو اگناس نے ایک پتھر پر کھڑے ہو کر کہا۔ ''میرے ہم وطنو، میرے دوستو، میرے ساتھیو، میرا اور تمہارا ساتھ اسی وقت تک تھا۔ روشنی کے دیوتا کی یہی مرضی تھی اور ہم نے ہمیشہ اس کی رضا پر سر جھکایا ہے اور اس کا اچھا صلہ پایا ہے۔ آج بھی اس بات کو یاد رکھو۔ میرے جانے سے یہ نہ سوچو کہ تمہاری قوت ختم ہوگئی۔ میں کبھی ناقابل تسخیر نہیں تھا۔ روشنی کا شہنشاہ ہم میں سے کسی ایسے کو اٹھائے گا جو

طاآس کی خدائی کو پیروں تلے روندے گا اور ممکن ہے یہ اسی کا پیش خیمہ ہو۔ میری قوم کے لوگو۔ خود کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوشش کرو۔ مجھے اپنے ذہنوں سے فراموش کر دو۔ کسی اور کو اپنا سردار بنالینا لیکن جو روشنی کا اطاعت گزار ہو۔ آنکھوں سے ٹپکے ہوئے آنسو بے حقیقت ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ان آنسوؤں کو آتشی سیال بنالو تاکہ تمہاری دہکتی ہوئی آنکھیں تمہارے دشمن کے لئے خوف بن جائیں۔ روشنی تمہاری حفاظت کرے۔" اس نے آخری الفاظ کہے اور اچھل کر اپنے مخصوص گھوڑے پر بیٹھ گیا۔

طویل القامت اور مضبوط گھوڑا اسے لے کر چل پڑا۔ اس نے میرے قریب پہنچ کر دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔ "آقا۔ اگر ضرورت سمجھیں تو میرے ہاتھ پاؤں کس دیں تاکہ قیدی کی شان مکمل ہو جائے۔"

"اسی طرح ہمارے ساتھ چلو اگناس۔" میں نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ انطاریہ کا گھوڑا میرے برابر دوڑ رہا تھا اور اگناس ہم دونوں کے عقب میں اس گھوڑے کو سنبھالے چلا آ رہا تھا جس پر خیمہ اور سامان لدا ہوا تھا۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ پھر بھی سورج چھپنے سے پہلے ہم اتنی دور نکل آئے کہ بستی کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

چاند نکلنے تک ہم سفر کرتے رہے۔ اگناس خاموشی سے ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا جیسے اب اس نے ذہن سے ہر خیال نکال دیا ہو۔ وہ اپنے بارے میں کچھ نہ سوچ رہا ہو۔ کئی بار میں نے اس کی کیفیت پر غور کیا تھا۔ مجھے اس پر ترس بھی آیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دوں لیکن طاآس...... مکار طاآس کو بھی میں ایک سبق دینا چاہتا تھا اس لئے میں نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ میرے ذہن میں ایک اور اسکیم پرورش پانے لگی۔

پھر ایک مناسب جگہ پر ہم نے گھوڑے روک دیئے۔ اور اگناس جلدی سے ہمارے قریب پہنچ گیا۔ "آقا۔ قیام کا ارادہ رکھتے ہیں۔؟"

"ظاہر ہے اگناس۔ بات ہو چکی ہے۔"

اگناس نے جلدی سے گھوڑے سے خیمہ کھولا اور اسے زمین پر ایستادہ کرنے لگا۔ چند منٹ کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہو گیا۔ پھر اس نے گھوڑے پتھروں سے باندھے اور ان کے سامنے گھاس وغیرہ ڈال دی۔ اس کے بعد وہ کھانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے غلاموں کے سے انداز میں کھانا ہمارے سامنے پیش کر دیا۔

"تم بھی شریک ہو جاؤ اگناس۔" میں نے کہا۔

"آقا اسے گستاخی نہ تصور کریں تو غلام تنہا کھانے کی اجازت چاہتا ہے"۔ اگناس نے کہا۔

"جیسا تم پسند کرو۔" میں نے کہا اور اگناس گردن جھکائے چلا گیا۔ انطاریہ کھانا کھاتی رہی۔ لیکن وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میری بات کا یقین کرو بہادر۔ طاآس اس شریف انسان کے ساتھ بہت برا سلوک کرے گا۔ وہ کینہ پرور انسان اپنے دشمنوں کو زیادہ سے زیادہ اذیت دے کر خوش ہوتا ہے۔"

"یہ ہم طاآس کی قلمرو میں چل کر سوچیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے اور پھر باہر نکل آئے۔ آج پھر چاند بادلوں کی آغوش میں چھپا ہوا تھا۔ ستاروں کی مدھم چھاؤں میں ہم نے اگناس کو سر جھکائے ہوئے دیکھا۔ نہ جانے اس غریب کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ ہم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے تب ہم نے دیکھا۔ کھانا اس کے سامنے رکھا ہوا تھا اور اس کے گالوں پر آنسو چمک رہے تھے۔ ہمارے قدموں کی آہٹ پر وہ چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے آنسو خشک کر لئے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اگناس۔" میں نے اسے آواز دی۔

"آقا۔"

"تم نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم نے ہمیشہ روشنی کے شہنشاہ کی رضا پر سر جھکایا ہے اور اس کا صلہ ہمیشہ اچھا پایا ہے۔"

"کہا تھا آقا۔"

"کیا تم اپنے نظریئے سے پھر گئے۔؟"

"نہیں۔ نہیں آقا۔ یہ میرا ایمان ہے۔"

"تب پھر تمہارے نظریئے کے مطابق تمہارے معبودوں نے تمہارے لئے جو راہ متعین کی ہے وہ تمہاری اور تمہاری قوم کے لئے فلاح کی راہ ہوگی۔ ممکن ہے اس راہ میں تمہیں کوئی مفاد وابستہ ہو۔ اگر تم اپنے معبود پر یقین رکھتے ہو تو پھر یہ اداسی اور پریشانی کیسی؟" میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور اگناس پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگا۔ کئی منٹ تک وہ بت بنا کھڑا رہا پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"آپ نے مجھے نئی راہ دکھائی ہے آقا۔ بے شک آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ آہ۔ میں نے اب تک گناہ کیا ہے۔ میں ذہنی طور پر پریشان رہا ہوں۔ میں نے اس پر بھروسہ نہیں کیا جو عالم کو روشنی دکھاتا ہے۔ میں نے گناہ کیا ہے۔ روشنی کا شہنشاہ میرے گناہ کو معاف کرے۔" وہ لرزتا ہوا بولا اور میں اسے مزید تسلیاں دیتا رہا۔ یہ حقیقت ہے پروفیسر کہ اس وقت بھی میرے ذہن میں کوئی خاص نظریہ، کوئی خاص خیال نہیں تھا لیکن بعد میں خود مجھے ان الفاظ کی اہمیت کا احساس ہوا جو بے خیالی میں، میں نے کہے تھے۔

اس رات کے بعد میں نے اگناس کو اداس نہیں دیکھا۔ وہ پوری طرح مستعد تھا۔ وہ ہماری ہر خدمت بجا لانے کے لئے تیار رہتا۔ اس نے راستوں کے بارے میں بہت سے مفید مشورے دیئے تھے چنانچہ اس بار ہم وادی لرزاں سے سینکڑوں میل دور سے سفر کر رہے تھے۔ یہ سفر آسان تھا اور اگناس کی موجودگی نے اور ان علاقوں سے اس کی واقفیت نے اسے اور آسان بنا دیا تھا۔ انطاریہ ہر رات میری آغوش کی زینت ہوتی۔ دوسری لڑکیوں کی طرح یہ لڑکی بھی بہت خوب تھی اور اس کی موجودگی سے میں خود کو مطمئن محسوس کرتا تھا لیکن انطاریہ جوں جوں طاآس کی قلمرو کی طرف بڑھ رہی تھی، پریشان ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا رنگ زرد ہونے لگا تھا۔ ہونٹ خشک رہنے لگے تھے۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔ بعض اوقات مجھے اس کی یہ کیفیت دیکھ کر غصہ آ جاتا تھا۔

"یہ تمہاری بداعتمادی کا اظہار ہے انطاریہ۔ گویا تمہیں میرے اوپر بھروسہ نہیں ہے۔" ایک صبح میں نے اس سے کہا۔

''نہیں میرے محبوب۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارے اوپر مجھے مکمل بھروسہ ہے۔ یقین کرو میری زندگی۔ تم سے ملنے سے پہلے مجھے اپنی زندگی سے اس قدر پیار نہیں تھا۔ میں کسی بھی وقت موت کی آغوش میں چلی جاتی لیکن......اب میں لالچی ہوگئی ہوں۔ اب سوچتی ہوں کہ اگر ماری گئی تو تمہاری آغوش سے محروم ہو جاؤں گی۔'' انطاریہ نے میرے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم یہ کیوں سوچتی ہو۔؟'' میں نے کہا۔

''تم دنیا کے سب سے طاقتور انسان ہو۔ میں جانتی ہوں تم حکومتوں کو تہہ وبالا کرنے کی قوت رکھتے ہو۔ کوئی شیر تمہارے مقابل آجائے تو تم اس سے ایک باوقار مقابلہ کر کے اسے شکست دے سکتے ہو لیکن اگر کوئی لومڑی عقب سے تم پر حملہ کرے۔؟''

''اسے شرمندگی ہوگی۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے لئے تم...... ہر اس شخص کو قتل کر دو گے جو میری طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے گا۔ لیکن اگر خاموشی سے مجھے زہر دے دیا جائے تو تم کیا کرو گے۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں میری زندگی کہ طاآس ایک مکار بھیڑیا ہے۔ وہ اپنی تمام رانیوں میں سب سے زیادہ مجھے چاہتا تھا۔ میری جدائی نے اسے دیوانہ بنا دیا ہوگا۔ اس نے نہ جانے کہاں کہاں مجھے تلاش کیا ہوگا۔ نہ جانے اس کی کیا حالت ہوگی اور اب جب وہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھے گا، لتا کا کو تمہارے ساتھ نہ پائے گا تو۔ اس کی جو کیفیت ہوگی میں جانتی ہوں۔ ہاں میرے محبوب۔ اس کے چہرے کے عضلات میں صرف تھوڑا سا تناؤ پیدا ہوگا۔ وہ سلگتی ہوئی نگاہوں سے مجھے اور پھر تمہیں دیکھے گا، سرسری انداز میں میرے بارے میں معلوم کرے گا اور پھر اس طرح نظر انداز کر دے گا جیسے اس واقعے کی اس کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہ ہو۔ لیکن میں جانتی ہوں، حقیقت معلوم ہونے کے بعد وہ ان چند لمحات میں دل ہی دل میں خطرناک فیصلے کرے گا اور پھر کون ہے جو اسے ان فیصلوں سے روک سکے گا۔ وہ فیصلے اس قدر بھیانک ہونگے کہ ہم ان کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں گے اور وہ سب کچھ ہو جائے گا جو......جو......!''

''تم مجھے مجبور کر رہی ہو انطاریہ، کہ میں طاآس کی قلمرو میں جا کر سب سے پہلا کام یہ کروں کہ اس کی گردن اس کے شانوں سے اتار دوں۔ میں تمہیں اطمینان دلاتا ہوں کہ تمہاری زندگی محفوظ رہے گی۔ ہاں اگر تم فکرمند رہیں تو میری محبت کھو بیٹھو گی کیونکہ یہ میری توہین ہے۔''

اور انطاریہ سنبھل گئی۔ اس کے بعد خواہ مصنوعی طور پر ہو۔ وہ نڈر اور بے خوف نظر آنے لگی تا آنکہ ہم نے طاآس کی قلمرو کے پہلے نشان دیکھے۔ ہم طاآس کے علاقے میں داخل ہونے والے تھے۔

''دلیر آقا'' طاآس کی قلمرو کا پہلا نشان دیکھ کر اگناس نے کہا۔ ''ہم طاآس کی قلمرو میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ مجھے معلوم ہے آقا کہ آپ کی اعلیٰ ظرفی نے میرے اوپر اعتماد کیا اور میں ایک قیدی ہونے کے باوجود اس انداز میں یہاں تک آیا ہوں جیسے آپ کا دوست ہوں اور میں نے کوشش کی آقا کہ اپنے فرائض سے غافل نہ ہوں لیکن اب ہم ان لوگوں میں جا رہے ہیں جو باظرف نہیں ہیں۔ وہ ظرف کی باتیں نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی نگاہوں میں یہ قیدی کھٹکے گا کیونکہ اس کے جسم سے کوئی زنجیر بندھی ہوئی نہیں ہے۔ طاآس اس قید پر شک کرے گا اور سوچے گا کہ شاید یہ میرا اور آپ کا گٹھ جوڑ ہے۔ چنانچہ۔ میری خواہش ہے کہ آپ مجھے رسیوں سے باندھ دیں اور قیدی کی طرح لے چلیں۔ سنیں آقا۔ اگناس ناقابل تسخیر تھا۔

طا آس کی فوجیں بھی اسے زیر نہ کر سکیں۔ وہ بھی خود کو نا قابل تسخیر سمجھتا تھا اور جب اسے زندگی میں پہلی شکست ہوئی تو وہ اچنبھے میں پڑ گیا۔ اسے اس انوکھے انسان سے دلچسپی ہوگئی جس نے اس شکست دی تھی۔ اور پھر جب اس شکست میں کوئی شبہ نہ رہا تو وہ انوکھا انسان اس کا ہیرو بن گیا۔ اب اس کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کرے تو یہ بات مجھ سے برداشت نہ ہوگی۔ اس لئے آقا۔ میرے جسم سے رسیاں کس دیں۔"

انطاریہ حیرت سے اگناس کی باتیں سن رہی تھی۔ میں بھی اس گفتگو پر غور کر رہا تھا۔ بلاشبہ میں بھی یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ طا آس اگناس کی اس قید کو شبے سے دیکھے گا چنانچہ میں نے اگناس کی بات مان لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر رسیوں سے اسے جکڑ دیا۔ انطاریہ کے چہرے پر ہمدردی اور تکلیف کے آثار ابھر آئے تھے۔ اگناس کی شرافت نے اس کے دل میں بھی جگہ کر لی تھی۔

دیو پیکر اگناس کا حلیہ ایسا نہ تھا کہ کوئی اسے دیکھتا اور پہچان نہ لیتا۔ آبادی کے پہلے فرد نے ہمیں تعجب سے دیکھا اور اس کے حلق سے ایک دہاڑ نکلی۔ "اگناس۔ اگناس۔ اگناس"۔ اور پوری آبادی میں ہلچل مچ گئی۔ لوگ چاروں طرف دوڑ پڑے۔ گھروں کے جھروکوں سے آنکھیں آ لگیں۔ پھر لوگوں کو یہ دیکھ کر سکون ہوا کہ اگناس رسیوں سے بندھا ہوا ہے۔ جو لوگ مجھے پہچانتے تھے وہ طرح طرح سے میرے نام کے نعرے لگانے لگے۔ کچھ لوگ میرے ساتھ ملکہ انطاریہ کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ بہرحال ہمارے طا آس کی قلمرو میں داخلے نے لوگوں کی ذہنی حالت خراب کر دی تھی۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ لوگ ہمارے چاروں سمت دوڑ رہے تھے۔ پیدل گھوڑوں پر۔ آگے والوں کو اطلاع کر رہے تھے، یہاں تک کہ یہ اطلاع طا آس تک پہنچ گئی۔ یقیناً طا آس بھی بھونچکا رہ گیا ہوگا۔ اسے اس نا قابل یقین بات پر نہ جانے کس طرح یقین آیا ہوگا۔ بہرحال جب میں شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچا تو طا آس اپنے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ میرے استقبال کو موجود تھا۔ ہاں اس کا چہرہ ان تمام کیفیات کا آئینہ دار تھا جو اگناس کو قیدی کی حیثیت سے اور انطاریہ کو میرے ساتھ دیکھ کر اس کے دل پر گزر سکتی تھیں۔!

مکار بدخو کو جہاں اپنے خوفناک دشمن اگناس کو بے بسی سے گھوڑے پر بیٹھے دیکھ کر خوشی ہوئی تھی۔ وہیں اپنی سب سے چہیتی ملکہ کو میرے ساتھ دیکھ کر اتنا ہی رنج ہوا تھا۔ تاہم اس نے چند لمحات میں خود کو سنبھال لیا۔ اور میرے استقبال کے لئے گھوڑے سے اتر آیا۔!

"خوش آمدید طاقت کے شہنشاہ...... خوش آمدید اے نا قابل تسخیر انسان۔ ہاں ہماری قوتوں نے ہمیں پہلے بتا دیا تھا کہ تو اگناس پر غالب آئے گا، ہمارا سایہ تیرے سر پر موجود تھا اور بھروسہ کر، کہ تو نے اس سائے کے اثر سے اس قوی دشمن پر فتح پائی جو تجھ سے کئی گنا زیادہ جسیم اور طویل ہے۔"

"طا آس کی خدمت میں اگناس کا تحفہ پیش کر کے میں خوش ہوں۔ تیرا دشمن موجود ہے طا آس۔" میں نے کہا۔

"ہاں بہادر...... تو نے وہ خدمت انجام دی ہے جو ہماری فوجیں نہ دے سکی تھیں۔ بے شک تو ان انعامات کا مستحق ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔ لیکن ہماری بقیہ فوج کہاں ہے جو تیرے ساتھ گئی تھی۔؟"

"اس کے بارے میں تنہائی میں تجھے بتاؤں گا۔"

"تب قیدی کو سپاہیوں کے حوالے کر دے اور میرے ساتھ چل۔ اور ہاں...... اگر مجھے شبہ نہیں ہے تو تیرے ساتھ لتاکا کے بجائے انطاریہ ہے، اس کی کیا وجہ ہے۔؟"

"یہ وجہ بھی تنہائی میں بتائی جائے گی۔" میں نے کہا۔ "سن طا آس، اگناس تیرا دشمن، لیکن میرا قیدی ہے۔ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ ہوگا، ہم مل کر کریں گے...... لیکن اس سے محل اسے ایک باوقار قیدی کی حیثیت دی جائیگی۔ یہ میری خواہش پوری نہ ہوئی تو میرے اور تیرے درمیان سے دوستی کے رشتے اٹھ جائیں گے۔!"

"مکار طا آس چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔ میرے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلائی۔" ٹھیک ہے۔ وہی ہوگا، جو تو چاہے گا۔" اس نے شاہی دستے کے کمانڈر کو نزدیک بلایا اور اسے اگناس کے بارے میں ہدایت دینے لگا...... اور یہ ہدایات اطمینان بخش تھیں۔ میں نے اگناس کے چہرے پر ممنونیت کے آثار پائے۔

سپاہی قیدی کو لے کر چلے گئے...... اور میں انطاریہ اور طا آس کے ساتھ طا آس کے محل کی طرف چل دیا۔ محل کے سب سے خوشنما حصے میں، طا آس ہمیں لیکر گیا...... اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہمیں تنہائی مل گئی۔ طا آس کی گہری نگاہیں بار بار انطاریہ پر پڑ رہی تھیں، وہ شاید اگناس سے زیادہ انطاریہ کے بارے میں جاننے کا خواہشمند تھا...۔ چنانچہ بیٹھتے ہی سب سے پہلے اس نے یہی سوال کیا۔

"میں یہ بعد میں پوچھوں گا بہادر، کہ میری فوج کا کیا ہوا...... میں لنا کا کے بارے میں بھی بعد میں سوال کروں گا۔ سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میری پیاری ملکہ، میری سب سے چہیتی بیوی انطاریہ تمہیں کہاں ملی۔ اس کی اچانک گمشدگی نے میرے حواس معطل کر دیئے...... کونسی جگہ تھی جہاں میں نے اسے تلاش نہیں کیا...... بتاؤ تم نے اسے کہاں سے حاصل کیا۔؟"

"اس کی کہانی مختصر ہے طا آس۔ چند الفاظ میں سن لو...... یہ مجھے پسند کرتی تھی...... چنانچہ جب میں نے فوج کے ساتھ یہاں سے کوچ کیا تو یہ خفیہ طور پر ایک سپاہی کے بھیس میں میرے ساتھ چل پڑی۔ لنا کا کے مرنے کے بعد اس کا بھید کھل گیا اور میں نے اس کی محبت قبول کر لی۔"

میرے الفاظ سن کر انطاریہ کا چہرہ دھواں ہو گیا...... اس کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں، میں کوئی عمدہ سی بات بناؤں گا۔ جس سے طا آس بھی مطمئن ہو جائے گا اور کوئی ایسی صورت حال بھی نکل آئے گی کہ انطاریہ مستقلاً مجھے مل جائے...... لیکن میں نے ایک رتی برابر جھوٹ نہیں بولا تھا اور جو حقیقت تھی وہی کہہ دی تھی...... اور بلاشبہ اس حقیقت کو سن کر طا آس کا چہرہ آگ کی طرح دہک اٹھا۔ کسی مرد کے لئے اس سے زیادہ توہین آمیز بات کیا ہو سکتی ہے کہ اس کی عورت دوسروں کو اس پر ترجیح دے۔

"آہ...... انطاریہ...... تو نے یہ غداری کی ہے...... تو نے اپنے معبود سے...... اپنے شوہر سے یہ فریب کیا ہے...... میں...... میں تجھے اس فریب کی ایسی سزا دوں گا کہ...... کہ زمین و آسمان کانپ اٹھیں۔" طا آس نے غضبناک لہجے میں کہا۔

"کیا تو نے میرے الفاظ نہیں سنے طا آس...... میں نے آخر میں کہا ہے کہ میں نے اس کی محبت قبول کر لی، اور جس کی محبت میں نے قبول کر لی، جسے میں نے اپنا بنا لیا، اس سے سخت لہجے میں بات کرنے والے ہمیشہ کے لئے قوت گویائی کھو بیٹھتے ہیں۔ تو سن طا آس۔ سن اے احمق انسان، انطاریہ کو اگر تیری قلمرو میں کوئی گزند پہنچا...... تو تیرے ملک کی ایک بھی عمارت سلامت نہیں رہے گی...... میں اس پورے شہر کو پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل کر دوں گا۔ یہ میرا عہد ہے۔"

طا آس چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آگ رقصاں تھی۔ لیکن وہ مصلحت کوش تھا اور ماحول کے مطابق خود کو بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھکالی، اور پھر وہ سرد لہجے میں بولا۔

"لیکن بہادر...... یہ میری سب سے چہیتی بیوی ہے...... میں اسے سب سے زیادہ چاہتا ہوں...... اس نے مجھ سے غداری کی ہے...... تجھ سے بھی کر سکتی ہے۔...... اس کے علاوہ تو نے لتا کا کو مانگا...... میں نے اسے تیرے حوالے کر دیا اور پورے ملک کے طعنے سنے، کہ اب میں بیویاں رکھنے کے قابل نہیں ہوں...... اور اپنی بیویاں دوسروں کے حوالے کر دیتا ہوں...... اور اب اگر انطاریہ کے فسانے زبان زدعام ہوں گے۔ تو لوگ پھر میرا مذاق اڑائیں گے۔"

"نہیں طا آس...... تو لوگوں سے کہہ سکتا ہے، کہ اگناس کی گرفتاری سے خوش ہو کر تو نے انطاریہ مجھے بخش دی۔" میں نے کہا اور طا آس کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا...... میں اس شیطان صفت بادشاہ کی دلی کیفیت بخوبی سمجھ رہا تھا...... لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ میری مرضی کے خلاف کچھ نہ کر سکے گا! اسے میری قوت کا احساس ہو گیا ہے۔!

کافی دیر کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔ "اب مجھے لتا کا کا حال سنا، اس فوج کی داستان سنا، جو تیرے ساتھ گئی تھی۔ مجھے بتا کہ ان میں سے کوئی واپس کیوں نہیں آ سکا...... مجھے بتا کہ اگناس جیسے دیو قامت پر تو نے کس طرح قابو پایا۔؟"

"طا آس...... تو خود کو خدا کہتا ہے...... لیکن افسوس تجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ خود تیری قلمرو میں، نہ صرف قلمرو میں بلکہ تیری فوج میں اگناس کے بے شمار ہمدرد اور خادم موجود ہیں...... ان خادموں کو تیرا اعتماد حاصل ہے...... کیا تیری خدائی تیرا ساتھ نہیں دیتی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو بہادر...... ایسا نہیں ہو سکتا۔" طا آس مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں طا آس...... تو جانتا ہے میں جھوٹ بولنے کے لئے مجبور نہیں ہوں...... اگناس کی سلطنت کی طرف میری رہنمائی کرنے والا تیرا رہبر گورب، اگناس کا وفادار تھا...... اس نے مجھے اور تیری فوج کو وادی لرزاں میں پہنچا دیا...... جو زلزلوں کی زمین ہے اور جہاں داخل ہونے کے بعد واپس نکلنے کا راستہ تلاش کرنا ناممکن ہے۔ تب زلزلے نے پوری فوج کو آ لیا...... اور جا دیکھ...... کہ ہر چٹان کے نیچے تیرا ایک آدمی موجود ہے...... بچنے والوں میں صرف میں تھا اور انطاریہ جو چٹان کے سائبان میں اتفاق سے بچ گئی تھی۔"

"اوہ...... یہ ہمارے لئے انوکھا انکشاف ہے...... لیکن اب کیا پرواہ...... اب تو اگناس ہمارے قبضے میں ہے۔ لیکن بہادر...... پھر تو تو تنہا رہ گیا ہوگا...... پھر اس گوشت کے پہاڑ کو تو نے کس طرح گرفتار کیا۔؟"

"اس کا جواب تجھے انطاریہ دے گی۔!" میں نے کہا۔

"میں اس بے وفا سے مخاطب نہیں ہوں گا بہادر۔ مجھے بتا...... تو نے اگناس کو کیسے قابو میں کیا۔"

"تو نے میری دوستی قبول کی ہے طا آس...... سن، ہر چند کہ مجھے لتا کا نے بتا دیا تھا، پہلی ہی رات میں بتا دیا تھا کہ تو کیا چاہتا ہے...... تیری خواہش تھی کہ میں اگناس کے ہاتھوں مارا جاؤں۔ یا پھر اگر اگناس کو زیر کر لوں تو بہر حال پھر تیرا ایک دشمن رہ جائے گا۔ گویا تو میرے لئے بھی مخلص نہیں

تھا۔ لتا کا کا خیال تھا کہ میں اسے لے کر خاموشی سے تیری قلمرو سے نکل جاؤں۔ لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے...... تو اور تیری فوج میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی اس لئے میں نے اس کی بات نہ مانی اور خوش ہو کر اس سے کہا کہ طاآس نے میری پسندیدہ عورت مجھے دے دی ہے...... اس لئے میں اس کی خواہش ضرور پوری کروں گا...... میں اگناس کو اس کا قیدی ضرور بناؤں گا، تو سن طاآس، تیری نیت بھی صاف نہیں تھی۔ ظلم کسی ایک نے نہیں کیا ہے، اور اب جبکہ اطاریہ میری محبوبہ ہے...... تو اس کی توہین کر کے میرے غضب کو دعوت دینے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے گا۔''

''یہ زیادتی ہے بہادر...... تاہم تو نے جو کچھ کیا ہے...... وہ میرے لئے اتنا اہم ہے کہ میں تیری خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بتا اے بہادر کی محبوبہ...... اگناس کیسے گرفتار ہوا تھا۔''

''طاآس کی یہ بے چارگی دیکھ کر اطاریہ کے حواس بحال ہو گئے تھے اس کے چہرے سے خوف کے آثار مٹتے جا رہے تھے...... وہ سمجھ چکی تھی کہ طاآس میرے سامنے کتنی ہی لاف گزاف کرے، لیکن اس کے ذہن کے گوشوں میں میرا خوف چھپا ہوا ہے...... اور وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا...... جو میں چاہوں گا چنانچہ وہ سنبھل کر بولی۔

''اس وقت...... جب ہماری فوج ختم ہو چکی تھی...... ہم نے لرزتے پہاڑوں کے دوسری طرف جانے کا راستہ دریافت کیا...... اور جب ہم پہاڑوں کے دوسری طرف پہنچے تو اگناس کی فوج ہماری منتظر تھی۔ بہادر اور میں اگناس کے فوجیوں کے ساتھ اگناس کے سامنے پہنچ گئے۔ تب بہادر نے اگناس سے کہا کہ وہ طاآس کے لئے اسے گرفتار کرنے آیا ہے...... اور اگناس کے ساتھی بہادر کا مذاق اڑانے لگے۔ انہوں نے پوچھا کہ بہادر اگناس کو کس طرح گرفتار کر کے لے جائے گا۔ تب بہادر نے کہا کہ اگر اگناس کی پوری قوم نے مداخلت کی تو وہ اس کی قوم کو قتل کر دے گا اور پھر اگناس کو گرفتار کر کے لے جائے گا۔ اس پر اگناس کی قوم مشتعل ہو گئی اور پھر اگناس نے تحقیر آمیز انداز میں اپنے ہتھیار بہادر کے سامنے پھینک دیئے...... اور بہادر نے اس کے ہتھیاروں کو بچوں کے کھلونے ثابت کر دیا...... تب اگناس خود اس کے مقابلے پر آیا اور بہادر نے اسے بھی عبرتناک شکست دی اور اس کے عہدے کے مطابق اسے باندھ کر لے آیا......'' طاآس منہ پھاڑے یہ کہانی سن رہا تھا...... اطاریہ کے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا۔

''میں جانتا تھا......... مجھے انتظار تھا، اور جب وہ آیا تو میں نے اسے پہچان لیا اور میں نے اس کا تھوڑا سا امتحان لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی ہے جس کا میں انتظار کر رہا تھا...... بے شک اس کے علاوہ کون تھا جو اگناس کو شکست دے سکتا۔''

میں خاموشی سے اس رنگ بدلتے خدا کو دیکھ رہا تھا، جو پوری طرح قابو میں تھا...... اس کی قلابازیاں میرے لئے ناقابل دید تھیں۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''اگناس کو کہاں قید کیا ہے طاآس......؟''

''یقیناً وہ ایسی جگہ لے جایا جائے گا، جہاں سے وہ فرار نہ ہو سکے گا۔''

''اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے......؟ اسے کونسی سزا دی جائے گی۔؟''

''صرف ایک رات، ہم نے اسے ایک رات کی زندگی بخش دی ہے کل پورے ملک کے کاروبار بند رہیں گے...... سب لوگوں کو شہر پناہ

کے میدان میں لے جایا جائے گا......اور پھر......وہاں اگناس کو موت کی سزادی جائے گی ابہادر، ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے دشمن کو مہلت ملے اور وہ اپنی رہائی، اور حالات سے نمٹنے کے لئے کوئی ترکیب سوچ سکے۔!''

''ہوں......'' میں نے ایک گہری سانس لی...... پھر مسکراتے ہوئے طاآس سے پوچھا۔'' میرے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے طاآس۔؟''

''تم......تم میرے گہری دوستوں میں شامل ہو گئے ہو...... حسب وعدہ الکورہ کی حکومت تمہارے حوالے کر دوں گا، لیکن اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہوگی......اگر تم وہ شرط پوری کرنے پر تیار ہو جاؤ......تو کل اس میدان میں جہاں اگناس کو موت کی سزادی جائے گی، وہیں تمہارے الکورہ کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا جائے گا۔''

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا......تاہم میں نے اس سے پوچھا۔'' شرط کیا ہوگی طاآس۔؟''

''تمہیں طاآس کی خدائی تسلیم کرنا ہوگی...... تمہیں میری معبودیت پر یقین لانا ہوگا...... الکورہ کا شہنشاہ بننے کے بعد تمہیں روشنی کی پوجا، طاقت کے ذریعے ختم کرنا ہوگی اور طاآس کی معبودیت کا پرچار کرنا ہوگا۔!''

''اور......اور اگر میں تیری یہ بات ماننے سے انکار کر دوں۔ طاآس......تو......؟''

''تو...... مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا! لیکن تم بھی غور کر لو۔ ابھی بہت وقت ہے......کل تک سوچ لو......اور اگر مزید وقت درکار ہو تو پھر کل یہ اعلان نہیں کیا جائے گا۔ کل کے بجائے کسی اور دن سہی۔''

''ہوں......!'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ پھر گردن ہلاتے ہوئے میں نے کہا۔'' ٹھیک ہے معزز طاآس۔ اکل اس میدان میں ہی میں بھی تجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔!''

''یہ بہت اچھی بات ہوگی کہ اگناس کی لاش پر کھڑے ہو کر دوسرے شہنشاہ کا اعلان کیا جائے......!'' طاآس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن طاآس......!الکورہ والے میری شہنشاہیت کیسے تسلیم کر لیں گے بہر حال ان کی بڑی قوت ہے۔''

''یہ کون سی بڑی بات ہے۔ بات اسی وقت تک بگڑی ہوئی تھی جب تک اگناس ان میں موجود تھا۔ اگناس کی موت کی خبر ان کی کمر توڑ دے گی۔ اور ایسی صورت میں ہماری خوفناک لشکر کشی ان کے حواس گم کر دے گی۔ پھر وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کریں گے کہ ہماری وفاداری کا اعلان کر دیں۔''

''بہتر طاآس۔ مجھے کوئی اچھی آرام گاہ بتا۔ جہاں میں اطاریہ کے ساتھ آرام کر سکوں۔!'' میں نے کہا اور طاآس نے ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا جنہیں میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا پروفیسر۔ نہ جانے کیا کیا تھا ان نگاہوں میں۔ خوف، نفرت، غم، غصہ۔ کس ڈھٹائی سے میں اس کی بیوی کو اپنی خلوت میں لے جانا چاہتا تھا۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ برسر اقتدار تھا۔ یہ اس کا محل تھا۔ لیکن وہ کچھ نہ کر سکتا تھا...... کیسی انوکھی بے بسی تھی۔ اور میں۔ میں اس بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔!

بالآخر ہوا وہی جو میں چاہتا تھا۔ طاآس نے تالی بجا کر خادموں کو بلایا...... اور مجھے عمدہ سا کمرہ دینے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت اور آرام دہ کمرے میں پہنچ گئے...... اطاریہ ہنستے ہوئے مجھ سے لپٹ گئی۔ ''آج تو بڑا عجیب دن گزرا بہادر...... میری زندگی کا سب سے حیرت انگیز دن۔'' اس نے کہا۔

''کیوں۔؟'' میں نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''طاآس...... اس نے زیادہ مغرور دنیا میں کوئی انسان نہ ہوگا، اس سے زیادہ شاطر کوئی نہ ہوگا، اس سے زیادہ ظالم کوئی نہ ہوگا۔ جو خود کو معبود کہتا ہے۔ وہ دنیا کی ہر عورت پر اپنا حق سمجھتا ہے۔ اس کی عورت کو اس کے سامنے کوئی دوسرا خلوت میں لے جائے۔ وہ خود اس کے لئے خلوت مہیا کرے...... نہیں نہیں بہادر...... طاآس کی کسی بات کو سچ نہ جاننا۔ بھول کر بھی یقین نہ کرنا کہ وہ تمہیں الکورہ کی حکومت بخش دے گا۔ وہ تمہارے خاتمے کے لئے البتہ کوئی بہتر ترکیب سوچے گا...... اگناس کے بعد تم اس کے سب سے بڑے دشمن ہو۔ ایک دشمن کو اس نے تمہارے ہاتھوں شکست دیدی ہے، دوسرے دشمن کے لئے بھی اس کے شیطانی ذہن نے کچھ منصوبے بنائے ہوں گے۔'' اطاریہ نے کہا...... اور میں نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔

''اس مغرور، ظالم اور شاطر طاآس کی زندگی کی شام قریب ہے اطاریہ، تم خود دیکھو گی، اس نے میرے خلاف جو بھی منصوبہ بنایا وہ کس طرح ناکام ہوگا۔ اسے شکست کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا۔''

''آہ...... تم اس کی آنکھوں میں غیض وغضب کے وہ رنگ نہیں دیکھ سکے بہادر۔ جو تمہارے خلوت طلب کرنے سے پیدا ہوئے تھے۔ میں جان گئی۔ میں نے محسوس کرلیا کہ طاآس تمہارے سامنے بے بس ہے...... وہ تمہارے سامنے اپنی خدائی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے۔ وہ تم سے کبھی خوش نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ مجھے بھی معاف نہیں کرے گا، وہ کینہ پرور انسان ہے۔ وہ ضرور مجھ سے اپنی بے عزتی کا انتقام لے گا۔''

''اور یہ بات ناممکن ہے۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تمہاری آغوش سے صرف ایک بار سیراب ہونے کے بعد دنیا میں اور کسی چیز کی آرزو ممکن ہے۔'' اطاریہ نے محبت سے میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی محبت کو خود میں جذب کرلیا۔ رات کے نہ جانے کون سے پہر ہم دونوں تھک کر سو گئے۔ اور پھر روشنی پھوٹ آئی۔ اطاریہ نے مجھے جگایا...... ہم نے غسل کیا، لباس پہنا اور پھر طاآس کے ساتھ ناشتے کے لئے نکل آئے۔!

ناشتے کے کمرے میں آج طاآس کے سوا کوئی نہ تھا۔ میری وجہ سے آج اس نے اپنی رانیوں کے ساتھ ناشتہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بلاشبہ میں اس سلسلے میں کافی خطرناک ثابت ہوا تھا۔ طاآس اگر اپنی رانیوں کو میرے سامنے نہ لاتا تو اسے اپنی دو رانیوں سے ہاتھ نہ دھونا پڑتے۔ چنانچہ اس نے اس غلطی کا اعادہ نہیں کیا تھا۔ کون جانے کونسی رانی مجھے پسند آجائے۔ یا کونسی رانی مجھے پسند کرلے!

طاآس نے مصنوعی خوش اخلاقی سے میرا استقبال کیا اور پھر ہم ناشتہ کرنے لگے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد طاآس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کیا فیصلہ کیا بہادر۔؟''

''میرا خیال ہے ہمارے فیصلوں کے انکشاف کے لئے وہ میدان مقرر کیا گیا ہے جہاں اگناس کو سزا دی جائے گی۔''

''ہاں۔ میں نے اپنے طور پر تم سے معلوم کیا تھا۔'' طا آس نے کہا۔

''ابھی میرا فیصلہ صیغہ راز میں ہے۔ میدان ہی میں، میں اس کے بارے میں بتاؤں گا! ہاں...... اگناس کو سزائے موت دینے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''پورے ملک کے لوگ متوقع ہیں کہ ہم اسے کوئی دلچسپ سزا دیں گے۔ میں نے اس کی سزا کے تین دور رکھے ہیں۔ ان میں سے وہ کسی بھی دور کا شکار ہو جائے۔''

''مثلاً۔؟'' میں نے پوچھا۔

''اول۔! پچاس خوفناک قیدی، جن سے کہا جائے گا کہ انہیں اسی طرح رہائی مل سکتی ہے کہ وہ اگناس کو تلواروں سے قتل کر دیں۔ یہ قیدی اگناس پر حملہ آور ہوں گے اور اسے قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ کامیاب نہ ہوئے تو میری قلمرو کا سب سے خوفناک ہاتھی ''بوچھک'' جو شیطنیت میں اپنی مثال آپ ہے، اس پر حملہ آور ہوگا، اور اس کے جسم کو کچلنے کی کوشش کرے گا۔ اگر بوچھک بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکا تو پھر تیر اندازوں کا ایک ٹولہ۔ اس پر تیر اندازی کر کے اس کے پورے جسم کو چھلنی کر دے گا۔'' طا آس نے بتایا...... لیکن!...... میں بھی اسے اس کی مکاریوں سمیت خاک میں ملانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔!

طا آس داد طلب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس مکار شخص کو قبل از وقت ہوشیار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک طویل سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے طا آس۔ اس بار تیرے جو پروگرام ہوں گے تو نے ان پر غور کر لیا ہوگا۔''

''میں صرف تیری وفاداری چاہتا ہوں بہادر۔ الکورہ کے شہنشاہ کی حیثیت سے تیری جو قدر و منزلت ہوگی، اس کا ابھی تو تصور بھی نہیں کر سکتا ہم صرف الکورہ تک محدود نہیں رہیں گے۔ الکورہ کے قرب و جوار میں دوسری بہت سی آبادیاں ہیں۔ جو تیرے جیسے ناقابل تسخیر انسان کے قدموں کی منتظر ہیں۔ تو طا آس کی خدائی کو پورے خطہ ارض پر پھیلا دے۔ طا آس تجھے عزت بخشے گا۔!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ناشتہ ختم ہونے کے بعد ہم باہر نکل آئے! تب طا آس نے مجھ سے کہا۔ ''اگر تو مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیتا، بہادر تو میں زیادہ خوشی کے ساتھ قتل کے میدان میں جا سکتا تھا۔ تاہم میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تو مجھ سے تعاون کرے گا۔ میں تیرے لئے خلعت بھجوا رہا ہوں بہادر۔ آج تو میرا تیار کروایا ہوا لباس پہن کر، میری جیسی گاڑی میں سوار ہو کر لوگوں کے سامنے جائے گا، تاکہ لوگ، الکورہ کے شہنشاہ کو پہچان لیں۔!''

میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ تب ہم، یعنی میں اور انطاریہ اپنے کمرے میں واپس چلے آئے۔ طا آس میرے فیصلے پر دل ہی دل میں بہت بے چین تھا، جس کا اندازہ میں نے بخوبی لگا لیا تھا۔ کمرے میں آ کر انطاریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''درحقیقت تمہارے سلسلے میں طا آس کو بہت سی کڑوی گولیاں نگلنی پڑ رہی ہیں۔ بلاشبہ وہ جتنا بے بس اب ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھا...... لیکن تم میدان میں کیا اعلان کرو گے بہادر؟''

''میدان کی بات میدان میں ہوگی۔ ذاتی طور پر میں طا آس کی خدائی قبول کرنے کو تیار ہوں...... اگر وہ میری ایک شرط پوری کر دے اور یہ شرط میں اسے میدان میں ہی بتاؤں گا۔''

تھوڑی دیر گزری تھی کہ چند خادم سروں پر تھالیاں اٹھائے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ ان میں میرے اور انطاریہ کے لئے زرنگار لباس، رکھے ہوئے تھے۔ بڑے حسین اور بڑے قیمتی لباس تھے یہ جو شاید طا آس نے اپنی نگرانی میں تیار کرائے تھے۔ بہرحال میں نے طا آس کا یہ تحفہ قبول کرلیا۔ خدام چلے گئے تو انطاریہ نے پیار بھرے انداز میں یہ لباس مجھے پہنایا اور مجھ پر نثار ہونے لگی۔ پھر میرے کہنے سے اس نے بھی اپنا لباس پہنا اور ہم دونوں تیار ہو گئے۔

یہاں تک کہ وقت ہو گیا۔ سپاہیوں کی ایک پوری فوج میری خدمت میں حاضر ہوئی، وہ سب نئے اور چمکدار لباس پہنے ہوئے تھے، ایسے لباس پہلے یہاں نہیں پہنے جاتے تھے۔ اس دستے کے سربراہ نے میری تعظیم کی اور گویا ہوا۔ ''الکورہ کے شہنشاہ۔ ہم تیرے خادم تیرے جانثار ہیں۔ ہم الکورہ کے سپاہیوں کے نئے لباس آئے ہیں تاکہ لوگ الکورہ کے شہنشاہ کو باسانی شناخت کرلیں۔ باہر سواری تیار ہے۔ خداوند طا آس اپنی سوار میں کھڑا تیرا انتظار کر رہا ہے۔''

''میں نے انطاریہ کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آیا۔ میرے جاں نثار میرے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ باہر لوگوں کا اژدھام تھا۔ طا آس مختلف لباس والے سپاہیوں کے ساتھ آٹھ گھوڑوں والی سیاہ رنگ کی گاڑی میں کھڑا تھا۔ اس سیاہ گاڑی میں لگے ہوئے گھوڑوں کے رنگ گہرے سیاہ چمکدار تھے۔ اس کے فوجی دستے کے لوگوں کے گھوڑے بھی سیاہ تھے۔ اس سے کچھ دور ہٹ کر سفید گھوڑوں والی ایک خوبصورت سفید رنگ کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس گاڑی کے پیچھے میرے فوجی دستے بھی گھوڑوں پر سوار تھے۔ طا آس کے دل کی کیفیت کچھ بھی ہو لیکن اس نے میری عزت افزائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن پروفیسر...... میری نگاہوں میں یہ معمولی حرکتیں کیا حیثیت رکھتی تھیں۔ نہ ہی میں اتنے کمزور ذہن کا انسان تھا کہ ان باتوں سے متاثر ہو جاتا۔ اگناس کی آنسو بہاتی قوم مجھے یاد تھی اور اگناس کی اعلیٰ ظرفی کو میں فراموش نہیں کر سکتا تھا۔

طا آس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سیاہ کپڑا بلند کیا اور اس کے نوجوانوں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ میری گاڑی بھی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس طرح ہم میدان کی طرف چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم میدان کو دور سے دیکھ سکتے تھے۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو نہ جانے کہاں سے ابل پڑا تھا۔ شاید طا آس کی قلمرو کے تمام لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ وہ سب نیل پیکر اگناس کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔

راستہ صاف ہونے لگا۔ لوگ طرح طرح کے نعرے لگا رہے تھے۔ عورتیں، لڑکیاں، بوڑھے، جوان، بچے سب خوشی سے سرشار تھے۔ میدان کے ایک سرے پر آرائشی محراب بنائے گئے تھے اور عارضی عمارتیں کھڑی کر دی گئی تھیں جو ہمارے لئے تھیں۔ اپنے اپنے دستوں کے ساتھ ہم ان عمارتوں کے قریب پہنچ گئے اور پھر ہماری گاڑیوں کے آگے دیوہیکل مرد جن کے اوپری جسم ننگے تھے گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل جھک گئے۔ میں نے طا آس کی طرف دیکھا۔ طا آس نے بڑے کروفر سے جھکے ہوئے آدمی کی پشت پر پاؤں رکھا اور نیچے اتر آیا۔ گویا اس سے سیڑھی کا کام لیا گیا تھا۔ میری گاڑی کے نیچے جھکا ہوا آدمی منتظر رہا لیکن میں نے دروازہ کھولا اور اس کی پشت سے پھلانگتا ہوا نیچے اتر آیا۔ پھر میں نے اس کی پشت پر تھپکی دی

اور اسے کھڑا ہو جانے کا اشارہ کیا۔ سیڑھی بنا ہوا شخص ہٹ گیا تو میں نے اپنے ہاتھوں کے سہارے سے انطاریہ کو اتارا۔ دوسرے لوگ تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

طا آس نے بھی شاید یہ منظر دیکھا تھا اور اسے پسند نہیں کیا تھا۔ ہم الگ الگ محرابوں سے داخل ہو کر اندر پہنچ گئے۔ لوگوں کا ہجوم ایک نظر مجھے دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ بہرحال زرنگار تختوں میں سے ایک پر طا آس، دوسرے پر میں انطاریہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ طا آس میری خوشنودی کا کوئی موقع ہاتھ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے تمام کام وہ کئے تھے جو اس نے خود اپنے لئے کئے تھے۔ وہ مجھے اپنے برابر کا درجہ دے رہا تھا۔

لوگ نعرے لگاتے رہے اور پھر اچانک ایک خوفناک شور و غل ہوا۔ لکڑی کے ایک بہت بڑے پنجرے کو بہت سے گھوڑے کھینچتے ہوئے لا رہے تھے اور درختوں کے موٹے تنوں کو جوڑ کر بنائے گئے اس پنجرے میں خوفناک جسامت والا اگناس بند تھا۔ وہ پنجرے کے ایک کون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

میں اس دلیر انسان کی بے بسی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جونہی اگناس میدان میں داخل ہوا لاکھوں کا مجمع جمع ہو گیا۔ لوگ سانس روکے اس انسان کو دیکھ رہے تھے جسے انسان سمجھنا بھی مشکل تھا۔

پنجرہ میدان کے درمیان کھڑا کر دیا گیا۔ لوگ اب بھی خاموش تھے۔ مجمع پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ تب طا آس اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بلند کیا اور پورا مجمع پتھر کی طرح ساکت ہو گیا۔

''طا آس کے بندو۔ طا آس تمہارا معبود، تمہارے سامنے روشنی کے پرستار کو لے آیا ہے۔ ہاں طلوح کے پجاری، اپنے نجات دہندہ کو میری قید میں دیکھ کر سمجھ چکے ہوں گے کہ طا آس عظیم ہے۔ کوئی قوت اس کی مقابل نہیں ہے۔ طا آس جب چاہتا ہے روشنی فنا ہو جاتی ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ایک طاقتور جیالے کو طلب کرتا ہے۔ بلندیوں سے آنے والا، اگناس کی پوری قوم کو شکست دے کر، اگناس کو مردہ گدھے کی طرح ڈھولاتا ہے۔ یہ وہی اگناس ہے جس کی قوت کے گیت بنائے گئے ہیں۔ دیکھو۔ کس طرح یہ پنجرے میں بند ہے اور اسے پنجرے میں بند کر کے لانے والا۔ وہ بہادر ہے جو مستقبل میں الکورہ کی سلطنت سنبھالے گا۔ ہاں۔ یہ روشنی والوں کی قسمتوں کا مالک ہو گا۔ یہ انہیں روشنی کے بھنور سے نکال کر طا آس کی امان میں پہنچا دے گا اور پھر ہماری قلمرو وسیع تر ہو گی۔ نہ صرف الکورہ بلکہ قرب و جوار کے دوسرے علاقوں پر بھی ہماری خدائی ہو گی۔'' طا آس خاموش ہو گیا اور لوگ کان پھاڑنے والے نعرے لگانے لگے۔ وہ میری شان میں گیت گا رہے تھے اور اچھل اچھل کر مجھے دیکھ رہے تھے۔

بمشکل تمام یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ تو پھر اگناس کے پنجرے کے دروازے کو کھول دیا گیا اور اگناس کو باہر لے آیا گیا۔ پنجرہ ایک کونے میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ طا آس ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اگناس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تو خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا اگناس۔''

''نہیں طا آس۔ تو نے کب اور کس سے سنا کہ میں نے خود کو ناقابل تسخیر سمجھا۔'' اگناس نے بھاری آواز میں کہا۔

''کیا تو نے میری فوج سے جنگ کر کے تنہا اسے شکست نہیں دی۔؟''

"ہاں۔ تیری فوج بزدل اور کمزور تھی۔ وہ میرے مقابلے کی تاب نہ لا سکی۔" اگناس نے کہا۔

"بکواس۔ کیا میرے ایک آدمی نے تجھے زیر نہیں کر لیا؟"

"طاآس۔ کیا وہ شخص تجھے خدا مانتا ہے؟" اگناس نے ایک خوفناک سوال کیا۔ طاآس اس سوال پر گھبرا گیا تھا لیکن پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بات وہ خود بتائے گا لیکن تجھے اس سے کیا۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تو جھوٹا خدا ہے۔ تو ایک عام انسان ہے جو کسی پر فوقیت نہیں رکھتا۔ دیکھنا تو بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا پھر تو کیسا خدا ہے۔ ہاں۔ اس نے مجھے زیر کیا۔ میں نے اس سے قول ہارا تھا اور میں قول نبھانے چلا آیا۔ وہ میرا آقا بن گیا تھا۔ تیرے یہ معمولی سپاہی مجھے قید نہیں رکھ سکتے تھے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ لکڑی کا یہ پنجرہ میرا قید خانہ بن سکتا تھا۔ یہ تیری بھول ہے طاآس۔ اگر میرا آقا مجھے حکم دے تو میں اس پنجرے کی سلاخوں کو تنکوں کی طرح توڑ کر پھینک دوں گا۔"

"خوب۔ خوب۔ تو یوں سمجھ لے اگناس۔ اگر تو طاآس کی خدائی کو سچ مان لیتا تو آج تیرا یہ حشر نہ ہوتا۔ بہر حال روشنیوں کو پکار۔ تاکہ وہ تیری مدد کریں۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد تو ایک اذیت ناک موت کا شکار ہو جائے گا۔"

"روشنی ہماری زندگی کا تعین کرتی ہے۔ موت وزیست کا مسئلہ اسی کے ہاتھ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں اس کے نام پر مروں گا۔" اگناس نے کہا۔

"تو مر...... اور مرنے کے بعد بھی اذیت میں مبتلا رہ۔" طاآس نے ایک انگوٹھا بلند کر دیا اور دور کسی کونے سے ڈھول کی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی پچاس قیدی چمکدار ہتھیار لئے میدان میں اتر آئے۔ یہ سب کے سب دیو ہیکل اور خونخوار تھے۔ طاآس کے ایک آدمی نے اونچی جگہ کھڑے ہو کے کہا۔

"جنگجو بہادرو۔ تمہارے سامنے گوشت کا پہاڑ کھڑا ہے۔ اپنے دھار والے ہتھیاروں سے اس کے جسم کے ٹکڑے کر دو۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں آزادی بخش دی جائے گی۔ طاآس تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم آزاد انسان کہلاؤ گے۔ اپنی پوری قوت صرف کر دو تمہیں اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ملے گا۔"

اور قیدیوں کے دانت نکل پڑے۔ تب اگناس نے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "آقا۔ تو فاتح اگناس ہے۔ میں صرف تیرے ہاتھوں مرنا چاہتا ہوں۔ ہاں تو اگر حکم دے تو میں ان کے ساتھ جھک کر بیٹھ جاؤں تاکہ انہیں مجھے قتل کرنے میں دشواری نہ ہو۔"

"ان سے جنگ کر دا اگناس۔ اگر یہ تمہارے اوپر قابو پالیں تو ان کا حق انہیں مل جائے گا اور اگر یہ تیرے ہاتھوں مارے گئے تو زندگی کی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔"

"موت میرا مقدر ہے آقا۔ یہ زندگی کے لئے جنگ کریں گے۔ میں ان کی زندگی کیسے چھین سکتا ہوں۔ تاہم اگر یہ تیرا حکم ہے تو میں تیار ہوں۔" اگناس نے کہا اور پھر اس نے اپنے شاخوں جیسے ہاتھ پھیلا دیئے اور پچاس لڑاکے اس کے چاروں طرف بکھر گئے۔ لوگ دلچسپی سے یہ خونی

مقابلہ دیکھنے لئے تیار ہو گئے پھر جوں ہی طاآس نے اپنا انگوٹھا نیچے کیا، لڑاکے اگناس پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اپنے تیز ہتھیار اگناس کی طرف جھکائے اور اگناس نے کمال پھرتی سے جھکائی دے کر ان کے وار خالی کر دیئے۔ ایک لڑاکے کی گردن اس کے مضبوط پنجے میں آ گئی اور اس نے ہلکے سے کھلونے کی طرح اسے بلند کر لیا۔ دوسرے لمحے لڑاکا اپنے ساتھیوں پر جا گرا۔ اس کا لمبا نیزہ اگناس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ اگناس نے اس نیزے کو لاٹھی بنا لیا...... واقعی اگناس کی جنگ دیکھنے کے قابل تھی۔ بیک وقت پچاس انسانوں کے وار روکنا، انہیں خود سے دور رکھنا سخت مشکل کام تھا لیکن چند لمحات میں ہی میں نے محسوس کر لیا کہ بے وقوف طاآس نے صرف ان لوگوں کو اگناس کے ہاتھوں قتل کرانے اور اپنا مذاق اڑوانے کیلئے اس کے سامنے بھیجا ہے۔ اگناس ایسے ایسے داؤ پیچ استعمال کر رہا تھا کہ انہیں سمجھنا بھی مشکل تھا۔

لیکن چند لمحات کے اندر ہی میں نے ایک اور بات محسوس کر لی۔ وہ یہ کہ اگناس خود ان لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ صرف ان کے ہتھیار ناکارہ کر رہا تھا۔ زد پر آئے ہوئے لوگوں کو صرف ایک آدھ ہاتھ مار کر بے ہوش کر دیتا تھا اور اس سے جنگ کرنے والوں کی تعداد لمحہ بہ لمحہ گھٹتی جا رہی تھی۔ طاآس اس صورتحال پر بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ دیکھنے والے دم بخود تھے۔ اور پھر بہت زیادہ دیر نہ لگی۔ جب طاآس کے قیدی زمین پر اوندھے سیدھے پڑے تھے۔

طاآس غصے کی شدت سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "باچھک کر لاؤ۔ وہ اس سرکش بھینسے کی سرکوبی کرے گا۔ لاؤ۔ اسے لاؤ۔"

اگناس چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تب میں نے اپنے فوجی دستے کے انچارج سے کہا۔ "سنو۔ بے ہوش قیدیوں کو میدان سے ہٹا دو ورنہ وہ ہاتھی کے پیروں تلے آ کر کچل جائیں گے۔"

میرے دستے کے سردار نے گردن جھکائی اور پھر اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ میدان میں اتر گیا۔ اس نے قیدیوں کے بے ہوش جسم اٹھائے تو طاآس چیخ کر بولا۔ "انہیں مت اٹھاؤ۔ ان کی موت بھی اسی میدان میں ہو گی۔ باچھک انہیں ان کی سستی کی سزا دے گا۔" اور انچارج رک گیا۔ تب میں نے کھڑے ہو کر کہا۔

"انہیں اٹھا لو۔ ہم انہیں بعد میں سزا دیں گے۔" طاآس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں سپاٹ چہرے سے انچارج کی طرف دیکھ رہا تھا تب طاآس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تعمیل کی جائے۔" انچارج اور اس کے ساتھی جلدی جلدی انسانی جسم اٹھانے لگے۔ انہیں دور سے باچھک کی چنگھاڑ سنائی دے رہی تھی۔ آن کی آن میں میدان صاف کر دیا گیا۔ اب صرف اگناس میدان میں موجود تھا۔ ویسے ہجوم کی سرگوشیاں پھیل رہی تھیں۔ شاید یہ پہلا موقع تھا جب طاآس کی بات کاٹی گئی تھی اور یہ بات طاآس نے قبول کر لی تھی۔

لوگ بری طرح ادھر ادھر ہٹ گئے۔ درجنوں افراد بھورے نیلے رنگ کے خوفناک ہاتھی کو زنجیروں میں جکڑے لا رہے تھے۔ بھورے رنگ کا یہ پہاڑ بے حد خوفناک تھا۔ اس کی دہکتی آنکھیں دہک رہی تھیں اور ان سے شیطنت ٹپک رہی تھی۔ اگناس بھی غور سے اس کے لمبے سفید دانتوں

کو دیکھ رہا تھا جو کئی گز آگے کو نکلے ہوئے تھے۔ ہاتھی کو میدان میں لے آیا گیا اور پھر اس کی زنجیریں نکال دی گئیں۔ لوگ خوف و دہشت سے خونخوار ہاتھی کو دیکھ رہے تھے جو اپنے ستون جیسے پاؤں سے مٹی اڑا رہا تھا۔ اس کی چھوٹی لیکن تیز نگاہیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں اور پھر چالاک جانور سمجھ گیا کہ مدمقابل کون ہے۔ اب وہ صرف اگناس کو دیکھ رہا تھا اور اگناس کے چہرے پر پہلی بار ہلکی سی دلچسپی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

گویا ہاتھی کی خونخوار کیفیت سے وہ متاثر نہیں تھا۔ وحشی درندہ کئی منٹ تک کھڑا اگناس کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کی سونڈ اٹھی، اس کے منہ سے ایک خوفناک چنگھاڑ نکلی اور عوام دہشت سے لرز اٹھے۔ پھر وہ اگناس کی طرف بڑھا۔ بڑا خوفناک انداز تھا۔ اگناس سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اگناس سے چند فٹ کے فاصلے پر پہنچ کر وہ کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے سونڈ اٹھا کر ایک خوفناک چنگھاڑ ماری اور اگناس پر حملہ کر دیا۔

اگناس ایک طرف ہٹا لیکن ہاتھی کی سونڈ نے اسے جکڑ لیا تھا۔ وہ اس کی کمر کے گرد لپٹ گیا اور دیو قامت ہاتھی اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن دیکھنے والوں نے ایک بھیانک منظر دیکھا۔ ہاتھی کے ستون نما پاؤں زمین پر پھسل رہے تھے۔ وہ اپنی ساری قوت صرف کر رہا تھا لیکن اگناس کو اٹھانے میں ناکام رہا۔ پھر اگناس نے اس کی قوت سے مطمئن ہو کر اس کے ستون نما سفید دانت پکڑ لئے اور ایک زوردار تڑاخ کے ساتھ ہاتھی کے دونوں دانت اکھڑ گئے۔

ہاتھی نے گھبرا کر اگناس کو چھوڑ دیا۔ اس کے منہ سے اذیت ناک چنگھاڑیں نکل رہی تھیں۔ ایک بار وہ کئی گز پیچھے ہٹا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا لیکن اس بار اگناس نے اسے خود کو گرفت میں لینے کا موقع نہیں دیا بلکہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ہاتھی کی سونڈ پکڑ لی اور پھر وہ پوری قوت سے سونڈ کو مروڑنے لگا۔ ہاتھی اس مصیبت سے سخت پریشان تھا۔ وہ چنگھاڑ رہا تھا۔ سونڈ کو اگناس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش میں بری طرح اچھل رہا تھا لیکن اگناس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ پھر اس کے ایک طرف کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس کے زمین پر گرنے کا دھماکہ بڑا زوردار تھا۔ لوگوں کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں۔ ہاتھی اذیت سے تڑپ رہا تھا اور اب اگناس اس کی گردن پر سوار تھا۔ اس نے ہاتھی کی سونڈ بری طرح موڑ رکھی تھی۔ تب اس نے سونڈ کو اپنے گھٹنے کے نیچے دبایا اور پھر اس کے گرز نما ہاتھ اٹھے۔ اس نے مٹھی بنائی اور ہاتھی کی پیشانی پر ایک زبردست گھونسا رسید کر دیا۔ ہاتھی نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اگناس کا دوسرا گھونسا اس کی پیشانی پر پڑا اور ہاتھی کی پیشانی کی ہڈی چٹخ گئی۔

چاروں طرف ایک شور بلند ہو گیا لیکن اگناس اس شور سے بے خبر اپنے شکار سے نپٹنے میں مصروف تھا اور چند منٹ کے بعد ہاتھی کا جسم ساکت و جامد پڑا تھا۔ اگناس نے اس کی موت کا یقین کرنے کے بعد اسے چھوڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"شیطان ہے...... بے شک یہ شخص شیطان ہے۔ سپاہیوں، تیر اندازوں کو سامنے لاؤ۔ اس کے پورے جسم میں زہریلے تیر پیوست کر دو۔ خبردار جسم کا کوئی حصہ نہ بچنے پائے۔" طاآس اٹھ کر چیخا اور اب میری باری تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

"میں طاآس سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ رک جاؤ۔ تیر اندازوں کو سامنے نہ لاؤ۔"

طاآس کے خادم سمجھ گئے کہ میری آواز طاآس کی آواز ہے بلکہ میری آواز وہ ہے جس پر طاآس اپنے احکامات واپس لے لیتا ہے چنانچہ سب رک گئے۔ طاآس پھر چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ غالباً اس کو خطرے کا احساس ہو گیا تھا۔ اس کی سوالیہ نگاہیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''طاآس کے پجاریو۔'' میں نے بلند آواز میں کہا۔ ''تم سب طاآس کی خدائی کا اعتراف کرتے ہو۔ تم جانتے ہو میں تم میں سے نہیں ہوں۔ میں روشنی والوں میں سے بھی نہیں ہوں۔ میں روشنی کو خدا نہیں مانتا۔ میں طاآس کو خدا نہیں مانتا۔ اس کے باوجود، مقدس طاآس نے مجھے اپنے دوستوں میں جگہ دی ہے۔ میں نے خود کو اس کی دوستی کا اہل قرار دیا ہے۔ دیکھ لو۔ میں تمہارے سامنے اسے لے آیا ہوں جو لڑاکوں کی پوری فوج کو، مسلح فوج کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے زیر کر لیتا ہے۔ میں اسے باندھ کر تمہارے سامنے لایا ہوں جو تمہارا دشمن ہے اور جو بھورے ہاتھی کو گھونسے مار کر مار ڈالتا ہے۔ طاقت کے اس عظیم پہاڑ کو میں چوہوں کی طرح پکڑ کر لایا ہوں لیکن میں ابھی تم میں سے نہیں ہوں۔ میں نے ابھی طاآس کی خدائی تسلیم نہیں کی ہے۔ لیکن..... میں طاآس کو خدا ماننا چاہتا ہوں۔'' میں خاموش ہو گیا۔ طاآس کے چہرے پر رونق بڑھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مطمئن انداز میں مجھے دیکھا اور سکون سے بیٹھ گیا۔

''تیراندازوں سے کہو واپس جائیں۔'' اس نے کہا لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔ تیرانداز واپس جا چکے تھے۔ تب میں نے کہا۔

''طاآس کے ماننے والو۔ تم نے دیکھا۔ پچاس مسلح آدمی اگناس کو زیر نہیں کر سکے۔ تم نے دیکھا بھورا سرکش ہاتھی اس کے ہاتھوں موت کی نیند سو گیا۔ تم نے محسوس کیا کہ وہ کس قدر طاقتور ہے۔ اگر وہ طاآس کی جگہ خدائی کا دعویٰ کرے تو کیا تم اسے خدا ماننے سے انکار کرو گے۔؟''

لوگوں میں چہ میگوئیوں کی زبردست لہر اٹھی۔ خود طاآس میرے ان الفاظ سے بے چین ہو گیا۔ اس نے پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

''تم یقیناً اسے خدا تسلیم نہیں کرو گے۔'' میں نے کہا۔ ''کیونکہ خدا ان تمام طاقتوں سے برتر ہوتا ہے جو اس کے سامنے ہوں۔ بے شک طاآس اگناس سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کے پاس پراسرار قوتیں ہیں۔ وہ تمہیں خوش حالی دیتا ہے۔ اس کی جنبش سر سے زندگیاں فنا کی راہ پاتی ہیں۔ وہ اگناس سے زیادہ طاقتور ہے۔ میں ابھی تمہارے سامنے اس کی خدائی تسلیم کر لوں گا۔ اور اس کے خادموں میں شامل ہو جاؤں گا لیکن اس سے پہلے میں اس کا امتحان لوں گا۔''

طاآس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''بتاؤ اے طاآس کے ماننے والو۔ میں..... تمہاری دنیا کا اجنبی، میں جس نے اگناس کو شکست دے کر اسے قیدی بنا لیا۔ کیا میں طاآس کی قوتوں کا امتحان لئے بغیر اسے خدا مان سکتا ہوں۔؟ نہیں نہیں۔ میں یہ نہ کر سکوں گا۔ طاآس کو اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وہ اگناس کو شکست دے گا۔ تلوار سے، جسمانی قوت سے، پراسرار قوتوں سے۔ مقدس۔..... طاآس۔'' میں نے براہ راست طاآس کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تو عظیم ہے۔ تیری قلمرو تجھے خدا مانتی ہے۔ اپنی خدائی کا ثبوت دے۔ اپنی مقدس انگلیوں سے ایک ایسی آگ پیدا کر جو اگناس کو جلا کر خاک کر دے۔ اگر تو یہ آگ نہیں پیدا کر سکتا تو..... آسمان سے تیر برسا جو کسی انسان کے چلائے ہوئے نہ ہوں۔ اگر یہ بھی تیرے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے تو میدان میں آ کر اپنی پراسرار قوتوں سے اگناس کو ہلاک کر دے۔ اگر تو ان میں سے کوئی کام نہیں کر سکتا تو، تو کیسا خدا ہے۔ میں کیوں تجھے خدا مانوں۔ اگر تو نے اٹھ کر اگناس کو شکست نہ دی تو تیری خدائی جھوٹی ہے۔ میں اور تیری قوم تجھے خدائی کے فریب کا مجرم قرار دے گی اور میں تجھے قتل کر دوں گا۔''

لوگوں پر سکتہ طاری تھا۔ ہزاروں ذہنوں نے میری بات قبول کر لی تھی لیکن طاآس کے چہرے سے بدحواسی جھلک رہی تھی اور اگناس، وہ ساکت و جامد کھڑا میری شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے سخت حیرانی جھانک رہی تھی۔ تب طاآس کھڑا ہو گیا۔

"یہ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو بہادر۔ میں تمہارا دوست ہوں۔"

"میں تیری خدائی تسلیم کرنا چاہتا ہوں طاآس۔ مجھے مطمئن کر دے پھر مجھ سے بڑا وفادار تیرے لئے کوئی نہ ہوگا۔"

"تم غداری کر رہے ہو۔ میں طاقت ہوں، میں عظمت ہوں، میں یہ معمولی سا کام نہیں کر سکتا۔ میں پوری کائنات پر قادر ہوں۔"

"تو کیسا خدا ہے طاآس۔ تو ہماری اتنی سی بات نہیں مان سکتا، پھر ہم تیری یہ بات کیوں مانیں۔ سن۔ اگر تو فوراً نیچے اتر کر اگناس کے مقابلے پر نہ آیا تو پھر میں تیری گردن اتار لوں گا اور تیری خدائی کے جھوٹے دعوے کو ملیامیٹ کر دوں گا۔"

میں نے قریب کھڑے ہوئے ایک سپاہی کے نیام سے چمکدار تلوار نکال لی اور پروفیسر...... موت ہی ناچ گئی طاآس کی آنکھوں میں۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کی عوام خاموش تھے۔ گویا وہ مجھ سے متفق تھے۔ میں تلوار لے کر آگے بڑھا اور طاآس دوڑ کر سپاہیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

"سپاہیو۔ قتل...... قتل کر دو اس غدار کو۔ مار ڈالو اسے۔ جلدی کرو۔ مار ڈالو۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں چیخا اور اس کے سپاہیوں نے تلواریں سونت لیں۔

"اگناس۔ میں تمہارے آقا کی حیثیت سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جو بھی مقابل آئے اسے ہلاک کر دو۔ تیار ہو جاؤ۔ تم ہر ہتھیار استعمال کر سکتے ہو۔" اور پھر میں طاآس کے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑا۔ بے شمار تلواریں میرے جسم پر پڑیں اور اچٹ گئیں۔ میری تلوار طاآس کے سپاہیوں کی گردنیں اڑانے لگی۔ آن کی آن میں، میں نے پہلی صف صاف کر دی۔ سپاہی مجھے جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مجھ سے مقابلے کا انجام موت ہے۔ اس کے علاوہ ہر شخص طاآس سے بددل ہو گیا تھا۔ طاآس کی خدائی کی پول کھل گئی تھی۔ سب کو اس کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ دوسری طرف اگناس نے درختوں کے تنے کا پنجرہ توڑ کر ایک موٹا تنا سنبھال لیا تھا۔ وہ سپاہیوں کے ریوڑ کو اس تنے سے ہانک رہا تھا۔

اور لاکھوں انسان خاموش کھڑے تھے۔ سپاہی شور مچا رہے تھے، چیخ رہے تھے، مر رہے تھے لیکن کب تک۔ دو ناقابل تسخیر انسان ان کے مقابل تھے۔ جن کو موت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ معرکہ میری توقع سے کہیں زیادہ مختصر نکلا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ شاید عوام کے جم غفیر میں کچھ سرپھرے طاآس کے اندھے جاں نثار ہوں گے۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ جب تک وہ لوگ طاآس کو جھوٹا تسلیم نہ کر لیں گے۔ میں انہیں قتل کرتا رہوں گا۔ خواہ اس قتل عام میں کئی دن لگ جائیں لیکن مقابل صرف سپاہی تھے جو بڑی بددلی سے لڑ رہے تھے۔

پھر چیختے ہوئے سپاہیوں نے ہتھیار پھینکنا شروع کر دیئے۔ وہ امان مانگ رہے تھے۔ وہ طاآس کی خدائی سے تائب ہو رہے تھے اور امان مانگنے والوں کو میں نے کچھ نہ کہا۔ یہاں تک کہ طاآس اکیلا رہ گیا۔ اسے بھاگنے کے لئے بھی جگہ نہیں تھی۔ اس کے تمام دوست اس سے علیحدہ امان مانگنے والوں کے ساتھ جا کھڑے ہوئے تھے۔

چنانچہ پروفیسر...... یہ معرکہ شروع ہوا اور ختم ہو گیا۔ میں خون ٹپکاتی ہوئی تلوار لے کر طاآس کی طرف بڑھا اور طاآس کی شکل بگڑ گئی۔

''میں تجھے فنا کر دوں گا۔'' اس نے کھکھیاتے ہوئے کہا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں طا آس۔'' میں نے اس کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا اور اسے کھینچ کر میدان میں لے آیا۔ اگناس نے درخت کا تنا پھینک دیا تھا اور اب وہ میرے اشارے کا منتظر تھا۔

''عظیم اگناس۔'' میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تیری قلمرو میں گیا۔ میں نے اپنے لوگوں کے ساتھ تیرا سلوک دیکھا۔ بے شک تو کسی کا پجاری ہو، تیرے اصول بہت عمدہ ہیں۔ تیری نیکیاں تیری پیشانی پر جگمگاتی ہیں۔ تو قول کا صادق ہے۔ مجھے معاف کر دے میرے دوست میں تجھے یہاں لایا۔ میں نے تجھے ذلیل کیا...... لیکن...... مجھے تیری توہین مقصود نہیں تھی۔ میں صرف حقیقت سامنے لانا چاہتا تھا سو میں نے لوگوں کو طا آس کی اصلی شکل دکھادی۔ یہ جھوٹا خدا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ ایک معمولی انسان ہے۔ تو سب نے دیکھ لیا۔ پھر اس معمولی انسان کی پوجا کیوں کی جائے۔ تیرے اصول، تیری محبت کیوں نہ اپنائی جائے۔ سنو لوگو۔ اگناس قول کا صادق ہے۔ یہ اپنی قوم سے محبت کرتا ہے چنانچہ تم اس سے بہتر حکمران نہ پاؤ گے۔ سنو۔ آج سے طا آس کی قلمرو بھی الکورہ کہلائے گی۔ اگناس تمہارے لئے سکون و خوشحالی فراہم کرے گا۔ تم اس کے وفادار رہو گے۔ اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو آؤ۔ سامنے آؤ تا کہ میں گندگی چھانٹ دوں اور ان لوگوں کو باقی رہنے دوں جو حقیقت کو پسند کرتے ہیں۔ اور اگر تم میری بات سے متفق ہو تو اگناس کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر دو۔''

اور پروفیسر...... لاکھوں آوازوں کے شور سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ وہ سب اگناس کی شان میں نعرے لگا رہے تھے اور اگناس منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ چند قدم آگے بڑھا۔ میرے سامنے آیا اور گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ پھر اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے غلام رہنے دو آقا۔ اس وقت تک جب تک میری پشت نے زمین نہیں دیکھی تھی۔ میرے دل میں آرزوئیں تھیں، میں حکمرانی کا خواہشمند تھا لیکن اب میں اس قابل نہیں ہوں۔ تم نے مجھے عزت بخشی، میں فخر سے تمہاری غلامی کروں گا۔ میں اس کے علاوہ اور کسی بات کا خواہشمند نہیں ہوں۔''

''میں نے تجھے جس قابل سمجھا، اس کا اظہار کر دیا اگناس۔ میں تیرا دوست ہوں۔ آقا نہیں۔ طا آس نے بھی میری دوستی چاہی تھی لیکن وہ میرے قابل نہیں تھا اور اب وہ اس دنیا کے قابل بھی نہیں ہے اس لئے میرا حکم ہے۔ اسے اس دنیا سے نابود کر دے۔''

''تیرا حکم سر آنکھوں پر آقا۔'' اگناس نے کہا اور طا آس کی طرف مڑا۔

''بھاگ جاؤ۔ میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ۔ تم سب غدار ہو۔ تم۔ تم۔ تم احسان فراموش ہو۔ تم۔'' اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

''تو سازشی ہے طا آس۔ تو نے احسان نہیں سازش کی تھی اور تیری سازش ناکام ہو گئی۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا۔

''میں تمہارا معبود ہوں۔ میں تمہارا معبود ہوں۔ جھک جاؤ میرے سامنے ورنہ تم پر عذاب نازل ہو گا۔ جھک جاؤ۔ جھک جاؤ۔'' طا آس حلق پھاڑ کر چیخا۔ پھر وہ اپنے لوگوں سے مخاطب ہوا۔ ''کیا دیکھ رہے ہو۔ فنا کر دو ان سب کو جتنے غدار ہیں سب کو مارو۔ سنتے کیوں نہیں مار دو ان سب کو۔''

''انہیں عقل آ گئی ہے طا آس۔ ہاں اگر تو نیک ہوتا تو آج تیری بے بسی پر ترس کھانے والوں کی بھی بڑی تعداد ہوتی لیکن آج تیرا دوست

کوئی نہیں ہے۔ دنیا تیرے لئے دشمن ہوگئی ہے۔ اگناس اسے اس دنیا سے روانہ کردو۔ جلدی کردو۔" اور اگناس نے اچھل کر طا آس کو پکڑ لیا۔ پھر اس نے طا آس کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ اور طا آس کسی بھیڑ کے بچے کی طرح چیخنے لگا۔ اس کی آنکھیں اور زبان باہر نکل پڑی۔ اس کی تمام پسلیاں ٹوٹ گئیں اور پھر اگناس نے اس کے مردہ جسم کو چھوڑ دیا۔

تو یوں طا آس کی کہانی ختم ہوئی پروفیسر...... لاکھوں انسانوں کا مجمع تھا لیکن کسی کو اس سے دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے لوگوں کو منتشر ہونے کا اشارہ کیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد میدان میں چند دلچسپ مناظر بکھرے رہ گئے۔ بھوؤے درندے کی لاش اور ان لوگوں کی لاشیں جنہوں نے طا آس سے وفاداری کی تھی۔ وہ سپاہی ہمارے گرد مؤدب کھڑے تھے جنہوں نے طا آس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ طا آس کے بوڑھے مشیر بھی کھڑے تھے لیکن یہ بذات خود کچھ نہیں تھے اس لئے مجھے ان کی موت سے دلچسپی نہیں تھی۔ تب میں پتھر کی طرح ساکت و جامد بیٹھی اطار یہ کے قریب پہنچا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ اگناس اور دوسرے لوگ میرے پیچھے چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم طا آس کے محل میں داخل ہو رہے تھے۔ محل میں تھوڑے سے سپاہی تھے اور طا آس کی بیویاں تھیں۔ جنہیں طا آس اب میرے خوف سے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ اس انقلاب کی خبر نے سب کو گنگ کر دیا لیکن کس کی مجال تھی جو اس سلسلے میں احتجاجی جملے کہتا یا کوئی اور حرکت کرتا۔

❁

طا آس کو ختم ہوئے پورا ہفتہ گزر گیا۔اس ہفتے میں دو مشکل کام مجھے کرنے پڑے۔اول تو یہ کہ بمشکل تمام میں اگناس کو اس بات پر تیار کر سکا کہ وہ حسب دستور اپنی قوم کی رہنمائی کرے۔اگناس کسی طرح تیار نہ تھا۔وہ میری غلامی میں ہی خوش تھا۔لیکن میں بھلا کہیں کی حکمرانی کو کب پسند کر سکتا تھا۔میں آزاد طبیعت کا آزاد انسان تھا۔ایک سیلانی انسان۔نہ جانے کب یہاں سے دل بھر جائے اور میں کہیں چل دوں۔!بہر صورت میرے لاکھوں بار کہنے سننے سے اگناس تیار ہو سکا۔امیں نے اس کی عزت اسے واپس دی تھی۔!

دوسرا مشکل کام طا آس کی بیویوں نے مجھ پر دعویٰ کر دیا تھا،طا آس کی موت کے بعد وہ سب یا تو میری ملکیت تھیں،یا اگناس کی۔یہی اس قوم کا رواج تھا،میں عورت پسند ضرور تھا،لیکن اتنی ساری عورتوں کا کیا کرتا۔لیکن وہ سب میرے ساتھ رہنے پر بضد تھیں۔اورانہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا تو وہ خود کو ہلاک کر لیں گی۔!

میں نے اگناس سے مدد کی درخواست کی اور کہا کہ کم از کم ایک درجن بیویاں وہ رکھ لے،لیکن اگناس شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑا۔

"میں نے آج تک عورت کا تصور بھی نہیں کیا آقا۔اروشنی کے شہنشاہ نے ابھی تک میری جسامت کی کوئی عورت نہیں پیدا کی۔اگر وہ چاہتا تو مجھے بھی عورت سے روشناس کر دیتا لیکن یہ اس کی خوشی نہیں ہے۔اور اس کی مرضی میں،میں بھی خوش ہوں۔یہ عورتیں میرے کس کام کی۔میں انہیں کیا حیثیت دے سکوں گا۔اور مرد کی حیثیت سے تو یہ میرے لئے بیکار ہیں۔"

بات اگناس کی بھی درست تھی۔میں نے جب ان عورتوں سے اگناس کا تذکرہ کیا تو وہ چیخیں مار کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں اور خوف سے لرزنے لگیں......بہر حال کوئی حل نہیں نکلا تھا،تب میں انطاریہ سے مشورہ کیا۔

"اصول کے تحت اب یہ سب تمہاری بیویاں ہیں۔تمہیں انہیں قبول کرنا ہی ہوگا بہادر۔!میں بھی اس بات کی مخالفت نہیں کر سکتی۔" انطاریہ نے جواب دیا۔

"لیکن کیا تم انہیں برداشت کر لوگی انطاریہ۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں،کرنا ہوگا......کسی کا حق کیوں مارا جائے۔!"

"تب پھر لتاکا کو تم نے قتل کرنے کی کوشش کیوں کی تھی۔؟"

"وہ تنہا تمہارے ساتھ تھی۔تم اسے صرف انعام میں مل گئے تھے اور اب اصول کی بات ہے۔!تمہیں ہر عورت کو وقت دینا ہوگا......میری فوقیت برقرار رہے گی۔صرف میں ہوں گی جو ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گی اس وقت بھی۔جب کوئی اور عورت تمہارے خلوت میں ہوگی۔"

چنانچہ پروفیسر......میں ڈیڑھ درجن خوبصورت عورتوں کا شوہر بن گیا......بہت پر لطف تھا وہ دور......ہر روز نئی بیوی میں تو صرف ان بیویوں کے چکر میں پھنس کر رہ گیا تھا......ہر ایک کی خواہش تھی کہ میں سب سے زیادہ اسے پیار کروں......اور میں تماشہ بن کر رہ گیا البتہ اگناس سخت محنت و فراست سے طا آس کی قلمرو کے مسائل حل کر رہا تھا۔اس دیو قامت انسان کا دماغ بھی اس کے سائز کا تھا۔بڑے بڑے مسائل کو وہ چٹکی

بجائے حل کر دیتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اگر طاآس کا خوف نہ ہوتا تو اب تک وہ اپنے وطن الکورہ کو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا...... تو پروفیسر...... ہزاروں برس قبل، انسانی حقوق، مساوات کی بنیاد انسان کے ذہن میں پیدا ہوگئی تھی۔ ایک دوسرے کے مسائل حل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے کام آنا، سب کی ایک حیثیت سمجھنا، سب کی محنت کرنا، سب کا کھانا رائج ہو چکا تھا...... ہاں اس نظریئے کا عروج و زوال ہوتا رہا ہے...... غاصبوں نے اس کے خاتمے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے...... انہوں نے اپنی قوت سازشوں سے اس نظریئے کو نقصان پہنچانے میں کامیابی بھی حاصل کر لی تھی۔ لیکن ہوتا یہ کہ ایک ہی قلمرو کے انسان، ایک ہی نسل کے افراد ہوتے، جن میں سے ایک مساوات پسند ہوتا۔ دوسرا تفریق پسند۔ مساوات پسند حکمراں ہوتا تو حالات سدھر جاتے، لوگ ایک دوسرے کے برابر حیثیت حاصل کر لیتے، اور تفریق پسند برسرِ اقتدار آتا تو حقوق چھن جاتے۔ خونریزی ہوتی...... یہ جھگڑا تو بہت پرانا ہے۔

پھر جب اگناس نے مکمل طور پر طاآس کی قلمرو کو سدھار دیا۔ تو پھر اس نے وفد۔ الکورہ بھیجا...... اس وفد کے ہمراہ اس نے اپنی پوری تفصیل لکھ کر بھیجی۔ جس میں میرا ذکر ان الفاظ میں تھا کہ میں شرمندہ ہو گیا تھا اس نے لکھا کہ اگر الکورہ پر کسی سنجیدہ اور معزز انسان کو حکمراں بنا دیا گیا ہے تو اگناس اس سے دوستی کا اظہار کرتا ہے اور دعوت دیتا ہے کہ اس کے لئے جو خدمت ہو لکھ بھیجی جائے...... اور اگر ابھی تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا ہو اور وہ اگناس کی خدمات قبول کرنا چاہیں تو اگناس حاضر ہے۔

اور اس کے جواب میں پورا الکورہ ناچتا، گاتا، خوشیاں مناتا امنڈ پڑا۔ انہوں نے اگناس کو اس طرح گلے لگایا کہ میں دیکھ کر رشک محسوس کرتا تھا۔ وہ میرے بھی ممنون تھے...... اور صورت حال پہلے سے مختلف نہ تھی پروفیسر...... میں ایک دیوتا کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

لیکن اس وقت یہ دیوتا ڈیڑھ درجن دیویوں کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ ایک سے ایک حسین، ایک سے ایک امنگوں بھری۔ نت نئی خصوصیات کی حامل، اور پروفیسر ایک سے ایک چاہنے والی۔ انہوں نے طاآس کی موت پر بڑی طمانیت کا اظہار کیا تھا۔ وہ طاآس جیسے بوڑھے گدھ سے متنفر تھیں جو ان کی جوان آغوش میں مرے ہوئے کوّے کی طرح پڑا رہتا، جوان کے جذبات کے لئے برف کی سل ثابت ہوتا تھا!

لیکن میں تو مجسمہ آگ تھا۔ یہاں تک تو غنیمت تھا پروفیسر۔ لیکن جب وہ جنگلی بلیوں کی طرح آپس میں لڑتیں تو میرے لئے مصیبت بن جاتیں، مجھ جیسے ذکی اور فہیم انسان بھی ان کے مسئلوں کا حل نہ تلاش کر پاتا۔ اور ان سب عورتوں کے بے پناہ مسائل خود میرے لئے ایک مسئلہ بن گئے۔ جن کا حل میرے پاس موجود نہیں تھا...... لیکن کب تک...... بالآخر میں نے ایک حل سوچ ہی لیا...... اور وہ تھا فرار......!

ہاں...... ایک رات...... میں نے خاموشی سے ایک توانا گھوڑا لیا...... اور اس رات کی بیوی جب میرے پہلو میں خراٹے لینے لگی۔ میں چپکے سے دروازہ کھول کر نکل آیا...... ان عورتوں نے مجھے ایسا الجھا دیا تھا کہ میں اپنے پیارے دوست اگناس سے بھی نہ مل سکا، اس کی ان پریشانیوں اور الجھنوں کا بھی مجھے خیال نہیں آیا، جو میری گمشدگی کے بعد پیدا ہو سکتی تھیں یوں بھی میں نے کوئی ان الجھنوں کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا تھا۔ بس ایک ہمدردی تھی۔ لیکن یہ بھی میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان بیویوں کی موجودگی میں، میں الکورہ اور اگناس کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا! اس لئے بھاگ جانے میں ہی عافیت تھی۔!

فرزانہ اور فروزاں بے ساختہ ہنس پڑیں اور وہ بری طرح اچھل پڑا۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے دونوں لڑکیوں کو دیکھا، دیکھتا رہا۔ اور پھر اس طرح گہری گہری سانسیں لینے لگا جیسے کسی مصیبت سے بچ گیا ہو۔!

اس کی اس کیفیت سے پروفیسر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولے۔ ''کیا بات ہے۔ تم چونک کیوں پڑے۔؟''

''مجھے معاف کرنا لڑکیوں...... دراصل...... کسی دور کی باتیں کرتے کرتے میں اسی دور میں کھو جاتا ہوں...... میرے محسوسات وہی ہو جاتے ہیں، جو اس وقت تھے...... تمہاری ہنسی سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری چند بیویاں کہیں چھپی مجھے دیکھ رہی ہوں اور مجھے اور بھاگتے نہ دیکھ لیا ہو۔'' اس نے کہا اور لڑکیاں جھینپ گئیں۔

''گویا تم ان عورتوں سے اس قدر خوفزدہ تھے۔''

''کیا عرض کروں پروفیسر۔ زندگی کا سب سے بھیانک تجربہ تھا۔ یہاں میں نے طاآس کی بڑائی تسلیم کی تھی۔ اٹھارہ بیویوں کا رکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن ان کے مسائل سے نمٹنا، دنیا کا سب سے کٹھن کام ہے جسے میں انجام نہیں دے سکا تھا اور اسی لئے بے سروسامانی کی کیفیت میں وہاں سے فرار ہوا تھا۔

بہرحال۔ میں نے الکورہ کا رخ نہیں کیا تھا۔ میں ادھر سے گزرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک نئی راہ اختیار کی۔ اور میرا گھوڑا اس نامعلوم سمت دوڑتا رہا...... دن نکلا، شام ہوئی، رات گزری۔ میں مسلسل سفر کرتا رہا...... پھر جب گھوڑے نے رینگنا شروع کر دیا تو میں اس بے زبان جانور کو آرام دینے کے لئے رک گیا...... مجھے خطرہ تھا کہ کہیں میری بیویاں میرا تعاقب نہ کریں...... اور پروفیسر...... اس کے بعد میں مسلسل سفر کرتا رہا...... فی الحال مجھے عورت کی خواہش نہیں تھی۔ اٹھارہ عورتوں نے میرا دماغ درست کر دیا تھا۔ اس لئے ایک طویل عرصہ میں عورت کے بغیر گزارنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں چلتا رہا۔ نئے نئے مقامات میرے سامنے آتے رہے۔ یہاں تک کہ میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں زمین ختم ہو گئی تھی اور آگے سمندر تھا۔!

طاقتور گھوڑا بدستور میرا ساتھ دے رہا تھا۔ لیکن اب میں اسے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔ ویسے سمندر کے کنارے کا یہ علاقہ خوب سرسبز تھا اور یہاں گھوڑے کو زندگی گزارنے کے لئے بہت کچھ تھا...... البتہ انسان یہاں موجود نہیں تھا اور اگر تھے بھی تو ایسی جگہ پوشیدہ تھے جہاں میں انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔!

میں نے یہاں تھوڑے عرصے قیام کیا۔ گھوڑے کو میں نے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ لیکن وفادار جانور میرے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا۔ وہ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے کہیں سے کہیں نکل جاتا، لیکن رات میرے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ اس دوران میں سمندر سے سفر کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اسی ارادے کے تحت میں نے ایک دن ایک تناور درخت پر زور آزمائی کی اور اسے گرا لیا۔ پندرہ دن تک میں اس کے خشک ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ ایک حماقت یہ کی تھی کہ اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لئے تھے۔ بہرحال میں پتھر کے دور میں رہ چکا تھا۔ سخت اور نوکیلے پتھروں کا استعمال خوب جانتا تھا۔ اس لئے میں نے پہاڑی چٹانوں سے اپنے مطلب کے پتھر حاصل کئے اور پھر چند نوکدار پتھروں سے میں نے درخت کے تنے کو کھوکھلا کرنا شروع کیا۔ اس طرح سخت محنت کے بعد میں نے ایک کشتی تیار کر لی۔ درخت کی شاخوں کے چپو بنائے اور پھر ایک دن، دن بھر شکار کرتا رہا، پرندوں اور

پرندوں کے ڈھیر لگائے۔ اور پھر انہیں آگ پر بھوننے لگا گوشت کے ایک انبار کو بھون کر میں نے لکڑی کے بنائے ہوئے ایک بہت بڑے ڈبے میں محفوظ کیا، دوسرے ڈبے میں ایک چشمے سے میٹھا پانی بھرا اور اب میں سمندری سفر کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ ایک صبح جب میرا گھوڑا چرنے نکل گیا، میں نے گوشت اور پانی کے ڈبے کشتی پر لادے اور اس میں بیٹھ کر چل پڑا۔!

سمندر کے دن رات میرے لئے اجنبی نہیں تھے...... روشنی تاریکی، صبح شام۔ منزل کا کوئی تعین نہیں تھا، زندگی لامحدود تھی۔ سمندر کی موجیں تھیں۔ میری کشتی تھی اور میں تھا۔ بھوک لگی تو کھانا کھا لیتا، نیند آتی تو سو جاتا...... پھر سورج کی شعاعیں گدگداتیں، جاگ اٹھتا، منزل کی خواہش بھی نہیں تھی، بس ایک سفر تھا، جاری تھا۔ واقعات پیش آنا لازمی تھے۔ سمندر لامحدود ہے۔ لیکن اس میں بھی واقعات کے بھنور رہتے ہیں...... زمین کی رکاوٹیں، انسانے جنم دیتی ہوئی تھی، حالانکہ ابتدائی رات کا چاند ڈوب چکا تھا، تاریکی پھیل گئی تھی۔ لیکن آج رات مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ دماغ بوجھل بوجھل سا تھا، سمندر کے نمک نے تازگی چھین لی تھی۔ ایک کسل کا احساس ہو رہا تھا۔ شاید ذہن پر طویل نیند مسلط ہو رہی تھی...... شاید صدیوں کی نیند طاری ہونے والی تھی، لیکن سمندر میں ایک مشعل دیکھ کر میں چونک پڑا، یہ عظیم الشان مشعل سمندر کے درمیان نصب تھی اور اس سے عظیم شعلے بلند ہو رہے تھے۔!

یہ کیا ہے......؟ میں اسے غور سے دیکھنے لگا، لیکن پانی کی یہ آگ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تب میں نے پہلی مرتبہ اپنی کشتی کے پتوار سنبھالے اور کشتی کو آگ کی سمت کھینے لگا...... میرے مضبوط بازو پانی کو آسانی سے کاٹنے لگے اور کشتی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح آگے بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ آگ قریب آ گئی۔ تب میں نے بغور دیکھا۔ کوئی عظیم الشان جزیرہ تھا، جس کے کنارے کے درختوں میں خوفناک آگ لگی ہوئی تھی۔ آگ کے سائے میں سرخ زمین نظر آ رہی تھی۔ میں کشتی کو اس حد تک آگے لے گیا، کہ اس کی لکڑی آگ کی لپیٹ میں نہ آ جائے۔ تب میں نے کشتی کو چھوڑ دیا اور پانی میں اتر گیا...... میں زمین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خوفناک آگ کی تپش میرے جسم کو لطیف حرارت بخش رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ حرارت حاصل کرنے کے بعد میں چاق و چوبند ہو جاؤں گا۔!

کنارے کا پانی کھول رہا تھا۔ آگ شاید کئی دن سے لگی ہوئی تھی۔ خشک اور تناور درخت کوئلوں کی شکل میں دہک رہے تھے۔ ایک خوفناک جہنم زار سلگ رہا تھا۔ میں اس جہنم میں داخل ہو گیا اور میرے جسم میں سرور کی لہریں دوڑنے لگیں۔ میرا وجود زندگی بخش حرارت حاصل کرنے لگا اور میں آگ کے جنگل میں آگے بڑھتا رہا، میں جاننا چاہتا تھا کہ یہ آگ کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ میں بڑھتا رہا۔ بڑے جاندار شعلے تھے۔ کافی گاڑھی آگ تھی۔ پورا جنگل خاک ہو چکا تھا۔ یقیناً آگ لگنے سے قبل یہ ایک حسین سبزہ زار ہوگا...... میں آگے بڑھتا رہا۔ تب میرے کانوں میں ایک عجیب سی آواز گونجی۔ یہ کسی بہت بڑے ڈھول کی آواز تھی۔ جس سے جھنجھناہٹ بلند ہو رہی تھی۔ انسان۔ امیرے ہونٹوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔ آگ کے اس جنگل میں انسان بھی موجود ہیں...... لیکن کیا آتشی انسان......؟ تب میں نے خود ہی اس خیال کی تردید کر دی۔ ممکن ہے یہ آگ ایک مخصوص پھیلاؤ میں ہو، اور اس کے بعد۔!

میرا اندازہ درست ہی تھا۔ نارنجی شعلوں میں میری آنکھیں دور تک دیکھ رہی تھیں، آگ کا جنگل تقریباً پچاس گز دور جا کر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایک معمولی سا ڈھلان تھا اور اس ڈھلان پر ایک چھوٹی سی اتھلی، لیکن زیادہ پھیلاؤ والی ندی بہہ رہی تھی۔ چونکہ ندی کے بعد درخت نہیں تھے

اس لئے آگ ندی پار نہیں کر سکتی تھی۔!

میں کچھ اور آگے بڑھا۔! تب بھوری زمین پر میں نے ایک کالی لکیر دیکھی...... یہ کالی اور چوڑی لکیر۔ یہ کالے سر کن لوگوں کے ہیں۔ یقیناً یہ اس علاقے کے باشندے ہوں گے۔ میرے دل میں انہیں دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ پھر جب میں آگ کے دوسری طرف نکلا تو میرا جسم بھی آگ کی طرح روشن تھا۔ اس کی روشنی کے سائے زمین پر پڑ رہے تھے اور زمین چمک رہی تھی۔ سیاہ جھکے ہوئے سر اسی طور جھکے ہوئے تھے۔ لیکن شاید انہیں میری آمد کی اطلاع ہو گئی۔ دوسرے لمحے ڈھول زور زور سے بجنے لگا! اور سر اٹھ گئے۔ سیاہ سروں کے نیچے اتنے ہی سیاہ چہرے تھے۔ میں نے اس سے قبل اتنے سیاہ لوگ نہیں دیکھے تھے۔ ان کے جسموں پر لباس نہیں تھا۔ البتہ انہوں نے مختلف جانوروں کے پر جسم سے چپکا کر ستر پوشی کی تھی۔ ان کے سیاہ چہروں پر سفید آنکھیں بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن...... اس وقت ان آنکھوں میں خوف، حیرت اور نہ جانے کیا کیا تھا۔! میں کچھ اور آگے بڑھا...... اور وہ لوگ کھڑے ہو گئے...... بڑے قد آور اور تندرست لوگ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی نوکدار لکڑیاں تھیں جو غالباً ان کے ہتھیار تھے...... یہ لوگ تہذیب سے دور کے انسان تھے شاید ان کے علاقے میں ابھی تک تہذیب نہیں پہنچی تھی۔ مجھے صدیوں قبل کی دنیا یاد آ گئی۔ وہ لوگ یاد آ گئے جن کے ساتھ میں انسانی زندگی کی ابتدا کی تھی۔!

وہ چند ساعت کھڑے رہے...... پھر اچانک وہ اوندھے گر پڑے انہوں نے اپنے سر گھٹنوں میں دے لئے تھے۔ اسی انداز میں ان کے ہونٹوں سے بھنبھناہٹ کی آواز نکل رہی تھی...... تب ان میں سے ایک چھوٹا بچہ دوڑتا ہوا باہر نکلا...... اور میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔! یہ سیاہ فام بچہ بے حد معصوم شکل تھا...... وہ اپنی سفید سفید آنکھیں پٹپٹا پٹپٹا کر مجھے دیکھ رہا تھا ان معصوم آنکھوں میں دلچسپی کی چمک تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ بچہ بہت پیارا لگا اور میں نے جھک کر اسے گود میں اٹھا لیا۔ سیاہ فاموں میں ایک زبردست غلغلہ اٹھا...... بچہ مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا...... اس کے ننھے ننھے ہاتھ میرے آتشیں بالوں کو چھو رہے تھے...... وہ میری آنکھ، ناک اور منہ کو چھو رہا تھا...... پھر اس نے معصوم آواز میں پوچھا۔

"کیا تم بوتیکا ہو۔؟"

"بوتیکا......؟" میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ہاں...... آگ کے بیٹے...... ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" بچے نے کہا۔

"تم سب......؟"

"ہاں...... میری ماں نے یہی کہا تھا...... دیکھو پوری بستی کے لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہیں......" بات میری سمجھ نہیں آئی تھی...... لیکن قیافے سے میں نے تھوڑا بہت سمجھا، تہذیب سے دور کے یہ لوگ کسی بوتیکا کا انتظار کر رہے تھے جو آگ سے نکلنے والا ہے...... اور میں آگ سے ہی نکلا تھا۔ توہمات کو یوں تقویت ملتی ہے۔

"ان سے کہو کھڑے ہو جائیں...... تمہارا نام کیا ہے۔؟"

"بوکے۔" بچے نے جواب دیا۔

"بوکے۔ان سے کہو کے سب کھڑے ہو جائیں۔" میں نے بچے سے کہا۔ اور اس نے منہ کے سامنے دونوں ہاتھ رکھ کر میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔ وہ سب کے سب سجدے سے اٹھ گئے اور بوکے کو میری گود میں دیکھ کر حیرت اور شدید ہوگئی...... میں آگے بڑھا اور میں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ "بستی کے لوگوں...... میں تمہارے درمیان مہمان بن کر آیا ہوں...... میں تمہارا دوست ہوں...... میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ میری دوستی قبول کرو...... تم میں سے کچھ سمجھدار میرے پاس آؤ...... تاکہ میں تم سے گفتگو کروں۔!"

میری آواز پر سکوت چھا گیا...... وہ لوگ میری گفتگو غور سے سن رہے تھے۔ میں نے بچے کو گود سے اتار دیا۔ میرے خاموش ہونے پر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ اور سب بیک وقت چیخے۔ "مہربان بوتیکا آ گیا۔ ہماری قسمت جاگ اٹھی۔!"

اور پھر چار ضعیف العمر، لوگوں کے مجمع سے نکل کر میرے سامنے آئے، اور جھک گئے۔!

"سیدھے ہو جاؤ...... میں تمہارا دوست ہوں۔" میں نے کہا۔

"عظیم بوتیکا۔ ہمارا دوست۔!" انہوں نے پلٹ کر کہا اور لوگ خوشی سے چیخنے لگے۔

"تمہاری بستی کا کیا نام ہے۔؟"

"کمنال...... ہم تیرے پرستار ہیں بوتیکا...... ہم عرصے سے تیرے منتظر ہیں...... ہمیں خوشحالی بخش...... ہمیں ترقی کے راستے دکھا۔" ایک بوڑھے نے کہا۔

"تمہارا سردار کون ہے۔؟"

"میں ہوں عظیم بوتیکا...... لیکن ہم سب آشوشا کے خادم ہیں۔ آشوشا جس نے ہمیں تیرے آنے کی خبر دی تھی۔!"

"آشوشا کہاں ہے۔؟"

"پہاڑیوں میں...... وہ وہیں تیرا استقبال کرے گا۔"

"جنگل میں آگ کب سے لگی ہے۔؟"

"آٹھ سورج نکل چکے...... کل نواں سورج نکلے گا...... لیکن ہم جانتے ہیں، یہ خوشحالی کا سورج ہوگا۔!"

"آؤ۔ مجھے اپنی بستی میں لے چلو۔!" میں نے کہا اور بوڑھے خوشی سے اچھلنے لگے! دلچسپ گفتگو تھی۔ نیا ماحول تھا۔ یہ توہم پرست سیاہ فام بھی دوسروں کی طرح مجھے کچھ اور سمجھتے تھے۔ بہر حال ان کا دل توڑنے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ یہاں کا ماحول دیکھنے کے بعد ان کے ساتھ بھی کچھ وقت گزارا جا سکتا تھا!

بستی کے لوگوں نے مجھے آگے جانے کا راستہ دیا۔ بوڑھے میرے پیچھے تھے۔ پھر سب ان کے پیچھے چل پڑے۔ بوڑھے رہنمائی کر رہے تھے اور میں ایک نامعلوم بستی کی طرف بڑھ رہا تھا۔!

"وہ رکا...... اور اس نے پروفیسر خاور کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں لڑکیوں کی طرف اٹھ گئیں۔ لڑکیاں پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ

رہی تھیں..... اس سے نگاہ ملتے ہی وہ چونک پڑیں۔

"ایک بات بتاؤ گے دوست۔!" پروفیسر خاور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور۔ ضرور پروفیسر۔"

"کیا تمہیں اس طویل زندگی سے اکتاہٹ نہیں محسوس ہوتی۔؟ کیا تم نے کبھی اس کے خاتمے کی خواہش نہیں کی۔؟"

"اکتاہٹ.....!" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے پروفیسر..... لیکن زندگی کا خاتمہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہاں طویل نیند سو جاتا ہوں اور جب صدیاں گزرنے کے بعد کسی نئے دور میں میری آنکھ کھلتی ہے تو مجھے یہی احساس ہوتا ہے جیسے میں دوبارہ پیدا ہوا ہوں۔"

"گویا ہندوازم کے مسئلہ آواگون کا تمہاری زندگی سے گہرا تعلق ہے..... وہ نئی نئی شکلوں میں پیدا ہونے کی بات کرتے ہیں اور تم ابتدا سے ایک ہی جسم اپنائے ہوئے ہو۔"

"نہیں پروفیسر..... ان کے تصورات حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔ وہ کوئی ٹھوس حیثیت نہیں پیش کر سکے جبکہ میرا وجود مسلم ہے۔ مجھ سے کوئی انکار نہیں کر سکتا..... میں ایک ٹھوس حقیقت ہوں۔" اس نے کسی قدر ناگواری سے کہا اور پروفیسر کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

"تم کس خیال میں گم ہو حسین لڑکیو.....؟" اس نے فروزاں اور فرزانہ کو مخاطب کر کے کہا اور وہ دونوں چونک پڑیں۔ پھر فروزاں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہم تو پراسرار آشوشا کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ وہ کون تھا اور اس نے تمہارے بارے میں پیشن گوئی کیسے کی تھی۔؟"

"آشوشا.....!" اس نے گہری سانس لے کہا۔ "ہاں لڑکیو۔ یہ شخص میری زندگی کا پہلا شخص تھا جس کے پراسرار علوم سے میں بے حد متاثر ہوا..... اور یوں سمجھ لو..... کہ آج جو علوم میرے قبضے میں ہیں، ان کے سلسلے میں میرا پہلا استاد وہی حیرت انگیز بوڑھا تھا..... دنیا کے ابتدائی دور میں، اس حیرت انگیز انسان نے جو معلومات مہیا کی تھیں، وہ اس وقت کا عظیم محقق تھا..... ان وحشیوں ہی کی نسل کا ایک انسان، جس کی صحیح کیفیت سے میں آج بھی ناواقف ہوں۔"

"اوہ..... تب ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ۔" پروفیسر نے کہا۔ اور وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔!

''آشوشا'' اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ اس سے میری ملاقات دوسرے دن ہوئی۔ پہلے دن بستی والے مجھے اپنی بستی میں لائے، گھاس پھونس کی جھونپڑیوں پر مشتمل یہ بستی بہت بڑی تھی۔ بڑی زبردست آبادی تھی۔ لاکھوں افراد دور تک پھیلے ہوئے تھے، لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ تہذیب سے ناآشنا تھے۔ ان کے ہاں خوراک کا مسئلہ تھا۔ وہ اپنی خوراک زمین سے اگانے سے ناواقف تھے۔ وحشی درندوں سے لے کر حشرات الارض تک وہ چٹ کر جاتے تھے۔ لیکن جنگل سے ان کی خوراک پوری کہاں ہوتی تھی۔ اس لئے زیادہ تر آبادی فاقہ کشی کا شکار تھی۔ اکثر لوگ گھاس اور درخت کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ سمندر کے جانور بھی ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں تھے۔ سمندر کی گلی سڑی گھاس بھی ان کی غذا بن جاتی تھی۔ سمندر کا ہر جانور ان کے لئے حلال تھا۔ مچھلیاں تو خیر ایک نعمت تھیں، کچھوے اور گھڑیال بھی ان کی مرغوب غذا تھے لیکن یہ غذا حاصل کرنے کے لئے انہیں سخت جدوجہد کرنا ہوتی تھی۔

بستی کی ایک بڑی جھونپڑی میں میرے قیام کا بندوبست کیا گیا یہ جھونپڑی کافی بڑی تھی۔ لیکن بے ترتیبی سے بنائی گئی تھی۔ پوری بستی کی ایک جھونپڑی بھی ترتیب سے نہیں تھی۔ ان معاملات میں یہ لوگ بہت پیچھے تھے۔ بہرحال میرے سامنے سانپ کی گول گول بوٹیاں جو بس یونہی آگ پر سینک لی گئی تھیں، پیش کی گئیں۔ ظاہر ہے میرا دل انہیں قبول نہیں کرسکتا تھا۔ تاہم ان کی خوشی کے لئے میں ان کا تحفہ قبول کرلیا۔

بستی کے بوڑھے مجھے گھیرے بیٹھے تھے۔ وہ سب میرے چہرے اور جسم کو خوف وحیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ بہرحال کچھ بھی ہے یہ لوگ معصوم ہیں۔ بظاہر ان میں منافقت اور نفرت نہیں ہے۔ شاید سب ایک دوسرے سے ہمدردی رکھتے ہیں، محبت کرتے ہیں اور بہرحال پسندیدہ بات تھی۔ پچھلا کچھ عرصہ میں نے نفرت اور سازش کے درمیان گزارا تھا۔ ان متلفن لوگوں کی بہ نسبت یہ سادہ دل لوگ زیادہ پرکشش تھے۔

کافی دیر تک میں ان لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا...... میں نے فیصلہ کرلیا کہ کچھ وقت ان لوگوں کے ساتھ گزاروں گا۔ انہیں زندگی گزارنے کے صحیح راستے بتاؤں گا اور پھر یہاں سے بھی آگے بڑھ جاؤں گا...... میں تو صدیوں کا مسافر ہوں۔ وقت گزرتا رہے گا اور میں آگے بڑھتا رہوں گا۔ درمیان کے مسائل کو میں زندگی سے نکال تو نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے گفتگو کے لئے چند بوڑھوں کو منتخب کیا۔ اور باقی لوگوں کو جھونپڑی سے چلے جانے کے لئے کہا۔ پانچ ضعیف العمر میرے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''تمہاری یہ بستی کب سے آباد ہے۔؟'' میں نے پوچھا، اور میرے سوال پر بوڑھے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک بوڑھے نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

''ہمیں نہیں معلوم بوتیکا...... ہم نے ہوش سنبھالا اسی بستی کو دیکھا ہمارے باپ دادا بھی اسی بستی کو دیکھتے آئے تھے عظیم آشوشا ہمیشہ سے اس بستی میں ہے...... اس نے ہمارے باپ دادا کے دور میں بھی بوتیکا کی آمد کی پیش گوئی کی تھی...... ہم سب صدیوں سے تیرا انتظار کر رہے ہیں بوتیکا...... لیکن آہ...... ہماری قسمت کہ ہمارے اگلے تیری آمد کا انتظار کرتے کرتے سمندر برد ہوگئے...... ہم بھی عمر کے اس حصے میں داخل ہوگئے،

جب جسم کی گرمی ختم ہو جاتی ہے اور انسان سمندر نشین ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے..... لیکن ہماری قسمت، کہ ہم سمندر نشین ہونے سے قبل تجھے دیکھ سکے..... اب ہم لہروں کی آغوش میں خوش و خرم جائیں گے..... ہماری نئی نسل کا پاسبان بوتیکا ہوگا..... بڑی خوش نصیب ہے، یہ نسل۔!'' بوڑھے نے کہا اور میں اس کی عجیب و غریب باتوں کو حیرت سے سننے لگا۔

گویا یہ بوڑھے صدیوں سے کسی بوتیکا کی آمد کے منتظر ہیں، جو انہیں خوشحالی بخشے گا..... لیکن انہیں ان کی آمد کا یقین نہیں تھا..... دوسری حیرت انگیز بات آشوشا کی ازلی کیفیت تھی کیا میری ہی نسل کا کوئی اور فرد بھی یہاں موجود ہے، جو ہمیشہ سے زندہ ہے..... یا پھر یہ کوئی اور پراسرار سلسلہ ہے۔ بہرحال میں اس سے ملنے کا خواہشمند تھا۔☆

''آشوشا نے تمہارے باپ دادا سے بوتیکا کے بارے میں کیا کہا تھا۔؟'' میں نے بوڑھے سے پوچھا۔

''ہم بدحالی اور بھوک کے شکار ہیں..... ہماری آبادی بڑھ رہی ہے۔ اور جنگل کے شکار ختم ہو رہے ہیں۔ گھاس پھونس اور درخت بھی ایک ایک کر کے ختم ہوتے جا رہے ہیں، بس پہاڑوں سے بہنے والے پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے..... یا پھر سمندر کی عظیم مخلوق..... جو ہماری غذا بنتی ہے..... لیکن اس کے حصول میں بڑی دشواریاں ہیں..... ہم اسے آسانی سے نہیں حاصل کر سکتے آشوشا نے کہا کہ ہماری مصیبتوں کا حل صرف بوتیکا ہے..... وہ جب آئے گا تو بستی خوشحال ہو جائے گی، خوراک کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ہر ضرورت پوری ہو جائے گی اور ہم اس کے منتظر تھے۔ ہمارے اجداد اس کے منتظر رہے ہیں۔ اور پھر..... جب کنارے کے درخت بھڑک اٹھے تو ہماری خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا کہ یہی بوتیکا کی آمد کی نشانی تھی..... بوڑھے دیوتا نے یہی نشانی بتائی تھی۔ اور اب تم آگئے عظیم بوتیکا، کتنے مختلف ہو تم ہم سے..... ہمیں یقین ہے کہ تمہارے چمکدار جسم کی روشنی سے خوشحالی بکھر جائے گی۔ یقیناً تم ہمارے لئے بہت کچھ لائے ہو گے۔''

میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا! ان معصوم اور سادہ دل لوگوں کے دل توڑنا میرے لئے ممکن نہیں تھا!..... میں ان کی مدد کا فیصلہ کر چکا تھا..... میں یہ بھی جانتا تھا کہ بوتیکا کی آمد کا انتظار یہ صدیوں سے کر رہے ہیں..... اگر میں ان سے کہوں کہ میں بوتیکا نہیں ہوں تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے..... یہ اس انداز میں کام نہیں کر سکیں گے، جس انداز میں اس وقت کریں گے، جب انہیں یقین ہو جائے کہ میں ہی بوتیکا ہوں..... میرا کیا تھا..... میں تو نہ جانے کیا کیا بن چکا تھا..... کہیں میں مقدس لاتوئی تھا، کہیں آسمان کا بیٹا، کہیں کچھ کہیں کچھ، بوتیکا بھی سہی، چنانچہ میں نے اپنے بوتیکا ہونے کی تردید نہیں کی..... اور پھر دوسرے دن میں نے آشوشا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔!

''مقدس آشوشا کو تیری آمد کی اطلاع دے گئی ہے..... وہ تیرے استقبال کی تیاریاں کر رہا ہے۔''

''آشوشا کہاں رہتا ہے۔؟''

''مقدس پہاڑوں میں..... جہاں سے سفید پانی بلندی سے نیچے گرتا ہے اور لکیریں بناتا، ہوا سمندر میں جا گرتا ہے.....'' میں سمجھ گیا کہ وہ کسی جھرنے کی بات کر رہے تھے۔!

''مجھے اس کے پاس لے چلو.....!'' میں نے کہا..... اور بوڑھے تیار ہو گئے۔ اس پراسرار بوڑھے سے ملنے کے بعد میں اپنے کام کا آغاز

کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ بوڑھوں کی رہنمائی میں، میں پہاڑوں کی طرف چل پڑا..... بستی کے لوگ پرسکون تھے..... عورتیں اور بچے مجھے عقیدت سے تک رہے تھے، جوانوں کے چہرے میری آمد کی خوشی میں اور چمک اٹھے تھے..... میں نے بستی کی عورتوں کو دیکھا۔ سیاہ فام تھیں، بدہیت تھیں لیکن بھرپور جوان تھیں۔ ان کے ٹھوس برہنہ جسم نسوانی دلکشی کا پیکر تھے۔ بعض کے نقش ونگار خصوصی طور پر حسین تھے، بعض کے چہرے بھی سیاہ ہونے کے باوجود سرخ مائل تھے۔!

''بہرحال وقت گزارا جاسکتا ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم بستی سے نکل آئے! خشک اور چٹیل میدانوں سے گزر کر سرسبز شاداب علاقہ شروع ہوگیا..... لیکن یہاں بھی صرف گھاس کے ڈنٹھل تھے، گھاس، پھول، درخت سب خوراک بن چکے تھے اور ظاہر ہے یہ زمین کے سینے سے سبزہ اگانا نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ جو کچھ خودرو تھا، وہ ختم ہو چکا تھا..... تاہم زمین سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر اس پر کاشت کی جائے تو وہ پوری بستی کو سیراب کردے گی۔ میں اس پورے علاقے کا مکمل جائزہ لیتا ہوا چلا جارہا تھا تب دور سے میں نے..... بلندی سے ایک عظیم الشان آبشار کو گرتے دیکھا سفید دھواں اس کے قرب وجوار میں پھیلا ہوا تھا۔ بہت بڑا آبشار تھا۔ جو پرجوش انداز میں بہتا ہوا نہ جانے کہاں جا کر گم ہورہا تھا۔!

رفتہ رفتہ ہم اس آبشار کے نزدیک پہنچ گئے۔ آبشار کے بائیں سمت خشک چٹانوں پر پانچ سیاہ فام کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی ویسی ہی لمبی نوکدار لکڑیاں تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ چٹانوں پر اچھلنے لگے اور پھر وہ نیچے اتر آئے۔ انہوں نے میرے گرد حلقہ بنالیا۔ اور اسی طرح اچھلتے کودتے رہے تب ایک بوڑھے نے مجھ سے کہا۔

''مقدس آشوشا تیرا منتظر ہے بوتیکا۔ اس کے خادم تیرے استقبال کے لئے آئے ہیں..... تو ان کے ساتھ چلا جا..... ہم یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔'' اور میں آگے بڑھ گیا..... ایک سیاہ فام میرے آگے تھا، اور باقی چار میرے عقب میں چل رہے تھے..... میں اس چالاک بوڑھے کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو میرے استقبال کو نہیں آیا تھا!

چٹانوں کو طے کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا..... آبشار کے نم دھوئیں میں نیچے کا ماحول روپوش ہوگیا تھا۔ آگے راستہ بھی صرف سیاہ فام ہیولوں کی رہنمائی میں طے کررہا تھا..... اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے نزدیک پہنچ گئے۔ غار کے اندر سے عجیب سی سنسناہٹ کی آواز ابھر رہی تھی۔ اس سے روشنی بھی جھلک رہی تھی جو کافی تیز تھی۔ اور غار میں داخل ہونے والا پہلا قدم ہی میرے لئے تعجب خیز تھا..... میں نے غار کی دیواروں میں کسی دھات کے ٹکڑے دیکھے، جو روشن تھے..... یہ ٹکڑے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لگے ہوئے تھے..... لیکن ایک پتلی سی پٹی انہیں ایک دوسرے سے منسلک کئے ہوئے تھی، کبھی ان ٹکڑوں کی روشنی مدھم ہوجاتی اور کبھی تیز..... بہرحال مجموعی طور پر انہوں نے غار کو روشن کررکھا تھا۔

بغور دیکھنے پر بھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ روشنی کس طرح نکل رہی ہے..... میں نے روشنی کرنے کے مختلف طریقے دیکھے تھے۔ لیکن یہ طریقہ سب سے انوکھا تھا..... دوسری بات جو غار میں داخل ہونے کے بعد میں نے محسوس کی وہ اس کی غیر معمولی ٹھنڈک تھی۔ حالانکہ باہر کا موسم

سخت گرم تھا، لیکن یہاں کافی سردی تھی...... میں اس الّو کے سرنگ نما غار میں آگے بڑھتا رہا......اور پھر غار بند ہو گیا...... آگے ایک عظیم الشان چٹان نظر آ رہی تھی۔

یہاں محافظ رک گئے...... انہوں نے مجھے چٹان سے اندر جانے کا اشارہ کیا......اور میں ایک لمحے کے لئے حیران رہ گیا......کیا اس چٹان کو راستے سے ہٹانے کے لئے مجھے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا! لیکن اگر اس کے دوسری طرف جانے کا راستہ ہے تو پھر یہاں کے لوگ وہ راستہ کیسے بناتے ہوں گے۔؟ اعتراف کرتا ہوں پروفیسر...... کہ میں کسی قدر حیران ہو گیا تھا...... لیکن یہ حیرانی میں نے دوسروں پر نہیں ظاہر ہونے دی، اور چٹان کے نزدیک پہنچ گیا...... میں نے چٹان کے ایک سرے پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر دبایا......اور جسم کی پوری قوت صرف کرنے کے لئے تیار ہو گیا......لیکن ہاتھ کے تھوڑے سے دباؤ سے ہی میں نے چٹان کو اندر دبتے ہوئے دیکھا اور چونک پڑا۔ مزید ہلکے سے دباؤ سے چٹان بالکل گھوم گئی۔ تب میں نے بغور اس حیرت انگیز ترکیب کو دیکھا!

چٹان کے نیچے ایک نوک تراشی گئی تھی جو پتھر میں بنے ہوئے ایک پیالے میں رکھی تھی۔ گویا یہ چول تھی۔ اس طرح چٹان اس پیالے میں گھوم رہی تھی۔ اس کے دوسرے سرے کو بھی اسی طرح چھت میں پیالہ بنا کر پھنسا دیا گیا تھا۔ اس طرح اس خوفناک حد تک وزنی کواڑ کو ایک آدمی آسانی سے کھول سکتا تھا ان حیرت انگیز چیزوں نے مجھے بوڑھے آشوشا کی اہمیت کا احساس دلا دیا......اور میں سنبھل گیا......اس قدر ذہین انسان سے اپنے بارے میں محتاط ہو کر گفتگو کرنا ہو گی۔ میں نے چٹانی دروازے کے دوسری سمت دیکھا ایک طویل و عریض غار تھا، جس کا دوسرا سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ پورے غار میں ایسی ایسی ہیبت ناک چیزیں بکھری پڑی تھیں کہ میرے علاوہ اگر کوئی اجنبی انسان انہیں دیکھتا تو شاید دہشت سے اس کی حرکت قلب ہی بند ہو جاتی......انسانوں اور جانوروں کے ڈھانچے۔ بے پناہ سالم پنجر...... جس میں ہاتھیوں سے لے کر زمانہ قدیم کے بڑے جانوروں کے ڈھانچے بھی تھے...... ہڈیوں کی نلکیاں ایک دوسرے میں منسلک چھت تک چلی گئی تھیں...... لکڑی کے بڑے بڑے پیالوں میں نہ جانے کیسا کیسا سیال بھرا ہوا تھا...... کہیں آگ روشن تھی اور اس پر برتن چڑھے ہوئے تھے۔ غرض یہ کہ اس پورے ہال میں ایسی ہی ہیبت ناک چیزیں بکھری ہوئی تھیں......نہ جانے یہاں کیا ہو رہا تھا......! میں تعجب سے یہ تمام چیزیں دیکھتا ہوا، ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

تب میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔ ''عظیم بوتیکا کی آمد سے میری آنکھوں میں نور بھر گیا ہے۔ میں اس حقیر غار میں بوتیکا کو خوش آمدید کہتا ہوں۔'' لرزتی ہوئی سی آواز ہر در و دیوار سے آ رہی تھی...... پورا غار اس آواز سے گونج رہا تھا اور الفاظ بار بار دیواروں سے نکل رہے تھے......میں سمجھ گیا آواز ایک تھی، لیکن یہ اس کی بازگشت تھی جو ابھی تک گونج رہی تھی۔ تاہم میں نے اطمینان کرنے کے لئے ایک پتھر سے ایک پیالہ اٹھایا اور زور سے زمین پر پھینک دیا...... پیالہ گرنے کی آواز بھی دیر تک گونجتی رہی تھی......اور جب وہ آواز ہلکی ہوئی تو لرزتی آواز نے کہا۔

''تیرا خیال درست ہے بوتیکا......یہ آواز کا طلسم ہے جو ان سخت پتھروں میں پھنس گیا ہے۔''

''تم کہاں ہو......؟'' میں نے پوچھا۔

''سیدھا چلا آ......تو ٹھیک راستے پر آ رہا ہے......!'' جواب ملا اور میں آگے بڑھنے لگا! یہ طلسمی غار میری توقع سے کہیں زیادہ بڑا تھا......

میں چلتا رہا...... ویسے میں اس ذہین آدمی سے مرعوب ہو گیا تھا، جس نے یہ پراسرار جال پھیلایا تھا...... میرے ذہن میں بہت سے سوالات مچل رہے تھے...... بہرحال میں اس سے ملنے کے بعد ہی ان سوالات کا حل تلاش کر سکتا تھا۔

اور پھر میں غار کے انتہائی سرے پر پہنچ گیا...... یہاں بھی تیز روشنی تھی اور روشنی اسی انداز کی تھی جیسی پورے غار میں پھیلی ہوئی تھی...... البتہ یہ حصہ صاف ستھرا تھا اور یہاں گھاس بچھی ہوئی تھی...... ایک پتھر کی چوڑی سل پر ایک سیاہ فام نظر آیا...... جس کی سفید داڑھی اس کے پیٹ تک پھیلی ہوئی تھی سر کے بال بھی بہت لمبے اور سفید تھے...... ہاتھ پاؤں سوکھی لکڑیوں کی طرح لمبے لمبے اور پتلے تھے...... پنڈلیوں کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ یہ شخص پیروں پر کھڑا بھی نہ ہو سکتا ہوگا! البتہ اس کی آنکھیں...... پورے جسم میں آنکھوں کے علاوہ اور تھا بھی کیا...... آنکھیں دو سرخ نگینے معلوم ہو رہے تھے...... روشن نگینے...... بڑے بڑے...... سرخ آنکھوں میں سیاہ پتلیاں بہت چھوٹی تھیں، اس طرح وہ آنکھیں بے حد خوفناک نظر آ رہی تھیں...... اور یہ آنکھیں مجھے بہت توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

''خوش آمدید بوتیکا۔!'' آہستہ اور بے حد سرد لہجے میں کہا گیا۔

''کیا میں آشوشا کے سامنے ہوں۔'' میں نے بے خوفی سے پوچھا...... سب کچھ تھا لیکن خوف کا میرے سامنے کیا گزر۔!

''ہاں۔ میں تیرا خادم آشوشا ہوں...... اس تصور کا خادم جو صدیوں سے میرے ذہن میں تھا...... جس کے بارے میں بار بار میرے علم نے بتایا اور ہر صدی میں، میں جس کا منتظر رہا...... میرے خوشیوں کا اندازہ کر بوتیکا...... میرے علم کا ایک، اور باب مکمل ہو چکا ہے...... بلاشبہ تو انوکھا ہے...... میں نے تیرا تصور کیا تھا، لیکن تو میرے تصور سے بھی عجیب ہے...... یقیناً تو ان میں سے نہیں ہے جو پیدا ہوتے ہیں اور پھر سمندر میں جا گرتے ہیں۔ تیرے جسم سے خارج ہونے والی روشنی ہزاروں بیماریوں کا علاج لئے ہوئے ہے...... اور...... آہ...... میں نے ایک اور انوکھی بات بھی محسوس کی ہے...... میرے اس بات کی تصدیق کر دے بوتیکا کہ کیا تو مجھ سے بھی طویل العمر نہیں ہے...... تیری آنکھوں میں صدیوں کے افسانے لپے ہوئے ہیں، خوب...... خوب...... میں ان افسانوں کو پڑھ سکتا ہوں...... یہ افسانے انوکھے ہیں، تیرے جسم کے روئیں روئیں میں ایک کہانی ہے...... بول...... بتا دے بوتیکا، کیا تو صدیوں کا بیٹا نہیں ہے...... کیا تو اس زمین سے اگنے والے جانداروں سے مختلف نہیں ہے۔''

بوڑھے کی باتیں میرے جسم میں سرد لہریں پیدا کر رہی تھیں۔ بلاشبہ اس کا علم لامحدود تھا...... بلاشبہ وہ آج تک ملنے والے تمام لوگوں سے عجیب تھا۔ میں اس سے بے حد متاثر ہو گیا۔!

''مجھے جواب دے بوتیکا...... میں تیرا پرستار ہوں۔ تیری آمد سے میرے علم میں اضافہ ہوگا...... میں تیرا ساتھی تیرا مددگار رہوں، میں تیرے احکامات پر چلوں گا...... میں تیرا دوست ہوں...... مجھے بتا دے میرے علم نے مجھے دھوکہ تو نہیں دیا ہے...... آہ جس دن یہ علم مجھے دھوکہ دے گا، میں سمندر کی گہرائیوں میں جا سوؤں گا۔!''

''تیرے علم نے تجھے دھوکہ نہیں دیا ہے آشوشا، بلاشبہ تیرا علم لامحدود ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''عظیم بوتیکا۔!'' بوڑھے کا منہ کھل گیا اور اس کے سفید دانت چمکنے لگے! یہ سامنے والا پتھر تیرا ہے...... بیٹھ جا...... میں نے اس پر اپنے

بالوں کا بستر کیا ہے...... یہ بال میں نے ایک طویل عمر سے جمع کئے ہیں، تا کہ جب تو آئے تو تجھے اپنی عقیدت پیش کر دوں۔!''

''میں تیرے عظیم ذہانت کا دل سے قائل ہو گیا ہوں آشوشا...... اور تیرے محبت میرے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہے...... بلاشبہ اس انداز سے پذیرائی کر کے تو نے مجھے عزت بخشی ہے...... جس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں......'' میں نے دوسرے پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تو بھوکا ہے بوحیکا...... میں اندازہ کر رہا ہوں...... پہلے میں تیرا پیٹ بھر دوں...... پھر تجھے مہینوں بھوک نہیں لگے گی، تو توانا رہے گا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پتلی پتلی ٹانگوں سے چلتا ہوا دور نکل گیا...... وہ ایک لکڑی کے پیالے میں ایک سرخ سیال لے آیا...... جو کھول رہا تھا...... اس میں رنگین روشنیاں ابل رہی تھیں...... اس نے پیالہ میرے ہاتھوں میں تھما دیا...... بلاشبہ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی...... سیاہ لوگوں کی لائی ہوئی ایک چیز بھی مجھے پسند نہیں آئی تھی...... میں اس سیال سے بھی ناواقف تھا...... لیکن میں نے اس پیالے کو پکڑ کر منہ سے لگایا...... اور پروفیسر میں نے اسے خالی کر دیا۔!

کیا ہی لذیز سیال تھا...... میں آج تک اس کی لذت اپنے ہونٹوں میں محسوس کرتا ہوں۔ سیال میرے معدے میں اتر گیا...... اور میں نے اپنی بھوک کو مٹتے محسوس کیا...... اس کے ساتھ ہی جسم میں توانائی آ گئی تھی...... میں نے پیالہ ایک طرف رکھ دیا...... بوڑھا مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''تو گفتگو کا انداز یہ ہونا چاہئے بوحیکا...... کہ ایک سوال تو کر...... اور ایک میں...... اس طرح کسی ایک کو تشنگی کا احساس نہیں رہے گا...... دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہوتے رہے گے......!'' اس نے کہا...... اور مجھے اس کی یہ بات پسند آئی۔!

''ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں آشوشا۔!''

''تو مہمان ہے...... میرا دوست ہے...... پہلا سوال کرنے کا حق تجھے ہے۔''

''میں تیرا شکر گزار ہوں...... میرا پہلا سوال یہ ہے کہ تیری عمر کیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''عمر......'' بوڑھے نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا......'' اس قوم کی آٹھویں پشت میں، میں پیدا ہوا تھا...... جبکہ اب یہ قوم اپنی تیسیویں پشت سے گزر رہی ہے...... اور ہر پشت کا تخمینہ کم از کم ڈیڑھ صدی لگا لو......'' اس نے جواب دیا۔

''خوب......'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' ہر چند کہ میرے ذہن میں اسی سوال سے متعلق کئی سوال مچل رہے ہیں...... لیکن اصول کے تحت اب تمہارے سوال کی باری ہے۔''

''اصول پرستی ایک اچھا عمل ہے...... میرا سوال بھی کم و بیش وہی ہے جو تو نے میرے بارے میں کیا ہے...... اس سوال کو پوچھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ میری عمر کے بارے میں معلوم کر کے تجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی، جبکہ یہ طویل عمری ایک نادر مثال ہے۔!''

اس کے سوال پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔'' تیرا خیال درست ہے آشوشا، میرے لئے تیری عمر کچھ بھی نہیں ہے...... اور رہی میری عمر...... تو اس کا تخمینہ بھی مشکل ہے۔ یوں سمجھ کہ جب یہ زمین لرزاں تھی، زلزلے بکھرے ہوئے تھے، لاوے ابل رہے تھے۔ دھوئیں اٹھ رہے تھے، کسی جاندار کا وجود نہیں تھا، لیکن میں موجود تھا۔ میں نے اسے قرار پاتے دیکھا...... میں نے اس پر کونپلیں

پھوٹتے دیکھیں، اور پھر میں نے اس پر کیڑے رینگتے ہوئے دیکھے۔ بخارات کی نمی نے اس زرخیز مٹی سے بہت کچھ نکال دیا تھا...... یہ سب میرے سامنے تشکیل ہوا...... اور جب میں نے زمین پر بہت سے انسانوں کو دیکھا تو پھر میں بھی ان میں شامل ہو گیا...... اس وقت کچھ نہ تھا، صرف پہاڑ تھے...... سمندر تھے...... درخت تھے...... انسان خود کو انسان نہیں سمجھتا تھا...... کوئی زبان نہیں تھی...... کوئی آواز نہیں تھی...... سب جاندار صرف جاندار تھے...... میں نے انسان کا ارتقاء اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، میں نے اس جاندار کو دوسرے جانداروں پر فضیلت حاصل کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں ان تمام مرحلوں میں اس کا شریک رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

بوڑھا آشوشا پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے خاموش ہونے پر بھی مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اچانک اٹھا اور میرے قدموں میں گر گیا۔ ''میں...... میں تو تیرے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں بوتیرکا۔ مجھے معاف کر دے۔ میں اپنی اس چھوٹی سی کائنات کو تشکیل کر کے ہی مغرور ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تو اسے دیکھ کر بہت متاثر ہو گا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں تجھ پر فضیلت رکھتا ہوں لیکن میں تو تیرے سامنے زمین پر رینگنے والا ایک حقیر کیڑا ہوں۔'' وہ میرے پیروں سے سر رگڑتے ہوئے بولا۔

''نہیں آشوشا۔ اٹھ جاؤ۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں نے صدیوں کی زندگی بھٹکتے ہوئے گزاری ہے۔ میں انسانوں کے ساتھ ایک تماشائی کی حیثیت سے رہا ہوں۔ میں نے اس طویل زندگی میں کوئی تخلیقی کام نہیں کیا جبکہ تمہاری یہ کائنات، جسے تم مختصر کہتے ہو، میرے لئے بہت دلکش اور حیرت انگیز ہے۔ مثلاً یہ روشنی کے پھول۔ میں ان کی حقیقت نہیں سمجھ سکا۔''

''روشنی کے پھول۔'' آشوشا نے روشن دھات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ میری دریافت ہے۔ میں ابتداء سے ہی سوچتا رہا ہوں بوتیرکا۔ کہ اس کائنات کو تشکیل دینے والے نے جو کچھ بنایا ہے بے مقصد نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز میں کوئی خاصیت پنہاں ہے۔ ورنہ زینت دنیا کسی ایک چیز سے بھی ہو سکتی تھی اور تمام چیزوں کو بنانے کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو گا۔ اور میں اس مقصد کی تلاش میں سرگرداں رہا ہوں۔ میری طویل العمری کا راز بھی میری ایک دریافت میں چھپا ہوا ہے۔ دنیا کی چھان بین کے دوران مجھے کچھ ایسی چیزیں مل گئیں جن کے استعمال سے زندگی قائم رکھی جا سکتی ہے اور میں نے انہیں چیزوں کا استعمال جاری رکھا ہے۔ ہاں تو بات اس روشنی کی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی مجھے آبشار سے ملتی ہے، پانی کی بے پناہ قوت، ایک بار میں ان پہاڑوں کی سیر کر رہا تھا کہ پھسل کر آبشار میں جا گرا۔ میرے پاس دھات کی ایک چھڑی تھی۔ گرنے کی قوت سے چھڑی پانی سے رگڑی اور اس میں روشنی پیدا ہو گئی جس پر سخت سراسیمگی کے باوجود میری نگاہ پڑ گئی۔ بہرحال میں سخت زخمی ہو گیا لیکن مجھے اپنے زخموں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ میں تو روشنی کا راز دریافت کر چکا تھا اور پھر جب میں تندرست ہو گیا تو میں نے اس روشنی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ میں نے ایک آہنی نظام قائم کیا جس کا تعلق گرتے ہوئے پانی سے ہے اور اس طرح میں روشنی لے آیا۔ تم یہاں رہو گے تو میں تمہیں ایک چیز سے روشناس کراؤں گا۔''

''بے شک۔ تیری سوچ عظیم ہے آشوشا۔ تو تحقیق کا بادشاہ ہے۔'' میں نے متاثر کن انداز میں کہا۔

انسان کسی دور میں بھی پسماندہ نہیں رہا ہے پروفیسر...... صرف سوچنے کی قوت کو مختلف رنگ ملتے رہے ہیں۔ اور جو رنگ جس قدر پکا ہو اس کے سوچنے والے کو فوقیت مل گئی۔ غور کرو۔ بجلی کے نظام کو کتنے عرصے قبل دریافت کر لیا گیا، بات صرف وہیں تک محدود نہیں ہیں، پراسرار آشوشا

نے صدیوں کی تحقیقات سے ایسے ایسے نوادرات جمع کئے تھے جو اس دور کے انسان کے لئے بھی جادوئی حیثیت رکھتے ہیں۔

''لیکن تیری طویل العمری کی داستان سن کر، تیری شخصیت پر غور کرنے کے بعد میں کچھ نہیں رہا۔ بوتیکا۔ کیا مجھے سوال کی اجازت ہے۔'' آشوشا نے کہا۔

''بے شک۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں تیرے جسم کی چمک کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ میں اس طویل العمری کے باوجود تیرے حسن، تیری جوانی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' بوڑھے آشوشا نے رشک بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انسانی جسم میں آنے سے قبل...... میں نے خود کو خلاؤں میں بھٹکتے ہوئے محسوس کیا ہے آشوشا۔ میرے ذرات چاند ستاروں سے لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے جو چاند کی روشنی جذب کی ہے۔ میں نے ستاروں کو چھوا ہے۔ میں نے سمندر کی گہرائیوں کو ناپا ہے۔ اور آشوشا اگر تو جھوٹ نہ سمجھے تو.... میں نے سورج کے کھولتے ہوئے لاوے میں زندگی گزاری ہے۔ آگ، پانی، ہوا میرے لئے بے معنی ہے۔ پانی میری روح کو غسل دیتا ہے۔ آگ میری جوانی کو تازہ کر دیتی ہے۔ ہر چیز میرے لئے بے معنی ہے، ہر چیز میری دوست ہے۔ تم مجھے آگ کے سمندر میں پھینک دو۔ گہرے پانی میں غرق کر دو۔ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''یقیناً...... دیوتاؤں کا وجود ہے۔ توہمات بے معنی نہیں ہوتے۔ شاید تو اس مخلوق سے ہے جسے پوجا جاتا ہے۔ تو اس کی زندہ تصویر ہے۔ مجھ سے کچھ پوچھ ڈالو عظیم بوتیکا۔ اب میرے سوالات ختم ہو گئے۔ تیری باری ہے۔''

''میرے ذہن میں بہت سے سوال ہیں آشوشا۔''

''ابتدا کر...... میں جواب دوں گا۔!'' آشوشا نے کہا۔

''کالے سردار کا کہنا ہے کہ صدیوں سے تو بوتیکا کی آمد کی پیشگوئی کرتا رہا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔؟''

''ہاں۔ یہ درست ہے بوتیکا۔ میرا علم مجھے بتا رہا ہے کہ آگ کے سمندر میں ایک انسان نکلے گا جو کھالی والوں کو خوشحالی بخش دے گا کیونکہ وہ خوشحالی کے راز سے واقف ہو گا اور جب جزیرے کے درختوں میں آگ لگی تو میں نے انہیں خوشخبری دی کہ بوتیکا کی آمد قریب ہے اور وہ میرے استقبال کو پہنچ گئے۔''

''یہ کونسا علم ہے جس نے تجھے یہ اطلاع دی ہے۔''

''ستاروں کا علم، آسمان پر بکھرے ہوئے ستاروں سے ایک تحریر رکھتے ہیں۔ ان میں تفسیر کائنات چھپی ہوئی ہے۔ ہر خطے کے لوگ ان سے ماحول کی ردوبدل کی داستان پڑھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ انہیں ستاروں کی گردش دیکھنے میں دسترس ہو۔ میں نے بے شمار راتیں ستاروں کی چال سمجھنے میں گزاری ہیں اور بالآخر میں ان کی چالیں سمجھنے میں کامیاب ہو گیا۔''

یہ علم نجوم تھا پروفیسر...... جس کی حیثیت مسلم ہے اور دنیا پر چڑھنے والی لاکھوں تہیں اس علم کو نہ ڈھا سکیں۔ ایک دور ایسا آیا جب دنیا کے بے

شارلوگ علم نجوم کے ماہر تھے اور آج تک ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو ستاروں کی چال کے ماہر ہوتے ہیں۔

''خوب علم ہے آشوشا۔ بس اب ایک سوال اور ہے۔ اس کے بعد ہماری تیری سوال و جواب کی گفتگو ختم ہو جائے گی۔''

''ضرور...... سوال کر بوتیرکا''۔ آشوشا نے مستعدی سے کہا۔

''تو نے اتنی طویل عمر پائی ہے آشوشا، تو صدیوں سے ان لوگوں کے ساتھ رہا ہے۔ تو ان میں سے ہی ایک ہے۔ تیری ذہانت عظیم ہے۔ تو نے اتنے علم حاصل کئے پھر تو نے ان لوگوں کو خوشحالی کی راہ کیوں نہیں دکھائی۔ تو نے انہیں بوتیرکا کا محتاج کیوں رکھا۔ یہ تیرے لوگ تھے، یہ تیری نسل تھی، بھوک اور افلاس سے یہ لوگ خاتمے کے قریب ہیں، تو نے ان کی مدد کیوں نہیں کی۔؟''

''یہ سوال میری زندگی کی کمزوریاں ظاہر کرتا ہے بوتیرکا۔ لیکن میں تجھ سے اپنی اس کوتاہی، اس خود غرضی کی معافی مانگ لوں گا۔ دراصل ابتداء میں مجھے اس طویل العمری کا احساس نہیں تھا۔ میں اپنی زندگی کو بھی دوسروں کی طرح مختصر سمجھتا تھا لیکن اس تھوڑی سی زندگی میں، میں کچھ علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بچپن سے ہی اس کا شوق تھا۔ میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی کیونکہ میں خود کو ان سے الگ سمجھتا تھا۔ پھر مجھے طویل عمر مل گئی اور میری تحقیقی حس بڑھ گئی۔ میری عمر جس قدر بڑھتی گئی میرے قویٰ میں اسی قدر سستی آتی گئی۔ میں اپنا ہر لمحہ تحقیق میں گزارنے کا خواہشمند تھا اس لئے میں ان کے لئے کچھ نہ کر سکا کیونکہ کچھ کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔''

''مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی ہے آشوشا۔''

''میری اس خود غرضی پر مجھے معاف کر دے بوتیرکا۔ بے شک میں مجرم ہوں مگر تو ان لوگوں پر خوشحالی ضرور نازل کر۔ اس کے عوض میں اپنے تمام علوم کا نچوڑ تجھے دے دوں گا۔''

''مجھے یہ سودا منظور ہے آشوشا۔ یوں بھی میں ان کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ معصوم ہیں۔''

''میں ہر قدم پر تیرے ساتھ رہوں گا۔ میرے تجربات، میری کاوشیں تیرے ساتھ ہوں گی۔''

اور ہم دونوں میں یہ بات طے ہو گئی۔ میں اس عالم و فاضل انسان سے کچھ سیکھنے کا خواہشمند تھا اور میں بتا چکا ہوں پروفیسر کہ وہ میرا پہلا استاد تھا جس نے مجھے بہت کچھ دیا۔ آشوشا نے اپنے خادموں کو بلایا۔ انہیں ہدایت دی کہ وہ بستی والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ ان سے کہہ دیں کہ آشوشا اور بوتیرکا کی گفتگو مکمل ہو گئی ہے۔ وہ لوگ آبشار کے سامنے والے میدان میں جمع ہو جائیں۔ آشوشا انہیں خوشخبری دے گا۔

خادم چلے گئے اور آشوشا میری خاطر مدارت کرنے لگا۔ ہم دونوں میں کچھ اور شرائط طے ہونے لگیں...... مثلاً آشوشا نے کہا تھا کہ میں چھ سورج ان لوگوں میں، یعنی بستی میں گزاروں۔ ساتویں سورج کی ہر رات آشوشا کے ساتھ گزرے گی اور اس رات میں آشوشا مجھے اپنے علوم سکھایا کرے گا۔ میں نے یہ بات منظور کر لی تھی۔

دوسری صبح پوری بستی امڈ آئی تھی۔ ہر سو انسانی سر نظر آ رہے تھے۔ بے پناہ آبادی تھی پروفیسر...... بے شک اگر کچھ اور دن کے لئے خوراک کا انتظام اور نہ ہوتا تو اس آبادی میں خوفناک بربادی پھیلتی۔ معصوم لوگ بھوک سے بلک بلک کر مر جاتے۔ میں نے اس آبادی کو دیکھا۔ ان تمام

معصوموں کی زندگی بچائی تھی۔انہیں جدید نظام زندگی دینا تھا اور میں اس نظام سے بخوبی واقف تھا۔جب سورج نکل آیا تو آشوشا میرے ساتھ باہر نکل آیا۔بوڑھا آشوشا اس قدر ناتواں ہونے کے باوجود بے حد پھرتیلا اور چاق و چوبند تھا۔اس کی آنکھوں کی توانائی اس کے پورے جسم کی نمائندگی کرتی تھی۔سیاہ چہرے پر اس کی برف جیسی سفید داڑھی بے حد عجیب معلوم ہوتی تھی اور اس کے ساتھ میں تھا۔میں پیلے رنگ کا شعائی انسان۔

سیاہ فاموں نے ہمیں دیکھا اور سجدے میں گر پڑے۔مجھے احمق طاآس یاد آ گیا۔ان مناظر سے تو وہی خوش ہو سکتا تھا۔یہ مناظر اس کو بہت پسند تھے۔مجھے ان سے کوئی رغبت نہیں تھی۔میں نے بوڑھے آشوشا کی طرف دیکھا۔آشوشا خود بھی میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

''ان سے کہو آشوشا کہ کھڑے ہو جائیں۔میں ان میں سے ہوں۔میں ان کا دوست ہوں۔ان کا معبود نہیں۔مجھے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔یہ مجھے اپنا دوست اپنا ہمدرد سمجھیں۔''

''بے شک۔طاقت کے ساتھ اگر عظمت بھی ہو تو شخصیت ناقابل تسخیر ہوتی ہے۔میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔سنو۔سنو۔کمالی کے خوش نصیبو۔عظیم بوتیکا کیا کہتا ہے۔سنو غور سے سنو۔یہ وہی ہے جس کے بارے میں، میں صدیوں سے کہتا آ رہا ہوں۔یہی تمہارا رہنما ہے۔یہی تمہارا رہبر ہے۔سنو وہ کہتا ہے۔وہ تمہارا دوست ہے، تمہارا دیوتا نہیں، اسے سجدہ مت کرو۔اسے اپنی تکلیفیں سناؤ۔اس سے بھائیوں کی طرح مدد طلب کرو۔وہ تمہارے شانہ بشانہ رہ کر کام کرے گا۔تمہاری خوشحالی کے لئے تمہارا شریک ہوگا۔سنو۔وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے احکامات پر عمل کرو۔اس بات پر غور کرو کہ اس کا مقصد کیا ہے۔صرف وہ کرو جو وہ کہتا ہے تب خوشحالی تمہارے قدم چومے گی اور تم سرسبز و شاداب ہو گے۔''

''عظیم بوتیکا۔سلامت رہے۔عظیم بوتیکا، ہمارا بھائی۔ہمارا ساتھی، ہمارا دوست سلامت رہے۔'' چاروں طرف سے غلغلہ اٹھا اور پہاڑیاں ہلنے لگیں۔میں محبت آمیز نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔اس دلچسپ بستی میں میرا دل لگ گیا تھا۔میں ان لوگوں کو تہذیب کی لذتوں سے روشناس کرانے کا خواہشمند تھا۔وہ محبت کے جواب میں محبت دینے والے انسان تھے۔تب میں نے پہلی بار ایک حکم صادر کیا۔

''کمالی کے لوگو۔میرا جھونپڑا بھی تمہارے درمیان ہوگا۔میرے لئے ایک بڑا جھونپڑا بنا دو۔یہ جھونپڑہ میری نگرانی میں بنے گا۔تم اس کے لئے سامان اکٹھا کر لو۔مقدس آشوشا کے مشوروں سے میں تمہارے مسائل حل کر دوں گا۔مجھ پر بھروسہ کرو۔میں تمہارے لئے اس زمین کو خوشحال بنا دوں گا۔''

ایک بار پھر خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔آشوشا بھی خوش نظر آ رہا تھا۔پھر اس نے کہا۔''جاؤ۔بوتیکا کے کہنے پر عمل کرو۔''

اور لاکھوں انسانوں کا سمندر منتشر ہونے لگا۔تب آشوشا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔''میری بستی کے نجات دہندہ، میرے دوست، جاؤ ان کے لئے کام کرو۔ساتویں چاند کی رات میں اسی چٹان پر تمہارا انتظار کروں گا۔''

''ٹھیک ہے آشوشا۔لیکن مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''بتاؤ میرے دوست۔تمہیں کیا چاہئے۔؟'' آشوشا نے پوچھا۔غضب کا قیافہ شناس تھا یہ شخص، جس کا اندازہ مجھے بار ہا ہوا۔صرف عضلات کی کھنچاوٹ سے وہ پتہ لگا لیتا تھا کہ مقابل کیا سوچ رہا ہے۔

"مجھے وہ دھات چاہیے، جس سے تو نے روشنی پیدا کی ہے۔"

"اوہ..... اس کا بڑا ذخیرہ میرے پاس موجود ہے..... بستی کے لوگوں کو بھیج دے..... میں ذخیرہ تیرے پاس منتقل کر دوں گا۔"

"بس ٹھیک ہے۔!" میں نے کہا اور بوڑھے آشوشا نے میری پیشانی کو بوسہ دیا..... تب میں پہاڑ سے اترا اور بستی کی طرف چل دیا۔ بہت سے لوگ راستے میں میرے ساتھ ہو لئے تھے..... وہ اپنے لکڑی کے نوکدار ہتھیار جھکائے میرے پیچھے احترام سے چل رہے تھے۔ ان کے ساتھ میں بستی میں داخل ہوا..... یہاں میں نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ ایک کھلے میدان میں درختوں اور جھاڑ جھنکاڑوں کا انبار لگا دیا گیا تھا..... بے شمار لوگ لکڑیاں اور دوسری چیزیں لئے چلے آ رہے تھے۔ میں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور انہیں مزید لکڑیاں لانے سے منع کیا..... تب وہ رک گئے اور سردار میرے نزدیک پہنچ گیا۔ لوہا موجود نہیں تھا۔ تمام کام ہاتھ سے لینے تھے۔ میں نے انہیں زمین پر لکیریں کھینچ کر بتایا کہ میرا کرال کس طرح بنے گا۔ سردار غور سے اسے دیکھتا رہا..... اور پھر اس نے دوسرے کچھ لوگوں کو بلا کر وہ نقشہ دکھایا۔ سب حیران رہ گئے..... بہرحال کام شروع ہو گیا۔ بے شمار لوگ تھے جو کام کر رہے تھے۔ سردار مجھ سے پوچھ پوچھ کر انہیں ہدایات دے رہا تھا۔ اور وہ پوری تندہی اور خوش دلی سے کام کر رہے تھے جو کام دل و جان سے کیا جائے، اس کے بگڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... عظیم الشان کرال پلک جھپکتے تیار ہو گیا..... اور جب کرال تیار ہو گیا تو سردار اور دوسرے لوگوں نے اسے حیرت و تعجب سے دیکھا۔

"بے شک..... یہ بوہیکا کا کرال ہے۔" سردار نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"کچھ عرصے کے بعد تمہارے کرال بھی ایسے ہی ہوں گے۔ اپنے لوگوں سے کہو واپس جائیں..... آج ہی میں بہت سے احکامات دوں گا! اور تم چند جوانوں کو آشوشا کے پاس بھیج دو، میں نے آشوشا سے جو چیز مانگی ہے اسے لے آئیں۔!" میرے منہ سے نکلا۔ تعمیل ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد لوہے کا ایک بڑا ذخیرہ میرے کرال کے صحن میں ڈھیر تھا۔

تب میں نے نقشوں کی مدد سے زمین میں گڑھے کھود کر بھٹیاں تیار کرائیں اور سردار کو دوسرا حکم دیا۔ قوی ہیکل جوان یہ کام سوچے سمجھے بغیر نہایت دلچسپی سے کر رہے تھے..... نوکدار پتھروں سے مٹی کھودی جا رہی تھی..... فی الحال انہیں پتھروں سے کام لیا جا رہا تھا..... سمندر کا پانی سے گارا بنایا گیا۔ اور رات ہونے تک بہت سی بھٹیاں تیار ہو گئی تھیں..... اب مجھے ان بھٹیوں کے خشک ہو جانے کا انتظار تھا۔ چنانچہ میں نے سردار اور دوسرے لوگوں کو آرام کرنے کے لئے کہا۔ اور وہ سب چلے گئے..... لیکن چند سیاہ فام رضا کارانہ طور پر میرے کرال کے گرد پہرہ دینے کے لئے رک گئے تھے۔ فی الحال ان لوگوں کو صرف اپنے وسائل سے کام لینا تھا..... بہرحال کام شروع کرنے کے لئے تھوڑا بہت وقت درکار تھا۔

نرم سمندری گھاس کے بستر پر لیٹا ہوا میں ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرے دل میں ایک انوکھی امنگ تھی..... اتنی دلچسپی مجھے کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی، حالانکہ میں نے دوسروں کے لئے بہت کچھ کیا تھا۔ لیکن ان سادہ اور معصوم لوگوں کے لئے میرے تاثرات ایسے ہی تھے جیسے ایک مشفق باپ کے اپنی اولاد کے لئے ہوتے ہیں..... میں ان لوگوں کو ایسا سمجھ رہا تھا..... جیسے وہ معصوم بچے ہوں..... ان کے پاؤں کمزور ہوں..... اور میں انہیں دنیا دکھانے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔!

نہ جانے کب تک میں ان کے بارے میں پروگرام بناتا رہا...... مجھے صبح ہونے کا انتظار تھا...... میں چاہتا تھا کہ جلد صبح ہو جائے، اور میں کام شروع کرادوں...... پھر مجھے بوڑھے آشوشا کی شخصیت یاد آئی...... ان لوگوں کو پسماندہ رکھ کر آشوشا نے ایک جرم کیا تھا۔ اگر وہ بذات خود ان کے لئے کام کرتا تو آج یہ بھی شاندار انسانوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہوتے...... لیکن عجیب تھا وہ۔ اپنے علوم میں اس قدر مگن تھا کہ صدیاں گزرنے پر بھی وہ کسی دوسرے کا انتظار کر رہا تھا۔!

بہرحال دل سے میں اس کے علوم کا قائل تھا...... میں تو اتفاق سے ادھر آنکلا تھا...... ورنہ سمندر کی اس آگ کو نظر انداز کر کے میں آگے بھی بڑھ سکتا تھا۔ لیکن...... اس کے علم نے بتایا تھا کہ میں ضرور آؤں گا اور آگ سے برآمد ہوں گا! ستاروں کا علم بھی عجیب تھا۔ بہرحال میں اس بوڑھے سے کچھ سیکھنا چاہتا تھا اور اس کے عوض میں اس کی بستی کو خوشحال بنانے کے لئے تیار تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ذہن خالی کر دیا۔ خاص بات یہ تھی کہ مجھے بھوک پیاس کا کوئی احساس نہیں تھا اور یہ بھی بوڑھے آشوشا کے اس لذیذ سیال کا کمال تھا، اس نے مجھے پہلے ہی اس کے بارے میں بتا دیا تھا......! صبح کو سردار اور اس کے ساتھ چند لوگ میرے پاس آئے، ان کے پاس کھانے پینے کی اشیا تھیں لیکن اول تو مجھے بھوک نہیں تھی، دوئم اس میں کوئی قابل استعمال چیز بھی نہیں تھی...... میں نے نرمی سے سردار کو منع کر دیا کہ ابھی مجھے خوراک کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر میں نے چند ذہین اور محنتی جوانوں کو طلب کیا...... اور تقریباً تیس آدمی میرے سامنے آ گئے۔! اس نے انہیں ایک طرف بٹھا دیا۔ باقی لوگوں سے میں بھٹیوں کے لئے خشک لکڑیاں لانے کے لئے کہا...... اور تھوڑی دیر کے بعد بھٹیاں سلگ اٹھیں۔ آگ بھڑکنے لگی۔ تب میں نے اس آگ میں لوہا ڈال دیا...... فولاد پگھلنے میں خاصا وقت لگا، اس دوران میں نے زمین میں گڑھے کر کے سانچے بنا لئے تھے۔ یہ کلہاڑیوں اور درخت کاٹنے کے دوسرے سامان کے سانچے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے صاف اور مضبوط پتھر بھی منگوا لئے تھے...... پگھلے ہوئے لوہے کو بھٹیوں سے نکالنے کا کام بھی لمبے لمبے پتھروں کی مدد سے ہی کیا گیا۔ میں خود انہیں سب کچھ کر کے بتا رہا تھا۔ پگھلے ہوئے سرخ فولاد کو زمین کے سانچوں میں بہتے دیکھ کر سب حیران اور خوفزدہ تھے۔ انہوں نے اس سے قبل ایسے عجوبے نہیں دیکھے تھے...... لیکن سب انتہائی دلچسپی اور لگن سے میرے احکامات پر عمل کر رہے تھے...... دوپہر تک میں یہ کام کرتا رہا...... اور تمام سانچے بھر گئے...... کام میرے مرضی کے مطابق ہو رہا تھا...... پھر جب فولاد ٹھنڈا ہو گیا تو میں نے سانچوں کو کھلوا کر فولاد کے ڈھیر نکلوا لئے۔ اب دوسرا کام انہیں پتھروں پر گھسوا کر دھاردار بنانا تھا۔!

پھر جب رات ہوئی تو سینکڑوں کلہاڑیاں، اور دھاردار ہتھیار تیار ہو چکے تھے...... لیکن ان سادہ دل انسانوں کو سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کہ ان کا کیا کیا جائے گا! صبح کو میں نے کلہاڑیوں کے دستے وغیرہ تیار کرائے، اور پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا...... میں نہایت سرگرمی سے کام کر رہا تھا، پھر جب پہلی کلہاڑی لے کر سردار کے ساتھ میں تھوڑے فاصلے کے ایک چوڑے درخت کے قریب پہنچا تو سب مجھے تعجب سے دیکھ رہے تھے...... میں نے سردار اور دوسرے لوگوں کو مخاطب کیا اور دستہ پکڑ کر کلہاڑی کو درخت کی جڑ میں مارا۔ سب چونک پڑے تھے۔ میں کلہاڑی سے درخت کی جڑ کاٹتا رہا۔ فولاد کی مضبوط کلہاڑی۔ اور پھر میرے بازو...... وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایسے تناور درخت کو اس آسانی سے گرایا جا سکتا ہے...... وہ کسی درخت کو بھی گرانے کے لئے نہ جانے کون کون سے جتن کرتے تھے...... تھوڑی دیر کی محنت کے بعد تناور درخت زمین پر آ رہا...... اور جنگلی خوف و دہشت سے

نعرے لگانے لگے! وہ خوش بھی تھے اور حیران بھی...... کبھی وہ گرے ہوئے درخت کو دیکھتے اور کبھی مجھے...... تب میں نے ان سب کے ہاتھوں میں بھی کلہاڑیاں دیں اور ان سے اسی انداز میں درخت کاٹنے کے لئے کہا۔ پھر جب چار جنگلیوں نے ایک درخت گرالیا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا...... وہ کلہاڑیاں پھینک کر درخت کے گرد ناچنے لگے...... خود سردار بھی بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

یہ موٹے درخت کاٹنے کا دن تھا...... ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔ چنانچہ رات کی نشست میرے کرال میں ہوئی، میں نے سردار سے کہا کہ اب جوانوں کے گروہ بنا دیئے جائیں۔ جنہیں مختلف کام سونپ دیئے جائیں، اور سردار نے میرے رائے سے اتفاق کیا...... اس نے یہ کام نہایت خوبی سے کرلیا...... چنانچہ پروفیسر...... میں نے پتلے اور لمبی چھال والے درختوں سے چھال اتروانا شروع کر دی۔ یہ کام عورتیں بھی کر سکتی تھیں۔ سیاہ فام وحشی دن رات کام میں مصروف رہنا چاہتے تھے۔ ان کے لئے یہ انوکھے کام بہت دلکش تھے، اور اب ایک بہت بڑا ورکشاپ قائم ہو گیا تھا، عورتیں مچھلیاں پکڑنے کے جال بن رہی تھیں، جو درختوں کی مضبوط چھال کے تھے اور مرد درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کر کے کشتیاں بنا رہے تھے...... یہ کام کا پانچواں دن تھا۔ اور بے شمار کشتیاں اور جال تیار تھے۔ لیکن ان لوگوں کی سمجھ میں ابھی یہ نہیں آیا تھا کہ ان سب کا ہوگا کیا...؟

پانچویں دن کی دوپہر کے بعد میں نے ایک بڑی کشتی پانی میں اتروائی...... دو چوڑے اور مضبوط چپو ار سنبھالے...... اور جب میں سردار کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہوا تو سردار بری طرح کانپ رہا تھا...... میں نے اسے سہارا دیا اور ہمت سے کام لینے کا مشورہ دیا اور چپوار کی مدد سے کشتی آگے بڑھانے لگا۔ پوری بستی سمندر کے کنارے امڈ آئی تھی۔ سب منہ پھاڑے دیو قامت کشتی کو لہروں سے کھیلتے ہوئے آگے بڑھتے دیکھ رہے تھے...... کشتی سبک روی سے سمندر میں آگے بڑھ رہی تھی...... کنارا بہت دور رہ گیا تھا اور جب ہم کھلے سمندر میں نکل آئے۔ تو میں نے چپوار سمیٹ لئے، اور چھال کی رسیوں سے بنا ہوا مضبوط جال اٹھا لیا۔ سردار بت کی طرح ساکت بیٹھا تھا...... ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ اسے ذرا بھی جنبش کی تو سمندر میں جا پڑے گا...... وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے میری حرکات دیکھ رہا تھا، اور پھر میں نے جال سمندر میں پھینک دیا۔ اور انتظار کرنے لگا۔ جال کی مضبوط ڈوریاں میرے ہاتھوں میں تھیں اور میں بغور سمندر کا جائزہ لے رہا تھا...... ذرا سی دیر میں جال بے انتہا وزنی ہو گیا تو میں نے اسے کھینچ لیا...... اور پھر میں اسے کھینچنے لگا۔ سردار نے بڑے خوفزدہ انداز میں گردن ٹیڑھی کر کے جال کی طرف دیکھا، اس دن قسمت بہت مہربان تھی...... جال باہر آیا تو مچھلیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ چھوٹی بڑی بے شمار مچھلیاں اس میں پھڑک رہی تھیں۔ سردار اپنی بے ساختگی کو نہ روک سکا...... وہ پھرتی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا...... لیکن کشتی ڈگمگائی تو چاروں شانے چت گر پڑا...... اور مجھے ہنسی آ گئی۔ لیکن اس وقت اسے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ کشتی کے کنارے پکڑ کر اٹھا۔ اور کنارے پکڑے ہی پکڑے مچھلیوں کو دیکھتا رہا...... اتنی مچھلیاں تو ان کے ہاں عنقا تھیں، کبھی کبھی ہاتھ لگتی تھیں، بہرحال میں نے جال کشتی میں خالی کر دیا اور پھر کشتی وہاں سے آگے بڑھا دی۔

صرف تین جال ڈالے گئے۔ یہ دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ وہاں مچھلیاں کثیر تعداد میں تھیں۔ تین جالوں میں کشتی لبالب بھر گئی۔ اس سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ تب ہم واپس چل پڑے...... سردار کا حلیہ جوشِ مسرت سے بگڑ گیا تھا...... وہ پاگلوں کی طرح کبھی مچھلیوں کو دیکھتا، کبھی مجھے، اور کبھی ساحل کو......! اور جب کشتی ساحل کے قریب پہنچی تو اس نے کافی لمبی چھلانگ لگا دی...... وہ دونوں ہاتھ اٹھائے اچھل رہا تھا...... اور سخت بدحواسی

کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

''بستی والوں...... دیکھو...... حیرت سے پاگل ہو جاؤ...... بوتیکا نے درختوں کو خالی کیا اور وہ سمندر پر دوڑنے لگے...... پھر اس نے جادو کا رسہ پانی میں پھینکا اور مچھلیاں اس پر لپکیں...... دیکھو، چاندی کی طرح چمکتی ہوئی مچھلیوں کو دیکھو، جو درخت میں بھری ہوئی ہیں...... دیکھو......'' اور لوگ کشتی کی طرف دوڑ پڑے۔ اس دوران میں نے رسے کی مدد سے کشتی کو کنارے پر کھینچ لیا...... تمام وحشی مچھلیاں دیکھتے ہی لوٹ پڑے...... میں ایک طرف کھڑا ہو گیا...... میں انہیں خوش ہونے کا پورا پورا موقعہ دینا چاہتا تھا...... اور جب وہ سب خوشی سے سرشار ہو گئے تو میں نے کہا۔

''بستی والوں...... میرے طرف سے پہلا تحفہ قبول کرو...... درختوں کے خالی تنوں میں بیٹھ کر تم سمندر میں جاؤ گے اور انہیں مچھلیوں سے بھر لاؤ گے۔ یہ تمہاری خوراک کا عارضی بندوبست ہے...... ابھی تو بہت کچھ ملے گا! آؤ میرے ساتھ سمندر میں چلو...... میں تمہیں مچھلیاں پکڑنی سکھا دوں۔!''

بہت سے جیالے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ میں نے انہیں کشتیوں میں بٹھایا...... چپو چلانا سکھایا...... اور اس سلسلے میں بہت سے دلچسپ حادثے پیش آئے۔ لیکن میں موجود تھا...... پانی میں گر جانے والوں کو میں نے بہ آسانی نکال لیا...... پوری شام میں انہیں مچھلیاں پکڑنا سکھاتا رہا۔ گو مچھلیاں بہت زیادہ نہیں پکڑی گئی تھیں...... لیکن پھر بھی یہ بڑی کامیاب کوشش تھی مزید کشتیاں تیار کر کے اور خوب تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ لوگ کھلے سمندر میں دور تک نکل کر مچھلیاں پکڑ سکتے تھے...... اور اس طرح ان کی غذا کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکتا تھا......! سو پروفیسر...... پورے ایک ہفتے تک میں انہیں سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے گر سکھاتا رہا...... اور ان میں سے ہر ایک میرا بہترین شاگرد ثابت ہوا...... وہ لوگ اب خود درختوں کے تنے کاٹ کر ان کی کشتیاں بنا لیتے تھے...... اور پھر میرے سکھائے ہوئے لوگ انہیں بھی مچھلیاں پکڑنا سکھا دیتے...... میں زیادہ سے زیادہ کشتیاں تیار کرانا چاہتا تھا، کیونکہ فی الحال کاشت وغیرہ میں کافی دیر لگ جاتی۔ مچھلیاں انہیں وقتی سہارا دے سکتی تھیں۔ چنانچہ اب بستی کا ہر فرد کشتی بناتا نظر آتا اور دوسرے لوگ اسے کشتی رانی کی تربیت دیتے...... عورتیں جال بنتیں اور اب ہر شام سمندر سے تھوڑے فاصلے پر مچھلیوں کے انبار نظر آتے، یہ بہترین غذا اب تقریباً سبھی کو مل جاتی تھی...... وہ اسے باقاعدہ آگ پر بھون کر کھانا سیکھ گئے تھے! چنانچہ اب میں دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس ضمن میں، میں آشوشا سے ملاقاتوں کا حال نظرانداز نہیں کروں گا پروفیسر...... کیونکہ ہزاروں سال قبل کے عظیم سائنسداں کے کارناموں کو نظرانداز کر دینا ناانصافی ہوگی اور پھر میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ بہت سے علوم کے حصول میں وہ میرا استاد ہے...... آشوشا کو میرے پہلے کارنامے کی خبر ہو چکی تھی۔ ساتویں رات وہ خود ساحل پر آیا...... اور اس نے بڑی عجیب نگاہوں سے کملالی کے باشندوں کو مچھلیاں پکڑتے دیکھا۔ واپسی میں اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

''کیا تم یہ رات میرے ساتھ نہیں بسر کرو گے بوتیکا۔؟''

''حسب وعدہ۔!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

''بلاشبہ تم نے کملالی کے افسردہ لوگوں کی قسمت کا ایک باب کھول دیا ہے...... میں اس کے لئے تمہارا احسان مند ہوں۔''

''میں نے کسی کو احسان مند کرنے کے لئے یہ کام نہیں کیا۔'' میں نے جواب دیا۔ اور ہم آبشار کے نزدیک پہنچ گئے۔ تب بوڑھے نے ایک

سرنگ تک میری رہنمائی کی...... اس سرنگ کا دہانہ آبشار کے گرتے ہوئے پانی میں کھلتا تھا...... یہاں بوڑھے نے مجھے روشنی کا نظام دکھایا جو گرتے ہوئے پانی سے توانائی حاصل کر کے بنایا گیا تھا......! اور میں نے اس نظام کو بغور دیکھا...... پھر رات کو جب میں بوڑھے کے ساتھ سرخ سیال پی رہا تھا تو میں نے اس سے کہا۔" اس طرح تو پوری بستی روشن کی جا سکتی ہے آشوشا۔!"

"کیا مطلب۔؟"

"میں تمہیں عملی طور پر بتاؤں گا۔!"

"ناممکن ہے بوبیکا...... یہاں صرف ایک آبشار ہے...... اس سے صرف تھوڑی سی قوت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ پراسرار قوت کہیں اور نہیں لے جائی جا سکتی۔!" آشوشا نے کہا۔

"میں تمہیں عملی طور پر یہ کر کے دکھاؤں گا آشوشا۔ تم سمندر کو نظر انداز کیوں کر رہے ہو۔؟"

"لیکن اس کا پانی ساکن ہے۔ وہ حرکت نہیں کر سکتا۔"

"میں اسے حرکت دوں گا...... اور جب میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تمہیں اطلاع دوں گا۔!" میں نے کہا۔ اور آشوشا میری شکل دیکھنے لگا...... پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"تو غیر معمولی انسان ہے...... تیرے ذہن میں کائنات کی وسعت ہے...... اگر تو نے ایسا کر لیا تو مجھے حیرت نہ ہو گی...... بتا اب تجھے کونسا علم سکھاؤں میں جو کچھ جانتا ہوں تجھے بتاؤں گا...... میں تجھے اپنا سب کچھ سونپنے کو تیار ہوں۔"

"میں پیشگوئی کرنا سیکھنا چاہتا ہوں...... میں جاننا چاہتا ہوں کہ آنے والے وقت کا پتہ کس طرح چل سکتا ہے۔؟"

"تب آ...... ہم ستاروں کے نیچے چلیں...... میں تجھے ستاروں کی زبان سکھاؤں گا۔ ...." اور ہم دونوں اٹھ کر کھلے آسمان کے نیچے نکل آئے۔ آشوشا ایک پتھر پر بیٹھ گیا تھا...... اور پھر مجھے ستاروں کی پہچان کرانے لگا! بھلا مجھے انہیں پہچاننے میں کیا دقت ہو سکتی تھی۔ میں نے تو انہیں بہت قریب سے دیکھا تھا میرے ذہن میں تو ان کی پوری ہیئت محفوظ تھی...... تو یوں پروفیسر...... میں نے اس سے ستاروں کا علم سیکھنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف میں اپنا کام بھی کر رہا تھا، اب میں نے مختلف کاموں کے لئے مختلف گروہ بنا لئے تھے...... ایک گروہ مچھلیاں پکڑنے نکل جاتا اور ساحل پر مچھلیوں کے انبار لگاتا رہتا، دوسرے لوگ ان مچھلیوں کو صاف کرتے...... اجتماعی طور پر انہیں بھونا جاتا...... شام کی خوراک ہی صبح اور دوپہر کو استعمال ہوتی تھی...... دوسرا گروہ اب آبشار سے بننے والی ندی کے پانی کو کاٹ کر خشک زمینوں میں لے جا رہا تھا۔ اور اس علاقے کا ایک بڑا حصہ صحت بخش پانی سے سیراب ہو رہا تھا...... خود میں آج کل سردار اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ جنگل میں ترکاریوں اور اناج کے بیج تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ ایک تیسرا گروہ مضبوط پتھروں کے زمین کو کھودنے والے ہل بنا رہا تھا۔ چرندے، درندے سب ان کی خوراک بن گئے تھے اور اب جنگل میں کسی جانور کا نشان نہیں نظر آتا تھا۔ جوان کی افزائش نسل کی جاتی۔

دوسرے مرحلوں میں ہلوں سے زمین کا سینہ چیرا گیا اور اس میں بیج دفن کر دیئے گئے۔ پھل والے درختوں کے پودے لگائے گئے......

اور اس طرح پہلی فصل کی تیاریاں ہونے لگیں...... مچھلیاں وقتی طور پر کارآمد ثابت ہو رہی تھیں فصل اگانے کی پوری تربیت کے بعد میں نے دوسرے کاموں کی طرف توجہ دی اس دوران بوڑھے آشوشا اور میری ملاقاتیں جاری رہیں...... میں ستاروں کے علم میں کامل ہو گیا تھا...... اب میں موسم کے بارے میں پیش گوئیاں کرتا جو حرف بہ حرف درست نکلتیں۔ میں نے ستاروں کے علم سے بہت سے تجربے کئے جو مکمل طور پر کامیاب ہوئے۔ بوڑھے آشوشا کی شخصیت کے پردے آہستہ آہستہ چاک ہو رہے تھے۔ اس نے مجھے علم القیافہ کے بارے میں بتایا جس کا اس وقت کوئی نام نہیں تھا۔ تمام علوم کو جادو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

یہ ایسی ہی ایک رات کی بات تھی۔ یہاں ان وحشیوں میں رہتے ہوئے طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ اس دوران میں عورت سے بالکل دور تھا۔ خاص طور سے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ہاں کبھی کبھی کسی نوخیز لڑکی کے برہنہ جسم کو دیکھ کر ذہن میں سنسنی دوڑ جاتی تھی۔ ابھی تک میں ان کے لئے لباس کا بندوبست نہیں کر سکا تھا تاہم میں نے ایسی چیزیں کاشت ضرور کرا دی تھیں جن سے لباس تیار ہو سکتا تھا۔ اس شام بھی جب میں آشوشا کے پاس جا رہا تھا پہاڑی کے دامن میں، میں نے ایک نوجوان جوڑے کو دیکھا جو بے فکری سے ایک دوسرے میں مگن تھا۔

حسب معمول یہاں بھی میں ایک مقدس حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے خود کو لئے دیئے رکھنا پڑتا تھا۔ میں وہاں نہ رکا لیکن دل میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ میں ان سیاہ فام لڑکیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جن کے رنگ سیاہ ہوتے تھے۔ خد و خال بھی جاذب نگاہ نہ ہوتے لیکن جسم بے حد حسین ہوتے۔ کیا ان میں سے کوئی لڑکی مجھے نہیں مل سکے گی۔

ظاہر ہے یہ لوگ خود تو ایسی کوئی بات سوچ نہیں سکتے۔ پھر میں کیا کروں......؟ کس طرح اپنی اس ضرورت کا اظہار کروں؟ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ پہاڑوں کے پراسرار غار میں آشوشا میرا منتظر تھا۔ بوڑھی لیکن گہری سرخ نگاہوں نے مجھے دیکھا اور آشوشا اپنے لاغر بدن کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

''خوش آمدید بوتیرکا۔ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''

''آج کس موضوع پر گفتگو ہو گی آشوشا۔؟''

''آج میں تم سے گزرے ہوئے دور کی داستانیں معلوم کروں گا۔ تمہاری زندگی کے وہ حصے زیر بحث لاؤں گا جو ابھی تک میری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔''

''میری زندگی تو صدیوں کی طویل داستان ہے آشوشا۔ جس باب کو شروع کر دوں گا ختم ہونا مشکل ہو گا۔''

''مجھے احساس ہے۔'' آشوشا نے عجیب سے انداز میں کہا اور میری شکل دیکھنے لگا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پیدا ہوئی اور اس نے کہا۔ ''میں صرف چند باتیں معلوم کروں گا۔''

''پوچھو۔''

''اس طویل زندگی میں تم کبھی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوئے۔؟''

''اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میں نے خود پر جمود نہیں طاری ہونے دیا۔ میں متحرک رہا، ایک جگہ سے دوسری جگہ۔ نت نئے کام، نت نئے ہنگامے۔ تاہم کبھی کبھی مجھے طویل نیند کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔''

''طویل نیند۔؟ اس سے تمہاری کیا مراد ہے۔''

''جب میں تھک جاتا ہوں آشوشا تو پھر صدیوں کے لئے سو جاتا ہوں۔ اور وقت آگے بڑھ جاتا ہے اور جب میں نئے وقت میں آنکھ کھولتا ہوں تو ماحول بدل چکا ہوتا ہے اور نئے ماحول کی دلچسپیاں مجھے خود میں گم کر لیتی ہیں۔''

''اوہ۔ بہت عمدہ۔ بہت عمدہ۔'' وہ دلچسپی سے آگے بڑھ آیا۔ ''خوب بات بتائی تم نے۔ بلاشک، اگر زندگی طویل ہو تو یوں فطرت کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن جوان۔ لیکن میرے عظیم دوست۔ لیکن مقدس بوہیکا۔ طویل نیند کے دوران تم اپنے جسم کو کس طرح محفوظ رکھتے ہو۔؟''

''میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں نے جاگنے کے بعد خود کو ہمیشہ یکساں پایا۔'' میں نے کہا اور اسے اپنی طویل نیند کی کہانی سنائی۔

''تمہاری خوش بختی، اگر تم برف میں دفن نہ ہوتے تو شاید تمہارا جسم خراب ہو جاتا اور اگر آئندہ طویل نیند سونے سے قبل تم نے اپنے جسم کی حفاظت نہ کی تو ممکن ہے تم ہڈیوں تک خشک ڈھانچے میں بدل جاؤ۔ اس لئے میری ہدایت ہے کہ جسم کو محفوظ کرنے کے گر ضرور سیکھ لو۔ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

''ممکن ہے۔ تمہارا خیال درست ہو۔'' میں نے پر خیال انداز میں کہا۔ بوڑھے کا خیال مجھے درست ہی معلوم ہوا تھا۔ ہوا اور پانی کی نمی کی غیر موجودگی سے جسم خراب ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے میں کسی نیند سے جاگتا تو میرا جسم بھی گل چکا ہوتا۔ میں نے اس سلسلے میں کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''اس کے علاوہ۔'' بوڑھے نے پر خیال انداز میں کہا۔ ''تمہیں آنے والے دور کا تعین کر کے سونا چاہئے۔ تم انسانی خیال کا تجزیہ کرو تو اس سے تم آئندہ ادوار میں انسان کے ذہنی ارتقاء کا تعین کر سکتے ہو۔ اس کے رجحان سے اس کے انداز فکر کا پتہ لگا سکتے ہو اور اس طرح جب تم سو کر اٹھو گے تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ انسان ترقی کی کتنی منزلیں طے کر چکا ہے۔''

اور پروفیسر...... یہ خیال میرے ذہن میں ایک پسماندہ قبیلے کے پراسرار بوڑھے آشوشا نے پیدا کیا تھا۔ وہ شخص مجھے اس کے لئے صحیح راستے نہیں بتا سکا لیکن مجھے راستوں کی تلاش بھی نہیں تھی۔ میرے لئے تو بس یہ سوچ کافی تھی۔ میں سوچتا رہا۔ دوسری بار جاگا تب بھی سوچتا رہا اور کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس قابل ہو گیا کہ آج تمہارے سامنے ہوں۔

میں نے بوڑھے کی بات کو گرہ میں باندھ لیا اور پھر اس سے پوچھا کہ جسمانی حفاظت کے سلسلے میں وہ میرے لئے کیا کر سکے گا۔؟

''مقدس بوہیکا۔ میں بھی صدیوں سے زندہ ہوں۔ لیکن میری زندگی وہ نہیں ہے جو تمہاری ہے۔ میں تمہارے جیسا جوان اور تندرست نہیں ہوں۔ تمہیں دیکھ کر میرے دل میں خیال ہوتا ہے کہ میں تمہاری مدد سے صدیوں کو شکست دوں۔ میں بھی اپنی جوانی واپس لے آؤں تو ہم یوں کریں کہ میں تمہیں جسم کی حفاظت کے گر بتاؤں اور تم مجھے جوانی اور تازگی کے۔ میں ان پر تجربات کروں گا۔ کامیابی اور ناکامی کو ہم حالات پر چھوڑ دیں گے۔''

"میں تیار ہوں آشوشا۔" میں نے کہا۔

آشوشا کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "یوں میری طویل العمری کار آمد بن جائے گی۔ میں نے طویل زندگی کا راز ضرور پالیا ہے بوتیکا۔ لیکن یہ زندگی میرے لئے اس حد تک دلچسپ ہے کہ میں تجربات کرتا ہوں۔ میرے قویٰ مضمحل ہیں اور ان تجربات کے علاوہ میری زندگی میں اور کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حالانکہ فطرت نے انسان کے دل کو موہ لینے کے لئے سب سے پہلے عورت پیدا کی ہے۔ عورت ہر حال میں دلکش ہے۔ کیا تم اس سے انکار کرو گے بوتیکا کہ اس طویل زندگی میں تم عورت سے دور رہے ہو۔"

"نہیں مقدس آشوشا۔ عورت ہر دور میں میرے ساتھ رہی ہے۔ میں بھی عام لوگوں کی طرح عورت کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔"

"یقیناً عورت کا قرب ہزاروں مسرتوں پر بھاری ہے۔" آشوشا نے اعتراف کیا۔ اور اس کے بعد آشوشا ان جڑی بوٹیوں کے جوہر کے بارے میں بتاتا رہا جن کے استعمال سے اس کی زندگی طویل ہو گئی تھی۔ وہ رات ہم نے گفتگو میں گزاری۔ آشوشا نے بہت سے نئے خیال میرے ذہن میں پیدا کر دیئے تھے اور میرے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ بلاشبہ یہ کیسی انوکھی بات تھی پروفیسر۔ کہ اگر کسی صدی میں، میں سو کر اٹھوں تو میرا جسم گل سڑ چکا ہو۔ میں ایک بدہیبت بدروح کی شکل اختیار کر گیا ہوں اور اس دور کے لوگ مجھ سے خوفزدہ ہو کر در و دیوار میں منہ چھپاتے پھریں۔ میں جو ہمیشہ حسن پرست اور طالب حسن رہا ہوں، نفرتوں کا شکار بن جاؤں۔ بڑا بھیانک تصور تھا میرے لئے اور میں اس تصور سے خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں کسی ایسی جگہ دفن ہوا تھا جہاں برف موجود تھی ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔ چنانچہ میں اس دوران میں سوچتا رہا کہ میں اپنی نیند کے لئے کوئی ایسی جگہ تلاش کروں جہاں میرے لئے بہت سی آسانیاں فراہم ہوں۔ میں بوڑھے آشوشا سے جسم کو محفوظ رکھنے کا راز دریافت کرلوں۔"

کمالی کی ترقی کے لئے میرے اقدامات جاری تھے۔ بستی کے لوگ میری محبت سے سرشار تھے۔ اب وہاں خوشحالی تھی۔ آبشار کا پانی زمین کو سیراب کر رہا تھا۔ زرخیز زمین سونا اگل رہی تھی۔ پھلوں اور ترکاریوں کے انبار لگ رہے تھے۔ مچھلیوں کے ساتھ اب پھل اور ترکاریاں بھی استعمال ہونے لگی تھیں۔ محنت کش لوگوں کو راستہ مل گیا تھا۔ انہیں زندگی گزارنے کے راز ہاتھ آ گئے تھے۔ اب مجھے قدم قدم پر ہدایات دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ وہ لوگ خود آگے بڑھ رہے تھے۔

میرے خوبصورت کرال کو دیکھ کر انہیں بھی اپنے جھونپڑے خوبصورت بنانے کا خیال آیا اور انہوں نے اس خیال پر عمل کر لیا۔ سردار نے میرے مشورے سے باضابطہ منصوبہ بندی کی اور زراعت کے لئے زمین کو مخصوص کر دیا گیا۔ رہائش کے لئے جھونپڑوں کی قطاریں ترتیب دی گئیں لیکن میں انہیں بہت کچھ دینا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں خیال تھا کہ ان کے جھونپڑوں کو باقاعدہ مکانات میں تبدیل کر دوں لیکن پہلے دوسرے کام ضروری تھے۔ اس لئے میں فی الحال خاموش رہا۔

حسب معمول ساتویں چاند کو میں آشوشا کی رہائش گاہ پر چل دیا۔ آشوشا حسب معمول میرا منتظر تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے اپنے جھریوں بھرے ہاتھوں سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"ستاروں کے علم نے بوتیکا کی آمد کی خبر دی تھی آشوشا۔ لیکن بہت سے راز ایسے ہیں جن کا معلوم کرنا ابھی ہمارے بس سے باہر ہے۔

جیسے کہ تم۔ میں صدیوں سے تمہاری پیش گوئی کرتا آرہا ہوں لیکن صرف اس حد تک کہ کمالی کے لوگوں کے لئے نجات دہندہ بن کر آؤ گے مجھے کبھی یہ نہ معلوم ہوسکا کہ میری بہت سی خوشیاں بھی تم سے وابستہ ہیں۔ میں تمہارے ذریعے جوانی حاصل کرسکوں گا۔ یہ پورے چاند میں نے خوشیوں کے دن گزارے ہیں۔ صرف یہ سوچتے ہوئے کہ مجھے جوانی مل جائے گی۔ آہ کیسی دلکش چیز ہے جوانی بھی۔'' بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی اس بچکانہ مسرت پر مجھے بھی ہنسی آگئی۔ بوڑھا آشوشا بھی ہنسنے لگا تھا۔ پھر اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اس دوران جبکہ تم کمالی کے لوگوں کے لئے اچھی زندگی کی جدوجہد کر رہے تھے۔ بوڑھے آشوشا نے وہ تمام انتظامات مکمل کر لئے جو تمہارے جسم کی حفاظت کے لئے کام آسکتے ہیں۔ میں نے ان تمام جڑی بوٹیوں کی تفصیل مہیا کرلی ہے۔ جن کا جوہر انسانی جسم کی مکمل حفاظت کرتا ہے۔ آؤ۔ میں تمہیں ان کے بارے میں بتاؤں۔''

اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر پروفیسر اور لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے پاس وہ کتاب بھی محفوظ ہے پروفیسر جو میں نے کمالی بستی کے قریب آبشار والے غار میں بیٹھ کر پتوں پر لکھی تھی۔ اس کتاب میں ان تمام بوٹیوں کی تفصیل ہے جو اس وقت ایک پتھر پر جمی ہوئی تھیں۔ جب بوڑھا آشوشا مجھے لئے ہوئے غار کے ایک دور افتادہ حصے میں گیا۔ اس نے کافی دیر تک مجھے ہر بوٹی کے بارے میں بتایا۔ اس کی خاصیت اور اس کے جوہر کے حصول کا طریقہ بتایا۔ میں نے ان تمام باتوں کو ذہن کی گہرائیوں میں دفن کرلیا پروفیسر۔ تم نے جس شیشے کے تابوت میں مجھے پایا اور اس کے قرب وجوار میں جو کچھ دیکھا بلاشبہ جسم محفوظ کرنے کے لئے وہ میری اپنی سوچ تھی لیکن اس سلسلے میں جس جس جوہر کا استعمال کیا گیا وہ آشوشا کا بتایا ہوا تھا۔ انہیں جڑی بوٹیوں میں اس کی طویل زندگی کا راز بھی چھپا ہوا تھا۔

اس وقت چاند آدھا سفر طے کرچکا تھا جب بوڑھے آشوشا سے مکمل معلومات کے بعد ہم دونوں فارغ ہوئے۔ آشوشا وہاں سے واپس پلٹ پڑا اور پھر اس نے غار کی ایک نئی سمت کا رخ کیا۔ اس سے قبل میں نے غار کا یہ رخ نہیں دیکھا تھا اور درمیانے قسم کے سوراخ کے قریب آشوشا رکا۔ اس نے اپنی آتش بار نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ اس کی آنکھوں اور خدوخال میں کبھی ہم آہنگی نہیں ہوتی تھی۔ اس نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''کمالی کے سادہ دل لوگ تمہیں خود سے بالکل جدا سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم صرف دیوتا ہو۔ اور دیوتا صرف دوسروں کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ خود اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر اس کی کوئی ضرورت ہوتی بھی ہے تو کسی انسان کی کیا مجال ہے کہ اسے پورا کر سکے۔ انہوں نے کبھی تمہاری کسی ضرورت کے بارے میں نہیں سوچا لیکن اگر انہیں علم ہوجائے کہ تمہاری کوئی ضرورت ان سے وابستہ ہے تو وہ تمہارے سامنے اپنی گردنیں اتار کر رکھ دیں گے اور وہ اس بات پر فخر کریں گے کہ تمہارے کسی کام آسکے اس لئے وہ سادہ دل قابل معافی ہیں۔ لیکن بوڑھے آشوشا کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ تمہارے دوستوں میں شمار ہوتا ہے اور اس کی قوت قیافہ نے اسے تمہاری کچھ ضروریات سے آگاہ کردیا ہے۔ اندر جاؤ میرے دوست۔ تمہاری ایک ضرورت تمہاری منتظر ہے۔ ہماری آج کی ملاقات اسی قدر تھی۔''

''لیکن اندر کیا ہے آشوشا۔؟'' میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تمہیں غار کے اندر جا کر ہی معلوم ہو سکے گا۔" آشوشا نے کہا اور میں متعجبانہ انداز میں غار کے سوراخ سے اندر داخل ہو گیا۔ غار کا دہانہ چھوٹا تھا لیکن وہ اندر سے بے حد کشادہ تھا۔ یہاں روشنی بھی باہر کی بہ نسبت بہت زیادہ تھی۔ جگہ جگہ روشنی کی دھات لگی ہوئی تھی جس سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ فرش پر جانوروں کی نرم کھالیں بچھی ہوئی تھیں لیکن اس غار کو سب سے زیادہ حسن بخشنے والا اس کا دوسرا دہانہ تھا جہاں سے آبشار کا ایک حصہ چھو کر گزرتا تھا۔ پانی کی ہلکی پھوار ہلکی ہوا کے ساتھ اندر آ رہی تھی۔ گرتے ہوئے پانی پر اندر کی روشنیاں پڑ رہی تھیں جس سے چاندی کی ایک روشن دیوار متحرک نظر آتی تھی۔

بلاشبہ اس پورے غار کا سب سے حسین حصہ تھا لیکن یہاں میری کونسی ضرورت پوری ہونے والی تھی۔ میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا تب میری نگاہ غار کے ایک کونے میں جا پڑی جہاں رنگین پروں کا ایک ڈھیر متحرک تھا۔ میں چونک پڑا۔ بوڑھے جادوگر نے کیا چکر چلایا ہے۔ میں متحیرانہ انداز میں اس ڈھیر کے قریب پہنچ گیا۔ اور قریب جا کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تو بہت سے خوبصورت پروں میں لپٹا ہوا کوئی انسان ہے۔ میں اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ کونے میں دبکے ہوئے انسان نے بھاری پروں کو چہرے سے ہٹایا۔ دو گہری سیاہ آنکھوں نے خوف و دہشت سے مجھے دیکھا اور میرا منہ کھل گیا۔ سیاہ آنکھوں کے نیچے تانبے کی رنگت جیسے رخسار تھے اور ان رخساروں کے نیچے ابھرے ہوئے ہونٹ۔ وہ لڑکی تھی۔ کوئی نوجوان لڑکی۔ بوڑھے کے الفاظ میرے کانوں میں گونجے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

رنگین مزاج بوڑھے نے اپنی جوانی کی خوشی میں مجھے تحفہ پیش کیا تھا۔

"کھڑی ہو جاؤ۔" میں نے نرم آواز میں کہا اور پر کانپنے لگے لیکن کسی کی مجال تھی جو میرے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ لمبے قد اور حسین ترین جسم کی مالک...... ایک کمسن لڑکی تھی۔ جو مجھ سے خوفزدہ تھی۔ اس کے پورے جسم پر رنگین پروں کی جھالریں لٹکی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں رنگین مٹی سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

مجھے بوڑھے کی اس اُپج پر ہنسی آنے لگی...... لڑکی اب بھی خوف سے کانپ رہی تھی...... وہ نوجوان تھی اور اس کا جسم بے پناہ دلکش تھا...... دراز قامت، چوڑا سینہ، پتلی کمر، گو اس کا چہرہ حسین نہیں تھا، لیکن اس کی جوانی...... میں نے دل ہی دل میں بوڑھے کا شکریہ ادا کیا، جو کام میں یہاں رہ کر کبھی نہیں کر سکتا تھا، وہ بوڑھے نے کر دیا تھا!

میں آگے بڑھا...... اور لڑکی سمٹ کر دیوار سے جا لگی...... تاہم میں اس کے قریب پہنچ گیا...... "کیا تم مجھ سے خوفزدہ ہو......؟" میں نے اس کے چہرے سے جھالر اتارتے ہوئے کہا...... اس کے گھنے سیاہ بال بکھر گئے...... بہت لمبے اور چمکدار بال تھے، بائیں سمت ایک سفید پھول لگا ہوا تھا، جو اس کے سیاہ بالوں میں بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا۔

"کیا مجھ سے ڈرتی ہو......؟" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ اور میرے اس نرم اور محبت آمیز رویئے سے اس کے چہرے پر اطمینان کی لکیریں پھیل گئیں...... اس نے محبت پاش نگاہوں سے مجھے دیکھا...... اور پھر یکدم زمین پر بیٹھ کر میرے پاؤں پکڑ لئے!

"بو...... تی...... کا......!" اس کے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز نکلی...... میرے دل میں سرور کی لہریں دوڑ گئیں۔ وہ مجھ سے خوفزدہ نہیں تھی۔ صرف میرا احترام کرتی تھی...... ان سیاہ لڑکیوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ انہیں سونے کی طرح چمکدار جسم والے بوتیکا کا قرب حاصل ہو سکتا ہے...... اس میں جھکا...... میں نے اس کے شانے مضبوطی سے پکڑے اور اسے کھڑا کر دیا۔

"تمہارا کیا نام ہے......؟" میں نے اسے اپنے مقابل کر کے پوچھا۔

"سی...... ہیلا......!" اس نے جواب دیا...... اب اس کی آواز کی لرزش بھی کم ہو گئی تھی۔

"تمہیں یہاں کون لایا ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"آشوشا......!" اس نے پھر اسی انداز میں جواب دیا...... اس کی آواز بھی مہین اور دلکش تھی۔

"کیا تم اپنی خوشی سے آئی ہو...... یا آشوشا نے تمہیں زبردستی بلایا ہے......!" میرے اس سوال پر اس کے سانس تیز ہو گئے...... اس کے سینے کا زیر و بم تیز ہو گیا...... نہ جانے وہ میرے سوال کا کیا مطلب سمجھی تھی۔ تب میں اس کا بازو پکڑا اور اسے نرمی سے پکڑے ہوئے آبشار کے قریب پڑے ہوئے پتھر تک لایا، جہاں سے پانی کی باریک بوندیں اندر آ رہی تھی۔ میں نے اسے اس رومان پرور جگہ بٹھا دیا...... اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔ بیٹھنے سے پیروں کی جھالریں سمٹ گئی تھیں میرے ذہن میں سرور کی لہریں اٹھتی رہیں لیکن میں یہ خوف کی فضا ختم کرنا چاہتا تھا۔

"سہیلا۔!" میں نے اسے مخاطب کیا اور اس نے میری طرف نگاہیں اٹھا دیں۔ "میں تمہارا دوست ہوں سہیلا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کو میری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے۔ میں ہر حال میں تم لوگوں کی خوشی چاہتا ہوں۔ مجھے صاف صاف بتاؤ تمہیں یہاں کیا کہہ کر لایا گیا ہے۔ کیا تم اپنی خوشی سے آئی ہو یا میری طرف سے۔؟"

"بوتیکا......!" سہیلا پھر اٹھی اور میرے قریب بیٹھ کر اس نے میرے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ وہ میرے گھٹنوں سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

"تم جب تک مجھے جواب نہ دوگی سہیلا۔ میں پریشان رہوں گا۔" میں نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"بوتیکا۔ تو ہمارا آقا ہے...... تو ہمارا نجات دہندہ ہے۔ تو ستاروں کا بیٹا ہے تو چاند کی طرح حسین ہے۔ کمالی کی کون سی کنواری اپنے دل میں تیرا آرزو نہیں رکھتی، لیکن تو دیوتا ہے اور ہم سب تیری پجارنیں۔ ہم دل میں تیری آرزو کر کے بھی ڈرتی ہیں کہ گناہ نہ ہو۔ پھر جب مقدس آشوشا نے سردار سے کہا کہ بوتیکا قبیلے کی کسی کنواری کو سرفراز کرنا چاہتا ہے تو قبیلے کی ہر نوجوان کنواری کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش! بوتیکا کی خلوت میں اسے بھیجا جائے۔ میں بھی ان سے جدا نہیں تھی بوتیکا اور جب سردار نے مجھے منتخب کیا تو میں خوشی سے پاگل ہو گئی۔ مجھے یقین نہیں آیا کہ میرا خواب سچ ہو سکتا ہے۔ میں نے خوابوں میں خود کو تیری آغوش میں دیکھا تھا بوتیکا، جب میرے جسم کو پروں سے سجایا جا رہا تھا۔ مجھے اس وقت بھی یقین نہیں تھا، جب تاریک سرنگ سے گزار کر مجھے یہاں تک لایا گیا۔ میں سب کچھ خواب سمجھ رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب اس خواب سے جاگوں گی تو میری کیا حالت ہوگی۔ مجھے یقین دلا دے بوتیکا کہ یہ سب کچھ خواب نہیں ہے...... مجھے یقین دلا دے بوتیکا۔"

اس کے الفاظ میری روح کی ٹھنڈک تھے۔ میرا سرور بڑھ گیا۔ میں نے اس کے سر کو اٹھایا۔ اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈالے اور اسے اپنے

مقابل کھڑا کرلیا اس کے چہرے کی سیاہی ڈھل گئی تھی۔ اب وہ مجھے حسین نظر آرہی تھی اس کی سیاہ آنکھوں میں محبت تھی، عقیدت تھی۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ ''میں تم لوگوں کا دوست ہوں سبیلا۔ تمہارا آقا نہیں۔ مجھے بھی تمہاری ضرورت ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے اپنے دل سے میرا خوف نکال دو۔ میں تو محبت کرنے والوں سے ہوں۔ مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں خود سے ڈر رہی تھی بوتیکا۔ جب سے میں نے سنا تھا کہ مجھے تیری خلوت نصیب ہوگی میں بلندیوں میں پرواز کر رہی تھی۔ میں سوچ میں تھی کہ چاند کی طرح حسین بوتیکا مجھے دیکھ کر ناراض نہ ہو جائے، مجھے ٹھکرا نہ دے۔ لیکن تو مہربان ہے بوتیکا، تو عظیم ہے۔'' سبیلا کے دراز قد اور سڈول جسم نے میری روح کو سکون میں ڈبو دیا۔ اور اس وقت کی صبح بہت خوشگوار تھی۔! میں محبت کے خمار میں ڈوب کر بے خبر سو گیا تھا کہ بوڑھے آشوشا کی آواز نے مجھے جگا دیا۔!

''روشنی والا ابھر رہا ہے بوتیکا۔ بستی تجھے پکار رہی ہے۔ وہ تیری غیر موجودگی پر حیران ہے اٹھ جا۔ ساتویں چاند کی رات پھر آئے گی اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ رات بھی اسی رات کی طرح حسین ہوگی۔''

میں جاگ گیا۔ میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر سبیلا کو تلاش کیا لیکن وہ جا چکی تھی جس کی اطلاع مجھے آشوشا نے دی۔ ''وہ جا چکی ہے کامیابی و کامرانی کے خواب آنکھوں میں سجائے۔ وہ بہت خوش تھی۔ اب تو بھی جا میں تیری قسمت پر رشک کرتا ہوں۔ بیشک تو مجھ سے افضل ہے۔ تیری عمر بھی طویل ہے اور جوانی بھی کاش میں بھی تیری طرح کنواریوں کا خواب بن سکوں۔!''

''میں تیرا شکر گزار ہوں آشوشا۔ تو نے میری خوب مدارت کی ہے۔ اب میں بستی جا رہا ہوں اور ساتویں رات کا وعدہ نہ بھولنا۔ میں اس رات کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔'' میں نے کہا اور آشوشا مسکرانے لگا۔ پھر وہ مجھے رخصت کرنے آیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہی بستی واپس آ گیا۔ سبیلا کی زبانی مجھے بستی کی کنواریوں کی آرزو معلوم ہو گئی تھی۔ اب یہ بستی میرے لئے خشک نہیں تھی۔ تاہم میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے میرے وقار پر حرف آئے۔ ہاں دل سے میں بستی والوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ان محبت کرنے والوں کے لئے جو کچھ بھی کیا جاتا کم تھا۔ میرے بتائے ہوئے طریقوں پر بھرپور عمل ہو رہا تھا۔ بستی کا ہر جوان بستی کو خوشحال بنانے کی دھن میں مست تھا۔ میں نے بوڑھے آشوشا سے ایک دعویٰ کیا تھا۔ وہ کہ جس انداز سے اس نے اپنی رہائش گاہ کو روشن کیا تھا۔ اسی انداز سے میں پوری بستی کو روشن کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اب میں نے اس کی فکر کرنا شروع کر دی۔ میں نے اپنے تیار کردہ لوہے کے اوزار لئے اور چار عورتوں کو اپنے ساتھ کام میں لگایا پہلے مرحلے میں، میں لکڑی کے بھاری تختوں کے درمیان سے چروایا۔ اور اس کے چوڑے چوڑے تختے بنوا لئے۔ اگر میں یہ کہوں پروفیسر...... کہ پن چکی کا تصور میرے اپنے ذہن کی پیداوار ہے تو شاید تم یقین نہیں کرو گے۔ میں دعویٰ نہیں کرتا۔ ممکن ہے۔ مجھ سے پہلے یا میرے بعد کسی نے ان کے بارے میں بہتر طور پر سوچا ہو۔ لیکن اس وقت بوڑھے آشوشا کو آبشار سے روشنی پیدا کرتے دیکھ کر میں نے بھی ان کے بارے سوچا تھا اور پہلے ہفتے میں، میں نے پن چکی کے پر تیار کر لئے۔ میں نے اس میں ہر چیز کا خیال رکھا تھا۔ میرے ساتھ کام کرنے والے سیاہ فاموں کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ میرے اوپر اندھا عقیدہ رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ بوتیکا کوئی بھی کام بے مقصد نہیں کرتا۔

پھر ساتویں چاند کی رات آ گئی۔ اور میں پوری دلچسپی سے آشوشا کی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔ بوڑھا جادوگر بھی اب دل سے میری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ میں اس کی جوانی اسے واپس دے دوں گا لیکن خود میری سمجھ میں اس کی مناسب ترکیب نہیں آئی تھی۔ اس معاملے میں تو میں خود بھی لاعلم تھا۔ میں ایک انوکھی مخلوق تھا، جبکہ بوڑھے آشوشا نے جڑی بوٹیوں کے ذریعے طویل العمری کا زور پایا تھا۔ میں اس کے جسم کو وہ جوہر کہاں سے دوں جو میرے جسم میں پوشیدہ تھا ممکن ہے اس کا جسم وہ چیزیں برداشت نہ کر سکے، جو میرے جسم کیلئے بے ضرر تھیں لیکن آشوشا جوانی حاصل کرنے کے لئے ہر تجربے سے گزرنے کو تیار تھا۔

اس رات بھی وہ پہلی راتوں کی طرح بڑی خوش اخلاقی سے مجھ سے ملا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ وہ مجھے لے کر فوراً غار میں نہیں گیا بلکہ ایک اونچے پتھر پر بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے آشوشا۔ تم خاموش ہو......؟''

''نہیں مقدس بوتیکا۔ کوئی خاص بات نہیں ہے اس ہفتے میں نے ستاروں کا بغور مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے ہواؤں کے رنگ دیکھے ہیں اور میری علم نے عجیب وغریب انکشافات کئے ہیں۔''

''وہ کیا......؟'' میں نے پوری دلچسپی سے پوچھا۔

''تم میرے جسم کی ان بوڑھی ہڈیوں کو دیکھ رہے ہو۔ گو ابھی میں ابھی جوان نہیں ہوا ہوں......لیکن......میں ان ہڈیوں میں جوانی تازگی محسوس کرنے لگا ہوں اور یہ صرف مستقبل کا فریب ہے۔ جب میں اکثر آنے والے وقت کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ اس دور کا تصور کرتا ہوں جب میں جوان ہوں گا اور بہت سی حسینائیں میرے گرد ہوں گی۔ اسی خوشی میں، میں نے ان ادوار کے بارے میں بھی سوچا جو آنے والے ہیں۔ میں نے ان ادوار کے انسانوں کے مزاج ان کے طرز رہائش وغیرہ کے بارے میں اندازہ لگایا تو عجیب انکشافات ہوئے۔''

''خوب......میں نے دلچسپی سے کہا۔'' وہ کیا انکشافات ہیں آشوشا......؟''

''وہ خود کو تہذیب کے دور کا انسان کہیں گے۔ ذہنی طور پر وہ کافی آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ ان کا نظام حیات ہوگا۔ زندگی گزارنے کے لئے جو بہت تعجب خیز ہے لیکن پھر میں نے تمہارے اوپر غور کیا بوتیکا۔ اور محسوس کیا کہ تم صدیوں آگے کی روح ہو۔ جو وقت سے پہلے پیدا ہو گئی ہے تمہیں تو ان ذہین لوگوں کے ساتھ پیدا ہونا چاہئے تھا، کیا تم نے پوری بستی کو اپنی ذہانت سے مصیبتوں کی دلدل سے نہیں نکال لیا۔ یہ زمین وہی ہے، یہاں پر موجود اشیاء وہی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ انسان کے ذہن میں بند تھا۔ تم نے ان کے ذہن کھول دیئے اور میرا خیال ہے کہ اب تمہیں ان کی کارکردگی سے مایوسی نہ ہوگی۔''

''وہ ذہین لوگ ہیں آشوشا۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''بہرحال آنے والے دور کے عجیب لوگوں کے بارے میں، سوچ کر مجھے کافی حیرت ہوئی تھی اور اب میں اپنی زندگی اور جوانی کی واپسی میں بہت دلچسپی لینے لگا ہوں۔ میرا کام کب سے شروع ہوگا......؟''

بوڑھا مجھے غار میں اپنی نشست کے کمرے میں لے گیا۔ میں ایسی مقام پر جانے کے لئے بے چین تھا جہاں مجھے سبیلا ملی تھی لیکن بہرحال بوڑھے کی تشفی ضروری تھی۔ چنانچہ اس سے کہا۔

''بستی والوں کے لئے میں ایک کام اور کر رہا ہوں۔ باقی سب کام انہوں نے سنبھال لئے ہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے بعد میرا کام ختم ہو جائے گا اور پھر میں تمہارے لئے کام کر سکوں گا۔!''

''وہ کیا کام ہے۔؟'' آشوشا نے پوچھا۔

''میں نے کہا تھا کہ میں اس غار کی طرح پوری بستی کو روشن کر دوں گا۔ میں اسی پر کام کر رہا ہوں۔ اور تھوڑے عرصہ میں تم پوری بستی روشن دیکھو گے۔''

''کیا مطلب۔؟'' بوڑھا اچھل پڑا۔ ''مگر تم پانی کی قوت کہاں سے لاؤ گے۔؟''

''میں اپنا کام کر لوں پھر سب کچھ تمہارے سامنے آ جائے گا۔''

''اگر تم ایسا کر سکے تو بلاشبہ میرے تمام جادو تمہارے جادو کے سامنے ماند پڑ جائیں گے اور مجھے احساس ہے کہ تم ایسا ضرور کرو گے۔ کیونکہ تمہارے پاس صدیوں کا دماغ ہے۔ تمہارے پاس طویل تجربہ ہے۔ تم ضرور ایسا کر لو گے لیکن کس طرح کرو گے یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ تاہم میں تمہاری کامیابی کا بے چینی سے انتظار کروں گا کیونکہ اس کے بعد ہی میری سب سے بڑی خواہش پوری ہو گی۔ ٹھیک ہے مقدس بوتیکا۔ میں انتظار کروں گا۔ چنانچہ آج کی گفتگو ختم۔ اور اب تم اپنی خوشیاں وصول کرنے پرانی جگہ چلے جاؤ۔ کیا مجھے تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔''

''نہیں...... میرے قدم مجھے خود بخود وہاں لے جائیں گے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن بوڑھے کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی۔ وہ حسرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کو نظر انداز کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اسی غار میں داخل ہو گیا جہاں میری ملاقات سبیلا سے ہوتی تھی۔ پروں میں لپٹی ہوئی لڑکی کونے میں موجود تھی۔ میں انتظار کئے بغیر اس کی طرف بڑھ گیا۔ ''سبیلا۔؟'' میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور مجھے اس کے جسم میں تھرتھراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے قوت صرف کر کے اسے اٹھایا۔ لیکن اس کا چہرہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہ سبیلا نہیں تھی...... بلکہ ایک اور نوجوان لڑکی تھی۔ جس کا جسم سبیلا کی طرح سڈول اور حسین نہیں تھا، اس کا قد بھی سبیلا کی طرح نہ تھا لیکن چہرہ سبیلا کی بہ نسبت زیادہ نمکین اور حسین نقوش و نگار لئے ہوئے تھا۔

''تم کون ہو۔؟'' میں نے اسے اپنے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

''سنالنی......'' اس نے جواب دیا۔

''سبیلا کہاں ہے۔؟''

''اپنے کرال میں بوتیکا۔ سردار نے آج مجھے تمہارے لئے منتخب کیا ہے۔''

''اوہ......'' میں نے گردن ہلائی۔ ''کیا تم اپنی خوشی سے یہاں نہیں آئی ہو......؟''

"خوشی......" اس نے اپنے ابھرے ہوئے ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے کہا۔ "اس بستی کی کنواریوں کو اس سے بڑی خوشی کون سی مل سکتی ہے کہ وہ چاند کے بیٹے کی آغوش میں رات گزارے۔"

"اوہ۔" میں نے سکون کی سانس لی۔ مجھے سبیلا کی گفتگو یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ قبیلے کی ہر لڑکی میری آغوش کی خواہشمند ہے۔ اگر یہ لڑکی اپنی مرضی سے نہ آئی ہوتی تو میں اسے واپس کر دیتا۔ میں ابوالہوس نہیں تھا۔ مجھے ہر رات نئی لڑکی کی آرزو نہیں تھی۔ اگر یہ رسم قربانی کی رسم سے ملتی جلتی ہوتی تو میں اسے کسی طور قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ میں کسی پر تشدد نہیں چاہتا تھا۔ لیکن بستی والوں کے لئے یہ گناہ کی بات نہیں تھی۔ وہ بوجیکا کی خدمات کا ہر ممکن صلہ دینا چاہتے تھے۔ اپنی لڑکیاں پیش کرنا ان کے نزدیک گناہ نہیں فخر کی بات تھی اور پھر لڑکیاں بھی خوش تھیں، چنانچہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

تو پروفیسر..... مختصر یہ کہ وہ لڑکی سنالنی بھی اس رات میری آغوش کی زینت بنی۔ میں دل سے قبیلے کی ان پر جوش لڑکیوں کا قائل ہو رہا تھا۔ بلاشبہ وہ بھرپور عورتیں تھیں۔ یہ رات بھی حسب معمول گزری۔ اور میں اب تمہارے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اس لئے میرا خیال ہے کچھ دیر آرام کرو۔"

"ہوں۔!" اس کے خاموش ہونے کے بعد پروفیسر نے ایک گہری سانس لی۔ "تمہاری داستان اس قدر دلکش ہے کہ ہم سب کچھ بھول گئے ہیں۔ دل چاہتا ہے سنے جائیں۔ کاش ہمیں مہذب دنیا میں جانے کا موقع مل جائے میں اس داستان کو تمہارے ساتھ مل کر تحریر کروں گا بلاشبہ یہ دنیا کی سب سے حیرت انگیز داستان ہوگی۔"

فرزانہ اور فروزاں بھی کسمسا رہی تھیں۔ ان کے دل چاہ رہے تھے کہ وہ طویل انگڑائیاں لے کر بدن چور چور کر دیں۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔ اول تو پروفیسر خاور...... ان کا باپ ان کے سامنے موجود تھا۔ دوئم یہ کہ یہ انگڑائیاں ان کے دلوں کا بھید کھول دیتیں۔ یہ احساس دلا دیتیں، کہ یہ داستانیں اور اس کے دلکش رنگین مناظر ان کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور اس طرح یہ پراسرار داستان گو غلط فہمی کا شکار ہو سکتا تھا۔

وہ مسکرا کر ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا تمہارا ماحول...... تمہاری دنیا آسانی سے اس داستان پر یقین کر لے گی۔؟"

"تم جو میرے ساتھ ہو گے میں تمہیں بطور ثبوت پیش کر دوں گا۔!" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ تو تم مجھے اپنے ساتھ اپنی دنیا میں لے جاؤ گے پروفیسر۔؟"

"ہاں۔ جب تم نئی دنیا دیکھنے کے لئے یہاں سے قدم نکالو گے تو میں درخواست کروں گا کہ اس دنیا کو تم پہلی بار میرے ساتھ دیکھو۔" پروفیسر نے کہا۔

"تمہاری دعوت کا شکریہ۔ لیکن کیا تم میری کہانی نہیں سنو گے۔؟"

"ضرور سنوں گا۔ تمہاری داستان میں یہ وقفے تو مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔ بہرحال۔ ٹھیک ہے۔ ہم آرام کر لیں۔ اس کے بعد پھر سے تمہاری داستان سنیں گے۔" پروفیسر خاور نے کہا اور پھر وہ لڑکیوں کے ساتھ اٹھ گیا۔

اپنے مخصوص کمرے میں بستر پر لیٹتے ہی پروفیسر خاور تو آرام سے سو گیا۔ البتہ لڑکیاں جاگ رہی تھیں۔ انہیں حسب معمول نیند نہیں آ رہی تھی۔

"ڈیڈی کا سکون دیکھ رہی ہو فروزاں۔" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں باجی۔ ڈیڈی تو اتنے ہی پرسکون ہیں، جیسے اپنے گھر میں آرام کر رہے ہوں۔ انہوں نے ایک بار بھی یہاں سے نکل چلنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا ہے۔" فروزاں بولی۔

"اس کم بخت کی کہانی اتنی دلچسپ ہے کہ اسے درمیان سے ادھورا چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ ویسے میں نے ایک بات محسوس کی ہے فروزاں۔"

"کیا باجی......؟"

"وہ اپنے حسن پر بہت نازاں ہے۔ اسے اپنی مردانگی پر بے پناہ غرور ہے۔ مانا کہ یہ دونوں چیزیں اس میں بے پناہ ہیں لیکن اس کا یہ غرور اس کی اپنی نگاہ میں ہے وہ عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں سمجھتا۔ مجھے بتاؤ۔ آج تک ایک بھی عورت اسے ایسی ملی جو اس کے حسن کی دیوانی نہ ہو گئی تھی۔ ہر لڑکی اس پر فریفتہ تھی، ہر لڑکی اس کی آغوش میں جانے کو بے چین تھی۔ احمق کہیں کا۔ تم بتاؤ فروزاں، کیا تمہارے دل میں اسے دیکھ کر ایسی کوئی خواہش پیدا ہوئی۔"

فروزاں سن رہ گئی۔ فرزانہ نے بیساختگی میں اس سے کیسا نازک سوال کر ڈالا تھا۔ وہ اس سوال کا کیا جواب دیتی۔ فروزاں کو بھی فوراً اپنے سوال کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ اس کے چہرے پر بھی شرم کے آثار پھیل گئے۔ پھر اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "معاف کرنا فروزاں میں غصے میں ایک بے تکا سوال کر بیٹھی۔ بہرحال میں اپنی کیفیت سے تمہیں آگاہ کرتی ہوں، بحیثیت ایک نوجوان، وہ بے حد دلکش اور خوبصورت ہے۔ اس کا رویہ ہم لوگوں کے ساتھ پرخلوص اور دوستانہ ہے جس کی میں قدر کرتی ہوں کیونکہ اس ویران ماحول میں ہم اس کے رحم و کرم پر ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ جو سلوک بھی چاہے کر سکتا ہے لیکن ابھی تک اس کے کردار کی کوئی کمزوری ہماری نگاہوں میں نہیں آئی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی ذہن کو متاثر کرتی ہے۔ جہاں تک اس کی داستان کی دلکشی کا سوال ہے۔ اس سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔ اس کا انداز بیان بہت خوبصورت ہے اور اس کی آواز اور انداز نہیں جہانوں کی سیر کرا دیتا ہے جہاں کی وہ داستان سنا رہا ہوتا ہے۔ وہ ایک پراسرار شخص ہے اور چونکہ اپنی داستانوں کا وہ خود ہیرو ہے اس لئے اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ خوبصورت شخص، جو ہمارے سامنے بیٹھا ہے۔ کیسا انوکھا ہے......ان تمام چیزوں نے مل کر اس کے لئے دل میں پسندیدگی کے جذبات ضرور پیدا کر دیئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی دل کے گوشوں میں اس کے لئے اور کوئی جذبہ نہیں، اور نہ ہی اب تک کے دور کی لڑکیوں کی طرح مجھے اس سے دلچسپی ہوئی ہے۔ یہ تو ہے میری کیفیت جس میں، میں نے ذرا بھی بددیانتی سے کام نہیں لیا۔ اور سب کچھ تمہیں صحیح بتا دیا ہے۔ لیکن اب میں تمہاری کیفیات جاننے کے لئے بے چین ہوں۔"

فروزاں مسکرا رہی تھی۔ پھر اس نے فرزانہ کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے سر کی قسم باجی۔ میرے اور تمہارے خیالات میں سرمو فرق نہیں ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔ تو نے آج تک میری جھوٹی قسم نہیں کھائی۔" فرزانہ اسے لپٹاتے ہوئے بولی۔ اور دونوں بہنیں کافی دیر تک اس کے بارے میں کھسر پھسر کرتی رہیں۔ طے یہ ہوا کہ دونوں میں سے کوئی بھی ابھی تک اس پر عاشق نہیں ہوئی ہے۔!

☆☆☆

"دوسری صبح پروفیسر۔" اس نے اپنی داستان دوبارہ شروع کر دی۔ "دوسری صبح پچھلی حسین داستان کی صبح سے مختلف نہیں تھی۔ لڑکی غائب تھی۔ لیکن ابھی تک بوڑھا آشوشا مجھے جگانے نہیں آیا تھا۔ میں اٹھا۔ میرے دل میں غسل کرنے کی خواہش تھی، چنانچہ میں غار کے اس دہانے کی طرف بڑھ گیا جس کے دوسری سمت آبشار تھا۔ یہ حسین دہانہ عام انسانوں کے لئے بے حد خوفناک تھا۔ کیونکہ اس کے دوسری سمت قدم جمانے کی کوئی جگہ نہیں تھی، بس بلندی سے گرتا ہوا آبشار تھا جس کا پانی سینکڑوں فٹ کی گہرائیوں میں جاتا تھا۔ میرے دل میں ایک انوکھی خواہش بیدار ہوتی۔ کیوں نہ میں اس آبشار کے پانی کے ساتھ بہتا ہوا نیچے تک چلا جاؤں۔ میں کوئی بھی خواہش کر لیتا۔ اس میں غور و خوض کی کیا ضرورت تھی۔ میں دہانے پر چڑھ گیا دلچسپ بات یہ تھی کہ اس وقت آشوشا اس غار میں داخل ہو گیا۔

مجھے اس خوفناک جگہ کھڑا دیکھ کر وہ خوف سے چیخا۔ "دوسری طرف اترنے کی کوشش مت کرنا بوتیکا۔ ادھر کچھ نہیں ہے۔!"

میں نے مسکراتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اور آبشار پر چھلانگ لگا دی۔ بوڑھے کی چیخ مجھے دور تک سنائی دی تھی۔ آبشار کی ایک مضبوط دھار نے مجھے خود سنبھال لیا۔ اور میں جسم میں ایک انوکھی گدگداہٹ محسوس کرتا بلندیوں سے نیچے جانے لگا! یقیناً بوڑھے آشوشا نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہو گا اس نے سوچا ہو گا کہ بوتیکا کی کہانی ختم ہو گئی۔ آگ سے نکلنے والا پانی میں گم ہو گیا۔ لیکن میں پورے اطمینان سے نیچے جا رہا تھا۔ آبشار کی دھار نے مجھے نیچے پہنچا دیا۔ ایک لمحے تک میں گنگناتی ندی کی تہہ میں غوطے لگاتا رہا۔ پھر کم گہرائی کی طرف چل پڑا۔ اور اس وقت میں نہانے سے تقریباً فارغ ہو چکا تھا۔ جب بوڑھا آشوشا، اپنی پتلی پتلی ٹانگوں کے ساتھ دوڑتا ہوا، اپنے آدمیوں کو ہدایت دیتا ہوا نظر آیا..... وہ شاید میری لاش تلاش کرنے آیا تھا۔

ندی سے تھوڑی دور اس نے مجھے دیکھ لیا۔ اور اس کے قدم پتھر کے ہو گئے۔ وہ پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بدحواسی میں دوڑنا شروع کر دیا اور ندی کے کنارے آ کر رک گیا۔

میں مسکراتا ہوا کنارے کی طرف چل پڑا۔ اور ندی سے نکل آیا۔ آشوشا کے ساتھی میری زندگی کی تاب نہ لا سکے اور اوندھے گر گئے۔ آشوشا اب بھی منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"شاید تجھے میری حقیقت کا یقین نہیں آیا آشوشا۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں۔ اگر کوئی شک بھی تھا تو اب دل سے نکل چکا ہے۔ میں بھول گیا تھا کہ تو دیوتا ہے۔" آشوشا نے کہا۔ اور پھر میں نے اس سے کہا کہ اپنے آدمیوں کو واپس جانے کا حکم دے۔ میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر ہم دونوں جدا ہو گئے۔ آشوشا اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا اور میں بستی کی طرف۔!

اس پورے ہفتے میں پروفیسر..... میں نے ہوا سے کنٹرول ہونے والی پہلی پن چکی تیار کر لی۔ میں نے وہ پن چکی سمندر کے پانی میں نصب کر دی اور پھر میں نے لکڑی کے لمبے لمبے لٹھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نصب کر دیئے۔ اس میں لوہے کے پھول آویزاں کئے اور پن چکی سے حاصل ہونے والی توانائی نے ساحل روشن کر دیا۔ اس عظیم کارنامے نے بستی والوں کو انگشت بدنداں کر دیا تھا۔ خود آشوشا اپنی عظیم اور قابل فخر

ایجاد کی مٹی پلید ہوتے دیکھنے آیا سب نے اس کی ایجاد کو بالکل معمولی قرار دے دیا تھا۔ اس نے میری عظمت کا اعتراف کیا تھا۔ اور بستی والوں کے سامنے مجھے خود سے بہت بڑا جادوگر مان لیا تھا۔!

کمالی بستی میں وقت گزرتا رہا پروفیسر...... میں اپنی سمجھ کے مطابق جو نہیں دے سکتا تھا دے چکا تھا۔ بستی روشن تھی۔ اب اس کے جھونپڑے مکانات میں بدلنے لگے تھے۔ لوگوں کو کچی مٹی کا استعمال آ گیا تھا وہ اسے آگ میں پکا کر مضبوط کر لیتے تھے اور ان سے اپنے مکانات بناتے تھے۔ بوڑھے آشوشا نے تقریباً تمام علوم مجھے سکھا دیئے تھے اور اس دوران میں سمیلا اور ستالتی کے علاوہ رکیتی، لومہ، فولہ، ار پانزہ اور دوسری بہت سی کنواریوں سے روشناس ہو چکا تھا۔ ہر لڑکی دل میں محبت کا چراغ جلائے میرے پاس آتی اور پھر نہ جانے کیسے جذبات لئے واپس چلی جاتی۔ دوسری بار کسی لڑکی سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ان لڑکیوں میں مجھے سب سے زیادہ جس لڑکی نے متاثر کیا وہ سمیلا ہی تھی۔ بلاشبہ وہ لڑکی جسمانی جاذبیت کا اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ دوسری طرف آشوشا جوانی حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔

پھر ایک رات اس نے اس کا اظہار کر ہی دیا۔ ''بوتیکا...... تو نے پوری بستی کی قسمت بدل دی۔ تو نے بستی والوں کو وہ سب کچھ دے دیا جن کی انہیں ضرورت تھی۔ اب وہ زمین سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ لباس حاصل کرتے ہیں۔ سمندر نے مچھلیوں کے خزانے ان پر اگل دیئے ہیں۔ اب تیز بارشیں ان کے جھونپڑے نہیں گرا سکتیں۔ اب بھوک سے بستی کی آبادی کم نہیں ہوگی پوری بستی کو تو نے سب کچھ دے دیا بوتیکا۔ اب مجھے جوانی دیدے۔ مجھے وہ جوہر دے دے جو مجھے بھی زندہ رہنے کی خوشی بخش سکے۔ اب تو ان پہاڑوں کو اس وقت تک کے لئے اپنا مسکن بنا لے جب تک میں تیرے جیسا نہ ہو جاؤں۔!''

میں نے بوڑھے کی بات غور سے سنی اور پہلی بار میں نے سنجیدگی سے اس کے بارے میں غور کیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ جوہر، جو میرے جسم میں موجود ہے۔ بوڑھے کے پاس نہیں ہے۔ نہ میں یہ جوہر اپنی کوشش، اپنی کاوش سے حاصل کیا ہے۔ پھر میں بوڑھے کو کیا دوں۔ کیا صرف جسمانی اذیتوں سے گزر کر وہ یہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

''میں تجھے بتا چکا ہوں آشوشا۔ کہ میری جسمانی کیفیت کسی تجربے کی عملی شکل نہیں ہے۔ بس میری یہ خاصیت ابتدا سے ہے۔''

''تو نے مجھے بتا دیا تھا بوتیکا کہ جب تو خود میں انحطاط محسوس کرتا ہے تو آگ کا غسل کر لیتا ہے اور تو پھر سے جوان ہو جاتا ہے۔ میں بھی طویل العمر ہوں مجھے یقین ہے کہ جو جوہر میں استعمال کرتا ہوں وہ مجھے صدیوں زندہ رکھے گا۔ میں بھی تیری طرح تجربات کرنا چاہتا ہوں۔ بس تو مجھے وہ طریقہ بتا جن کے ذریعے میں یہ تجربات کر سکوں۔''

''میں تجھے مایوس نہیں کروں گا آشوشا۔ تو آج سے اپنے کام کی ابتداء کر دے۔ میں تجھے سمندر میں لے جاؤں گا۔ تو سمندر کی گہرائیوں میں اتر جا، دیکھنا یہ ہے۔ کہ سمندر تجھے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ اور بوڑھے آشوشا نے میری بات قبول کر لی۔ اس نے اپنی زندگی بڑھانے کا عمل دہرایا۔ اور خوب مضبوط ہو گیا۔ تب وہ میری نگرانی میں سمندر کی گہرائیوں میں اترا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ وہ برہنہ جسم سمندر کی گہرائیاں ناپ رہا تھا۔ بوڑھا حیرت انگیز انسان تھا۔ سمندر کی سب سے نچلی تہہ میں پہنچ کر ہم رکے۔

''کیا سمندر کی گہرائی تیرے جسم کو تکلیف پہنچا رہی ہے آشوشا۔؟''

''نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' آشوشا نے سکون سے جواب یا۔''تو پروفیسر..... حیرت انگیز بوڑھا پورے تین روز میرے ساتھ سمندر کی گہرائیوں میں رہا اور اس کی صحت اور ہیئت میں کوئی فرق نہ پیدا ہوا، تب میں نے محسوس کیا کہ وہ بھی غیر معمولی جسمانی تو تیں رکھتا ہے ممکن ہے وہ میرا جیسا انسان ہو۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے بہت کچھ دے دینے کے جواب میں، میں بھی اسے کچھ دے سکتا ہوں تیسرے دن ہم سمندر سے برآمد ہوئے۔ بلاشبہ بوڑھے کے چہرے پر رونق آگئی تھی۔ میں نے خوش ہو کر اسے مبارکباد دی۔'' میں بہت پرامید ہوں معزز دوست۔ مجھے خوشی ہے کہ تو پہلے امتحان میں کامیاب رہا ہے۔ بلاشبہ تیرے جسم میں تکلیف جذب کرنے کی بے پناہ قوت ہے۔ میں نے ان تین دنوں میں تیرے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں پائی۔ کیا خود میں کوئی خاص بات محسوس کر رہا ہے۔؟''

''آہ۔ میرے عظیم ساتھی، میرے مقدس دیوتا۔ میں اپنے جسم میں ایک خاص توانائی محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں پہلے سے زیادہ ہی طاقت ور ہو گیا ہوں۔''

''تو سن۔ یہ علامت ہے کہ تیری طویل زندگی جوانی حاصل کر لے گی۔ تیرے جسم پر بڑھاپا، جسم طویل العمری کی ضروریات پوری نہ ہونے کی وجہ سے ہے لیکن اب ہمیں برف کی تلاش ہے۔ میں تیرے جسم پر سردی کے اثرات دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اس کے لئے ہمیں سفر کرنا ہوگا! طویل سفر۔ تاکہ برف کے سمندر کے نزدیک پہنچ جائیں۔ کیا تو میرا ساتھ دے گا بو تیکا۔؟''

''کیوں نہیں۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اگر تو دائمی زندگی کے ساتھ اپنی پسند کی جوانی بھی حاصل کر لے۔ تو مجھے اس بات کی خوشی ہوگی کہ زندگی کے طویل راستوں پر مجھے ایک ساتھی مل گیا۔ میں تنہا نہیں ہوں۔ اور پھر ہم دونوں مل کر صدیوں کا سفر کریں گے۔

''تب پھر بستی چھوڑنے کے لئے تیار ہو جا۔'' آشوشا نے کہا اور ہم دونوں تیار ہو گئے۔ پھر ایک صبح ہم نے خاموشی سے بستی چھوڑ دی۔ میں تو سیلانی تھا۔ مجھے کسی بات سے عار نہ تھی۔ بستی کے لوگ سب خوشحال ہو گئے تھے بہترین زندگی گزارنا سیکھ گئے تھے۔ اب نہ مجھے ان کی فکر تھی اور نہ آشوشا کی۔ چنانچہ ہمارا سفر شروع ہو گیا..... نئے جہانوں کی طرف..... اور ہم چلتے رہے۔ ایک طویل مسافت طے کرتے رہے۔ وقت گزرتا رہا..... ہم اسے چھوڑتے آگے بڑھتے رہے۔ دبلا پتلا جھریوں والے جسم کا آشوشا بے حد مضبوط انسان ثابت ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دائمی زندگی کے ساتھ دائمی جوانی بھی حاصل کرے گا راستے میں ہمیں بے شمار چھوٹے بڑے حادثے پیش آئے لیکن ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ زمین کی سطح سفید ہو گئی۔ سرد ہوائیں برفانی علاقے کا پتہ دینے لگیں اور پھر ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں برف ہی برف تھی۔!

یہ ہماری مطلوبہ جگہ تھی۔ بوڑھے آشوشا کے ننگے بدن پر سرد ہواؤں کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ بھی موسم کی کیفیتوں سے بے نیاز تھا۔ تب ہم نے ایک مناسب مقام پر رہنے کے لئے ایک جگہ بنائی اور پھر ایک صبح میں نے آشوشا کے لئے برف کی قبر تیار کر لی۔ بوڑھا آشوشا جوانی حاصل کرنے کی خوشی میں ہر اذیت سے گزرنے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ اس کی مرضی سے میں نے اسے برف کی قبر میں دفن کر دیا اور پھر اس پر ایک نشان نصب کرنے کے بعد گہری سانس لئے۔ اس کے بعد میں نے برف کے اس ویرانے کی سیر کا پروگرام بنایا۔ اور وہاں سے چل پڑا۔ عجیب علاقہ تھا۔ تاحد

لگا و برف پھیلی ہوئی تھی۔ خوفناک ڈھلان بکھرے ہوئے تھے۔ طویل عرصہ تک میں برف پر مارا مارا پھرتا رہا۔ خوراک ختم ہو رہی تھی۔ مجھے شکار کی تلاش تھی۔ تب میں نے اس وسیع وعریض میدان کے سرے پر خوفناک ڈھلان دیکھے۔ ان ڈھلانوں کے دوسری طرف نہ جانے کیا تھا۔ میں مہم جو انسان۔ میں ان ڈھلانوں کو کیسے فراموش کر سکتا تھا۔ میں ان ڈھلانوں کو طے کرنے لگا۔ بڑے انوکھے ڈھلان تھے پروفیسر.....کئی بار میں برف میں دفن ہوا اور اس کی گہرائیاں کھود کر نکلا۔ بالآخر ایک طویل عرصہ میں، میں نے ڈھلان طے کر لئے اور ایک چھوٹی سی وادی میں پہنچ گیا۔ درختوں سے ڈھکی ہوئی یہ پرسکون وادی مجھے بے حد پسند آئی۔ یہاں پہاڑ تھے جن میں عظیم الشان غار بنے ہوئے تھے۔ ایسے ایسے غار جنہیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی تھی۔ اس ویران وادی کے چاروں طرف دور دور تک انسان کا نشان نہیں تھا۔

تب پروفیسر میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ آئندہ جب میں طویل نیند سوؤں گا تو اس کے لئے یہی وادی اچھی رہے گی۔ میں ان غاروں کو آرام گاہ بناؤں گا۔ یقیناً یہ غار پرسکون اور آرام دہ ثابت ہوں گے۔'' وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا لیکن بوڑھے پروفیسر خاور کے چہرے پر عجیب سی بے چینی کے نقوش ابھر آئے تھے۔ اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اپنی بیٹیوں کی طرف دیکھا۔ ذہین لڑکیاں بھی شاید اس کے انداز میں سوچ رہی تھیں۔ اس نے شاید ان لوگوں کی بے چینی محسوس کر لی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں جانتا ہوں آپ کیا سوچ رہے ہیں پروفیسر۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو۔ تو کیا ہمارا خیال درست ہے۔؟'' پروفیسر نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں پروفیسر۔ یہ وہی وادی ہے۔ یہ وہی ڈھلان ہے جہاں سے گزر کر تم آئے تھے اور میں برف کے اسی ویرانے کی بات کر رہا ہوں جہاں تمہارا جہاز تباہ ہوا تھا۔'' اس نے کہا۔ لڑکیوں کے چہروں پر حیرت نظر آ رہی تھی۔ تب پروفیسر نے کہا۔

''کیا تم اس کی جغرافیائی پوزیشن بتا سکتے ہو۔ میرا مطلب ہے حالانکہ تم نے یہاں تک آنے کے لئے ایک طویل سفر کیا ہے۔''

''اس کے لئے بے چین نہ ہو پروفیسر۔ میں تمہیں اس علاقے کی پوری تفصیل بتا دوں گا۔ یہاں میں نے کئی طویل نیندیں لی ہیں۔ یہ خالی غار تھے یہاں جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ باہر کے علاقوں سے لا کر جمع کیا گیا ہے۔ اس بات سے اندازہ کرو کہ میں ان علاقوں سے کس حد تک واقف ہوں۔''

''یقیناً۔ یقیناً۔ اوہ۔ کیسی انوکھی اطلاع ہے یہ۔ لیکن اس سے بھی دلچسپ بوڑھے ابوالہوس کی کہانی ہے۔ بوڑھے کی کیا کہانی ہے اسے پورا کرو۔ اس کا کیا حشر ہوا۔ کیا اس غار میں تمہارے سوا کوئی اور بھی جاندار موجود ہے یا پھر وہ کسی اور جگہ اپنی طویل نیند پوری کر رہا ہے...... یا......؟''

پروفیسر خاموش ہو گیا۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

''ان غاروں میں خاصا وقت گزارنے کے بعد میں نے ان کا مکمل جائزہ لیا اور پھر بوڑھے کی خبر لینے چل پڑا۔ ڈھلانوں کی خوفناک چڑھائی میرے راستے روکتی رہی لیکن یہ اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں اوپر پہنچ گیا۔ بوڑھے کی قبر پر نصب شدہ نشان برف کی تہوں میں ڈھک گیا تھا اور اگر میں کچھ اور وقت گزار لیتا تو شاید بوڑھے کو دوبارہ نہ تلاش کر پاتا۔

بہرحال میں نے قبر کھودنا شروع کر دی۔ برف کی موٹی تہہ کو کھودنے میں بھی کافی وقت لگا۔ تب مجھے بوڑھے کا جسم نظر آ گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ میں نے اسے نکال لیا تو پروفیسر، میں نے محسوس کیا کہ اس کے جسم نے کچھ اور توانائی حاصل کر لی ہے۔ میں نے اس کے جسم کی حرارت کا اندازہ کیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔" بڑی خوشگوار نیند تھی بوتیکا۔ آہ۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں دوبارہ پیدا ہوا ہوں۔ کیا تم میری جسمانی حیثیت میں کچھ تبدیلی محسوس کر رہے ہو۔؟"

"ہاں۔ تم پہلے سے توانا محسوس ہو رہے ہو۔ تمہارا جسم توانائی جذب کر رہا ہے۔"

تب بوڑھا خوشی سے مجھ سے لپٹ گیا۔ اس کی سرخ آنکھوں میں بے پناہ خوشیاں کروٹیں بدل رہی تھیں۔ اور پروفیسر...... اس کے سفید بال سیاہ ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی پتلی پتلی ٹانگوں پر گوشت کی تہیں چڑھ رہی تھیں۔

بوڑھے اس کی کیفیت سے میں بھی خوش تھا۔ میں اس کے احسانات کا صلہ دینے کے لئے تیار تھا۔ بس اب آخری تجربہ باقی تھا اور ممکن ہے جب وہ آخری تجربے سے گزرے تو اس کی جگہ...... ایک قوی ہیکل جوان کھڑا ہو جس کا رنگ سونے کی طرح چمکدار ہو اور جس کے جسم کی توانائی بے پناہ ہو۔

"ہم آخری تجربہ اپنی زمین پر چل کر کریں گے۔" آشوشا نے کہا اور میں تیار ہو گیا چنانچہ ہم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ آشوشا کی چال اب جوانوں کی سی تھی۔ راستے میں اس نے کئی بار مجھ سے اس کا اظہار کیا۔

"میرے جسم کی قوت بے پناہ بڑھ گئی ہے بوتیکا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں دائمی جوانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر عظیم بوتیکا۔ میرے مقدس دوست، میرے محسن، ہم دونوں مل کر صدیوں کا سفر کریں گے۔"

"تمہیں اپنا ہمسفر پا کر مجھے بے پناہ خوشی ہو گی مدبر۔ بلاشبہ ہم دونوں مل کر دنیا کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھیں گے اور اپنی ان پیشگوئیوں کو آزمائیں گے جو ہم نے اس کے بارے میں کی ہیں۔" میں نے جواب دیا اور آشوشا جوانی کے خواب آنکھوں میں بسائے میرے ساتھ بستی واپس آ گیا۔ اس کے خادم اس کے منتظر تھے۔ آشوشا کو قرار نہیں تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایک ویران غار میں لکڑیوں کا ڈھیر جمع کرانا شروع کر دیا اور پھر مخصوص دواؤں کے ذریعے اس ڈھیر کو آگ لگا دی گئی۔ پورے ایک ہفتے تک یہ آگ سلگتی رہی۔ پہاڑ گرم ہو گئے، چٹانیں چٹخنے لگیں اور جب ایک خوفناک آتش کدہ تیار ہو گیا تو ہم کسی اور کو ساتھ لئے بغیر آتش کدے کے نزدیک پہنچ گئے۔

دور دور تک زمین تپ کر سرخ ہو گئی تھی۔ خوفناک آگ کی تپش نے میلوں دور کے علاقے کو جہنم زار بنا دیا تھا۔ اس جہنم زار پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے آشوشا نے کہا۔" اس کی حرارت کس قدر لطیف ہے بوتیکا۔ میں دور سے آگ کے غار کو دیکھ رہا ہوں لیکن یہ میرے دل میں خوف کیوں پیدا ہو رہا ہے۔؟"

"کیا تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں...... صرف اس قدر...... کہ میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا ہے کہ آگ شاید سمندر اور برف کی طرح مہربان نہ ہو لیکن میرے ان الفاظ سے تم یہ نہ سمجھنا کہ میں جوانی حاصل کرنے کے خیال کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔" ہم آتش کدے کی طرف بڑھتے گئے۔ آشوشا اب بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ پتھروں کی تپش سے زمین پگھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ تب میں نے آشوشا سے کہا۔ "میں آگ کے سمندر میں داخل ہو کر واپس آتا ہوں آشوشا۔ تاکہ تو دیکھ لے کہ آگ زندگی کو کس طرح جلا بخشتی ہے۔"

"میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا بوہیکا۔ میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔" آشوشا نے نہ جانے کس جذبے کے تحت میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"انتظار کر آشوشا۔ میں خود کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ میں تازہ دم ہو جاؤں۔ اس کے بعد میں تجھے لے جاؤں گا۔" میں نے کہا کہ آشوشا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا اور میں اس سے ہاتھ چھڑا کر آگ کے جہنم زار میں داخل ہو گیا۔ میرے جسم کے مسامات آگ جذب کرنے لگے۔ ایک لطیف حرارت میرے رگ و پے میں سرایت کرنے لگی۔ میرا ذہن جاگ اٹھا۔ تمام گرد چھٹ گئی اور میں تازہ دم ہو گیا۔ میری رنگت نکھر گئی۔ جسم کی طاقت اور چمک بڑھ گئی اور میں اس آتش کدے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سیر کرنے لگا پھر جب میں باہر آیا تو آشوشا کی بری حالت تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا لیکن مجھے دیکھ کر وہ سکتے میں رہ گیا۔

"آہ۔ تو کیا بن گیا ہے بوہیکا۔ تو کس قدر حسین نظر آ رہا ہے۔ آگ نے تجھے اپنا پرتو بخش دیا ہے۔ کتنی مہربان ہے یہ آگ۔ بس اب مجھے اس سے دور نہ رہنے دے۔ بس اب میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا بوہیکا۔" بوڑھے پاگل نے ایک دم آتش کدے میں چھلانگ لگا دی۔ وہ موٹے موٹے شعلوں میں گھس گیا اور میرے کانوں نے اس کی چیخیں سنیں۔ دل دہلا دینے والی چیخیں اور میں بدحواس ہو گیا۔ میں نے آگ کے غار میں چھلانگ لگا دی۔ میری آنکھیں روشن آگ میں دیکھ رہی تھیں۔ تب میں نے ایک سیاہ کوئلے کو اچھلتے دیکھا۔ وہ انسانی جسم کی ہیئت رکھتا تھا۔ وہ آگ کی سرخ زمین پر بار بار اچھل رہا تھا اور نیچے گر رہا تھا۔ اب اس کی چیخیں بند ہو گئی تھیں۔ میرے پہنچنے تک وہ دو تین بار اچھلا۔ پھر وہ بھی آگ کی طرح سرخ ہو گیا۔ جلنے کے بعد اس نے آگ جذب کر لی تھی۔ ہاں یہ آشوشا ہی تھا۔ جوانی کا طلبگار اور بوڑھا عابد۔ آگ نے اسے خود پر برتری حاصل نہیں کرنے دی تھی۔ وہ اس پر چھا گئی تھی۔ میں نے اس روشن کوئلے کو اٹھا لیا اور وہ ٹوٹ کر میرے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ ننھی ننھی چنگاریوں میں بدل گیا۔ اب آشوشا کا کوئی وجود نہیں تھا۔

اس کی موت میرے لئے سانحۂ عظیم تھی۔ میں نے اس کے لئے خلوص دل سے سوچا تھا۔ میں نے اسے صدیوں کے لئے منتخب کیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اب میں تنہا صدیوں کا سفر نہیں کروں گا۔ میرا ایک ساتھی ہوگا۔ میرا ایک دوست ہوگا جو میرا ہم پلہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ میرا استاد تھا۔ اس نے بہت سے علوم مجھے سکھائے تھے اور اس دنیا میں میرے لئے بے شمار دلچسپیاں فراہم کر دی تھیں لیکن خود وہ ان خوشیوں میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ وہ جوانی حاصل کرنے کی آرزو میں فنا ہو گیا تھا۔ اگر وہ بڑھاپے پر ہی قناعت کرتا پروفیسر تو شاید ایک طویل زندگی حاصل کر لیتا...... لیکن یہ صدیوں کی کہانی ہے۔ انسان کی ہوس آج کی بات نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ ہی سے کچھ چاہتا رہا ہے جو ملتا ہے اس پر بس نہیں کرتا۔ اسے تمام تعیشات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم لفظ قناعت کو ایک اخلاقی حیثیت دیتے ہیں لیکن اگر خود کا تجزیہ کریں پروفیسر...... تو زندگی کی آخری سانس کو بھی قرار نہیں ہے۔ انسان ہمیشہ اس سے مطمئن نہیں ہوتا۔ جو وہ ہوتا ہے وہ سارے جہان کو خود میں سمیٹ لینے کا آرزومند ہوتا ہے۔ میں انسان کی اس طلب کا کوئی تجزیہ نہیں کر سکا البتہ اس کے بارے میں سوچا ضرور ہے۔ کاش بوڑھا آشوشا، جو تھا وہی رہنا چاہتا۔ سمندر نے اس سے تعاون کیا تھا کیونکہ نرم مزاج اور مہربان ہے۔ برف کی شدت کو بھی اس کے منحنی جسم نے برداشت کر لیا تھا اور برف نے اپنی توانائی اسے بخش دی تھی لیکن آگ...... وہ فطرتاً تیز ہے...... وہ کسی سے مسخر نہیں ہوتی۔ طاقت سے اسے دبا دو لیکن جب ابھرے گی بھرپور ہوگی۔ میری بات اور تھی۔ میں نے کسی چیز کی طلب نہیں کی تھی۔ میں تو وقت کی پیداوار تھا۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ مجھے کس نے جنم دیا۔ کون میرا باپ تھا۔ کون میری ماں تھی۔ یقین کرو پروفیسر...... میں نے صدیاں گزاری ہیں۔ تحقیق و تجسس سے، میں نے ادوار کا گہرا تجزیہ کیا ہے۔ میں نے فطرت کا گہرا مطالعہ کیا ہے لیکن میں کتنا بے حقیقت انسان ہوں کہ خود اپنے بارے میں آج تک کچھ نہیں جان سکا۔ مجھے نہیں معلوم پروفیسر کہ میں کیا ہوں۔ میں خود اپنی کھوج میں ہوں اور جس دن مجھے معلوم ہو گیا کہ میں کیا ہوں۔ وہ دن شاید میرا آخری دن ہو۔ میں بھی اس دنیا سے بود و باش اٹھا لوں اور شاید ان نئے جہانوں میں چلا جاؤں جہاں کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔

وہ خاموش ہو گیا۔ پروفیسر اور اس کی دونوں لڑکیاں حسب معمول اس کی باتوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہوں میں غار میں سلگتا ہوا خوفناک الاؤ تھا۔ جس میں آشوشا کے جلے ہوئے جسم کی چنگاریاں راکھ بن چکی تھیں۔ وہ اس کے بارے میں بھی غور کر رہے تھے۔ انسانی پیکر میں، وہ کیا ہے۔ اس کی ظاہری شکل و صورت، اس کی خواہشات، اس کی فطرت بالکل انسانوں کی طرح ہے لیکن بذات خود وہ کیا ہے؟ اور جب اس کی خاموشی طویل ہو گئی تو فروزاں سے رہا نہ گیا اور وہ بول پڑی۔

''اس کے بعد کیا ہوا۔؟''

اور وہ چونک پڑا۔ اس نے اسی اجنبی انداز میں ان تینوں کو دیکھا۔ جو کبھی کبھی اس پر طاری ہو جاتا تھا۔ جیسے وہ ماحول سے بے خبر ہو گیا ہو۔ اسے کچھ یاد نہ رہا ہو کہ وہ کہاں ہے، کیا کر رہا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں کی رونق لوٹ آئی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے یقین ہے..... میرے اس سوال کا جواب کبھی نہیں ملے گا۔ کس کے پاس یہ جواب ہے۔ روحانیت کا دور گزر چکا پروفیسر۔ مذاہب کی تشکیل کا دور گزر چکا ورنہ میں کسی مذہبی رہنما سے پوچھتا کہ میں کیا ہوں۔ ممکن ہے تو میں تخلیق کرنے والے مجھے میرے سوال کا جواب دے دیتے۔ میں نے بڑی غلطی کی لیکن اب تو افسوس کا وقت گزر چکا ہے۔ ادوار گزرتے رہیں گے۔ میں ان کی کہانیاں سنتا رہوں گا۔ نئی کہانیاں تخلیق ہوں گی اور میں ان میں شامل ہوں گا لیکن میں خود بھی اپنی کہانی کبھی نہ جان سکوں گا۔" اس نے گردن جھٹکی اور پھر اس کی مسکراہٹ جاندار ہو گئی۔ "اونہہ۔ میں پھر الجھ گیا۔ ظاہر ہے میری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہو گی تو پھر میں اس میں کیوں الجھوں۔ تو تم اس کے بعد کی کہانی سنو۔"

میں آشوشا کی راکھ سمیٹ نہ سکا۔ تمہیں میری پوری زندگی کا علم ہو چکا ہے۔ تم نے میرے بارے میں بخوبی جان لیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ادوار میرے سامنے بنے بگڑے۔ سلطنتیں تباہ ہوئیں۔ انسان برباد ہوئے، لاکھوں ملے، لاکھوں بچھڑ گئے لیکن آشوشا کی یہ جدائی مجھے بہت شاق گزری تھی۔ میں اس کی راکھ کو یونہی چھوڑ کر آگ کے غار سے نکل آیا۔ اداس سا، بددل سا۔ میں نے سوچا۔ آشوشا کی طلب ہی غلط تھی۔ جڑی بوٹیوں سے اسے طویل زندگی دے دی تھی لیکن وہ مٹی کا انسان تھا اور مٹی کی حدود مقرر ہیں۔ حدود سے پرواز کسی طور ممکن نہیں ہے چنانچہ میں آشوشا کے غار کی طرف چل پڑا۔ پورا غار جوں کا توں تھا۔ آشوشا کے عجائبات زندہ تھے لیکن آشوشا ختم ہو چکا تھا۔ بستی والوں کو اس کے بارے میں کیسے بتاؤں؟ انہیں بتا کر ملے گا بھی کیا۔ اور اب وہ آشوشا کے محتاج نہیں تھے۔ اب انہیں بوہیکا کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ترقی کے دور میں داخل ہو گئے تھے۔ انہیں زندگی گزارنا آ گئی تھی۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ پھر میں کیوں ان پر مسلط رہوں۔ سچ سچ پروفیسر..... تو آشوشا کی موت نے میرے ذہن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ اس سے پہلے میں اتنا بددل کبھی نہیں ہوا تھا۔ کمالی والے آج بھی بوہیکا کی اتنی ہی عزت کرتے تھے۔ وہ آج بھی اس پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کو تیار تھے کیونکہ وہ احسان فراموش نہ تھے۔ بستی کی کنواریاں آج بھی بوہیکا کے آتشیں بدن کی حرارت اپنے کنوارے جسموں میں جذب کرنے کو تیار تھیں لیکن اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ایک انوکھی سی بیزاری میرے ذہن پر طاری ہو گئی تھی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ کسی نئی جگہ، کسی نئے جہان میں۔!

کئی دن تک میں ان غاروں میں پڑا سوتا رہا۔ آشوشا کی محنت کو میں اس طرح ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے میرے ذہن کو نئے نئے راستے دیئے تھے۔ میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ تب..... تب میں نے اس جگہ کو یاد کیا جہاں میں آشوشا کو برف میں دفنانے کے بعد گیا تھا اور میرے ذہن نے ایک نئے خیال کو جنم دیا۔ کیوں نہ میں آشوشا کے بخشے ہوئے علوم کو جلا دوں۔ کیوں نہ میں ادوار کے بارے میں نئی نئی باتیں معلوم کروں اور پروفیسر..... یہ خیال میرے ذہن میں پختہ ہو گیا۔ میں نے آشوشا کی دولت جمع کی۔ جڑی بوٹیاں اور دوسری بہت سی چیزیں، جو میرے کام آ سکتی تھیں، میں ان غاروں میں ایک انوکھی دنیا تعمیر کرنا چاہتا تھا۔ ہاں۔ یہ ایک بہتر مشغلہ ہو گا۔ میں نے سوچا۔ اس طرح میں زندگی کی یکسانیت سے بھی نجات پا سکوں گا۔ یہی میرے لئے بہتر ہے۔ تب پروفیسر۔ میں نے دن رات کی محنت سے اپنے لئے ایک گاڑی تیار کی جو میری چیزوں کو بار کر سکے۔ اس گاڑی کے لئے میں نے بستی سے چار گھوڑے حاصل کئے اور ایک رات میں ان تمام چیزوں کو بار کر کے چل پڑا۔ میرا رخ برف کے انہیں میدانوں کی طرف تھا۔ اب یہی میرا اثاثہ تھا جس کی میں پوری پوری حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

طویل سفر بے پناہ دشواریاں رکھتا تھا۔ جاندار گھوڑے بہت کم فاصلے تک ساتھ دے سکے۔ ایک ایک کر کے چاروں مر گئے۔ تب ان کا فرض میں نے سنبھال لیا اور بالآخر میں اپنے اثاثے کو بحفاظت یہاں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں آشوشا سے زیادہ ذہین تھا پروفیسر۔ آشوشا کے غار ان غاروں کے مقابل میں صفر سے بھی کم حیثیت رکھتے تھے۔ میں نے شدید محنت سے ان غاروں کو صاف ستھرا کیا۔ اپنی اثاث یہاں سجائی اور یہ کام بہت دلچسپ معلوم ہوا۔ مجھے انسانوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ برف کے خطرناک ڈھلوانوں کے اس طرف کی دنیا میری اپنی دنیا تھی۔ میں یہاں صرف اپنے نقوش قائم کرنا چاہتا تھا اور میں دن رات تگ و دو میں مصروف ہو گیا۔ یہاں بیٹھ کر میں نے اپنی کل زندگی کی داستان قلمبند کی۔ آئندہ کے لئے لائحہ عمل بنایا اور نہ جانے کب تک میں ان کاموں میں مصروف رہا۔

غاروں کی چھت میری آبزرویٹری تھی جہاں سے میں ستاروں کی چال کا مطالعہ کرتا تھا۔ یہ ستارے میرے دوست تھے۔ یہ مجھے ماضی، حال اور مستقبل کی کہانیاں سناتے تھے۔ مستقبل میرے لئے بہت دلکش تھا لیکن میں نے اپنی معلومات ستاروں تک ہی محدود نہ رکھی۔ یہاں رہ کر میں نے سورج کا مطالعہ کیا۔ سورج...... جو کائنات کے سربستہ رازوں کا منبع ہے۔ میں نے اس کی کرنوں کو اپنایا اور یہ کرنیں بھی میری دوست بن گئیں۔ میں اپنے ان دوستوں میں مگن تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے تجربات بھی جاری تھے۔ نہ جانے کتنا عرصہ گزر گیا۔ شاید کئی صدیاں، تب میں نے اس غار کو اس شکل میں ترتیب دیا پروفیسر جو تمہارے سامنے ہے۔

آشوشا کا غم میرے سینے سے مٹ چکا تھا۔ میری زندگی میں رہبانیت آ گئی تھی۔ میرے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ میں دنیا کے تمام علوم اس غار میں جمع کر لینا چاہتا تھا۔ میں کوزے میں دریا سمیٹ لینا چاہتا تھا۔ لیکن ایک رات...... جب میں اختر شناسی کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں کھولت تھی۔ مجھے اچانک ماحول سے بیزاری کا احساس ہوا۔ میں نے اپنا تجزیہ کیا۔ میں کیا چاہتا ہوں۔ عورت......؟ لیکن میرے اعضا نے میرے اس خیال کو رد کر دیا اور بہت دیر کے بعد میں نے سمجھا۔ میں سو جانا چاہتا ہوں۔ جاگنے کا وقت مکمل ہو چکا تھا اب مجھے ایک طویل نیند کی ضرورت تھی۔ ہاں۔ اب مجھے سو جانا چاہئے۔ میں نے سوچا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ نیند عارضی ہوتی ہے۔ ایک روز مجھے پھر جاگنا ہے۔ میں جاگنے کے لئے وقت کا تعین ضرور کر لینا چاہتا تھا۔ انسانی زندگی کے جو روپ میں نے دیکھے تھے وہ یکساں تھے۔ صرف تھوڑی سی رد و بدل کے ساتھ ادوار میرے سامنے آئے تھے۔ ہر قبیلے اور افراد کے ہر گروہ میں، میں ایک منفرد حیثیت کا حامل رہا تھا۔ ہر دور میں میری پوجا کی گئی تھی۔ کوئی میرا مقابل نہیں تھا۔ میں سب سے ارفع و اعلیٰ تھا لیکن یہ میری طلب نہیں تھی۔ میں اقتدار اور پوجا کا خواہشمند نہیں تھا۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گا پروفیسر...... کہ اس وقت تک جو لوگ میرے سامنے آئے تھے وہ مجھ سے کمتر تھے۔ میں ہر طرح ان پر فوقیت رکھتا تھا۔ بذات خود وہ کچھ نہ تھے اس لئے میں نے ان کے لئے تگ و دو بھی کی۔ یوں سمجھو پروفیسر کہ میں جس کے ساتھ ہوتا، کامیابی اور کامرانی اس کے ہم قدم ہوتی لیکن یہ میری خواہش نہیں تھی۔ بس حالات نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ کچھ ایسا ماحول پیش آتا کہ میں ان کے لئے کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ بہت سے قبیلوں کو میری وجہ سے سرفرازی ملی تھی۔ اب کیا میں طاآس کی جھوٹی خدائی چلنے دیتا۔ کیا میں اگناس جیسے نیک نفس انسان کو طاآس کے ظلم کا شکار ہونے دیتا۔

لیکن پروفیسر...... یوں سمجھو کہ آشوشا نے مجھے تحصیل علم کے جس راستے پر لگایا تھا اس نے میرے اندر ایک انوکھی خود غرضی پیدا کر دی۔

میں نے صرف اپنے لئے جینے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے ادوار میں صرف ایک تماشائی کی حیثیت اختیار کرلینا چاہئے۔ میں خود کسی کے معاملات میں ٹانگ کیوں اڑاؤں۔ مجھے تو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ وقت کے دھارے کے ساتھ انسان کی سوچ کون کونسے روپ بدلتی ہے۔ دنیا کس انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ میں کسی کے معاملے میں مداخلت کیوں کروں۔ مجھے تو صرف ایک محقق ہونا چاہئے۔ ہاں اپنی دلچسپی کے لئے جس اقدام کی ضرورت پیش آئے اس سے گریز بھی حماقت ہے۔ ہر دور میں صرف اپنا کام کرو۔ اپنے لئے جیو اور دنیا کا تماشا دیکھو۔ میں نہیں کہہ سکتا پروفیسر کہ میری یہ سوچ درست ہے یا غلط۔ لیکن اس کے بعد میں کامیابی سے اس پر عمل پیرا ہوں۔ یعنی میں نے دوسروں کے درد سمیٹنا بند کردیئے ہیں۔ ہاں کسی ماحول پر اپنی ذات ضم کرنے کے لئے اگر کبھی ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے اس سے دریغ نہیں کیا اور تم جانتے ہو پروفیسر کہ کسی معاملے میں کامیابی حاصل کرلینا میرے لئے کونسی بڑی بات تھی۔ چنانچہ اس فیصلے کے بعد میں دلچسپ ترین واقعات کا ایک سمندر ہے، جو رواں دواں رہا، اور میں اس سمندر کی ایک ایک موج سے لطف حاصل کرتا رہا۔ میرے سامنے بڑے بڑے جابروں کے دور گزرے۔ میں نے بڑے بڑے محیر العقول کارنامے دیکھے جو ورحقیقت میری سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔ میں نے ان پر تحقیق کرنے کی کوشش بھی کی لیکن بعض معاملات میں مجھے اپنی ناکامی کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال میں اپنی طویل نیند کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔ میں نے ضروری انتظامات کئے اور یہ انتظامات ان انتظامات سے مختلف نہیں تھے پروفیسر...... جو تم نے یہاں آنے کے بعد دیکھے۔'

تب...... میں ریت کے پگھلے ہوئے جز سے ڈھلے ہوئے اس تابوت میں لیٹ گیا۔ میرے جسم کی حفاظت کے لئے جوہر حیات کے قطرے مجھ پر رقصاں تھے۔ میں نے اپنے جاگنے کے لئے ایک دور کا تعین کرلیا تھا۔ ہاں میرے دوست ستاروں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دور تہذیب کا دور کہلائے گا۔ اس دور کا انسان مہذب ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ وہ دور ایجادات کا دور ہوگا۔ انسان اپنی سہولتوں کے بہت سے سامان کرے گا اور دنیا کا رنگ بدلتا چلا جائے گا۔ میں تہذیب کے اس دلچسپ دور میں آنکھ کھولنے کی خواہش لے کر گہری نیند سوگیا۔ گہری اور طویل نیند۔

اور دن گزرتے رہے۔ ماہ گزرتے رہے۔ سال گزرتے رہے۔ صدیاں گزرتی رہیں۔ موسم بدل گئے۔ جغرافیئے بدل گئے۔ حالات بدل گئے۔ یہاں تک کہ میرے جسم پر ہونے والی جوہر حیات کی بارش رک گئی۔ میرے اعضا میں اینٹھن ہونے لگی تب میں نے ایک طویل انگڑائی لی اور آنکھ کھول دی۔ میں جاگ گیا۔ ایک سوئے ہوئے مسافر کی طرح میری آنکھ کھلی۔ منزل کا خیال آیا اور میں کھولت کی انگڑائیاں لیتا ہوا تابوت سے نکل آیا۔ میرا جسم بے رنگ ہورہا تھا۔ میرے اعضا میں تھکن تھی۔ جوہر حیات سے مجھے تر و تازہ رکھا ہوا تھا۔ برف کی سردی نے میری حیثیت میں تبدیلی نہیں ہونے دی تھی۔ لیکن۔ میں شدت سے غسل آتش کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ تب میں نے غار سے باہر نکل کر دیکھا۔ دنیا ضرور بدل گئی تھی لیکن برف کا یہ ویرانہ انسانی قدموں سے دور تھا۔ تہذیب کے دور کے انسان نے اب اس قدر ترقی بھی نہیں کی تھی کہ وہ ان ناقابل عبور ویرانوں کو مسخر کرلے۔ باہر کی فضا جوں کی توں تھی۔ حالات جوں کے توں تھے۔ ایک لمحے کے لئے مجھے احساس ہوا کہ کہیں میں وقت سے پہلے تو نہیں جاگ اٹھا۔ کیا واقعی صدیاں گزر گئیں۔؟ کیا واقعی وہ دور آگیا جس کا تعین کرکے میں سویا تھا۔ میرا اندازہ غلط تو نہیں ہوسکتا بہر حال اس کا تجزیہ تو ان ویرانوں سے نکل کر ہی کیا جاسکتا تھا لیکن اس سے قبل مجھے اپنی جسمانی غذا کا انتظام کرنا تھا چنانچہ سب سے پہلے میں نے تیز آگ کا انتظام کیا۔ ایسی آگ جو

میرے ایک ایک عضو سے تھکن نچوڑ دے۔ میں نے اس کے لئے پتھروں کے ایک غار کا انتخاب کیا اور پھر اس غار میں آگ روشن کر دی۔ ایک خوفناک آگ جو پتھروں کو بھی پگھلا دے۔ آگ بھڑکتی رہی اور جب غار کا رنگ سرخ ہو گیا، پتھروں سے سرخ پسینہ بہنے لگا تو میں اپنی روحانی اور جسمانی غذا حاصل کرنے کے لئے اندر داخل ہو گیا۔ آہ۔ پروفیسر۔ آگ میری زندگی کو جلا بخشتی ہے۔ آگ مجھے ایسا سکون دیتی ہے جس کو الفاظ میں لانا محال ہے۔

غار سے برآمد ہوا تو گویا نوزائیدہ تھا۔ چاق و چوبند، ہر آزار سے آزاد۔ تمام جسمانی قوتیں واپس آ گئی تھیں۔ تمام ذہنی قوتیں عود کر آئی تھیں۔ غار میں واپس آیا۔ اپنے پروگرام پر نگاہ ڈالی اور پھر اپنی تمام چیزوں کو محفوظ کر کے واپس چل پڑا۔ ان ڈھلانوں کو عبور کیا اور اسی علاقے کا رخ کیا جہاں کمالی آباد تھا۔ طویل سفر حسب معمول جاری رہا۔ راستے بھر شکار ملتا رہا، کئی جنگل ابھر آئے تھے۔ نئے راستے نکل آئے تھے لیکن آشوشا کے پہاڑ جوں کے توں تھے۔ وہ آبشار اسی طرح گر رہا تھا جو صدیوں پرانا تھا لیکن ان پہاڑوں کے دوسری طرف دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ پہاڑوں کے دوسری طرف سمندر تھا۔ صرف سمندر۔ ہاں پروفیسر۔ جہاں کبھی درخت تھے، کرال تھے۔ کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ ہنستے کھیلتے گھرانے آباد تھے وہاں اب سمندر کی بے رحم موجیں سر مار رہی تھیں۔ کمالی کا وجود ختم ہو گیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا پروفیسر...... میں غمگین ہو گیا۔ یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی کہ سمندر نے وسعت اختیار کی اور کمالی نیست و نابود ہو گیا۔ وہاں وہ ذہین لوگ نہ جانے کس طرح موت کا شکار ہوئے ہوں گے۔ میں اس بستی کا خالق تھا اور اپنی بنائی ہوئی اس بستی کو تباہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوا تھا۔ میں نے اس بستی سے بہت کچھ لیا تھا۔ اسے بہت کچھ دیا تھا۔ کیا تم نے میری اس بات پر یقین کیا تھا پروفیسر کہ میں نے اس بستی کو سمندر کے پانی سے روشن کر دیا تھا۔ کیا یہ انوکھی بات نہیں تھی۔؟''

پروفیسر خاور چونک پڑا۔ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''درحقیقت اس طویل کہانی میں یہ نکتہ سب سے زیادہ ناقابل یقین تھا۔''

''کیا اس دور کے لوگ وہ روشنی نہیں دریافت کر سکتے جو توانائی سے حاصل ہوتی ہے۔''

''وہ روشنی...... اب تو ایسی اشکال اختیار کر گئی ہے کہ تم دنگ رہ جاؤ گے۔ توانائی نے ہماری زندگی کا ہر کام سنبھال لیا ہے۔ لیکن ہم اسے جدید دور کی دریافت سمجھتے ہیں اور کسی طور یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ماقبل تاریخ کا انسان بھی الیکٹرسٹی دریافت کر چکا تھا۔'' پروفیسر خاور نے صاف گوئی سے کہا۔

''نہیں پروفیسر۔ ماقبل تاریخ کے طویل دوروں میں انسانی ترقی کے متعلق جو تفاصیل ہیں ان میں تم اس بات کو نظر انداز نہیں کرو گے کہ ماقبل تاریخ کے انسان نے غذائی اجناس دریافت کیں۔ بہتر مکان تیار کر لئے۔ اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے خاص ترین انتظامات کر لئے۔ مختلف ادوار کے کچھ نام تجویز ہوئے مثلاً حجری، برنجی اور آہنی، خود ان سے منکشف ہوتا ہے کہ انسان معمولی اوزاروں سے ترقی کرتے کرتے اعلیٰ درجے کے اوزار بنانے لگا۔ اس سے صاف اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انسان وسائل کو مقاصد کے مطابق بنانے کی صلاحیت میں آگے بڑھتا گیا۔ یہی شے ہے جسے ہم آج فنی اصلاح قرار دیتے ہیں۔ ماقبل تاریخ کا انسان بھی آج کے انسان سے مختلف نہیں تھا۔ ہاں اس کے پاس ٹھوس وسائل نہیں تھے۔ ابھی وہ ذہنی طور پر پختہ نہیں ہوا تھا۔ کسی اچانک اور حادثاً دریافت ہو جانے والی چیز پر ٹھوس تجربات نہیں کر سکتا تھا اس لئے کچھ دریافت شدہ

چیزیں کسی وجہ سے ضائع ہونے کے بعد دوبارہ اس شکل میں نہ آسکیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بعض خوبیاں ان کے ساتھ ختم ہوگئیں اور جدید دور کے انسان نے جب ان کے انداز میں سوچا تو اپنے پورے وسائل سے کام لیا۔ اس کے بارے میں پختگی سے تجربات کئے اور وہی گمشدہ قوتیں پھر عود کر آئیں۔ نئے دور کا انسان انہیں خود سے منسوب کرنے میں حق بجانب ہے۔ لیکن...... وہ پرانے دور کے انسان کو بالکل بے صلاحیت ظاہر کرنے میں تنگ دلی سے کام لیتا ہے۔ کمالی کے لوگ اگر حیات پاتے تو شاید وہ سب سے پہلے لوگ ہوتے جو توانائی سے پیدا ہونے والی روشنی کے موجد کہلاتے...... لیکن حالات نے انہیں موقع نہ دیا اور وہ سمندر کے شکار ہو گئے۔''

''بہرحال جدید دنیا شاید تمہارے اس انکشاف کو قبول نہ کرے۔''

''مجھے اس دنیا سے کیا لینا ہے پروفیسر۔ میں تو تمہیں اپنی کہانی سنا رہا ہوں جس کا ہر باب تمہارے لئے ناقابل یقین ہوگا لیکن میں تمہیں ایک ایک چیز کا ٹھوس ثبوت مہیا کروں گا۔ صرف ایک ثبوت جس کے بعد تم میری ہر بات کا یقین کرنے پر مجبور ہو گے۔''

تمہارے حیرت انگیز ہونے پر تو ہمیں یقین ہے دوست۔ بہرحال جاگنے کے بعد کی کہانی سناؤ۔''

''میں...... میں جانتا ہوں تمہارا نشہ اکھڑ رہا ہوگا بہرحال میں کمالی والوں کو کسی نئے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا لیکن ان کے تمام روپ سمندر کی نذر ہو گئے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق ستاروں کی پیش گوئی کے مطابق تہذیب کا دور شروع ہو چکا تھا لیکن اس نئے دور کے لوگ کہاں تھے؟ ان کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ اس بار سمندر کے سفر کو دل نہ چاہا اور میں نے مخالف سمت چلنا شروع کر دیا۔ اگر اس زمین کی انتہا بھی پانی پر ہوتی تب دیکھا جائے گا لیکن اس وقت تک خشکی کے راستے سفر کروں گا جب تک زمین باقی ہے۔ مجھے تہذیب کے گہواروں کی تلاش تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تہذیب کی ابتداء کس انداز میں ہوئی ہے؟ میں چلتا رہا اور پھر ستارے نکل آئے۔ میں نے قیام کیا، پیٹ بھرا اور پھر اپنے پرانے دوستوں سے ملاقات کرنے لگا۔ میرے دوست مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ مجھ سے شناسائی کا اظہار کر رہے تھے اور میں ان سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں ان سے تہذیب کی سمتیں معلوم کر رہا تھا اور انہوں نے مجھے مایوس نہ کیا۔ سورج، چاند، ستارے سب میرے معاون تھے۔ ستاروں نے مجھے منزل کی سمت دکھائی اور سورج کی کرنوں نے نشان مہیا کئے۔ میں چلتا رہا۔ پہاڑوں میں، میدانوں میں، دلدلوں میں...... اور سفر طے ہوتا رہا۔ نہ جانے کتنے چاند نکلے، کتنے سورج ڈوبے۔ میرا سفر جاری رہا۔ طویل سفر۔ تہذیب کی تلاش میں...... اور پھر مجھے انسان کے نشان ملنے لگے۔

میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ میں نے جس دور کی خواہش کی تھی اب میں اس دور کے انسانوں میں پہنچنے والا تھا۔ میں ان کے ساتھ سانس لوں گا۔ میں نئے دور کے نئے انسانوں کو دیکھوں گا۔ ان کا رہن سہن، ان کی زندگی، ان کا عمل، گھوڑے کے قدموں کے نشانات، بھیڑوں کے گلے اور ایسی ہی دوسری چیزیں دیکھتا ہوا میں آگے بڑھتا رہا۔ میرا جسم حسب معمول چاند کی طرح سنہرا تھا۔ میرے بال آگ کی طرح سرخ تھے اور میرے چہرے پر جوانی کی تازگی تھی۔

تب میں نے تاریخ کے دور کے پہلے انسان کو دیکھا۔ یہ بھیڑوں کا نگہبان تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے وہ بھیڑوں کے ریوڑ کو ہنکار رہا تھا۔ بھیڑوں کا غول اس کے آگے چل رہا تھا۔ میں نے قدموں کی رفتار تیز کر دی اور اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہ ایک عمر رسیدہ مرد تھا

جس کے چہرے پر لاتعداد جھریاں پڑی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں تجربہ نظر آ رہا تھا۔ میں اس کے سامنے پہنچا تو وہ چونک کر رک گیا۔ اس نے نیچے سے اوپر تک مجھے دیکھا اور پھر اس نے نئی زبان میں پوچھا۔

''تو کون ہے۔؟''

اس زبان کو سمجھنے میں مجھے ذرا دقت ہوئی۔ لیکن میں نے اپنا مخصوص عمل دہرایا۔ اور پھر اس کی زبان میں کہا۔

''تیری طرح کا انسان۔''

''کیا چاہتا ہے۔؟''

''تیری ہم نشینی، تیری دوستی......'' میں نے جواب دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ تہذیب کے دور کے اس انسان نے میری ہیئت پر حیرت نہیں کی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر خوفزدہ بھی نہیں ہوا تھا۔

''تو کون سے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔ اور اس کا جواب میرے لئے ذرا مشکل تھا۔ نہ جانے وہ کون کون سے قبیلوں کے بارے میں جانتا ہے۔ بہرحال اس کی دوستی حاصل کرنے کے لئے اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے یوں ہی ایک نام لے دیا۔

''میرا تعلق ارہاس سے ہے۔''

''ارہاس......'' اس نے ذہن پر زور دینے والے انداز میں کہا۔ اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا ''میں نہیں جانتا کہ تیرا قبیلہ کون سا ہے۔ کہاں ہے اور جب میں تیرے قبیلے کے بارے میں نہیں جانتا تو تجھ سے دوستی عبث ہے۔'' وہ آگے بڑھنے لگا۔ تب میں نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''تو میرے قبیلے کے بارے میں نہیں جانتا۔ لیکن تو مجھے ایک مہربان اور مشفق دوست پائے گا۔ میں تیری دوستی کا خواہش مند ہوں۔''

''عجیب مرد ہے تو۔ کیا تجھے دودھ کی خواہش ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔

''مجھے تیری دوستی کے سوا کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔'' میرے ان جملوں پر اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ اور پھر اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔

''اگر تو میرا دوست ہے۔ تو کیا تو میرے دشمنوں کو سرنگوں کرنے کی قوت رکھتا ہے۔؟''

''ہاں۔ میں انہیں زمین کے نیچے پہنچا سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تب آ...... میں نے تیری دوستی قبول کی۔'' بوڑھے کے باریک ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے لکڑی اٹھائی اور اس کی رکی ہوئی بھیڑیں پھر چل پڑیں۔ میں تہذیب کے دور کے اس انسان کا تجزیہ کر رہا تھا۔ اس میں بظاہر کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ میری ہیئت سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

''تیرا نام کیا ہے۔؟'' راستے میں، میں نے اس سے پوچھا۔

''تارح......'' میں متوقع تھا کہ وہ بھی میرا نام پوچھے گا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور میں خاموش ہو رہا۔ ہم پہاڑی کے راستے طے کرتے

رہے۔ تب دور سے ایک بستی نظر آئی جو کچی اینٹوں کے مکانوں سے آباد کی گئی تھی۔ بظاہر ان...... مکانوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ کشادہ تھے۔ اور زیادہ جگہ پر احاطہ کئے ہوئے تھے۔ ہاں ان کی ترتیب عمدہ تھی۔ مکانوں کے درمیان راستے چھوڑے گئے تھے۔ جو بہتر گزر گاہ کا کام دیتے تھے۔ لکڑی سے بہترین کام لیا گیا تھا مکانوں کی تعمیر میں لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ یقیناً لوگ زمین کے استعمال سے بھی واقف ہوں گے۔ میں نے سوچا اور میرا یہ خیال یقین میں بدل گیا۔ میں نے احاطے کے ایک حصے میں لکڑی سے بنی ہوئی گاڑیاں دیکھیں جن کے پہیوں میں جگہ جگہ لوہا استعمال کیا گیا تھا۔ کچی عمارت کے اندرونی حصے میں زمین میں سوراخ کر کے پانی نکالنے کا بندوبست بھی کیا گیا تھا۔ غرض تہذیب کے دور کے اس انسان کی نرالی حیثیت مجھے جگہ جگہ مل رہی تھی۔

مکان میں ایک بوڑھی عورت بھی تھی جس سے تارح نے یہ کہہ کر میرا تعارف کرایا۔ ''یہ اجنبی قبیلے کا جوان ہمارا دوست ہے۔ ہمارے دشمنوں کے خلاف یہ ہماری ڈھال ہے۔ اور یہ ہماری لڑکیوں کا مرد ہے کہ اس سے ہماری نسل بڑھے گی اور ہمارا خاندان چلے گا۔''

''کیا خوب ہے یہ مرد......'' عورت نے کہا۔ اس نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گئی۔ جہاں دو جوان لڑکیاں موجود تھیں۔ سیدھے سادے لباس میں ملبوس دو سانولی لڑکیاں......!

مجھے بوڑھے کے الفاظ یاد آ گئے۔ یہ ہماری لڑکیوں کا مرد ہے۔ تب میں نے گہری نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا۔ اور لڑکیاں مجھے بری نہ معلوم ہوئیں ان کی آنکھوں میں عجیب سے خوف کے احساسات تھے۔ میں انہیں دیکھ کر مسکرا دیا بہرحال میں نے یہاں کچھ دن قیام کا فیصلہ کر لیا۔ میں ان کی نسل بڑھانے کے تو کیا کام آتا۔ البتہ وہ میری اہم ضرورت پوری کرنے کے کام ضرور آ سکتی تھیں۔ جسے انہیں دیکھنے کے بعد میں محسوس کرنے لگا تھا۔ بوڑھی عورت نے بیٹھنے کے لئے مجھے لکڑی کی کرسی پیش کی۔ اور پھر اپنی لڑکیوں سے دودھ لانے کے لئے کہا۔ تب کسی دھات کے پیالے میں مجھے بھیڑوں کا تازہ دودھ پیش کیا گیا جسے میں نے لے کر پی لیا۔

مختصر یہ پروفیسر...... کہ نئے انسانوں نے مجھے بھی خوش آمدید کہا۔ اور میں نے تہذیب کے دور میں نئی زندگی کی ابتداء کر دی۔ یہ دور مجھے بہت بھایا تھا۔ اس دور کے انسانوں کو کچھ سکھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مائل بہ ترقی تھے۔ نئے نئے ہتھیار۔ کارآمد و مفید اوزار، زندگی گزارنے کے نئے نئے طریقے...... جو میں نے پوری بستی میں گھوم پھر کر دیکھے۔ بلاشبہ میں ان طریقوں کو اور بہتر بنانے میں ان کی مدد کر سکتا تھا۔ لیکن میں بتا چکا ہوں کہ میں نے یہ شعبہ اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ میں تو صرف ایک محقق کی حیثیت رکھنا چاہتا تھا۔ اور اب صرف مجھے اس نئے دور کی تحقیق کرنا تھی۔ ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنا تھیں۔ ہاں اگر اجازت دو تو زیب داستاں کے لئے میں اس داستان کے رنگین پہلوں نظرانداز نہ کروں۔؟''

''ہم...... اس دور کے ہر پہلو کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں......'' پروفیسر خاور نے جلدی سے کہا۔ اور پھر اچانک اسے اپنے الفاظ کا احساس ہوا اور اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ لڑکیوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

''مم...... میرا مطلب ہے۔ میں...... میں......'' خاور گھبرا کر بولا۔

''جنس تو ابتدائے آدمیت سے ودیعت ہے پروفیسر۔ کسی دور کسی مذہب نے اس سے پہلو تہی نہیں کی ہے۔ ہاں اس کے اقدار، اس کی

اشکال بدلتی رہی ہیں۔ مذاہب نے اس کی بہتری اور اخلاقی برتری کے لئے کچھ قیود عائد کی ہیں جو کسی طور نا گوار نہیں رہی ہیں اور انسان خود کو اس انداز میں ڈھالتے رہے ہیں۔ کیونکہ بہرحال اس کا حصول ممنوع نہیں قرار دیا گیا۔ چنانچہ جب میں تمہارے دور کی بات کروں گا۔ تو میرے الفاظ ملفوف ہوں گے ان ادوار کی صحیح تفصیل جاننے کے، ان کے کسی پہلوں سے پردہ پوشی جائز نہیں ہے۔ اور پھر میں تو اس دور کی داستان بیان کر رہا ہوں۔ جب تہذیب کی ابتداء ہوگئی تھی۔ جب انسانوں نے علی الاعلان کچھ ضابطے مقرر کر لئے تھے۔ بے شمار مذاہب، عقائد اب بھی ایسے موجود ہیں جہاں جنس کو مختلف درجے دیئے گئے ہیں۔ نئے انسان کے لئے یہ درجے عجوبے ہیں۔ لیکن ان کے پیرو، ان سے کسی طرح شرمندہ نہیں ہیں۔ میں ان لوگوں میں سے بھی گزرا ہوں جن کا تذکرہ آئندہ کروں گا۔ ہاں تو میں اس بوڑھے تارح کی دونوں لڑکیوں کی بات کر رہا تھا۔ میں نے تہذیب کے شہر کی مکمل تفصیلات معلوم کیں۔ ان کے رسم ورواج، ان کے عقائد، کا حال معلوم کیا۔ لیکن چونکہ یہ اس سے بعد کی بات ہے جس وقت کی داستان میں بیان کر رہا ہوں۔ اس لئے ان کا تذکرہ بعد میں ہی مناسب رہے گا۔"

"تو جس روز میں بوڑھے تارح کے ساتھ اس کی بستی میں۔ اس کے مکان میں داخل ہوا۔ یہ اسی رات کی بات ہے۔ تارح نے دل سے مجھے اپنا دوست تسلیم کر لیا تھا۔ بوڑھی اس کی شریک زندگی تھی۔ انسانوں نے کچھ رشتے تراش لئے تھے جن کے تحت ایک اجنبی یا غیر اجنبی عورت کو زندگی کا ساتھی بنالیا جاتا تھا۔ بعض اوقات ان عورتوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی تھی۔ ان کو رکھنے والا ہر طرح ان کی کفالت کرتا۔ ان دونوں کے ملاپ سے پیدا ہونے والے بچوں کی کفالت کرتا اور اس کا پورا پورا ذمہ دار ہوتا۔ اکثر لوگ اجنبی لڑکوں اور لڑکیوں کا ملاپ کراتے لیکن اگر یہ صورت باقی نہ رہتی تو پھر جو لڑکا اور جو لڑکی مناسب نظر آتی۔ ان دونوں کو کچھ رسومات کے ساتھ یکجا کر لیا جاتا تاکہ نسل بڑھتی رہے۔ مختلف قبائل، مختلف رسومات ادا کرتے تھے لیکن ان کا مقصد ایک ہی ہوتا تھا۔ افزائش نسل...... اور افزائش نسل ہو رہی تھی۔

بوڑھے کی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ اور کوئی لڑکا نہ تھا۔ شاید ان لڑکیوں پر دعویٰ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ اس لئے اسے میں ہی غنیمت معلوم ہوا۔ اور اسی رات...... بوڑھے نے ان دونوں لڑکیوں کو نئے لباس سے آراستہ کیا۔ ان کے بالوں کو کسی چیز سے سنوارا اور چمکدار کر کے ان کی چوٹیاں بنائیں۔ اور ان کے جسموں کو خوشبوں سے معطر کیا...... اور پھر ہم گھر کے ایک حصے میں جا بیٹھے جو صاف ستھرا تھا۔

"تو نے مجھ سے دعویٰ کیا تھا اے جوان کو تو میرا دوست ہے۔ اور میرے دشمنوں کے خلاف میرا مددگار...... تو میری پریشانیوں کا حل تلاش کرے گا۔ تو اجنبی قبیلے کا فرد ہے۔ سو میں تجھے اپنوں میں شامل کر رہا ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ اب سے تو خود کو اسی قبیلے کا فرد گردانے گا، انہیں بھول جائیگا جو تیرے تھے۔ اور ان میں واپس نہیں جائے گا۔ اقرار کر کہ تو عقل کا سچا ہے۔"

"میرا قبیلہ ہی کون سا تھا پروفیسر...... جسے چھوڑنے میں مجھے تردد ہوتا۔ میں تو نئے دور کے انسان کی ایک ایک ادا سے محظوظ ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے وہی سب کچھ کہہ دیا جو بوڑھے نے کہا تھا۔ میری نگاہ دونوں لڑکیوں کے چہروں پر تھیں۔ جو وصال کے تصور سے گلنار تھیں۔ میرے الفاظ کی ادائیگی سے بوڑھے اور اس کی بیوی کا چہرہ کھل اٹھا۔ انہوں نے ایک بڑے پیالے میں دودھ بھرا۔ اور دونوں لڑکیوں کو میرے سامنے بٹھا لیا۔ سفید دودھ میں، میں نے لڑکیوں کے چہرے دیکھے۔ پھر دودھ کے پیالے کو بوڑھی عورت نے میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ میں نے اس میں سے

دو گھونٹ بھرے۔ تیسرے گھونٹ کا ارادہ رکھتا تھا کہ بوڑھی عورت نے جلدی سے پیالہ کھینچ لیا۔

''بس...... اور نہ پی...... میری صرف دولڑکیاں ہیں۔'' اور میں نے دودھ سے ہونٹ ہٹا لئے۔ میرے ذہن میں عجیب سی گدگدی ہو رہی تھی۔ یہ سب مجھے بے حد انوکھا لگ رہا تھا۔ پیالہ باری باری دونوں کی طرف بڑھایا گیا۔ اور انہوں نے اس میں سے ایک ایک گھونٹ لے لیا۔ پھر بوڑھا اور اس کی عورت اٹھے۔ انہوں نے ہمیں بھی اشارہ کیا۔ اور ہم سب اس کے صحن میں پہنچ گئے۔ جہاں کچی مٹی میں ایک گہرا گڑھا کھودا گیا تھا جو زیادہ چوڑا نہیں تھا پیالہ جس میں بچا ہوا دودھ موجود تھا۔ ایک لکڑی کے ڈھکن سے ڈھک کر گڑھے میں اتار دیا گیا اور سب سے پہلے مجھے اس پر مٹی ڈالنے کی ہدایت کی گئی۔ میں نے اس پر عمل کیا۔ اس کے بعد دونوں لڑکیوں نے اس پر مٹی ڈالی۔ اور پھر بوڑھے اور اس کی شریک عورت نے اس گڑھے کو پوری طرح بند کر دیا۔

گویا دودھ کا یہ پیالہ ہمارے محبت کا امین تھا۔ اس نے میرے دل میں لڑکیوں کی محبت ڈالی تھی تاکہ میں زندگی کی آخری سانس تک ان کی محبت میں دفن رہوں۔ اور وہ میری محبت اور وفادار رہیں...... میں ان تمام باتوں میں پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ تاہم میں دل سے ان کی ان معصوم حرکتوں سے متاثر تھا۔ میں جانتا تھا ان کی یہ کوشش لاحاصل ہے۔ میں کہاں ان دونوں لڑکیوں میں سر کھپاتا رہوں گا، ہاں اس وقت وہ ضرور میرے کام کی تھیں۔ جب تک نئے لوگ، نئے جہاں میرے سامنے نہیں آتے۔

تو پروفیسر...... اس طرح وہ دونوں لڑکیاں میرے تصرف میں دے دی گئیں اور وہ بہت خوش تھیں۔ وہ میرے سنہرے اور سڈول بدن کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں اور ایک دوسرے کو اشارے کر رہی تھیں...... لیکن بڑی دقت اس وقت پیش آئی جب وہ دونوں بیک وقت میری خلوت میں داخل ہوئیں۔ حسن و جمال میں دونوں یکتا تھیں۔ دونوں کی جوانی بھرپور تھی۔ اور دونوں ہی بیک وقت میری الفت کی طالب تھیں...... بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ سنگین حالات مجھے پیش آئے تھے لیکن ان کی نوعیت دوسری تھی مثلاً طاآس اس کی بے شمار بیویاں...... جو میرے لئے وبالِ جان بن گئیں تھیں۔ اور جن کی وجہ سے مجھے طاآس کا شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔ لیکن ان میں بھی ایک آسانی تھی۔ یعنی ہر رات ایک بیوی میری خلوت میں آتی تھی اور اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ میں سب سے زیادہ اسے ہی پسند کروں۔ عورت کی رقابت سے میں بخوبی واقف تھا۔ میں اس وقت کو بھی نہیں بھولا تھا جب میری ہوش وحواس کی زندگی کی پہلی عورت کو...... دوسری عورت جس کا نام لاکا تھا، نے قتل کر دیا تھا...... گویا رقابت ازل سے ہی چلی آ رہی ہے۔''

اور اس وقت...... یہ دو حسین لڑکیاں بیک وقت میرے پہلو میں موجود ہیں۔ گو وہ دونوں بہنیں سہی۔ لیکن کیا مرد کے معاملے میں وہ عورت نہیں بنیں گی؟ لیکن چونکہ یہ بھی ایک تجربہ تھا اس لئے پروفیسر...... میں نے خود کو اس تجربے کے لئے تیار کر لیا۔ دونوں لڑکیوں نے خلوت گاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ اور میرے دونوں بازوؤں سے آلگیں۔

لکڑی کی بنی ہوئی ایک مسہری پر مجھے لایا گیا۔ جس پر نرم گھاس کے اوپر کسی جانور کی کھال منڈھی ہوئی تھی جو نرم اور مخملیں ریشوں کی طرح کی تھی۔ تب دونوں لڑکیاں میرے ارد گرد بیٹھ گئیں۔ میں نے ابھی تک ان میں سے کسی کی آواز نہیں سنی تھی۔ بہرحال میں ان کا مرد تھا اور میری

خدمت دونوں پر واجب تھی۔ چنانچہ میں نے ان سے پہلی بات کی۔

''تم دونوں کے نام کیا ہیں۔؟''

''ساؤل......'' ایک نے کہا۔

''حکیلہ......'' دوسری نے بھی کہا۔ ان کی آواز بھی ان کے چہرے کی طرح دلکش اور مترنم تھی۔ ان میں ایک طرح کی شرم پائی جاتی تھی۔

''تم میں سے بڑی کون ہے؟''۔ میں نے دوسرا سوال کیا۔

''حکیلہ......'' ساؤل نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''تب پھر......آج رات صرف حکیلہ میرے خلوت میں ہو گی......تمہیں کل طلب کروں گا۔'' میں نے کہا اور دونوں لڑکیوں کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں سے بے پناہ خوف جھانکنے لگا تھا۔ میں ان کے اس خوف پر حیران رہ گیا اور ان کی شکل دیکھنے لگا۔ جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو میں نے ان سے پوچھا۔'' کیوں؟ کیا بات ہے......تم پریشان کیوں ہو گئیں......؟''

''نہیں۔ نہیں۔ ساؤل تمہاری خلوت میں رہے گی۔ میں چلی جاتی ہوں۔ میں......میں......ساؤل پر اپنی زندگی قربان کر سکتی ہوں۔؟'' اچانک حکیلہ نے ہذیانی انداز میں کہا اور ساؤل کو کھینچ کر سینے سے لپٹا لیا۔ ساؤل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''نہیں حکیلہ۔ تیری محبت کا شکریہ۔ اس کی فرمانبرداری ہم پر فرض ہے۔ خداوندرا آہیان تجھ پر برکتیں نازل کرے۔'' ساؤل نے روتے ہوئے کہا اور میں بری طرح بوکھلا گیا۔

''ارے یہ کیا شروع کر دیا تم لوگوں نے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔؟'' میں نے ان کے درمیان آتے ہوئے کہا۔

دونوں یاس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

''حکیلہ تم بتاؤ۔ یہ رونا کیسا ہے۔؟'' میں نے حکیلہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے ساؤل کو اپنی آغوش سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اس پر موت واجب ہو گئی۔ مقدس کاسین اعظم اور خداوندرا آہیان کے کے احکامات کے مطابق اب اس کے لئے موت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟ براہ کرم مجھے تفصیل بتاؤ۔''

''خداوندرا آہیان کی قسم۔ ہم دونوں کنواری اور پاک ہیں۔ کسی مرد کی نگاہ نے ہمارے جسم کے پوشیدہ حصوں کو نہیں دیکھا۔ اور جب ہمیں مقدس عہد کر کے اس کے حوالے کیا گیا جو ہمارے جسموں کا مالک ہے تو اس نے ہم میں سے ایک قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہاں جو وصال محبوب سے محروم رہے گی اس کا ٹھکانہ تیل کی لہریں ہوں گی جب تک کاسین اعظم اس کا قصور معاف نہ کریں، جب تک خداوندرا آہیان اس کی زندگی نہ بخش دیں۔''

''عجیب باتیں کہی ہیں تم نے حکیلہ۔ بڑی انوکھی۔ اور بڑے ہی انوکھے نام لئے ہیں لیکن میں اس رات ان کے بارے میں تم سے نہ پوچھوں گا اپنے ہونٹوں کی ہنسی واپس لے آؤ۔ میں نے تم میں سے کسی ایک کو ناپسند نہیں کیا اور سنو، مجھے تمہارے کنوارے جسموں پر اعتماد ہے۔ میں

تمہاری معصومیت پر یقین رکھتا ہوں، اگر میرے الفاظ سے یہ مطلب نکلتا ہے تو میں اپنا حکم واپس لیتا ہوں اور اب اس کا ماننا تم پر فرض نہیں ہے۔"

اور ان کے چہرے اچانک کھل اٹھے۔ چاند بدلیوں سے نکل آیا! اور شبنم کی پاکیزگی نکھر اٹھی۔! مجھے کیا معلوم تھا کہ میری اتنی سی بات انہیں اتنے بڑے عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ میں نے تو صرف ایک سہولت چاہی تھی لیکن یہ سہولت مجھے بہت مہنگی پڑنے والی تھی۔ چنانچہ پروفیسر...... میں ان نئے لوگوں کے انوکھے قانون سے بہت محظوظ ہوا۔ ان کے بارے میں سب کچھ جاننے کی خواہش میرے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔

لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ دونوں حسین لڑکیاں جذبات سے دیوانی ہو کر میرے جسم میں چٹکیاں لے رہی تھیں۔ وہ دونوں مردوں کی نگاہوں سے ضرور ناواقف تھیں، لیکن قانون فطرت انہیں خوب معلوم تھا اور وہ بڑی لذت گزار تھیں کیونکہ ضروری مدارج طے کرنے کے سلسلے میں انہوں نے مجھے ہاتھ پاؤں نہ ہلانے دیئے۔ وہ صرف ایک دوسرے کی مدد کر رہی تھیں، بلکہ دونوں مل کر میری بھی مدد کر رہی تھیں۔ چنانچہ پروفیسر...... ان لڑکیوں کے ساتھ ایک حسین رات گزارنے کا یہ میرا دوسرا تجربہ تھا۔! پہلا تمہیں یاد ہوگا؟ میری مراد لاکا سے ہے۔ جس نے ایسے ہی ایک منظر میں ایک خونی اضافہ کر دیا تھا۔ یعنی وہ میری ساتھی لڑکی کو میرے جسم میں پیوست نہ دیکھ سکی تھی اور اس نے اسے پتھر سے کچل دیا تھا۔

لیکن تہذیب یافتہ نسل کی یہ دونوں لڑکیاں بڑی فراخ دل تھیں وہ مجھے ایک دوسرے کو تحفتہً پیش کر رہی تھیں اور میری حیثیت اس وقت کسی تبرک کی سی رہ گئی تھی جو ان دونوں میں بٹ رہا تھا۔ چنانچہ پروفیسر...... یہ تبرک رات بھر بنتا رہا۔ اور صبح کو خالی برتن رہ گیا۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ پروفیسر خاور کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے ایک بے تکا سا قہقہہ لگایا۔ جو آخر میں ایک شرمندہ سی مسکراہٹ پر ختم ہو گیا۔ دونوں لڑکیاں نہ جانے کس طرح اپنی سنجیدگی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئی تھیں لیکن ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔ حیا سے ہنسی روکنے کی کوشش، یا نہ جانے کسی اور تصور سے۔ پروفیسر کے بے تکے اور احمقانہ قہقہے نے ماحول کو اور بھی شدید کر دیا تھا۔ وہ بے چاریاں ہنس بھی نہیں سکتی تھیں۔ چنانچہ پروفیسر نے ایک دم اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... اب باقی داستان کل۔ کچھ تھکن سی ہو رہی ہے۔"

"ضرور۔ ضرور پروفیسر۔ میں بھی اس سخت رات کو خود پر مسلط محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ اور اٹھ گیا۔ ابھی سورج کی کچھ روشنی باقی تھی رات نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ عموماً رات کو ہی اس کی داستان کا اختتام ہوتا تھا۔ تاہم آج وہ دن میں ہی اٹھ گئے۔ اور اس کے پاس سے چلے گئے!

"یہاں کوئی خطرہ تو ہے نہیں ڈیڈی۔!" اچانک فروزاں نے کہا۔

"کیسا خطرہ۔؟" پروفیسر چونک کر بولا۔

"کیا ہم ان غاروں سے باہر کی سیر کر سکتے ہیں۔؟"

"اوہ۔ ہاں۔ ضرور جاؤ۔ یہ علاقہ شاید خطرناک جانوروں سے پاک ہے لیکن کہاں جاؤ گی۔؟"

"ایک نگاہ ان ڈھلانوں کو دیکھیں گے جن پر ہم نے ایک خوفناک سفر کیا تھا لیکن اس بار ان کی کچھ اور اہمیت بھی ہوگی۔ تاریخ کا یہ انسان

انہیں ڈھلانوں سے گزر کر آتا رہا ہے۔''

''ہاں ہاں ضرور جاؤ۔'' پروفیسر نے کہا اور خود ہی اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ دونوں لڑکیاں غاروں سے باہر جانے والے راستے پر چل پڑیں۔ دونوں خاموش تھیں۔ غار سے باہر نکل کر فروزاں نے فرزانہ کی طرف دیکھا۔ اور فرزانہ کے کپکپاتے ہونٹوں کو دیکھ کر بے ساختہ ہنس پڑی۔

''خاموش ہو جاؤ بے وقوف۔'' فرزانہ بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی اور پھر دونوں پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

''آپ نے۔ آپ نے اس تبرک کو دیکھا باجی۔'' فروزاں نے کہا اور پیٹ پکڑ کر دوہری ہو گئی۔

''چپ ہو جاؤ فروزاں۔ کم بخت بڑا بے شرم ہے۔ کیسے بے تکے مناظر کو کتنے فخر سے سناتا ہے۔ کمینہ کہیں کا۔''

''لیکن ڈیڈی کو کیا ہو گیا ہے باجی۔'' فروزاں نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی بھی اس کے ساتھ سنکی ہو گئے ہیں۔'' فرزانہ نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔

''وہ ان سے ایسے واقعات کو حذف نہ کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔''

''بھئی چپ ہو جاؤ فروزاں۔ دیوانی ہو گئی ہو۔'' فرزانہ جھینپ بھی رہی تھی، ہنس بھی رہی تھی، عجیب حالت تھی اس کی۔ کافی دیر تک وہ ایک دوسرے سے مذاق کرتی رہیں اور بڑی دیر کے بعد سنجیدہ ہو سکیں۔ دور سے برف کے ڈھلان نظر آ رہے تھے۔

''کیا اس نے ان ڈھلانوں کی داستانیں ٹھیک سنائی ہیں باجی۔'' تھوڑی دیر کے بعد فروزاں نے کہا۔

''ہم اس کی باتوں کو غلط نہیں کہہ سکتے فرزانہ۔ اس نے ہمارے سامنے محیر العقول ثبوت پیش کئے ہیں۔ یا پھر اس ویرانے میں جہاں انسان نے آنے کا تصور بھی نہیں کیا ہو گا ایسی عظیم لیبارٹری اور یہ ساز و سامان کسی اور طرح لانے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔؟''

''کبھی کبھی تو میں اس کے بارے میں کچھ اور سوچنے لگتی ہوں باجی۔''

''کیا۔؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''وہ کوئی روح تو نہیں ہے۔؟ اس کی زندگی کا کیا ثبوت ہے۔''

''تم اسے روح بھی کس طرح ثابت کر سکتی ہو۔؟''

''ممکن ہے وہ افراسیاب کی نسل کا کوئی جادوگر ہو۔ جو مر کر بھوت بن گیا ہو اور اس نے اپنے طلسم کے ذریعہ یہ سب کچھ مہیا کیا ہو۔ جادوگروں کے لئے یہ سب کچھ کیا مشکل ہے۔''

''اگر تم اسے جادوگر ہی سمجھ رہی ہو تو وہ سب کچھ کیوں نہیں سمجھ لیتیں جو وہ کہہ رہا ہے۔''

''یہ عقل میں نہیں آتا۔''

''اور جادوگر والی بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس سے وزن دار تو میری دلیل ہے۔''

''وہ کیا۔؟''

''میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ وہ ایک انتہائی ذہین، انتہائی تعلیم یافتہ سائنسدان ہے جس نے بھری پری دنیا چھوڑ کر ان ویرانوں کو اپنے تجربات کو مرکز بنایا ہے۔ وہ سائنس اور ہسٹری سے زبردست دلچسپی رکھتا ہے اور اس کا ماہر ہے چنانچہ اس نے وقت گزاری کے لئے اپنے تجربات کی روشنی میں یہ طویل داستان گڑھی ہے اور ہمیں سنا رہا ہے۔ اس طرح اس کی تنہائی بھی دور ہو گئی ہے۔''

''لیکن تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ وہ ہمیں ایک شیشے کے تابوت میں ملا تھا اور اس کا جسم عجیب ہیت کا تھا۔''

''وہ بھی سائنس کا کمال ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی تجربہ کرنے کے لئے اس تابوت میں لیٹا ہوا اور اتفاق سے ہم آ گئے ہوں۔''

''لیکن باجی۔ اس کا چکمدار جسم اور پھر وہ پتھروں والا تجربہ۔''

''بھئی اس دور کی سائنس میں سب کچھ ممکن ہے۔''

''لیکن وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔؟''

''شاید چاند پر جانے کی تیاریاں۔ ممکن ہے کسی دن یہ فضا میں بلند ہو جائیں اور پھر ان کی منزل کوئی پراسرار سیارہ ہو۔''

''ہائے باجی۔ پھر ہمارا کیا ہوگا۔'' فروزاں نے خوفزدہ انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ فرزانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی لیکن فروزاں سنجیدہ ہی رہی تھی۔

''تم ہنس رہی ہو باجی۔ لیکن اگر تمہارا خیال سچ نکلا تو۔؟''

''تو کیا، کسی سیارے کی سیر کریں گے۔''

''لعنت ہے۔ میں تو کبھی نہیں جاؤں گی۔ کہے دیتی ہوں اور یہ ڈیڈی۔ آج میں ان سے بات کروں گی۔ ہمیں یہاں آئے ہوئے کتنے دن گزر گئے ہیں۔ اب تو یاد بھی نہیں۔ بس زندگی یہیں تک محدود ہو گئی ہے۔ رات ہو۔ سو جاؤ۔ صبح کھاؤ پیئو اور اس کی بکواس سننے بیٹھ جاؤ۔''

''سچ کہو فروزاں۔ کیا اس کی بکواس دلچسپ نہیں ہوتی۔؟''

''دلچسپ تو ہوتی ہے باجی۔ لیکن۔ آخر کب تک۔ کوئی حد بھی ہو۔''

''ڈیڈی بھی مجبور ہیں فروزاں۔''

''کیوں۔ کیا مجبوری ہے۔؟''

''کیا اس کی مدد کے بغیر ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔؟''

''تو پھر اس سے مدد کے لئے کیوں نہیں کہتے۔ وہ تو صرف اس کی داستان میں الجھے ہوئے ہیں اور اس کے رنگین قصے خوب مزے لے لے کر سنتے ہیں۔'' فروزاں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

فرزانہ ہنستی رہی پھر بولی۔ ''سچ مچ فروزاں۔ بعض اوقات میں بھی الجھن میں پڑ جاتی ہوں۔ اس کی کہانی نئے نئے جہانوں کی سیر کراتی ہے۔ ہم خود کو اسی ماحول میں محسوس کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم بھی انہیں ادوار میں سانس لے رہے ہوں۔ بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے

اس وقت لیکن جب خود پر نگاہ جاتی ہے تو ایک عجیب سے خوف کا احساس ہوتا ہے۔ نہ جانے اس کی کہانی کس قدر طویل ہو۔ ہمیں اس کی کہانی مکمل ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا اور اس کے بعد اس سے درخواست کریں گے کہ وہ ہمیں یہاں سے نکلنے میں مدد دے۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ ڈیڈی اس سے اس سلسلے میں بات کریں لیکن جب صبح ہوتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ جلد تیاریاں مکمل ہوں اور اس کی کہانی شروع ہو جائے۔''

''وہ ساحر ہے باجی۔ سچ کہتی ہوں وہ ساحر ہے۔ ہم اسی طرح اس کے طلسم میں پھنسے رہیں گے۔ وہ اپنی کہانی سناتا رہے گا۔ یہاں تک کہ ہم بوڑھے ہو جائیں گے تب وہ اس نئی دنیا کو دیکھنے نکل پڑے گا۔'' فروزاں نے کہا۔

''آؤ اس بارے میں ڈیڈی سے گفتگو کریں۔ آؤ واپس چلیں۔'' فرزانہ نے کہا اور فروزاں پلٹ پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس غار میں داخل ہو رہی تھیں اور پھر وہ اس حصے میں جا پہنچیں جہاں سے پروفیسر کے گنگنانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک رومانی شعر گنگنا رہا تھا۔

''دیکھا۔ ڈیڈی یہاں کتنے مگن ہیں۔'' فروزاں نے دانت پیس کر کہا۔

''مجھے تو خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔'' فرزانہ نے منہ دبا کر ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا۔؟'' فروزاں نے چونک کر پوچھا۔

''اس کی رنگین کہانیاں سن سن کر ڈیڈی بھی جوان ہو رہے ہیں۔ تم دیکھ لینا جب ہم یہاں سے روانہ ہو رہے ہوں تو میرے اور تمہارے بال سفید ہوں گے اور ڈیڈی کے سیاہ۔''

فروزاں بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی کی آواز شاید پروفیسر نے بھی سن لی تھی چنانچہ اس کے گنگنانے کی آواز بند ہو گئی۔ تب دونوں لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔

''اوہ۔ بڑی جلدی واپس آ گئیں بچیوں۔ کیوں۔ کیا باہر کے ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔؟''

''نہیں ڈیڈی۔ یہ فروزاں بہت پریشان ہے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''ارے۔ کیوں۔؟'' پروفیسر نے چونک کر پوچھا۔

''آپ کو تو کوئی احساس نہیں رہا ڈیڈی۔ برف کے اس ویرانے میں ہم بے بس اور مجبور تھے۔ آپ اپنی ہمت اور جدوجہد سے وہاں سے نکال لائے لیکن یہاں کم از کم وہ بے بس نہیں ہے۔ یا اگر بے بس بھی ہے تب آپ ہمت ہار بیٹھے ہیں لیکن یہ تو سوچئے۔ کیا پوری زندگی یہیں گزار دی جائے گی۔ کیا ہم باہر کی دنیا کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔؟'' فروزاں نے کہا۔

''ایں۔'' پروفیسر چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پھر حیرت کی جگہ پریشانی اور گہرے غور و فکر نے لے لی۔ وہ گردن ہلاتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''میں شرمندہ ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ کچھ دنوں سے میں نے یہ بات فراموش ہی کر دی تھی۔ یقیناً میں نے یہاں سے نکلنے کا تصور ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی میری بچیوں کہ میں نے تمہارا خیال چھوڑ دیا تھا۔ نہیں مجھے تمہارے مستقبل کا پورا پورا خیال ہے۔''

''اونہہ۔ مستقبل کی بات چھوڑیں ڈیڈی۔ مستقبل جائے جہنم میں لیکن ہمیں یہاں سے تو نکلنا ہی ہے۔'' فروزاں نے کہا۔

''ہاں۔ یہاں سے نکلنا ہے۔ دراصل تاریخ میری بہت بڑی کمزوری ہے اور پھر اس کا بیان۔ تم لوگوں کے تصورات خواہ کچھ ہوں فروزاں۔ لیکن مجھے اس کے بیان پر یقین آ چکا ہے۔ اس کی شخصیت، اس کی ذات کچھ بھی ہو میں خود بھی اس کی شخصیت کا تذکرہ الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا ہے لیکن وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک ہے اور یہی دلچسپی مجھے بے خبر کئے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں فروزاں کہ اس کی کہانی مکمل ہو جائے تو پھر میں اس سے درخواست کروں کہ وہ ہمیں یہاں سے نکالنے کا بندوبست کرے۔ ہمیں اس کی بھرپور دوستی کی ضرورت ہے ورنہ تم جانتی ہو کہ ہم اس پر جبر نہیں کر سکتے۔ اس سے دشمنی مول نہیں لے سکتے۔''

''ہاں یہ تو درست ہے ڈیڈی۔ لیکن اس کی کہانی نہ جانے کب تک جاری رہے۔ نہ جانے ہمیں یہاں کتنا وقت گزر چکا ہے۔''

''کل اس سے بات کریں گے۔'' پروفیسر خاور نے کہا۔

''نہیں ڈیڈی۔ اب ہم اس کی کہانی سننے کے بعد ہی اس سے اس موضوع پر بات کریں گے۔ میں آپ سے متفق ہوں۔'' فرزانہ نے کہا پھر فروزاں کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ''فروزاں۔ ڈیڈی کی مشکلات کا بھی اندازہ کرو۔ میرا خیال ہے ہمارے سوچنے کا انداز غلط تھا۔''

''مجھے احساس ہے باجی۔ آئی ایم سوری ڈیڈی۔'' فروزاں نے شرمندگی سے کہا۔

''اوہ۔ نہیں بے بی۔ کمزوری میری ہی ہے۔ بہرحال کچھ اور انتظار کر لو۔ اس کے بعد میں اس سے سنجیدگی سے گفتگو کروں گا۔'' پروفیسر خاور نے کہا اور خاموشی چھا گئی۔ بستروں پر لیٹنے کے بعد بھی وہ اسی گفتگو کے بارے میں سوچتی رہیں اور انفرادی طور پر ایمانداری سے انہوں نے اپنا اپنا جائزہ لیا۔ دلچسپی اس کی ذات سے نہیں۔ اس کی کہانی سے ضرور تھی۔ اس کی سحر بیانی کی وہ دل سے قائل تھیں۔ وہ دنیا کو ابتداء سے لے کر چلا تھا اور تہذیب کے دور تک آ پہنچا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کہانی سننے والے تمام افراد انہیں مراحل سے گزر رہے ہوں۔ ان میں کوئی بھی غیر تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ ارتقائے انسانیت پر انہوں نے بھی بہت کچھ پڑھا تھا۔ دنیا کی تبدیلیوں کی داستان انہیں بھی معلوم تھی لیکن جس انداز میں یہ داستان بیان کی جا رہی تھی وہ انوکھا تھا اور یہ تصور کہ ان ادوار سے گزرا ہوا ایک انسان ان کے سامنے موجود ہے اور وہ آپ بیتی سنا رہا ہے۔ ان ادوار کی کہانیوں کو اور دلکش بنا دیتا تھا۔

کیا وہ خود بھی اس کہانی کو ادھورا چھوڑ کر جا سکتی ہے۔؟ فروزاں نے سوچا۔ نہیں پھر ایک خلش رہے گی اور یہ خلش کبھی مٹ نہ سکے گی۔

تب پھر کیا اس سے درخواست کی جائے کہ وہ کہانی جلد ختم کر دے لیکن اس سے تشنگی پیدا ہو جائے گی۔ اوہ۔ ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا۔

وہ ایک طویل نیند سے جاگا ہے۔ بقول اس کے۔ اور اس نے اس نئی دنیا کا تعین کر لیا۔ تو کیا۔ وہ اس نئی دنیا کا نظارہ نہیں کرے گا۔

کیا وہ اسی غار میں بیٹھا ہم سے باتیں کرتا رہے گا۔ نئی دنیا اس کی منتظر ہے۔ اسے یقیناً اس نئے ماحول سے دلچسپی ہو گی۔ وہ اس نئے ماحول میں خود کو ضم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور..... اور..... یقیناً۔ اسے اس نئے دور کی لڑکیوں کی بھی جستجو ہو گی۔

نئے دور کی لڑکیاں..... دو بہنیں حکیلہ..... اور ساؤل..... فرزانہ اور فروزاں..... دو لڑکیاں۔! فروزاں کا دل دھک سے ہو گیا۔ لاحول

ولا قوۃ.....کیا بے ہودہ بات سوچ رہی ہے وہ۔ ہونہہ۔شہزادہ حسن بس اپنے آپ میں مگن رہیں۔ باہر نکل کر ان بے وقوف لڑکیوں کو تلاش کریں جوان کے حسن پر فریفتہ ہو کر دیوانی ہو جائیں۔ نہ میں ان کے پھندے میں آنے والی ہوں اور نہ باجی...... ہاں اس بات کے اعتراف میں کوئی عار نہیں ہے کہ نئی نسل کی نوجوان لڑکیاں ہمیشہ سے زیادہ آزاد...... اس پر ٹوٹ پڑیں گی اور پھر حضرت کو بھاگنا پڑے گا اسی طرح جیسے طاآس کی بیویوں کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔

اس کے منہ سے ہنسی نکل گئی۔اور قریب لیٹی ہوئی فرزانہ چونک پڑی......"فروزاں۔!"اس نے آواز دی۔

"جی باجی۔"فروزاں ہنسی دباتی ہوئی بولی۔

"جاگ رہی ہو۔؟"

"ہوں۔"

"کیوں۔؟"فرزانہ نے اسے غور سے دیکھا۔

"بس ایسے ہی باجی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔"

"کیا.....؟"فرزانہ نے اسے شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں سوچ رہی تھی باجی۔ کہ ہم اس سے بات کریں کہ کیا وہ نئی دنیا نہیں دیکھے گا۔ پھر کیوں نہ وہ اپنی بقیہ کہانی نئی دنیا میں چل کر مکمل کرلے۔"فروزاں نے سرگوشی کی۔!

"ہوں۔تو تم ابھی تک اسی کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔"

"ہاں باجی۔!"فروزاں نے کہا۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے فروزاں۔ وہ بہت بے باک انسان ہے۔ ہماری ذرا سی حرکت سے غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔اور اس کے بعد تم جانتی ہو ہم اور ڈیڈی اس کی قوت کے سامنے بے بس ہوں گے۔"

"اوہ یہ ٹھیک ہے باجی۔ ہماری کسی بھی حرکت سے اسے غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔"

"ہاں۔اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ اس کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دو۔اور ہاں تم ہنسی کیوں تھیں۔؟"فرزانہ نے پوچھا۔

"بس ایک بات سوچ کر ہنس پڑی تھی باجی۔"

"کیا.....؟"

"یہی کہ اسے اپنے حسن پر بڑا غرور ہے۔ ہر دور کی لڑکیاں اس پر دھڑا دھڑ مرتی رہی ہیں۔ ہمارے بارے میں بھی شاید وہ خوش فہمی کا شکار ہو لیکن ہم ایمانداری سے اس سے متاثر نہ ہونے کا اعتراف کر چکے ہیں۔لیکن یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی باجی کہ اس کی شخصیت ہے عجیب۔ جدید دنیا کی بدحواس لڑکیاں اس پر ٹوٹ پڑیں گی اور اس کی سٹی گم ہو جائے گی۔ طاآس کی بیویوں سے خوفزدہ ہو کر کیا بھاگا تھا جواب بھاگے گا ان لڑکیوں

سے جان چھڑانے کے لئے۔!'' فروزاں پھر ہنس پڑی۔اور اب فرزانہ بھی ہنس رہی تھی۔اس کے انداز میں اطمینان تھا۔

☆☆☆

اس نے مسکرا کر ان تینوں کا استقبال کیا۔ناشتے کی میز پر ناشتہ تیار تھا۔وہ کھانے میں مصروف ہو گئے۔میز پر ایک صراحی میں وہ عجیب قسم کا مشروب بھی رکھا تھا۔جسے وہ کبھی کبھی ان لوگوں کو پلاتا تھا اور اسے پی کر وہ جسم میں بے پناہ چستی اور نئی امنگ محسوس کرتے تھے۔ناشتے کے بعد اس نے پیالوں میں وہ مشروب انہیں پیش کیا اور بولا۔

''میں آپ لوگوں کے چہروں پر کسی قدر اضمحلال کے آثار دیکھ رہا ہوں پروفیسر۔یہ مشروب پی لیں۔اضمحلال دور ہو جائے گا۔!''

''اوہ۔ہاں تمہارا خیال درست ہے۔دراصل کبھی کبھی ہمیں اپنی دنیا یاد آ جاتی ہے اور ہم سوچنے لگتے ہیں کہ نہ جانے ہم اسے دوبارہ دیکھ سکیں گے یا نہیں۔''

''میں ہزاروں ارکی تصویریں آپ کو دکھا رہا ہوں پروفیسر۔آپ کہہ ہی چکے ہیں کہ اس دنیا سے آپ کو کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔اطمینان سے چلیں گے پروفیسر، جلدی کیا ہے۔'' اس نے کہا اور پروفیسر خاموش ہو گیا۔ان کے اشارے پر لڑکیوں نے بھی مشروب کے پیالے اٹھا لئے تھے۔اور مشروب نے درحقیقت ان کے ذہن سے تردد نکال دیا۔ان کے جسموں میں سرور کی لہریں گردش کرنے لگیں۔اور ان کی روح فرحت محسوس کرنے لگی۔

''کہانی وہاں ختم ہوئی تھی جہاں تم تبرک کی طرح بٹ رہے تھے۔'' پروفیسر نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''تبرک بٹ چکا تھا پروفیسر۔وہ دونوں بے حد مطمئن اور خوش تھیں۔ابتدائی دنوں میں، میں بھی خوش رہا۔بوڑھے چرواہے کی بھیڑوں کی ذمہ داری اب میں نے لے لی تھی۔میں اس کی بھیڑیں پہاڑوں میں لے جاتا..... میرے ساتھ میری دونوں بیویاں ہوتیں، جو زیادہ وقت مجھ سے اظہار الفت میں گزارتیں۔اور ان سے نئی تہذیب کے ان علاقوں کے بارے میں معلوم کرتا۔انہوں نے مجھے عجیب باتیں بتائی تھیں پروفیسر..... گو ان کی معلومات زیادہ نہیں تھیں لیکن بہرحال میں نے ان کی باتوں سے بہت سے نتائج اخذ کئے تھے، جن کی میں نے بعد میں تصدیق کی۔جو کچھ میں نے معلوم کیا اور پھر جس کی میں نے تصدیق کی وہ کچھ یوں تھا۔

''جیسا میں بیان کرتا آیا ہوں پروفیسر۔کہ ماقبل تاریخ کا انسان بھی ذہانت سے عاری نہیں تھا۔وہ ابتداء میں بھٹکتا رہا۔لیکن پھر اس نے منظم رہنے کی ضرورت محسوس کر لی اور وہ گروہ بنا کر رہنے لگا۔اجتماعی زندگی میں بہت سے اذہان مل کر ضروریات کے بارے میں سوچتے تھے اور پھر ان پر عمل کرتے تھے۔چنانچہ ابتدائی تہذیبی دور سے پہلے کا انسان بھی مکان بناتا تھا لباس استعمال کرتا تھا۔پھر وہ یہ گروہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔اچھی معقول اور بہتر طرز زندگی کے لئے جدوجہد شروع ہوئی۔اور طاقتور گروہ کمزور گروہ پر غالب آنے لگے۔بہت سے گروہوں میں مفاہمت کی فضاء قائم ہوتی اور ان سب نے مل کر آبادیاں کیں، یوں شہر وجود میں آئے اور پھر شہری نظم و نسق، مجلسی اور اقتصادی طبقے۔منظم مذہب، بادشاہی وغیرہ وجود میں آ گئے یہ سب ماقبل تاریخ ہوا..... مشرق قریب میں تہذیب کی ابتداء ساڑھے چار ہزار سال قبل مسیح ہو گئی تھی۔وادی نیل، دجلہ و فرات اور وادی سندھ میں حقیقی شہر بن گئے تھے۔نیل اور دجلہ و فرات کی نزدیکی وادیوں کے خانہ بدوش قبیلے جب خشک وادیوں میں زندگی نہ گزار

سکے تو انہوں نے دریاؤں کے کناروں کا رخ کیا اور وہ اجتماعی حیثیت میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے اجتماعی مفاہمت کے ذریعہ ان دریاؤں پر پشتے بنائے اور کھیتی باڑی کرنے لگے۔ ابتداء میں ان گروہوں میں سخت رقابت رہی اور دن رات خونریز لڑائیاں ہوتی رہیں۔ طاقتور گروہ کمزوروں پر غالب آتے رہے اور حکومتیں قائم کرتے رہے۔ دریاؤں کے قریب کی خوشحالی خشک علاقوں میں آباد گروہوں کو لالچ دلاتی۔ اور وہ دوسرے سے مل کر حملہ آور ہو جاتے۔ عموماً حملہ آوروں کو فتح حاصل ہوتی لیکن اس سے دریاؤں کے کناروں کی خوشحالی متاثر ہوتی۔

دریائے نیل کے ساتھ مصر آباد ہوا، پھر دجلہ وفرات میں مختلف حکومتیں بن گئیں۔ مثلاً کلدانی، بابلی، آشوری، ان چھوٹی بڑی حکومتوں نے صدیوں تک اپنی انفرادیت اور آزادی برقرار رکھی۔ پھر آس پاس کے ایرانی پورے مشرقی علاقے کو زیرنگیں لے آئے۔ یہ خانہ بدوش قبائل سے زیادہ ذہین تھے۔ انہوں نے اقصاء ومصر سے ہندوستان اور روس کی سرحدوں تک کا پورا علاقہ مسخر کر لیا۔

''تاریخی مصر نیل کی تنگ وادی پر مشتمل ہے۔ جس کی لمبائی دوسرے آبشار اور ڈیلٹا کے درمیان آٹھ سو میل ہے۔ تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح مصر کی تاریخ کا پائیدار دور شروع ہوا۔ مصریوں نے صحرائی علاقے سے بحیرۂ قلزم تک راستہ پیدا کر لیا تھا۔ تجارت شروع ہو گئی تھی، چار ہزار تین سو سال قبل مسیح، مصر میں دو حکومتیں قائم تھیں۔ بالائی مصر جو نیل کے پہلو میں تھا اور زیریں مصر، جو اس کے زیریں حصے اور ڈیلٹا میں تھا لیکن بعد میں یہ دونوں حکومتیں ایک ہو گئیں۔ مختلف گروہوں کے مختلف مذاہب تھے کوئی بت پرست تھا، کوئی آتش پرست، کوئی سورج پرست، مذہبی چپقلشیں بھی خوب چلتی تھیں۔ شاہی خاندان بدلتے رہتے تھے، کبھی آتش پرست ہوتے، کبھی بت پرست اور کبھی سورج پرست، چوتھے شاہی خاندان کے برسر اقتدار آنے کے بعد سورج پرستوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ان کے عقائد سب سے زیادہ پراسرار تھے۔ حسب سابق مصر کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے اور چوتھے خاندان کا دارالحکومت ممفس تھا۔ اس وقت جب میں مصر کے بالائی حصے کی ایک بستی میں قیام پذیر تھا۔ چوتھے خاندان کے فرعون راعبوس کی حکومت قائم تھی۔ راع سورج کو کہتے ہیں اور بی تنکیری علامت ہے۔ گویا بادشاہ کا لقب ''فارع'' تھا۔ یہی لفظ عبرانی زبان میں فاراعو اور عربی میں فرعون بن گیا۔

فرعون چہارم کی تاریخی دور میں، میں نے ایک دلکش زندگی گزاری۔ ابتداء میں، میں اس چھوٹی سی بستی تک محدود رہا اور اس نئی مملکت کے بارے میں معلومات فراہم کرتا رہا۔ میری دونوں بیویاں حکیلہ اور ساؤل میری بہت وفادار تھیں اور درحقیقت پروفیسر تھوڑے عرصے میں، میں ان کی شرافت، محبت اور وفاداری کا قائل ہو گیا تھا لیکن مجھے قرار کہاں تھا۔ فرعون کے نمائندے کبھی کبھی بستی میں نئے احکامات سنانے آجاتے تھے اور میں ان کے تزک واحتشام کو دیکھ کر سوچتا کہ جب یہ معمولی کارندے اس قدر شان وشوکت رکھتے ہیں تو دربار فرعون کی کیا کیفیت ہو گی۔ فرعونی دربار کو دیکھنے کی خواہش آہستہ آہستہ میرے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی لیکن ان دولڑکیوں کے چکر میں، میں گھن چکر بن گیا تھا۔ اب میرا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ میں بوڑھے فارح کی بھیڑیں چرانے لے جاؤں۔ شام کو انہیں واپس لا کر احاطے میں بند کر دوں۔ پھر کھانا کھاؤں اور رات اپنی بیویوں کے ساتھ گزاروں۔''

بوڑھا فارح بھی بہت خوش تھا کہ اسے ایک مضبوط ملازم مل گیا تھا۔ چنانچہ وہ دن رات آرام کرتا اور خوب موٹا ہو گیا تھا وہ تو پروفیسر..... درگت بن رہی تھی مجھ جیسے انسان کی۔ لیکن میں صرف ایک فائدہ حاصل کر رہا تھا یعنی جس وقت میں بھیڑیں واپس لاتا، کھاتا پیتا اور رات ہونے میں

کچھ دیر باقی رہ جاتی......تو......بستی کے ان بوڑھے لوگوں میں جا بیٹھتا جو شام کو ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ یہ گفتگو فرعون کی حمکنت اور وقار کے بارے میں ہوتی۔ وہ اسے خداوند سمجھتے۔ احکام فرعون ایک طرح سے خدا کا حکم ہوتا۔ پوری زمین کا وہی مالک تھا اور اسی کے حکم سے سب کو روٹی ملتی تھی۔ فرعون کے کاروبار کو کاسین چلاتے تھے۔ جو معبدوں میں عیش کرتے تھے اور درحقیقت ان کو فرعون کے پراسرار نظام کو مزید پراسرار بنانے میں انہیں کاہنوں کا ہاتھ تھا۔ وہ نئے نئے قانون وضع کرتے اور فرعون ان کی تصدیق کر دیتا۔ کس کی مجال تھی کہ ان قوانین سے پہلوتہی کرے۔ قانون شکنی کرنے والے کو بدترین سزائیں ملتی تھیں۔ میں بتا چکا ہوں پروفیسر کہ مصر میں آباد ہونے والے مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے عقائد ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملا تھا۔ یعنی پورے ملک کا عقیدہ اور قانون وہی ہوتا جو فرعون وقت کا ہوتا۔ کس کی مجال تھی کہ اس عقیدے سے انحراف کرلے۔ یوں تو اب بھی لوگ چوری چھپے اپنے عقیدوں پر کاربند تھے لیکن صورتحال یہ تھی کہ اگر ان کے بارے میں فرعون کے کارندوں یا اس کے مخبروں کو معلوم ہو جاتا تو وہ کاسینوں کے احکامات کے مطابق ان لوگوں کو گرفتار کر کے لے جاتے اور اس کے بعد ان کا حشر کسی کو نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہاں یہ آج تک کی تاریخ تھی کہ ان میں سے کوئی کبھی واپس نہیں آیا تھا۔

وقت گزرتا رہا اور میں تہذیب کے ان نئے انسانوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جس قدر میں معلوم کرنا چاہتا تھا معلوم کر چکا۔ اب میں وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ بوڑھا فارح یوں تو بہت خوش تھا لیکن اسے اس بات کی سخت شکایت تھی کہ انتہائی قوی ہیکل ہونے کے باوجود میں ابھی تک اس کی لڑکیوں کو حاملہ نہیں کر سکا تھا۔ بوڑھا اپنی نسل بڑھانا چاہتا تھا اور کئی بار اس سلسلہ میں مجھ سے تذکرہ کر چکا تھا لیکن میں مسکرانے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا۔ اب میں رات دن اس سوچ میں تھا کہ کس طرح یہاں سے نکل چلوں اور فرعون کے شہر کا رخ کروں۔ تب میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں نے اس پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس میں ایک قباحت تھی۔ وہ یہ تھی کہ جس انداز میں، میں فرعون کے دربار تک رسائی چاہتا تھا اس میں بوڑھے اور اس کے اہل خاندان بھی ملوث ہوتے تھے۔ یہ لوگ مفت میں مارے جاتے میں یہ نہیں چاہتا تھا۔ بوڑھے کی پوری بستی خطرے میں پڑ جاتی۔

چنانچہ پہلے میں نے ان سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا اور اس شام بوڑھے سے میری تلخ کلامی ہوگئی۔ جنگل میں، میں نے ایک بھیڑ ذبح کر کے بھون کر کھائی تھی چنانچہ جب میں واپس آیا اور بوڑھے نے بھیڑوں کو گنتی کی تو ایک بھیڑ کم پائی۔ اس نے سختی سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو میں نے کہہ دیا کہ مجھے بھیڑ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

''تو اپنی جسامت کے خلاف بڑا نکما انسان نکلا۔ میں نے تجھے اجنبی سمجھ کر پناہ دی۔ اپنی بیٹیاں تیرے حوالے کیں لیکن تو ان سے اولاد بھی پیدا نہ کر سکا۔ بہتر ہے تو میری بیٹیوں سے قطع تعلق کر اور آج ہی یہاں سے چلا جا۔''

''یہی بہتر ہے فارح۔ میں نے تیری لڑکیوں کو چھوڑا۔''

''اس طرح نہیں۔ زمین کھود کر دودھ کا پیالہ نکال کر پھینک دے۔'' چنانچہ میں زمین کھودنے کے اوزار لے کر نکلا اور میں نے زمین کھود کر وہ پیالہ نکال دیا جس کا دودھ کبھی کا خشک ہو چکا تھا۔ تب بوڑھے کی دونوں بیٹیاں روتی چنگھاڑتی آئیں اور بوڑھے کو برا بھلا کہنے لگیں لیکن اب جو ہونا

تھا وہ ہو چکا تھا۔

بوڑھا باہر آیا۔ اس نے بستی کے لوگوں کو جمع کیا اور بتایا کہ اب اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ مجھے بوڑھے سے متعلق نہ سمجھا جائے۔ بستی کے لوگوں نے مجھے نفرت سے دیکھا لیکن بہر حال میں آزاد ہو گیا تھا اور اب مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ میں بستی سے نکل آیا اور اسی سمت چل پڑا جہاں کے بارے میں مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ راستہ شہر جاتا ہے۔ رفتار سست تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کتنی دور چلنا ہوگا۔ بہر حال میں چل رہا تھا۔ میری آنکھوں میں دربار شاہی کا نقشہ گھوم رہا تھا۔ میں اس عجیب و غریب ایوان کو دیکھنے جا رہا تھا جس کے حیرت و جلال کی بے شمار کہانیاں سن چکا تھا اور ان لوگوں میں اپنی حیثیت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اور پھر ایک دن ایک رات کا سفر گزرا تھا پروفیسر...... کہ میں ایک شام بستی جا نکلا۔ یہ بستی پہلی بستی سے خوبصورت تھی۔ اس کے مکانات زیادہ بڑے اور زیادہ خوبصورت تھے۔ حالانکہ ابھی سورج چھپا ہی تھا۔ لیکن پوری بستی ویران نظر آ رہی تھی۔ گلیوں اور بازاروں میں کسی انسان کا پتہ نہیں تھا۔ نہ گھروں میں چراغ روشن تھے اور کسی بچے کے رونے تک کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں سخت بھوکا تھا۔ بستی دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی کہ بہر حال یہاں مجھے کچھ کھانے کو مل جائے گا۔ لیکن اس کی ویرانی دیکھ کر میرے اوپر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ آخر یہ کیسی بستی ہے۔ یہاں کے لوگ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟ کیا پوری بستی ویران ہے۔ گھروں میں چراغ روشن ہیں لیکن آبادی نہیں ہے۔ میں ان حیرت انگیز مکانوں کے درمیان سے گزرنے لگا! تب میں نے ایک مکان کے دروازے پر رک کر دستک دی۔

''کون ہے......؟'' اندر سے ایک ڈری ڈری آواز سنائی دی۔

''باہر آؤ......'' میں نے کہا اور بمشکل تمام دروازہ کھلا اور ایک سہمے ہوئے چہرے نے باہر جھانکا۔ ''میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھانے کو دو۔'' میں نے کہا۔

''چھپ جاؤ...... بھاگ جاؤ۔ کیوں ہماری زندگی کے گاہک ہوئے ہو۔'' جھانکنے والے نے کہا اور جھپاک سے دروازہ بند کر لیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ بہر حال میں نے دوبارہ دستک دینا مناسب نہ سمجھا، ہاں اتنا اندازہ تھا کہ بستی کے لوگ کسی کے خوف سے خاموش ہیں۔ لیکن یہ کیسا خوف ہے؟ اور کیوں ہے؟ میرے دل میں تجسس پیدا ہو گیا۔ لیکن خوف کی یہ وجہ کہاں تلاش کروں۔؟

ابھی میں سوچ رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں سازوں کی آواز سنائی دی۔ یہ اس بستی کی پہلی آواز تھی اور میرے کان اس آواز سے آشنا نہیں تھے۔ تب میرے قدم آوازوں کی لہروں کی سیدھ میں آگے بڑھتے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں اس مکان کے سامنے جا پہنچا، جس میں خوب روشنی ہو رہی تھی۔ اندر سے مردانہ قہقہوں کی بدمست آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یقیناً اندر بہت سے لوگ تھے اور ساز بھی بج رہے تھے۔ میں نے گھوم پھر کر اس طویل عریض مکان کو چاروں طرف سے دیکھا۔ مکان کی عقبی سمت میں ایک بڑا احاطہ تھا اور اندر داخل ہونے کا یہ بھی ایک راستہ تھا۔ لیکن یہ راستہ بہت سے گھوڑوں کی موجودگی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔

بے شمار چاق و چوبند اور تندرست گھوڑے کھڑے ہوئے تھے جن سے اندر موجود انسانوں کی تعداد کا اندازہ ہوتا تھا۔ تب میں اس سامنے

والی چوبی دروازے پر آیا۔ خوب مضبوط۔ لیکن اندر سے بند تھا۔ امیں نے دروازے پر دستک دی۔ لیکن سازوں اور قہقہوں کے شور میں دستک کسی نے نہ سنی۔ میں نے دوسری بار زور سے اور تیسری بار اور زور سے دستک دی لیکن اندر کے بدمست لوگ قہقہے لگاتے رہے۔ اگر میں بھوکا نہ ہوتا پروفیسر تو یقیناً مجھے غصہ نہ آتا اور میں دروازہ کھلوانے کی جدوجہد جاری رکھتا۔ لیکن بھوک شدت سے لگ رہی تھی اور پرلطف بات یہ تھی کہ اندر سے گوشت بھننے کی اشتہا انگیز خوشبو بھی اٹھ رہی تھی!

چنانچہ خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور میں نے بائیں شانے سے ایک زوردار ٹکر اس چوبی دروازے پر ماری۔ گو دروازہ بہت مضبوط تھا لیکن مجھے بھوک بھی شدت سے لگ رہی تھی۔ دوسری طرف سے کچھ چیخیں سنائی دیں۔ دروازہ چوکھٹ سمیت اکھڑ کر کسی پر جا پڑا تھا۔ اور دروازے کے نیچے دبے ہوئے لوگ چیخ رہے تھے۔

ساز ایک دم خاموش ہو گئے قہقہے بیک وقت رک گئے۔ گردنیں میری طرف مڑ گئیں۔ میں نے ایک نگاہ سے پورے ماحول کو دیکھا۔ قوی ہیکل جوان لکڑی اور پتھر کی بینچ ل پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے جسموں پر فرعون کے سپاہیوں کے لباس تھے۔ برہنہ اور نیم برہنہ لڑکیاں ان کی آغوش میں دبی ہوئی تھیں...... لڑکیوں کے چہروں پر ہراس تھا اور جوانوں کے چہروں پر بہیمیت، ان کے سامنے لکڑی کی میزوں پر پتھر کے مرتبان موجود تھے جس میں نشہ آور سیال تھا۔ ساتھ ہی ساتھ بھیڑوں اور مرغوں کے بھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی تھے۔ درمیانی عمر کی چند عورتیں لباس سے عاری پورے ہال میں کھڑی تھیں بعض کے ہاتھوں میں بھنا ہوا گوشت تھا اور بعض کے ہاتھوں میں شراب کے جام۔ میری اچانک مداخلت سے ماحول پتھرا گیا تھا۔ ان لڑکیوں کی انگلیاں سازوں پر ساکت ہو گئی تھیں۔ جوان کو خوش کرنے کے لئے ساز بجا رہی تھیں۔

شاید یہ قحبہ خانہ تھا۔ لیکن اتنی لڑکیوں کی یہاں موجودگی یقیناً حیرت انگیز تھی۔ تب میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ممکن ہے بستی کی نوجوان لڑکیاں زبردستی یہاں لائی گئی ہوں۔ یقیناً ایسا ہی تھا۔ ظاہر ہے وہ فرعون کے سپاہی تھے کس کی مجال تھی کہ انہیں روکنے کی جرأت یا ان کے حکم سے سرتابی کرے۔

ماحول کی یہ سنگینی کئی لمحوں تک قائم رہی۔ سوائے ان لوگوں کے جو وزنی دروازے کو خود پر سے ہٹانے کی کوشش میں ناکام رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ میں ماحول کا جائزہ لے چکا تھا۔ چنانچہ میں آگے بڑھا۔ دروازے کے نیچے سے جو ٹانگیں جھلک رہی تھیں۔ وہ بھی فرعونی سپاہیوں کی تھیں۔ نزدیک ہی ایک الٹی پلٹی میز بھی پڑی تھی جس پر رکھے ہوئے جار کے ٹوٹ جانے سے شراب زمین پر بہہ رہی تھی۔ چنانچہ میں اطمینان سے بڑھا اور گرے ہوئے دروازے پر چڑھ کر دوسری طرف جانے لگا۔

دروازے کے نیچے دبے ہوئے سپاہی اس طرح چیخ رہے تھے جیسے ان کی گردن پر چھری پھیری جا رہی ہو۔ لیکن درحقیقت ان کی یہ چیخیں موت کی چیخیں ہی تھیں۔ دروازے میں نکلی ہوئی کیلیں ان کے دماغوں میں پیوست ہو کر میرے وزن سے اندر گھس گئی تھیں اور اب وہ دروازے کے نیچے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی اور آگے بڑھتا رہا۔ پھر میرے سامنے سب سے پہلی میز آئی جس کے گرد ایک قوی ہیکل سپاہی ایک لڑکی کو دبوچے میری طرف دیکھ رہا تھا لڑکی کے شفاف سینے پر خون کی لکیریں رقصاں تھیں۔ اس کے

رخساروں پر دانتوں اور کھروچوں کے نشانات واضح تھے جن سے خون چھلک رہا تھا۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا اور پھر میز پر رکھی ہوئی بھیڑ کی ران کو۔ جس سے دھویں کے ہلکے ہلکے اشتہا انگیز بخارات اٹھ رہے تھے۔ تب میں نے ہاتھ بڑھا کر ران اٹھالی اور دونوں ہاتھوں میں دبا کر اسے دانتوں سے ادھیڑنے لگا۔ میں جس انداز سے اندر داخل ہوا تھا اور میری جو ہیئت اور جسامت تھی اس نے چند لمحات کے لئے ان لوگوں کو مرعوب کر دیا تھا۔ لیکن وہ سنبھل گئے۔ ہال میں کچھ غراہٹیں بلند ہوئیں جن میں سب سے نمایاں غراہٹ اس شخص کی تھی جس کی میز کے نزدیک میں کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ کبوتر کے خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا اور دانت بھیانک انداز میں نکل آئے تھے۔ اور پھر اس نے گود میں پڑی ہوئی لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا اور ایک وحشیانہ چیخ کے ساتھ مجھ پر جھپٹا۔ لیکن میں ردعمل کے لئے تیار تھا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی بھیڑ کی ران میں نے پوری قوت سے گھمائی اور اس کے منہ پر دے ماری۔ چھوٹی سی ران کی ہڈی اتنی مضبوط نہیں تھی لیکن بہرحال وہ میرے ہاتھ میں تھی اور میں نے ماری بھی زور سے تھی۔ پھر کوئی شاندار نتیجہ کیوں نہ نکلتا۔ اس کی پیشانی نے گاڑھا خون اگل دیا تھا جس میں سے کچھ خون بھنی ہوئی ران کو بھی لگ گیا تھا۔

اس کی چیخ بہت بھیانک تھی۔ خون اس کی آنکھوں میں بھی گیا تھا اور وہ اندھوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے مجھے ٹٹول رہا تھا۔ لیکن میں نے ران سے انسانی خون بھی صاف نہیں کیا اور پھر اطمینان سے اسے ادھیڑنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں کو میری یہ وحشیانہ حرکت شاید بہت پسند آئی تھی کیونکہ نہ تو کوئی اس کی مدد کے لئے اٹھا نہ کسی نے ایک لفظ منہ سے کہا بلکہ اس کے برعکس بہت سوں کے چہروں پر پسندیدگی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ مسکرانے بھی لگے تھے۔

لیکن اس کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ اب لہرانے لگا تھا۔ اور اس کے حلق سے دبی دبی کربناک چیخیں آزاد ہو رہی تھیں۔ اور پھر وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں آگے بڑھا اور اس کے سینے پر پاؤں رکھ کر میں نے چاروں طرف دیکھا لیکن اب بھی ان میں سے کسی کے انداز سے ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اٹھیں گے۔

میں اطمینان سے اس کے سینے پر پاؤں رکھے کھانا کھاتا رہا۔ اور جب میرے ہاتھ میں بچے ہوئے گوشت کی صرف ہڈی رہ گئی تو میں نے اسے ایک طرف اچھال دیا۔ لڑکی اب بھی اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ایک نگاہ اس کی طرف دیکھا اور پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کی طرف اچانک خدمت گار...... معمر عورتوں میں سے ایک، ایک بڑے خوان میں بھنے ہوئے گوشت کا ایک بہت بڑا ٹکڑا لے کر سہمی ہوئی میرے سامنے پہنچ گئی۔ وہ یہ گوشت میرے لئے لائی تھی۔

''شکریہ مہربان خاتون۔'' میں نے نرم لہجے میں اس سے کہا۔ اور گوشت اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ عورت میرے نرم لہجے اور الفاظ سے حیران رہ گئی تھی۔ تب میں نے زمین پر گری ہوئی لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور وہ میرے ہاتھ کے سہارے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاید ہال میں بیٹھی ہوئی تمام لڑکیاں ظلم کا شکار تھیں۔ ان کے چہروں پر چھایا ہوا خوف و ہراس یہی بتا رہا تھا۔ وہ میرے ساتھ اس میز پر آ گئی جہاں پہلے میرا شکار بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ برہنہ لڑکی نے میری آغوش میں بیٹھنا چاہا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ میں ان لوگوں سے مختلف نہیں ہوں۔ لیکن میں

نے اسے روک دیا۔

''تمہارا لباس کہاں ہے۔؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''وہ۔ وہ اس طرف۔'' اس نے ایک سہا ہوا سا اشارہ کیا۔

''وہ لباس پہن کر آؤ۔'' میں نے اس سے کہا۔ اور وہ تڑپ کر اٹھ گئی۔ شاید اس کی آرزو بھی یہی تھی۔ میں نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھا۔ سب اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ وہ بدمست تھے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ شخص بدستور اسی طرح پڑا تھا جسے میں نے زخمی کیا تھا۔ اس میں ہوش کے آثار نہیں تھے۔ یا پھر شاید وہ مر چکا تھا۔

چند منٹ کے بعد لڑکی میرے پاس آ گئی۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ میں نے گوشت کے ٹکڑے سے کچھ گوشت نوچ کر اسے دیا۔ اور پھر دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر گوشت ادھیڑتے ہوئے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔؟''

''شہلا۔'' لڑکی نے مترنم آواز میں جواب دیا۔

''اس بستی کا کیا نام ہے۔؟''

''اتالعہ۔'' اس نے قدرے حیرت سے کہا۔ اور میں اس کی حیرت کی وجہ سمجھ گیا۔ تب میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ تم دیکھ رہی ہو۔ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہاری بستی میں اجنبی ہوں۔ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''خداوندراعموس کی سپاہی ہیں۔ موت ان کے قدموں میں لوٹتی ہے۔ جس طرف نکل جائیں ان کا احترام فرض ہے۔ ان کے مقدس حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ ورنہ زندگی ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن یہ تم نے یہ کیا کہا۔ نہ تم ان کے بارے میں جانتے ہو اور نہ اس بستی کے بارے میں۔''

''میں تو تمہارے خداوندراعموس کے بارے میں بھی نہیں جانتا۔ اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تمہارا تعلق کون سے قبیلے سے ہے۔؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''میں بذاتِ خود ایک قبیلہ ہوں۔ کیا ان لڑکیوں میں کوئی بھی اپنی مرضی سے ان کے پاس نہیں ہے۔؟''

''نہیں۔ یہ سب بستی کی کنواریاں ہیں۔ بزرگ اسی دن کو ڈرتے تھے کہ کہیں سپاہیوں کا کوئی دستہ اس طرف نہ آ جائے۔ اور وہ آئے انہوں نے شراب گوشت اور لڑکیاں طلب کیں۔ کس کی مجال تھی کہ ان کے حکم سے انحراف کرتا۔ لیکن تم......؟'' لڑکی نے اپنا سوال پھر دہرانا چاہا۔

''میں بہت دور سے آیا ہوں۔ سیاہ پہاڑوں کے درمیان سے۔ تم میرے بارے میں نہ سمجھ سکو گی، ہاں۔ اپنے خداوند کے بارے میں ضرور سمجھاؤ۔''

''اپنے خداوند۔؟'' لڑکی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر سہمے ہوئے انداز میں بولی ''نہیں اجنبی۔ ایسا مت کہو۔ وہ سب کا

خداوند ہے اور اس کی برتری تسلیم کرنے میں ہی زندگی ہے۔ ایسا مت کہو۔ ورنہ یہ بھوکے بھیڑیے تمہارے جسم کا تکا بوٹی کر دیں گے۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر میں نے کہا۔'' لیکن میں اسے خداوند کس طرح کہوں جسے میں نے دیکھا بھی نہیں ہے۔ کیا معبد یہاں سے زیادہ دور ہے۔''

'' چند راتوں کی مسافت ہے بشرطیکہ تمہارا گھوڑا تیز رفتار ہو۔ لیکن اس کے باوجود تم خداوند کو صرف چڑھتے چاند کی تیسری رات میں دیکھ سکتے ہو۔ جب وہ کاہن اعظم سالموس کے ساتھ معبد کے کلس میں دیدار کراتا ہے۔''

'' خوب۔'' میں نے دلچسپی سے کہا۔ اور پھر گوشت کی چکناہٹ میں ڈوبی ہوئی انگلیاں اپنے لباس سے صاف کر لیں۔ میں شکم سیر ہو چکا تھا تب میں نے پانی طلب کیا۔ اور اسے پینے کے بعد ڈکاریں لیں۔

'' کیا میں ان سب کو قتل کر دوں۔؟'' میں نے لڑکی سے پوچھا۔

'' نہیں نہیں۔ اب ان کو نہ چھیڑوں۔ انہوں نے اپنے ساتھی کی موت برداشت کر لی ہے۔ آؤ اٹھو میرے ساتھ اگر تم اجنبی ہو تو ان خونی بھیڑیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو گے۔ وہ نشے میں چور ہیں اگر ہوش میں آ گئے تو..... تو اٹھو۔ آؤ۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف چل پڑی۔ نہ جانے وہ مجھے کہاں اور کیوں لے جا رہی تھی۔ بہر حال پھر وہ میرے ساتھ اس مکان کے عقبی حصے کے ایک کمرے میں پہنچ گئی۔ اور اندر سے دروازہ بند کر لیا پھر اس نے دروازے سے پشت لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

میں کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ سادہ سا کمرہ تھا۔ ایک طرف لکڑی کا ایک تخت پڑا ہوا تھا جس کے اوپر نرم بستر تھا۔ میں آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھا اور اس پر بیٹھ گیا۔ تب وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اس نے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

'' چمکدار جسم والے اجنبی مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

'' بتا چکا ہوں۔ میں پہاڑوں سے آیا ہوں۔ اور یہاں نووارد ہوں۔''

'' لیکن اس قدر اجنبی کیوں ہو۔ کیا تمہارے قبیلے کے لوگوں نے تمہیں مصر کی حکومت کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔؟''

'' اپنے قبیلے کا تنہا فرد ہوں۔!''

'' اوہ۔ باقی کہاں گئے۔؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔ اور پھر خود ہی ایک سسکی لے کر بولی۔'' میں سمجھ گئی۔ شاید انہیں قتل کر دیا گیا ہوں گا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے اجنبی۔ کبھی میرا قبیلہ بھی یہاں حکمراں تھا۔ میری ماں بتاتی ہے کہ یہ پشتوں قبل کی بات ہے اس کے بعد حالات بدل گئے۔ اور اب ہم اگر کسی سے کہہ دیں کہ ہمارا تعلق اس شاہی نسل سے ہے تو شاید یہ لوگ ہماری بوٹیاں تبرکاً آپس میں تقسیم کر لیں۔''

میں مسکرا کر رہ گیا۔ وہ غلط فہمی میں تھی۔ بہر حال یہی بہتر ہے کہ اس نے خود ہی کچھ فرض کر لیا تھا۔ میں بے مقصد باتوں سے الجھ رہا تھا وہ میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ اور مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

'' تم ان وحشیوں سے بہت مختلف ہو۔ حالانکہ تم ان سے زیادہ طاقتور اور بہادر ہو۔''

''کیا وہ بہت ظالم ہیں۔؟''

''ظالم سے بھی بڑا کوئی لفظ ہو تو کہو۔ ان کی نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ وہ انسان اور کتے میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔''

''خوب۔ تو میرا خیال درست ہے۔ انہوں نے تم لوگوں کو زبردستی پکڑا ہے۔''

''میں بتا چکی ہوں۔ یہ سب مجبور و بیکس لڑکیاں ہیں جنہیں انہوں نے گھروں سے ہانک کر نکالا ہے۔ نہ جانے کتنے مزاحمت کرنے والے قتل کر دیئے گئے اور اس وقت...... آس پاس کی بستیوں میں نہ جانے کیا ہو رہا ہوگا۔''

''کیا مطلب۔ کیا ان کی کوئی بڑی تعداد یہاں موجود ہے۔؟''

''ہاں۔ وہ کسی مہم سے واپس لوٹے ہیں اور اب دارالحکومت جا رہے ہیں۔ جس علاقے میں رات ہو جائے گی اس کے قرب و جوار کی بستیوں پر تباہی ضرور آئے گی۔ یہی ان کا اصول ہے۔ وہ ٹکڑیوں میں بٹ کر مختلف بستیوں میں نکل گئے ہوں گے۔ جیسے یہ ٹکڑی یہاں آئی ہے۔''

''ہوں۔'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ ظاہر ہے میں کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا انسان نے ہر دور میں تہذیب کے نئے نئے لبادے اوڑھے ہیں۔ لیکن میرا تجربہ شاہد ہے پروفیسر...... کہ جب بھی وہ ان لبادوں کے نیچے سے جھانکتا ہے، پہلے سے زیادہ وحشی اور خونخوار نظر آتا ہے۔ بہرصورت لڑکی سے مجھے بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوئیں وہ اس قحبہ خانے کی مالک کی لڑکی تھی اور یہیں رہتی تھی۔ یہ لوگ ناچ گا کر پیٹ بھرتے تھے۔ اور پروفیسر...... پھر لڑکی نے مجھے ایک پیشکش کی۔

''وہ وحشی جس کی آغوش سے تم نے مجھے نکالا، جب شراب کے نشے میں چور ہو جاتا تو میرے جسم پر بے پناہ خراشیں بن جاتیں۔ میں اس کی ہوس کا شکار بنتی۔ وہ میرا پسندیدہ مرد نہیں تھا۔ اس لئے اسے قتل کرنے کے انعام کے طور پر میں تمہیں یہ رات بخشنا چاہتی ہوں اجنبی۔ کیا تم مجھے قبول کرو گے۔؟'' اس نے اوپر کھسک کر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ اور پروفیسر میں اسے قبول کیوں نہ کرتا۔ جوان تھی، خوبصورت تھی اور پھر اس نے خود ہی دعوت دی تھی۔ ہاں اگر وہ مجھے دعوت نہ دیتی پروفیسر...... تو پھر میں ان وحشیوں میں سے ایک نہ بنتا۔! لیکن میرے اصول سے اب وہ میرے لئے جائز تھی۔ چنانچہ میں نے اس جائز مال سے پورا پورا منافع کمایا۔ اور۔ وہ رات بھی زندگی کی دلچسپ راتوں میں شامل ہو گئی۔ اس جدید دور میں حکیلہ اور رساؤل کے بعد یہ تیسری لڑکی تھی جو بہرحال مجھے پسند آئی۔

اس دلکش رات کی بھی صبح ہو گئی۔ میں اور شبلا اس کمرے سے نکل آئے۔ نہ جانے اس عمارت کے دوسرے مکینوں پر کیا گزری تھی۔ بہرحال ہم نے ہال میں آکر دیکھا۔ میزیں الٹی پڑیں تھیں۔ کہیں کہیں خون کے بڑے بڑے دھبے نظر آرہے تھے۔ بوتلیں ٹوٹی پڑیں تھیں۔ غرض، وحشت اور بربریت کے تمام نقوش موجود تھے۔ لیکن ہال کسی جاندار کے وجود سے خالی تھا۔

کیا وہ لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔؟'' میں نے شبلا سے پوچھا۔

''نہیں۔ انہیں ان کے گھروں میں دھکیل دیا ہوگا۔ شاید وہ ابھی کہیں قریب موجود ہیں ورنہ بستی کے ہر گھر سے رونے پیٹنے کی آوازیں آرہی ہوتیں۔'' لڑکی نے بتایا۔ اور پھر چونک کر بولی۔ نہ جانے میری ماں کہاں ہے۔؟'' اور وہ ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔ یہاں اب میرا کوئی کام نہیں

تھا۔ اور پھر اب یہاں رکنا ان لوگوں کو بھی پریشانی میں مبتلا کرنا تھا۔ ممکن ہے زخمی شخص ہوش میں آ گیا ہو۔ اور ہوش میں آنے کے بعد اس نے میرے بارے میں پوچھا ہو۔ اور اب انتقام لینا چاہتا ہو۔ میری کوئی بات نہیں تھی لیکن اگر یہ لڑکیاں بھی اس انتقام کی بھینٹ چڑھ گئیں تو یہ بلا وجہ برباد ہو جائیں گی۔ اور میں بتا چکا ہوں پروفیسر...... کہ اب میں کسی نئے چکر میں پڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں ایک سیدھی سادی زندگی گزارنا چاہتا تھا جس میں صرف تحقیق ہو۔ میں اب صرف اپنے لئے جدوجہد کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں ان لڑکیوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ لیکن عمارت سے باہر قدم رکھتے ہی میں ٹھٹھک گیا۔ تاحد نگاہ آہن پوش نظر آ رہے تھے۔ ان کے گھوڑے زمین پر سم مار رہے تھے۔ اور ان کے سامنے زمین پر اس شخص کی خون آلود لاش رکھی ہوئی تھی۔ میرا شکار جانبر نہ ہو سکا تھا۔

ان سب کا رخ مکان کی طرف تھا اور وہ خاموش کھڑے تھے۔ لیکن ان کی تعداد ان لوگوں سے بہت زیادہ تھی جو رات کو اس مکان میں موجود تھے۔ شاید دوسری بستیوں میں پھیلے ہوئے سپاہی بھی سمٹ کر آ گئے تھے۔

صرف ایک لمحے کے لئے میں رکا۔ اور پھر اطمینان سے آگے بڑھ گیا۔ تب سامنے والی قطار سے عقب کے چھ گھوڑے نکلے۔ ان کے سوار بڑے قوی ہیکل تھے اور ان کے جسم پر فولادی لباس موجود تھا۔ چھ گھوڑے ایک مخصوص دائرے کی شکل میں میرے گرد پھیل گئے۔ پھر انہوں نے تلواریں سونت لیں اور اس وقت میں نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔

''سنو۔ پہلے میری بات سن لو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' لیکن انہوں نے میری بات نہ سنی۔ چھ آدمیوں نے وحشیانہ نعرے لگائے اور اپنے گھوڑے مجھ پر دوڑا دیئے۔ تب میں بھی ان سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

ایک سوار نے میری گردن پر تلوار کا وار کیا۔ میں نے جھک کر اس کا وار خالی دیا اور پھر اس کے گھوڑے کی ٹانگ پکڑ کر اسے موڑ دیا۔ گھوڑا ہنہنا کر بری طرح نیچے گرا۔ اس کے سوار نے چھلانگ لگا کر بچنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بہر حال وہ گھوڑے کے نیچے دب گیا۔ اس اثنا میں دوسرا سوار بھی پہنچ گیا تھا۔ اس نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ لیکن میں نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا تھا۔ تب میں نے گرے ہوئے سواروں کی گردنوں کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ چار گھوڑے اب بھی میرے گرد پینترے بدل رہے تھے۔ لیکن اب وہ حملہ اس لئے نہیں کر رہے تھے کہ ان کے ساتھیوں کو ڈھال بنایا جا سکتا تھا۔

''اب بھی وقت ہے۔ میری بات سن لو۔ ورنہ تمہارے جتنے ساتھی میرے ہاتھوں ہلاک ہوں گے ان کے ذمہ دار صرف تم ہو گے۔'' میری بغلوں میں دبے ہوئے سور ما ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ وہ میرے چنگل سے نکل جانا چاہتے تھے لیکن اپنی تمام تر کوشش کر کے وہ تھک گئے تھے اور جب وہ دوبارہ جدوجہد کرنے کی کوشش کرتے تو میں ان کی گردنوں پر دباؤ ڈال دیتا۔ اور ان کی چیخیں بند ہونے لگتیں۔

تب ایک سوار گھوڑے سے اترا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان چاروں گھوڑ سواروں کو واپس جانے کے لئے کہا۔ جو اب بھی مجھ پر حملہ کرنے کا مناسب موقع تلاش کر رہے تھے۔ سوار چلے گئے تو وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

''انہیں چھوڑ دو۔ میں تم سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' اور میں نے اطمینان سے ان دونوں سپاہیوں کو چھوڑ دیا جن کی بری حالت

تھی میری گرفت سے نکلتے ہی وہ اس طرح بھاگے جیسے غیر متوقع طور پر جان بچ گئی ہو۔ تب میں اس شخص کے سامنے آ گیا۔

''تو کون ہے اے شخص۔ اور تو نے خداوند کا عذاب کیوں خریدا ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیا تمہارے خداوند نے تم سے یہی کہا ہے کہ تم بستیوں کو اس طرح تاراج کرتے پھرو۔ یہاں کے معصوم لوگوں کو اس طرح پریشان کرو۔''

''کیا تیرا تعلق اس بستی سے ہے۔؟'' اس نے پوچھا۔

''پہلے میری بات کا جواب دو۔''

''پوری مملکت خداوند راموس کے زیرنگیں ہے۔ وہ ہر شخص کی جان و مال کا مالک ہے اور اس کے غلاموں کو حق ہے کہ اس کی قلمرو کی ایک ایک چیز کو حسب ضرورت اپنے استعمال میں لائیں۔ کیا تو راموس کے اس فرمان کو قبول نہیں کرتا۔؟''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا اور ایک بار پھر تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ لوگ دانت پیسنے لگے لیکن اس شخص نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو روکا اور حیرت بھری نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔

''کیا تو خداوند کے فرمان کا باغی ہے۔؟''

''میں تمہارے خداوند کو نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔

''کیا تو اس قلمرو کا باشندہ نہیں ہے۔؟''

''نہیں۔''

''نہیں۔'' اس نے تعجب سے کہا۔ ''پھر تو کہاں سے آیا ہے۔''

''آسمانوں سے۔ ہاں میں پرسوں رات آسمان سے اترا ہوں۔ تمہارے یہ ہتھیار میرے بدن پر کند ہیں۔ تمہاری طاقت میرے سامنے ہیچ ہے۔ اگر تم مجھ سے جنگ کرو گے تو میں ایک ایک کر کے تمہیں قتل کر دوں گا چنانچہ بہتر یہی ہے کہ تم میرے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مجھے اپنے خداوند کے سامنے لے چلو۔ میں اسے اپنے بارے میں بتاؤں گا۔ اس کے بارے میں جانوں گا۔''

''تم آسمان کے باشندے ہو۔؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا تم آمون کے ہرکارے ہو؟ آمون۔ ازل کا دیوتا۔''

''ہاں۔ آمون نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔'' اور سپاہی کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ واپس پلٹا اور اس نے چیخ کر کہا۔ ''اے لوگو۔ اے بہادر انسانو۔ اسے کچھ نہ کہو۔ اس کا احترام کرو۔ یہ وہ ہے۔ جس کی خداوند نے پیش گوئی کی تھی۔ ہاں یہ وہی تو ہے جسے آنا تھا اور وہ آ گیا تھا۔ دیکھو اس کے چمکدار جسم کی طرف۔ کیا اس میں آمون کی چمک نہیں ہے۔ غور کرو اس پر۔ شرم کرو خود پر کہ تم اسے نہ پہچان سکے۔ اپنے گھوڑوں کی پشت خالی کر دو کہ اس کی تعظیم واجب ہے۔''

اور میں نے دیکھا پروفیسر کہ آہن پوش جیالے گھوڑوں سے کود گئے۔ وہ سب سجدے میں گر گئے تھے اور پروفیسر۔ یہ کیفیت ماقبل تاریخ کے انسان سے جدا نہ تھی۔ غور کرو پروفیسر۔ طاقت کا فلسفہ، طاقت ہر دور میں جاری رہی ہے۔ اگر میں طاقتور نہ ہوتا، اگر میں ان کو شکست نہ دیتا تو شاید وہ میری بات تسلیم نہ کرتے۔ وہ بھی طاقت کے پجاری تھے۔ طاقت کے سامنے جھک گئے تھے۔ انسان ہر دور میں طاقت کے سامنے جھکتا آیا ہے۔ میں بتا چکا ہوں پروفیسر۔ میں نے مذاہب کے بارے میں بھی تحقیق کی ہے۔ میں کسی مذہب کی توہین نہیں کروں گا۔ بہت سے مذاہب اچھی تعلیمات لے کر آئے۔ انہوں نے بہتری کے راستے سکھائے۔ انسانی حقوق کا احساس دلایا لیکن انہیں ماننے والے کس طرح ان کے سامنے جھکے۔ کیا پہلے انہوں نے ان مذاہب سے سرکشی نہیں کی اور اس کے بعد انہوں نے طاقت کی برتری نہیں تسلیم کی۔"

پروفیسر کے انداز میں بے چینی پیدا ہو گئی جسے اس نے محسوس کر لیا اور وہ رک گیا۔ پھر چند ساعت کے بعد بولا" کیا بات ہے پروفیسر۔ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔؟"

"ہاں۔ میرا خیال ہے مذاہب کے بارے میں تمہاری تحقیق ناقص ہے۔" پروفیسر نے جرأت سے کہا۔

"ممکن ہے پروفیسر۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں پروفیسر کہ میں صرف ایک محقق رہا ہوں۔ میں نے کسی چیز کو دیکھا، اسے پرکھا، اپنے انداز میں اور پھر اس کے بارے میں جو کچھ محسوس کیا اس پر بھروسہ کر لیا۔ میں محقق ضرور رہوں، مبلغ کبھی نہیں رہا۔ میں نے اپنی معلومات اپنی ذات تک محدود رکھی ہیں۔ اگر آپ مذاہب کے بارے میں مجھے کچھ سمجھا سکیں تو میری معلومات میں اضافہ ہوگا۔"

"میں تمہاری وسیع النظری اور فراخ دلی کی قدر کرتا ہوں۔ میں خود بھی ایک افضل و اعلیٰ مذہب کا پیرو ہوں۔ میرے مذہب نے انسانی طاقت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ ہم سب خدا کو مانتے ہیں اور اس کی برتری کے قائل ہیں۔"

"میں نے غلط نہیں کہا ہے پروفیسر۔ بے شک آپ کا دین بہت مستحکم ہے۔ اس کی خوبیاں انسانیت کے ستون ہیں لیکن میں صرف طاقت کی بات کر رہا ہوں۔ اپنے مذہب سے قبل آپ جو کچھ تھے وہ انسانیت کے لئے نقصان دہ تھا۔ آپ کو انسانیت کے حقوق یاد دلائے گئے۔ ایک ایسی طاقت کے حوالے سے جو آپ پر حاوی ہے۔ اگر آپ اس طاقت کے مقابل آ سکتے تو شاید اسے تسلیم نہ کرتے۔ گویا یہاں بھی طاقت مسلم رہی۔ ہاں۔ اس طاقت کے عطا کردہ انعامات کو آپ نے علم کی روشنی میں دیکھا تو وہ اس طاقت کے لئے کچھ نہ تھے بلکہ آپ کی بھلائی انسانیت کی بھلائی کے لئے تھے چنانچہ میرا مطلب صرف انسانی طاقت سے ہی نہیں ہے۔

"ہاں۔ ہم خدا کی برتری کے قائل ہیں اور اپنے مذہب کو سچا تسلیم کرتے ہیں۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ چنانچہ میں صرف طاقت کا ذکر کر رہا تھا۔ وہ لوگ بھی ایک طاقت کے سامنے سربسجود تھے۔ مجھے یہاں بھی اسی ڈھونگ کا سہارا لینا پڑا تھا جو پہلے میرے کام آیا تھا۔ تب میں نے انہیں اٹھایا اور وہ مجھے گھوڑے پر بٹھا کر لے چلے اپنے خداوند کے سامنے۔ بالکل وہی کیفیت تھی جو طا آس کے دور کی تھی۔ طا آس اور دوسرے لوگوں نے بھی اپنا دفاع کیا تھا۔ لاش وہیں چھوڑ دی گئی تھی۔ سپاہی میرا بڑا احترام کر رہے تھے۔ میں سفر کرتا رہا۔ راستے میں بہت سی بستیاں آئیں۔ رات بھی ہوئی لیکن ان راتوں کو وہ بستیوں کو تاراج نہ کر سکے۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی اور اب میں

فرعون کے دربار کی طرف جا رہا تھا۔ میں خود کو اس پر جلال شہنشاہ کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر رہا تھا۔

یہاں تک کہ ہم ممفس میں داخل ہو گئے۔ سپاہی مؤدبانہ انداز میں مجھے لے کر چل رہے تھے۔ میں نے اس شہر کے گلی کوچے بازار دیکھے۔ بلاشبہ یہ انسانی ذہن کا ارتقاء کا ثبوت تھے۔ خوبصورت مکانات، دلکش باغات مجھے بے حد پسند آئے تھے۔ بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں۔ سب کچھ میرے تصور کے مطابق تھا اور صدیوں قبل۔ گہری نیند سونے سے پہلے ستاروں نے جس دور کی پیشگوئی کی تھی وہ سب میرے سامنے تھا۔ بلاشبہ یہ وہی انسان تھے۔ میں ان انسانوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ سب میرا آئیڈیل تھے۔ یہ سب میرے خوابوں کی تعبیر تھے۔

مجھے ایک پراسرار عمارت میں پہنچا دیا گیا۔ یہ فرعون کا سب سے بڑا معبد تھا۔ عظیم الشان چوبی دروازے پر ایک بہت بڑے سورج کا نشان بنا ہوا تھا جس سے کرنیں خارج ہو رہی تھیں۔ یہ سورج دیوتا کا نشان تھا جس کا میں ہرکارہ تھا۔ سورج درمیان سے شق ہوا اور کواڑ کھل گئے۔ تب سپاہی باہر رک گئے اور صرف آٹھ سپاہیوں کا ایک دستہ مجھے لے کر اندر داخل ہوا۔ یہاں لمبے لمبے چغوں اور لمبی داڑھیوں والے بہت سے لوگ موجود تھے۔ سپاہیوں نے زمین پر گر کر ان کے پیروں کو بوسہ دیا اور پھر میرے بارے میں بتایا۔ لمبی داڑھی والے چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ پھر وہ میرے قریب آ گئے۔ کئی نے میرے جسم کو چھو کر دیکھا پھر ان میں سے ایک نے سپاہی سے کہا۔

''تم پر آمون کی برکتیں نازل ہوں۔ خداوند راعموس تم پر مہربان رہے۔ تم نے جو کچھ بتایا بلاشک کاہن اعظم کی پیش گوئی کے مطابق ہے۔ اسے چھوڑ جاؤ۔ کاہن اعظم ہی یہ خوشخبری اہل مصر کو سنائے گا بشرطیکہ اس کا دعویٰ سچ ہو۔ واپس جاؤ۔ ہم اسے کاہن اعظم کے سامنے پیش کر دیں گے۔'' کاہنوں نے کہا اور سپاہی رکوع میں جھکے اور پھر ان کی طرف پشت کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔

بوڑھے کاہنوں کا ایک جم غفیر میرے اردگرد پھیل گیا۔ وہ مجھے کسی عجوبے کی طرح دیکھ رہے تھے اور آپس میں میرے بارے میں تبصرے کر رہے تھے۔ ''یہ عجیب ضرور ہے لیکن کاہن اعظم کی پیش گوئی اتنی جلدی پوری ہو جائے گی ابھی تو وہ وقت نہیں آیا۔''

''یہ تو کاہن اعظم کو معلوم ہوگا۔'' ایک دوسرے بوڑھے نے کہا۔

''کاہن اعظم تو معبد میں موجود نہیں ہیں۔''

''ہاں۔ انہیں خداوند راعموس نے کسی اہم مشورے کے لئے طلب کیا ہے۔''

''لیکن اس سے کچھ معلوم تو کرو۔''

''اس سے گفتگو تو کرو۔'' دوسرے نے کہا۔

''کیا یہ ہماری بات سمجھے گا۔؟''

''اگر یہ آمون کا ہرکارہ ہے تو اسے کیا نہ آتا ہوگا۔'' ایک بوڑھے نے کہا اور پھر وہ دوسرے کاہن سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تمیرو۔ تم کاہن اعظم کی خدمت میں جاؤ اور انہیں اس کی آمد سے مطلع کرو۔ مبادا یہ ضروری ہو اور ہماری تاخیر ہمارے لئے موجب پریشانی نہ ہو۔''

''میں جاتا ہوں۔ ہرچند کہ میں بھی اس گفتگو میں شریک ہونا چاہتا ہوں جو اس سے کی جائے گی لیکن میرے سپرد جو ذمہ داری کی گئی ہے

اسے پورا کرنا بھی ضروری ہے۔'' کاہن نے کہا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

میں سرخ پتھروں سے بنے ہوئے معبد کے اس بڑے ہال کو دیکھ رہا تھا جس میں چاروں طرف دیوی، دیوتاؤں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں بے شمار تصویریں قدیم تھیں اور کچھ جدید۔ سینکڑوں نقوش تھے اور لاتعداد کہانیاں ان تصویروں میں چھپی ہوئی تھیں۔ چاروں طرف سرسری نگاہ ڈال کر میں بوڑھوں کے اس ہجوم کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ میری طرف سے بے اعتبار بھی تھے اور مجھ سے خوفزدہ بھی۔ تب ایک بوڑھے کی مجھ سے گفتگو کے لئے منتخب کیا گیا۔

''کیا تو ہم سے گفتگو کرے گا سورج کے نمائندے۔؟''

''ہاں۔ میں تمہاری تسلی کے لئے تم سے گفتگو کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''کیا خداوند کے غلاموں نے سچ کہا۔ کیا درحقیقت تو آمون کا نمائندہ ہے۔؟''

''ان کا کہا درست ہے۔ تم مجھے وہی پاؤ گے تو جو تمہاری توقع ہے۔''

''لیکن تیرا نزول، مقدس کاہن تو اس سنگی بت کی تحریک کے منتظر تھے جو معبد کے ایک کونے میں ایستادہ ہے۔؟''

''آمون تمہارا دیوتا ہے۔ تمہارا حکوم نہیں کہ سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق کرے۔ اس نے جو بہتر سمجھا کیا۔'' میں نے ترش روئی سے کہا اور وہ سب کانپ گئے۔

''بے شک وہ اعلیٰ وارفع ہے۔ وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے۔ کیا تیرے جسم کی چمک آمون کا پرتو ہے۔؟''

''ہاں۔ یہ تمہاری عقلوں کے لئے مشعل ہے۔'' میں نے کہا۔

''کیا مصر کی قسمت میں بلندی ہے۔ کیا فرعون چہارم کو سرفرازی ہے۔ یا اس کی خدائی محدود ہو جائے گی۔؟''

''یہ تمہیں بتانے کی باتیں نہیں ہیں اور وہ کچھ نہ کرو جو تمہاری حیثیت سے بڑھ کے ہے۔ میں سالموس سے گفتگو کروں گا۔'' میں نے کہا اور ان کے چہرے لٹک گئے۔ انہوں نے مجھے ایک سنگ سیاہ پر بیٹھنے کے لئے کہا اور اس کے بعد کوئی کچھ نہ بولا لیکن چہروں سے وہ سب بڑے بیتاب معلوم ہوتے تھے اور نہ جانے کیا کیا سوچ رہے تھے وہ اپنے دلوں میں۔ ان کی خاموشی نے مجھے سوچنے کے مواقع فراہم کر دیئے۔ میں چالاکی سے ان کے الفاظ کی روشنی میں اپنی آئندہ گفتگو کا لائحہ عمل تیار کرنے لگا۔ کاہن مجھے عجیب عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے اس معبد کے در و دیوار بڑے پراسرار معلوم ہو رہے تے۔ اس کی چھت بے حد بلند تھی۔ دیواروں پر بنے ہوئے نقوش حیرت انگیز شکلیں لئے ہوئے تھے۔ فضا میں ایک عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بہرحال یہ ماحول بھی میرے لئے کافی دلکش تھا اور نہ جانے اس معبد میں کیا ہو لیکن میں ایک دم سب کچھ نہیں جان سکتا تھا۔ مجھے آہستہ آہستہ ہی ان کے بارے میں معلوم ہو سکتا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ کاہن سنگی مجسموں کی طرح خاموش کھڑے تھے تب پھر اچانک ہال کے دروازے پر قدموں کی آوازیں سنائی دیں پھر دروازے میں ایک طویل القامت بوڑھا نظر آیا جس کی صحت قابل رشک تھی۔ حالانکہ اس کی عمر بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کی داڑھی سینے سے

نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ مونچھیں داڑھی میں گم تھیں بھنویں بھی برف کی طرح سفید اور ضرورت سے زیادہ چوڑی تھیں لیکن پورے چہرے پر سب سے جاندار چیز اس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں سرخ آگ کی مانند۔ آنکھیں جن میں مکاری اور چالاکی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وہ میرے سامنے آیا۔ چند ساعت مجھے دیکھا اور پھر اچانک رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ گویا اس نے مجھے تسلیم کر لیا تھا جو وہ سمجھ رہے تھے۔ دوسرے کاہنوں کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ وہ سب اوندھے منہ گر پڑے تھے اور ان کے جسم کانپ رہے تھے۔

''خوش آمدید۔ آمون کے منظورِ نظر۔ خوش آمدید۔ ہماری قسمتوں کے خالق۔ ہماری محبت ہماری سعادت کو قبول فرما۔ زہے نصیب کہ تو ہمارے درمیان آیا۔ زہے قسمت کہ ہماری بے نور آنکھوں میں تجھے دیکھ کر روشنی آئی۔ اٹھو۔ مقدس کاہنوں، جشن چراغاں کرو۔ منادی کرادو پورے مصر میں کہ وہ آگیا ہے جو ہمارے لئے برکتیں لایا ہے۔ جاؤ۔ ایک ایک چپے کو روشن کر دو۔''

کاہن اٹھے اور جلدی جلدی باہر جانے لگے۔ تب بوڑھا کاہن آہستہ آہستہ میرے نزدیک آگیا۔ وہ بہت غور سے مجھے دیکھ رہا تھا اور میں نے اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ محسوس کی۔

''ہمیں خوشحالی کی دعا دے آمون کے پیغامبر۔ ہمیں بتا کہ تو کوئی نیا دین لے کر آیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''نہیں۔ میں تمہارے لئے صرف برکتیں لایا ہوں۔ میں تمہارے ہاتھ مضبوط کرنے آیا ہوں۔''

''لیکن تیرے جسم پر یہ چمک کیسی ہے۔ کیا رات کی تاریکی میں یہ معدوم ہو جاتی ہے۔؟''

''نہیں۔ رات کو یہ چمک اور بڑھ جاتی ہے۔؟''

''کیا سرد پانیوں کی گہرائیوں میں چمک گم ہو جاتی ہے۔؟''

''نہیں۔ پانی اس سے اور چمک جاتا ہے۔''

''تب تو عظیم ہے۔ لیکن کیا تیرے جسم کی قوت روئے زمین کے انسانوں سے اعلیٰ ہے۔؟''

''ہاں۔ تمہاری دنیا کے لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''تب تو عظیم ہے۔'' بوڑھے نے مخصوص انداز میں کہا ''لیکن خداوند رامُوس۔''

''وہ میرے قول کو صادق پائے گا۔''

''تب تو برتر ہے ہم سب سے۔ لیکن ہمیں بتا۔ ہم تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا کریں۔ ہم تجھے کیسے خوش کریں اور تو یہ بھی بتا کہ تو نے کون کون سے راستے اپنائے۔ ہمیں درس دے کہ ہم قوموں پر غلبہ کیسے حاصل کریں۔'' بوڑھا کاہن بولا اور میں نے اس چالاک انسان کی باتوں پر غور کیا۔ مجھے یہ بوڑھا حد سے زیادہ فریبی اور مکار معلوم ہوا۔ بہرحال پروفیسر...... میری عمر ان سے لاکھوں سال زیادہ تھی۔ وہ میرے سامنے کیا حیثیت رکھتا تھا۔ چالاک بوڑھا انتہائی عیاری سے مجھ سے میرے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ بظاہر اس کے ہر سوال سے عقیدت جھلک رہی تھی۔ وہ سب کچھ پوچھ لینا چاہتا تھا لیکن میں بھی کائیاں تھا۔ اسے تسلی بخش جواب دیتا رہا۔

کاہن میرے بارے میں منادی کرنے چلے گئے تھے۔ بوڑھے کاہن نے مجھ سے بہت سے سوالات کئے اور پھر مجھ سے میرے مجسمے کے نزدیک چلنے کی درخواست کی۔ میں اٹھ گیا۔ مجھے تو خود معبد دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک دروازے سے گزر کر ہم نے زمین کی گہرائیوں میں جانے والی سیڑھیاں طے کرنا شروع کر دیں اور عجیب تھیں یہ سیڑھیاں پروفیسر کہ شاید ان کا اختتام زمین کی آخری تہہ میں جا کر ہوا تھا۔ نیچے سخت گھٹن اور بدبو تھی لیکن کاہن اعظم کی آنکھیں اسی طرح چمک رہی تھیں۔ میں اس گھٹن سے پریشان نہیں تھا۔ کاہن اعظم کا خیال تھا کہ شاید اس خوفناک تاریکی میں، میں اندھا ہو گیا ہوں لیکن اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ میں بھی اسی طرح دیکھ سکتا ہوں جس طرح دن میں اس وقت، جب سورج چمک رہا ہو۔

سیڑھیاں ختم ہو گئی تھیں اور اب ایک عظیم الشان ہال نظر آ رہا تھا جس میں ایک مجسمہ نصب تھا۔ سیاہ رنگ کے پتھر سے بنا ہوا ایک خوفناک مجسمہ جو تاریکی کا جز وہی معلوم ہو رہا تھا لیکن ان کے لئے جو تاریکی کے عادی نہ ہوں۔

''تو کیا دیکھ رہا ہے۔؟'' کاہن نے پوچھا۔

''سیاہ مجسمہ۔'' میں نے جواب دیا اور کاہن کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ اس نے پراسرار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر تعجب بھرے لہجے میں بولا۔

''کیا تو تاریکی میں دیکھ سکتا ہے؟''

''ہاں۔ روشنی اور تاریکی میرے لئے یکساں ہیں۔''

''بت تو درحقیقت انوکھا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے تیری حقیقت درکار ہے۔'' اس بار اس کے لہجے میں کوئی چیز تھی۔ جسے میں نے صاف محسوس کیا۔

''کیا تو میری حقیقت سے واقف نہیں ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ جو تو نے کہا ہے وہ میں نے سنا ہے لیکن میں وہ نہیں جانتا جو تو ہے۔''

''تو اسے بھی جان لے۔''

''تیری زبانی۔'' کاہن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے سفید دانتوں کی قطار تاریکی میں چمکی۔

''دل کی آنکھیں کھول۔ میری زبان تجھے کچھ نہ بتائے گی۔''

''میں نے دل کی آنکھیں کھول لی ہیں۔''

''کیا محسوس کر رہا ہے۔؟'' میں نے اس گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ دنیا کا انوکھا۔ لیکن بے حد چالاک انسان میرے سامنے موجود ہے۔'' اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''دنیا کا نہیں۔ آسمانوں کا۔ کیا تجھے آمون کا نام یاد نہیں ہے۔؟'' سب نے کہا۔

''نہیں اے خاکی پتلے۔ مجھے آمون کے تمام عہد یاد ہیں۔ لیکن اس نے کسی ایسے ہرکارے کا عہد نہیں کیا تھا جیسا کہ تو ہے۔!'' بوڑھے

گیدڑ نے چالاکی سے کہا۔ اس کی ہنسی بہت خوفناک تھی۔

"لیکن تو نے تسلیم کیا تھا۔"

"یقیناً۔ کیونکہ آمون کی طرف سے وہ عہد میں نے کیا تھا۔"

"تو نے۔؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ ضروری تھا۔ اور اب تو بتا کہ تو کون ہے۔ اور کیا مقصد لے کر یہاں آیا ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ تیرے ساتھی اور مددگار کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" بوڑھے کی گفتگو پر غور کرنے لگا۔ درحقیقت بوڑھا بہت چالاک تھا۔ ایک مذہبی بدمعاش جس نے نہ جانے کیا کیا چکر چلا رکھے تھے۔ میں غور کرتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"تو سن اسے بدنصیب کہ میرا کوئی ساتھی نہیں ہے۔ میں وہی ہوں جس کو تو نے جھٹلایا ہے۔ تو آمون کے عہد کو اپنا عہد کہہ رہا ہے۔ کیا تو اس بات سے بے خبر ہے کہ اس گستاخی کی تجھے سزا ملے گی۔؟"

میری اس گفتگو پر بوڑھا ہنس دیا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ پھر بولا "مجھے اپنا نام بتا۔؟"

"میرا کوئی نام نہیں ہے۔ تو چاہے جس نام سے پکار سکتا ہے۔"

"تب میں تجھے اسلاک کہوں گا جو وہ نہیں ہوتا ہے جو وہ کہتا ہے لیکن اپنے بارے میں جو کچھ کہتا ہے اسے منوانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن ان کے سامنے جو علم نہیں رکھتے کہ وہ کیا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"تجھ پر آمون کا عتاب نازل ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اگر چہ تو سچا ہو۔ لیکن تو سچا نہیں ہے۔ تو وہ ہے جو میری تخلیق ہے۔ خود تیری حقیقت کیا ہے۔ یہ تجھے بتانا ہوگا۔ مجھے بتا کہ تیرے جسم کی چمک کا راز کیا ہے۔؟"

"یہ پرتو ہے فرعون کا۔ ا"

"غلط کہا تو نے۔ فرعون کو تجھ سے کیا نسبت۔ وہ نہیں بھیجتا انہیں اپنا کہہ کر جو اس جیسے نہ ہوں۔ اور تو ہم جیسا ہے۔ تو سن اے مکار کہ تو دنیا میں آیا فرعون کا جھوٹا نمائندہ بن کر۔ اور میں نے پیش کیا تجھے اس کے سامنے جس میں زندگی دوڑ جائے گی ایک دن تو اس نے غضب کیا تجھ پر۔ اور تو نیست و نابود ہو گیا۔ یہ کہانی پہنچے گی ان تک جو تیری آمد کی خبر سن چکے ہیں اور کل وہ دیکھیں گے اس کے مردہ جسم کو کہ موت جس پر واجب نہیں ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ اور اچانک میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور میں تحت الثریٰ میں جا گرا۔ بیشک پروفیسر میں انتہائی گہرائیوں میں گرا تھا جہاں میرے علاوہ کوئی اور گرتا تو اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئی ہوتیں۔ لیکن میں تو انوکھی زندگی کا مالک تھا۔ زمین پر گرنے کے بعد میں کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے اپنے گرد و پیش دیکھا۔ تب مجھے بیشمار خوفناک سانپ پھنکارتے نظر آئے جن کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ میں نے انہیں دیکھا۔ اور وہاں ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس سے ان پھنکارنے والوں کو کچل سکوں۔ اور ایسی چیزوں کی وہاں کمی نہیں تھی۔ بڑی نکیلا اور ناہموار جگہ

تھی جہاں بیشمار پتھر پڑے ہوئے تھے میں نے ایک پتھر اٹھایا۔ لیکن اس کے وزن سے متعجب ہو گیا۔ وہ بہت ہلکا تھا۔ تب مجھے پر اس کا راز کھلا۔ وہ انسانی کھوپڑی تھی اور کسی سانپ کو کچلنے کے لئے کارآمد نہیں تھی۔ میں نے اسے پھینک دیا۔ اور اس جیسے دوسرے پتھروں پر غور کیا۔ تب مجھے بوڑھے شیطان کی کارکردگی کا پتہ چلا۔ یقیناً اس نے اپنے بیشمار دشمن اس خوفناک غار میں گرائے تھے جن کے خشک اعضا یہاں بکھرے پڑے تھے۔

میرے اردگرد بیشمار سانپ لہرا رہے تھے۔ نہ جانے کیوں انہوں نے ابھی تک میرے اوپر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ تب پروفیسر...... میں نے تلاش کر کے ایک وزنی پتھر اٹھایا۔ اور سانپوں کے ایک غول پر دے مارا۔ لاتعداد پھنکاریں گونج اٹھیں۔ بہت سے سانپ پتھر کے نیچے آ کر کچلے گئے۔ اور پھر میں سانپوں کو کچلنے کا دلچسپ کھیل کھیلنے لگا۔ میں نے تاک تاک کر انہیں نشانہ بنایا۔ اور بالآخر سانپ بھی بپھر گئے۔ انہوں نے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور اجتماعی حیثیت میں مجھ سے آ لپٹے۔ ان کی تعداد بیشمار تھی۔ وہ میری پنڈلیوں، گردن اور جسم کے دوسرے کھلے ہوئے حصوں میں منہ مار رہے تھے۔ اس طرح میں پریشان ہو گیا تھا اور انہیں اپنے جسم سے نوچ کر ہلاک کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کام میں کافی وقت گزر گیا۔ سانپوں کی تعداد اتنی تھی کہ مجھے انہیں ہلاک کرنے میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

ابھی میں اپنے کام میں مصروف تھا۔ کہ طویل و عریض غار کے ایک سمت سے ایک گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ شاید کوئی چٹان جگہ چھوڑ رہی تھی۔

میں نے اپنے جسم سے لپٹے ہوئے آخری سانپ کو خود سے چھڑا کر ایک طرف پھینک دیا اور اس غار کی طرف دیکھنے لگا، جہاں سے اب ایک روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ روشنی پھیلتی گئی اور اب یہ پراسرار غار پوری طرح روشن ہو چکا تھا۔ تب مجھے بوڑھے کاہن اعظم کا شیطانی چہرہ نظر آیا اس کی سرخ آنکھیں اندر کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں جو روشنی میں واضح ہو گیا تھا۔ اور پھر اس کے منہ سے حیرت کی ایک آواز نکلی۔

''اسلاک۔ کیا تو زندہ ہے۔؟''

''ہاں۔ میں زندہ ہوں بوڑھے مکار۔ اور تیرے سانپ فنا ہو چکے ہیں۔'' میں نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں ان باریک جالیوں کے عقب میں کاہن کا حیرت بھرا چہرہ صاف دیکھ رہا تھا جن کے دوسری طرف سانپ نہیں جا سکتے تھے۔ بوڑھا کاہن کسی طور اس طرف آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

کافی دیر تک بوڑھا پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھتا رہا۔ اس کا شیطانی دماغ نہ جانے کیا فیصلے کر رہا تھا۔ پھر میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کیا تو باہر آنا پسند کرے گا۔؟''

''میں بہرطور باہر آ جاؤں گا۔ کیا اب بھی تو میری قوتوں سے انکار کرتا ہے۔؟'' میں نے کہا۔

''نہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ تو سمجھ میں نہ آنے والوں میں سے ہے۔ میں نے تجھے اتنی بلندیوں سے گرایا تھا کہ تیرا جسم پاش پاش ہو جائے اور پھر غار کے بھوکے سانپ تیرے گوشت سے ضیافت اڑائیں اور تیری ہڈیوں میں رہنے کے لئے مکان بنالیں لیکن یہاں صورت حال دوسری ہے۔ تو زندہ سلامت اور سانپ مر چکے ہیں۔ کیا۔ اب بھی تو مجھے معاف کر کے میری دوستی قبول کرے گا۔ کیا تیرے دل میں اتنی وسعت ہے۔؟''

''ہاں۔ بشرطیکہ تو میرے احکامات پر رضامند ہو۔'' میں نے کہا۔

''میں تجھے خود سے برتر تسلیم کرتا ہوں۔ میرے دوست کی حیثیت سے باہر آ۔ بیشک میں اس کا حقدار نہیں ہوں۔ لیکن اس کے باوجود تجھ سے امید کرتا ہوں کہ تو ایک بار مجھے ضرور معاف کردے گا۔''

''غار کا دروازہ کھول۔ اور باہر آ جا۔ میں تجھے قتل نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ تو میرا معاون ہو۔''

''میں تجھ سے مکمل تعاون کروں گا۔ رب سوس کی قسم، میں اب تجھ سے مکمل تعاون کروں گا۔''

''دروازہ کھول بوڑھے احمق۔ تو خوف سے کانپ رہا ہے۔ اطمینان رکھ۔ بے خوف باہر آ جا۔ میں تجھے قتل نہیں کروں۔'' میں نے بوڑھے کاہن اعظم کے لرزتے ہوئے جسم کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ اور کاہن اعظم نے کوئی کل گھمائی۔ غار کی جالی نے راستہ چھوڑ دیا اور میں اس سے دوسری طرف نکل آیا۔

''میرے غسل کا بندوبست کر۔ تیرے زہریلے سانپ میرے جسم پر غلاظت بکھیر گئے ہیں۔ میں اس غلاظت سے نجات پانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''آ۔ میرے ساتھ۔'' بوڑھے نے کہا اور پھر اس نے ایک مشعل ہاتھ میں اٹھالی اور میرے آگے آگے چل پڑا۔ وہ اوپر جانے والی سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔ سیڑھیاں کئی سو کی تعداد میں تھیں جنہیں طے کرنے میں بہت وقت صرف ہوا۔ ان کا اختتام ایک بہت بڑے کمرے میں ہوا تھا جس کی فضا عجیب تھی۔ نہ جانے اس بوڑھے نے یہاں کیسا شیطانی کارخانہ پھیلا رکھا تھا بلاشبہ وہ بے حد پراسرار انسان تھا۔

بوڑھے نے اس کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا پھر وہ ایک دوسرے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور سامنے ہی ایک خوبصورت حوض نظر آ رہا تھا۔

''غسل کر لے۔ کیا میں تیرے لئے لباس کا بندوبست کروں۔؟''

''کیا یہ کوئی نئی آزمائش ہے۔؟'' میں نے حوض کی طرف اشارہ کر کے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ اب میں خود میں ایسی جرأت نہیں پاتا۔ تو مجھے اپنا دوست، اپنا وفادار پائے گا۔'' بوڑھے نے گردن جھکاتے ہوئے کہا اور میں نے ہنستے ہوئے حوض میں چھلانگ لگا دی۔

بوڑھے نے میرے لئے ایک خوبصورت لباس کا انتظام کیا تھا۔ یہ شاید معبد کا دوسرا درجہ تھا اور یہاں عام انسانوں کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ وہ بذات خود میرے لئے لباس لایا تھا۔ بہر حال ٹھنڈے اور شیریں پانی سے غسل کر کے میں باہر نکل آیا۔ کمرے کے دروازے پر بوڑھا میرا منتظر تھا۔ اس کے حواس پوری طرح درست ہو گئے تھے۔ اور اب شاید وہ میرے ساتھ کسی چالاکی پر آمادہ نہیں تھا۔

''آؤ۔ اس دنیا کے حیرت انگیز انسان۔ میرا تمام تجربہ تیری شخصیت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ نہ جانے تو کون ہے۔ کیا ہے۔ میں تیرے بارے میں سب کچھ جاننے کا خواہشمند ہوں۔'' اس نے کہا اور میں مسکراتا ہوا اس کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر وہ مجھے لے کر ایک اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں انواع واقسام کے پھل وغیرہ چنے ہوئے تھے۔ بوڑھا اس آبنوسی میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں بھی

میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کیا تو نے خلوص دل سے مجھے معاف کر دیا ہے.....؟''بوڑھے نے پوچھا۔

''تو بے حد احمق معلوم ہوتا ہے کاہن۔ تو نے میرے ساتھ کونسی بھلائی کی ہے جو میں اتنی جلدی سے تیری طرف سے دل صاف کرلوں گا۔ ہاں تیرا آئندہ رویہ، تیرے بارے میں فیصلہ کرے گا۔''میں نے صاف گوئی سے کہا۔

''میرے لئے یہ بات بھی امید افزا ہے۔ مجھے بتا میں تیرا اعتماد کس طرح حاصل کروں۔؟''

''میری ہر بات کا سچ جواب دے کر۔''میں نے پھل اٹھا کر اسے دانتوں سے کترتے ہوئے کہا۔

''مجھے منظور ہے۔''

''تب تو مجھے بتا۔ تو مجھے آمن کا نمائندہ سمجھنے سے کیوں انکار کرتا ہے۔ جبکہ تو نے اس سے پہلے اپنے لوگوں سے اس کی پیشنگوئی کی ہے۔''میں نے کہا اور بوڑھے کی گردن جھک گئی۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی شکنیں پڑ گئی تھیں۔

''اگر تو برا نہ محسوس کرے تو اس سے قبل میں تجھ سے ایک سوال کروں۔؟''اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''اگر میں نہ چاہوں تو تجھے یہ حق نہ دوں۔ لیکن میری طرف سے اجازت ہے۔ بول کیا سوال کرنا چاہتا ہے۔؟''

''مجھے بتا اے اجنبی انسان۔ تو کونسے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔؟''

''میرا کوئی قبیلہ نہیں ہے۔ میں آسمان کا باشندہ ہوں جیسا کہ میں نے کہا۔ کیا تیرے لوگوں میں کوئی مجھ جیسا ہے۔؟ اگر ہے تو مجھے بتا۔ ورنہ مجھے انوکھا انسان تصور کر۔''

''بیشک۔ میری عمر نے تجھ جیسا عجیب انسان نہیں دیکھا۔ اچھا یہ بتا کہ راعموس کو خداوند مانتا ہے۔؟''

''میں اسے ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل سکتا ہوں۔ پھر میں اسے خود سے برتر کیوں سمجھوں۔؟''

''میرا مقصد حل ہو گیا۔ اب میں تیرے سوال کا جواب دلجمعی سے دے سکتا ہوں۔ تو سن اے انوکھے شخص۔ آمون کے جس نمائندے کا خیال ان کے ذہنوں پر مسلط ہے وہ میری تخلیق ہے۔ بیشک آمون عظیم ہے، برتر ہے سب انسانوں سے لیکن اس نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا۔ یہ نمائندہ صرف تخلیق ہے کہ بہت سے امور میں جھوٹی تسلیوں کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔''بوڑھے نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بے بس بوڑھا خود ہی اپنا طلسم توڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ تہذیب کی علمبرداری مصر کی عظیم الشان سلطنت کا کاہن اعظم جس کے اختیارات فرعون وقت سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ جس کے کاندھوں پر راعموس کی سلطنت.....کا بار تھا، میرے سامنے ایک معمولی سا انسان بن کر رہ گیا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگتا تھا۔ بیشک پروفیسر..... وہ چالاکی اور مکاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن وہ کسی ایسے شخص کا کیا کرتا، جسے وہ قتل ہی نہ کر سکتا ہو۔ سانپوں کے اس غار کے تصور سے ہی روح تن کے پنجرے کو چھوڑ کر بھاگ نکلنے پر غور کرتی ہے۔ لیکن میں نے اس کو سب سے بڑی سزا اس کا گھر تباہ کر کے دی تھی۔ اس کی مکاریاں میرے سامنے بے دست و پا تھیں۔

''تو نے آمون کے نمائندے کا کردار کیوں تخلیق کیا تھا۔؟''

''اپنی بقا کے لئے۔ فرعون چہارم مجھ سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق میرے قبیلے سے بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ دل سے میری قوتوں کا قائل ہے اس کی خدائی برقرار رکھنے کے لئے مجھے بہت سی روایتیں پھیلائی ہوتی ہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''لوگوں نے مجھے آمون کا نمائندہ تسلیم کر لیا۔ لیکن تو نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ اگر میں ہلاک ہو جاتا کیا تجھ سے باز پرس نہ ہوتی۔؟''

''اسے باز پرس نہ کہو۔ ہاں لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے میں انہیں یہ ضرور بتاتا کہ کاہن اعظم کی آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں۔ وہ نیکی بدی کو پہچاننے کی اہلیت رکھتا ہے اور جھوٹے انسان کو اب آمون نے موت کی نیند سلا دیا۔ باز پرس کرنے کی ہمت یہاں کوئی نہیں رکھتا۔''

''مجسمے کا کیا راز ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بھی ایک ماہر سنگتراش نے تراشا ہے۔ اور مصر کے لوگ اس کے جاگنے کے منتظر ہیں۔ فرعون کے کھوئے ہوئے اقتدار، یا سالموس کے گرتے ہوئے وقار کو سہارا دینے کے لئے اس کا وجود ضروری تھا۔ سو اس کی جگہ وہ ہر شخص لے سکتا تھا جو میرا وفادار ہوتا۔''

''ہوں۔'' میں نے بوڑھے مکار کی تمام مکاریوں سے واقف ہوتے ہوئے کہا۔ میں جانتا تھا بوڑھا میرے ہاتھوں بے بس ہے۔ وہ میری قوت تسلیم کر چکا ہے۔ یہ جان چکا ہے کہ میں اس کی اقتدار کی جڑیں ہلا سکتا ہوں۔ وہ میرا بال بیکا نہیں کر سکتا اور اگر میں منظر عام پر اعلان کر دوں کہ آمون نے کاہن اعظم کو ناپسند کیا اور اس سے اس کا اقتدار چھین لیا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی۔ میں ہر دور کا فاتح ہوں پروفیسر، کسی دور کا انسان میرے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکا ہے۔

بہرحال بوڑھا مکار میرے سامنے عریاں ہو گیا۔ اب میری نگاہوں میں اس کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ خود بھی اس بات سے واقف تھا۔ پھر میں نے اس کی بے بسی پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔

''ہر چند بوڑھے سالموس تو نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تاہم۔ تیری سازشوں کے دور میں، میں تہذیب کا یہ گہوارہ دیکھنے آیا ہوں۔ یہاں رہوں گا اور تہذیب کے اس دور کی داستان قلمبند کروں گا۔ پھر یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ میں تیری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ تیری اس تہذیب کے بارے میں، میں جو کچھ معلوم کروں، جو کچھ چاہوں، تو مجھے بتا، اور مہیا کر۔ کیا تو اس کے لئے تیار ہے۔؟''

''میں تیار ہوں اسلاک، تیری دوستی میرے لئے باعث عزت ہوگی اور میں وہ کچھ کر لوں گا جس کے لئے میں سرگرداں ہوں۔'' بوڑھے کاہن کے چہرے پر مکار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو کیا کرنا چاہتا ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تجھے ابھی نہ بتا سکوں گا۔ تاہم۔ مجھے اجازت دے کہ میں تیری آمد کی خبر فرعون تک پہنچاؤں اور پورے مصر کو تیری خبر دوں۔ یہ معبد تیرا مسکن رہے گا۔ اور کسی قسم کی فکر نہ کر۔ یہاں تجھے ضرورت کی ہر چیز مہیا ہوں۔ یہ معبد تیرے تصور سے کہیں آگے ہوگا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور کاہن اعظم مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں آرام سے بیٹھا مکار بوڑھے کے بارے میں

سوچتا رہا اور مسکراتا رہا۔ یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی نہیں تھا پروفیسر...... ایسے ہی واقعات سے میں دوچار ہوتا رہا تھا۔ انسان ازل سے ابوالہوس ہے۔ وہ کچھ ہوتا ہے اسے پسند نہیں کرتا۔ کچھ اور ہونا چاہتا ہے۔ بہرحال تہذیب کا یہ ابتدائی ماحول بھی میرے لئے ناپسندیدہ نہیں تھا۔ اور میں یہاں مطمئن تھا۔

ابھی مجھے بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سرزمین مصر کی دوقتالائیں اندر داخل ہوگئیں۔ ایک نے اپنے نازک کندھے پر ایک خوبصورت صراحی اٹھائی ہوئی تھی، دونوں کے چہروں پر حیرت کی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے اپنا لایا ہوا سامان ایک جگہ رکھ دیا۔ اور پھر وہ دونوں میرے نزدیک آگئیں۔ ان کی سیاہ آنکھوں میں دلچسپی کی چمک تھی۔

''را آبیان کی قسم یہ دیوتا کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''آمون نے اس کے جسم کو اپنی روشنی دے دی ہے۔'' دوسری نے کہا۔

''پورے مصر میں ایسا حسین نوجوان نہ دیکھا ہوگا۔''

''لیکن یہ ہمارے لئے نہیں ہے۔'' دوسری اداسی سے بولی۔

''شاید یہ ہمیں قبول کرلے۔''

''آؤ اس کے پاس چلیں۔!'' پہلی بولی۔ اور پھر وہ دونوں میرے نزدیک پہنچ گئیں۔ ''آسمان کے باشندے۔ کیا ہم تیری خدمت میں شراب پیش کرسکتے ہیں۔؟'' ان سے ایک نے پوچھا۔

''تم دونوں کون ہو؟ اور یہاں تمہارا کیا کام۔؟'' میں نے پوچھا

''ہم خادمائیں ہیں آقا۔ اور تمہاری خدمت کے لئے ہمیں بھیجا گیا ہے۔ کیا ہم تیری خدمت میں انگور کا شربت پیش کریں۔؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''تمہیں سالموس نے بھیجا ہے۔؟''

''مقدس کاہن اعظم نے ہمیں تمہاری خدمت کے لئے مقرر کیا ہے۔ سو ہمارے جسم کا رواں رواں تمہاری خدمت کے لئے تیار ہے۔''

''سالموس واقعی ذہین ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری ضروریات عام انسانوں سے مختلف تو نہیں ہیں۔ تو یہ حقیقت ہے کہ ظاہری نگاہ میں، میں ایک عام انسان ہوں۔ لیکن میری حقیقت کیا ہے۔ یہ بوڑھا کبھی نہیں سمجھ سکے گا کہ میرے سامنے طفلِ مکتب ہے۔ لاؤ۔ انگور کی شراب پیش کرو۔ میں پیاسا ہوں۔'' اور لڑکیاں مجھے جام بھر بھر کر دینے لگیں۔ ان کے ہاں مرد چند جام میں لڑھک جاتے ہوں گے۔ لیکن صراحی خالی ہونے کو تھی اور میری آنکھوں میں ہلکے سے سرور کے سوا کچھ نہ تھا۔ جس پر لڑکیاں انگشت بدنداں تھیں۔ بہرحال کافی دیر تک اٹھکیلیاں کرتی رہیں۔ اور میں ان کی شرارتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر میں نے ان میں سے ایک سے کہا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔؟''

''ارسانہ۔'' اس نے جواب دیا جو مجھ سے خوب بے تکلف ہو گئی تھی۔

''کیا اس رات تم میری تنہائی دور کر سکو گی۔؟''

''میری خوش قسمتی ہوگی۔'' اس نے کہا۔

''تب تم جاؤ۔ تاکہ رات تک کے لئے ہمارے درمیان اجنبیت رہے اور جب تم میرے پاس آؤ۔ تو میں تمہارا استقبال ایک اجنبی حیثیت سے کروں۔'' لڑکیوں نے سر جھکایا اور باہر نکل گئیں۔ میں تنہا رہ گیا۔ اور بوڑھے کے بارے میں سوچنے لگا۔ چالاک بوڑھا کیا میری طرف سے مطمئن ہو گیا ہے؟ یا پھر وہ میرے لئے کوئی اور چال سوچ رہا ہے۔ اس نے اپنے بارے میں صاف گوئی سے سب کچھ بتا کر بچ بچ مجھے چکر میں ڈال دیا تھا۔ لیکن بس الجھن کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ میں بہرحال اس نئی تہذیب کے گہوارے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ اور فرعون رامسوس سے بھی ملاقات کرنے کا خواہش مند تھا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں پروفیسر...... کہ اس کے بعد سے میں نے اپنی فطرت بدل لی تھی۔ میں ادوار کے انسانوں کی فلاح کی خاطر اب صرف اپنی معلومات کے لئے کام کرنا چاہتا تھا۔ ہاں اپنے راستے کے پتھروں کو ہٹانے کے لئے مجھے جو کچھ کرنا پڑتا، وہ بس کرنے لئے تیار تھا۔ اس ضمن میں ہی میں نے جو ضرورت سمجھی کیا۔ فرعون کے سپاہیوں کی ہلاکت بھی میرے اپنے ہی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ بہرحال پہلے تو بوڑھے سالموس کے ہتھکنڈوں کو ناکام بنا کر اسے مطیع کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی مختصر میں، میں اپنا کام شروع کر سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں یہاں قید ہو کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بلکہ سلطنت مصر کو گھوم پھر کر دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر ان لوگوں نے اپنے ملک کو کیا خصوصیت بخشی ہے۔

شام کو بوڑھے کاہن اعظم نے میرے ساتھ کھانا کھایا۔ وہ بغور میرا جائزہ لے رہا تھا۔ میری ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔ اس احمق کو صرف اسی بات پر حیرت تھی کہ میں عام انسانوں کی طرح ضروریات کا محتاج ہوتے ہوئے بھی ان سے ہٹ کر کیوں ہوں چنانچہ کھانے کے بعد اس نے میرے لئے ایک خاص قسم کی شراب منگوائی اور پھر مجھے معبد کی نچلی منزل پر واپس لے گیا۔ اوپر سے یہ معبد ایک مقدس عبادت گاہ تھی جہاں سورج کی پوجا ہوتی تھی لیکن اس کی دوسری تہہ میں ایک عالیشان تعیش گاہ بنی ہوئی تھی جس کا اندازہ مجھے اب ہوا۔ ہم ایک اور اجنبی ہال میں پہنچ گئے جو بے حد خوبصورت تھا۔ رنگین مشعلیں چاروں سمت نصب تھیں۔ اعلیٰ قسم کے مومی شمعدان روشن تھے اور دن کے سے سماں پیدا ہو گیا تھا۔ ہال میں زریں تخت پڑے ہوئے تھے جس میں سے ایک تخت میں نے سنبھال لیا اور دوسرا خود کاہن اعظم نے۔

تب اچانک ہال کے دیواروں کے اندر بنے ہوئے چھوٹے سوراخ کھلے اور ہر سوراخ نے ایک رنگین عورت اگل دی۔ باریک آنچل لہراتی ہوئی یہ حسینائیں پورے ہال میں چکرانے لگیں۔ ان کے مرمریں بدن بل کھا رہے تھے اور در و دیوار سے ایک انوکھی موسیقی ابل رہی تھی۔ میں اس مسحور کن موسیقی کی دھنوں میں کھو گیا۔ مجھے احساس بھی نہ ہوا کہ کب میرے عقب سے چند نوخیز حسینائیں نکل آئیں جن کے ہاتھوں میں شراب کی صراحیاں تھیں۔

میں تو اس وقت چونکا جب ایک گلفام نے اپنا نرم رخسار میرے زانوں پر گرا۔ اس کے لمبے سیاہ بال میرے آتشیں رنگ پر عجیب بہار دکھانے لگے۔ میں نے چونک کر سالموس کی طرف دیکھا۔ اس کے نزدیک بھی ایک صراحی اور جام لئے موجود تھی۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہوں۔ تو فرعون کے مقدس معبد کا صحیح مصرف یہ ہے۔ میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔ بہر حال یہ مناظر میرے لئے اجنبی نہیں تھے اس لئے میں نے ان سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

لڑکی نے میری آنکھوں میں نرمی دیکھی تو مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔ پھر اس نے خوش رنگ شراب کا ایک جام مجھے پیش کیا اور میں نے جام اس کے ہاتھوں سے لے کر ہونٹوں سے لگالیا۔ شراب کا پیمانہ حلق میں انڈیل کر میں نے اسے واپس کردیا اور وہ دوبارہ اسے لبریز کرنے لگی۔ رقاصائیں حسین رقص پیش کررہی تھیں۔ ان کے جسم کی ہر جنبش ذہن پر سرور طاری کررہی تھی۔

میں نے سالموس کی طرف دیکھا۔ وہ میری طرف نگران تھا۔

میری ساتھی لڑکی شاید میرے اشارے کی منتظر تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر شراب کا جام طلب کیا۔ اس نے جام بھر کے میرے ہاتھ میں تھمادیا لیکن اس بار میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے زانو پر گرالیا اور وہ ہنستی ہوئی میری آغوش میں سماگئی۔ میں نے اس کے کھلے ہوئے منہ میں شراب انڈیل دی۔

شراب کے چند قطرے ہی اس کے حلق میں اترے ہوں گے کہ باقی شراب اس کی گردن اور سینے پر بہہ گئی لیکن اچانک میں نے محسوس کیا کہ لڑکی لطف اندوز نہیں ہورہی بلکہ شاید میری گرفت سے نکلنا چاہتی تھی۔ میں نے تحیر خیز انداز میں اسے چھوڑ دیا۔ لڑکی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنی گردن پکڑے ہوئے تھے اور پھر وہ میری گرفت سے مچل کر نیچے گری اور تڑپنے لگی۔

رقص رک گیا۔ تڑپتی ہوئی لڑکی کئی بار زور سے اچھلی اور پھر ساکت ہوگئی۔ اس کا چہرہ بھیانک انداز میں سیاہ ہوگیا تھا۔

اس سے قبل کہ میں واقعے پر غور کروں اچانک ساز زور زور سے بجنے لگے اور پھر چار دیو قامت انسان کئی فٹ اونچی چھلانگیں لگاتے ہوئے آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں برہنہ شمشیریں تھیں اور ان کے لباس عجیب وضع کے تھے۔ وہ برق کی طرح کوندتی تلواریں ہلاتے ہوئے رقص کرنے لگے۔ بلاشبہ ان کے جسم سیماب کی مانند تھے۔ ان پر نگاہ جمانا مشکل تھا۔ تیز دھار والی تلواروں کو وہ اس طرح گھمارہے تھے کہ وہ ان کے ہاتھوں میں معلوم ہی نہیں ہوتی تھیں۔ میں وقتی طور پر ان کی طرف متوجہ ہوگیا تھا لیکن میری توجہ سامنے پڑی ہوئی مردہ لڑکی پر ہی تھی۔ میں اس کی موت کے اسباب پر غور کررہا تھا اور اسباب میری سمجھ میں آگئے۔ بیشک یہ اس شیطان صفت بوڑھے کی دوسری حرکت تھی جو میری جان لینے کے لئے تھی۔ شراب میں کوئی زہر قاتل حل کیا ہوا تھا۔ جسے میں پیتا رہا تھا۔ زہر مجھے تو نقصان نہیں پہنچا سکا تھا لیکن اس کے چند قطرے ہی اس کمزور لڑکی کے لئے کافی تھے اور یہ کارنامہ بوڑھے سالموس کے علاوہ کس کا ہوسکتا تھا۔ لیکن بات یہیں تک محدود نہ رہی بوڑھے نے نہایت مناسب انتظامات کئے تھے۔ ان دیو قامت انسانوں کے طوفانی رقص کی وجہ میں اس وقت سمجھا جب وہ رقص کرتے اور اونچی اونچی چھلانگیں لگاتے ہوئے میرے چاروں طرف بکھر گئے۔ اور پھر ان کی چمکدار تلواریں برق کی طرح کوند کر میری طرف لپکیں اور کھٹا کھٹ میرے جسم سے ٹکرا کر کند ہوگئیں۔ اس انوکھے واقعے پر وہ حیران ہوگئے۔ یہ برق پاش تلواریں تو درخت کے موٹے تنوں کو کاٹنے کی قوت رکھتی تھیں لیکن میرے جسم پر وہ ناکارہ رہی تھیں۔ انہیں احساس تھا کہ ان کا رکنا قیامت ہے۔ اگر میں اٹھ گیا تو شاید میں انہیں نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجاؤں اس لئے انہوں نے پہلے حملے کی ناکامی کے بعد

دوسرا حملہ کیا اور اس بار بھی ان کا حشر پہلے سے مختلف نہ تھا۔

رقاصائیں اچھل کر کناروں پر چلی گئیں تھیں۔ کاہن اعظم اپنے تخت پر سست گیا تھا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے ایک رقاصہ کو پکڑ کر سر سے بلند کیا اور پھر زمین پر دے مارا۔ اس کے بعد میں نے ہنستے ہوئے کاہن اعظم سے کہا۔

''مقدس کاہن اعظم۔ میرا خیال ہے یہ رقص خاصا دلچسپ تھا۔ لیکن کیا اب اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔''

''رک جاؤ۔ رک جاؤ۔ اے بدنصیب انسانوں۔ رک جاؤ۔ تم نے اب آمون کے معبد میں خون بہانے کی کوشش کی ہے۔ میں تمہاری لاشیں سیاہ دلدل میں پھنکوادوں گا۔ رک جاؤ۔'' اور پھر اس نے ایک طرف لٹکا ہوا ایک بڑا سا پیتل کا طباق ہتھوڑی سے بجایا اور دس مسلح آدمی اندر داخل ہو گئے۔

''لے جاؤ۔ ان موت کے ہرکاروں کو لے جاؤ۔ ان بدنصیب انسانوں کو زندان میں ڈال دو۔ اور ان سے معلوم کرو کہ کس نے انہیں اس ذلیل کام پر اکسایا تھا۔ میں ان کے خاندان کے کسی فرد کو معاف نہیں کروں گا۔ اور اٹھاؤ اس ذلیل رقاصہ کی لاش۔ اس نے آمون کے بیٹے کو زہر ہلاہل دینے کی کوشش کی ہے لیکن خود اس کا شکار ہو گئی۔''

اپنی دونوں کوششوں کی ناکامی کے بعد کاہن اعظم سالموس بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ اور اس نے احمقانہ بہانے شروع کر دیئے تھے۔ وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اسے ان معاملات کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ یہ کسی اور ہی کا کام ہے۔ اس کے آدمی رقاصوں کو دھکیلتے ہوئے لے گئے اور وہ خود میرے پاس دوڑا چلا آیا۔

''تو محفوظ ہے ناسورج کے بیٹے۔ تجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔؟''

''تو نے سانپوں کے گڑھے میں دیکھ لیا تھا سالموس۔ تیرے سانپ بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکے تھے اور اب بھی تو نے دوبارہ دیکھا۔ زہریلی ہوئی شراب کی صراحی میں نے خالی کر دی ہے اور تیرے ہرکاروں کی تلواریں میرے جسم پر ناکارہ ہو گئی ہیں۔ بددیانتی چھوڑ۔ مجھے بتا۔ تو کیا چاہتا ہے۔؟''

بوڑھے کی آنکھیں جھپک گئیں۔ اس نے کئی منٹ گردن جھکائے رکھی۔ اور پھر بولا۔ ''بلاشبہ تو عظیم ہے آمون کے بیٹے۔ آخر میں تیرے اوپر ایمان لے آیا۔ سن اے مقدس دیوتا۔ سن اے ناقابل تسخیر انسان، میں تجھے بتا چکا ہوں......'' وہ رکا۔ اور پھر اس نے تالی بجا کر سب کو چلے جانے کے لئے کہا۔ اور تھوڑی دیر میں ہال خالی ہو گیا۔ ''میں تجھے بتا چکا ہوں۔'' وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا ''کہ آمون کا ہرکارہ میری اختراع تھی لیکن مقدس نقوش میں اس کی نشانیاں ضرور ملتی ہیں۔ لیکن میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کیا تو وہی ہے کہ زہر ہلاہل جس کے لئے بےکار ہے۔ کیا تو وہی ہے جس کی موت زمین کے نابکاروں کے بس میں نہیں ہے۔'' اور میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''گویا تجھے اب بھی میرے اوپر یقین نہیں آیا۔ ٹھیک ہے تو کوشش کرتا رہ تیرے تمام حربے میرے اوپر ناکام رہیں گے۔ ہاں تیری چالاکیوں پر میرے دل میں نفرت بڑھتی جائے گی اور پھر جب تیری حرکتوں سے اکتا جاؤں گا تو تجھے کتے کی موت مار دوں گا۔''

"آہ۔ کیا تجھے میرے اوپر یقین نہیں آیا۔ سورج کے بیٹے۔ آہ۔ کیا یہ بدنصیب راہب اپنی آواز کھو بیٹھا ہے۔" بوڑھے نے غم واندوہ بھرے لہجے میں کہا۔

"بس بس۔ مزید بکواس نہ کر۔ میں سونا چاہتا ہوں۔ اور ہاں تیری ایک خادمہ نے میرے ساتھ رات گزارنے کا وعدہ کیا ہے۔ اسے میری خلوت میں بھیج دینا۔" میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بوڑھے کے چہرے پر ناکامی کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔ اس نے مجھے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اور میں اپنی آرام گاہ میں واپس آگیا۔

چالاک بوڑھے پر غصہ بھی آرہا تھا اور ہنسی بھی۔ بلاشبہ اس مکار شیطان نے نت نئے ہتھکنڈوں سے حکومت مصر کو جکڑ لیا ہوگا۔ اس کی سازشیں لوگوں کے لئے وبال جان بن گئی ہوں گی۔ لیکن بہرحال اس بار وہ پھنس گیا تھا۔ اگر اس نے میرے سامنے ہتھیار نہ ڈالے تو پھر اس کے خلاف کچھ کرنا ہی ہوگا۔

میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ مجھے ارسانہ کا انتظار تھا اور یہ انتظار طویل نہ ثابت ہوا۔ خوشبوؤں میں بسی ہوئی ارسانہ میرے پاس آگئی اس کے جسم پر موتیوں کا حسین لباس تھا جس سے اس کا مرمریں جسم جھلک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دعوت تھی۔ اور میں نے بیتابی سے اس دعوت کو قبول کرلیا۔ پھر جب وہ میرے سینے پر سر رکھے نڈھال ہوئی تھی تو میں نے اس سے پوچھا۔

"سالموس نے تمہیں کونسے تیروں سے آراستہ کیا ہے۔؟"

"میں سمجھی نہیں آمون کے بیٹے۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔" ارسانہ نے تعجب سے کہا۔

"اگر تو کچھ بھی نہیں جانتی تو ٹھیک ہے۔ میں تیرے ذہن کو پریشان نہیں کروں گا۔" میں نے اسے دوبارہ آغوش میں بھینچتے ہوئے کہا۔

"آہ۔ میں تو کچھ نہیں جانتی سوائے اس کے کہ تیرا چمکدار بدن میرے بدنما بدن میں پیوست ہوکر میری روح کو منور کر چکا ہے۔ یقیناً میری ماں بے حد خوش ہوگی کہ اس کے خون میں آمون کے بیٹے کا خون شامل ہوگیا۔ آہ۔ تیرے جسم میں کیسی لطیف خوشبو ہے۔ تو کیسا انوکھا ہے آسمان کے باشندے۔" وہ بے خودی بولتی رہی۔ اور پھر نڈھال ہوکر سوگئی۔

دوسری صبح حسب معمول تھی۔ آج میں یہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ بوڑھے سالموس کا رویہ مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اپنی شہرت سے فائدہ اٹھا کر خود فرعون رائموس سے ملوں گا۔ مجھے یہاں کوئی مشن تکمیل تک نہیں پہنچانا تھا۔ بس تہذیب کے اس دور کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس نئے دور کی تاریخ میں اپنی معلومات درج کرسکوں۔ چنانچہ ناشتے کے وقت سالموس نے مجھ سے پھر ملاقات کی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ چہرے کی سرخی کسی قدر زردی میں تبدیل ہوگئی تھی۔

"میں تجھ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں نوجوان۔" اس نے بالکل بدلے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ میں نے اس انداز کو بخوبی محسوس کیا تھا۔ شاید اس نے میرے سامنے شکست تسلیم کرلی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شکست خوردہ بوڑھا کم از کم اس وقت جو کچھ کہے گا سچ کہے گا۔ میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ بوڑھے کے سرخ وسفید چہرے پر کئی رنگ آئے اور چلے گئے تب اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"اسلاک۔ ہاں۔ میں ہمیشہ تجھے یہی کہوں گا۔ کیونکہ میں تجھے وہ تسلیم نہیں کرتا جو تو کہتا ہے۔ لیکن تیری شخصیت میری سمجھ سے باہر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تو کونسی دنیا کا باشندہ ہے۔ ہاں میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں تیری آمد سے خوفزدہ ہوں۔ میں جانتا ہوں تو ماحول بدلنے کی قدرت رکھتا ہے۔ رائموس کے دل میں میری جس قدر عزت ہے۔ اہلِ مصر میری عظمت کے جس قدر قائل ہیں، تو اسے فنا کر سکتا ہے۔ تیرے مقابل مجھے ذلت، رسوائی اور شکست کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ہاں میں نے تجھے ایک چالاک اور طاقتور جوان سمجھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ تو سرزمین مصر میں کسی خاص ارادے کے تحت داخل ہوا ہے۔ اور میرا یہ خیال ابھی تک برقرار ہے۔ سو میں نے تجھے چالاکی سے سانپوں کے غار میں گرا دیا۔ وہاں تو نے اپنے آپ کو انوکھے روپ میں پیش کیا۔ اور میں سہم گیا۔ رات کو بھی میں نے دوبارہ کوشش کی۔ لڑکی نے میرے ہی ایما پر شراب میں زہر قاتل ملایا تھا۔ لیکن وہ خود اس کا شکار ہو گئی۔ وہ سب میرے ہی ملازم تھے جو رقص کے دوران تجھے قتل کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ رہا۔ اس ناکامی نے میرے وجود کو متزلزل کر دیا ہے۔ پوری رات میں ایک پل کے لئے نہیں سو سکا۔ میں تیرے ہی بارے میں سوچتا رہا۔ بالآخر میں نے کچھ فیصلے کئے۔ میں نے سوچا۔ اگر تو مصر کا روحانی پیشوا بننا چاہتا ہے تو میں تجھے نہ روکوں گا، میں تیرے راستے سے ہٹ جاؤں گا، لیکن اس کے لئے تجھ سے درخواست کروں گا کہ میری عزت قائم رہنے دے۔ میں خوش دلی سے، بھرے دربار میں آمون کے بیٹے کی حیثیت سے تجھے تسلیم کروں گا اور اپنا عہد تیرے قدموں میں ڈال دوں گا۔ اور پھر خود گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ یا پھر اگر اس کے علاوہ تیرا کچھ اور مقصد ہے تو میں اس کی تکمیل میں تجھ سے تعاون کروں گا۔ لیکن اب میرے اوپر شک چھوڑ دے۔ میری طرف سے تجھے قتل کرنے کی کوئی اور کوشش نہ ہوگی۔"

بوڑھے کی آواز میں التجا تھی۔ میرا اندازہ درست تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے سرخ رنگ کا ایک سیب اٹھایا اور اسے دانتوں سے کاٹ کر چباتے ہوئے بولا۔

"احمق سالموس۔ تو میری قوت سے واقف ہو چکا ہے۔ مصر کی پوری فوج بھی میرے مقابل آ جائے تو آہستہ آہستہ اسے تہہ تیغ کر دوں گا۔ اس میں کچھ وقت ضرور لگے گا لیکن وہ میرا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔ اس کا مظاہرہ تو دیکھ چکا ہے۔ ایسی صورت میں اگر مجھے کسی اقتدار کی ضرورت ہوئی تو وہ مصر کی شہنشاہیت ہی ہو سکتی ہے۔ تیری جگہ لے کر میں کیا کروں گا۔ فرعون چہارم کو میں اطمینان سے قتل کر کے مصر کے تخت پر قابض ہو سکتا ہوں لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اب تیرے الفاظ سے سچائی کی بو آ رہی ہے۔ اگر تو سچ بولنے پر آمادہ ہو گیا ہے تو اس کا انعام پا اور سن۔ میں ایک سیلانی انسان ہوں۔ میری شخصیت تیری سمجھ میں نہیں آ سکے گی اس لئے میں اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ ہاں صرف اتنا بتاؤں گا کہ میری عمر لاکھوں سال ہے اور تیری بہ نسبت مجھے ان لاکھوں سال کا تجربہ ہے۔ میں صرف ایک محقق ہوں اور تیرے وطن کو دیکھنے اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔ اگر یہاں میرا دل لگا تو کچھ عرصہ قیام کروں گا اور اگر مصر کی حسینائیں میرا دل نہ بہلا سکیں تو یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اگر تو میری دوستی چاہتا ہے تو میری طرف سے بے فکر ہو کر اپنے کاموں میں مصروف رہ اور مصر کی تاریخ کے بارے میں مجھے کچھ بتا۔ اپنے عقائد اور اپنے مذہب کی تفصیل بتا۔ مجھے اس کے سوا اور کچھ درکار نہیں ہے۔"

بوڑھا کاہن کافی دیر تک احمقانہ انداز میں مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے چہرے پر خوشی کی سرخی پھوٹ پڑی۔ اس کی سانس تیز ہو گئی اور اس

نے محبت سے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔''اگر تو سچ کہتا ہے اسلاک کہ تو مجھے اپنی حماقت پر شرمندگی ہے۔ بے شک میں نے تیرے بارے میں خواہ مخواہ غلط قسم کے منصوبے بنا رکھے تھے۔ تو مجھے اپنا دوست پائے گا۔ تیرے کام میں، میں بھرپور مدد کروں گا۔ مجھے تیری دوستی پر فخر ہے۔ تو کچھ بھی ہے اگر تو پسند نہیں کرتا تو میں تیرے بارے میں تجھ سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ بس میرے لئے یہ کافی ہے کہ تو میرا دوست ہے۔''

میں مسکراتا رہا اور درحقیقت پروفیسر..... مصر کا عظیم کاہن اعظم سالموس جس کے نام سے اہل مصر کانپتے تھے جس کے ایک اشارے پر سینکڑوں گردنیں اڑ جاتی تھیں۔ اس دن سے میرا گہرا دوست بن گیا۔ اس نے میرے بارے میں اعلان کرا دیا۔ اس نے مصر کے چپے چپے کو میری آمد کی خبر دے دی۔ اس نے مجھے آمون کا بیٹا تسلیم کر لیا تھا۔

لیکن مجھے ایک بات پر حیرت تھی۔ فرعون مصر نے ابھی تک میری طرف توجہ نہیں دی تھی۔ نہ جانے کیوں۔ ممکن ہے سالموس نے ہی کوئی چکر چلایا ہو۔ میری منظور نظر ارسانہ ہر رات میری خدمت میں حاضر ہو جاتی۔ خاصی لڑکی تھی۔ اس کی معیت نے مجھے مطمئن کر دیا تھا اور بظاہر میں خوش تھا۔ ابھی تک میں نے مصر کے بازاروں میں نکلنے کی کوشش نہیں کی تھی اس سلسلے میں سالموس نے بھی مجھ سے درخواست کی تھی۔

بہرحال میں اس چالاک بوڑھے سے کوئی پرخاش نہیں رکھتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ مخصوص موقع پر وہ مجھے منظر عام پر لائے گا اور میں نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے میری دوسری ضروریات بھی پوری کرنا شروع کر دی تھیں۔ سب سے پہلے اسنے مجھے مصر کے اہرام دکھائے۔ یہ پہلے، دوسرے اور تیسرے خاندانوں کے فرعون کے مقبرے تھے جن میں ان کی حنوط شدہ لاشیں موجود تھیں۔ ان پراسرار تابوتوں کے ساتھ ان کی تاریخ بھی موجود تھی جو ایک خاص قسم کے کاغذ، جانوروں کی کھال کی جھلی پر محفوظ تھی۔ قدیم مصری تہذیب کا نمایاں عقیدہ تھا کہ ہر معاملے میں حیات بعد الموت کا تصور قائم رکھا جاتا تھا۔ جسم و روح کا رابطہ ازلی و ابدی سمجھا جاتا تھا۔ ان کے تصور میں جسم کا ایک ثمنی تھا جسے (کا) کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد بھی اس کی زندگی پر یقین رکھا جاتا تھا۔ قبر، حنوط اور اشاری مجسمے اس غیر فانی (کا) کے لئے مہیا کئے جاتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان مرتا نہیں اس کی پچھلی زندگی اس کی آئندہ زندگی کی رہبر ہوتی ہے۔ یہ عقیدہ ہندو عقیدے سے ملتا جلتا ہے۔ خدا جانے ہندوازم نے یہ تصور کہاں سے لیا ہے۔ بوڑھا سالموس بھی اسی عقیدے کا پیرو تھا لیکن ہر دور میں صاحب اقتدار لوگوں نے اپنی سہولتوں کے لئے عقیدوں میں تبدیلیاں کی ہیں۔ کاہن اعظم سالموس بھی کچھ کچھ تبدیلیاں چاہتا تھا جنہیں وہ آہستہ آہستہ اہل مصر کے دلوں میں سرایت کر رہا تھا۔ مصریوں کے عقیدے کے مطابق سورج دیوتا آمون کہلاتا تھا جو روزانہ مرتا اور روزانہ زندہ ہوتا ہے۔ یہی تمام دیوتاؤں کا آقا اور ان کا باپ تھا۔ کاہن اعظم اس عقیدے میں تھوڑی تبدیلی کرنا چاہتا تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ اپنے عہد میں تو کاہن اعظم تبدیلیاں نہ کر سکا لیکن اس کے مرنے کے بعد تاریخ میں بہت سے عقیدوں میں تبدیلیاں عمل میں آئیں۔

بہرصورت قدیم تحریریں اور فرعون کے مقبرے میرے لئے بہت دلکش تھے۔ اس سے زیادہ میں کچھ چاہتا بھی نہیں تھا۔ میرا کام پورا ہو رہا تھا۔ میں نے جو حیثیت اختیار کی تھی وہ اس سے زیادہ نہ تھی اور اب میں ادوار کی گتھیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا چنانچہ میں نے سالموس کی دوستی قبول کر لی تھی اور مجھے اس کے باقی معاملات سے کوئی سروکار نہیں تھا لیکن چالاک بوڑھا میری دوستی سے بھی بہت سے فائدے اٹھانے کا

پروگرام بنا چکا تھا چنانچہ اس کی ابتدا اس شام سے ہوئی جب سالموس نے مجھے فرعون کی ملکہ آکیتی کی معبد میں آمد کے بارے میں بتایا۔

''اور آج دن ہے اسلاک کہ میں تمہیں فرعون راعموس کی ملکہ سے روشناس کراؤں۔ اس میں میرا بھی مفاد چھپا ہوا ہے لیکن ایسا مفاد جو تمہارے لئے کسی طور تکلیف دہ نہیں ہوگا۔''

''ضرور ملاؤ سالموس۔ لیکن مجھے بتاؤ کہ میں اس کے ساتھ کس طرح پیش آؤں۔؟''

''دیوتاؤں کی شان سے۔ آمون کے بیٹے کی شخصیت شہنشاہوں سے کم نہیں ہے۔ تم اس سے برابری کے درجے سے ملو گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے گردن ہلا دی اور سالموس مطمئن ہو کر چلا گیا۔ اس نے خادماؤں کے ذریعے میرے لئے ایک انوکھا لباس بھجوایا۔ رنگین لباس جس سے میرے جسم کا بہت سا حصہ عریاں رہ جاتا تھا۔ سونے کا بنا ہوا ایک خوبصورت تاج جس کے اوپر سورج چمک رہا تھا۔ اس لباس کو پہنانے میں بہت سی حسین لڑکیوں نے میری مدد کی اور پھر میرے ہاتھ میں ایک عجیب قسم کی چھڑی دیدی گئی جو سونے کی بنی ہوئی تھی اور جس کی موٹھ سانپ کے پھن کی شکل کی تھی جس کی ننھی آنکھوں کی جگہ دو قیمتی ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

سو اس شان سے سالموس اعظم نے مجھے سجا دیا اور پھر ملکہ کی آمد کی خبر مجھے دے گئی۔ میں معبد کے نچلے حصے میں تھا جہاں سے مجھے سیڑھیاں طے کر کے بلند مینار میں پہنچنا پڑا۔ اس مینار کا دروازہ معبد کے سب سے بڑے ہال میں کھلتا تھا جو شیشے کی طرح چمکدار تھا اور جس کی دیواروں پر تصویروں کی شکل میں مصر کی پوری تاریخ کندہ تھی۔

طباق پر چوٹ پڑی اور ہال کی دیواروں نے اس کا جواب دیا۔ کاہنوں کی پوری فوج لمبے لباسوں اور لمبی داڑھیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے آگے کاہن اعظم ملکہ آکیسی کے ساتھ کھڑا تھا۔ تقریباً ساڑھے پانچ فٹ لمبی یہ عورت حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ بال کمر پر بکھرے ہوئے تھے۔ انتہائی حسین لباس میں وہ ایک مجسمہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں اس دروازے پر لگی ہوئی تھیں جس سے میں برآمد ہونے والا تھا۔

چار کاہن میرے عقب میں چل رہے تھے۔ میں بھی بڑی شان سے اس دروازے سے باہر نکلا تو کھڑے ہوئے پجاری سجدے میں گر پڑے۔ خود کاہن اعظم رکوع کی شان میں جھک گیا لیکن ملکہ آکیسی اسی طرح مبہوت کھڑی رہی۔ میں بھی اس شاندار عورت کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ میری آنکھوں کی تاب نہ لا سکی اور اس کی نگاہیں جھک گئیں اور پھر اس کی گردن بھی جھک گئی۔

تب کاہن اعظم کی آواز ابھری۔ ''کیا ہمارے نصیب نہیں ہیں کہ سورج کا بیٹا ہمارے درمیان موجود ہے۔ کیا تم اس کی حقیقت سے انکار کر سکتی ہو۔؟''

''نہیں سالموس اعظم۔ وہ دیوتا ہے۔ یقیناً وہ دیوتا ہے۔ زمین کے بسنے والوں سے الگ، حسن و جمال کا مجسمہ جس کے جسم پر آمون کی کرنیں اوٹتی ہیں۔ میں اس کے سامنے عقیدت پیش کرتی ہوں۔''

''ملکہ آکیسی کی عقیدت قبول کر آمون کے بیٹے۔'' سالموس اعظم کی آواز ابھری اور پھر وہ سیدھا ہو گیا۔ میں خاموش کھڑا تھا۔ سالموس نے

ملکہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لئے ہوئے میری طرف بڑھا۔ ملکہ پرشوق نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور اس طرح مجھے دیکھتی ہوئی وہ میرے نزدیک پہنچ گئی۔ تب اس نے ایک خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ میرے سامنے ہلکی سی گردن خم کی اور سیدھی ہوگئی۔ میں نے چھڑی والا ہاتھ بلند کیا اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''بیشک تو انوکھا ہے۔ کاہن اعظم کا کہنا تھا'' وہ آہستہ سے بولی۔

''ہم تیری پیشانی پر روشنی دیکھ رہے ہیں۔ آمون تیرے اوپر برکتیں نازل کرے گا۔''

''مجھے تیرا دیدار ہوگیا۔ کیا تو میرے محل کو عزت نہیں بخشے گا۔''

''وقت آنے پر۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں چاہتی ہوں وہ وقت بہت جلد آجائے۔'' میں نے کہا۔ کاہن اعظم ہماری باتیں بہت غور سے سن رہا تھا اور دل ہی دل میں مسرور تھا۔ اس کے خیال میں، میں اپنا کردار بخوبی ادا کر رہا تھا۔ کافی دیر تک ملکہ میرے اور کاہن اعظم کے ساتھ رہی۔ میں اس کی پرشوق نگاہوں کو پہچان گیا تھا اور خود بھی اس کے لئے بے چین تھا۔ کیا کہوں پروفیسر..... تمہارے علم میں ہے کہ سینکڑوں لڑکیاں میرے نزدیک آچکی تھیں ان میں سے ایک سے ایک حسین لڑکی تھی لیکن اس شان کی یہ پہلی عورت میں نے دیکھی تھی جو لڑکی تو نہ تھی لیکن حسن و جمال میں ہزاروں پر بھاری تھی۔

پھر ملکہ نے رخصتی چاہی اور میری دعائیں اور دوسری ملاقات کی اجازت لے کر واپس چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد کاہن اعظم مسکراتا ہوا میرے پاس آگیا۔ اس کی نظروں میں بڑی خوشی تھی۔

''میں تیرا شکر گزار ہوں اسلاک۔ تو نے میرے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں میری بڑی مدد کی ہے لیکن کچھ نئے اور دلچسپ مسائل جنم لے چکے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا سالموس۔'' میں نے کہا۔

''تیرے علاوہ اب اور کسے لاؤں گا اسلاک۔ میں تجھے سب کچھ بتادوں گا۔ یہی میرے لئے ضروری ہے اور یہی مناسب۔'' کاہن اعظم میرے نزدیک بیٹھ گیا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''مصر کی تاریخ میں تیرے سامنے دہرا چکا ہوں اسلاک۔ اپنے بارے میں تھوڑی سی تفصیل باقی رہنے دی۔ میرا تعلق تیسرے خاندان سے ہے۔ میرے خاندان نے مصر کی تاریخ کا مستند دور شروع کیا ہے لیکن پھر چوتھے خاندان کے لوگوں نے سازش کر کے میرے خاندان کی حکومت ختم کر دی۔ ہمارے عقائد چوتھے خاندان سے تھوڑے مختلف تھے جس کا اندازہ تو نہ لگا سکا ہو حالانکہ میری گفتگو سے تجھے اندازہ لگا لینا چاہئے تھا۔ بہرحال میرے خاندان کے بے شمار افراد قتل کر دیئے گئے۔ میں نے نہ جانے کس طرح یہ بات چھپائی کہ میرا تعلق اسی خاندان سے ہے تاہم میں کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عہدے پر فائز ہوگیا لیکن درپردہ میں اپنی کوششوں میں مصروف رہا۔ میں ایک بار پھر اپنے خاندان کو برسر اقتدار لانا چاہتا ہوں اور تجھے یہ سن کر شدید حیرت ہوگی کہ اکیتی میرے خاندان کی عورت ہے لیکن وہ خود اس بات سے لاعلم ہے اور خود کو چوتھے خاندان ہی کا فرد

سمجھتی ہے۔ میں نے ایک لمبی سازش تیار کی ہے اور اس کے لئے ایک طویل عرصے سے کام کر رہا ہوں۔ چنانچہ آج سے عرصہ قبل جب رائموس کی ایک بیوی کے بطن سے اس کا پہلا لڑکا پیدا ہوا تو میں نے ہوشیاری سے کام لے کر اس لڑکے کو اغوا کرا لیا اور اس کی جگہ اپنے خاندان کا ایک لڑکا جس کی عمر اس وقت صرف پانچ روز تھی۔ رائموس کی بیوی کے پہلو میں پہنچا دیا۔ رائموس کے پہلے بیٹے کو میں نے قتل کرا کر نیل کی موجوں کے حوالے کر دیا۔ گویا تیسرے خاندان کا خون چوتھے خاندان کی آغوش میں پرورش پانے لگا۔ اس کے بعد ماحول میرے ہاتھ میں تھا۔ آکاس رائموس کا بیٹا کہلاتا ہے لیکن درحقیقت اس کا باپ اور ہے جو میرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تب دوسرے مرحلے میں اکیسی کو رائموس کی خلوت میں دے دیا گیا کہ اسے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ رائموس اکیسی کو چاہتا ہے اور خطرہ تھا کہ کہیں اکیسی کی کوئی اولاد۔ مصر کی سلطنت کے لئے موزوں نہ قرار دے دی جائے اس لئے جوان العمر اکیسی کو آکاس کے سامنے لایا گیا اور نوجوان عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے دل ہار بیٹھی۔ وہ اسے بے پناہ چاہنے لگی اور میری کوششوں سے جلد از جلد آکاس نے اکیسی کی تنہائی حاصل کر لی۔ اکیسی کا پہلا بیٹا گو رائموس کی اولاد کہلاتا ہے لیکن میرے علاوہ کوئی اس راز سے واقف نہیں ہے کہ دراصل وہ آکاس کے نطفے سے ہے یا پھر اکیسی اس بات کو جانتی ہے۔

اور پھر تیسرا مرحلہ شروع کیا گیا۔ یعنی اکیسی کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس سے قبل کہ رائموس اپنے کسی بیٹے کو ولی عہد نامزد کر دے اس کی موت ضروری ہے تاکہ شاہی خاندان چہارم کے دستور کے مطابق سب سے پہلے بیٹے کو بادشاہت مل جائے اور اس کے بعد وہ بہ آسانی اکیسی کے بیٹے یعنی اپنے نطفے کو حکومت منتقل کرا لے۔ یوں تیسرے خاندان کو برسر اقتدار لانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے لیکن مکمل حقیقت سے میرے علاوہ اور کوئی واقف نہیں تھا یہاں تک کہ اکیسی اور آکاس بھی نہیں۔ ہاں۔ ہاں تو میرا دوست ہے۔ میرے لئے محترم ہے اس لئے میں نے تیرے اوپر اعتماد کر لیا ہے۔"

بوڑھا خاموش ہو گیا۔ میں یہ حیرت انگیز سازش سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ تہذیب کے دور کی یہ سازش میرے لئے سخت حیرت انگیز تھی۔ اس سے قبل کے ادوار میں، میں کسی ایسی سازش سے آشنا نہیں ہوا تھا لیکن ستارے میرے دوست میری حیرت پر مسکراتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ جوں جوں انسان تہذیب کے لبادے اوڑھتا رہے گا، اقدار فراموش کرتا رہے گا اور ایک وقت دنیا ایسی انوکھی جگہ ہو جائے گی جہاں کے قصے کہانیاں کسی طور پر عقل میں نہیں آئیں گے۔

لیکن...... میں تو ایک محقق تھا پروفیسر...... دنیا کے بدلنے کے طریقے میرے پاس نہیں تھے۔ ہاں ہر دور کا مشاہدہ میرا محبوب مشغلہ تھا اور پھر مجھے دنیا بدلنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ نہ ہی یہ سب کچھ میرے بس کی بات تھی۔ مجھے تو صرف دیکھتے ہوئے گزر جانا تھا۔

بوڑھا میری شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں نے کچھ نئے اور دلچسپ مسائل کے بارے میں ذکر کیا تھا۔"

"ہاں۔ وہ مسائل کیا ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"اکیسی کی نگاہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "میری زیرک آنکھوں نے اس کے چہرے کی جلد میں دوڑتے ہوئے خون میں ایک طلب دیکھی ہے۔ بیشک تو دنیا کا حسین ترین مرد ہے اسلاک۔ کون عورت تیرے قرب کی خواہشمند نہ ہوگی۔ اکیسی بھی ایک حسن پرست ہے۔ اس کی طلب، اس کی حسن پرستی کہیں تاریخ نہ بدل دے۔"

''میں اب بھی نہیں سمجھا سالموس۔'' میں نے کہا۔

''اس نے تجھے پسند کیا ہے۔ وہ تجھے اپنی خلوت میں ضرور طلب کرے گی۔ یہ میری پیش گوئی ہے لیکن تیرے حسن کی چمک کہیں اسے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور نہ کر دے۔''

''وہ اپنا ارادہ کیسے بدل سکتی ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''اہل مصر۔ آمون کے بیٹے کی حکومت کو دوسرے تمام انسانوں پر ترجیح دیں گے۔ فرعون کی فوج کے اندر بھی اس سے باغی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ آمون کی حقیقت سے واقف ہو جائیں اور تمہاری حیرت انگیز شخصیت تمام یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔''

''اگر ایسا ہو جائے تو تمہاری کیا کیفیت ہوگی؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں ایسی بے بسی محسوس کروں گا جو اس سے پہلے کبھی نہیں محسوس کی۔'' سالموس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''لیکن تمہیں فکر نہیں کرنی چاہئے سالموس۔ مجھے دنیا کی کسی حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں انسانوں میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میری ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ میں کسی مشن پر یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرا جو مقصد تھا وہ تمہارے ذریعے پورا ہو گیا ہے۔ مزید کچھ ہے تو وہ تمہارے تعاون سے ہو جائیگا ہاں میں تمہارے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہوں۔''

دراصل پروفیسر..... میں نے خود میں بہت سی تبدیلیاں کر لی تھیں۔ میں نے انسانوں کے لئے کچھ کیا تھا۔ میں نے جہاں ظلم دیکھا اس کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ لیکن انسانوں نے خود اپنے لئے کیا کیا تھا.؟ یہ چیزیں انسان کی فطرت ہے۔ وہ اگر طاقتور ہوتا ہے تو ظلم کرتا ہے، کمزور ہوتا ہے تو ظلم سہتا ہے۔ اس لئے اب مجھے ان کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی میں تو صرف اپنا مقصد پورا کرنا چاہتا تھا۔

میری بات پر کاہن اعظم نے آنکھیں بند کر لیں اور کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ تم ایسے انسان ہو کہ میرا تمام تجربہ تمہارے سامنے باطل ہو گیا ہے۔ میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ تاہم ایک بار پھر کہتا ہوں کہ مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے جب تم میری اس قدر مدد کرنے پر آمادہ ہو تو پھر میں تم سے کچھ اور بھی چاہوں گا۔''

''ہاں۔ ہاں کہو۔ کیا چاہتے ہو۔؟''

''اگر ملکہ آکیسی تمہارا قرب چاہے تو تم اسے مایوس مت کرنا اگر وہ تم سے کچھ اور خواہش کرے تو پھر یہ تمہاری فراست پر منحصر ہے کہ تم اسے ٹال دینا۔ تم جانتے ہو۔ عورت دنیا کی سب سے عجیب شے ہے۔ وہ تاریخ کا رخ بدل سکتی ہے۔ تمہاری طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مجھے اس سے خطرہ ہے کہ کہیں وہ میرے پروگرام کو درہم برہم نہ کر دے۔''

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تم بے فکر رہو۔'' میں نے کہا۔ اور وہ خوش خوش وہاں سے چلا گیا۔

اور بوڑھے کا اندازہ بالکل درست نکلا۔ آکیسی دوسرے دن پھر موجود تھی۔ اس بار وہ سادہ سے طریقے سے آئی تھی۔ اس کا لباس بھی سادہ تھا۔ اور اس کے انداز میں عجیب سی بے چینی پائی جاتی تھی۔

''مقدس کاہن اعظم۔'' اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں بے چین ہوں۔ میں پریشان ہوں۔'' اس نے کہا۔

''میں تیرے بے چینی محسوس کر رہا ہوں آکیسی۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے جو تو چاہتی ہے۔''

''تیرا دل روشن ہے کاہن اعظم۔ ناممکن کو ممکن بنا۔ میرے دل کا درد اس سے کہہ دے۔''

''وہ خود بھی جانتا ہوگا۔ وہ دیوتا ہے۔''

''تب مجھے اس کے حضور جانے دے۔ میں اس سے دل کا درد کہوں گی۔ میں اس سے درد کی دعا مانگوں گی۔'' آکیسی نے کہا۔

''لیکن آکاس کا کیا ہوگا؟ تیرے ارادے کیا ہوں گے۔؟''

''وہ سب اپنی جگہ ہوں گے۔ سب کچھ اسی طرح ہوگا جیسے تو چاہتا ہے کاہن اعظم۔ لیکن وہ بھی ہوگا جو میں چاہتی ہوں۔ میں اس کے......''۔

''تو جانتی ہے آکیسی۔ میں تیرے تمام رازوں کا امین ہوں۔ میں تیرا یہ راز بھی راز رکھوں گا۔ آج رات۔ اگر تو آسکے۔ تو معبد کے دروازے تیرے لئے کھلے ہوں گے۔ باقی کام خود تیرا ہے، دیوتاؤں کا قرب حاصل کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔''

''تو اسے میری قسمت پہ چھوڑ دے۔'' تو یہ تھی وہ گفتگو جو کاہن اعظم اور آکیسی کے درمیان میری غیر موجودگی میں ہوئی۔ لیکن آکیسی کے واپس جاتے ہی کاہن اعظم نے مجھے بتائی۔

''تب پھر تیرا کیا خیال ہے سالموس۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میری درخواست برقرار ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ارسانہ آج رات میری خلوت میں نہ آنے پائے اس کا خیال رکھنا۔'' میں نے کہا اور کاہن خوش خوش واپس چلا گیا۔ تو پروفیسر..... اس رات میں بے چینی سے اپنی پسندیدہ عورت کا انتظار کرنے لگا۔ وقت گزرتا رہا۔ میرے کان دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ پر لگے ہوئے تھے اور پھر اچانک میرے کانوں نے دروازے کی آواز سنی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ آکیسی کا حسین چہرہ سامنے تھا۔

میں کھڑا ہو گیا۔ اور آکیسی ایک انتہائی حسین لباس میں اندر آگئی۔ اس کے طویل القامت جسم پر یہ لباس بہترین لگ رہا تھا۔ لباس کی تراش اس قسم کی تھی کہ اس کے جسم کے بیشتر حصے عریاں تھے۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔ ہونٹ تشنگی سے خشک تھے اور ان میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔

''سورج کے بیٹے۔ تو۔ رحم کا دیوتا ہے۔ میں تیری پناہ چاہتی ہوں۔ میں تیری محبت میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ میں تیرے قرب کی طلبگار ہوں مجھے بتا۔ میں کیا کروں۔؟ یا تو میرے دل کو سکون دے۔ میرے ذہن سے اپنی چاہت فنا کر دے۔ یا پھر۔ مجھے اپنے مضبوط بازوؤں میں لے کر میرے دل کی پیاس بجھا دے۔''

وہ میرے بالکل نزدیک آگئی۔ تو تم جانو پروفیسر..... دل کا سکون بخشنا تو میرے امکان میں نہیں تھا۔ میں کوئی روحانی پیشوا نہیں تھا۔ جو اس کے دل کا سکون تلاش کر سکتا۔ ہاں باقی جو کچھ میں کر سکتا تھا حاضر تھا چنانچہ میں نے اسے بالکل قریب آجانے کا موقع دیا۔

وہ میری پسندیدہ عورت تھی پروفیسر...... اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس نے کسی ابہام اور تفہیم سے کام نہیں لیا تھا۔ دوٹوک بات کہہ دی تھی۔ چنانچہ اب کسی تکلف کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اس کی گرم جوشی کے جواب میں، میں نے بھی اسی گرمجوشی کا ثبوت دیا۔

میرے آتشی جسم کے قرب نے اسے مدہوش کر دیا اور پروفیسر...... وہ بھی میری زندگی کی ایک یادگار رات تھی۔ اس رات میں حقیقی معنوں میں عورت کی قوت کا قائل ہوا۔ میں نے بڑے بڑے سورماؤں کی شکست دی تھی کسی کی قوت کا لوہا نہیں مانا تھا۔ لیکن ابھی تک میرا واسطہ اس طرح کے کسی سورما سے نہیں پڑا تھا۔ سو آج میرا مقابل مل ہی گیا تھا اور کیا کیا داؤ پیچ ہوئے پروفیسر...... لیکن میرا مقدر...... شاید میرے مقدر میں شکست کا صفحہ ہی نہیں رکھا گیا تھا۔ وہ سکون کی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار اسے سکون ملا ہو۔ کافی دیر تک وہ دنیاو مافیہا سے بے خبر رہی پھر اس کے حواس واپس آگئے۔ اس نے مخمور نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر بوجھل لہجے میں بولی۔

"اس ایک رات کے لئے۔ ان چند لمحات کے لئے میں اپنی پوری زندگی قربان کرنے کو تیار ہوں۔ آہ...... آسمان سے آنے والے، تو دنیا والوں سے کس قدر مختلف ہے۔"

"اسی لئے تمہاری دنیا میں میرا گزارا مشکل ہے۔" میں نے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ تو ہمیشہ یہاں رہے۔ اس وقت تک جب تک سرزمین مصر کا وجود نہ مٹ جائے۔ مجھے ابدی زندگی مل جائے اور میں ہر دم تیرے ساتھ رہوں۔"

"یہ سرزمین نہ مٹنے کے لئے ہے۔ یہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ لیکن آمون نے جو مشن میرے سپرد کیا ہے۔ میں اسے انجام دے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تیری یہ خواہش بیکار ہے۔"

"مگر میں تیری دیوانی ہو گئی ہوں سورج کے بیٹے۔ میں ہر رات تیری آرزو کروں گی۔"

"وہ آرزو تیرے لئے ذلت بن جائے گی۔ اس ایک رات پر اکتفا کر۔ ممکن ہے ایسی چند راتیں اور آئیں۔ اس کے بعد میں یہاں نہ رہوں گا۔ ہم آسمان کے باسی زمین پر صرف چند روز مہمان ہوتے ہیں اور پھر آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔"

"آہ۔ تو کیا تو بھی یہاں سے چلا جائے گا۔؟" اس نے درد بھرے انداز میں پوچھا۔

"ہاں شاید بہت جلد۔" میں نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ مجھے بیحد پسند آئی تھی۔ اس کی وجہ سے میں ایک طویل عرصہ یہاں رہ سکتا تھا۔ اس وقت تک بھی جب تک اس کے جسم میں جھریاں نہ پڑ جائیں۔ اس وقت تک بھی جب تک وہ بالکل بوڑھی نہ ہو جائے۔ آخر میں کئی عورتوں کے ساتھ اس انداز میں رہا تھا لیکن میں اپنے دوست سالسوں سے وعدہ کر چکا تھا۔ میں اس عورت کے لئے کاہن اعظم کی امیدوں کو خاک میں نہیں ملانا چاہتا تھا۔ بہرحال اس نے میری مدد کی تھی اور میں تاریخ کے اسی گہوارے کے بارے میں اس سے اور بھی بہت کچھ معلوم کرنے کی توقع رکھتا تھا۔

حب اکیسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔ اور بولی۔ "ہاں۔ آسمان کے باسیوں نے کب زمین کو اپنایا ہے۔ یہی تیرا کرم ہے کہ تو نے اپنے قرب کے لمحات مجھے دے دیئے۔ لیکن مجھے ایک اجازت اور دیدے۔ جب تک تو یہاں ہے، میں تیرے وصل سے لطف

اندوز ہوتی رہوں۔"

"تو جب چاہے یہاں آ سکتی ہے۔" میں نے کہا اور سوچنے لگا کہ یہ بات کاہن اعظم کی مرضی کے خلاف تو نہ ہوگی۔ بہرحال اگر ہوئی تو بعد میں اس میں ترمیم بھی کی جا سکتی ہے۔!

اور پھر وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد کاہن اعظم آ گیا۔ اس نے گہری نگاہوں سے میرا چہرہ دیکھا اور بولا۔ "کیا میرا خیال غلط تھا اسلاک؟ کیا اس نے تیرے دائمی قرب کی خواہش نہیں کی۔؟"

"نہیں تیرا خیال درست تھا۔ لیکن میں نے خوش اسلوبی سے اسے ٹال دیا۔ مجھے بہرحال تجھ سے کیے ہوئے وعدے کا پاس تھا۔!"

"اوہ۔ وہ کسی قسم کی رنجش لے کر یہاں سے گئی ہے۔؟"

"نہیں۔۔ اس کے برعکس اسے قرار آ گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ تیرا کمال ہے۔ جس کے لئے میں تیرا شکر گزار ہوں! اب آرام کر۔۔۔۔ کل میں تیری خدمت میں حاضر ہوں گا اور اس کے بعد ہم دونوں مل کر نئے فیصلے کریں گے۔" وہ چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد میں بھی سونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ دوسرا دن حسب معمول تھا۔ کاہن اعظم ناشتے پر مجھ سے ملا۔ اس کے چہرے پر سکون تھا۔ ناشتے کے دوران اس نے کہا۔ "تیری آمد سے میرے حوصلوں کو جلا مل گئی ہے۔ تو جس کا دوست بن جائے اسے دنیا کے کسی اور انسان کی فکر نہیں رہنی چاہئے۔ میں تیرے اس احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ موجودہ فرعون کو اقتدار سے ہٹانا یوں بھی ضروری ہے۔ وہ اپنے خاندان کے دوسرے فرعون سے زیادہ ظالم ہے اس کے دور حکومت میں زیادہ قتل عام ہوئے ہیں وہ اپنے دشمنوں یا مخالفوں کو ایک لحظہ زندگی دینے کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ انسانیت کے نام پر بھی راعموس کی بادشاہت کا خاتمہ ضروری ہے۔"

"تو میرے سپرد جو کام کرے گا میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں سالموس۔!" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کام تو صرف اکیسی کرے گی۔ اس وقت وہی سب سے اہم ہستی ہے۔ ہاں اگر اس کی مدد کی ضرورت پیش آ گئی تو پھر ہم دریغ نہیں کریں گے۔ ویسے آج میں سوچ رہا ہوں کہ فرعون کو تیرا دیدار کراؤں۔ وہ کئی بار تیرے بارے میں پوچھ چکا ہے۔ لیکن وہ اتنا مغرور ہے کہ آمون کے بیٹے سے ملاقات کے لئے خود اپنے قدموں سے چل کر معبد میں آنا پسند نہیں کرتا۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ میں خود اس کے محل میں جانا پسند کروں گا۔" میں نے کہا۔ ناشتے کے بعد کاہن اعظم نے اپنے خادموں کو شہر میں پھیلا دیا۔ وہ ان راستوں کا اعلان کر رہے تھے جہاں سے سورج کے بیٹے کی سواری گزرنے والی تھی۔ وہ لوگوں کو دیوتا کے دیدار کی خوش خبری دے رہے تھے۔ راعموس کے پاس بھی یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ آمون کا بیٹا اس سے ملاقات کے لئے آ رہا تھا۔ سورج چڑھے سواری کی تیاری کر لی گئی اور خوب انتظام کیا تھا اس بوڑھے چالاک کاہن نے بیس سفید گھوڑوں کا رتھ جو سونے کا بنا ہوا تھا اور جن میں جڑے ہوئے جواہرات آنکھوں کو نا کارہ بنا رہے تھے، میری سواری کے لئے تھا اس کے پیچھے لمبی داڑھی والے کاہنوں کا گروہ تھا۔ یوں ہماری سواری فرعون کے محل کی طرف چل پڑی۔ لوگوں نے کاروبار بند کر دیئے تھے۔ راستوں پر انسانی ہجوم تھا جیسے فرعون کے گھوڑے سنبھالے ہوئے تھے۔ لوگ خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ پھول بکھر

رہے تھے۔اور سواری کشاں کشاں شاہی محل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہم شاہی محل کے نزدیک پہنچ گئے۔ا

دور سے محل کی خوبصورت عمارت نظر آ رہی تھی۔ ہم اس کے احاطے سے اندر داخل ہو گئے جہاں درباری استقبال کے لئے دو طرفہ کھڑے تھے۔ پھر لمبی سیڑھیوں کی ایک بلند عمارت تھی اور سب سے آخری سیڑھی کے بعد ایک اونچا چبوترہ تھا جس پر فرعون راعموس اپنے مشیروں، وزیروں کے ساتھ استقبال کے لئے کھڑا ہوا تھا۔

رتھ سیڑھیوں کے نزدیک پہنچ کر رک گیا اور کاہنوں نے گھوڑوں کی باگیں تھام لیں۔ سونے کی سیڑھی رکھی گئی اور میں نیچے اتر گیا۔ کاہن اعظم بھی میرے ساتھ ہی نیچے آ گیا تھا اور پھر سب سے آگے میں، میرے دو قدم پیچھے سالموس اور پھر کاہنوں کا گروہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ راعموس کو شاید میری شخصیت، میری وجاہت نے متاثر کیا تھا اس لئے وہ مزید کئی سیڑھیاں نیچے آ گیا اور سیڑھیوں پر ہی اس نے میرا استقبال کیا۔

''آمون کے لئے، اہل مصر کے لئے تیری آمد مبارک ہو۔ میں مصر کا خدا، سرزمین مصر پر تجھے خوش آمدید کہتا ہوں۔''

''تجھ پر برکتیں نازل ہوں۔'' میں نے مختصراً کہا اور پھر میں راعموس کے ساتھ بقیہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ درحقیقت یہ شخص مجھے بڑا خودسر اور مغرور معلوم ہوا لیکن مجھے اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ اس کا جو انجام ہونے والا تھا مجھے معلوم تھا پھر مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس کی خودسری پر توجہ دیتا۔ چبوترے پر موجود لوگ سربسجود ہو گئے اور راعموس ان کے درمیان سے گزرتا ہوا دربار میں داخل ہو گیا۔ دربار بے مثال تھا۔ مصر کی دولت کا صحیح اندازہ اس دربار کو دیکھ کر ہوتا تھا۔ راعموس تخت زریں کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے بائیں سمت اور دائیں سمت دو تخت اور پڑے ہوئے تھے جن میں سے ایک پر میں اور دوسرے پر کاہن بیٹھ گیا۔ درباری بھی حسب منصب اپنی نشستوں پر فروکش ہو گئے تھے۔ تب راعموس مجھ سے مخاطب ہوا۔

''مقدس کاہن نے مجھے تیری آمد کی اطلاع دی تھی۔ میں تجھ سے ملاقات کا خواہشمند تھا۔''

''وقت پتہ کئے بغیر میں تیرے پاس نہیں آ سکتا تھا۔'' میں نے کہا۔

''کیا تو اپنے ساتھ آمون کی نشانیاں لایا ہے۔؟''

''ہاں۔ لیکن انہیں صرف وہ دیکھ سکتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ جو شخص اپنے منصب کے قابل نہ ہو وہ انہیں نہیں پہچان سکتا۔ پوچھ کاہن اعظم سے۔ کیا میں نے غلط کہا۔؟''

''نہیں، نہیں۔ میں تجھ میں آمون کا پرتو محسوس کرتا ہوں۔'' راعموس جلدی سے بولا۔ مجھے اس کی بات پر ہنسی آئی تھی لیکن میں سنجیدہ رہا۔

''اہل مصر کے لئے تیرا کیا پیغام ہے۔؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''یہی کہ اچھے برے کی تمیز کریں۔ اس کی اطاعت کریں جو خوبیوں کا مالک ہے۔ اسے نیست و نابود کر دیں جو انسانیت کا احترام کرنا نہ جانتا ہو۔'' میں نے کہا اور راعموس کے چہرے پر بے چینی کے آثار پھیل گئے۔ کاہن اعظم نے بھی چونک کر میرے چہرے کی طرف دیکھا تھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ میرے جواب دینے کے جارحانہ انداز سے وہ کچھ خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔

''کیا تو آمون کی تعلیمات عام کرے گا۔؟''

''ہاں۔ میرے سپرد یہی قدرت کی گئی ہے۔''

''لیکن اہل مصر جانتے ہیں کہ میں منصف المزاج ہوں۔ میں صرف وہ کرتا ہوں جس میں انسان کی بھلائی ہو۔''

''شاید وہ اسی لئے تیری اطاعت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔'' میں نے کہا اور میرے اس جواب سے راعموس کا چہرہ کھل اٹھا۔ کاہن اعظم کی بے چینی بھی اعتدال پا گئی۔

''اب آمون مجھے ایسا ہی پائے گا جیسا کہ وہ چاہتا ہے۔'' راعموس نے کہا اور پھر بولا۔ ''میری خواہش ہے کہ تو میرے ساتھ قیام کر۔ میری فراست دیکھ، میرا انصاف دیکھ، کیا مجھ سے زیادہ اور کوئی فرعون بننے کے قابل ہے اور جب تو آمون کی خدمت میں جائے تو میرے بارے میں اس سے سب کچھ کہہ دے۔''

''میں نے تیری دعوت قبول کی۔ میں تیرے ساتھ قیام کے لئے تیار ہوں۔'' میں نے کہا۔ کاہن اعظم نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔ بہرحال وہ منہ سے کچھ نہ بولا تھا۔ نہ جانے وہ کس سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

راعموس مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ وہ زیادہ چالاک آدمی نہیں تھا پھر اس نے میرے سامنے چند مقدمات سنے۔ یہ زیادہ تر ایسے لوگوں کی کہانیاں تھیں جنہوں نے اس کی اطاعت سے انکار کیا تھا۔ اس کے سپاہیوں کی داستان تھی جن کے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کی گئی تھی۔

لیکن راعموس ان کا خداوند تھا اور اس کے سپاہی اس کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔ اس کے خلاف آواز اٹھانے والے باغی تھے اور باغیوں کی سانسیں جس قدر محدود ہوں درست ہے۔ راعموس اس عقیدے کا مالک تھا چنانچہ باغیوں کو سزا دینے میں کوتاہی نہیں کی گئی۔ یہ چیز تفریح میں بھی شامل تھی اور جیسا کہ بعد میں پتہ چلا کہ راعموس ایسی تفریح روزانہ کرتا تھا۔ اگر تفریح کے مواقع مہیا نہ ہوتے تو وہ اداس ہو جاتا اس لئے سپاہیوں کو ہدایت تھی کہ اس کے لئے روزانہ ایسے مواقع فراہم کئے جائیں اور جب کوئی نہ ملے تو آخر بے گناہ شہریوں کا بھی کوئی مصرف ہے وہ کس کام آئیں گے۔

چنانچہ پروفیسر یہ تفریح میں نے بھی دیکھی۔ آج تو کافی تعداد میں مجرم موجود تھے۔ راعموس کے بہترین جنگجو دستے نے خوب باغیوں کو میدان میں دوڑایا اور پھر جب وہ تھک گئے تو ان کی گردنیں اتار لی گئیں اور انہیں فضا میں اچھال اچھال کر فضا میں ہی ان پر تیر اندازی کی جانے لگی۔ اس کے بعد ہاتھیوں کے دوسرے دستے کا دور شروع ہوا۔ اس بار مست ہاتھیوں کو ایک غول بھی میدان میں لایا گیا۔ ان ہاتھیوں کو کودنا بخوبی آتا تھا۔ چنانچہ پیروں میں بھاری زنجیر پڑے ہونے کے باوجود باغی ہاتھیوں سے بچنے کے لئے دوڑ رہے تھے اور ہاتھی ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ مزید دلچسپی کے لئے ان زنجیروں میں پیتل کی ننھی ننھی گھنٹیاں بھی باندھ دی گئی تھیں جو باغیوں کے دوڑنے کی کوشش میں بج رہی تھیں اور سپاہی قہقہے لگا رہے تھے۔

خود راعموس بھی بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ وہ بار بار ران پر ہاتھ مار کر ہنس پڑتا۔ اس کے نزدیک ہی ایک حسین لڑکی اسے شراب کے جام دے رہی تھی جنہیں وہ ہاتھ میں لئے بیٹھا رہتا اور پھر جب دل چاہتا حلق میں انڈیل لیتا۔ عجیب بے نیاز اور ظالم فطرت انسان تھا۔ یوں وہ شہریوں کی

تعداد میں روزانہ کمی کر رہا تھا تو میں نے سوچا پروفیسر..... کہ اس ظالم انسان کی موت ضروری ہے۔ خواہ وہ کاہن اعظم کے پروگرام کے تحت آئے یا میرے ہاتھوں سے۔

راعموس کی بے رحمی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے جام سے شراب چھلک کر اس کے لباس پر گر گئی۔ بے تحاشہ قہقہہ اس نے اس بات پر لگایا تھا کہ اس وقت ایک ہاتھی ایک نوجوان پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نوجوان بے پناہ پھرتیلا اور طاقتور تھا۔ بھاری زنجیروں کے باوجود وہ چھلانگیں لگا کر خود کو ہاتھی سے بچا رہا تھا۔ وہ ہاتھی بھی جھلا گیا تھا جو اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا چنانچہ اس بار اس نے نوجوان کا پیچھا نہ چھوڑا لیکن نوجوان نے بھی پھرتی سے کام لیا اور اچھل پر ہاتھی کی پشت پر سوار ہو گیا۔ ہاتھی سونڈ پلٹ کر اسے پشت سے گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور نوجوان اچھل اچھل کر خود کو بچا رہا تھا۔ اس کھیل سے راعموس بہت خوش ہوا تھا اور اسی خوشی میں اس کے جام سے شراب چھلک گئی۔ تب اس کا قہقہہ رک گیا۔ اس نے خونی نگاہوں سے حسین لڑکی کی طرف دیکھا جس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ راعموس نے اسے اشارہ کیا اور وہ سہمے ہوئے قدموں سے اس کے نزدیک آ گئی۔ راعموس نے خاموشی سے اپنی پٹی میں اڑسا ہوا خنجر کھینچا اور لڑکی تھر تھر کانپنے لگی۔ میں غور سے راعموس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس نے خنجر بلند کر کے لڑکی کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی کے خدوخال بگڑ چکے تھے۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے خنجر راعموس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اسے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی طرف کیا اور پھر دانت بھینچ کر اپنے پہلو میں دستے تک پیوست کر دیا۔ اس کے بھنچے ہوئے دانتوں سے کراہیں نکل رہی تھیں اور راعموس کے چہرے پر سکون پھیل گیا تھا۔

لڑکی تڑپ کر سرد بھی نہ ہونے پائی تھی کہ راعموس کے سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے لڑکی کی ٹانگیں پکڑیں اور اسے گھسیٹ کر پیچھے لڑھکا دیا جہاں دوسری بہت سی لاشیں پڑی تھیں اور پھر آن کی آن میں راعموس کے سامنے پڑا ہوا لڑکی کا خون صاف کر دیا لیکن راعموس اب اس واقعے کو بھول گیا تھا اور باغیوں کے آخری دستے کی موت کے مناظر دیکھ رہا تھا۔

ایک بار پھر میرے خون میں ابال پیدا ہوا پروفیسر۔ میرا دل چاہا اس ظالم انسان کو ایک لمحے میں فنا کر دوں لیکن میں نے عقل سے کام لیا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔ جب میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تو پھر اب کیا فائدہ۔ خاموشی سے تماشا دیکھنا زیادہ مناسب تھا چنانچہ میں نے خود کو سنبھال لیا۔

باغیوں کی آخری کھیپ بھی ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ کھیل ختم ہو گیا۔ یوں بھی کافی وقت گزر چکا تھا اس لئے راعموس اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ”آمون کے بیٹے۔ کیا یہ دلچسپ کھیل تجھے پسند آیا۔؟“

”بے حد۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور راعموس نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

”تب آ۔ اب آرام کا وقت شروع ہو گیا ہے۔“ اور پھر وہ کاہن اعظم کی طرف رخ کر کے بولا۔ ”تیرا شکریہ مقدس کاہن اعظم۔ اب مجھے آمون کو خوش کرنے دے۔ اب یہ معبد کی خشک زندگی سے نکل کر راعموس کے ساتھ کچھ وقت گزارے گا۔“ اور کاہن اعظم نے گردن ہلا دی۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ عجیب انداز تھا جیسے وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت کچھ کہہ رہا ہو اور میں نے بھی اسی کے انداز میں اس کی بات کا جواب دیا۔ کاہن اعظم رخصت ہو گیا اور میں راعموس کے ساتھ اس کے محل میں داخل ہو گیا۔ کچھ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ چل رہے تھے۔ میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا

آگے بڑھتا رہا۔ ویسے دل ہی دل میں، میں سوچ رہا تھا کہ خود کاہن اعظم بھی راعموس سے خوفزدہ ہے۔ بے شک اس کا رتبہ اہل مصر کی نگاہوں میں خداوند راعموس سے کم نہیں ہے لیکن راعموس اس پر حاوی ہے۔

ہم محل کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے اور راعموس نے ایک خوبصورت دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اس کے دوسری طرف آرام گاہ ہے جہاں تجھے ہر سہولت مہیا ہوگی۔ ہم رات کا کھانا تیرے ساتھ کھائیں گے۔''

میں خاموشی سے اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ راعموس کے دل میں میری کوئی وقعت نہیں ہے۔ وہ ایک عام انسان کی حیثیت مجھے دے رہا ہے۔ بہرحال میں اس میں بھی خوش تھا کیونکہ وہ سب کچھ خود ہونے والا تھا جو یہ دیکھنے کے بعد مجھے کرنا چاہئے تھا۔ میرے عقب میں دو خادم آ رہے تھے۔ انہوں نے میرے لئے دروازہ کھول دیا اور میں اندر داخل ہو گیا۔

اندر نیم عریاں لباسوں میں چھ خوبصورت لڑکیاں موجود تھیں جو آپس میں ایک دوسرے سے چہلیں کر رہی تھیں۔ میری شکل دیکھتے ہی وہ دم بخود ہو گئیں اور پھر میرے سامنے جھکیں۔ مجھے لانے والے واپس چلے گئے تھے۔

میں نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولا۔ ''تم کون ہو۔؟''

''تیری خادمائیں آمون کے بیٹے۔ خوش نصیبی ہے کہ ہمیں تیری خدمت کا فخر حاصل ہوا۔'' ان سب نے بیک وقت کہا۔

''کیا تمہیں میری آمد کا علم تھا۔؟''

''ہاں۔ کاہن اعظم کا پیغام پورے مصر کو مل چکا ہے۔'' اس بار ایک لڑکی نے کہا۔

''ہوں۔ میرے غسل کا بندوبست کرو۔''

''بندوبست ہے۔'' لڑکیوں نے کہا اور میری رہنمائی اس کمرے کے ایک دروازے کی طرف کی اور پھر انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ دوسری طرف ایک خوبصوت حوض موجود تھا۔

پانی میں خوشبویات ملائیں اور پھر دو لڑکیاں میرے بازو پکڑ کر مجھے حوض میں لے گئیں۔ میرا دماغ مہک رہا تھا۔ لڑکیوں کے برہنہ چمکدار جسم میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ وہ خود بھی میرے سنہرے جسم سے بے حد حیران تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ایسی رنگت والے انسان کو نہ دیکھا ہوگا۔ ان کی نگاہوں میں حیرانی بھی تھی اور پسندیدگی بھی۔

تب انہوں نے اپنے نرم ہاتھوں سے میرے بدن پر کئی روغن ملے اور پھر مجھے غسل کرانے لگیں لیکن اس دوران میں نے خود کو قابو میں رکھا تھا۔ میرے جذبات ضرور مچل رہے تھے لیکن یہاں اس محل میں ابھی مجھے بہت سے کام انجام دینا تھے اس لئے میں خود کو بہکا انسان ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خود لڑکیوں کے تنفس تیز ہو گئے تھے۔ ان کی حرکات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ میرے جذبات بھڑکانا چاہتی ہیں لیکن پروفیسر...... آخر میں ایک عمر رسیدہ انسان تھا۔ ان جوان چھوکریوں کے ہتھکنڈے میرا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ میں غسل سے فارغ ہو گیا اور حوض سے باہر نکل آیا۔ لڑکیوں نے مجھے لباس پہنایا اور پھر میں نے ان سے کھانے کی فرمائش کی۔

عمدہ کھانا کھانے کے بعد میں نے انہیں اجازت دے دی اور خود آرام کرنے لیٹ گیا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ درندہ صفت راعموس قابل نفرت تھا۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اگر کاہن اعظم اپنی سازش میں ناکام بھی ہوگیا تب بھی میں اسے زندہ نہ رہنے دوں گا۔ گو یہ میرے بنائے ہوئے اصول کے خلاف تھا لیکن اس درندے کے لئے وقتی طور پر میں اپنا اصول توڑنے کو تیار تھا۔

تو پروفیسر پھر رات ہوگئی۔ رات کو شاندار محل بے حد روشن ہوگیا۔ چاروں طرف موی شمع دان روشن ہوگئے۔ رات کا کھانا راعموس نے میرے ساتھ کھایا۔ کھانے پر بھی وہی تزک واحتشام تھا جو ہونا چاہئے تھا۔ راعموس بہت خوش تھا اور خوب چہک رہا تھا۔ اسی دوران اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''آسمانوں کی خشک زندگی میں تیرا دل نہیں گھبراتا آمون کے بیٹے۔ یا پھر وہاں بھی یہ سب لوازمات موجود ہیں۔؟''

''آسمانوں کے راز۔ زمین کی پستیوں تک نہیں آنے چاہئیں۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا اور راعموس چونک پڑا۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر کھانے سے ہاتھ روک کر بولا۔ ''کیا زمین کی پستیاں ہمارے وجود کے بعد بھی آسمانوں کی ہم پلہ نہیں بن گئیں۔ کیا یہاں خداوند راعموس کا تقدس کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

میں سنبھل گیا۔ اس پاگل دیوانے کو گرفتار رکھنا ضروری تھا چنانچہ میں نے اسی پروقار انداز میں کہا۔

''تو زمین پر ایک مشن لے کر آیا ہے راعموس۔ ممکن ہے تو آسمانوں کو بھول گیا ہو لیکن تیرا ٹھکانہ بھی وہی ہے۔''

''میں سمجھ نہیں سکا۔؟''

''تو زمین کے بسنے والوں سے بلند ہے کیونکہ تو ان کا خدا ہے۔ میں زمین پر رہنے والوں کی بات کر رہا ہوں۔ کیا وہ تیرے تابع نہیں ہیں۔ کیا تو ان کی زندگی، ان کی خوشحالی کا مالک نہیں ہے۔؟''

''ہاں۔ یہ تو نے درست کہا۔ میں ان سے برتر ہوں۔ میں ان سے اعلیٰ وارفع ہوں لیکن کیا اس کے باوجود آسمانوں کے راز مجھ پر منکشف نہیں کئے جاسکتے۔؟''

''تو خود ان سے واقف ہے۔ پھر تو زمین پر رہنے والوں کی طرح یہ سوال کیوں کرتا ہے۔ اگر تو ان سے واقف نہیں ہے تو پھر ان انسانوں کا معبود نہیں ہے اور فریب سے کام لے رہا ہے۔''

نہ جانے اس بیل کی سمجھ میں کیا آیا کہ وہ ہنسنے لگا اور پھر اس نے دوبارہ کھانا شروع کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں۔ میں خداوند ہوں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بے شک زمین والوں پر آسمانوں کے راز منکشف نہیں ہونے چاہئیں۔ تو نے ٹھیک کہا ہے آسمانوں کے بیٹے۔ تیری باتوں میں صداقت ہے۔'' اور میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ ظاہر ہے فریب کی باتیں راعموس کے علاوہ اور کون سمجھ سکتا تھا۔

اس نے مجھ سے بہت سی احمقانہ باتیں کیں اور پھر ہم کھانے سے فارغ ہوگئے۔ تب اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تو آسمانوں کی وسعتوں سے آیا ہے۔ وہاں تیرا وقت جیسے بھی گزرتا ہو لیکن آ...... میں تجھے اپنی ترتیب دی ہوئی جنت دکھاؤں۔ میری جنت یقیناً تجھے پسند آئے گی۔'' اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

بلاشبہ اس نے جنت ہی کا سا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ ہم محل کے عقبی حصے میں آ گئے تھے۔ یہاں اوپر کھلا ہوا آسمان تھا جہاں ستارے چمک رہے تھے۔ زمین پر حسین ترین قطعات لگے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر کی ایک بڑی بارہ دری تھی۔ درختوں میں مومی شمعیں چھپی ہوئی تھیں۔ وسیع و عریض بارہ دری۔ ایک لمبا حوض تھا جس میں رنگین شراب بھری ہوئی تھی اور حوض کے کنارے دنیا کا انوکھا حسن بکھرا ہوا تھا۔ لباسوں سے بے نیاز حسینائیں ہاتھوں میں صراحیاں اور جام لئے نیم دراز تھیں۔ درختوں کے کنج میں حسینائیں بیٹھی ہوئی تھیں۔

نقرئی قہقہے جلترنگ بکھیر رہے تھے اور دور کہیں سے ساز ینے کی آواز فضا کو سحر آلود کر رہی تھی۔ رامُوس مجھے لئے ہوئے بارہ دری میں داخل ہو گیا اور چھ حسینائیں ہمارے نزدیک آ گئیں۔ انہوں نے بے حد باریک لباس پہنے ہوئے تھے جس سے ان کے نسوانی خطوط ابھر آئے تھے۔ وہ ہمیں ساتھ لئے ہوئے ایک حسین تخت پر پہنچ گئیں جہاں رامُوس بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے قریب دوسرے تخت پر بیٹھ گیا اور باریک لبادوں والی حسینائیں ہمارے دائیں بائیں کھڑی ہو گئیں۔ پھر چار اور لڑکیاں کندھوں پر سونے کے تھال اٹھائے ہوئے آ گئیں جن پر صراحیاں اور جام رکھے ہوئے تھے۔

وہ ہمارے قدموں کے نزدیک بیٹھ گئیں اور انہوں نے نہایت نفاست سے جام لے کر ہمیں پیش کئے۔ جونہی رامُوس نے جام ہاتھ میں لیا، اچانک سازوں کا جھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی درختوں سے چار آدمی نیچے کودے۔ ان کے جسموں پر سیاہ لباس تھے جن سے ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو دو سوراخ تھے۔ انہوں نے اپنے بازوؤں پر لمبے لمبے بنڈل تھامے ہوئے تھے۔ وہ بنڈل اٹھائے دوڑتے ہوئے بارہ دری میں آئے اور انہوں نے بنڈلوں کو سرے سے تھام کر انہیں ایک دم کھول دیا۔ ہر بنڈل میں ایک ایک رقاصہ موجود تھی۔ چاروں سیمیں بدن رقاصائیں زمین پر تڑپنے لگیں۔ وہ رقص سیماب پیش کر رہی تھیں اور ان کے بجلی کی طرح تھرکتے جسموں کے ساتھ سازوں نے بھی دبی آواز اختیار کر لی تھی۔

چاروں سیاہ پوش اب تلواریں سونت کر کھڑے ہو گئے تھے اور گویا اس تاک میں کھڑے تھے کہ جونہی لڑکیوں کے بدن کی حرکت رکے وہ انہیں قتل کر ڈالیں۔ رامُوس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے شراب کا جام حلق میں انڈیل لیا اور رقص دیکھتا رہا۔ لڑکیاں تھرکتی رہیں اور موسیقی عروج پر پہنچتی گئی اور پھر موسیقی کا ایک اور جھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی لڑکیاں اس طرح کھڑی ہو گئیں کہ احساس بھی نہ ہوا۔ سیاہ پوشوں نے ان پر تلواروں کے وار کئے لیکن موسیقی کے دوسرے جھماکے کے ساتھ ساتھ لڑکیاں بڑی خوبی سے یہ وار بچا گئیں اور پھر پے در پے جھماکے ہونے لگے۔ نقاب پوش ہر جھماکے کے ساتھ وار کر رہے تھے اور لڑکیاں اچھل اچھل کر یہ وار بچا رہی تھیں۔

اور بلاشبہ پروفیسر...... یہ صرف مذاق نہیں تھا۔ اگر کوئی لڑکی ایک لمحے کے لئے جھک جاتی تو اس کے جسم کو دو ٹکڑے ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا لیکن وہ سب ماہر فن تھے اور یہ وحشیانہ رقص پورے اعتماد سے ترتیب دیا گیا تھا۔ رامُوس خوشی سے مسکرا رہا تھا۔ سیاہ پوش وار کرتے رہے اور پھر انہوں نے تلواریں پھینک دیں۔

تب موسیقی نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ اب وہ طرب کا نغمہ پیش کر رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی لڑکیاں مسکراتی ہوئی رقص کرنے لگیں۔ وہ حملہ آور نقاب پوشوں پر نثار ہو رہی تھیں اور وہ وحشی رام نہیں ہو رہے تھے۔ وہ اب بھی پینترے بدل بدل کر خود کو لڑکیوں سے دور رکھ رہے تھے۔

عجیب رقص تھا لیکن بہرحال اس کی دلچسپی سے میں انکار نہیں کرسکتا تھا۔لڑکیاں ہمارے خالی جام شراب سے بھر رہی تھیں اور سرور بڑھتا جا رہا تھا۔راموس بھی رقص میں مگن تھا۔رقاصائیں جب نوجوان سیاہ پوشوں کی وحشت سے اکتا گئیں تو انہوں نے اپنے مرمریں جسم کے جال میں پھانسنے کی کوشش کی۔

میری آنکھیں بھی جل رہی تھیں مگر شراب تو میرے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن رقص کرنے والوں کی ہیجان خیز حرکتیں مجھے بھی ہوش وحواس بیگانہ کئے دے رہی تھیں۔راموس اب تخت سے نیچے اتر آیا تھا اور کئی لڑکیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔لڑکیوں کے کھنکتے ہوئے قہقہوں سے کبھی کبھی راموس کا منحوس قہقہہ بھی سنائی دے جاتا تھا۔

راموس کو اب رقص سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔وہ مجھے بھی بھول چکا تھا اور یوں بھی وہ لڑکیوں کے غول میں مجھے نظر نہیں آرہا تھا۔

میرے نزدیک بیٹھی ہوئی لڑکی نے میری آغوش میں سر رکھ لیا۔

اور...... میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔اب میں اتنا غیر مہذب بھی نہیں تھا پروفیسر کہ تہذیب کے اس گہوارے کے باشندوں کی طرح اپنے آپ کو پاگلوں کی صف میں لا کھڑا کرتا۔میں بھاری قدموں سے چل پڑا۔میری کنپٹیاں سلگ رہی تھیں، دماغ سائیں سائیں کررہا تھا۔بدن جل رہا تھا اور میں چل رہا تھا۔اپنی خواب گاہ کی طرف۔ہاں، مگر خواب گاہ میں اب بھی میری خادمائیں موجود ہوئیں اور انہوں نے میری آغوش پسند کی تو بس ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلوں گا۔

محل میں چاروں طرف خاموشی تھی۔رات کافی حد تک گزر چکی تھی۔میری خادم لڑکیوں کا بھی دور دور تک کوئی وجود نہیں تھا۔میں خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

تب رنگین شمع دانوں کی روشنی میں...... میں نے اپنے خوبصورت بستر پر کوئی تحریک محسوس کی۔میری آنکھیں کھل گئیں۔سرخ رنگ کے جھلملاتے لباس میں...... میرے بستر پر آکیسی موجود تھی۔

آکیسی...... میری پسندیدہ عورت...... میرا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔اس وقت آکیسی کی موجودگی میرے لئے ایسی ہی تھی جیسے پیاس سے جان توڑتے ہوئے انسان کے ہونٹوں تک پانی پہنچ جائے۔میں تیزی سے اس کی طرف لپکا اور آکیسی کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں جانتی تھی۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''کیا جانتی تھیں آکیسی۔؟'' میں نے اس کے قریب بیٹھ کر اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آسمان کے رہنے والے زمین کے پست انسانوں سے بلند ہوتے ہیں۔وہ کسی طور ان جیسے نہیں ہوسکتے۔'' آکیسی نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔'' میں نے اس کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

''تم راموس کی جنت سے آرہے ہو۔؟'' اس نے کہا۔

''ہاں۔''

''اور..... میں اس جنت کے بارے میں خوب جانتی ہوں۔''

''کیا جانتی ہو اس کے بارے میں۔؟''

''وہاں زمین کی پستیاں ابھر آتی ہیں۔ خود کو خداوند کہلانے والا..... ہاں..... عریاں کنیزوں کے بدن چاٹنے والا..... اور اپنی حقیقت کا اعلان کر دیتا ہے۔''

''تم نے درست کہا اکیسی..... اس وقت کوئی معمولی رقاصہ اسے گردن دبا کر مار سکتی تھی۔ اس وقت کوئی ادنیٰ کنیز اس کے چہرے پر تھوک سکتی ہے۔''

''لیکن تم وہاں کیوں نہیں رکے۔؟''

''مجھے وہ منظر پسند نہیں آیا۔ میں انسان اور جانوروں میں فرق پسند کرتا ہوں۔''

''یہ تمہارے دیوتا ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں تم میرے دیوتا ہو۔ تم فرعونوں سے برتر ہو..... لیکن میں..... تمہارے لئے ہوں۔''

اکیسی صبح تک میرے پہلو میں رہی اور پھر جب روشنی پھوٹنے لگی تو وہ اٹھ گئی۔

''کل..... میرا انتظار کرنا۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''بے چینی سے۔'' میں نے کہا۔

اور پھر وہ چلی گئی۔ میں آرام کرنے لیٹ گیا اور سورج چڑھتے تک سوتا رہا۔ پھر جب جاگا تو میری کنیزیں میری منتظر تھیں۔ میں نے پہلے دن کی طرح غسل کیا۔ کنیزیں اب بھی میری معاون تھیں لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی اور وہ حسب معمول پیاسی رہیں۔

کافی دیر کے بعد میں دربار پہنچا اور رراموس جو بدستور اپنے وحشیانہ کھیل میں مشغول تھا مجھے اکیلا دیکھ کر مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کی چمک تھی۔ حسب معمول دوپہر کو وہ اٹھا اور میرے ساتھ محل میں آ گیا۔

''تیرے قدموں کی برکت سے میرے بہت سے کام بن رہے ہیں۔ وہ وحشی قبیلے ہمارے دام میں آ گئے ہیں جو مجھے معبود تسلیم نہیں کرتے تھے۔ میرے ہرکاروں نے آج مجھے اطلاع دی ہے اور..... یہ بھی بتایا ہے کہ قید ہونے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ تب تو دیکھے گا آمون کے نورِ نظر کہ اس میدان میں نت نئے کھیل ہوں گے۔ ہاں۔ بس قیدیوں کو یہاں پہنچ جانے پر بڑا کھیل ترتیب دوں گا۔ بڑا کھیل ہمیشہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قبیلہ ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ میں اس بات کا قائل ہوں سورج کے لخت جگر کہ دشمن کو زندگی بھی نہ دو جو نت نئے خطرات سر اٹھاتے رہیں۔ تیرا کیا خیال ہے۔؟''

''زمین کے معاملات تو خود ہی بہتر جانتا ہے۔'' میں نے بیزاری سے کہا اور وہ ہنسنے لگا۔

''ہاں۔ تیرے آسمان پر یہ دلچسپ فضا نہ ہوگی..... ہاں سچ بتانا میری جنت تجھے پسند آئی۔؟''

''بے حد۔'' میں نے کسی خیال کے تحت مسکراتے ہوئے کہا۔ بے وقوف بادشاہ وہاں کنیزوں کے جھرمٹ میں مست پڑا تھا اور اس کی ملکہ...... میرے بازوؤں میں دم توڑ رہی تھی۔

''خوب...... خوب...... آج تیرے اعزاز میں، میں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کی ہے کہ نئے نئے کھیل پیش کریں۔ آج کی رات بہت حسین ہوگی چنانچہ اب اپنی آرام گاہ میں جا اور کھیل کے لئے خود کو تیار کر۔''

دوسری رات پہلی رات سے مختلف نہیں تھی۔ سوائے اس کے آج کچھ اور شرمناک نظارے دیکھنے میں آئے۔ نئے انداز سے کچھ رقص ترتیب دیئے گئے تھے اور ان کا اختتام کچھ اسی انداز سے ہوا۔ عیاش فطرت راعموس ابوالہوس بن گیا اور جب وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تو میں وہاں سے چلا آیا۔ میرے بدن میں آج بھی مستیاں ٹوٹ رہی تھیں لیکن میری طلب میرے کمرے میں موجود تھی۔ آکیسی نے کچھ اس انداز سے خود کو سجایا تھا کہ میں بے قابو ہو گیا۔

آکیسی نے بھی میری پذیرائی کی تھی۔ رات کے آخری حصے میں وہ میرے سینے میں منہ چھپائے بوجھل لہجے میں بولی۔

''سورج کے بیٹے۔ تم آسمان کے مہمان ہو۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں لیکن اپنا نہیں سکتی۔ میری عمر کا یہ دور سب سے حسین دور ہے۔ تم سے کونسی بات پوشیدہ ہے۔ میں آکاس سے محبت کرتی ہوں اور تمہاری جدائی کے بعد وہی میری تنہائیوں کا راز دار ہوگا۔ آسمان کے رہنے والے، کاہن اعظم نے بتایا ہے کہ تم دلوں کی حقیقت سے واقف ہو۔ تم میرے دل کا حال بھی جانتے ہو...... مجھے بتاؤ...... میرے لئے کون سا وقت موزوں ہے۔''

مین نے اس کی شکل دیکھی۔ میں سمجھ گیا پروفیسر کہ وہ کیا چاہتی ہے چنانچہ میں ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''ہاں آکیسی...... میں جانتا ہوں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ کیا تجھے اور کاہن اعظم کو راعموس کی رنگین دنیا دیکھنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔؟''

''میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔'' آکیسی نے کہا۔

''تب مجھے حیرت ہے آکیسی۔ تو نے آج تک اس سنہرے موقع کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ راعموس شراب کے نشے سے چور ہو کر ایک بے ضرر کیچوا بن جاتا ہے۔ وہ اس قدر پی لیتا ہے کہ اسے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ ایسی شکل میں اگر اس کو شراب کا ایک ایسا جام پلا دیا جائے جس میں زہر قاتل ہو تو...... کوئی تیری طرف دھیان نہیں دے سکے گا۔ تو سوگ منانا...... اور پھر اپنی مشکل حل کر لینا۔''

آکیسی میرے پہلو سے اٹھ گئی۔ وہ تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ کئی لمحات تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں...... تو نے بالکل ٹھیک کہا۔ اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو سکتا ہے۔ آسمان کے باشندے۔ تو نے میری مشکل حل کر دی اور...... میں نے اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ اس سے اچھی ترکیب اور کیا ہو سکتی ہے۔ تب...... میری ایک کنیز خاص ان میں شامل ہو جائے گی جو اسے شراب پلاتی ہیں...... اور...... میں تمام انتظام کر لوں گی۔ میں تیری احسان مند ہوں۔ بیشک میں تیری احسانمند ہوں۔ بس مجھے رخصت دے۔ یہ کام میں جس قدر جلد کر لوں، بہتر ہے۔''

آکیسی اٹھ گئی اور...... باہر نکل گئی۔ میں ایک گہری سانس لے کر آکیسی کے بارے میں سوچنے لگا۔ خوب عورت تھی۔ اسے ہمیشہ کے لئے

اپنایا جا سکتا تھا۔ میرا مطلب ہے اس وقت تک جب تک وہ زندہ ہے یا جوان ہے لیکن کاہن اعظم کا وقار اسی میں تھا۔ بوڑھا بہر حال میرا دوست بن چکا تھا اور پھر مجھے بادشاہ وغیرہ بننے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو وہاں رہتے ہوئے تحقیق بھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے ایک عورت کے لئے کسی جھگڑے میں پڑنے سے کیا فائدہ؟ رہ گئی راعموس کی بات...... تو وہ دیوانہ تھا اور انسانی زندگیوں کو وہ جس انداز میں ضائع کر رہا تھا اس کے تحت اس کی موت ایک نیک کام تھی بشرطیکہ اس کا بیٹا، اس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش نہ کرے لیکن اس کا خطرہ نہیں تھا کہ کاہن اعظم کے کہنے کے مطابق وہ راعموس کی اولاد نہیں تھا بلکہ تیسرے خاندان کا ایک فرد تھا۔ پھر مجھے اتنی گہرائی میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کا کام تھا...... یہ لوگ نپٹیں گے۔ میں آرام سے سو گیا۔

دوسرا دن حسب معمول تھا۔ اس روز میں راعموس کے پاس دربار میں اس کا شیطانی مشغلہ دیکھنے نہیں گیا بلکہ میں نے محل ہی میں آرام کیا اور اس روز دوپہر کو کاہن اعظم مجھ سے ملاقات کے لئے آیا۔ اس نے تنہائی میں مجھ سے ملاقات کی تھی۔

''آکیسی نے آج مجھے تمہارے بتائے ہوئے پروگرام کے بارے میں بتایا ہے۔ بیشک یہ پروگرام انتہائی کامیاب...... رہے گا۔ ہم راعموس کو ہلاک کرنے کے الزام میں کسی بھی کنیز کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور فتنہ دب جائے گا۔ اور پھر دربار میں...... تمہاری اجازت سے، اور میرے حکم سے آکاس کو یہاں فرعون مشہور کر دیا جائے گا۔ کیا تم اس پورے پروگرام میں ہماری مدد کرو گے اسلاک۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' میں نے بیزاری سے کہا مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بہر حال ان لوگوں میں رہنے کے لئے ان کی مدد کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے حامی بھر لی۔ اور پروفیسر...... یہ رات رنگینیوں کی رات نہ تھی۔ کل مصر کی تاریخ میں کچھ نئے ہنگامے جنم لے رہے تھے تاہم میں حسب معمول راعموس کے عشرت کدے میں موجود تھا۔ اور میں نے اس کنیز کو بھی دیکھ لیا تھا جو اس خاص کام کے لئے مقرر تھی اور کنیز نے اپنا کام بخوبی انجام دیا۔

احمق شہنشاہ کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ ہاں اس کی آخری چیخیں بے حد بھیانک تھیں۔ وہ گردن پکڑے چیخ رہا تھا۔ اور بدمست قہقہے امنڈ رہے تھے۔ سب یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ بھی نشے کی کیفیت ہے۔ لیکن جب اس کے حلق سے خون جے ہوئے لوتھڑے نکل پڑے تو بہت سے چونک پڑے اور اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اسے دم توڑتے دیکھنے والوں میں، میں بھی تھا۔ اور اس کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والوں کی چیخیں میں نے بھی سنیں اور پھر چالاک عورت کے ماتم کرنے کا انداز...... بیشک پروفیسر...... آکیسی اس دور کی عمدہ اداکارہ تھی۔ اس نے وہ بین کی کہ میں حیران رہ گیا۔ وہاں کنیز کی نشاندہی میرے علاوہ اور کون کر سکتا تھا۔ میں جو روشن ضمیر تھا۔ چنانچہ اس بدقسمت لڑکی کی موت کا ذمہ دار میں آج تک خود کو ٹھہراتا ہوں۔ اس نے جان دینے کے لئے یہ کام یوں کیا تھا کہ شہنشاہ نے اسے ٹھکرا کر دوسری کنیز کو اپنایا تھا۔ چنانچہ اس نے انتقام لیا۔ اور پھر اس سے بھی خوب انتقام لیا گیا۔ اسی دوپہر کو کنیز کو برسر عام قتل کر کے اس کا گوشت کتوں کو کھلا دیا گیا۔ اہل مصر انگشت بدنداں تھے۔ خداوند راعموس اس طرح دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ کسی کو گمان بھی نہیں تھا۔ بہر حال پورے شہر میں بحران پیدا ہو گیا۔ یقیناً مصر کے جن جن حصوں میں یہ اطلاع پہنچ رہی ہوگی وہاں کی زندگی بدل گئی ہوگی۔

اس رات اور اس کے دوسرے دن بھی اکیسی سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔محل کے کہرام کی تو مثال ہی نہیں تھی۔ہاں، آکاس محل میں آ گیا تھا۔چھ فٹ طویل جوان جو خوبصورت بھی تھا۔اسے دیکھ کر میرے دل میں کوئی رقابت پیدا نہیں ہوئی۔اس کا اور میرا مقابلہ ہی کیا تھا۔میں۔میں جب چاہتا اسے چٹکیوں سے مسل کر پھینک سکتا تھا لیکن اکیسی سے قبل بہت سی عورتیں میری زندگی میں نمایاں طور پر شریک رہی تھیں صرف اکیسی ہی تو نہیں تھی جس سے میرے تعلقات ہوئے ہوں۔چنانچہ عورت کے لئے میرے دل میں رقابت کا جذبہ ختم ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا ٹھیک ہے۔اکیسی آکاس کے پہلو میں چلی جاتی ہے تو چلی جائے۔میرے لئے یہاں دوسری لڑکیاں ہیں۔نہ سہی......اکیسی جیسی۔کوئی تبدیلی ہی ہوگی۔!

خود آکاس نے میرے قدم چومے تھے اور میرے سامنے سجدہ کیا تھا۔جو مجھے بالکل پسند نہیں تھا۔اور پھر تیسرے دن ہی سے نئے شہنشاہ نئے فرعون کے لئے ہنگامے شروع ہو گئے۔کاہن اعظم نے عبوری نظام سنبھالا ہوا تھا۔اس نے اعلان کیا کہ چوتھے خاندان کا ولی عہد آکاس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔چنانچہ آکاس کو نیا فرعون بنا دیا جائے گا۔کاہن اعظم نے کہا۔چونکہ دیوتا آمون کا بیٹا خود ہمارے درمیان موجود ہے۔اس لئے توقع کی جاتی ہے کہ......آکاس کی سلطنت دوسری سلطنتوں سے بہتر ہوگی اس کے دور حکومت میں مصر ہنگاموں سے دور رہے گا۔ایسے میں بہت سے دعوے کئے گئے پروفیسر جو نئے حکمران کرتے اور پھر بھول جاتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ٹھیک ایک ہفتے کے بعد آکاس کو فرعون بنا دیا گیا۔اس کے سر پر تاج اور ہاتھ میں عصا دے دیا گیا۔اس دوران دور دور سے آنے والوں نے سورج کے بیٹے کے درشن بھی کئے۔میں نے بھی احمقانہ انداز میں آکاس کو دعائیں دیں اور اکیسی اس دوران میری نگاہوں سے بھی روپوش رہی وہ فرعون کا سوگ منا رہی تھی۔

لیکن اس رات کو......فرعونی دستر خوان پر۔جہاں صرف چند مخصوص لوگ موجود تھے۔اکیسی بھی نظر آئی۔اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔یہاں کون تھا جو اسے دیکھتا اور حریف ہوتا۔صرف جاننے والے تھے۔یعنی آکاس، میں اور کاہن اعظم سالموس۔اکیسی کی آنکھوں میں آکاس کے لئے مشعلیں روشن تھیں اور آکاس بھی اس سے خوب اظہار عشق کر رہا تھا۔کاہن اعظم بھی خوش تھا۔اس کی وہ ترکیب کامیاب ہوئی تھی۔جس کے لئے اس نے ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔لیکن معلوم نہ تھا ان دونوں یعنی اکیسی اور آکاس کو بھی کہ درحقیقت کیا ہوا ہے۔نہ جانے اس میں کیا مصلحت تھی بوڑھے کاہن اعظم اور میرے دوست کی!

کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔اکیسی نے اپنے ہاتھ سے جام بنا کر پہلے آکاس کو، پھر مجھے، پھر کاہن اعظم کو دیئے اور آخر میں خود اپنے لئے جام تیار کر لیا جام پینے کے بعد اس کے چہرے پر خون جوش مارنے لگا اور اس نے آکاس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''خداوند آکاس۔ایہ عرصہ بخوبی طے ہو گیا۔لیکن اب نیا کاہن اعظم کون بنے گا؟ کیا تیرے ذہن میں کوئی ہے۔؟''

''اس کا فیصلہ بھی ہم مقدس آمون کے بیٹے سے کرائیں گے۔'' آکاس نے بدمست آواز میں کہا۔میں نے حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا۔یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔فرعون کی تبدیلی کے ساتھ کاہن اعظم کی تبدیلی کیا معنی رکھتی تھی اور میں نے یہ سوال کر ہی ڈالا ان دونوں سے۔

"نئے کاہن اعظم کی ضرورت لازمی ہے۔ کیونکہ سالموس کو تو روانہ کر دیا گیا راعموس کے پاس۔ اور یہ ضروری تھا کیونکہ رازوں کی حفاظت کے لئے بہت سی قربانیاں ضروری ہوتی ہیں۔" اگیسی نے قہقہہ لگا کر سالموس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں نے اس کے جملوں پر غور کرتے ہوئے کاہن اعظم کی طرف دیکھا۔ جس کی گردن اس کے سینے پر ڈھلک گئی تھی۔ میں نے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ لیکن اب اس میں زندگی کی کوئی رمق نہیں رہ گئی تھی۔ میں اچھل پڑا۔ اور میں نے تعجب سے پوچھا۔

"اسے کیا ہوا......؟"

"وہی...... جو راعموس کو ہوا تھا۔!" اگیسی نے کہا اور آکاس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔

آکاس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن میرا ذہن جھنجھلا کر رہ گیا تھا۔ احمق سالموس...... نے اپنی پوری زندگی اس سازش کو کامیاب کرنے میں صرف کر دی تھی کہ ایک بار پھر اس خاندان کو برسر اقتدار لے آئے جس کا وہ فرد ہے، اور جب اس کی سازش کامیاب ہوئی تو انہی لوگوں نے اسے قتل کر دیا جو اس کی امیدوں کا مرکز تھے۔ وہ انہیں حقیقت بھی نہیں بتا سکا کہ وہ کون ہیں اور سالموس خود کیا تھا اور یہ وحشی عورت...... میں نے اگیسی کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"ہاں۔ تو مقدس دیوتا کے بیٹے۔ اس کام کے سلسلے میں بھی تیری رائے سب سے بہتر اور مستحکم ہوگی۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں اگیسی کہ تو نے کاہن اعظم سالموس کو کیوں ہلاک کر دیا۔؟" میں نے کسی قدر غصے سے کہا۔ آکاس چونک پڑا لیکن اگیسی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

"تو دلوں کا حال ضرور جانتا ہوگا آمون کے بیٹے۔ تجھے یقیناً معلوم ہوگا کہ رازوں کی پردہ پوشی کے لئے سب کچھ کرنا ہوتا ہے۔ تو اس زمین پر پیدا نہیں ہوا اور آسمان کے لوگ معصوم ہوتے ہیں۔ کاہن اعظم کو حقیقت معلوم تھی چنانچہ مجھے اور آکاس کو اس کے ہاتھوں میں کھیلنا پڑتا۔ ہمیں صرف اس کے احکامات کی پابندی کرنا ہوتی کیونکہ وہ جس وقت چاہتا حقیقت منکشف کر کے ہمارے لئے مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی روانگی ہی بہتر تھی۔" اگیسی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں دلوں کا حال بھی جانتا ہوں اگیسی۔ لیکن تو نہیں جانتی وہ پوشیدہ راز جو اب صرف میرے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ افسوس احمق عورت تو نے اسے فنا کر دیا جو تیرا اور تیرے سابق بیٹے اور موجودہ شوہر کا سب سے بڑا بہی خواہ تھا۔ سن تو نے اسے موت دی ہے جس نے اپنی پوری زندگی صرف اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی کہ مصر کی حکومت پھر سے تیسرے خاندان کو سونپ دی جائے۔ درست کہتا ہوں میں اے سنگدل عورت کہ تیرا اور تیرے موجودہ شوہر کا تعلق اس تیسرے خاندان سے ہے جسے معزول کر کے چوتھا خاندان یعنی راعموس کے اجداد برسر اقتدار آئے تھے اور تب ہی سے سالموس نے اپنا اقتدار بحال کرنے کی کوشش شروع کر دی! اور طویل عرصے کی جدوجہد کے بعد مصر کا سب سے بڑا کاہن بن گیا۔ پھر وہ تجھے راعموس کی خلوت تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس کی کوشش تھی۔ اور اس نے راعموس کی پہلی بیوی کے بچے کو اغوا کر کے قتل کر دیا کہ وہ پانچ دن کا تھا اور آکاس نے اس کی جگہ لے لی۔ کیونکہ یہ تیسرے خاندان کی اولاد میں سے تھا۔ سوئیں بوڑھے چالاک نے تیسرے

خاندان کے ایک فرد کو راعموس کی نگرانی میں پرورش کرالیا۔ اور حکومت اسی کے لئے تھی کیونکہ راعموس کی موت اور آکاس کی شہنشاہیت تک بات پہنچی۔ اور آج جب اس کی خوشی کا پہلا دن تھا تو، تو نے اسے موت کی نیند سلا دیا۔

تو پروفیسر...... سکتہ ہو گیا تھا ان دونوں کو میری باتیں سن کر اور تمام نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر بہت دیر گزر گئی تو آکاش نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا...... آہ...... ہم سے جلد بازی ہو گئی آکیسی جس شخص نے ہمیں یہاں تک لانے کے لئے ایسی سخت جدوجہد کی تھی وہ ہمارے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ہمارے قدم مضبوط کرنے کے لئے کیا کچھ نہ کرتا۔''

''ہاں۔ مجھے احساس ہو رہا ہے اس کی موت قبل از وقت ہو گئی۔ تاہم اب وہ اس دنیا سے جا چکا ہے، لیکن وہ اپنا مشن پورا کر کے گیا ہے اس لئے اس کی روح کو چنداں افسوس نہ ہو گا۔ اور نہ ہی اس کی موت سے کوئی فتنہ بپا ہو سکے گا۔ آمون کے بیٹے تو نے دیر سے ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔''

''غم نہ کرو آکاس، ہمیں اس کا نعم البدل مل جائے گا۔ آمون کا بیٹا ہماری رہنمائی کرے گا۔'' آکیسی نے کہا۔ اور میں نے نفرت سے اس عورت کو دیکھا۔ بڑی بے غیرت عورت تھی وہ پروفیسر۔ تم غور کرو۔ میری خلوتوں میں وہ مجھ سے دیوانہ وار محبت کا اظہار کر چکی تھی اور اب آکاس کے پہلو میں عین میرے سامنے اس سے اسی قدر محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ اپنے عظیم محسن کو اس نے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا اور اپنے شوہر کی جان بھی لے چکی تھی لیکن بڑی ڈھٹائی سے مجھ سے بھی مدد مانگ رہی تھی۔

چنانچہ میں وہاں سے اٹھ گیا۔ ''میں تیری اس حرکت سے خوش نہیں ہوں آکیسی۔ میں غور کروں گا کہ میرا رویہ تیرے اور آکاس کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میرے ذہن میں در حقیقت جھنجلاہٹ تھی بوڑھا کاہن اعظم میرا دوست تھا۔ ابتدا جیسی بھی تھی۔ اس نے میری ہلاکت کے لئے کوششیں کی تھیں۔ لیکن بعد میں وہ میرے لئے مخلص ہو گیا تھا۔ اور میں اس سے مصری تہذیب کے بہت سے راز معلوم کر رہا تھا۔ میں اس کمرے سے نکل آیا۔ اور پھر میں محل میں بھی نہیں رکا۔ اور تنہا کاہن کے معبد میں آ گیا جہاں کسی کو اس کی موت کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔

میں جانتا تھا کہ میرے اس طرح چلے آنے سے آکیسی اور آکاس پر کیا گزری ہو گی آکاس غیر متوقع فرعون تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس کی بادشاہت تسلیم کر لی گئی تھی صرف اس لئے کہ راعموس کے انتقال کے بعد وہی شہنشاہیت کا حقدار تھا۔ لیکن راعموس کے وفاداروں کو اگر اس سازش کا علم ہو جاتا۔ تو بلاشبہ مصر کی حکومت سنگین بحران سے دوچار ہو جاتی اور تیسرے خاندان کے دشمن آکاس اور آکیسی کو کبھی معاف نہ کرتے۔

معبد کے ایک کمرے میں بیٹھ کر میں اپنے آئندہ اقدامات پر غور کرنے لگا۔ تب پروفیسر...... وہی بیزاری میرے ذہن میں ابھر آئی۔ میں ان لوگوں سے لاتعلق تھا۔ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ میں تو یہاں اجنبی تھا۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیا جائے۔ شہنشاہیت بدلنے سے میرے اوپر کیا اثر پڑے گا۔ وہ مر چکا تھا جو میری ضرورت تھی۔ میں یہاں نہ رہوں گا کہیں اور چلا جاؤں گا۔ آکیسی نے جو کچھ کیا وہ اس کا فعل ہے اگر کسی دوسرے ذریعہ سے اس کے بارے میں پتہ چل جائے گا تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ اہل مصر اگر آکیسی اور آکاس کو برسر عام سنگسار کر دیں گے تو مجھے

کوئی دکھ نہ ہوگا خود میری کسی کوشش سے کوئی ہنگامہ جنم لے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور یہی فیصلہ کیا میں نے وہاں بیٹھ کر۔ کہ میری حیثیت صرف ایک تماشائی کی ہے۔ یہی الجھنوں کا حل ہے۔ رہ گئیں میری ضرورتیں تو مصر میں حسیناؤں کی کیا کمی تھی۔ اب تو میں یہاں کے ماحول کو پوری طرح سمجھ چکا تھا۔ اس لئے مجھے ان کے حصول میں کوئی دقت نہیں تھی۔ اور یہ فیصلے کرنے بعد میں مطمئن ہو گیا۔

لیکن آکاس اور ایکسی کیسے مطمئن ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایکسی کا قاصد میری پاس پہنچ گیا۔ اور اس نے مجھے اس کا پیغام دیا۔

''ملکہ ایکسی آج شام آپ کی قدم بوسی کی طلبگار ہیں۔'' قاصد نے کہا۔

''میں شام کو معبد میں اس کا انتظار کروں گا۔'' میں نے کہا اور قاصد واپس چلا گیا۔ پھر رات ہو گئی۔ اور جب تاریکیاں پورے ماحول کو نگل چکیں تو ایکسی ایک سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے میری خلوت میں داخل ہوئی۔ اور اندر داخل ہو کر اس نے لبادہ اتار دیا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں کسی قدر سرخ اور متورم نظر آ رہی تھیں وہ گردن جھکا کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ میں نے لبادے کے نیچے اس کا لباس دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ عجیب تراش کا لباس پہنا ہوا تھا اس نے، جسم کے نسوانی حصے خاص طور سے کھلے رکھے گئے تھے۔

☆☆☆

ایکسی اب آکاس کی تحویل میں چلی گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اب اس کا حصول مشکل ہے۔ آج بھی نہ جانے وہ آکاس سے کیا کہہ کر آئی ہو گی۔ اس کے بعد شاید اسے کبھی موقع نہ مل سکے کیونکہ آکاس اسے کسی دوسرے تصرف میں کب دیکھ سکے گا۔ اور اس شکل میں جبکہ وہ مصر کا مطلق العنان شہنشاہ ہے۔

''مجھے تمہارا پیغام مل گیا تھا ایکسی۔ کہو۔ کیا بات ہے۔؟''

''میں تائب ہونے آئی ہوں آسمان کے بیٹے، میں شرمندگی کا اظہار کرنے آئی ہوں۔ آہ۔ مجھ سے حماقت ہوئی۔ میں نے اسے کھو دیا، جس نے میری زندگی کے پر کٹھن راستے میں میرا ساتھ دیا۔'' اس نے غمگین لہجے میں کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مقصد بیان کرو ایکسی...... بلا جھجک۔ میں غور سے سنوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں اس کی اداکاری سے متاثر نہیں ہوا ہوں۔

''مقصد''...... وہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔'' مقصد یہ ہے آسمان کے بیٹے کہ کیا اب تم ہمارے حق میں دعا کرو گے۔ مقدس سالموس میری حماقت کا شکار ہوا ہے آکاس بے قصور ہے۔ اور اگر تم نے ہم دونوں کو معاف نہ کیا تو ہم جانتے ہیں کہ ہمارا اقتدار برقرار نہ رہ سکے گا۔''

''تم اپنے اقتدار کی ضمانت طلب کرنے آئی ہو......؟''

''ابھی مصر میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ آکاس کی حکومت کے خلاف آواز اٹھا سکے۔ لیکن آگر آمون کے بیٹا، انہیں بتائے کہ کیا ہوا ہے، تو پورے مصر میں بغاوت پھوٹ اٹھے گی اور تخت ہل کر رہ جائے گا۔ پھر شاید آکاس اپنے قدم نہ جما سکے خاص طور سے اس لئے کہ وہ تیسرے خاندان کا فرد ہے۔'' ایکسی نے جواب دیا۔

میں ہنسنے لگا۔" یہ درست ہے اکیسی کہ کاہن اعظم میرا دوست تھا۔لیکن تم وہ کر چکی ہو جو تمہیں نہیں کرنا چاہیئے تھا۔تاہم تم نے بھی میری دوستی حاصل کر لی ہے۔ میں ان راتوں کو فراموش نہیں کر سکوں گا۔ جو میں نے تمہارے ساتھ گزاری ہیں۔اور ان ہی راتوں کے عوض میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔لیکن مجھے بتاؤ کہو کیا آکاس کی موجودگی میں بھی ،تم مجھے تنہائیاں بخش سکو گی۔؟"

اکیسی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔اور اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

" آکاس میری پسند ہے۔لیکن اس وقت کی جب تم میرے سامنے نہ تھے میں نے تمہیں پیشکش کی تھی آمون کی بیٹے کہ اگر تم مصر کی حکومت پسند کرو تو میں آکاس کو ٹھکرا سکتی ہوں۔لیکن تمہیں اپنا جواب یاد ہوگا۔تب میں مایوس ہوگئی۔اور میں نے آکاس ہی کو غنیمت سمجھا۔اگر تم اب بھی مصر کا شہنشاہ اور اکیسی کے شوہر بننا چاہو تو آکاس کو بھی رامُوس اور کاہن اعظم کی خدمت میں روانہ کیا جا سکتا ہے۔بولو۔کیا تم تیار ہو۔؟"

" اور میرا جواب حسب سابق ہو تو......؟" میں نے مسکراتے ہوئے چالاک اور وحشی عورت کی آنکھوں میں جھانکا۔

" تب میں ان مجبوریوں کو نظر انداز نہ کروں گی۔آکاس جوان ہے اور میں اس کی پسندیدہ عورت ہوں۔میرے ساتھ گزرنے والی پہلی رات کے بعد وہ ایک لمحے کے لئے مجھ سے جدا ہونا پسند نہ کرے گا۔اس لئے......میں اپنی مجبوری تمہارے گوش گزار کر رہی ہوں۔ہاں میرا وعدہ ہے کہ جب بھی تنہائی نصیب ہوئی تم میرے مالک ہو گے۔"

" مجھے منظور ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ خوشی کے مارے اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

" میں خود بھی تمہیں دوسرے ہزار مردوں پر ترجیح دیتی ہوں۔کون عورت تمہاری آرزو نہ کرے گی اور پھر وہ جس نے تمہارا قرب پالیا ہو۔ وہ تمہیں زندگی کی آخری سانس تک نہ بھول سکے گی۔اسے جب مرد کی آرزو ہوگی تو تم اس کی نگاہ سے نہ ہٹ سکو گے۔آؤ......ہم ہر ملاقات کو آخری ملاقات سمجھیں گے۔اور آرزو کریں گے کہ یہ آخری ملاقات نہ ہو۔وہ میرے بدن سے چپک گئی تھی۔اور میں جانتا تھا پروفیسر کہ یہ میری زباں بندی کی رشوت ہے۔

اور پروفیسر میں نے بھی خوب رشوت وصول کی۔وہ کہتے ہیں کہ انسان گناہ کرے تو بے لذت نہ ہو۔

اکیسی کے سارے کس بل نکل گئے۔وہ جس قدر تیاریوں کے ساتھ آئی تھی۔انہوں نے دم توڑ دیا۔

تب وہ اٹھی اور نڈھال سی میرے سامنے بیٹھ گئی۔" جب میں تیرا قرب حاصل کر لیتی ہوں آسمان کے بیٹے تو پھر ساری دنیا مجھے ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔میں نے کوئی جواب نہ دیا۔اور پھر گردن لٹکائے بولی۔" تو اب میں اطمینان سے واپس جاؤں۔؟"

" جو حیثیت تو چاہے۔مصر کی سرزمین تیرے لئے کھلی پڑی ہے۔اگر میری مان تو کچھ روز کے لئے کاہن اعظم کا اختیار سنبھال لے۔اور اسی معبد میں رہ۔"

" نہیں اکیسی۔میں ایسی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا۔میری رائے ہے کہ تو اپنے مقصد کا آدمی تلاش کر کے منتخب کرے۔میں تیری

مدد کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔ اور آکیسی کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آکاس سے مشورہ کروں گی۔ تیری طرف سے اطمینان ہونے کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں رہی ہے۔ مگر پھر تو سرزمین مصر میں کیا حیثیت چاہتا ہے۔؟''

''میں اس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک پسند کروں گا۔ شہر سے دور نیل کے کنارے، میرے لئے ایک عمارت تعمیر کرا دے جہاں میں اپنے دوست ستاروں سے گفتگو کرتا ہوں۔ اس عمارت کو حسین لڑکیوں سے آراستہ کر دے جو میری ضرورت پوری کرتی رہیں، اور اس عمارت کو آمون کا معبد قرار دے جو صرف اسی وقت لوگوں کے سامنے آتا ہے جب اسے ضرورت ہو۔ میرا مطلب سمجھ گئی ہو گی۔؟''

''ہاں۔ خوب سمجھ گئی ہوں اور ایسا ہی ہو گا جیسا کہ تو پسند کریگا میں تیری ہر ضرورت کا خیال رکھوں گی۔'' اس نے کہا اور پھر وہ واپس چلی گئی۔ تو یوں میں نے مصر میں قیام کی ٹھان لی۔ میں اس کے اندرونی معاملات سے الگ رہ کر اپنا کام جاری رکھنا چاہتا تھا اور میں ایک سیلانی انسان تھا پروفیسر..... جب میرا دل یہاں سے بھر جاتا تو میں کسی اور طرف نکل جاتا۔

معبد کے چند روز بڑے پھیکے اور بے کیف گزرے۔ میں صبر کر رہا تھا اور ادھر کھچڑی پک رہی تھی۔ آکیسی نے گو آکاس کو یقین دلا دیا تھا کہ میں ان کے لئے خطرہ نہیں ہوں، لیکن آکاس ایک بزدل فرعون تھا۔ وہ آکیسی کی خلوت میں بھی مرد نہ بن سکا میرے خوف سے اور اس نے کہا کہ اس کا اقتدار میرے قدموں تلے ہے۔ سوائے ایسا اقتدار قبول نہیں ہے جس میں خوف شامل ہو۔ اور اس نے آکیسی کو اکسایا کہ میں غیر فانی انسان نہیں ہو بس ایک چالاک ہستی ہوں جسے مٹانا مشکل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس نے آمادہ کر لیا اس عورت کو شرارت پر۔ اور ایک شام دو حسین عورتیں اس کا پیغام لیکر آ گئیں میرے پاس معبد میں کہ آکیسی محل میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔

معبد کی خشک زندگی سے میں بھی اکتا گیا تھا، کیونکہ اب سالموس نہیں تھا، جو میری ضرورتوں کا خیال رکھتا اور دوسرے کاہنوں کو میری ضروریات پوچھنے کی جرأت نہیں تھی۔ وہ تو صرف میری پوجا کرتے تھے اور مجھ سے خوفزدہ رہتے تھے۔ چنانچہ اس شام میں آکیسی کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن وہ فاحشہ تنہا نہ تھی، اس کا بیٹا، اس کا محبوب اس کے پہلوں میں موجود تھا۔ اور بربط نواز گردنیں جھکائے ہوئے باہر نکل گئے۔

''تب آکیسی مجھ سے مخاطب ہوئی..... ''آمون کے بیٹے..... ہم نے تجھے مشورے کے لئے طلب کیا ہے۔''

''کیا مشورہ درکار ہے آکیسی.....؟'' میں نے سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ آکیسی کے چہرے کی سرخی اور آکاس کے چہرے کی مسرت سے مجھے احساس ہو گیا کہ آکاس کی طلب پوری ہو گئی ہے۔ اسے آکیسی کا وصال نصیب ہو چکا ہے۔ اور شاید آکیسی بھی توی ہیکل نوجوان سے غیر مطمئن نہیں ہے۔

''کاہن اعظم کے بارے میں، کہ اس کا ہونا ضروری ہے۔ اندرون شہر..... چہ میگوئیاں ہونے لگی ہیں کہ کاہن اعظم سالموس کہاں روپوش ہے۔''

''اس کے بارے میں تجھے بتا چکا ہوں آکیسی۔ کاہن اعظم کی لاش کہاں گئی۔''

''اسے میں نے ٹھکانے لگا دیا ہے۔ مقدس آمون کے بیٹے۔ لیکن میں حیران ہوں۔ آگ کے شدید الاؤں میں کاہن اعظم کی لاش اس

طرح تیر رہی تھی جیسے پانی پر...... اور آج بھی اس کی وہی کیفیت ہے۔ میں نہیں جانتا اس کا کیا راز ہے۔'' آکاس نے جلدی سے کہا اور مجھے اس کی بکواس سن کر واقعی حیرت ہوئی۔

''یہ الاؤ کہاں ہے۔؟ کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ میری بھی یہی رائے تھی آمون کے بیٹے۔ تو اس آگ پر تیرتی ہوئی لاش کا معمہ حل کر...... اور ہمیں پریشانی سے نجات دلا مبادا سالموس کا راز کھل جائے آ...... میرے ساتھ اٹھ......'' آکاس اٹھ گیا...... اور ہم تینوں چل پڑے اس حیرت انگیز الاؤ کو دیکھنے۔ لیکن میں نے اکیسی کے چہرے پر نگاہ نہ کی تھی ورنہ صاف پتہ چل جاتا کہ اس کے خوبصورت چہرے پر جرم کے سائے منڈلا رہے ہیں۔

کئی پر پیچ راستوں سے گزر کر ہم فرعون کے آتشکدے تک آ پہنچے۔ جو کافی گہرائی میں تھا۔ آتشکدہ تھا یا جہنم زار...... قرب و جوار کا ماحول تپ رہا تھا...... آگ گہرائی میں تھی۔ لیکن شعلے بلندیوں تک پہنچ رہے تھے۔

ایک جگہ آکاس رک گیا......'' اف آگ کی تپش کس قدر شدید ہے۔ ہم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ دیکھ آمون کے بیٹے۔ کاہن اعظم کی لاش شعلوں کی زبان کے ساتھ بلند ہو رہی ہے۔ کیا تو آگے بڑھنے کی قوت رکھتا ہے۔ اور درحقیقت پروفیسر، میں بدکار آکاس کی چالاکی کو سمجھ گیا اور اس پتھر کی طرف بڑھ گیا جو آتشکدے کا آخری پتھر تھا۔ لیکن جونہی میں نے پتھر پر قدم جما کر آگ کے شعلوں میں جھانکا۔ آکاس نے وہ رسی کھینچ دی جو اس پتھر کو روکے ہوئے تھی۔ اور پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرے قدم نہ سنبھل سکے اور میں آتشکدے میں جا گرا۔ لیکن وہ احمق نہیں جانتے تھے کہ اس آگ کو دیکھ کر خود میرے جسم کے مسامات کچھ طلب کرنے لگے تھے۔ اگر وہ مجھے نہ گراتے اور کاہن اعظم کی لاش نہ بھی ملتی تب بھی میں غسل آتش کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ان دونوں کی چالاکی پر مجھے غصہ بھی آ رہا تھا۔ لیکن آگ کی لطیف حرارت میرے جسم میں لذت بن کر داخل ہو رہی تھی۔ اس حسین غسل کے طفیل میں نے فراخدلی سے کام لے کر ایک بار پھر ان دونوں کو معاف کر دیا۔ آگ میرے جسم پر سرایت کرتی رہی اور میرے ذہن و دل نکھرتے رہے میرے مسامات نے نئی زندگی حاصل کر لی اور میرا سونے کی طرح چمکدار جسم کچھ اور چمکدار ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آکاس نے میری موت کیوں ضروری سمجھی۔ کیا رقابت کی وجہ سے؟ کیا اسے احساس ہو گیا کہ اکیسی کا جسم اس سے پہلے میرا رہ چکا ہے۔ یا پھر...... کوئی اور وجہ......؟

لیکن وجہ تو وہ دونوں ہی بتا سکتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ خود اکیسی بھی آکاس کی سازش میں شریک تھی۔ اس نے بھی کاہن اعظم کی تیرتی ہوئی لاش کی تصدیق کی تھی۔ اف یہ عورت...... کس بے پناہ محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ لیکن قتل کرنے کی سازش میں بھی پیش پیش تھی اور اس سے قبل کہہ رہی تھی کہ اگر میں مصر کا حکمراں بننے کے لئے تیار ہو جاؤں...... تو آکاس کو بھی راموس کے پاس پہنچا دیا جائے۔

آگ کے غسل سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے بعد میں نے اوپر نکلنے کی سوچی۔ مجھے یقین تھا وہ دونوں میری موت کی تصدیق کرنے کے لئے نہیں رکیں ہونگے ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ آگ کے خوفناک شعلے کسی کو زندگی بھی بخشتے ہوں گے چنانچہ وہ میری موت کا یقین کئے بغیر واپس جا چکے ہوں گے۔

میں نے آتشکدے کی دیواروں کو ٹٹولا۔ کنگورے دار دیواریں تھیں چنانچہ میں ان کنگوروں کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آتشکدے سے نکل آیا اوپر کوئی نہیں تھا۔ میں اس کمرے کے دروازے کی طرف چل پڑا جو آتشکدے تک آنے کا راستہ تھا۔ دروازے دوسری طرف سے بند تھا لیکن میری دو ٹکروں سے وہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ اس کی آواز دور تک سنی گئی تھی۔ چنانچہ فوراً ہی دو مسلح خادم اندر گھس آئے۔

انہوں نے میری شکل دیکھی اور منہ پھاڑ کر رہ گئے۔ یہ آتشکدے کے محافظ تھے اور شاید آکاس کے پروگرام سے واقف تھے۔ مجھے زندہ سلامت اور ایک نئے روپ میں دیکھ کر وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگے لیکن میں نے ملائمت سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اور باہر نکل آیا۔ میرا رخ اکیسی اور آکاس کی خواب گاہ کی طرف تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں ان کی خواب گاہ پر تھا۔ اکیسی اور آکاس اندر موجود تھے۔ خواب گاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے دربان شاید اس سازش سے ناواقف تھے۔ وہ میری حیثیت بھی جانتے تھے اس لئے جب میں خواب گاہ کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو انہوں نے صرف سر جھکا دیئے اور میں اندر پہنچ گیا۔

آکاس اکیسی کی آغوش میں سر رکھے لیٹا تھا اور اکیسی انگور کے ایک خوشے کو اس کے ہونٹوں سے لگا رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں میرے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہیں دی۔ تب میرے کانوں میں آکاس کی آواز ابھری۔

''ممکن ہے یہ بھی اس کی اپنی اختراع ہو۔ کیا ضروری ہے کہ ہم اس کی بات پر یقین کر لیں۔''

''سالموس ختم ہو گیا۔ وہ بھی ختم ہو گیا جس نے ہمیں اس کا راز بتایا تھا چنانچہ اگر سالموس کا کوئی راز بھی تھا تو وہ اس کے ساتھ فنا ہو گیا اب اسے دوہرانے سے کیا حاصل۔ ہمارا مقصد بہر حال پورا ہو گیا ہے۔''

''لیکن کیا ایک بار تم میری فراست کی داد نہ دو گی اکیسی۔ وہ شخص ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ تھا۔ اس کی زندگی میں ہم چین سے حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے دل اس کے خوف سے ہمیشہ لرزتے رہتے اور ہماری زندگی میں وہ مسرت کبھی نہ آتی جس کے ہم خواہشمند تھے۔ مجھے بتاؤ۔ اگر وہ شخص خود کو کبھی مصر کا حکمراں باور کرانے کی کوشش کرنے لگتا تو کوئی تھا جو اسے اس کے دعوے سے روک سکتا۔''

''اسے حکومت کی خواہش نہیں تھی آکاس۔ وہ تو ایک سیلانی انسان تھا۔ وہ کیا تھا۔ اس کے بارے میں کیا تم وثوق سے بتا سکتے ہو۔؟''

''اب اس پر بحث کرنے سے کیا حاصل۔ آؤ۔ ہم مستقبل کے لئے خوشگوار پروگرام بنائیں۔ خطرے مٹ چکے ہیں اور اب خداوند آکاس کا کوئی مقابل نہیں ہے۔'' آکاس نے کروٹ بدل کر اکیسی کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

لیکن کروٹ بدلنے سے اس کا چہرہ میری طرف ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں اور پھر دہشت سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کے جذبات عشق مردہ ہو گئے اور وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی جبکہ اکیسی اس کے کسی پر جوش اقدام کی منتظر تھی۔

آکاس اسی طرح کانپتا رہا۔ میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا اور مجھے دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔

پھر اکیسی نے آکاس کے جسم کی تھرتھراہٹ محسوس کر لی اور پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں گھماتے ہوئے بولی۔ ''تم جذبات میں

نڈھال ہو جاتے ہو آکاس اور یہ مرد کی شان نہیں ہے۔ مرد تو بھیڑیئے کی حیثیت میں بھلا لگتا ہے۔" اس نے آکاس کو سیدھا کر دیا اور پھر اس کے چہرے پر جھکی۔

لیکن جھکتے جھکتے اس کی نگاہ آکاس کے سفید چہرے اور پھٹی ہوئی آنکھوں پر پڑی اور وہ چونک پڑی۔" کیا بات ہے آکاس۔ کیا اچانک تمہاری۔"

"نہیں۔ نہیں۔" آکاس شدت دہشت سے چیخا۔" تم زندہ نہیں ہو۔ تم زندہ نہیں ہو"۔ اس نے میری طرف انگلی اٹھا کر کہا اور اگیسی بھی ایک دم چونک پڑی۔ وہ میری طرف مڑی اور اب اس کی حالت بھی آکاس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ دونوں مجھے دیکھتے رہے، کانپتے رہے اور میرا خیال ہے پروفیسر...... ان پر جو وقت گزر رہا تھا۔ وہ ان کے لئے ایک مناسب سزا تھی۔ دراصل وہ سخت ذہنی پریشانی میں مبتلا تھے۔

اول تو انہیں حیرت تھی کہ میں آگ سے زندہ کیسے نکل آیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آگ کے خوفناک شعلے کسی کو بچ کر جانے دیں۔ دوئم اگر میں زندہ بچ گیا ہوں تو اب ان کے ساتھ کیا سلوک کروں گا اور میں بھی خاموش تھا پروفیسر...... میری یہ خاموش سزا ان کے لئے کافی تھی کیونکہ میں اس سے زیادہ سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔

پھر مجھے احساس ہوا کہ خوف سے ان کے دلوں کی دھڑکنیں بند نہ ہو جائیں۔ جب میں انہیں معاف کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تو پھر یہ کھیل ختم ہی ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر ایک کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

"میں تمہاری خلوت میں چلے آنے کے لئے شرمندہ ہوں اگیسی۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ان دونوں کے بے جان چہروں پر زندگی کے آثار اُبھر آئے۔ انہوں نے خوف سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اپنے حواس درست کرلو۔ جو کچھ تم کر چکے ہو میں اسے معاف کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن اس کے بارے میں تم سے تھوڑی سی گفتگو ضرور کروں گا۔"

"ہم شرمندہ ہیں آمون کے بیٹے"۔ آکاس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"کیا اس سے قبل تم نے مجھے دل سے آمون کا بیٹا تسلیم نہیں کیا تھا آکاس۔؟"

"یہ حقیقت ہے آمون کے بیٹے۔ میرا خیال تھا تو ایک غیر معمولی انسان ہے اور بس۔"

"اگیسی۔ تم نے۔؟" میں نے اگیسی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

اگیسی کے ہونٹ پھڑپھڑائے لیکن اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ اب اس کے اوپر شرمندگی کا حملہ ہوا تھا۔

"جواب دو اگیسی۔؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"مم۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔"

''اس کے باوجود۔ ابھی تک میرا کوئی اقدام تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی جب تم نے میرے دوست سالموس کو بھی چالاکی سے قتل کر دیا۔ میں نے تم سے ایک مطالبہ کیا تھا آکیسی۔ اس کے جواب میں تم نے میری زندگی لینے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ بتاؤ۔''

''میں بتاؤں گا آمون کے بیٹے۔ میں کہوں گا کہ میں تیرا مجرم ہوں۔ جو کچھ سامنے آیا، جو کچھ ہوا میں اس سے خوفزدہ تھا۔ ہاں تیری زبان کی جنبش ہماری موت بن سکتی تھی اس لئے میں متردد تھا اور اسی لئے میں نے آکیسی کے ساتھ مل کر یہ پروگرام طے کیا لیکن اس وقت تک میں ایمان نہیں لایا تھا کہ تو سورج کا بیٹا ہے۔''

''اور اب۔'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تو عظیم ہے۔ تو مافوق الفطرت ہے۔ آگ کے شعلے تیرے بدن کو نکھارتے ہیں۔ اب اس میں کون شبہ کرے گا کہ تو ہی آمون کا بیٹا ہے۔ ہم ایمان لائے عظیم دیوتا۔''

''نہیں۔ میں سورج کا بیٹا نہیں ہوں۔ مجھے تمہارے دیوتا سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا آمون کون ہے۔ یہ تمہارا عقیدہ ہے تم اس پر قائم رہو۔ میں کیا ہوں۔ یہ تم نہ جان سکو گے۔ ہاں یوں سمجھ لو میری موت تم جیسے فانی انسانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ میں زندہ ہوں، زندہ رہوں گا۔ میں صرف ایک محقق ہوں ادوار کی تخلیق کرتا ہوں۔ تو سن اے آکیسی۔ وہی کر جو میں نے کہا ہے اور آکاس کے ساتھ رہ کر حکمرانی کر۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں نے تم دونوں کی اس حرکت کو معاف کر دیا ہے۔''

میں اٹھ گیا...... ان دونوں کے چہرے تصویر حیرت بنے ہوئے تھے۔ تو پروفیسر...... میں وہاں سے اٹھ کر معبد چلا آیا۔ اب میں ان لوگوں کے سروں پر سوار رہنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس کے بعد انہوں نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا۔ ایک عالیشان معبد میرے لئے بنوایا گیا جو آج تک نیل کے کنارے کھنڈرات میں موجود ہے۔ لوگ اسے بھی کسی فرعون کا مقبرہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کی تاریخ کسی کے پاس نہیں ہے لیکن تم آج بھی اسے دیکھ سکتے ہو۔ یہاں میری نشانیاں محفوظ ہیں۔ ایک طویل عرصہ وہاں رہ کر میں نے تاریخ کے اس پہلے گہوارے کے بارے میں تجربات کئے تھے۔ میں نے مصر کی ایک طویل تاریخ اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ آکاس اور آکیسی کا دور ختم ہوا۔ قدیم بادشاہی کا سلسلہ تیسرے سے چھٹے خاندان تک محدود رہا۔ یہ دور ۲۷۰۰ قبل مسیح سے ۲۲۰۰ تک رہا۔ پھر ایک سو سال تک مصر افراتفری کا شکار رہا۔ یہاں تک کہ نویں خاندان ۲۰۰۰ قبل مسیح فرعونی اقتدار بحال کیا اور دو صدی تک ان کا سورج چمکتا رہا۔ پھر کمھوس نے مصر پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہ ایشیائے کوچک کے باشندے تھے۔ بے حد جری اور بہادر لیکن سترھویں خاندان نے کمھوس کو شکست دے کر دوبارہ اپنی حکومت قائم کر لی جو ۱۵۸۰ سے لے کر ۱۰۹۰ قبل مسیح تک قائم رہی۔ اس دوران مصریوں نے بہت سے علاقے فتح کئے۔

فلسطین اور شام اب ان کے قبضے میں تھے لیکن بعد کے فرعون ان علاقوں کو کھو بیٹھے اور ایک بار مصر پھر اجنبی ہاتھوں میں چلا گیا۔ پھر پچیسواں خاندان برسر اقتدار آیا۔ یہ حبش سے تعلق رکھتا تھا لیکن چھبیسواں خاندان پھر مصری تھا جسے سیت کہتے ہیں۔

مصر کی شکل بدلتی رہی۔ یہ طویل دور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مختلف خاندانوں میں میری مختلف حیثیت رہی لیکن کسی خاندان نے میرے آڑے آنے کی کوشش نہیں کی۔ میری حیثیت صرف ایک تماشائی کی تھی۔ ہر دور میں میری ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ مجھے جو کچھ درکار تھا فراہم کیا گیا اور میری زندگی حسب معمول بہترین گزرتی رہی۔ یہاں رہ کر میں نے اپنے علوم میں اضافہ کیا۔ اب میری توجہ اس سائنس کی طرف تھی جو آئندہ دنیا کی ایک ضرورت بننے والی تھی۔ ستارے میرے دوست میری رہنمائی کرتے تھے۔ ہر خاندان کی حسین لڑکیاں میری خلوت میں زندگی گزارتی تھیں اور یہ پہلا طویل عرصہ تھا پروفیسر کہ مجھے اپنی زندگی سے کوئی اکتاہٹ نہیں محسوس ہوتی تھی۔ میں سکون سے وقت گزار رہا تھا لیکن...... کب تک۔؟

بالآخر...... میں وہاں سے اکتا گیا۔ میں نے نئے جہانوں کی تلاش کا فیصلہ کرلیا۔ اس دوران اجنبی فاتح بھی میرے دوست رہے تھے۔ وہ میری عزت کرتے تھے۔ یوں سمجھو عزت کرنے پر مجبور تھے۔ میں ان سے ان کی سرزمین کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا تھا۔ مجھے قرب و جوار کے بہت سے علاقوں کی تفصیل معلوم ہو چکی تھی چنانچہ اب میں اپنا مسکن چھوڑنے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ مصر کی مکمل تاریخ، وہاں کی مکمل زندگی ایک کتاب کی شکل میں میرے پاس موجود تھی جسے میں نے پوری تحقیق کے بعد لکھا تھا۔ چنانچہ ابوالہول کے دیس سے میں روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔ اہم واقعات اور پراسرار انسانوں کی سرزمین چھوڑتے ہوئے مجھے کوئی دکھ نہ تھا۔ میں اپنے آپ کو محدود نہیں کرسکتا تھا۔ اس ملک کی دلچسپیوں نے مجھے ایک طویل عرصہ تک خود میں قید رکھا تھا۔ اب میں اس قید سے نکل جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے وہ تمام ضروری اشیاء جمع کیں جو میرا سرمایہ تھیں اور روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔

مجھے کسی کو اطلاع دینے کی ضرورت تو نہ تھی حالانکہ فرعونِ وقت باعوسی میرا بہت بڑا مداح تھا۔ وہ میرے عقیدت مندوں میں سے تھا اور ہفتے میں ایک بار میری خدمت میں حاضری دے کر اپنے مسائل بیان کرتا۔ میں اس کی رہنمائی کر دیتا تھا اور اکثر میرے مشوروں سے اسے کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں۔ اس نے میرے معبد کو از سر نو تعمیر کرایا تھا اور اس میں میری ضروریات کے مطابق تبدیلیاں کرائی تھیں۔

لیکن یہاں سے روانگی کے لئے میں نے اس سے مشورہ بھی طلب نہ کیا۔ میں جانتا تھا کہ باعوسی مجھے یہاں سے روانگی کی اجازت نہیں دے گا۔ وہ میرا اس قدر مداح تھا کہ اس نے اپنی سب سے حسین بہن جوفا کو مستقلاً میری تحویل میں دے دیا تھا۔ دبلے پتلے اور نازک بدن والی یہ لڑکی میرے قرب سے آسمانوں کی سیر کرنے لگی تھی لیکن پروفیسر میں کسی ایک عورت کے لئے خود کو پابند نہیں کرسکتا تھا۔ میں اپنے مشن پر جمود تو نہ طاری ہونے دینا چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک رات میں نے خاموشی سے معبد چھوڑ دیا۔ اور اپنا مختصر سامان لے کر چل پڑا۔ ایک سیاہ طاقتور گھوڑا مجھے لے کر نامعلوم راستوں پر چل پڑا لیکن وہ راستے میرے لئے نامعلوم نہیں تھے۔ میں ان راستوں کی کہانیاں سن چکا تھا۔ میرا رخ تہذیب کے دوسرے گہوارے یعنی بابل اور نینوا کی طرف تھا۔ یہاں کے بارے میں میری معلومات وسیع تھیں۔ بابل نینوا کی تاریخ مصر کی تاریخ کے کچھ عرصے کے بعد شروع ہو چکی تھی۔ اور مصر کی طرح وہ بھی ہنگاموں کی سرزمین تھی جس کی مکمل تفصیل مجھے وہاں جانے کے بعد معلوم ہوئی لیکن اس سے قبل بھی میں اس سے

ناواقف نہیں تھا۔

تو پروفیسر میں نے دو آبہ دجلہ و فرات اختیار کیا لیکن آرام کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ تم تھک گئے ہو گے، میں محسوس کر رہا ہوں..... اور پروفیسر چونک پڑا اسے فراعنہ کی سرزمین سے نکل آنے پر شدید حیرت ہوئی۔ وہ تو خود کو اہراموں کی سرزمین پر محسوس کر رہا تھا۔ افلاطون اور توت انخ..... کے دور میں اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا لیکن اب..... اچانک قلم چلتے چلتے رک گئی تھی۔ اور وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے گرد و پیش دیکھ رہا تھا۔ یہی کیفیت شاید دونوں لڑکیوں کی تھی۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے حواس میں آ گئے۔ اور پروفیسر کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"عجیب داستان ہے یہ..... بلاشبہ یہ دنیا کی سب سے انوکھی داستان ہے کیونکہ اس میں سننے والے کی آنکھیں اس داستان کے ایک ایک کردار کو دیکھتی ہیں۔ اسے محسوس کرتی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں جذب ہو کر اس ماحول میں کھو جاتی ہیں۔ بلاشبہ میں نیل کے کنارے تمہارے معبد کی دیواروں میں تھا۔ جہاں سے نیل کی موجوں کی ٹکرانے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اور اب اچانک معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے وہاں سے ہاتھ پکڑ کر یہاں لے آیا گیا ہو۔"

وہ مسکرانے لگا۔ "یہ دن..... ہماری داستان کے بقیہ دنوں سے بے حد مختلف ہے پروفیسر..... کیونکہ اس دن میں لاتعداد صدیاں چھپی ہوئی ہیں۔ ہاں یہ صدیوں کی داستان ہے۔ مصر میں اس دوران جتنے فراعون آئے۔ ان کے عہد میں جو کچھ ہوا۔ اگر میں ان کی تفصیل بتانے بیٹھ جاؤں..... تو..... تو بہت وقت لگ جائے۔ ہر فرعون اپنی الگ کہانی رکھتا ہے۔ لیکن وہ کہانیاں میں نے اپنی کتاب میں محفوظ کر رکھی ہیں۔ میری کتاب، صدیوں کی کتاب ہے پروفیسر....."

"یقیناً..... مجھے اعتراف ہے۔" پروفیسر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا آپ قلوپطرہ کے دور میں مصر موجود نہیں تھے۔؟" فرزانہ نے اچانک سوال کیا۔

"کلوپیٹرا....." اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ہاں..... کلوپیٹرا کا دور بہت بعد میں شروع ہوا۔ اس وقت میں مصر چھوڑ چکا تھا۔ تیسویں خاندان کے دور کے بعد سکندر مصر پر قابض ہو گیا۔ بطلیموسیوں کا یونانی شاہی خاندان مصر پر حکمراں رہا۔ یہ چوتھی صدی قبل مسیح کی بات ہے۔ یہاں تک کہ کلوپیٹرا اور انٹونی نے شکست کھائی اور ۳۰ قبل مسیح مصر رومیوں کے زیر اقتدار آ گیا۔ بہر صورت اس عورت کی رنگین داستانیں میں نے دوسروں کی زبانی سنیں۔ میں نہیں جانتا کہ اگر میں اس وقت مصر میں ہوتا، تو کلوپیٹرا کی داستان میں کون کون سی تبدیلیاں ہوتیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور فرزانہ خاموش ہو گئی۔

پھر وہ اپنی آرام گاہ میں چلے آئے..... پروفیسر ایک گہری سانس لے کر لڑکیوں کی طرف مخاطب ہوا..... "کیا تمہیں اب بھی اس کی داستان پر شبہ ہے لڑکیوں۔؟" اس نے پوچھا۔

فرزانہ اور فروزاں ایک دوسری کی شکل دیکھنے لگیں۔ پھر فروزاں بولی۔ "آپ کا کیا خیال ہے ڈیڈی۔؟"

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا، سوائے اس کے کہ اگر وہ پوری زندگی تاریخ کی کہانی دوہراتا رہے تو مجھے اکتاہٹ نہ ہو۔ میں تاریخ کے ایک انوکھے کردار کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو۔ یہ انوکھی لذت صرف محسوس کی جا سکتی ہے الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔''

''بہرحال اس نے صدیوں کے فاصلے طے کر لئے ہیں۔ ممکن ہے اب اس کی داستان زیادہ طویل نہ ہو۔ ہاں میں اس کی اس بات سے متفق ہوں کہ اگر وہ ہزاروں سال کی تفصیل بتانے بیٹھ جاتا تو ہماری یہ زندگی ناکافی ہوتی۔'' فرزانہ نے کہا۔

''تو پروفیسر......'' دوسرے دن حسب معمول اس نے اپنی داستان شروع کرتے ہوئے کہا۔'' میں نے سرزمین مصر چھوڑ دی۔ اور دن رات گزرنے لگے۔ میں ان راستوں سے گزرتا تھا جہاں سے مصر پر حملہ آور اپنے نشان چھوڑتے ہوئے گزرتے تھے ان راستوں کے تاریخی نشان بے پناہ دلکش تھے۔ اور ان سے حملہ آوروں کے بارے میں خاصی معلومات فراہم ہوتی تھیں۔''

مصر اور دوآبہ دجلہ و فرات کی وادیوں میں نمایاں فرق ہے۔ مصر کی تاریخ میں جتنے بھی نشیب و فراز آئے، وادی نیل پر آبادیاں قائم رہیں۔ اس کے برعکس دجلہ و فرات کے بیشتر حصے بارہا ویران ہوئے۔ اہم وقعات کی ایک الگ تاریخ ہے۔ ان تباہیوں اور بربادیوں سے مختلف داستانیں منسوب کی جاتی تھیں، جن میں دیویوں اور دیوتاؤں کے قہر کی باتیں ہوتی تھیں۔ لیکن اصل میں وجہ یہ تھی کہ دجلہ و فرات میں اچانک طغیانیاں آجاتی تھیں اور بعض اوقات خاصی خطرناک صورت حال ہو جاتی۔ آبادیوں کا نام و نشان مٹ جاتا۔ اور جہاں کہیں بھی گھنی آبادی ہوتی وہاں تاحد نگاہ صرف دلدل نظر آتی۔ اس کے برعکس نیل کی طغیانی کا وقت مقرر تھا۔ اور قرب و جوار کی آبادیاں اس سے واقف ہوتیں۔ یوں نیل کے کنارے محفوظ رہتے تھے۔ اور طغیانی کے بعد پھر سے آباد ہو جاتے۔

سرزمین مصر کا آخری نشان چھوڑنے کے بعد میں نے ایک طویل سفر کیا۔ میرے دوست ستارے میرے لئے سمتوں کا تعین کر رہے تھے اور میں دن رات طے کر رہا تھا۔ اور یہ ایک شام کی بات ہے۔ میرا وفادار اور چاق و چوبند گھوڑا بھی تھک چکا تھا........ میں ایک ویران اور ناہموار گھاٹی میں سفر کر رہا تھا، جہاں نوکدار چٹانوں اور ان کے درمیان اگی ہوئی کانٹوں دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ سورج اپنا سفر ختم کر چکا تھا۔ لیکن میں کچھ اور سفر کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ ایسے علاقے میں پہنچ جاؤں جہاں گھوڑے کے لئے سبز گھاس اور پانی موجود ہو۔ لیکن اس وسیع و عریض میدان کا سلسلہ تاحد نگاہ تھا اور بظاہر ایسے آثار بھی نظر نہیں آتے تھے کہ گھاس ملنے کی امید ہو۔ ان چٹانوں میں کسی شکار کا ملنا بھی ناممکن ہی تھا۔ لیکن اسے عبور کرنے کی کوشش میں، میں گھوڑے کی زندگی خطرے میں ڈالتا۔ ہاں ایک رات کھائے پیئے بغیر گزارنا ایسا مشکل کام نہ تھا کیونکہ میں اور میرا گھوڑا اس کے عادی تھے۔

چنانچہ میں نے گھوڑے کا ایما معلوم کیا۔ اور پھر اس سے اتر آیا میں اس کی لگام پکڑے نوکیلی چٹانوں سے کچھ دور قدرے صاف حصے کی طرف چل پڑا صاف حصے میں پہنچ کر میں نے گھوڑے پر سے اپنا مختصر سامان اتار کر احتیاط سے رکھ دیا۔ اور گھوڑے کو آزاد چھوڑ دیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ وفادار جانور دغا باز نہیں ہے۔ گھوڑا اپنی مدد آپ کرنے کے اصول پر عمل کر کے چٹانوں کے درمیان گھومنے لگا۔ اور میں ایک پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ مجھے ستاروں کے نکلنے کا انتظار تھا جن کی معیت میں میری رات خوب گزرتی تھی۔ میں ان سے سوالات کرتا تھا اور وہ

میرے سوالات کا تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

لیکن یہاں کا آسمان گرد آلود تھا۔ فضا میں بادلوں کے ٹکڑوں کا راج تھا اس لئے ستارے بادلوں کے دبیز لحاف سے باہر منہ نہ نکال سکے۔ اور وقت گزرتا رہا۔ میرے ذہن میں سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ مصر کی مکمل تاریخ۔ وہ علاقے جہاں میں مصر میں آنے سے پہلے تھا۔ اہراموں کی پراسرار زمین انوکھے واقعات کا مسکن تھی۔ یہاں کی پوری زندگی میرے لئے ایک یادگار حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں تہذیب کے دوسرے علاقوں کو دیکھنے کا متمنی تھا۔ جہاں مصر کی تہذیب کے تھوڑے عرصے کے بعد ہی تہذیب کا آغاز ہو چکا تھا۔ یقیناً وہاں کے واقعات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔ سو اسی لئے میں وہاں سے چل پڑا تھا پروفیسر...... اور اب سرزمین دوآبہ دجلہ و فرات دور نہ رہ گئی تھی۔

رات گئے مایوس گھوڑا واپس آ گیا۔ اس کی گردن لٹکی ہوئی تھی جس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ چٹانوں میں اپنی خوراک تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے۔ میں نے اس کی گردن تھپک کر اسے تسلیاں دیں۔ بے شک وہ میری طرح سخت جان نہیں تھا۔ اور نہ ہی بھوک برداشت کرنے کی قوت رکھتا تھا۔ تاہم یہ صرف ایک رات کی بات تھی۔ دوسرے دن تھوڑی سی مشقت کے بعد ہم دونوں خوراک تلاش کر سکتے تھے۔ تو پروفیسر میں گھوڑے کو تسلی دینے کے بعد خود بھی لیٹ گیا۔ یہ رات ستاروں سے گفتگو میں بسر نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ستارے روپوش تھے نیند میری آنکھوں میں در آتی۔ لیکن گھوڑے کی تیز ہنہناہٹ نے مجھے سونے نہ دیا۔ میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں نے گھوڑے کی طرف دیکھا۔ وہ کس بات کی نشاندہی کر رہا ہے۔

گھوڑا چونکنے انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اردگرد کے ماحول پر نگاہ ڈالی اور تب میں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ آسمان پر چمکنے والے ستارے زمین پر اتر آئے تھے۔ اور میرے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ یہ چمکدار ستارے نوکدار چٹانوں سے طلوع ہوئے تھے اور یہ سخت حیرت کی بات تھی۔ اپنی طویل زندگی میں، میں نے اتنا حیرت انگیز منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں بے وقوفوں کی طرح ان متحرک ستاروں کو دیکھتا رہا جو آہستہ آہستہ بدل رہے تھے اور ان کا حلقہ میرے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

کافی دیر کے بعد ستاروں کی اصلیت پتہ چل سکی۔ اور میں حیران رہ گیا۔ اپنی حماقت پر۔ شاید نیند بھرے ذہن سے میں نے ان کے بارے میں سوچا تھا...... وہ ستارے نہ تھے بلکہ روشن مشعلیں تھیں جو یقیناً انسانوں کے ہاتھوں میں ہوں گی۔ لیکن یہ کچھ اجنبی مشعلیں تھیں کیونکہ ان سے شعلے چمکتے نہیں نظر آ رہے تھے۔ بلکہ ان کی روشنیاں ٹھنڈی اور سلا دینے والی تھیں۔ مشعلوں کا حلقہ ایک مخصوص فاصلے پر رک گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ میرے قریب نہ آنا چاہتے ہوں بلکہ دور سے ہی نگرانی کر رہے ہوں۔ شاید وہ بھی مجھ سے خوفزدہ تھے۔ اور دن کی روشنی کے منتظر تھے۔

لیکن دن کی روشنی کتنی دور ہے؟ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ گویا ابھی صبح دور تھی۔ لیکن یہ احمق لوگ میرے نزدیک کیوں نہیں آتے۔ کیا میں ان کی موجودگی کو نظرانداز کر کے سو سکتا ہوں۔؟" ناممکن ہے۔ گویا رات بیکار جائے گی۔

بہر حال ان ننھے جگنوؤں کا راز جانے بغیر میں ان کے قریب نہیں جانا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگر وہ روشنی کے منتظر ہیں تو یہی سہی۔ ستارے چمکتے رہے اور پھر آسمان پر سفید کرنیں نمودار ہونے لگیں۔ طویل رات گزر گئی تھی اور صبح ہونے والی تھی۔ اور صبح کی روشنی کے ساتھ ساتھ ستارے ماند پڑتے جا رہے تھے۔ تب ان لوگوں کی شکلیں واضح ہو گئیں جو چٹانوں کی آڑ میں پوشیدہ تھے۔ وہ چونکنے ہو کر میری نگرانی

کر رہے تھے۔ ستارے اب بجھ چکے تھے۔ نہ جانے یہ کیسی مشعلیں تھیں۔ بہر حال روشنی نکلتے ہی وہ سب چٹانوں سے بلند ہو گئے اور پھر عجیب طرح شور مچانے لگے۔

مشعلیں یا تو انہوں نے زمین پر پھینک دی تھیں یا پھر کسی جگہ جمع کر دی تھیں۔ البتہ اب ان کے ہاتھوں میں سفید سفید چمکدار تلواریں نظر آ رہی تھیں۔ عجیب تھے وہ لوگ۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ وہ سرخ رنگ کے چست لباسوں میں ملبوس تھے۔ سینوں پر ایک گول دائرہ بنا ہوا تھا جس کا رنگ سیاہ تھا۔ چہرے صاف ستھرے، لیکن خدوخال ذرا مختلف تھے۔ اور وہ چٹانوں کے درمیان اچھل اچھل کر شور مچا رہے تھے۔ اور میرا گھوڑا خوف سے کنوتیاں بدل رہا تھا

تھوڑی دیر میں، میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ میرے لئے جارحانہ عزائم رکھتے ہیں۔ مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں، لیکن شاید انہیں کسی کا انتظار ہے۔ تب نوکیلی چٹانوں کے آخری سرے پر میں نے ایک غبار سا دیکھا جو واضح ہوتا گیا۔ چند گھوڑے بے تحاشہ دوڑتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ وہ بڑے بے جگری سے نوکیلی چٹانیں پھلانگ رہے تھے اور میں نے ان گھوڑوں پر ایسے ہی سرخ پوشوں کو سوار دیکھا۔ ان کی بھنویں اوپر کو اٹھی ہوئی اور تیز ھی تھیں۔ تھوڑیوں پر ننھی ننھی نوکیلی داڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن درمیان میں جو سوار تھا اس کا چست لباس سفید تھا۔ جب وہ لوگ کچھ اور قریب آئے تو میں نے محسوس کیا کہ چست سفید لباس والا سوار دوسروں سے مختلف ہے۔ اس کے چہرے پر وحشت تو ہے، لیکن داڑھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ لمبے لمبے سیاہ بال اس کے سفید چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے ہیں۔ میری نگاہ کچھ اور نیچے گئی۔ تب میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔

سفید لباس والی عورت تھی۔ اور شاید ان لوگوں کی سربراہ تھی، بالآخر وہ بھی سرخ لباس والوں کے نزدیک پہنچ گئی اور ان کا جوش و خروش تھم گیا۔ وہ ساکت ہو گئے۔ لیکن اب ان کا دائرہ سمٹنے لگا تھا اور وہ ایک جگہ جمع ہوتے جا رہے تھے۔ میں دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں خوف کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ ٹھیک ہے ان کی تعداد کافی تھی۔ وہ سب عجیب حیثیت کے مالک تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ میرا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ میں تو پہاڑ نما درندوں سے بھی خوفزدہ نہ ہونے والا تھا۔ اس لئے میں خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

تب عورت کے ساتھ آنے والے نوکیلی داڑھیوں کے مالک سب سے آگے صف آرا ہوئے۔ انہوں نے عورت کو اپنی پشت پر کر دیا۔ اور پھر انہوں نے اپنی لمبی سفید اور چمکدار تلواروں کی نوکیں میرے سامنے کر لیں اور آہستہ آہستہ ان کے گھوڑے میری طرف بڑھنے لگے۔ میں کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر تن کر کھڑا ہو گیا۔ اور دلچسپی سے نزدیک آنے والوں کو دیکھنے لگا۔

عورت کے محافظ میرے نزدیک آ گئے۔ تب ان کے گھوڑے میرے چاروں طرف چکر لگانے لگے۔ میرے گھوڑے کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ اس لئے وہ پچھلے پیروں پر کھڑا ہو کر غصے سے ہنہنا رہا تھا۔ چکر لگانے والے کافی دیر تک شغل کرتے رہے۔ میں عورت کی شکل دیکھ رہا تھا۔ بلا کی خوبصورت تھی۔ جوان اور سڈول جسم کی مالک لیکن اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ چمکدار دانت بھیڑیوں کی مانند تھے۔ بھنویں اوپر کو مڑی ہوئی تھیں اور اس کے ہونٹ اس طرح سرخ تھے جیسے کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ تاہم اس کی گردن سفید اور صراحی دار تھی۔ شانے بھرے ہوئے اور گداز تھے۔ سینہ خوب ابھرا ہوا تھا۔ کمر پتلی تھی۔ کولھے بھاری اور خم دار ابھار لئے ہوئے تھے۔ رانیں کسرتی اور سڈول تھیں اور پنڈلیاں حسین پیچ و خم

رکھتی تھیں۔

لیکن چہرے کی وحشت، شاید وحشت ہی اسے دوسری عورتوں سے ممتاز کر رہی تھی۔ میں دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تب ایک نوکیلی ڈاڑھی والا میرے نزدیک آیا اور اس نے اپنی تلوار کی نوک میری گردن پر رکھ دی۔ میں نے چونک کر دیکھا اور میری تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ بھلا یہ بدتمیزی میں کس طرح برداشت کر سکتا تھا چنانچہ میں نے پیچھے ہٹ کر اس کی تلوار پر ہاتھ ڈال دیا اور ایک جھٹکے سے اسے گھوڑے سے نیچے گھسیٹ لیا۔ تلوار اب میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے اسے دستے کی طرف سے پکڑا اور اپنی قوت بازو کے مظاہرے کے طور پر اس کے گھوڑے کی پشت پر وار کیا۔

میرے بازو کی قوت اور تلوار کی کاٹ، گھوڑا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ خون اچھلنے لگا اور نیچے گرے ہوئے آدمی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے تڑپ کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن میں نے اپنا پاؤں اس کے سینے پر رکھ دیا اور اب کس کی مجال تھی کہ میرے پاؤں کو ہٹا کر نکل جائے۔ میرے گرد دوڑتے ہوئے گھوڑے رک گئے۔ سب کے سب حیرت سے گھوڑے کے منقسم ٹکڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ عورت کے چہرے پر وحشت بھی کسی قدر کم ہو گئی تھی اور اس پر حیرت کا حسن نظر آنے لگا تھا۔

لیکن پھر وہ ایک دم چونکی اور تیز آواز میں اپنے ساتھیوں سے بولی۔

''کیا تم اندازہ لگا چکے ہو کہ اس کا قبیلہ پہاڑوں میں پوشیدہ نہیں ہے۔؟''

''ہاں۔ یہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔'' ایک ڈاڑھی والے نے جواب دیا۔

''تب یہ غول سے بھٹکا ہوا ہرن ہے۔ اسے مار دو۔'' عورت نے کہا۔ میں اس کی گفتگو بخوبی سن رہا تھا۔ میرے علم کے مطابق وہ بابلی زبان بول رہی تھی چنانچہ میں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور انہیں ایک مخصوص انداز میں ہلانے لگا۔ تمام جانباز مجھے گھورنے لگے۔ میں نے عورت کو مخاطب کیا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ تو ان کی سردار ہے اور میں جانتا ہوں کہ تو بے وجہ ان کی زندگیوں سے کھیلنا پسند نہ کرے گی۔ تو نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا اور غلط الفاظ ادا کئے تو نے میرے لئے۔ میں غول سے بھٹکا ہوا ہرن نہیں ہوں بلکہ بدمست ہاتھی ہوں جس کے جلو میں تباہی و بربادی ہے۔ چنانچہ تیرا فرض ہے کہ بے گناہ مرنے والوں کو کتے کی موت سے محفوظ رکھ۔ میں تیرے پورے لشکر کو قتل کر ڈالوں گا اور اس کے بعد تیری سرداری ختم ہو جائے گی۔ پھر تو بے یار و مددگار ہو کر میرے رحم و کرم پر ہو گی اور اس وقت تو سوچے گی کہ کاش تو میرے ساتھ اچھا سلوک کرتی اور اس تباہی سے دوچار نہ ہوتی۔''

''بڑی بڑی باتیں کرنے والے شیخی باز۔ گھوڑے کی پشت پر تیز دھار تلوار آزما کر تو سمجھ رہا ہے تو بہت طاقتور ہے لیکن نیلان کے گرز کا ایک وار تجھے زمین پر دراز کر دے گا۔ تیرے پاؤں چٹانوں میں گھس جائیں گے۔ شاکوس کی تلوار تیرے جسم کو قیمہ کر دے گی۔ میرے لشکر میں سب اس چوہے آیوز کی طرح کمزور نہیں ہیں۔'' عورت نے خوبصورت دانت وحشیانہ انداز میں پیستے ہوئے کہا۔

''میں تجھے دوستی کی پیش کش کرتا ہوں لیکن اگر تو خون بہائے بغیر میری دوستی قبول نہیں کر سکتی تو انہیں بھیج دے جن پر تو ناز کرتی ہے اور جن کی موت پر بعد میں افسوس کرے۔ تو دیکھے گی کہ وہ میرے ایک وار کی تاب نہ لا سکیں گے اور اس کے بعد بھی اگر تو اپنے لشکریوں کی موت کی خواہاں

ہے تو میں تیرے سامنے ان سب کا خون بہا دوں گا۔ بعد میں تجھے رنج ہو تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر نہ ہوگی۔"

"فیرون۔ شاکوس۔ بابوز آگے آؤ۔ اسے زبان درازی کا مزہ چکھاؤ۔" عورت عقب میں رخ کر کے بولی اور میں نے پیچھے دبے ہوئے چوہے پر سے پاؤں ہٹا لیا۔ پھر اس کی کمر میں پاؤں پھنسا کر اسے پاؤں ہی سے اس کے لشکریوں کی طرف اچھال دیا جو اگر اسے سنبھال نہ لیتے تو کسی چٹان پر گر کر اس کے جسم کی تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتیں۔ اس کے بعد میں ان تمام ہاتھی نما انسانوں کو دیکھنے لگا جو اپنے گھوڑے بڑھاتے ہوئے میری طرف آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں گرز تھا لیکن یہ گرز اگناس کے گرز کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ باقی دو تلواریں لئے ہوئے تھے۔

وہ تینوں خونخوار انداز میں میری طرف لپکے۔ سب سے پہلے گرز کا وار ہوا تھا۔ میں نے اس وار کو ہاتھ پر روکا اور پھر گرز بردار کو گرز سمیت گھوڑے سے اٹھا کر نیچے پٹخ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی کھٹا کھٹ میرے جسم پر تلوار کے دو وار ہوئے لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ البتہ حریف تلوار باز گھوڑوں کو چکر دے کر پھر میری طرف آ رہے تھے۔ جوں ہی وہ میرے قریب پہنچے میں نے دونوں گھوڑوں کی ایک ایک ٹانگ پکڑ لی۔ گھوڑے منہ کے بل نیچے گرے تھے اور سب دیکھ رہے تھے کہ گھوڑوں پر سے گرنے والوں کے بھیجے پاش پاش ہونے میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ البتہ فیرون بہت اچھل کود کر رہا تھا اس لئے میں نے اس کے گرز کو اس کے سینے پر دے مارا۔ گرز اس کی ہڈیوں سے گزرتا ہوا زمین سے ٹکرایا تھا تب میں نے اسے پھینک دیا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

حیرت زدہ عورت گھوڑے سے اتر رہی تھی اور اب وہ آنکھیں پھاڑے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "کیا تو مین پال ہے۔؟"

"یہ کیا ہوتا ہے۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر تو کون ہے۔ بے شک تو ویسا ہی ہے جیسا کہ کہتا ہے۔ تو نے کس آسانی سے ان تینوں کو مار ڈالا جو تمیں پر بھاری تھے۔"

"میں بڑے اطمینان سے تیرے اس لشکر کو قتل کر دوں گا جو ایک فوج کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"چونکہ تو نے وہی کیا جو کہا تھا اس لئے اب میں تجھے آزمانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ بتا تیرا قبیلہ کون سا ہے اور کہاں ہے۔؟" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

"میں بذات خود اپنا قبیلہ ہوں اور میرے قبیلے میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"تب تو مین پال نہیں ہو سکتا۔ لیکن ستاروں نے بتایا تھا کہ وہ صرف مین پال ہوگا جو میرے انتقام کی آگ سرد کرے گا۔"

"کیا تو ستارہ شناس ہے۔؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔ اور مجھ جیسا ستارہ شناس پورے بابل یا نینوا میں نہ ہوگا مگر تو فاتح اعظم مین پال نہیں ہے اس بات پر مجھے دکھ اور حیرت ہے۔"

"اور میں تیرا یہ دکھ نہیں بانٹ سکتا مگر تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے۔؟"

''میں انتقام کی دیوی عشتار ہوں اور میری پیشانی پر اشیری کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولی اور میں اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ انتقام کا کوئی معاملہ معلوم ہوتا تھا لیکن پھر مین پال کون ہے جس کا وہ انتظار کر رہی ہے۔

''میں اشیری کو نہیں جانتا۔'' میں نے کہا۔

''منائی کتا، منائیوں کا بزدل خدا، جو مضبوط دیواروں میں بیٹھ کر خدائی کے جھوٹے دعوے کرتا ہے اور میدان جنگ سے یوں لرزتا ہے جیسے شجر لرزاں، اس نے بھیڑیوں کے غول پالے ہوئے ہیں اور ان پر ناز کرتا ہے۔'' اس نے بدستور بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔ میں اس کے بولنے کے انداز کو دیکھ رہا تھا اور پروفیسر...... کچھ بھی کہو...... کچھ بھی سمجھو...... اس کے بولنے کے انداز میں مجھے بڑی کشش نظر آئی۔ درحقیقت وہ نفرت کی خوبصورت دیوی تھی۔ جب اس کے ہونٹ نفرت سے سکڑتے اور قطار میں جمے ہوئے دانت بھیڑیوں کے دانتوں کی طرح چمکتے اور چہرہ تمتماتا تو وہ ایک انوکھی مخلوق معلوم ہونے لگتی۔

''مین پال کون ہے جس کا تم انتظار کر رہی ہو۔؟''

''فاتح اعظم مین پال۔ جس کے بارے میں ستاروں کی پیش گوئی ہے کہ بابل اور نینوا پر سب سے طویل حکومت کرے گا۔ ہاں میں اس کا انتظار کر رہی ہوں تاکہ اربیلا کے جلتے ہوئے شہر، تیروں سے چھلنی لوگوں کا پورا پورا انتقام لے سکوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا وہ تمہارا دوست ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ ان سب کا دوست ہے جو اس کی طاقت تسلیم کرلیں اور ان سب کا دشمن ہے جو اس سے سرتابی کریں۔ وہ ضرور ادھر سے گزرے گا اور اسی کے انتظار میں، میں ان پہاڑوں میں روپوش ہوں۔''

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''پھر میرے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔؟''

''میں اپنے بارے میں تجھے سب کچھ بتا چکی ہوں۔ تو مجھے اپنے بارے میں بتا۔ تو کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ کیا ارادے رکھتا ہے۔؟'' عشتار نے کہا۔

''اگر تو چاہے تو مجھے اپنے دوستوں میں پائے گی۔ ہر چند کہ تیرے تین جان نثار میرے ہاتھوں مارے گئے ہیں لیکن میں انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا جس کا اظہار میں نے تجھ سے کیا تھا۔''

''گزرے ہوؤں پر غور کرنا میری سرشت نہیں ہے۔ تیری دوستی کی کیا شرائط ہوں گی اور کیا تو مطمئن کر سکے گا مجھے اپنے بارے میں۔؟''

''میری شرائط کچھ بھی نہ ہوں گی، ہاں تو جس طرح اپنا اطمینان پسند کرے۔''

''تب ہمارے ساتھ غاروں میں چل۔ میں وہیں تجھ سے گفتگو کروں گی۔'' اس نے کہا اور اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ پھر اس نے چند لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ''مرنے والوں کی لاشیں گڑھوں میں ڈال دو۔ ان کے ہتھیار سنبھال لو ہمیں ان کی ضرورت ہے اور وہ ان کی لاشوں سے قیمتی ہیں، اور پھر واپس چلے جاؤ۔''

اس کے غلام اس کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اپنے گھوڑے کو تیار کیا۔ اپنا مختصر سامان گھوڑے کی پشت پر لادا۔ اور پھر خود بھی اس پر سوار ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ چٹانی فاصلے طے کرنے لگے۔ ہمارا رخ ان پہاڑوں کی طرف تھا جو میدان کے انتہائی سرے پر نظر آ رہے تھے۔ میرا تھکا ہوا بھوکا گھوڑا اس تیزی سے نوکیلی چٹانوں کا راستہ طے نہیں کر سکتا تھا جس تیزی سے عشتار کا سفید گھوڑا۔ تاہم میں اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اور میرے گھوڑے کی سست رفتاری سے اس کے خدوخال کے تیکھے پن میں کچھ نرمی آ گئی تھی۔ اور ایک غیر محسوس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

''تیری طاقت کی طرح تیرے جسم کا وزن بھی بہت زیادہ ہے۔'' اس نے چلتے چلتے کہا۔

''کیوں۔؟ تجھے کیسے اندازہ ہوا۔؟''

''تیرے گھوڑے کی سست رفتاری ہے۔''

''نہیں۔ یہ بھوکا ہے۔ ان ویران پہاڑیوں میں اسے گھاس نہیں ملی ہے۔ میرا خیال ہے ان پہاڑیوں کی دوسری سمت گھاس کے میدان ہوں گے۔''

''کیا تو ان علاقوں میں اجنبی ہے۔؟''

''ہاں۔''

''تو کہاں سے آیا ہے۔!''

''مصر سے۔'' میں نے جواب دیا اور وہ چونک پڑی۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولی۔

''تو مصری باشندہ ہے۔؟''

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا اور وہ پھر چونک پڑی۔ پھر اس نے غور سے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''اگر تو مصری بھی نہیں ہے تو پھر کون ہے کسی تیسری زمین کا انسان۔؟''

''میرے بارے میں فکرمند نہ ہو۔ میں جو بھی ہوں تیرا دوست ہوں۔''

''تیرے جسم کی سنہری چمک۔ میرے لئے عجیب ہے۔ میں نے پہلے ایسے انسان نہیں دیکھے۔ اور تیرے آتشی بال۔ کیا تیرے جیسے اور بھی انسان روئے زمین پر موجود ہیں۔؟''

''شاید نہیں۔'' میں نے کہا۔

''گویا تو تنہا انسان ہے۔؟'' وہ مسکرا دی۔ اور پروفیسر مسکرانے سے اس کے خدوخال بالکل ہی بدل گئے۔ وہ ایک نئی عورت معلوم ہونے لگی..... ملیح اور دلکش۔''

''ہاں۔ میں تنہا ہوں۔'' میں نے اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تب تیرا باپ کون تھا۔؟''

''وقت۔''میں نے جواب دیا۔

''اور تیری ماں۔؟''

''کائنات۔''میں نے جواب دیا۔اور وہ ہنس پڑی۔''انوکھی ہیں تیری باتیں۔میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ہاں تو عجیب ہے۔اور تیرا یہ سنہرا رنگ بہت بھلا لگتا ہے۔تو طاقتور ہے بے پناہ۔لیکن افسوس کہ تو مین پال نہیں ہے کہ مجھے اس کا شدید انتظار ہے۔''

''تو اشیری کو قتل کرنا چاہتی ہے۔؟''

''کتے کی موت مارنا چاہتی ہوں اسے۔''اچانک اس کے خدوخال پھر بگڑ گئے اور اس کے چہرے پر وہی درندگی نظر آنے لگی۔

''میں اسے ہلاک کرنے میں تیری مدد کرسکتا ہوں۔''میں نے پیشکش کی اور وہ چونک کر میری شکل دیکھنے لگی۔کئی منٹ دیکھتی رہی۔پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

''بیشک،تو بے پناہ طاقتور ہے،لیکن اشیری نے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے۔وہ خود میدان جنگ میں نہیں آتا۔اس کے سالار فوجوں کو لڑاتے ہیں۔چنانچہ اسے قتل کرنے کے لئے ایسے لشکر کی ضرورت ہے جو پہلے اس کے لشکر کو فنا کرے اور جب اشیری بے یارومددگار رہ جائے تو پھر اسے زخمی کتے کی طرح گھیر لیا جائے۔اور اس کے لئے مین پال ہی موزوں ہے۔اس لئے تو اس بارے میں نہ سوچ۔''

''ہوں......''میں نے ایک گہری سانس لی اور سنبھل گیا۔ایک بار پھر میں دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑا رہا تھا۔مجھے کیا ضرورت پڑی تھی۔بس حسب سابق یہاں اپنا کام کروں،اور پھر یہاں سے بھی آگے بڑھ جاؤں۔چنانچہ میں خاموش ہوگیا۔ہم لوگ دوران گفتگو میدان طے کر چکے تھے۔یہاں تک کہ ہم پہاڑوں کے نزدیک پہنچ گئے۔اور پھر ایک تنگ درے سے داخل ہو کہ ہم بلند ترین پہاڑوں کے دامن میں غاروں کے ان دہانوں پر پہنچ گئے جو تقریباً بیس بیس فٹ کے قطر رکھتے تھے۔بیشک یہ غار ایسی جگہ تھے کہ حملہ آوروں سے مکمل طور پر محفوظ رہا جاسکتا تھا۔تنگ درے سے تھوڑے تھوڑے انسان گزر سکتے تھے،اور دوسرا کوئی راستہ ایسا نہ تھا کہ ان غاروں تک رسائی ہوسکے۔چنانچہ درے میں داخل ہونے والے بہ آسانی ہلاک کیے جاسکتے تھے۔

عشتار مجھے لے کر غار میں داخل ہوگئی۔اندر سے گویا پوری پہاڑیاں خالی تھیں۔بے حد بلند اور کشادہ،صاف ستھری،جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں،دیواروں میں چمکدار پتھر آویزاں تھے جو روشنی کے لئے تھے۔گھوڑوں کے لئے اصطبل اور دوسرے شعبے الگ تھے۔غرض یہ غار ہر طرح مکمل تھے۔میں نے عشتار کے ایما پر اپنا گھوڑا ایک شخص کے حوالے کر دیا اور پھر خود اس کے ساتھ اور غار میں داخل ہوگیا،جو اس بڑے غار سے ملحق تھا۔یہاں فرش پر نرم بستر بچھا ہوا تھا۔جگہ جگہ مختلف چیزوں سے آرائش کی گئی تھی۔پتھر کی ایک چوکی کے گرد مجھے بٹھا دیا گیا۔اور پھر عشتار اس جگہ سے چلی گئی۔تھوڑی دیر کے بعد دو آدمی پھلوں کے ظروف اور قہوے کے برتن اٹھائے اندر داخل ہوئے اور میرے سامنے رکھ کر واپس چلے گئے۔

پھر عشتار داخل ہوئی۔اس نے چست لباس اتار کر زنانہ بابلی لباس پہن لیا تھا۔اور اس لباس میں بابل کی حسینہ بہت خوبصورت نظر آرہی تھی۔وہ بیباکی سے میرے سامنے بیٹھ گئی۔اور اس نے مجھے اشارہ کرکے پھل کھانے کی دعوت دی اور میں بغیر کسی تکلف کے شروع ہوگیا۔

بھوکا تھا، خوب پھل کھائے اور قہوہ پیا۔ یہاں تک کہ سیر ہو گیا۔ وہ بھی میرا ساتھ دے رہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں تھے۔ وہ مجھ سے زیادہ متاثر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جب ہم فارغ ہو گئے تو اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تیرا مذہب کیا ہے۔؟''

''دوستی......'' میں نے تڑ سے جواب دیا اور ایک بار پھر وہ مسکرا اٹھی۔

''تو جو کوئی بھی ہے۔ نہایت چرب زبان ہے۔ تو نے اپنے بارے میں کئے گئے سوالات کو اس خوبصورتی سے ٹالا ہے کہ میں ابھی تک تیرے بارے میں کچھ نہیں جان سکی...... خیر...... تیرا نام۔؟''

''میں نے کسی سوال پر تجھے ٹالا نہیں عشتار۔ سب کچھ سچ کہا ہے اور سچ کہنا میری سرشت میں داخل ہے۔ رہا نام کا سوال تو میرا کوئی نام نہیں ہے۔ جس کا دل چاہا مجھے نام سے پکارتا چلا آیا ہے۔ تو بھی جو چاہے نام مجھے دیدے مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''ہاں۔ تو نے بتایا ہے کہ وقت تیرا باپ اور کائنات تیری ماں۔ تب پھران دونوں نے تجھے کوئی نام بھی نہ دیا ہوگا۔ بہر حال تو میرے لئے حیرت انگیز انسان ہے میں تجھے تیری مناسبت سے ہی کوئی نام دوں گی۔ یہ تو بتائے گا کہ تو یہاں کیوں داخل ہوا ہے۔ اگر تو مصر سے آیا ہے۔''

''میں جہاں گرد ہوں۔ دنیا دیکھتا پھر رہا ہوں۔ ہر جگہ کے بارے میں معلومات مہیا کرنا میرا مشغلہ ہے۔ چنانچہ ایک طویل عرصہ مصر میں گزارنے کے بعد میں نے ادھر کا رخ کیا ہے اور تم لوگ اس علاقے میں ملنے والے پہلے انسان ہو۔''

''بہر حال تو جو کچھ بھی ہے۔ میں نے تجھے اپنے دوستوں میں شمار کر لیا لیکن اس وقت میری زندگی کا صرف ایک مقصد ہے۔ اشیری کی موت، دوستیاں نہیں نبھاتی۔ ہاں دوستوں سے درخواست ضرور کرتی ہوں کہ میرے مشن میں میری مدد کریں۔ کیا تو اشیری کے خلاف جنگ میں میری مدد کرے گا۔؟''

''میں تیری مدد کروں گا عشتار...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ اشیر کی موت تیرے ہاتھوں ہوگی۔ اور یہ ایک دوست اور سچے انسان کا وعدہ ہے۔ جب اور جس وقت تو چاہے اسے قتل کر سکتی ہے۔''

''میں صرف مین پال کی منتظر ہوں۔ وہ میرے بھائی کا دوست تھا یقیناً وہ اپنی فتوحات سے واپسی پر ادھر سے گزرے گا۔ اور میرے لوگوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ دور نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تو مجھے اشیری کے بارے میں نہیں بتائے گی۔!''

''وحشی منائی۔ ملک گیری کی ہوس کا شکار۔ شیر کی کچھار میں چھپا ہوا گیدڑ۔ جب اپنی طاقت بے پناہ کر چکا تو اس نے سب سے پہلے اپنے قریب ترین ہمسایہ اریلا پر فوج کشی کی تھی۔ ہم صلح پسند لوگ جنگ و جدل کے لئے تیار نہ تھے۔ میرا بھائی بعل سیدھا سادا انسان تھا اس نے منائیوں کی لشکر کشی کے جواب میں لشکر کشی نہیں کی۔ بلکہ اس سے صلح کی درخواست بھیجدی۔ تب وحشی اشیری نے جو اپنی طاقت کے زعم میں دیوانہ تھا، پیغام بھجوایا کہ بعل اس کے خیمے میں آئے اپنی تلوار اس کے قدموں میں رکھ دے اور اس کا محکوم بن جائے۔ اور میرا صلح جو بھائی اس کے لئے بھی تیار ہو گیا

وہ صرف پانچ جوانوں کو لے کر اشیری کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ لیکن بے ضمیر اشیری کو بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ تو اپنے لشکریوں کی طاقت آزمانا چاہتا تھا۔ اس نے صلح کی یہ شرائط اسی لئے رکھی تھیں کہ کوئی اسے قبول نہ کرے گا۔ جب بھائی وہاں پہنچ گیا تو اسے بہت غصہ آیا۔ اور اس نے میرے بھائی کو قتل کرا کے اس کی لاش اپنے خیمے کے سامنے لٹکا دی۔ اور پھر ان پانچوں جوانوں کی ناکیں کاٹ کو انہیں واپس بھیج دیا کہ اہل اربیلہ کو جوش آئے...... اور یہی ہوا...... اربیلہ کے جانباز اشیری کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اشیری کے خونخوار لشکر کے سامنے ان کی تعداد کچھ نہ تھی تھوڑی دیر میں وہ ہلاک ہو گئے۔ یوں اربیلہ منائیوں کے قبضے میں آ گیا۔

منائی اربیلا میں داخل ہوئے اور انہوں نے تباہی پھیلا دی۔ تب میں بچے کھچے جانبازوں کو لے کر وہاں سے نکل آئی۔ اور میں نے ان پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا۔ ہم نے یہاں چھوٹے چھوٹے قافلے لوٹنا شروع کر دیئے تاکہ اسلحہ جمع کر سکیں۔ اور جب مین پال یہاں آئے تو اس کے ساتھ مل کر اشیری سے جنگ کریں۔''

میں نے اس کی پوری داستان سنی، دلچسپ تھی، تو یہ انتقام کی دیوانی حسینہ تھی۔ بہر حال اس کے ساتھ بھی ظلم ہوا تھا اور اشیری کو اسکے کئے کی سزا ملنی ہی چاہئے تھی۔

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کا چہرہ پھر انتقام کی آگ سے تپنے لگا تھا بہر حال میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکی کی مدد کروں گا اور بابل کی سرزمین میں میرا تعارف بھی تو ضروری تھا۔ چنانچہ پروفیسر...... میں بھی لڑکی کے ساتھی کی حیثیت سے انہیں غاروں میں فروکش ہو گیا۔ حالانکہ وہ میری حیثیت نہیں پہچانتے تھے اگر وہ میری حیثیت پہچان لیتے تو، پھر میرے سامنے کس کا چراغ جلتا۔ لیکن میں خود انہیں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ نہ ہی میں نے اس سے قبل ایسا کیا تھا۔ اور نہ ہی پروفیسر، میں اس کے لئے بے چین تھا کہ فوری طور پر میری حیثیت ظاہر ہو جائے بس بابل کی حسینہ مجھے پسند آئی تھی اور میں اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

لیکن۔ وہ میری طرف مائل نظر نہیں آتی تھی۔ وہ میرے ساتھ عام لشکریوں جیسا سلوک کرتی تھی۔ مجھ سے گفتگو بھی کر لیتی تھی۔ لیکن بس۔ اس کے علاوہ نہ تو میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے کوئی خاص تاثرات پائے۔ نہ ہی اس نے مجھے کوئی اہمیت دی۔ اور وقت گزرتا رہا۔

اور پھر ایک روز مجھے اس پر اپنی شخصیت کو متعارف کرانے کا موقع مل گیا...... سکون کی شام تھی۔ فضا پر سناٹے مسلط تھے۔ پراسرار سناٹے جو دلوں میں دہشت پیدا کرتے ہیں۔ نہ جانے یہ سناٹے کیسے تھے۔ لیکن ان کا راز جلد کھل گیا۔ خوفناک گڑگڑاہٹ ہونے لگی۔ زلزلہ آ گیا تھا۔ شدید زلزلہ۔ چٹانوں کے رخنوں سے مٹی جھڑنے لگی۔ تمام چیزیں جگہ چھوڑنے لگیں۔ ہر شخص خوفزدہ ہو گیا۔ پہلا جھٹکا چند ساعت کا تھا۔ لیکن دوسرا جھٹکا طویل تھا۔ دہشت زدہ لوگ باہر بھاگے۔ لیکن ابھی وہ غار کے دروازے کے باہر بھی نہ نکلے تھے کہ ایک پہاڑ اوپر سے ٹوٹا اور اس سے غار کا بیس فٹ اونچا دروازہ ڈھک گیا۔ باہر نکلنے کی کوشش کرنے والے آخری چیخیں بھی نہیں مار سکے تھے۔ ایسے وقت میں، میں نے عشتار کا چہرہ دیکھا اور مجھے وہ لڑکی بے حد دلچسپ معلوم ہوئی۔ اس کی کیفیت رسیوں سے جکڑے ہوئے چیتے کی مانند تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف نہ تھا۔ جبڑے بھینچے ہوئے تھے جیسے وہ طوفان سے لڑنا چاہتی ہو۔

زلزلہ ختم ہو گیا...... چیخنے والے خاموش ہو گئے۔ ان کے چہرے موت کے خوف سے زرد تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر زلزلہ تیسری بار آ گیا تو پھر ان کی زندگی محال ہے۔ لیکن حواس بحال ہونے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ ان کی زندگی تو اب بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ وہ عظیم چٹان جس نے غار کا دہانہ ڈھک دیا ہے، اسے توڑنا یا ہٹانا کوئی معمولی...... بات نہ تھی۔ جبکہ وہ کچھ اس طرح غار کے منہ پر آ ڈھکی تھی کہ راستہ مسدود ہونے کے ساتھ ہوا کا داخلہ بھی بند ہو گیا تھا۔

غار اگر بے پناہ کشادہ نہ ہوتے تو شاید چند منٹ میں موت کا سبب بن جاتے، لیکن تازہ ہوا کا نہ آنا، چند گھنٹوں کے بعد موت لا سکتا تھا۔ چند منٹ کے بعد ہی اس خوفناک صورت حال کا سب کو احساس ہو گیا۔ عشتار غار کے دہانے پر چٹان کے رخنے تلاش کرنے لگی۔ جہاں سے چٹان کو توڑنے میں آسانی ہو۔

لیکن چٹان غار کے دہانے سے کافی بڑی تھی اس لئے کوئی رخنہ نہ مل سکا اندر ہوا کم ہوتی جا رہی تھی اور سانس بھاری ہونے لگے تھے۔ تب ایسی کوئی کمزور جگہ تلاش کی جانے لگی جہاں سے کھدائی کر کے ہوا اندر لائی جا سکے۔ لیکن ایسی کوئی جگہ بھی نہ دستیاب ہوئی۔ تو عشتار سخت پریشان ہو گئی۔ پھر ایک اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر اس نے پریشان حالوں سے کہا۔

"ہماری زندگی کا ایک مشن تھا جسے پورا کرنے کے لئے ہم نے زندگی کی بازی لگا دی تھی۔ اگر دیوتاؤں کو اشیری کی شکست منظور نہیں ہے تو ہماری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ہم موت کے آرزو مند تھے۔ کیونکہ ہم بے وطن اور بے گھر ہیں۔ لیکن یہ موت اگر اشیری کے لشکر کو تباہ کرتے وقت آتی تو کامیاب موت تھی۔ بہر صورت۔ زندگی کے لئے موت سے جنگ کرنا ضروری ہے تاکہ مرنے کے بعد ہم کاہلوں میں شمار ہو کر دیوتاؤں کے حضور نہ شرمائیں۔ اس لئے اپنے وزنی ہتھیار سنبھالو اور چٹان توڑنے کی کوشش کرو۔

گہری گہری سانسیں لینے والے وزنی ہتھیار لے کر چٹان پر ٹوٹ پڑے لیکن اسے چٹان کہنا اس کی توہین تھی۔ وہ تو پہاڑ تھا جو نیچے آ گرا تھا۔ ان سب کی مشترکہ کوششیں اسے جنبش بھی نہ دے سکیں۔ شاید ان کے پھیپھڑوں کو ہوا ملتی تو وہ زیادہ دیر تک کام کرتے رہتے۔ لیکن ایک کے بعد ایک زمین پر گرتا رہا۔ عشتار بھی محنت کرنے والوں میں شامل تھی۔ اور اس کی حالت بھی خراب ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن صرف میں تھا جو اطمینان سے ایک پتھر پر بیٹھا ان کی کوششیں دیکھ رہا تھا۔

تب عشتار نے مجھے دیکھا اور مایوسی سے گردن لٹکائے ہوئے میری طرف بڑھ آئی۔ "تم نے اس جدوجہد میں حصہ نہیں لیا۔ شاید تم جانتے ہو کہ یہ کوششیں صرف دل بہلانے کے لئے ہیں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔ "مجھے افسوس ہے اجنبی کہ اشیری کو قتل کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔"

"لیکن میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اشیری کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل کرو گی۔ شاید اسے تم نے اہمیت نہ دی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں۔ میں یقین رکھتی تھی کہ اگر حالات سازگار رہے تو تم اسے زیر کرنے میں میری پوری مدد کرو گے۔ کیونکہ تم بے پناہ بہادر ہو۔" عشتار نے میرا دل رکھنے کے لئے کہا۔

"میں ناسازگار حالات ہی میں کام آنے والا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ میری شکل دیکھنے لگی۔ پھر بدستور مجھے گھورتے

ہوئے بولی۔ ''کیا تمہارے ذہن میں کوئی تجویز ہے۔؟''

''جس جگہ تمہاری تدبیریں ناکام ہو جائیں وہاں مجھ سے مدد مانگ لینا۔'' میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پہاڑ سے زور آزمائی آج تک نہیں کی تھی۔ پروفیسر...... لیکن ہمت اور یقین ضرور رکھتا تھا کہ کچھ نہ کچھ کر سکوں گا۔ عشتار احمقانہ انداز میں میری شکل دیکھنے لگی۔ وہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں۔ چٹان سے زور آزمائی کرنے والے تھک کر بیٹھ چکے تھے۔ ان کے گہرے گہرے سانس غار کی محبوس فضا میں گونج رہے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے لاتعداد اژدہے غار میں بند ہوں۔ خود عشتار کے بھی چہرے سے پسینہ جھلک رہا تھا اور اس کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن صدیوں تک برف کی قبر میں سونے والا مسرور و مطمئن تھا۔ میں نے ہاتھوں سے پیٹ پیٹ کر چٹان کے کمزور حصے تلاش کئے اور پھر میں نے ایک سپاٹ اور چکنے حصے سے اپنی پشت لگا دی اور زمین میں پاؤں دھنسانے کے لئے جگہ تلاش کرنے لگا۔ جب پاؤں نے مناسب جگہ تلاش کر لی تو میں نے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھے اور پشت سے چٹان پر قوت آزمائی کرنے لگا۔ ہزار ہا سال کی مجمع قوت صرف کر کے میں چٹان ہٹانے کا خواہشمند تھا عشتار اور دوسرے لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔

ہاں ان کی سمجھ میں اس وقت کچھ آیا۔ جب ایک گڑگڑاہٹ ہوئی، اور روشنی کی شعائیں اندر رینگ آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اندر داخل ہونے کے لئے بے چین ہوا جلدی اندر گھس آئی۔ چٹان کا کمزور حصہ غار کی دیوار چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ہوا محسوس ہوتے ہی نیم مردہ چہروں پر زندگی کی رمق نظر آنے لگی۔ عشتار کے حلق سے کسی بھوکے عقاب کی سی چیخ نکلی۔ اور اس نے عقاب ہی کی طرح چٹان کے رخنے کی طرف غوطہ لگایا۔ اور میرے قریب پہنچ گئی۔ لیکن ابھی اتنی جگہ نہیں تھی کہ انسان باہر نکل سکے میں نے پوزیشن بدل دی۔ اور ایک بار پھر چٹان کے اسی حصے سے پشت لگا دی۔ اس سے قبل ممکن ہے عشتار نے میری اس کوشش کو حماقت یا دیوانگی سمجھا ہو۔ لیکن...... اب غیر اختیاری طور پر اس کا نازک سا ہاتھ میرے سینے پر آ گیا تھا۔ گویا وہ میری حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔

میں نے پھر گھٹنوں پر ہاتھ رکھے۔ غار کے تمام لوگ تازہ ہوا کے ٹکڑوں میں کھینچنے کے لئے میرے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ فی الحال وہ سوچنے سمجھنے کی قوت کھو بیٹھے تھے۔ اور پہلے صرف زندگی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چٹان نے چونکہ اپنی بنائی ہوئی جگہ چھوڑی تھی اس لئے اب وہ کمزور پڑ گئی تھی۔ اس بار وہ مسلسل پیچھے ہٹتی چلی گئی گو اس میں کافی قوت صرف کرنا پڑی تھی۔ اور پتھریلی زمین میں، میرے پیروں کے گڑھے تقریباً چار چار پانچ پانچ انچ گہرے ہو گئے تھے۔ لیکن بہرحال چٹان کسی دروازے کی طرح کھل گئی اور اب اس میں اتنی جگہ بن گئی کہ تین چار آدمی بیک وقت نکل سکیں۔

میں نے عشتار کا ہاتھ پکڑا اور رخنے سے باہر نکل آیا۔ پھر میں جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا...... ہلا مار کر نکلنے والے چیختے چلاتے باہر آ رہے تھے۔ انہیں ایک لمحے کی تاب نہیں تھی۔

لیکن عشتار...... وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ عجیب نگاہوں سے پھر اس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑے اور سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''کیا میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی کی ہے۔ کیا درحقیقت تم دیوتا ہو۔؟''

''نہیں عشتار...... دوسروں کی طرح مت سوچو...... میں سوچنے والوں کے اس انداز سے تنگ آ گیا ہوں۔ کچھ نیا پن چاہتا ہوں۔ مجھے

وہی سمجھوں جواب تک سمجھتی رہی ہو۔ میں دیوتا نہیں ہوں۔"

"نہیں......تم......انسان بھی نہیں ہو......انسان تو وہ ہیں جو اپنی اجتماعی قوت صرف کرنے کے بعد اسے جنبش بھی نہ دے سکے تھے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اشیری، اپنے بھائی کے قاتل کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل کرو گی۔ اور تم یقین کر لو اس واقعے سے جو بھی پیش آیا ہے۔ کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہی ہوگا۔"

"مجھے یقین ہے......" عشتار نے سر جھکا کر کہا......اور پھر بولی......" لیکن اس کے باوجود......میں تمہیں انسان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"چلو......یہ جھگڑا بعد میں طے کر لیں گے۔ پہلے اپنے ساتھیوں کی خبر لو اپنا سامان غار سے نکال لو۔ ممکن ہے زلزلے کے بعد یہ غار مخدوش ہو چکے ہوں اور کسی وقت بھی انسانوں کا مدفن بن جائیں۔ ہم ان پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ تاوقتیکہ ان کی خوب دیکھ بھال نہ کر لی جائے۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" عشتار نے بھاری چٹان کو گھورتے ہوئے کہا۔" یہ لوگ ٹھنڈی اور تازہ ہوا سے اپنے پھیپھڑے درست کر لیں تو میں انہیں دوسرا حکم دوں۔"

غار کا ایک ایک فرد باہر نکل آیا تھا۔ اور وہ تھکے ہوئے بیل کی مانند زمین پر اوندھے پڑے، ہاتھ ٹیکے، گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ عشتار اب بھی چور نگاہوں سے میری طرف دیکھ لیتی تھی۔ میری سانسیں بھی اعتدال پر تھیں اور اس قدر قوت آزمائی کے باوجود میری حالت میں کوئی تغیر نہیں تھا۔ اس بات پر اسے شدید حیرت ہوئی۔

رفتہ رفتہ لوگ اعتدال پر آ گئے۔ چٹان کے نیچے دبے ہوئے لوگوں کا خون رخنوں سے ہو کر باہر آ رہا تھا۔ لیکن ان لوگوں کی لاشوں کو اب نکالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ مرنے والے مر گئے۔ اب ان کی فکر بیکار تھی۔ چنانچہ ان کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں دی۔ اور پھر عشتار نے ان لوگوں کو سامان باہر لانے کا حکم دیا۔ تمام لوگ مصروف ہو گئے اور سامان باہر آنے لگا۔ میں بھی عشتار سے اجازت لے کر اندر آ گیا تھا۔ گھوڑے وغیرہ بھی جمع کر لئے گئے تھے۔ میں نے عشتار کے ساتھیوں کا اندازہ کیا۔ تھوڑے ہی لوگ کام آئے تھے بہرحال اب وہ عشتار کے دوسرے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

"اس زلزلے نے ہمارا کھیل بگاڑ دیا ان علاقوں میں ان غاروں سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ اب ہمیں نئے ٹھکانے تلاش کرنے پڑیں گے۔"

"کیوں نہ ہمارا ٹھکانہ منائیوں کا شہر ہو۔؟" میں نے کہا۔ اور عشتار چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے حیرت سے کہا۔

"مین پال کے بغیر۔؟" یہ کیسے ممکن ہے۔؟"

اور میں خاموش ہو گیا......بات ٹھیک ہی تھی......میں اشیری کے لشکر میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو قتل کر سکتا تھا۔ لیکن وہ بھی ہاتھ پاؤں رکھتے ہوں گے وہ عشتار کے ساتھیوں کو قتل کریں گے۔ اور ممکن ہے عشتار کے ساتھی ان کے ایک بھی حملے کی تاب نہ لا سکیں۔ اس لئے پوری ذمہ داری میں کیوں قبول کروں۔"

سامان گھوڑوں پر بار کر دیا گیا اور ہم نوکیلی چٹانوں کے دوسرے طرف نئے راستے پر چل پڑے۔ عشتار خوفزدہ تو نہیں البتہ پریشان ضرور تھی۔ وہ مجھ سے بہت متاثر تھی۔ اور اس کا گھوڑا میرے گھوڑے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ راستے میں وہ کہنے لگی۔" ہمیں کوئی مناسب جگہ ضرور

تلاش کرنی ہوگی۔ میرا لشکر ابھی کسی بڑے لشکر سے جنگ کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ زلزلے نے ہمیں توقع سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔"

"کیا ان علاقوں میں اشیری کے لوگ گشت کرتے ہیں۔؟" میں نے پوچھا۔

"بات صرف اشیری کی نہیں ہے دوسرے لوگوں کا سامنا بھی ہو سکتا ہے بابل کا شیرازہ منتشر ہے۔ ہر شخص ہی سلطنت وسیع کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے اس نے طے کر رکھا ہے کہ کمزور قوتوں کو مجتمع نہ ہونے دے۔ اس لئے کوئی بھی لشکر کسی بھی وقت ادھر گزرتے ہوئے حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ بہت آسان بات ہوگی کہ تھوڑے سے لوگوں کو قتل کر دے۔"

"فکر مت کرو۔ یہ آسان بات نہ ہوگی۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے بارے میں تم سے اس وقت تک نہ پوچھوں گی، جب تک تم خود نہ بتاؤ گے۔" عشتار نے کہا۔

"میں نے کوئی خاص بات تم سے نہیں چھپائی ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہاری بے پناہ طاقت کا کیا راز ہے۔؟"

"راز..... راز شاید کچھ نہیں ہے۔ میں تمہاری زمین پر اجنبی ہوں۔ لیکن میں یہاں قیام کروں گا اور میرا خیال ہے تم مجھ سے بخوبی واقف ہو جاؤ گے۔"

"تمہارے چمکدار جسم۔ اور لافانی حسن کا کیا راز ہے.....؟" عشتار نے دوبارہ پوچھا۔

"تمہارا حسنِ نظر..... اور کچھ نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ اور وہ گہری سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے۔؟"

"اس وقت تو تم ہو..... میرا خیال ہے تم ایک حسین اور پرکشش عورت ہو۔" میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی۔

"میں....." اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں اپنے بھائی کی موت کے بعد خود کو عورت سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ اب تو میں صرف انتقام ہوں۔ اگر انتقام لینے میں کامیاب ہوگئی تو شاید پھر کبھی عورت بن جاؤں اور اگر ماری گئی تو مجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔"

"میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ اشیری تمہارے ہاتھوں مارے جائے گا۔"

"اگر ایسا ہو سکا تو..... تو..... اگر ایسا ہو سکا تو....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر اس نے عجیب نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور اداس لہجے میں بولی..... "لیکن تمہیں تو میرے اوپر بھروسہ نہیں ہے۔"

"کیوں.....؟ یہ اندازہ کیونکر قائم کیا تم نے۔؟"

"اس لئے کہ..... میں ابھی تک تمہارے نام تمہاری حیثیت سے ہی ناواقف ہوں۔"

"میرا نام، میری حیثیت، اس کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں اور مزید کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں تم لوگوں سے مختلف ہوں۔ میں وہ

قوتیں رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ لوگ مجھے بہت سے نام دیتے رہے ہیں۔ پر میں نے ان کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ میں خود اپنا نام کا تعین نہیں کر سکا۔ اور نہ آئندہ کر سکتا ہوں۔ ہاں میں عام حالات میں ایک عام انسان ہوں، میری خصوصیات، میری ضروریات انسانوں جیسی ہی ہیں۔''

''بہر حال۔ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گی۔'' اس نے کہا اور خاموش ہوگئی۔

لوہا نرم تھا، پگھل ہی جائے گا۔ پہلے اس کا کام ہو جائے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور خاموشی سے اس کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ اس نے ایک بلند پہاڑ منتخب کیا تھا جس کے بارے میں راستے میں اس نے کہا۔

''جب تک ہمیں غار نہیں ملتے قیام کے لئے کوئی بلند مقام مناسب ہوگا۔ کیونکہ وہاں سے دشمن پر نگاہ رکھی جا سکتی ہے۔'' میں نے اس کے خیال کی تائید کر دی تھی۔ سورج کے غروب ہونے تک ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ برف سے محفوظ پہاڑ، نہایت مناسب قیام گاہ تھا۔ وہاں گھوڑوں کے لئے سبز گھاس بھی موجود تھی۔ اور دوسری چوٹی سے گزرتا ہوا چشمہ بھی جو ایک آبشار کی شکل میں دوسری طرف وادی میں گرتا تھا۔ مجھے یہ مقام بہت پسند آیا۔

گھوڑے کھول دیئے گئے۔ سامان اتار کر سلیقے سے رکھا گیا۔ اور پھر لوگ مختلف تیاریوں میں مشغول ہوگئے۔ پورا دن بغیر کھائے پیئے گزر گیا تھا۔ چنانچہ وہ سبز گھاس پر نظر آنے والے ہر جانور کو شکار کرنے لگے۔ اور پھر خوراک تیار ہوگئی۔ میرے لئے بھی چند پرندے آگ پر سینکے ہوئے آئے اور میں نے انہیں کھا لیا۔

اور پھر رات میں نے ایک ہموار چٹان پر گزاری۔ عشتار نے بھی اپنے لئے کوئی جگہ منتخب کر لی تھی۔ دوسری صبح ہی اس سے ملاقات ہوسکی۔ وہ اسی چست لباس میں ملبوس تھی اور کافی چاق و چوبند نظر آ رہی تھی۔ رات کے بچے ہوئے شکار کا گوشت اور کسی جنگلی بوٹی کا جوش کیا ہوا عرق پیا گیا۔ جس نے تازہ دم کر دیا۔ اور پھر عشتار کہنے لگی۔

''سنہرے اجنبی۔ میں نے طے کیا ہے کہ لوگوں کا پورا گروہ لے کر غاروں کی تلاش میں جانے کے بجائے صرف میں اور تم چلیں۔ اور پہاڑ کے دامن میں ایسے غار تلاش کریں جو ہمارے لئے مسکن بن سکیں۔''

''میں تیار ہوں.....'' میں نے کہا۔ چنانچہ عشتار نے اپنا اور میں نے اپنا گھوڑا سنبھالا اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے گھوڑے پہاڑ کے ڈھلوانوں میں دوڑنے لگے۔

عشتار بہترین سوار تھی۔ ہم ایسے ڈھلوانوں سے اتر رہے تھے دوسرے لوگ جس کے تصور سے ہی خوفزدہ ہو جاتے لیکن میں نے ایک بار بھی عشتار کو گھوڑے کی پشت سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک ہم وادی میں پہنچ گئے۔ آبشار سے گرنے والا پانی ایک ننھی سی بل کھاتی ندی بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن ہماری منزل یہ نہیں تھی۔ ہمیں تو پہاڑوں کے دامن میں دور تک گھوڑے دوڑانے تھے۔ تاکہ غاروں کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ ہم سست رفتاری سے چل پڑے۔

غاروں کے چھوٹے چھوٹے دہانے نظر آتے رہے۔ لیکن یہ چھوٹے غار ہمارے لئے موزوں نہیں تھے۔ ہمیں بڑے غاروں کی تلاش

تھی۔ پہاڑ کے ساتھ ساتھ ہم کافی دور تک نکل آئے۔ سورج اب پوری طرح بلند ہو گیا تھا۔ لیکن کوئی ایسا غار نہ مل سکا جس کی ہمیں تلاش تھی۔ تب عشتار نے ایک جگہ گھوڑا روک دیا۔

''ہم چھوٹے غاروں کو نظر انداز کرتے آئے ہیں۔ ممکن ہے ان چھوٹے دہانوں کے دوسری سمت کشادہ غار ہوں۔ اگر ایسا ہے تو ان دہانوں کو کشادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''ہاں۔ ہم سب طرف دیکھ لیں۔ بائیں سمت دیکھو۔ ایک دہانہ نظر آ رہا ہے۔'' میں نے ایک طرف اشارہ کیا اور عشتار گھوڑے سے نیچے آ گئی۔ میں نے بھی گھوڑے کی پشت خالی کر دی تھی۔ اور پھر ہم دونوں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور غار کی طرف بڑھے۔ غار اندر سے تاریک نظر آ رہا تھا۔ لیکن عشتار مجھ سے چند قدم آگے تیزی سے اس طرف بڑھ رہی تھی۔ اور پھر مجھ سے پہلے ہی وہ غار میں داخل ہو گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے غار میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک عشتار اچھل کر باہر آ گری۔ اس کی ہلکی سی کراہ سنائی دی تھی۔ میں چونک پڑا۔

''عشتار نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے قبل کہ میں اسے سنبھالنے کے لئے آگے بڑھتا، غار کے دہانے سے ایک کریہہ شکل نے باہر جھانکا۔ یہ ایک گول چٹان سی تھی جس میں آگے کی سمت ایک لمبی نوک ابھری ہوئی تھی۔ نوک کے دونوں طرف دو آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

پھر وہ چٹان باہر نکل آئی۔ ایک انتہائی طویل القامت گینڈا تھا جس کی ناک کے نتھنوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں اور ان سے شیطنت جھلکتی تھی۔ اس نے اپنا ستون نما پاؤں زمین پر مارا اور پھر گردن جھکا کر نیچے گری ہوئی عشتار کی طرف بڑھا۔

عشتار کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ نہ جانے اسے کہاں چوٹ آئی تھی۔ وہ کھڑی نہیں ہو پا رہی تھی اور اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ میں نے زوردار آواز منہ سے نکال کر گینڈے کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور پھر چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ غصے سے اس کے نتھنوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ پھر اس نے دونوں پاؤں زمین پر جمائے اور پورے جسم کی قوت صرف کر کے میری طرف لپکا۔ اس خوفناک عفریت سے ٹکرانے کا تصور بھی لرزہ خیز تھا۔ لیکن...... اس کا مقابل کوئی عام انسان نہ تھا۔

گینڈا میرے قریب آیا۔ اس نے اپنا لمبا اور بھدا سینگ میرے پیٹ میں مارنا چاہا۔ لیکن کیا ہی لطف آیا اس سے جنگ میں پروفیسر......

میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سینگ پکڑ لیا۔ اس نے اپنی موٹی گردن پیچھے کھینچ کر اپنا سینگ میری گرفت سے چھڑانا چاہا۔ اور بہت ناز تھا اسے اپنی قوت پر لیکن وہ مجھے جنبش بھی نہ دے سکا اور اب میری باری تھی۔ میں نے سینگ پر قوت صرف کی اور اسے موڑنے لگا۔ گینڈے نے پوری قوت صرف کر دی۔ اور پھر اس کا جسم ایک دھماکے سے چٹان پر گرا۔ لیکن میں اسے چھوڑنے والا کہاں تھا۔ میں تو دشمن سے سب سے پہلے اس کا ہتھیار چھیننا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے جسم کی قوت مجتمع کی اور ایک بار دانت بھینچ کر زور لگایا گینڈے کا پورا جسم کھنچا چلا آیا۔ لیکن اب میں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ اور پھر گوشت کا بہت بڑا تودہ سینگ کے ساتھ اکھڑ آیا۔ اور گینڈے کے چہرے سے خون اُبل پڑا۔ اس کا لمبا سینگ جڑ سے اکھڑ کر میرے ہاتھوں میں آ گیا تھا۔ میں نے اس وزنی شے کو دور پھینک دیا۔ گینڈے نے وزن ہلکا ہو جانے پر اٹھنے کی کوشش کی۔ کھڑا ہوا۔ پھر گر پڑا۔ اب وہ پاؤں رگڑ رگڑ کر دم توڑ رہا تھا۔

تب میں عشتار کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ کوشش کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے کمر کے پاس سے خون بہہ رہا تھا۔ میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے اسے بازوؤں میں سنبھال لیا۔

''کیا تمہیں زیادہ چوٹ آئی ہے عشتار۔؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''اوہ......لاؤ...... میں تمہارا زخم دیکھوں۔'' میں نے کہا۔ اور عشتار نے رخ بدل لیا۔ تب میں نے اس کے چست لباس کی نچلی ڈوریاں کھولیں اور اسے زخم سے نیچے کھسکا لیا۔ اس کی سفید کھال پر سرخ خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اسے ایک پتھر پر لٹا دیا اور ایک طرف دوڑ گیا۔ یہاں چوڑے پتوں والے پودے نظر آ رہے تھے۔

میں نے پودے سے چند پتے توڑے اور اس کے پاس واپس آ گیا۔ پھر اس نے اپنے لباس سے کپڑا پھاڑا۔ اس کا خون صاف کیا اور پتے زخم پر رکھ کر کپڑا باندھ لیا۔ اس طرح اس کا خون رک گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی عشتار کا لباس درست کر کے اس کی ڈوریاں باندھیں۔ اور وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''حملہ اچانک تھا...اور غار تاریک......اس کے ساتھ ہی اس کا سیاہ جسم......جو تاریکی میں مدغم تھا......ورنہ میں اس طرح چوٹ نہ کھاتی''

''میں نے اس سے تمہارا انتقام لے لیا ہے۔''

اور پروفیسر......میرا کام بن گیا......ان نگاہوں میں عورت کا اعتراف تھا......بالآخر میں نے اس وحشی ہرنی کو شکست دے دی تھی...... لیکن......دوسرے لمحے کسی خیال کے تحت وہ سنبھل گئی۔!

''ہم آج مہم ملتوی کریں۔ کل تک میں اس زخم کی تکلیف پر قابو پالوں گی۔'' اس نے کہا اور کھڑی ہو گئی۔ لیکن اس کے قدموں میں لرزش تھی۔

میں نے خاموشی سے اس کے گھوڑے کو سنبھالا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور ہم سست روی سے پلٹ پڑے۔ لیکن...... چڑھائی پر چڑھتے وقت عشتار کچھ نڈھال سی نظر آنے لگی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر تھوڑی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی تو گھوڑے سے گر پڑے گی...... چنانچہ میں نے اپنا گھوڑا روک لیا۔

''اگر تم دقت محسوس کر رہی ہو......تو میں تمہیں سہارا دے سکتا ہوں۔'' میں نے کہا اور جواب میں اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں سے میں نے اس کا جواب حاصل کر لیا۔ دوسرے لمحے میں اپنا گھوڑا اس کے گھوڑے کے برابر لے گیا۔ اور اسے اطمینان سے گھوڑے کی لگام اپنے گھوڑے میں پھنسا لی۔ ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ تب میرا گھوڑا بلندیاں طے کرنے لگا۔

اس کے پورے بدن کا بوجھ میرے سینے پر تھا۔ لیکن میں اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بہرحال سست۔ لیکن بے حد پر لطف سفر طے کرنے کے بعد ہم اوپر پہنچ گئے۔ اور عشتار کے غلام دوڑ پڑے۔ آرام سے لیٹنے کے بعد عشتار نے میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کے چہرے کی سختی بالکل غائب ہو گئی تھی اور اب وہ نرم نظر آ رہی تھی۔

دوسرا دن اور پھر تیسرا دن بھی اسی پہاڑ پر گزر گیا۔ شکار بکثرت تھا۔ پانی بھی موجود تھا۔ کوئی اضطراب نہیں تھا۔ عشتار کا زخم پوری طرح

منزل تو نہیں ہوا تھا لیکن وہ اچھی طرح اٹھ کر چلنے پھرنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ چوتھا روز بھی گزر گیا۔ پانچویں دن جب سورج بلندی پر پہنچ چکا تھا تو میدانوں پر نگاہ رکھنے والوں نے اچانک چیخنا شروع کر دیا۔

عشنار جو ایک پتھر پر خاموش بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی چونک پڑی اور پھر وہ دوڑتی ہوئی چیخنے والوں کے قریب پہنچ گئی لیکن ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ ہتھیاروں میں غرق سپاہیوں کے ایک عظیم لشکر کو وہ بھی دیکھ سکتی تھی میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔

تب میں نے بھی اس لشکر کو دیکھا۔ بے شک مصریوں کے مقابلے میں یہ لشکر زیادہ مضبوط اور عمدہ سامان حرب سے آراستہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جوان بھی تندرست و توانا تھے اور گھوڑے بھی خوب تھے۔ لشکر صفیں بنائے راستے طے کر رہا تھا۔

''کاش میں اس کے سردار کو یہاں سے دیکھ سکتی۔؟''

''کیوں۔تم خطرہ محسوس کر رہی ہو۔؟''

''اگر وہ دشمن ہیں تو یقیناً ہم خطرے میں ہیں کیونکہ ان کی تعداد تم دیکھ رہے ہو اور اگر...... وہ مین پال ہے تو...... مگر میں اسے قریب سے کیسے دیکھوں۔؟''

''یہ کام تم میرے سپرد کر دو۔'' میں نے کہا۔

''تم۔'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر وہ گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ہاں۔تم وہ سب کچھ کرنے والوں میں سے ہو جو دوسرے نہیں کر سکتے۔ لیکن تم کیا کرو گے۔؟''

''میں ان کے پاس جا کر ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ اگر وہ مین پال ہے تو میں اسے تمہارے بارے میں اطلاع دے دوں گا اور اگر تمہارا کوئی دشمن ہے تو اسے دھوکہ دے کر آگے بڑھ جاؤں گا اور پھر ایک طویل فاصلہ طے کر کے واپس آ جاؤں گا۔''

عشنار میری طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔'' ٹھیک ہے۔ تاہم میں اپنے لوگوں کو یہاں رکھوں گی تاکہ اگر مقابلہ کرنا پڑے تو ہم گیدڑ کی موت نہ مارے جائیں۔''

تو اس نے مجھ پر بھرپور بھروسہ کر لیا پروفیسر...... اور میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کی عقبی سمت سے اترنے لگا تاکہ وہ لوگ اس پہاڑ کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔ میرے گھوڑے نے انتہائی برق رفتاری سے دشوار گزار ڈھلان طے کئے اور میں ایک لمبا چکر کاٹ کر ان پہاڑوں کی بالکل مخالف سمت سے لشکر کے سامنے والے حصے کی طرف بڑھا۔

بالآخر لشکریوں نے مجھے دیکھ لیا۔ آگے چلنے والوں نے ہاتھ اٹھائے اور منظم لشکر رک گیا۔ پھر تین گھوڑے آگے بڑھے جن میں درمیان کا گھوڑا سفید اور زیادہ قد آور تھا۔ باقی اور گھوڑے سیاہ تھے۔ سفید گھوڑے والا بے حد پر رعب انسان تھا۔ وہ میرے نزدیک آنے کا انتظار کرنے لگے اور جب میں ان کے مقابل پہنچا تو بہت سی تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ سفید گھوڑے والے نے ہاتھ بلند کر کے غصیلے جوانوں کو روک دیا تھا اور اب میرا فاصلہ ان سے چند گز سے زیادہ نہ رہ گیا تھا تب ایک سیاہ گھوڑے والے نے بلند آواز سے کہا۔

''گھوڑے سے اتر اے بدبخت اور جھک جا عظیم طاقت والے مین پال کے سامنے جو موت کا دیوتا ہے اور جس کے قدموں سے آندھیاں جنم لیتی ہیں تو اس کی قوت کا اعتراف کر.....اور زندگی پا ورنہ ذلیل موت کے لئے تیار ہو جا۔''

''اونچی بات نہ کر او بے وقوف۔ اور اس لئے میں نے تجھے اس بکواس پر معاف کیا کہ تو مجھ سے واقف نہیں ہے۔ اگر میں پیغامبر نہ ہوتا کسی کا تو تیری زبان کاٹ کر تیرے ہاتھ پر رکھ دیتا۔'' میں نے کہا۔ لیکن درمیان کے شخص کا ہاتھ اٹھا۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ میرے جواب پر میرا سر قلم کر دیا جائے گا۔

پھر سفید گھوڑا میرے مقابل پہنچ گیا اور خونخوار شکل والے نے سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا تو اشمیری کا قاصد ہے۔؟''

''نہیں۔ میں اشمیری کے دشمنوں میں شمار ہوتا ہوں۔''

''دشمنوں میں۔ تب تو ہمارا دوست ہوا۔''

''ہاں۔ بشرطیکہ تیرے بے وقوف مصاحب اپنی زبان بند رکھیں یا پھران سب کو اجتماعی شکل میں بھیج اور انتظار کر کہ پہلے میں ان کی زبانیں بند کر دوں اس کے بعد تجھ سے گفتگو کروں۔''

''تیری بے باکی ہمیں پسند آئی کہ تو مین پال کے نام سے واقف ہونے کے بعد بھی اپنے تیور قائم رکھے ہوئے ہے تاہم شاید تجھے اس کے بارے میں مکمل معلومات نہیں۔ اس لئے تو قابل معافی ہے اور اب جلدی بتا کہ تو کس کا قاصد ہے اور تو نے تنہا ہمارے سامنے آنے کی جرأت کیونکر کی؟''

''جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں تجھ سے اور تیرے لشکر سے مرعوب نہیں ہوں۔ اگر تو مجھے تنہا ان کے درمیان چھوڑ دے تو سورج چھپنے تک ان میں سے آدھوں کو پائے لیکن...... میں قاصد ہوں اور میرا کام صرف پیغام دینا ہے۔''

''خوب اے مغرور انسان۔ لیکن میں نہیں جانتا تو کس کا قاصد ہے۔''

''تیرے دوست بعل کی بہن عشتار کا قاصد۔'' میں نے جواب دیا اور مین پال چونک پڑا۔ اس نے اپنا گھوڑا چند قدم اور آگے بڑھایا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔

''آہ.....تو اے قاصد جلدی بتا۔ کیا بعل کی شکست اور اس کی موت کا افسانہ درست ہے۔؟''

"بعل کی موت اور اس کی شکست ایک حقیقت تھی۔ اربیلا کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہے اور عشتار مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ پہاڑوں میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ وہ تیری منتظر تھی اور اسے یقین تھا کہ تو اپنے دوست کی موت کی کہانی سن کر ضرور ادھر کا رخ کرے گا۔ تو وہ دن رات تیری راہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھی لیکن اس کے ساتھیوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ جب اس نے تیرا لشکر عظیم دیکھا تو دہشت سے چٹانوں کی آڑ میں چلی گئی کہ مبادا راشسیری کے لشکر نہ ہوں جو راہ کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ صرف میں تھا جو تیرے سامنے آنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ سو میں چلا آیا۔"

"آہ۔ بعل میرے دوست۔ تیری موت کی کہانی سن کر میں اپنا جلال بھول چکا ہوں۔ میں نے تیری لاف گزاف بھی نظر انداز کر دی۔ یعنی کہ مجھے اپنے دوست کی موت کا صدمہ تھا۔ ہاں وہ نیک تھا اور اس کی تعلیمات مجھے متاثر کرتی تھیں۔ کہاں ہے عشتار۔ اسے میرے سامنے لا اور اس سے کہہ کہ وہ خوف نہ کرے۔ مین پال انتقام لینا جانتا ہے اور وہ دیکھے گی کہ اس نے بعل کے لہو کی ایک ایک بوند کا حساب لیا ہے۔ جا اے عشتار کے قاصد۔ اس سے کہہ کہ مین پال اس کی مدد کو آ گیا ہے اور وہ مہربان ہے۔ اپنے دوست کی بہن پر کہ اس نے اس کے چرب زبان قاصد کو گستاخی کی سزا نہیں دی ہے۔ واپس جا قاصد اور اسے ہمارے سامنے لے آ۔"

طاقت کے نشے میں ڈوبے ہوئے بے وقوف کی بکواس تھی پروفیسر۔ ورنہ میرا ایک تھپڑ اسے زندگی کی آخری سانس لینے پر مجبور کر دیتا لیکن میں طیش میں آنے والا نوجوان نہ تھا بلکہ صدیوں کا تجربہ کار تھا۔ سو میں نے دل میں سوچا کہ اے بے وقوف۔ کچھ عرصہ بعد تو خود میری بڑائی کا اعتراف کرے گا۔ جلدی کیا ہے۔ تجھے اس احمقانہ گفتگو کی فوری سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ عشتار کی مہم ناکام ہو جائے اور میں نہیں چاہتا کہ میری پسندیدہ لڑکی، میرے خلاف بدگمانی کا شکار ہو۔"

چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے اپنے گھوڑے کا رخ موڑا اور واپس چل پڑا البتہ میں نے اپنے کانوں میں چند بڑبڑاہٹیں سنی تھیں جو اس قسم کی تھیں۔

"بڑا ہی گستاخ ہے شخص۔"

"نوسکو کی قسم۔ اگر مین پال اس پر مہربان نہ ہوتا تو پھر اس کی دھجیاں بکھیر دیتے۔"

"دیکھو کس طرح پشت کر کے جا رہا ہے۔"

"اور وہ گھوڑے سے بھی نہیں اترا۔"

"صرف یہی الفاظ میرے کانوں تک آئے تھے۔ اس کے بعد میرا گھوڑا آوازوں کی حدود سے نکل گیا۔ میں مسکراتا ہوا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ مغرور مین پال اپنے لشکر پر نازاں تھا۔ اس سے پہلے والے بھی اپنی طاقت کے بجائے دوسروں کی طاقت کے بل پر اکڑتے رہے تھے اور بالآخر فنا ہو گئے تھے لیکن میں اپنی ذات میں ایک لشکر تھا۔ اس لئے میں ان سے عظیم تھا لیکن اس وقت میں عشتار سے وعدہ کر کے لوٹا تھا کہ میں اس کے قاصد کے فرائض انجام دوں گا اس لئے میں نے اپنی شخصیت پس پشت ڈال دی تھی۔"

برق رفتار گھوڑا پہاڑیوں کی بلندیاں ناپتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں منتظر عشتار کے پاس پہنچ گیا۔ جو اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

میرے قریب پہنچنے سے قبل وہ اپنا گھوڑا آگے بڑھالائی اور بے چینی سے بولی۔ "کیا خبر لایا اے سنہرے انسان، جلدی بتا کیا وہ دوستوں کا لشکر ہے۔ یا ان کے گھوڑے ان پہاڑیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔؟"

"وہ مین پال ہے عشتار۔ اور تیرا منتظر ہے۔" میں نے سادگی سے جواب دیا اور عشتار کا چہرہ گلزار ہو گیا۔ چند ساعت وہ وفور انبساط سے میری شکل دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے ایسا ہی اظہار ہو رہا تھا کہ اگر اسے اپنے وقار، اپنی قسم کا احساس نہ ہوتا تو وہ بے ساختہ مجھ سے لپٹ جاتی۔ تاثر کی منازل تو طے ہو چکی تھیں پروفیسر..... صرف ایک آن تھی۔ ایک قسم تھی، جو اب میرے قریب آنے سے روک رہی تھی۔ ورنہ..... یہ وحشی حسینہ جو مجھے قدیم دور کی یاد دلاتی تھی۔ میری آغوش میں ہوتی۔"

پھر اس نے اپنے لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا۔ "اے لوگو۔ چلو۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ وہ آ گیا ہے۔ اشیری کا قاتل آ گیا ہے۔ چشم تصور سے دیکھ لو۔ آذرتو موت کا مسکن بنا ہوا ہے۔ اشیری کی ناپاک لاش اس کے شہر کی گلیوں میں سڑ رہی ہے۔ ہاں یہ عشتار کی پیشن گوئی ہے۔ ایسا ہی ہوگا..... ایسا ہی ہوگا۔!"

اور اس کے ساتھی خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ وہ سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے، اور عشتار میرے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے پر آگے بڑھنے لگی۔ باقی لوگ اس سے دو گھوڑوں کے فاصلے کے برابر پیچھے چل رہے تھے۔ صرف میرا گھوڑا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ تب راستے میں اس نے خوشی سے لرزتی آواز میں کہا۔

"تو نے اس سے کیا گفتگو کی سنہری بدن والے۔ تو نے کون سے الفاظ میں ہمارا پیغام اس تک پہنچایا؟ اور اس نے اس کے جواب میں کیا کہا۔ ہمیں بتا۔؟"

"عام انسانوں کی مانند وہ بھی ایک مغرور شخص ہے۔ اس کے سپاہی ناراض ہوئے اس بات پر کہ میں نے گھوڑے سے اتر کر اس کی تعظیم نہیں کی لیکن عشتار، میں دوستوں سے محبت تو کر سکتا ہوں۔ سرکشوں کی تعظیم نہیں کر سکتا کہ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں نے اسے یہ بات بتا دی۔ شاید وہ میری باتوں پر دل ہی دل میں ہنس ہی رہا تھا۔ لیکن شکر ہے اس نے یا اس کے کسی آدمی نے ان باتوں کو آزمانے کی کوشش نہیں کی۔ بالآخر میں نے بھی اسے ایک عام انسان سمجھ کر معاف کر دیا، مجھے تیرا خیال تھا۔ پھر میں نے اسے تیرا پیغام دیا اور وہ کسی قدر نرم ہو گیا۔ اس نے بے چینی سے اپنے دوست کی موت کا قصہ سنا اور پھر تجھے بلا بھیجا۔"

عشتار پریشان نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے سکون کی سانس لی۔ لیکن اس کے باوجود اس کے ذہن میں الجھنیں رقصاں تھیں۔ اسے شاید میری شمولیت سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں فاتح ہوں اور جھکنے والوں میں نہیں ہوں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ میں مین پال کے لئے بھی مصیبت بن سکتا ہوں۔ اور وہ اپنی قوت بھول جائے گا۔ لیکن وہ مجھے جھکانا بھی نہیں جانتی تھی۔

ہم پہاڑوں سے اترتے رہے۔ تب وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''طاقت کے دیوتا۔ کیا میں تجھ سے ایک درخواست کرنے کا حق رکھتی ہوں۔؟''

''ضرور......'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آخر کیوں۔؟'' تونے مجھے یہ حق کیوں دیا ہے۔؟'' اس نے میری نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ تو میری پسندیدہ عورت ہے۔''

''اگر تو مجھے پسند کرتا ہے تو اب تک تو نے بزورطاقت مجھے حاصل کیوں نہیں کرلیا۔ تجھے تنہائیاں بھی نصیب ہوئیں، میں اپنے لوگوں سے دور بھی تیرے ساتھ رہی، میں کمزور عورت، تجھے کیسے روک سکتی تھی۔''

''حسن کی رضامندی میری فطرت میں شامل ہے۔ میں نے کسی عورت پر آج تک جبر نہیں کیا۔!''

''اگر میں رضامند ہوجاؤں تو، تو مجھے اپنا لے گا۔؟ ہاں۔ میری آرزو ہے۔ میں......دل کی گہرائیوں سے تجھے چاہنے لگی..........ہوں۔ سن کسی مرد کی مجال نہیں ہے کہ وہ میری بدن کی طرف بری نظر اٹھائے، میرے لوگ مجھے دیوی کی حیثیت دیتے ہیں لیکن سن، میں تیری آغوش کی آرزو مند ہوں۔ میں اپنا سب کچھ تیرے حوالے کردینا چاہتی ہوں......اور یہ بھی سن کہ مجھے حکمرانی کی ہوس نہیں ہے۔ لیکن بعل کی موت کا انتقام، میری زندگی کا مقصد ہے۔ اور جس وقت یہ مقصد پورا ہوجاتا۔ میں خوشی سے جان دے دیتی۔ لیکن اب میرے دل میں ایک اور آرزو پیدا ہوگئی ہے اور یہ آرزو مجھے بعل کے انتقام کے بعد بھی زندہ رکھے گی۔ اور وہ آرزو تیری ہے۔ ہاں اس کے بعد کی زندگی تیرے لئے ہوگی۔ میں تیری آغوش میں مر جانا پسند کروں گی، لیکن میرے محبوب......میری قسم پوری کرنے میں میری مدد کر...... مین پال مغرور ہے اس کا غرور قائم رہنے دے۔ میرے لئے اس کی برتری تسلیم کرلے۔ گو تو اس سے عظیم ہے۔ اسے میرا دوست رہنے دے۔''

میں پہلے ہی عشتار کی گفتگو کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ لیکن عشتار کے جسم کی قیمت اس قدر بھی نہیں تھی کہ میں، صدیوں کا بیٹا کسی انسان کی تعظیم کرتا۔ اس خود سے برتر مان لیتا۔ ہاں۔ اس کے دوسرے ذرائع ہوسکتے تھے۔ چنانچہ میں نے عشتار سے کہا۔

''تب تو مجھے اپنی فوجوں کے سب سے عقبی حصے میں چلا جانے دے اور جس وقت تو اور تیرا لشکر مین پال کی تعظیم کررہا ہو۔ میں چٹان کی آڑ میں پوشیدہ رہوں، اور جب تعظیم ختم ہوجائے تب سامنے آؤں اور خاموشی سے فوجوں میں شامل ہوجاؤں اور پھر اس وقت تک سامنے نہ آؤں، جب تک تو اپنا مقصد حاصل کرلے۔ یہی مجھ سے ممکن ہے عشتار، اور اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کرسکتا۔''

''اگر تو اس پر بضد ہے تو یہی سہی۔ لیکن ان دلوں تو اپنے دل پر میل نہ لائے گا۔ میں تجھ سے اقرار محبت کرچکی ہوں اور تو سمجھتا ہے کہ تیرے دل کا میل مجھے گوارہ نہ ہوگا۔!''

''ہاں۔ تیرے اس اقرار سے مجھے مسرت ہوئی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ مشن پر رکاوٹ نہ بنوں۔'' میں نے کہا۔ ہم پہاڑ کے دامن میں پہنچ چکے تھے اور اب مین پال کا لشکر ہمارے سامنے تھا۔ ان لوگوں نے بھی ہمیں پہاڑ سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔

دوسرے لوگوں نے مجھے جگہ دے دی تھی۔ وہ میری بے پناہ طاقت کا احترام کرنے لگے تھے، ایک طرح سے زلزلے کے بعد غار سے میں نے ہی ان کی زندگی بچائی تھی، ورنہ وہ مایوس ہو چکے تھے۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں لشکر کے آخری سپاہی سے بھی بہت پیچھے رہ گیا۔ یہاں سے میں ان لوگوں کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا، تاہم انہیں دیکھ سکتا تھا۔

لشکر مین پال کے سیل عظیم کے نزدیک پہنچتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک ایسی چٹان منتخب کر لی تھی جہاں میں رک جاؤں اور ان لوگوں کا نظارہ کر سکوں۔ بالآخر لشکر مین پال کے قریب پہنچ گیا۔ عشتار گھوڑے سے اتر گئی اور اس کے ساتھ ہی تمام لشکری بھی اتر کر اس کے سامنے جھک گئے تھے۔

ہوائیں میری طرف چل رہی تھیں۔ اس لئے لشکریوں کی آوازیں کسی قدر میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں چنانچہ مین پال کی آواز سنی۔!

''ہمیں افسوس ہے ہمارے دوست کی بہن، کہ ہم اس وقت تیرے سامنے آئے، جب تو مصیبتوں کا دور جھیل چکی! ہمیں اپنی کوتاہی کا احساس ہے، اور یقیناً ہم تیرے سامنے شرمندہ ہیں کہ ہم بروقت اپنے دوست کی مدد کو نہ پہنچے۔ آہ...... یقین کر...... جس وقت ہمارے کانوں میں بعل کی موت کی خبر پہنچی تو ہمارے ہاتھ سے شراب کا جام چھوٹ گیا۔ ہم نے کہا یہ کیسے ممکن ہے۔ لیکن اطلاع دینے والے نے کہا یہ بالکل حقیقت ہے۔ تب ہم نے اس منحوس اطلاع دینے والے کا سر اپنے خنجر سے اتار دیا اور شراب کا جام اس کے خون سے بھر کر کہا۔ کہ اس وقت تک شراب ہم پر حرام ہے جب تک ہم بعل کی موت کا بھرپور انتقام نہ لے لیں۔ ایسا انتقام جو ہمارے خون کی حدت سرد کر دے۔''

بڑی خوفناک قسم تھی پروفیسر...... اس سنگدل انسان کے چہرے سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے کر دکھائے گا۔

عشتار سیدھی کھڑی تھی نہ جانے اس کے چہرے پر کیسے تاثرات تھے۔ پھر میں نے عشتار کی آواز سنی۔!

''عظیم مین پال، میں صرف تیرے انتظار میں زندہ تھی۔ ہاں ورنہ اربیلا کے خون آشام مناظر دیکھنے کے بعد زندگی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ جاتی۔ ہاں اگر تو میرے ذہن میں نہ ہوتا تو میں خود کو بے بس سمجھ کر موت کی آغوش اپنا لیتی۔ لیکن میں نے اپنی پشت پر تیرے ہاتھ کا وزن محسوس کیا۔ میں نے اپنے دل سے سوال کیا تو اس نے کہا کہ بعل کی موت رائیگاں نہیں جائے گی ابھی مین پال زندہ ہے تب میں نے بعل کی لاش پر کھڑے ہو کر قسم کھائی۔ اور وہ قسم یہ تھی۔ میں بعل کے سرخ لہو کے عوض...... اشیری کی لاش آذر کی گلیوں میں گھسیٹوں گی اور پھر اس پر سیاہ رنگ کے غلیظ کتے چھوڑ دوں گی، اور جس وقت تک ایسا نہ کر لوں گی، زندگی کے تعیشات مجھ پر حرام ہیں، میں کوئی ایسا کام نہ کروں گی جو میرے لئے لذت آمیز ہو۔ اور جس کا تعلق صرف میری ذات سے ہو۔ میں اپنی جوانی کے تقاضے بھی پورے نہ کروں گی، کسی مرد کی آغوش نہیں اپناؤں گی اور اگر میں انتقام نہ لے سکی۔ اور جس وقت خود کو بے بس تصور کیا۔ تو اطمینان سے کسی پہاڑ کی بلند چوٹی سے نیچے چھلانگ لگا دوں گی۔!''

مین پال عشتار کے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور اس نے کہا۔

''لیکن اب تو بے بس نہیں ہے عشتار۔ تیرے ساتھ مین پال کا عظیم لشکر ہے، کون ہے جو اس لشکر کے سامنے قدم جما سکے۔ تو سمجھ لے کہ تیری قسم پوری ہو گئی۔''

"مقدس مین پال عظیم ہے۔ اور اشیری کی موت برحق۔" عشتار لرزتی آواز میں بولی۔ اور پھر اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔
تب میں نے اپنا گھوڑا احتیاط سے چٹان کی آڑ سے نکالا۔ اور فوج میں شامل ہو گیا۔ بلاشبہ مجھے کوئی نہ دیکھ سکا تھا۔
"تیرا وہ قاصد کہاں ہے عشتار جو بے حد بے باک اور انوکھی شخصیت کا مالک تھا۔؟" مین پال نے سب سے نازک سوال کر لیا۔ یقیناً عشتار کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل گئے ہوں گے۔
"وہ موجود ہے مین پال۔"
"وہ کون ہے۔ کیا اربیلا کا باشندہ ہے؟ وہ ہمارا پسندیدہ شخص ہے۔ مگر وہ ہمیں نظر نہیں آیا۔؟" مین پال نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔
"وہ اربیلا کا باشندہ نہیں ہے۔ مین پال لیکن بلا کا بہادر اور بے حد وفادار ہے۔ تو اس کی شخصیت کو بالکل منفرد پائے گا۔" عشتار نے کہا۔
"یقیناً اس نے ہماری تعظیم نہیں کی تھی۔ وہ خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر ہمارا لشکر اس پر حملہ کر دے تو وہ سورج چھپنے تک ان میں سے آدھوں کو قتل کر دے گا، کچھ بھی ہو عشتار ہمیں اس کی یہ دلیرانہ گفتگو پسند آئی ہے۔ بذات خود وہ کچھ بھی ہو لیکن وہ ہماری آنکھوں میں بیبا کی سے آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے والا پہلا شخص ہے مگر وہ ہے کہاں۔؟" ایک بار پھر اس نے گردن اٹھا کر مجھے تلاش کیا، اور میں گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔
"آہا..... مین پال نے تمسخرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔" اشیری کے لشکر کے کتنے حصے کو تو نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے جیالے؟"
میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر میں نے سادہ سے لہجے میں بولا۔
"میں قتل کرتے وقت گنتی نہیں کرتا سردار۔ ہاں میرے کشتوں کے انبار اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ ان کی گنتی ناممکن ہے۔"
"خوب۔ خوب۔" مین پال ہنس پڑا۔ میں اس کے انداز کو محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میں گرم خون والا نوجوان نہیں تھا کہ اس کے انداز سے سیخ پا ہو جاتا اور کوئی اقدام کر بیٹھتا، ہاں عام حالات میں، میں نے اسے جو کچھ کہا تھا، اس کا عملی تجربہ بھی پیش کر دیتا۔ لیکن عشتار کی درخواست بھی سامنے تھی۔ اس لئے مسکرا کر رہ گیا۔
چنانچہ مین پال عشتار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میرے دوست کی نوجوان اور خوبصورت بہن۔ اگر تو میری منتظر تھی تو میں آ گیا ہوں اور دیکھ میرے ساتھ لشکر عظیم ہے۔ میں اشیری کی قوت کو فنا کر دوں گا، میں اسے ایسی سزا دوں گا جو ایک مثال بن جائے گی۔ ہمیں صلاح و مشورے کرنا ہیں۔ چنانچہ کیوں نہ پہاڑوں کے اس طرف میدان میں ہم خیمہ زن ہو جائیں۔ اور اس کے بعد آگے بڑھیں۔"
"میرے مٹھی بھر نوجوان۔ جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ گو مین پال کے عظیم لشکر لشکریوں جیسے نہیں ہیں۔ تاہم انہیں بھی لشکر میں شامل کر کے ان کی عزت افزائی کی جائے۔"
"ٹھیک ہے۔ ہم نے انہیں خود میں شامل کر لیا۔"
"چنانچہ میں بھی کنیز ہوں۔ مجھ سے مشورہ نہ لیا جائے۔ بلکہ مجھے حکم دیا جائے۔"

"اوہ۔نہیں عشتار۔تو کنیز نہیں ہے۔ ہمارے دوست کی بہن ہے۔ایک حسین شہزادی ہے۔ہم تیری عزت شہزادیوں کی طرح کریں گے۔تیرا خیمہ ہمارے خیمے کے نزدیک ہوگا۔" مین پال نے کہا۔

اور پروفیسر...... میں نے اس ادھیڑ عمر کے قوی ہیکل بوڑھے کی آنکھوں میں ایک عجیب کیفیت دیکھی۔شاید اب وہ اپنے دوست کا انتقام لینے کے لئے عشتار کی مدد نہیں کر رہا تھا بلکہ خود عشتار کا قرب اس کی توجہ حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔عشتار مجھے بھی پسند تھی اور اس بوڑھے جلاد کو بھی۔لیکن دیکھنا یہ تھا کہ عشتار کیا فیصلہ کرتی ہے۔

اگر اس بوڑھے کے حق میں بھی فیصلہ کرتی تو مجھے کوئی خاص اعتراض نہیں تھا۔یہ اس کا اپنا فعل ہوتا،ہاں میں اپنی دلچسپیوں کے بارے میں غور کرتا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیے۔یا یہاں سے آگے بڑھ جانا چاہیے۔کیونکہ بہر حال میں عشتار کے ہمدردوں اور وفاداروں میں سے نہ تھا۔چنانچہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ عشتار جو مجھ سے محبت کا اقرار کر چکی ہے۔مگر مصلحت کے تحت خود کو بوڑھے مین پال کے حوالے کر دیتی ہے۔تو میں اسے اس کے دعوے کا احساس دلاؤں گا اور پھر ان لوگوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤں گا۔اور اگر معاملات کوئی دوسرا رخ اختیار کرتے ہیں تو وہ میرے لئے دلچسپ ہوں گے،بوڑھے مین پال کو قتل کرنے میں مجھے کوئی تکلف نہیں تھا۔

لشکر آگے بڑھتا رہا۔یہ میری حیثیت میں ایک نمایاں تبدیلی تھی۔اس لشکر میں میری کوئی اہمیت نہیں تھی۔میں ایک معمولی سپاہی سے زیادہ کچھ نہ تھا اور پروفیسر...... مجھے زندگی کا یہ نیا پن پسند آرہا تھا۔دوسرے سپاہیوں کی مانند بھی چلتا رہا اور ہم طویل وعریض میدان میں پہنچ گئے۔مین پال کا لشکر ہر ساز وسامان سے آراستہ تھا۔عشتار کے آدمیوں کو ان میں تقسیم کر دیا گیا اور بعض خیموں میں دو دو آدمی گزارہ کرنے لگے۔درمیان میں عشتار اور مین پال کا خیمہ تھا۔عشتار اس دوران مین پال کے ساتھ رہی تھی اور بظاہر میری طرف متوجہ بھی نہیں تھی۔میں بھی مین پال کے ایک عام سپاہی کے ساتھ ایک خیمے میں فروکش ہوگیا۔میرا ساتھی درمیانی عمر کا ایک آدمی تھا۔تندرست وتوانا اور جنگجو۔میدان میں شام ہوگئی۔مین پال کے لشکر کھانے پکانے کی تیاری کرنے لگے۔میں بھی ان کے ساتھ معروف تھا۔پھر میں نے اور میرے ساتھی نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

میرا ساتھی جس کا نام الوہا تھا بار بار میری طرف دلچسپ نگاہوں سے دیکھنے لگتا تھا۔کھانے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تو تم بھی ان شکست خوردہ لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اشیری سے شکست کھائی ہے۔؟"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"اگر بعل کے لشکر میں، میں شامل ہوتا تو اسے شکست نہ ہوتی۔"

"خوب۔میں نے تمہاری باتیں اس وقت بھی سنی تھیں جب تم پہلی بار قاصد کی حیثیت سے آئے تھے۔تمہارے جسم کا رنگ عجیب ہے۔"

"ہاں۔میری فطرت بھی عجیب ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا تم کسی نمایاں خصوصیت کے حامل ہو۔؟"

"یقیناً۔"

"کیا تم بے حد طاقتور ہو جیسا کہ تمہارے جسم سے ظاہر ہے۔؟"

''تمہارا خیال درست ہے۔''

''تب تم صبح کی ورزش میں بہلوم کو للکار دینا تا کہ تمہارے ذہن سے یہ خیال ہمیشہ کے لئے نکل جائے۔'' بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں اور چہرے پر مضحکہ اڑانے والی مسکراہٹ تھی لیکن میں نے سکون سے اس کے الفاظ سنے اور پھر اسی سکون سے پوچھا۔

''بہلوم کون ہے۔؟''

''پہاڑ۔ پورے لشکر میں اس سے زیادہ مضبوط نوجوان نہیں ہے۔ وہ بیک وقت آٹھ آدمیوں کو پچھاڑ دیتا ہے۔''

''تو بوڑھے...... تم میری طرف سے بہلوم کو شکست کا پیغام دے دینا۔؟''

''اپنی بات کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''اور بہلوم کی موت کے ذمہ دار تم۔'' میں نے جواب دیا۔

''خوب، خوب۔ ویسے تمہاری باتیں دلچسپ ہوتی ہیں۔ بہلوم کی ایک بری عادت ہے۔ وہ اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑتا جو اسے للکارنے کی جرأت کرے۔ ہاں اس وقت وہ مجبور ہوتا ہے جب مین پال اسے حکم دے۔ تاہم کل کی صبح تمہاری اجازت سے تمہارا نام پکاروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور دل میں سوچا کہ کچھ تفریح رہے۔ عشتار تو میرے بارے میں بخوبی جانتی ہے لیکن مین پال کو بھی تو کچھ معلوم ہونا چاہئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور خواہش جاگی۔ کیا میں عشتار اور مین پال کی گفتگو نہ سنوں۔ دیکھوں تو سہی عشتار مین پال کی دوستی کی کیا قیمت ادا کر رہی ہے اور اگر انتقام کی آگ میں جل مرنے کے لئے مجھ سے کئے وعدے سے پھر گئی اور اس نے خود کو مین پال کی آغوش میں دے دیا ہے تو...... پھر ان دونوں کی موت واجب ہے۔

ہاں پروفیسر...... پہلی بار میرے دل میں رقابت کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ نہ جانے یہ تبدیلی میرے اندر کیوں آئی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہاں عشتار کے علاوہ کوئی دوسری عورت نہیں تھی اور بہرحال عشتار ایک بھرپور عورت تھی جو مجھے پتھروں کے دور کی لڑکیوں کی یاد دلاتی تھی۔

چنانچہ جب میرا ساتھی لیٹ گیا اور اس کے حلق سے کٹے ہوئے بکرے کی سی آوازیں ابلنے لگیں تو میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ ماحول پر سکوت تھا۔ مین پال کے لشکری خیموں کے بیرونی حصوں پر پہرہ دے رہے تھے۔ اندرونی حصار میں پہرے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

چنانچہ مجھے مین پال کے خیمے تک کا راستہ طے کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یوں بھی اندھیری رات تھی۔ مین پال کے خیمے کا دروازہ بندھا ہوا تھا۔ اس میں تاریکی تھی لیکن اس کے نزدیک ہی عشتار کے خیمے سے روشنی چھن رہی تھی اور اندر سے گفتگو کی آواز سنائی دے رہی تھی اس لئے میں اسی خیمے کی پشت پر پہنچ گیا۔ میں نے خیمے کے عقب میں کوئی ایسا سوراخ تلاش کرنے کی کوشش کی جس میں اندر جھانک سکوں لیکن کوئی سوراخ موجود نہ تھا۔

تاہم کپڑے سے بنے ہوئے خیمے میں سوراخ بنا لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میرے تیز خنجر نے آنکھ کی راہ ہموار کر دی اور میں نے اندر کا منظر دیکھا۔

عشتار ایک زرنگار کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور مین پال کی لمبی ستون نما ٹانگیں مجھے قریب ہی نظر آ رہی تھیں۔ عشتار کی گردن جھکی ہوئی تھی اور

مین پال کہہ رہا تھا۔

''بعل ہمارا گہرا دوست تھا نیکیوں کا شہنشاہ۔ کاش ہم اس سے بے خبر نہ رہتے، کاش وہ زندہ ہوتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا عشتار تو ہمیں اس سے اپنے دل کا حال کہنے میں عار نہ ہوتا اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمارے چہرے پر مایوسی کی شکن دیکھنا کبھی پسند نہ کرتا۔''

عشتار سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''تم نہیں سمجھیں عشتار۔ ہم تمہیں اس وقت سمجھا کر یہ احساس نہیں دلانا چاہتے کہ ہم تمہاری مجبوری سے کوئی ناجائزہ فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں۔''

''میں جاننا چاہتی ہوں عظیم مین پال۔؟'' عشتار کی آواز ابھری۔

''ہم قصوروار نہ ہوں گے عشتار۔ کیونکہ تم نے خود ہمارے دل کا حال جاننے کی کوشش کی ہے۔''

''مجھے تجسس پیدا ہو گیا ہے مین پال۔ آخر تو کیا کہنا چاہتا ہے۔'' عشتار نے کہا۔

''ہم جب بعل سے جدا ہوئے تھے۔ ہم نے جب آخری بار اسے دیکھا تھا۔ تو تو بھی ہماری نگاہوں میں آئی تھی عشتار لیکن اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جوان ہو کر تو ایسی تباہ کن بن جائے گی۔ ہم تیرے حسن سے بے حد متاثر ہیں عشتار۔ ہم نے تجھے پہلی بار دیکھا تو ہم حیران رہ گئے۔ ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ ان پہاڑوں میں لعل بدخشاں پوشیدہ ہے اور پھر ہمارے دل میں تیری محبت پیدا ہو گئی۔ ہم تجھے اپنی ملکہ بنانا چاہتے ہیں عشتار۔ ہم تجھے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔''

تب میں نے عشتار کی شکل دیکھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بوڑھے مین پال کی شکل دیکھ رہی تھی۔ بھلا اس کا اور اس بوڑھے کا کیا جوڑ تھا لیکن بادشاہ بوڑھے نہیں ہوتے۔ وہ نوجوان رہتے ہیں اور نوجوان لڑکیوں پر اپنا حق سمجھتے ہیں اس لئے مین پال کے ذہن میں بڑھاپے کا گمان بھی نہ تھا پھر عشتار کے چہرے پر الجھن پیدا ہو گئی اور میں یہ الجھن بخوبی سمجھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت اس کی نگاہوں میں میرا تصور ہے۔ اسے اپنا وعدہ یاد ہے اور وہ بخوبی دیکھ رہی ہے جب کہ وہ میری حیثیت سے بخوبی واقف تھی اور پروفیسر...... جولڑکی مجھ سے واقف ہو جائے شاید زندگی بھر دوسرے مرد کا تصور نہ کرے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ عشتار کو یہ بھی خیال ہوگا کہ اگر اس نے مین پال سے صاف صاف انکار کر دیا کہ وہ بحیثیت مرد اسے قبول نہیں کر سکتی تو مین پال اس کی مدد کرنے سے انکار کر دے گا۔ نہ صرف انکار کر سکتا ہے بلکہ عین ممکن ہے وہ اسے اس دوران میں گرفتار کر کے واپس لوٹ جائے اور اپنی حرم میں ڈال لے۔ وہ طاقتور تھا اسے کون روک سکتا تھا چنانچہ میں خوب غور سے عشتار کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا اور میرے کان اس کی آواز کا انتظار کرنے لگے۔

تب عشتار کی آواز ابھری۔ ''آہ۔ عظیم مین پال۔ کون عورت ہوگی جو تیری آغوش میں آنا پسند نہ کرے گی۔ کون تجھ جیسے عظیم شہنشاہ کو ٹھکرانے کی جرأت کرے گی۔ میں بھی ایک عورت ہوں لیکن بعل کی خون آلود لاش پر کھڑے ہو کر میں نے عہد کیا تھا کہ جب تک اشیری کی لاش اپنی آنکھوں

سے نہ دیکھ لوں گا جب تک اس کے خون سے غسل نہ کرلوں گی۔ اپنے دل کی ہر خواہش کو سلا دوں گی اور اگر کبھی یہ مقدس عہد ٹوٹا تو خنجر اپنے پہلو میں بھونک لوں گی چنانچہ تجھے انتظار کرنا ہوگا مین پال عظیم بادشاہ۔ میرا عہد پورا ہونے دے۔ اس وقت میں تجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی اور اس وقت تو دل کی مراد پا سکے گا۔ اگر تو مجھے یہ مہلت نہیں دے سکتا تو میں تجھے اجازت دیتی ہوں کہ اپنا خنجر نکال اور میرے پہلو میں اتار دے۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے عشتار۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تیری طلب تو میرے جنون کو تیز کر دے گی۔ میں نے تجھ سے یہ کب کہا کہ مجھے تیری شرط منظور نہیں ہے۔“ مین پال نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں سمجھ گیا کہ منہ زور گھوڑا رام ہوگیا ہے اور عشتار کامیابی سے اسے ٹال چکی ہے۔ ہر چند کہ ایک الجھن پیدا ہوگئی تھی لیکن میں کس لئے تھا۔ اس وقت جب اشیری کے لشکر کو شکست ہو جائے گی اور اس وقت جب مین پال اپنا حق طلب کرے گا تو میں سامنے آؤں گا اور تب میں اس بوڑھے گدھ کو بتاؤں گا کہ عشتار کا قاصد کیا ہے۔ ہاں مجھے اطمینان ہوگیا کہ عشتار مجھ سے بدعہدی پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ عہد کی پابندی کرے گی کیونکہ وہ مین پال کی محبوبہ ہے اور میں اس کا محبوب ہوں۔ چنانچہ میں جس خاموشی سے یہاں تک آیا تھا اسی خاموشی سے واپس اپنے خیمے میں آگیا۔ کٹا ہوا بکرا ابھی تک چیخ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسے جانکنی سے نجات دلا دوں لیکن پھر میں نے اسے معاف کر دیا۔ کیا فائدہ ایک بے گناہ کی زندگی لے کر۔ اور پھر میں اس کی کریہہ آوازوں کو نظر انداز کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

دوسری صبح مجھے میرے ساتھی نے ہی جگایا تھا اور میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ گیا۔ میرا ساتھی مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور پھر اس نے مخصوص مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

”اوہو۔ کیا بات ہے جیالے۔ کیا رات کی تاریکی نے تمہاری امنگوں کو نگل لیا ہے۔ کیا تمہاری عقل نے تمہیں کوئی تیز مشورہ دیا ہے۔؟“

”کیوں بوڑھے بے وقوف۔ یہ تو نے کیسے تصور کیا۔؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ممکن ہے تم اس لئے دیر تک سوتے رہے ہو کہ بہلوم کی ورزش کا وقت نکل جائے اور تمہاری جان بچ جائے۔“

”یہ بات نہیں ہے گدھے۔ دراصل تو رات بھر کٹے ہوئے بکرے کی مانند چنگھارتا رہا تھا اس لئے میں دیر سے سو سکا۔“ میرے ساتھی نے میرے توہین آمیز الفاظ کا برا نہیں مانا اور مسکراتا رہا پھر بولا۔

”تب تیار ہو جا۔ اور میرے ساتھ چل۔ بہلوم اکھاڑے میں آ چکا ہوگا اور ورزش کر رہا ہوگا۔“

میں نے پانی سے ہاتھ منہ دھویا اور پھر اس کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں، میں نے ورزش کے بارے میں تفصیل معلوم کی تو بوڑھے نے مجھے بتایا کہ مین پال اپنی فوجوں کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے ان سے ورزش کراتا ہے۔ ایک ایک جتھے کے لئے ایک ایک دن مخصوص ہے کیونکہ اس بے پناہ لشکر کے تمام سپاہی بیک وقت ورزش نہیں کر سکتے۔ ہاں جو مخصوص لوگ ہیں وہ روزانہ ورزش کرتے ہیں اور ورزش کرنے والوں کی نگرانی کرتے ہیں جیسے بہلوم۔“

”خوب۔ کیا خود مین پال اس ورزش کو دیکھتا ہے۔؟“

"بلاناغہ۔ وہ اپنے سپاہیوں کو مستعد دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ خود ان پر نگاہ نہ رکھے تو وہ کاہل ہو جائیں۔ وہ ان کی کمزوری اور کسی تکلیف کا بھرپور ازالہ کرتا ہے۔"

"کیا وہ اکھاڑے میں پہنچ چکا ہوگا۔؟"

"نہ پہنچا ہوگا تو پہنچنے والا ہوگا۔" میرے ساتھی نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ دلچسپ صورتحال تھی۔ میرے لئے پسندیدہ۔ اور ہم خیموں کے دوسری طرف میدان میں پہنچ گئے جہاں مین پال کے سپاہی ایک طویل دائرہ بنائے کھڑے تھے اور ان کے درمیان آج کے ورزش کرنے والے جسمانی کمالات دکھا رہے تھے۔ ایک بڑی چوکی ایک طرف بنی ہوئی تھی جس پر فرش بچھے ہوئے تھے۔ یہ چوکی شاید بہت سے لکڑی کے ٹکڑوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ ہم اس چوکی کے عقب میں جا کھڑے ہوئے۔ دوسرے لوگوں نے ہمیں راستہ دے دیا تھا۔

تب میں نے گوشت کے پہاڑ بہلوم کو دیکھا۔ درحقیقت جسامت میں وہ پہاڑ تھا لیکن اگناس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ وہ اکھاڑے کے درمیان وزنی پتھر اٹھائے ورزش کر رہا تھا۔ دوسرے لوگ بھی مختلف ورزشوں میں مصروف تھے۔

"یہ پتھر جو اس کے ہاتھ میں گھوم رہے ہیں۔ دس آدمی مل کر اٹھا سکتے ہیں۔" میرے ساتھی نے بتایا۔ "اور جس گھوڑے پر بہلوم سفر کرتا ہے اس کی زندگی چند ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس کی کمر ناکارہ ہو جاتی ہے تب دوسرا سب سے مضبوط گھوڑا اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح بہلوم کی زندگی پر درجنوں گھوڑے کام آ چکے ہیں۔"

"خوب۔!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے کھانڈے کا وزن بھی اتنا ہی ہے۔ اتنا لمبا کھانڈا تم نے اپنی زندگی میں نہ دیکھا ہوگا اور اس کے وار سے بیک وقت کئی آدمی جان دے دیتے ہیں۔" میرا ساتھی اس کی مداح سرائی کر رہا تھا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ گوشت کے اس پہاڑ میں وہ وقار اور دبدبہ نہیں تھا جو اگناس میں تھا۔ اگناس۔ میری زندگی کا عظیم ترین انسان، بے شک نہ بھولنے والی شخصیت، اس کے جسم میں جو بھی طاقت ہو لیکن اس کے دل میں چھپی ہوئی عظمت اس کے مقابل کو مسحور کر دیتی تھی۔ وہ عظیم انسان بھی تھا اور اس کے برعکس یہ چھچھورا شخص، جو وزنی پتھروں کو گھما کر خود کو دنیا کا سب سے طاقتور انسان سمجھ رہا تھا۔

"کیا خیال ہے جیالے۔ کیا تمہاری رگوں میں دوڑتا ہوا خون رک نہیں گیا؟ کیا تمہیں اپنی بات کی حماقت کا احساس ہوا؟" میرے ساتھی نے سوال کیا اور میں ہنس پڑا۔

"اے بے وقوف انسان۔ کیا اس کی طاقت صرف یہی ہے کہ وہ یہ پتھر گھما رہا ہے۔ اگر تو اسے ہی طاقت سمجھ رہا ہے تو سن میرے ہاتھ کی قوت اس پتھر کو مٹی میں بدل سکتی ہے اور یہ شخص میں اسے اس طرح مار سکتا ہوں کہ پھر یہ زندگی میں کسی کو للکارنے کی جرأت نہ کرے۔" میرا ساتھی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ شاید اسے میری دماغی کیفیت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ پھر اس نے مضحکانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہائے رے ہائے۔ ساتھی بھی ملا تو صرف ایک رات کے لئے۔ اور وہ بھی ایسا احمق۔ چلو ٹھیک ہے۔ آج تک اکیلا رہا ہوں پھر اکیلا ہو جاؤں گا۔ ٹھیک ہے بھائی۔ تو باتوں کا ماہر ہے۔ وہ دیکھ۔ خود مین پال۔ عظیم حکمران اکھاڑے کی سیر کو آ گیا ہے۔ آہا اس کے ساتھ عشتار بھی ہے۔ کیسا

دکھ ہوگا تیری موت پر عشتار کو۔ آخر اس کا ایک اور آدمی جان دے بیٹھا۔"

اس بار میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور مین پال اور عشتار کو دیکھ رہا تھا جو پتھر کی چوکی کی طرف آ رہے تھے۔ پھر وہ دونوں چوکی پر جا کھڑے ہوئے۔ اکھاڑے میں ورزش کرتے ہوئے لوگوں نے گردن جھکا کر اطاعت کا اعلان کیا اور پھر بہلوم پتھر پھینک کر سینہ تانے ہوئے مین پال کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بھی گردن جھکائی تھی۔ تب مین پال نے عشتار کی طرف رخ کر کے کہا۔

"اسے دیکھ عشتار۔ میرے دوست کی بہن۔ اس جیسے انسان کی گردن بھی میرے سامنے جھکی ہے۔ ہاں۔ میں دنیا کا واحد شخص ہوں جس کے سامنے یہ گردن جھکاتا ہے ورنہ کسی سرزمین نے ایسا انسان نہیں پیدا کیا جو اس کا سر جھکا دے۔ اس کی جسامت دیکھی کیا اس سے قبل ایسا جوان دیکھا ہے؟ بولو عشتار، کیا تمہارے آدمیوں میں سے کوئی ہے جو اس کا مقابل ہو۔؟"

"یہ سوال ہے شہنشاہ؟ جس کا جواب مجھے دینا ہوگا" عشتار نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟ ہم نہیں سمجھے عشتار۔؟" مین پال نے پوچھا۔

"میں کہنا چاہتی تھی مین پال۔ میں تمہیں بتانا چاہتی تھی کہ میں نے بھی ایک ہیرا تمہاری غلامی میں دیا ہے۔ ہاں مجھے معلوم نہ تھا کہ عظیم مین پال چند جیالوں کی اس قدر عزت افزائی کرتا ہے لیکن ٹھیک ہی تو ہے۔ عظیم مین پال ہی جیالوں کی قدر کر سکتا ہے کہ وہ خود دلیروں کا دلیر ہے۔"

عشتار نے چالاکی سے کہا اور یہ الفاظ میں نے سن لئے تھے۔ میں عشتار کی چالاکی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"تیرا اندازہ درست ہے عشتار۔ ہمارے اس جوان کو فوج میں پوری مراعات حاصل ہیں۔ اس کی ہر ضرورت، ہر خواہش کی تکمیل ہوتی ہے، اسے دوسروں سے ممتاز سمجھا جاتا ہے اور میدان جنگ میں یہ سارے ادھار چکا دیتا ہے مگر تو نے کون سے ہیرے کی بات کہی تھی۔؟"

"تجھے وہ قاصد یاد نہیں رہا مین پال جو تیرے پاس گیا تھا۔؟"

"اوہ۔ سنہرے بدن والا۔ مگر کیا تو اسے صحیح الدماغ سمجھتی ہے؟ وہ معمولی سا انسان ہیرا کیسے ہو سکتا ہے۔؟ ہمیں بتا!"

بہلوم واپس چلا گیا تھا اور اب وہ بیک وقت پانچ پہلوانوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔

"مین پال تو اسے صحیح الدماغ کیوں نہیں سمجھتا۔؟" عشتار نے پوچھا۔

"کیونکہ اس نے ایسی لاف وگزاف کی تھی۔ جانتی ہے اس نے کیا کہا۔؟ اس نے کہا تھا کہ اگر میں اسے پورے لشکر سے جنگ کرنے چھوڑ دوں تو سورج چھپنے تک میرے سپاہی آدھے رہ جائیں۔ وہ جو کچھ بھی ہو خوش قسمت ضرور ہے کہ ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد زندہ واپس آ گیا لیکن صرف تیرے نام کی وجہ سے۔"

"وہ بے پناہ طاقت ور ہے مین پال۔ اس کی طاقت ضرور آزماتا کہ میدان جنگ میں تو اس کے سپرد بہتر کام کر سکے۔"

"کیا تیرا خیال ہے کہ میں اسے بہلوم کے مقابل لے آؤں۔؟" مین پال نے حیرت سے پوچھا۔

"بہلوم۔ شاید اس کے سامنے ایک حقیر چیونٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔" عشتار نے کہا اور یہ اس کا تجربہ تھا۔ غار کی چٹان کا ذکر اس نے مین

پال سے نہیں کیا تھا لیکن بہر حال وہ اس کی آنکھوں دیکھا واقعہ تھا۔

لیکن اس کے الفاظ سے مین پال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ چند منٹ سپاٹ نگاہوں سے عشتار کو دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دقت یہ ہے کہ بہلوم اپنے شکار کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ اس کا اصول ہے اور شاید درست بھی ہے کیونکہ اس طرح اس کے سامنے صرف وہ آتا ہے جسے موت کی آرزو ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہر کس و ناکس آ کر اسے پریشان کرے اور میں عشتار کے نازک دل کو ٹھیس نہیں لگا سکتا۔ اس وقت ہمارا ایک ایک آدمی قیمتی ہے۔''

میں پوری توجہ سے ان کی گفتگو سن رہا تھا مگر میرا احمق ساتھی کچھ اور ہی گھات لگائے بیٹھا تھا چنانچہ اس نے اچانک باہر نکل کر لڑنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے ہنسی سے کپکپا رہے تھے۔

''سنو اے جیالو سنو۔ یہاں ایک ایسا بھی موجود ہے جو بہلوم کی قوت کو للکارنا چاہتا ہے۔ سنو۔ اس کی دلچسپ بات سنو اور وہ میرا ساتھی ہے یعنی وہی قاصد جس نے کل لطیفے سنائے تھے۔ یہ اس کا تازہ لطیفہ ہے کہ وہ خود کو بہلوم کا مقابل سمجھتا ہے۔ کیا اس کے اس دلچسپ دعوے کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔!''

بہلوم نے یہ الفاظ سنے اور ہاتھوں میں تھامے ہوئے پتھر پھینک دیئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ میرے احمق ساتھی کی طرف بڑھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور غصے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے میرے ساتھی کے گریبان کے لباس پر ہاتھ ڈالا اور اسے زمین سے تین فٹ اوپر اٹھا کر اپنے مقابل کر لیا۔

''تم نے جو کچھ کہا، کیا یہ حقیقت ہے۔؟'' اس نے گرجدار آواز میں پوچھا اور ایک عورت کے لئے میں اس سے زیادہ برداشت نہیں رکھتا تھا چنانچہ میں عقب سے نکل آیا۔

''ہاں یہ حقیقت ہے۔ اس بے وقوف کو چھوڑ دے۔ میں تیرے سامنے ہوں۔'' میں نے کہا اور بہلوم نے لٹکے ہوئے آدمی کو نیچے پھینک دیا اور پھر میری طرف گھور کر دیکھا اور پھر مین پال کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''عظیم شہنشاہ۔ کیا تو اسے پہچان گیا۔ یہ وہی احمق قاصد ہے جس نے کل تیری شان میں گستاخی کی تھی لیکن تیرے اشارے پر میں خود پر جبر کر گیا تھا آج پھر اس نے ایک حماقت کی بات کہی ہے۔ میں انسان ہوں اور زیادہ قوت برداشت نہیں رکھتا تاہم تیرا حکم ماننے کے لئے اب بھی تیار ہوں۔''

''یہ اکھاڑہ ہے بہلوم۔ اور یہاں ہماری نہیں تیری حکومت ہے۔ اس نے تجھے اکھاڑے میں للکارا ہے۔ ہماری طرف سے اجازت ہے اسے جواب دے۔'' مین پال نے کہا اور مسکراتے ہوئے عشتار کی طرف دیکھا۔ عشتار کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔ میں بھی اس کے سامنے پہنچ گیا۔

''میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ یہ اکھاڑے کے کھیل ہیں۔ میری سمجھ سے باہر۔ تاہم میری طرف سے ایک ہدایت ہے۔'' عشتار نے کہا اور مین پال دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ کھیل دشمنی کے تحت نہیں بلکہ صرف ایک دلچسپ مشغلہ ہے عظیم مین پال کی فوج کا اب ایک جوان ہمارا ہمدرد ہے چنانچہ میں چاہتی

ہوں کہ بہلوم کو قتل نہ کیا جائے۔ تم اس بات کا خیال رکھنا۔ یہ میری خواہش ہے۔''

''اس خواہش کا احترام کیا جائے گا۔'' میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ اور میری بات کو بہلوم اور مین پال دونوں نے سنا۔ مین پال کی مسکراہٹ گہری ہوگئی اور بہلوم کا چہرہ اور سرخ ہوگیا۔

''لیکن معزز شہنشاہ۔ میں یہ رعایت نہ دے سکوں گا۔ میرے اصول کے خلاف ہے۔''

''تمہیں اجازت ہے بہلوم۔'' مین پال کی بجائے عشتار بول اٹھی اور میں واپسی کے لئے مڑ گیا۔ تب میں نے اپنا اوپری لباس اتار دیا اور صرف زیریں چست لباس میں رہ گیا۔ میرے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں اور میں اس دلچسپ کھیل کے لئے تیار تھا۔ بہلوم بھی مست ہاتھی کی طرح پلٹا اور میرے مقابل آ گیا۔

دوسرے تمام پہلوانوں نے اور سپہ گروہ نے ہاتھ روک لئے۔ ایسا شاید ان کی زندگی میں چند بار ہی ہوا تھا کہ کسی نے باقاعدگی سے بہلوم کے مقابل آنے کی جرأت کی ہو۔ ہاں اگر قسمت کا مارا کوئی آ ہی جائے تو یوں سمجھا جاتا کہ اس کی موت اسی کا مقدر تھی اور آج بھی ان کی دانست میں کسی کی موت آئی تھی۔ لوگ ایک طرف سمٹ گئے اور اب اکھاڑے میں صرف میں اور بہلوم تھے۔

''تو اے بے وقوف انسان۔ سنبھل۔ میں نہیں جانتا کہ تو مخبوط الحواس ہے یا خردمند لیکن میرے مقابل آ کر تو نے موت کو آواز دی ہے اور افسوس کہ اب میں بھی اسے ٹال نہیں سکتا۔'' بہلوم نے جھکتے ہوئے کہا۔

''گوشت اور ہڈیوں کے پہاڑ۔ اس وزنی ڈھیر پر مغرور ہونا مناسب نہیں ہے۔ میں تیری بنیادیں ہلا دوں گا۔ کائنات محدود نہیں ہے اور لاکھوں سربستہ رازوں سے بھری پڑی ہے۔ اس میں کیا کیا ہے۔ اس کے بارے میں کون جا سکتا ہے۔ ایک سے ایک زورآور اور حیرت انگیز انسان کائنات میں موجود ہے۔ تیری حقیقت کیا ہے چنانچہ مغرور ہونا بری بات ہے اور اس کا نتیجہ تو ابھی دیکھ لے گا۔''

''تو سنبھل۔'' بہلوم کسی اندھے بھینسے کی طرح گردن جھکائے آگے بڑھا۔ وہ میرے سینے پر سر لگا کر پہلے ہی وار میں میرا کام تمام کر دینا چاہتا تھا اور اسے وہ شایان شان سمجھتا تھا کہ پہلے ہی وار میں دشمن کا خاتمہ کر دیا جائے ورنہ اس میں اور عام لڑاکوں میں کیا فرق رہ جاتا۔

عام لوگوں کا خیال ہوگا کہ میں اپنی بہ نسبت ہلکی پھلکی جسامت سے کام لے کر اس جنگلی سور کا وار بچا جاؤں گا اور پھرتی سے ایک طرف ہٹ جاؤں گا لیکن اس وقت لوگوں کی حیرت سے چیخیں نکل گئیں جب میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کی خوفناک ٹکر کو اپنے جسم پر روکا۔ لیکن لوگوں نے دیکھا کہ میں وزنی پہاڑ کی مانند اپنی جگہ قائم ہوں اور ایک انچ بھی نہیں ہلا اور پھر میں نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے آسانی سے پیچھے دھکیل دیا۔

بہلوم نے ایک جھرجھری لی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت جھانک رہی تھی۔ ایک بار پھر اس نے اسی انداز میں گردن جھکائی اور اس بار اس کا حملہ پہلے سے بھی زیادہ شدید تھا لیکن میں تو کھلا کھلا کر مارنے کا عادی ہوں۔ مغرور کو خود اس کی نگاہ میں ذلیل کر دیتا ہوں۔ میں نے اس بار بھی اس کی ٹکر کو اسی انداز میں جسم پر روکا اور اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا مذاق کر رہا ہے بہلوم۔ کوئی مضبوط وار کر۔ یہ ٹکریں تو میرے پیٹ میں گدگدی کر رہی ہیں۔"

لوگ ہذیانی انداز میں ہنس پڑے اور پھر اس طرح خاموش ہو گئے جیسے اس سے پہلے کبھی نہ ہنسے ہوں اور اس کے بعد کبھی نہیں ہنسیں گے۔ ان کی ذہنی کیفیت خراب ہو گئی تھی۔ یہ سب کچھ ان کے لئے غیر متوقع تھا۔ اور بہلوم کا چہرہ آگ کی مانند نظر آنے لگا۔ اس بار وہ دونوں بازو پھیلا کر میری طرف جھپٹا، اب وہ مجھے جکڑنے کا خیال رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ مجھے اپنی گرفت میں لے کر پیس دے اور۔ اس نے مجھے اپنے درختوں کی ٹوٹی شاخوں جیسے بازوؤں میں لے بھی لیا، لیکن اس بار میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر پکڑ لیا اور اسے کچے تربوز کی مانند دبایا۔ تو بہلوم نے گھبرا کر مجھے چھوڑ دیا، اسے خدشہ ہوا تھا کہ اس کا سر چٹک نہ جائے۔ تب میں نے اسے سر ہی سے پکڑا اور گھما کر دور پھینک دیا۔ بہلوم کروٹ بل گرا تھا لیکن صرف ایک لمحے، دوسرے لمحے وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

اتنا مجمع تھا لیکن سانسوں کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ عشتار کے چہرے پر پھول کھلے ہوئے تھے، اور مین پال کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں، اب میں بہلوم کو اس کے غرور کی سزا دینے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر اسی لمحے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں لگایا، بہلوم نے تڑپ کر میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن وہ گرفت ہی کیا جس سے شکار نکل جائے، میں نے بہلوم کو سر سے اونچا اٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ بہلوم پھر اٹھ گیا۔ اس گڑیا کی مانند جس کے نچلے حصے میں سیسہ بھرا ہوتا ہے۔ اور وہ دباتے ہی اٹھ کھڑی ہوتی ہے، لیکن اب اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی اور چہرے پر بدحواسی، اسے ایسے الوکھے مقابل کی امید نہیں تھی جس پر کوئی داؤ کارگر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پریشان تھا کہ کیا کرے۔!

میں پھر اس کی طرف بڑھا اور اس نے مدافعتی انداز میں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔

"کیا خیال ہے۔ معاف کر دوں۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ نیچے گرا لئے۔ ایک بار پھر اس نے پوری قوت مجتمع کر کے حملہ کیا۔ لیکن میں اس بار کھیل ختم کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے اسے گرفت میں لے لیا۔ اور اس بار میری گرفت ایسی تھی کہ وہ نکل نہ سکا، میں نے اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ پھر اس کی دونوں ٹانگیں میں نے گردن میں پھنسائیں اور اوپری جسم نیچے چھوڑ دیا، اس نے خود کو زمین سے ٹکرانے کے لئے دونوں ہاتھوں کا سہارا لینے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش بے سود تھی، میں نے اس کی ٹانگوں کو اونچا کیا اور اس کا سر زمین سے ٹکرا دیا۔ اور اب میں یہ دلچسپ کھیل مسلسل کھیل رہا تھا۔

عشتار بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ مین پال کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ لوگوں کے منہ سے دبی دبی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اور اب بہلوم بھی چیخنے لگا تھا۔ پھر جب وہ سر کچلا ہوا سانپ بن گیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ دھب سے زمین پر گر پڑا۔ شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قریب آ کر اسے دیکھنے لگے۔ اس دیو کی شکست بھی حیرت انگیز تھی۔ میں آہستہ آہستہ عشتار کی طرف بڑھ گیا۔

اور پروفیسر...... درحقیقت اس وقت وہ صرف عورت نظر آ رہی تھی۔ ایک البیلی الھڑ دیہاتن محبوبہ، جو اپنے محبوب کی فتح پر نازاں ہو۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محبت کا اعتراف کیا اور پھر اسے مین پال کا خیال آ گیا۔ تب وہ ایک دم سنبھل گئی۔ اس کی یہ وارفتگی کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

''عظیم مین پال۔ میرا سپاہی تیری داد کا منتظر ہے۔'' اس نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

''نہ صرف داد...... بلکہ عظیم مرتبے کا مستحق ہے یہ شخص۔ کیونکہ یہ وہ ہے جو کہتا بھی ہے اور کرتا بھی ہے، بیشک اس نے بہلوم کو بدترین شکست دی ہے، اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کے بدن میں پوشیدہ قوت سب سے انوکھی ہے، یوں سمجھو۔ بہلوم اس کے سامنے شیر خوار بچے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا......!'' مین پال نے خلوصِ دل سے اعتراف کیا۔

میرا خیال تھا کہ مین پال کو اپنے سپاہی کی شکست پسند نہ آئی ہوگی۔ لیکن درحقیقت اس نے پورے خلوص سے اعتراف کیا تھا۔ تب اس نے بلند آواز سے کہا۔

''سن اے جیالے، سن اے بہادر، تو قائم ہے۔ تو عظیم ہے۔ تیری عظمت کے انعام کے طور پر ہم تجھے اپنی آدھی فوج کا سالار مقرر کرتے ہیں۔ اور۔ تو نے عشتار کا حکم مانا۔ اور اپنے شکار کو کوئی ایسی اذیت نہیں دی جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی اس لئے، تیری اس وفا شعاری کے انعام کے طور پر ہم تجھے اپنے خاص مصاحبوں اور مشیروں میں شامل کرتے ہیں۔ ہمارے لشکر میں تیری حیثیت سب سے ممتاز رہے گی۔''

''مین پال عظیم ہے۔ وہ بہادروں کا قدر دان ہے۔'' عشتار نے کہا اور یوں یہ دلچسپ صبح ختم ہوئی، اور مجھے وہ نمایاں حیثیت مل گئی جو بھی میری اصلیت سے میل نہ کھاتی تھی، لیکن بہر حال غنیمت تھی، آگے کا کھیل تو ابھی باقی تھا۔

عشتار مین پال کے ساتھ ہی واپس چلی گئی۔ میری اس ساتھی کو تو سانپ ہی سونگھ گیا تھا، جس کے ساتھ میں مقیم تھا، اور جس نے میرا مذاق اڑایا تھا...... اکھاڑے سے میں واپس اسی کے خیمے میں گیا تھا لیکن وہ نہ جانے کہاں تھا۔ کافی دیر تک میں خیمے میں، بیٹھا گزرے ہوئے واقعات پر غور کرتا رہا۔ پھر جب بیٹھے بیٹھے اکتا گیا، تو باہر نکل آیا...... تب میں نے دیکھا، میرا ساتھی، خیمے کے باہر زمین پر گردن جھکائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

''اوہ...... تم یہاں کیوں بیٹھے ہو جیالے......؟'' اور وہ بری طرح اچھل پڑا۔ پھر اس طرح گھبرا کر اٹھا، جیسے میں جھپٹا مار کر اسے دبوچنے والا ہوں۔ لیکن جب میں نے ایسا نہ کیا تو وہ تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''تم...... تم مجھ سے ناراض ہو......؟'' اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟ تم سے ناراض ہونے کی کیا بات ہے......؟''

''میں نے تمہارا مذاق اڑایا تھا......!''

''اوہ...... اس میں مذاق کی کیا بات تھی...... تم میرا امتحان لینا چاہتے تھے۔ میں نے امتحان لے لیا۔''

''لیکن میں نے تمہیں مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔''

''تم نے دیکھا، مصیبت میں کون پھنس گیا......!''

''کیا تم نے دوسری بات بھی صحیح کی تھی......؟''

''دوسری بات کون سی......؟''

"جب تم عشتار کے قاصد بن کر آئے تھے اور تم نے مین پال سے کہا تھا کہ تم لشکر کا قتلِ عام کر سکتے ہو اور خود قتل نہ ہو گے۔"

"سنو میرے دوست، میں کوئی بات غلط نہیں کرتا..... تم جب چاہو آزما لینا۔"

"تب تو..... تب تو تم مین پال کے پورے لشکر پر بھاری ہو..... لیکن ایک بات سنو، اگر تم دونوں کے ہاتھوں میں ہتھیار ہوتے، تو کیا اس وقت بھی تم بہلوم پر قابو پا لیتے، بہلوم صرف پہلوان ہی نہیں، ایک اچھا سپاہی بھی ہے..... میرا خیال ہے اس کے دھاردار کھانڈے کے وار سے تم جان نہ بچا سکتے۔"

اور اس کی بات سن کر مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی..... "ایک بات بتاؤ مکار سپاہی.....؟ کیا تمہاری بہلوم سے کچھ دشمنی ہے.....؟"

"یرگل کی قسم، ہرگز نہیں....."

"پھر تم اس کی زندگی کے گاہک کیوں ہو.....؟"

"امان کی قسم، میں نہیں سمجھا۔"

"تو سنو..... اگر بہلوم کو عقل نہ آئی ہو، اور اس کے دل میں ہتھیار استعمال کرنے کی حسرت رہ گئی ہو۔ تو کل کے کھیل میں تم اعلان کر سکتے ہو کہ میں بہلوم کو ہر فنِ سپاہ میں شکست دے سکتا ہوں۔ میں اس کے ناقابلِ تسخیر کھانڈے کو چیڑ کے درخت کی کمزور ٹہنی کی مانند ناکارہ کر دوں گا، میں اس کے تیز نیزے کی انی کو اپنے جسم پر روک کر موڑ دوں گا، میں اس سے ہر طریق جنگ پر، جنگ کرنے کو تیار ہوں۔"

"مگر اب وہ تم سے جنگ نہ کر سکے گا۔"

"کیوں.....؟"

"کیونکہ تمہاری حیثیت اس سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ ارے باپ رے باپ، میں تم سے اس بے تکلفی سے کیسے مخاطب ہوں، تم تو میرا السرِ اعلیٰ بن چکے ہو....." اس نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی، لیکن میں نے لپک کر اس مسخرے کی گردن پکڑ لی۔

"سن او نامعقول، میں اب بھی تیرا دوست اور تیرا ساتھی ہوں..... مجھے مین پال کی سالاری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تاہم عشتار کے لئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"عشتار....." اس نے میری طرف دیکھا، پھر لوفروں کی طرح مسکرانے لگا اور پھر گردن مٹکاتے ہوئے بولا۔ "تو یہ قصہ ہے بڑے بھائی..... ٹھیک ہے، بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں۔"

"تو کل تم اسے میری طرف سے للکار رہے ہو.؟" میں نے پوچھا اور اس نے دونوں کان پکڑ لئے اور زور زور سے کھینچنے لگا۔

"نہیں نہیں..... شمس کی قسم ہرگز نہیں..... تم نے میرے ساتھ ایک زیادتی بھی کی ہے۔"

"وہ کیا۔؟"

"جب تم نے اسے شکست دی تھی تو اسے قتل کیوں نہیں کر دیا۔ بہلوم بڑا کینہ پرور انسان ہے..... وہ یہ بات کبھی نہیں بھولے گا کہ میں نے

اسے تم سے مقابلے پر اکسایا ہے اور میری جان کسی بھی وقت عذاب میں آ جائے گی۔"

"تم فکر مت کرو، اگر اس نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ خوشی سے کھل گیا، اور پھر اچھلتے ہوئے بولا۔

"تب تم مجھے اپنے معالجوں میں شامل کرلو...... مجھے اپنے ساتھ ہی لگاؤ، یقین جانو، بہت اچھا اور بے حد وفادار ثابت ہوں گا۔!"

"ٹھیک ہے......لیکن ایک شرط بھی ہوگی۔؟"

"کہو کہو...... جلدی کہو......"

"تمہارا خیمہ میرے خیمے سے اتنی دور ہوگا، کہ رات کو سوتے ہوئے تمہاری کئے ہوئے بکرے جیسی آواز مجھ تک نہ پہنچے۔"

"ہاں ہاں......ایسا ہی ہوگا، لیکن یقین کرو، اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے...... میں نے بدبخت سوما کو بھی یقین دلانے کی کوشش کی تھی......لیکن، ہائے افسوس، وہ نہ مانی اور اس نے میری شریک زندگی بننے سے انکار کر دیا"۔

"سوما کون تھی......؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میری محبوبہ۔ لیکن صرف دن کی، ایک دفعہ رات کو بھی میرے ساتھ رہ گئی تھی، بس اسی دن سے اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور پھر کسی قیمت پر میرے ساتھ زندگی گزارنے پر آمادہ نہ ہوئی۔" مجھے بے تحاشہ ہنسی آ گئی۔ وہ دلچسپ آدمی تھا۔ اور اس وقت جب تک عشتار کی معیت حاصل نہ ہو جاتی، اس کے ساتھ اچھا وقت گزر سکتا تھا۔ میں اسے کچھ اور گفتگو کرنے والا تھا کہ اسی وقت مین پال کے خصوصی دستے کے دو سپاہی نظر آئے۔ وہ میرے سامنے آ کر جھک گئے تھے۔

"عظیم مین پال تجھے طلب کرتا ہے......" وہ بیک وقت بولے۔ اور میں نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں چلتا ہوں...... تجھ سے جو گفتگو ہوئی ہے اس کا خیال رکھوں گا......" اور میں ان دونوں کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں، مین پال کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ عشتار اس کے ساتھ موجود تھی...... مین پال منتظر تھا کہ میں اس کی تعظیم کے لئے جھکوں، لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔ تب مین پال کے ہونٹ سکڑ گئے......اس نے عشتار کی طرف دیکھا اور عشتار نے مسکراتے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا......اور اس مسکراہٹ میں، مین پال کا غصہ جذب ہو گیا۔ تب اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کھردری آواز میں کہا۔

"تیرا نام کیا ہے جیالے......عشتار کا کہنا ہے کہ اسے تیرا نام معلوم نہیں ہے۔"

"تو مجھے قوت کے نام سے پکار سکتا ہے۔"

"کیا تو مصر سے آیا ہے۔؟"

"ہاں۔"

"مصر ہی کا باشندہ ہے۔؟"

''نہیں......''

''میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مصر آنے سے قبل تو کہاں رہتا تھا۔ تیرا حسب ونسب کیا ہے...... تیرا قبیلہ کون سا ہے۔؟''

''سن اے مین پال...... عشتار نے تجھے میرے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ حقیقت ہے۔ اس سے زیادہ نہ عشتار کو معلوم ہو سکا ہے نہ تجھے معلوم ہوگا...... میں نے عشتار سے وعدہ کیا ہے کہ اس وقت تک اس کے ساتھ رہوں گا جب تک اس کا انتقام نہ پورا ہو جائے...... سو میں اپنے وعدے کی پابندی کروں گا...... اسی لئے میں یہاں ہوں، میرے اوپر کوئی پابندی مسلط نہ کی جائے۔ مجھ سے کسی معاملے میں کوئی توقع نہ رکھی جائے...... اسی میں تمہاری بہبود مضمر ہے۔''

مین پال غور سے میری گفتگو سن رہا تھا لیکن میری باتوں سے نہ جانے کیوں وہ ناراض نہیں ہوا اور مسکراتا رہا۔

''عشتار بتا چکی ہے کہ تو حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے۔ تو بڑی بڑی چٹانوں کو لڑھکا سکتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ حسین عشتار جھوٹ نہیں بولتی۔ بہر حال ہم نے تجھے تیرے شایان عہدہ دیا ہے۔ کیا تو اس سے خوش نہیں ہے۔؟''

اور اس کی بات پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''شاید تو میری بات پر یقین نہ کرے لیکن میں تجھے ضرور بتاؤں گا کہ مجھے تو پورے مصر کی بادشاہت سونپی جارہی تھی اور اس سے قبل بھی بہت سی حکومتوں نے اپنا ملک میرے حوالے کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن مین پال، میں ایک سیلانی انسان ہوں۔ دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے عہدوں اور حکومتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہوں۔ رہا تیری فوج میں شامل ہونے کا سوال۔ تو اگر تو ایسا کرے کہ اپنی ساری فوج کا ایک حصہ بنا اور دوسرے آدھے حصے کے لئے صرف مجھے تنہا رہنے دے تو میری کارکردگی تیری فوج سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔''

مین پال منہ پھاڑے میری باتیں سن رہا تھا۔ شاید میری چند باتوں نے اسے مطمئن کر دیا تھا اس لئے اس کے چہرے کی مسکراہٹ برقرار رہی اور پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''تو نے جو کچھ بھی کہا اس میں کیا جھوٹ ہے اور کیا حقیقت۔ تاہم ہم تیری قوتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے یونہی سہی لیکن ہمیں تیرے جیسے جیالے جوان کی ضرورت ہے۔ فی الحال جو عہدہ ہم نے تیرے حوالے کیا ہے اسے سنبھالے رکھ۔ اس کے بعد اپنے بارے میں فیصلہ کرنا تیرا کام ہوگا۔ ہاں۔ ہم نے پوری فوج کو احکامات دے دیئے ہیں۔ تیرے ماتحت افسر تیرے پاس آئیں گے۔ آج رات، چاند نکلنے پر ہم کوچ کریں گے۔ دن کی روشنی میں اپنے افسروں سے مل کر اپنے دستوں کو منظم کر لے۔'' میں نے گردن ہلا دی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔

یوں پروفیسر...... مجھے براہ راست ایک فوج کی قیادت نصیب ہوئی۔ اسی رات جبکہ پہاڑ تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مین پال کے لشکر نے کوچ کر دیا۔ رات کا سفر ان کے نزدیک کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا۔ عشتار، مین پال اپنے خاص مصاحبوں کے ساتھ آگے تھا۔ ان کے دونوں طرف دو اور گھوڑے تھے جن میں سے ایک پر میں اور دوسرے پر بقیہ آدھی فوج کا سالار جو ایک ادھیڑ عمر تجربے کار تھا، سوار تھا۔ یہ گھوڑے رات کے سفر کے عادی تھے اس لئے سورج بلند ہونے تک کسی گھوڑے نے ایک بار بھی ٹھوکر نہیں کھائی اور کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں پیش آیا۔

ہمارا رخ منائیوں کی سرزمین تھا اور ہم برق رفتاری سے اس طرف بڑھ رہے تھے۔ راستے میں، میں نے کئی گھڑسواروں کو دیکھا جو ہمیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے مین پال کے ٹڈی دل لشکر کو خبر دے دی لیکن اشیری شاید مین پال کی قوت کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا چنانچہ اس نے پہلی منزل پر مقابلے کی ٹھانی اور یزکا کے مقام پر اس کی فوج صف آراء ہوگئی۔ تیسری رات کی صبح جب ہم یزکا کے سامنے پہنچے تو منائی اس طرح ساکت ہوگئے تھے جیسے بلی کے سامنے چوہا۔ ان کی ٹانگوں میں شاید جان نہیں تھی کہ وہ بھاگ سکتے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کا مقابلہ کسی فوج سے نہیں بلکہ ایک سمندر سے ہوگا اور جب سمندر سامنے آ گیا تو وہ بھی جان چھوڑ بیٹھے، بھاگتے تو کہاں؟ اس سمندر سے چھٹکارا مشکل تھا۔

چنانچہ پروفیسر...... ہماری فوجیں آگے بڑھیں اور منائی فوجوں کو نرغے میں لے لیا۔ منائیوں نے خوف سے ہتھیار پھینک دیئے اور گھوڑوں سے کود کر اوندھے گرنے لگے لیکن...... فاتح اعظم مین پال ان کی جاں بخشی پر آمادہ نہ تھا۔ اس نے تلوار بلند کی اور مین پال کے فوجی نہتے لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ یکطرفہ جنگ شروع ہوگئی۔ منائیوں کو مرنے سے بھی انکار نہیں تھا جیسے موت کو وہ اپنا مقدر سمجھ چکے ہوں۔

لیکن میں اس جنگ کے خلاف تھا۔ میں نے اپنی تلوار بلند نہیں کی جبکہ ایک ایک سپاہی، خود مین پال اور عشتار قتل عام میں مصروف تھی۔ عشتار کا پورا چہرہ، پورا جسم خون میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ زیادہ سے زیادہ قتل عام کر رہی تھی۔ میں کس کس کو روکتا چنانچہ میں ایک طرف جا کھڑا ہوا۔

جب عشتار ایک بار میرے نزدیک سے گزری اور میں نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگامیں پکڑ لیں۔ وحشی ناگن پھنکار رہی تھی۔ اس نے اپنی مضبوط تلوار میری طرف گھمائی اور پھر مجھے پہچان کر اسے بلند کر لیا۔

''اوہ جیالے۔ تم ان لوگوں کو قتل کرنے میں حصہ نہیں لے رہے۔''

''کیا یہ جنگ کر رہے ہیں۔؟''

''لیکن یہ اشیری کے فوجی ہیں۔ میرے بھائی کے قاتلوں میں سے ہیں۔'' عشتار نے کہا۔

''جنگ نہ کرنے والوں کو صرف گرفتار کر لیا جاتا ہے عشتار۔ انہیں اس طرح قتل نہیں کیا جاتا۔''

''لیکن میں ایک ایک منائی سے اپنے بھائی کے خون کا قصاص چاہتی ہوں۔'' عشتار نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گئی۔ چند گھنٹوں میں پوری فوج کا صفایا ہو گیا اور ہم یزکا میں داخل ہو گئے۔ سہمے ہوئے انسانوں کی بستی، ہر چہرہ خوف سے زرد، مین پال کا گھوڑا، یزکا کے بازاروں، گلیوں اور میدانوں سے گزر رہا تھا۔ خونخوار فوجی اس کے اشارے کے منتظر تھے۔ پھر عشتار بھی اس کے قریب پہنچ گئی اور پھر ایک بہت بڑے میدان میں پہنچ کر مین پال رکا۔ اس نے اپنی تلوار بلند کی اور ایک دم خاموشی چھا گئی۔ مجھے طوفان کی آمد کا احساس تھا۔ یہ خاموشی اس کی ابتداء تھی۔

اور پھر اچانک مین پال نے ایک زوردار آواز کے ساتھ تلوار لہرائی اور اس کے فوجیوں کے گھوڑے شہر کے گلی کوچوں کی طرف دوڑ پڑے۔ یزکا تباہ کیا جانے لگا۔ دلسوز چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ عورتیں، بچے، مرد، بوڑھے قتل کئے جانے لگے۔ سامان لوٹا جانے لگا۔ مویشی کھول لئے گئے۔ شور قیامت بلند تھا۔ وحشت و بربریت کے مظاہرے عام تھے لیکن میں ان میں شامل نہ تھا۔ میرا گھوڑا میدان کے ایک کونے میں خاموش کھڑا تھا۔ مجھے یہ سب کچھ پسند نہ تھا لیکن تہذیب کے اس دوسرے گہوارے کو میں دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مصر میں نہیں ہوا تھا۔ ظالم وہاں بھی تھے۔ فرعون

ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے لیکن ان کا کوئی پس منظر ہوتا تھا۔ یوں عورتوں اور بچوں کو مظالم کا نشانہ نہیں بنایا جاتا تھا۔

لیکن جو ہوتا تھا ہو رہا تھا۔ اگر میں ان میں شامل نہ ہوتا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ان بدقسمتوں کے مقدر میں یہی لکھا تھا۔

تب اچانک عشتار کی نگاہ میرے اوپر پڑی اور اس کی کسی بات پر مین پال نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ دونوں ہی گھوڑے دوڑاتے میرے پاس آ گئے تھے۔ مین پال نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''اوہ۔ سنہرے بدن والے۔ کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔؟ کیا تو خوبصورت عورتوں کا طلب گار بھی نہیں ہے۔ جا تو بھی ان میں شامل ہو جا۔ اپنی پسند کی عورت حاصل کر لے۔ اپنی ضرورت کا سامان لے لے۔''

''نہیں مین پال۔ مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تیری اس حرکت سے اختلاف ہے۔''

میرے گستاخانہ الفاظ سے مین پال کے چہرے کا رنگ بدل گیا لیکن موقع شناس تھا۔ اس وقت تنہا تھا اور میری قوت سے واقف بھی اس لئے مشتعل نہ ہوا اور بولا۔

''تجھے کیا اختلاف ہے۔؟''

''فوجی مقابلے پر نہیں آئے تھے۔ ان کی گرفتاری مناسب تھی۔ قتل عام نہیں۔''

''اوہ۔ مگر وہ بے بس ہو گئے تھے۔ اگر ہمارے ساتھ اتنی بڑی فوج نہ ہوتی تو وہ مقابلہ کرتے اور ہمارا وہی حشر کرتے جو ہم نے ان کا کیا ہے۔ پھر یہ بتا کہ ہم انہیں قیدی بنا کر ان کا کیا کرتے۔ انہیں کہاں رکھتے اور کیا وہ ہمارے لئے الجھن نہ بن جاتے۔''

''اور ان بے گناہوں کے بارے میں کیا خیال ہے مین پال۔ جنہیں ان کے گھروں سے نکال کر مارا جا رہا ہے۔''

''یہ فوجی۔ جو اپنا وطن، اپنا سب کچھ چھوڑ کر، مشقتیں اٹھائے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ ان کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔ کیا یہ احمق ہیں اور بے مقصد ہی مصائب جھیلتے رہے ہیں؟ ان کے لئے یہ سب ضروری ہے۔ فتح حاصل کرنے کے بارے میں ان کی سب سے بڑی خوشی یہی ہوتی ہے کہ فتح حاصل کرنے کے بعد مال غنیمت حاصل کریں۔'' مین پال نے کہا۔

میں خاموش ہو گیا۔ میرے پاس اس کا کیا جواب تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے یُزکا سے شعلے اور دھواں بلند ہوتے دیکھا۔ ظالم فوجیوں کے لوٹ مار کرنے کے بعد شہر کو آگ لگا دی گئی تھی اور پھر بے شمار بھیڑیں، گائیں، بکریاں اور انہیں کی مانند نوجوان لڑکیوں کو ہانکتے ہوئے وہ لوگ واپس آ گئے۔ ان عورتوں کے ساتھ کوئی بچہ، کوئی بوڑھا نہ تھا۔ صرف نوجوان اور نوخیز لڑکیاں تھیں جو ان سپاہیوں کی ملکیت تھیں۔ مین پال نے یُزکا سے کچھ آگے جا کر قیام کا ارادہ کیا اور سب وہاں سے چل پڑے۔

میں بھی ان کے ساتھ تھا لیکن نہ جانے کیوں میں بددل ہو گیا تھا۔ اب عشتار بھی میرے دل سے اترتی جا رہی تھی۔ انہیں وحشیوں میں سے ایک، اسے چاہئے تھا کہ اخشیر ی سے اپنے بھائی کا بدلہ لے لیتی لیکن وہ بھی مین پال کی طرح ایک ایک فرد سے بدلہ لے رہی تھی۔ تھوڑی دور ایک میدان میں قیام کیا گیا اور جشن فتح منایا گیا تھا۔ لوٹا ہوا مال تقسیم ہونے لگا۔ بھیڑیں، بکریاں ذبح کر کے بھونی جانے لگیں۔ شراب کے دور چلنے

لگے۔ بدمست قہقہے...... یا ہو...... شور وغوغا۔

لیکن میں اپنے خیمے سے باہر نہیں نکلا۔ میں ان وحشت ناک مناظر کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں پا سکتا تھا جبکہ میں جانتا تھا کہ انہیں روکنا بھی میرے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسری صبح ہم منا تو چل پڑے۔ اشیری کی پہلی خوفناک شکست کا احساس ہو گیا تھا اس لئے منا تو تقریباً خالی ملا لیکن صرف انسانوں اور فوجوں سے البتہ مال واسباب یونہی موجود تھا۔ چنانچہ فوجیوں نے مال واسباب لوٹنے اور شہر جلانے پر ہی اکتفا کیا اور پھر یہاں سے بھی آگے بڑھ گئے۔

اسی طرح دن رات سفر طے کرتے ہوئے ہم ازرلو تک پہنچ گئے۔ شہر مال واسباب، مویشیوں سے بھرے ملتے لیکن انسان صرف وہی ملتے جو کسی وجہ سے فرار نہ ہو سکے ہوں گے چنانچہ مین پال کے فوجی تبر کا انہیں قتل کر دیتے۔ انہیں میں سے ایک کی زبانی معلوم ہوا کہ اشیری اشتستی چلا گیا ہے اور پوری قوت سے شہر کے استحکام اور فوجوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہے چنانچہ مین پال آندھی اور طوفان سے اشتستی کی طرف چل پڑا۔ عشنا راس کی شریک کار تھی اور بلاشبہ وہ مین پال کے فوجیوں سے زیادہ وحشت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس کے کسی انداز میں نسوانیت نہیں تھی۔ قتل عام کرتی تو اس کے لباس پر خون کی موٹی موٹی تہیں جم جاتیں۔ لوٹ مار کرتی تو وحشت و بربریت میں اپنا ثانی نہ رکھتی۔

اور پھر ہم اشتستی کے سامنے پہنچ گئے۔ بہت مضبوط قلعہ تھا۔ چاروں طرف وسیع خندقیں کھودی گئی تھیں جن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ایک طرح سے اس تک پہنچنا ناممکن ہی تھا۔ مین پال زخمی شیر کی طرح غرا رہا تھا۔ بہرحال اس نے چاروں طرف سے قلعہ کو محصور کر لیا اور اس پر حملہ آور ہونے کی ترکیبیں کرنے لگا۔

لیکن بظاہر کوئی ترکیب نہیں سمجھ میں آتی تھی۔ ہاں صرف میں تھا جو اس قلعے کو کھول سکتا تھا اور کئی دن کے بعد عشنار کے ذہن میں میرا خیال آیا اور...... ایک رات وہ میرے خیمے میں پہنچ گئی۔ وہ پوشیدہ طور پر آئی تھی۔ میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو میرے محبوب۔؟" اس نے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں عشنار۔ لیکن جس انداز میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ مجھے پسند نہیں ہے۔"

"عظیم مین پال کے وحشی فوجی، اس کے بغیر جنگ پر آمادہ نہیں ہو سکتے اور ان لوگوں کے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہئے جو ہو رہا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ انہوں نے اریلا کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا بلکہ اس سے بھی بدتر۔ میرا بھائی ان لوگوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا اور اس کی موت پر انہوں نے جشن فتح منایا تھا۔ میں انہیں دیکھ کر خود پر قابو نہیں پا سکتی۔"

"لیکن تمہارے بھائی کے قتل میں بے گناہ عورتیں اور بچے تو شامل نہ تھے۔"

"آہ۔ سنہرے بدن والے۔ انہیں ماؤں نے ان اولادوں کو جنم دیا تھا جو جوان ہو کر میرے بھائی کے قاتل بنے۔ یہی بچے جوان ہو کر وحشت و بربریت کی مثالیں قائم کرتے ہیں۔ ان کی بنیادیں اکھاڑ دینا ضروری ہوتا ہے تاکہ مستقبل میں کوئی اور بعل نہ قتل ہو جائے۔"

"مجھے اس سے اختلاف ہے اور میں اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"لیکن تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا جیالے۔کہ تم اشیری کو قتل کرنے میں میری مدد کرو گے۔؟"

"ہاں۔میں وہ وعدہ پورا کرنے کو تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

"کیا شرط ہے بتاؤ۔"عشتار جلدی سے بولی۔

"اشمشی میں داخل ہو کر ہم اشیری کی فوجوں کو قتل کریں گے۔اشیری کو بدترین موت ماریں گے لیکن شہر میں نہ قتل عام ہو گا اور نہ اسے نذر آتش کیا جائے گا۔"

"اوہ۔مگر......مگر میں فوجوں کو کیسے روک سکوں گی۔؟"عشتار پریشانی سے بولی۔

"مین پال کے ذریعے۔وہ تمہاری ہر بات مانتا ہے۔میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ وہ تمہارا عاشق ہے اور تم نے فتح کے عوض اس سے اپنا سودا کر لیا ہے۔"

عشتار چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔"ہاں۔یہ درست ہے لیکن جیالے۔میں نے اسے دھوکہ دیا ہے۔میں اقرار کر چکی ہوں کہ میں صرف تمہیں چاہتی ہوں۔میں فاحشہ نہیں ہوں کہ ہر ایک سے اقرار محبت کرتی پھروں۔تم میرے محبوب ہو اور مین پال میری ضرورت......اور ضرورت پوری ہونے کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔؟"

"میں مین پال سے بات کروں گی۔میں اسے تیار کر لوں گی لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ ہم شہر میں کس طرح داخل ہوں گے۔؟"

"میں خندق میں اتر کر شہر کے دروازے پر جاؤں گا۔اسے کلہاڑے سے توڑ ڈالوں گا اور پھر اسے کھول دوں گا۔تب تمہاری فوجیں آسانی سے شہر میں داخل ہو جائیں گی۔"

"یہ کام تم تنہا کر لو گے۔؟"

"ہاں۔اسی طرح جیسے میں نے تمہیں بند غار سے نجات دلائی تھی۔"

"لیکن وہ اور بات تھی۔شہر کی فصیلوں پر آگ برسائی جائے گی۔"

"مین پال اگر میری بات ماننے پر تیار ہو جائے تو میں اپنے کام کا خود ذمہ دار ہوں۔"

"لیکن مجھے تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔"

"میں زندہ رہوں گا۔"میں نے کہا اور پھر ضروری اقرار ناموں کے بعد وہ واپس چلی گئی۔رات کے دوسرے پہر مین پال نے مجھے بلایا، اس کے چہرے سے مکاری عیاں تھی لیکن میں نہ سمجھ سکا کہ وہ عشتار سے کوئی خفیہ بات کر چکا ہے۔اس نے بھی مجھ سے ضروری سوالات کئے اور شاید مطمئن نہ ہوا تاہم اس نے یہ حیرت انگیز کام میرے سپرد کر دیا۔

"راتوں رات میرے لئے ایک مضبوط اور بے حد وزنی کلہاڑا تیار کیا گیا اور دوسرے دن مین پال کی فوجیں صف بستہ ہو گئیں لیکن کسی کی

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مین پال نے خندق عبور کر کے دروازہ کھولنے کا کیا پروگرام بنایا ہے۔ تب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اپنا کلہاڑا کندھے سے لٹکائے خندق کی طرف بڑھا اور قلعے سے میرے اوپر تیروں کی بارش ہونے لگی لیکن مین پال اور اس کے لوگوں نے پوری پوری آنکھیں پھاڑ کر یہ حیران کن منظر دیکھا کہ تیر میرے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر ادھر ادھر گر پڑتے تھے جبکہ میں آہنی لباس میں بھی نہیں تھا۔ ہاں ایک تیر نے میرے گھوڑے کی گردن میں سوراخ کر دیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ لیکن اب گھوڑے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں لوہے کی مضبوط زنجیر دونوں ہاتھوں میں سنبھالے خندق کے قریب پہنچ گیا۔ یہ زنجیریں میری مرضی کے مطابق بنائی گئی تھیں۔ تب میں نے خندق میں چھلانگ لگا دی۔ اور کیا ہی زوردار بارش ہوئی پروفیسر میرے اوپر آگ کے گولوں کی، جلتا ہوا سیال دھاروں کی شکل میں میرے بدن پر گر رہا تھا اور پانی پر آگ بھڑک اٹھی تھی۔

لیکن آگ...... میری غذا...... میرے جسم میں تو ہلکی ہلکی حرارت نے ایک خوشگوار کیفیت پیدا کر دی تھی۔ آگ اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ خندق کا جلتا ہوا پانی اچھل رہا تھا اور میں دوسرے کنارے پر بڑھ رہا تھا۔ شاید میں مین پال کے آدمیوں کے ساتھ قلعے والوں کی نگاہوں سے بھی روپوش ہو گیا تھا کیونکہ آگ اور دھوئیں نے پورے ماحول کو آغوش میں لے لیا تھا۔ پھر میں نے زنجیر کا وہ سرا اوپر اچھالا جس میں ایک نوکدار آنکڑا منسلک تھا۔ آنکڑا کسی مناسب جگہ پر پھنس گیا اور میں زنجیر کے سہارے اوپر چڑھ گیا اور اب میں اس عظیم الشان دروازے کے نزدیک تھا جسے مجھے کھولنا تھا اور جو خندق پر ایک پُل کی حیثیت رکھتا تھا۔ میں نے دروازے کا بخوبی جائزہ لیا۔ اوپر والے بدستور اپنا کام کر رہے تھے۔ عشتار اور مین پال کی دانست میں اب تو میرے بدن کے کوئلے بھی پس گئے ہوں گے لیکن میں پورے اطمینان سے اپنے کام کر رہا تھا۔ میں ان چیزوں کو تلاش کر رہا تھا جنہیں باہر سے توڑ دینے سے دروازہ نیچے آ پڑتا۔ لمبی لمبی دو چولیں مجھے نظر آ گئیں۔ انہیں کے دوسری طرف وہ فولادی زنجیر جو پھاٹک کو روکے ہوئے تھیں، چنانچہ میں نے کمر سے اپنا کلہاڑا اتارا اور چولوں کو توڑنے لگا۔ ذرا محنت کرنا پڑی تھی...... کیونکہ اشیری نے اس پر عقل خرچ کی تھی۔ لیکن کام ہو گیا۔ کلہاڑے کی مضبوط ضربوں نے فولادی زنجیریں کاٹ دیں...... اور یقیناً جب پھاٹک تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ نیچے گرا ہوگا تو مین پال اور اس کے فوجیوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہوں گی۔!

میں پھاٹک ہی کے عقبی حصے سے لٹک گیا تھا اور یہی بہتر ہوا، مین پال کے فوجی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے اور پورے شہر میں ہاہاکار مچ گئی...... ا میں بھی پیچھے سے نکل آیا اور ایک خالی گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا جو اپنے مالک کی لاش کو لاشوں میں سونگھتا پھر رہا تھا...... لیکن اندر مناظر کچھ اور ہی تھے۔!

شہر میں بغاوت ہو چکی تھی، اشیری کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس کی لاش گھوڑوں سے بندھی ہوئی گلی کوچوں میں گھسٹ رہی تھی۔ یہ صورت حال، حیران کن تھی...... لیکن مین پال کے فوجیوں کو اس بغاوت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... وہ تو اپنا محبوب کھیل کھیل رہے تھے...... عشتار کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اشیری کو قتل کر سکے، تاہم اشیری کے حشر سے وہ غیر مطمئن بھی نہیں تھی...... اور پھر اس نے اشیری کے خاندان کے لوگوں سے اپنے انتقام کی پیاس بجھائی...... امیرے عہد کی دھجیاں اڑا دی گئیں...... میں نے عشتار کو اسی عالم میں دیکھا، جس میں دیکھتا چلا آیا تھا۔!

اور...... ایک دفعہ...... میں نے اسے روکا...... !عشتار نے خون کی پیاسی نگاہوں سے مجھے دیکھا......اور مسکراتے ہوئے سفاکی سے بولی۔

''میری پیاس نہیں بجھی ہے...... ابھی، ابھی مجھے نہ روکو...... میں...... میں اس وقت کوئی بات نہیں سن سکتی ...... مجھے بعل کی موت کا انتقام لے لینے دو...... جاؤ...... میرے راستے میں نہ آؤ۔!''

''لیکن مجھے بدعہدی سے نفرت ہے۔!'' میں نے کہا۔

''بدعہدی تم سے بھی ہوئی ہے، اشیری میرے ہاتھوں قتل نہیں ہوا، یہ تڑپ سرد ہو جانے دو...... میں تم سے معافی مانگ لوں گی......'' اور وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی، میں اپنی جگہ کھڑا غصے سے کھولتا رہا، اگر میں پھاٹک نہ کھولتا تو یہ کامیابی آسان نہ تھی ...... مجھے ان بدعہد لوگوں سے نفرت ہو گئی...... ٹھیک ہے یہ ان کے آپس کے معاملات تھے، مجھے کیا پڑی تھی جو ان میں ٹانگ اڑاتا پھروں، چنانچہ میں نے ایک تندرست و توانا گھوڑا سنبھالا، اور شہر پناہ سے نکل آیا...... اپنے خیمے میں آ کر میں نے اپنا سامان لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ منزل کے بارے میں نہ کبھی پہلے سوچا تھا اور نہ اب اس کا خیال ذہن میں تھا۔

پورے دن سفر کرتا رہا، پہاڑوں میں، گھاٹیوں میں، سرسبز مقامات پر۔ اور پھر رات کو ایک جگہ قیام کیا۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی، چاروں جانب سبزہ لہلہا رہا تھا...... ایک چھوٹی ندی کہیں دور سے آئی اور نہ جانے کہاں تک چلی گئی تھی، ندی کے ایک کنارے سے گھاس کا میدان دور تک چلا گیا تھا، اور دوسرے کنارے پر پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، جن میں لاتعداد غار تھے...... یہ جگہ مجھے اتنی پسند آئی کہ میں نے کچھ روز یہاں رہ کر آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا...... اور پھر اپنے قیام کے لئے میں نے ایک چھوٹا سا صاف ستھرا غار منتخب کیا......! بہت دنوں سے میں نے کوئی کام نہیں کیا تھا...... چنانچہ اس پرسکون مقام پر میں نے اپنی کتاب کے صفحات لکھنے کا پروگرام بھی بنایا اور اس کے لئے تیاریاں کرنے لگا، یہ کام بھی کم دلچسپ نہیں تھا۔ تیاریاں مکمل کرنے کے بعد میں نے اپنی معلومات کے مطابق دشواریوں کی داستان قلمبند کرنا شروع کر دی۔ بابلی تہذیب کی تفصیلات لکھنا شروع کر دیں، اور اب دن بھر کی مصروفیات یوں مرتب ہوئی تھیں۔ صبح کو جاگتا، گھوڑے کو لیتا اور شکار پر نکل جاتا۔ ہرن اور دوسرے عمدہ گوشت والے جانور پکڑتا، انہیں بھون لیتا اور شام تک کے لئے فارغ ہو جاتا۔ گھوڑا اس دوران آزاد پھرتا رہتا تھا اور شام کو واپس آ جاتا...... دوپہر کو ندی کے کنارے ایک عمدہ نشست گاہ میں بیٹھ کر اپنی کتاب قلمبند کرتا اور شام تک یہ شغل جاری رہتا اور پھر رات کے کھانے کے بعد پہاڑی کی سب سے اونچی سطح چٹان پر آ لیٹتا، اور میرے دوست ستارے میرے گرد بکھر جاتے، وہ مجھے انوکھی کہانیاں سناتے اور اس وقت تک میں ان سے ماضی حال اور مستقبل کی باتیں کرتا، جب تک نیند نہ آنے لگتی۔ پھر جب نیند آتی تو غار میں واپس آ جاتا اور سونے کی کوشش کرنے لگتا۔!

ہاں...... چوبیس گھنٹے کا صرف ایک حصہ ایسا ہوتا، جس میں مجھے کسی کمی کا احساس ہوتا تھا...... اور یہ کمی کسی گداز بدن، کسی چمکتے چہرے، اور غار کی دیواروں سے ٹکراتی لذت آمیز سسکیوں کی ہوتی۔ ایسے وقت مجھے عشتار یاد آتی۔ بدعہد۔ وحشی عشتار، پھر اس کا حسن یاد آتا...... اور پھر نیند آ جاتی۔!

یوں ایک طویل عرصہ گزر گیا...... موجودہ ماہ و سال کے حساب سے تقریباً ایک ماہ...... میری داستان مکمل ہو رہی تھی۔ اور اب میں نئے جہانوں کے بارے میں سوچ رہا تھا...... کہ ایک شام...... جب سورج نہیں چھپا تھا، کہیں دور سے میرے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی، اور

میں اپنے مشاغل سے چونک پڑا...... گھوڑے اسی وقت ہنہناتے ہیں جب کوئی خاص بات ہو..... اور وہ خاص بات بہت جلد مجھے نظر آ گئی..... گھوڑے نے اپنی ہم نسل کو دیکھ لیا تھا، اور میں نے عشتار کو، جو اس پر سوار تھی۔ میری تیز نگاہ نے اسے دور ہی سے پہچان لیا تھا۔ تب میں نے اس کے عقب میں دور دور تک نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن اور کوئی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ تنہا تھی۔

لیکن وہ کہاں جا رہی ہے......؟ وہ تنہا کیوں ہے؟ کیا وہ میری تلاش میں ہے......؟ کئی خیالات میرے ذہن میں آئے۔ عشتار نے بھی شاید میرے گھوڑے کی ہنہناہٹ محسوس کر لی تھی...... اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگی۔ پھر اس کی نگاہ میرے گھوڑے پر پڑ گئی اور اس نے اسی طرف اپنا گھوڑا چھوڑ دیا...... تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے گھوڑے کے نزدیک تھی...... میرے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی ہالآخر اسے میں نظر آ ہی گیا۔ میں نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی...... وہ خود ہی میری طرف دوڑ پڑی تھی۔!

اور...... چند ساعت کے بعد وہ میرے قریب تھی...... اس وقت اس کے چہرے پر بے حد نرمی تھی۔ اس کا حلیہ بدلا ہوا تھا، گو وہ اپنے مخصوص لباس میں تھی لیکن اس کے تاثرات لباس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے...... ان پر تاسف، اور پشیمانی کی جھلکیاں تھیں۔

''تم...... تم مجھ سے ناراض ہو۔؟'' اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''یہاں کیسے نکل آئیں عشتار......؟'' میں نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر اس سے سوال کر دیا۔

''آہ...... پورے دس چاند سے تمہاری تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہوں۔''

''میری تلاش میں کیوں......؟''

''تم...... تم میرے محبوب ہو...... تم...... میں تمہیں چاہتی ہوں۔''

''خون کی پیاس بجھ گئی......؟'' میں نے طنزیہ کہا اور اس نے گردن جھکا لی...... پھر شرمندگی سے بولی۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم سے بد عہدی کی۔''

''لیکن اس بدعہدی پر مجھے تم سے نفرت ہو گئی ہے عشتار۔ تمہارے ہاتھوں سے بے گناہ انسانوں کے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ تمہارے پورے جسم سے اس کی لہو کا تعفن اٹھ رہا ہے...... یہاں سے چلی جاؤ...... میں تمہیں قبول نہیں کر سکتا۔''

''نہیں نہیں میرے محبوب...... اب میں کہیں نہیں جاؤں گی...... تم ایک بڑے پتھر سے میرا سر کچل دو...... اور مجھے بدعہدی کی سزا دے لو...... مگر میں یہاں سے نہیں جاؤں گی......'' وہ گھوڑے سے کود آئی۔ ''مجھے اپنے بازوؤں میں جگہ دیدو جیالے...... یہ بازو اب میری سب سے بڑی طلب ہیں...... ہاں میں بعل کے انتقام میں پاگل ہو گئی تھی، مجھے تم سے کیا ہوا عہد پورا کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن میں بدعہدی کی ہر سزا قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

میں نے غور سے اس حسین و جمیل عورت کو دیکھا۔ جو انتقام کی دیوی سے اب صرف عورت بن گئی تھی، اور ان غاروں میں، میں نے عورت

کی طلب شدت سے محسوس کی تھی۔ ہاں اس ندی کے کنارے کے حسین میدان میں، جہاں میرے علاوہ کسی کا وجود نہیں ہے، ایک حسین وجود شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے...... کچھ اور دلچسپ وقت گزر جائے گا، رہی بدعہدی کی بات، تو قتل ہوئے تھے وہ کون سے میرے عزیز تھے، اس سے قبل لاکھوں افراد لاکھوں افراد کو قتل کرتے رہے اگر میں ان میں شامل نہ ہوتا تو نہ جانے کتنے، کتنوں کو قتل کرتے۔ مین پال کی لائی ہوئی تباہی یقینی تھی۔ شہر میں بغاوت ہو چکی تھی، باغی گروپ دروازہ کھول دیتا، اور وہی ہوتا جو ہو چکا ہے...... میں ان حسین لمحات کو کیوں ٹھکراؤں...... اور یہ خیال میرے ذہن میں جاگزیں ہو گیا۔

''مین پال کا کیا ہوا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ اشتستی میں موجود ہے اور اس نے اشیری کے بیٹے عصلی کو تخت پر بٹھا دیا ہے''۔ عشتار نے بتایا۔

''تمہارے بارے میں اس نے کیا سوچا۔؟''

''اس نے پہلے مجھے پیشکش کی۔ لیکن اب میں حکومت نہیں چاہتی، میں سکون کی آغوش چاہتی ہوں...... میں نے اربیلا تک کی حکومت قبول نہیں کی۔ اس کے بارے میں مین پال خود سوچے گا۔''

''میرا مطلب اس دوسرے عہد سے ہے۔ جو تم نے اس سے کیا تھا۔!''

''میں تمہیں بتا چکی ہوں، سنہرے بدن والے، وہ جھوٹا عہد تھا، اور اس کے بارے میں اسی وقت میرے دل میں کھوٹ تھی، جب میں یہ عہد کر رہی تھی۔ اس طرح میں مین پال کی مدد سے اشیری کی شکست چاہتی تھی۔''

''کیا مین پال تم سے دستبردار ہو گیا۔؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں...... ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے مجھ سے میرے عہد کا ایفا چاہا، میں اسے دو دن تک ٹالتی رہی اور پھر ایک رات خاموشی سے وہاں سے فرار ہو گئی اور تمہاری تلاش میں نکل پڑی۔''

اور پروفیسر...... اس عورت کے گناہ میں نے معاف کر دیئے۔ یعنی وہ بدعہدی جو اس نے میرے ساتھ کی تھی...... میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور میری مسکراہٹ سے شہ پا کر وہ میرے سینے سے آ لپٹی۔

''میں تمہیں دل و جان سے چاہنے لگی ہوں سنہرے بدن والے...... تمہارے بغیر تو زندگی کا تصور فراموش کر بیٹھی ہوں...... مجھے اس لافانی جسم کی ضرورت ہے، مجھے ان مضبوط بازوؤں کی خواہش ہے، زندگی کی آخری سانس بھی میں تمہارے قدموں میں نچھاور کر دینا چاہتی ہوں، اب مجھے خود سے جدا مت کرنا۔''

اور میں اسے سینے سے لگائے ہوئے غار کے نیم تاریک ماحول میں لے آیا...... اس کی تمام خواہشات پوری ہو گئی تھیں، سوائے میری خواہش کے...... اور اب وہ آخری خواہش پوری کرنے کے لئے بے چین تھی، اور پروفیسر، میں بھی بھوک سے بلک رہا تھا۔ میں بھی عرصے سے تڑپ رہا تھا اور پھر اس عورت کے لئے مجھے طویل انتظار کرنا پڑا تھا، یوں سمجھو، اتنا کسی عورت کے لئے میں نے اس سے قبل نہیں کیا تھا۔

چنانچہ ہم دونوں کا جنون ایک دوسرے میں پیوست ہوگیا۔ ہم نے تاریکیوں کا انتظار فضول سمجھا۔ اور نیم تاریکیوں ہی کو غنیمت جانا.....

وحشی عورت اس وقت بھی قتل عام پر آمادہ تھی، اس نے لہو کا غسل کر لیا تھا، اور خون بہاتے بہاتے سیر ہوگئی۔ لیکن جوانی کے اس کھیل میں بھی وہ اپنی وحشی فطرت کو فراموش نہ کر سکی اور اس نے پوری پوری وحشت کا اظہار کیا۔ لیکن اسے مقابل کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا، کچھ بھی تو نہیں.....

اس کا مقابل فاتح تھا، ہر دور کا فاتح...... اس کی زندگی میں شکست کا نام نہیں آیا تھا...... وہ تو صرف جیتنا جانتا تھا...... چنانچہ وحشی شیرنی ہار گئی۔ اور..... بار بار ہاری...... یہاں تک کہ اس کے حوصلے پست ہوگئے۔ تمام وحشت دھری رہ گئی اور اسے اعتراف شکست کرتے بن پڑی۔

سورج چھپے ہم نے گنگناتی ندی میں غسل کیا، پھر شکار کھیلا، شکار بھونا، کھایا اور رات ہوگئی۔ حسین سیاہ رات، جو دلوں کو از سر نو آباد کرتی ہے، دن کی روشنی ذہن و دل پر مصنوعیت طاری کر دیتی ہے، جوانی کے راز، رات کی امانت ہوتے ہیں، چنانچہ غار میں پھیلی خاموش سیاہیوں نے ہمارے دل ایک دوسرے کی طلب سے منور کر دیئے۔ عشتار میرے پہلو میں آباد تھی، اس نے اربیلا کا نظام میرے حوالے کر دیا تھا۔ اور میں نے اس امانت سے پورا پورا انصاف کیا۔ تب وہ سکون سے میری آغوش میں منہ چھپا کر سوگئی...... گہری نیند......!

دوسری صبح زیادہ پر رونق تھی...... سورج ہنس رہا تھا...... ندی کی گنگناہٹ بلند ہوگئی تھی۔ گھاس کے میدان زیادہ سبز ہوگئے تھے، یا پھر یہ سب حسن نظر، حسن ساعت تھا۔ کیونکہ انسان کی ازلی طلب پوری ہوگئی تھی۔ فضا عورت کے قہقہوں سے معمور ہوگئی تھی، گھاس کے سبز میدان نازک پاؤں تلے رندے تھے، نرم چیتیاں ناگوار وزن محسوس کر رہی تھیں، اس لئے خوش تھیں۔ اور دور...... ایک دلچسپ منظر ہمارا منتظر تھا!

یہ عشتار کا اور میرا گھوڑا تھا، شاید وہ بھی ایک دوسرے کو چاہتے تھے، یقیناً وہ نر اور مادہ تھے، جس کی تصدیق عشتار سے ہوگئی، وہ گھوڑی پر آئی تھی۔ دونوں شانے سے شانہ ملائے گھاس چر رہے تھے، اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔!

میں ہنس پڑا۔ عشتار بھی ہنس پڑی۔!

''میں اب سمجھا۔ عشتار......'' میں نے شرارت سے کہا۔

''کیا......؟''

''یہی کہ مجھے تلاش کرنے میں تمہیں دقت کیوں نہ پیش آئی۔!''

''تمہاری گھوڑی نے تمہاری رہنمائی کی تھی، یقیناً وہ میرے گھوڑے کی بو سونگھتی ہوئی ادھر آنکلی تھی۔'' میں نے کہا اور عشتار بے تحاشا ہنس پڑی۔ ہم دونوں قہقہے لگانے لگے۔! ...... عشتار کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا...... پھر ہم نے شکار کا فیصلہ کیا...... اور گھوڑوں کی ننگی پشت پر بیٹھ کر گھاس کے میدانوں کے اس پار نکل گئے۔ ہم نے ایک نیل کو گھیرا اور ہمارے گھوڑے اسے پریشان کر کے تھکانے لگے، نیل گائے جان بچانے کے لئے بھاگ رہی تھی...... پھر جب وہ تھک کر گر پڑی تو ہم گھوڑوں سے اتر گئے...... اور ابھی نیل گائے کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ، بیشمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں چاروں طرف ابھریں اور میں چونک پڑا۔!

میں نے گردن اٹھا کر دیکھا...... گھوڑے سوار شاید دیر سے ہماری تاک میں تھے اور کسی مناسب مقام پر ہمیں گھیرنا چاہتے تھے...... جس

طرح ہم نے نیل گھائے کو گھیرا تھا۔!

میں نے سب سے پہلے جس انسان کو دیکھا، وہ مین پال تھا......! قہر وغضب کا پیکر! درندہ صفت مین پال......اس کے نزدیک لیل بہلوم تھا، اور دائیں بائیں دو اور سوار......اور باقی سوار جن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ عشتار بھی پاگلوں کی طرح گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر زردی اُمڈ آئی تھی لیکن میں حسب معمول بے فکر تھا۔ ہاں میں نے گردن اٹھا اٹھا کر ان سواروں کے عقب میں جھانکا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ مین پال کے ساتھ صرف یہی لوگ ہیں یا اور بھی ہیں۔

لیکن مین پال صرف ایک دستے کے ساتھ آیا تھا اور میں نے دل میں سوچا کہ ٹھیک ہے۔ ان مٹھی بھر لوگوں سے نپٹنے میں زیادہ وقت نہ صرف ہوگا۔ تب مین پال کی گرجدار آواز گونجی۔

''عشتار'' اور عشتار سہم کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

''اِدھر آ......او دغاباز عورت۔ میرے دل میں پہلے ہی شبہ تھا کہ تیرا قاصد تیرا محبوب بھی ہو سکتا ہے۔'' مین پال نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

''تو واقعی زیرک ہے مین پال۔'' عشتار کی بجائے میں آگے بڑھا ''لیکن اس کے بعد بھی تو احمق کیسے بن گیا۔؟''

''خاموش رو او گستاخ، او بے ادب۔ تیری زبان کاٹ لی جائے گی۔؟'' بہلوم نے گرج کر کہا اور مضحکانہ انداز سے اسے دیکھنے لگا پھر میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میری زبان کون کاٹے گا او موٹے چوہے۔ تو؟ کیا تیری کھوپڑی کی ہڈیاں پھر درد کر رہی ہیں۔؟''

''سنہرے بدن والے۔ میرا تجھ سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں تجھ سے نہیں الجھنا چاہتا۔ اس بدعہد لڑکی کو میرے حوالے کر دے۔'' مین پال نے کہا۔

''سن اے بے وقوف بادشاہ۔ تو انتہائی احمق بلکہ گدھا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تو اپنے دوست بعل کا انتقام لینے آیا تھا۔ تو نے اپنے دوست کی بہن عشتار کی مدد کی اور بعل کے قاتل کو سزا دی۔ کیا تو اس کی قیمت عشتار کی شکل میں وصول کرنا چاہتا ہے۔''

''نہیں۔ وہ میری محبوبہ ہے۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اشیری کی موت کے بعد وہ میری آغوش میں آ جائے گی۔''

''تو بکواس کرتا ہے۔ اس کا وعدہ میں نے بھی سنا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب تک وہ اپنے بھائی کی موت کا انتقام نہیں لے لے گی وہ دنیا کا عیش و آرام حرام سمجھتی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچے گی۔''

''کیا یہ اس کا وعدہ نہیں ہے جبکہ میں نے اس سے اس کی خواہش کی تھی۔''

''تو اس نے اپنی زندگی کے بارے میں سوچ لیا۔ اس نے حکومت ٹھکرا دی ہے اور میرے پہلو میں آ گئی ہے۔''

''میں اسے اس کی سزا دوں گا۔'' مین پال نے کہا۔

''میرے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ اسے ہاتھ لگائے۔''میں نے عشتار کو اپنی پشت پر کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تو نہ ہوگا۔ رب سین کی قسم، تو نہ ہوگا۔''مین پال نے گرجتے ہوئے کہا اور پھر بہلوم کی طرف دیکھ کر بولا۔''بہلوم تو نے کہا تھا کہ نہتا ہونے کی وجہ سے اس سے شکست کھا گیا۔ اگر تیرے ہاتھ میں کھانڈا ہو تو، تو اس کے جسم کو ٹکڑوں میں تقسیم کرسکتا ہے۔''

''میں نے کہا تھا عظیم مین پال۔''بہلوم نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو آگے بڑھ......اور اس گستاخ اور مغرور کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کردے۔''مین پال نے کہا اور بہلوم نہ جانے کس دل سے اپنا کھانڈا کندھے سے اتارا اور گھوڑے کو ایڑ دے کر آگے بڑھ آیا۔

''سنو مین پال۔''اچانک میں نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔''یہ بات تو طے ہے کہ میں اپنی زندگی میں عشتار کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم دونوں آپس میں جنگ کرنے کی بجائے عشتار ہی کو قتل کردیں۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہی نہیں رہے گا۔''

''کیا بکتا ہے او مردود۔ عشتار میری محبوبہ ہے۔ وہ میری خلوت کی زینت بنے گی۔ تجھے ابھی خاک و خون میں نہلا دیا جائے گا۔ بے شک تو نے بہلوم کے کھانڈے کا کمال ابھی تک نہیں دیکھا ہے۔''مین پال جلدی سے بولا۔ عشتار میری بات پر چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھی لیکن میرا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ مجھے مین پال کا ارادہ معلوم ہوگیا تھا۔ وہ کسی طور عشتار کو قتل نہیں کرے گا بلکہ اس کی حفاظت کر کے میری موت کا انتظار کرے گا چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

''تب ٹھیک ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ ہماری جنگ میں کام آجائے اس لئے اسے کسی محفوظ جگہ کھڑا کردے اور اس کے ہاتھ پاؤں کس دے تاکہ یہ فرار نہ ہوجائے''

عشتار کا چہرہ پرسکون نظر آیا۔ شاید وہ میری چال کی سمجھ گئی تھی چنانچہ یہی ہوا۔ عشتار کے ہاتھ اور پاؤں خود مین پال نے باندھے تھے اور پھر اسے اونچی چٹان پر بٹھا دیا گیا۔ تاہم عشتار کے چہرے پر خوف و دہشت تھی۔ مین پال میری موت کا منظر دیکھنے واپس میدان میں آگیا۔ بہلوم کھانڈا ہاتھ میں لئے مین پال کے اشارے کا منتظر تھا۔ تب مین پال نے اسے للکارا۔

''کیا دیکھ رہے ہو بہلوم۔ صرف ایک وار کر۔ اور اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کردے۔''اور بہلوم کھانڈا ہاتھ میں تولنے لگا۔ بلاشبہ بڑا نفیس ہتھیار تھا، تیز دھار والا وزنی ہتھیار۔ جو بہلوم جیسے دیو صفت کے ہاتھ میں خوب سج رہا تھا اور پھر بہلوم کے سفید دانت مضبوطی سے ایک دوسرے سے آ جمے اور اس نے برق کی طرح کوند کر میرے اوپر حملہ کردیا۔

لیکن بڑا ناکام حملہ تھا۔ وزنی کھانڈے کو میری گردن کی طرف جھکاتے ہوئے اسے خود بھی گھوڑے پر ایک سمت جھکنا پڑا تھا تو میں نے اس کے کھانڈے کے وار کو روکا اور اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ گھوڑا اپنی پشت کا بوجھ ہلکا کر کے دونوں ٹانگوں سے کھڑا ہو کر ہنہنایا لیکن مین پال کی سمجھ میں یہ بات کسی طور نہ آسکی کہ کھانڈا کس طرح میری گرفت میں آیا اور میں نے کس طرح گھوڑے کی لٹکتی ہوئی باگیں پکڑیں اور جب گھوڑے نے اپنے

دونوں پاؤں زمین پر رکھے تو میں اس کی پشت پر تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی نہ آسکی کہ جب خوفزدہ بہلوم نے اچھل کر میرے وار سے بچنے کی کوشش کی تو وہ اپنی گردن سنبھالنے کیوں نہ لپکا۔ جو اس کے شانوں سے اچھل کر فضا میں پرواز کر گئی تھی۔

ہاں، اس وقت اسے صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا جب میرا گھوڑا میرے اشارے پر بے خبر کھڑے ہوئے سواروں کی طرف لپکا اور آن کی آن میں ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ بہلوم کا وزنی کھانڈا، میری قوت بازو، اور موم کی گردنیں اچھلتی ہوئی خون کی پھواروں اور ہنہنا کر الٹ جانے والے گھوڑوں کو دیکھ کر مین پال کو بگڑتی صورتحال صاف نظر آگئی اور دوسرے لمحے اس نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے ہوشیار ہونے کو کہا اور چاروں طرف سے سمٹنے والوں نے میرے اوپر بھرپور حملہ کر دیا۔

چاند، گگن اور چاندنی

چاند، گگن اور چاندنی آپ کی پسندیدہ مصنفہ اقراء صغیر احمد کے حساس قلم کی تخلیق ہے۔ اس ناول میں مصنفہ نے ہمارے معاشرے کی کئی فرسودہ روایات کے ہولناک انجام کی طرف توجہ دلائی ہے، جس میں ایک نہایت جہالت انگیز اور افسوسناک روایت بیٹی کی پیدائش کو باعث شرم سمجھنا اور انہیں بیٹوں کے مقابلے میں کمتر مخلوق سمجھنا ہے۔ حالانکہ اسلام نے زمانہ جہالت کی اس روایت کا سختی سے خاتمہ کیا لیکن ابھی تک ہمارے معاشرے میں یہ روایت نہ صرف موجود ہے بلکہ اس پر عمل کرنا لوگ باعث فخر سمجھتے ہیں۔ دوسرا تباہ کن رواج نسل در نسل بدلہ لینے کی روایت ہے۔ ہمارے قبائلی اور پنجاب کے کچھ علاقوں میں تو یہ روایت اتنی شدت سے پائی جاتی ہے کہ خاندان کے خاندان اس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور اس کا انجام محض تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس ناول کے دو کردار شہباز خان اور شمشیر خان اسی روایتی مردانگی کے علمبردار ہیں جو عورتوں کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں اور ان پر ظلم و ستم کرنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔ ورشا آفریدی ایک بہادر لڑکی ہے جو اپنے خاندان کی اس روایت کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اور پھر اُسے کیسے کیسے جہنم زار سے گزرنا پڑتا ہے یہ جاننے کے لئے پڑھیے "چاند گگن اور چاندنی"۔ ہمیں امید ہے کہ اقراء صغیر کے مداح اس ناول کو پسند کریں گے۔ "چاند، گگن اور چاندنی" کتاب گھر پر دستیاب ہے جسے **ناول** سیکشن کے معاشرتی رومانی ناول میں دیکھا جا سکتا ہے۔

لیکن بڑی ہی مایوسی ہوئی انہیں اپنی کند تلواروں سے جو میرے جسم پر پڑ پڑ کر اچٹ رہی تھیں۔ بھلا وہ اس فولادی جسم کو کیسے اپنی دھار کا شکار بنا سکتی تھیں جو صدیوں کی سختی جذب کر چکا تھا۔ تلواریں کند، اور چہرے دہشت کا شکار ہو گئے۔ بہت سے جوان جان چھوڑ بیٹھے، اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کے رخ موڑ دیئے۔ انہوں نے مین پال کی وفاداری کو سلام کیا اور اس سے ناطہ توڑ لیا۔ ہاں وفادار جو زندگی سے عاجز تھے۔ زندگی دے رہی ہے۔!

''کہاں جاتے ہو مردودو...... کیا تم زمین کے کسی گوشے میں پناہ لے سکو گے۔ مین پال کا قہر تمہیں پوری کائنات سے ڈھونڈ کر سزا دے گا۔!'' مین پال نے گرجدار آواز میں بھاگنے والوں سے کہا۔

''ان کی ذہانت کی داد نہ دے گا مین پال...... وہ جانتے ہیں کہ اب مین پال آخری لمحات کا مہمان ہے...... نہ وہ ہو گا، نہ انہیں تلاش کیا جا سکے گا۔ میری مان، عقل سے کام لے۔ یہاں سے بھاگ جا...... اپنی جان بچا، تاکہ ان بھگوڑوں کو سزا دی جا سکے، جنہوں نے ہمیشہ تیری مراعات سے فائدہ اٹھایا اور جب ادائیگی کا وقت آیا تو فرار ہو گئے۔'' میں نے مین پال کو مشورہ دیا...... لیکن وہ احمق جذباتی قسم کا بہادر تھا، اس نے تلوار سونتی اور میرے مقابل آ گیا۔

اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ اتنے لوگوں کو ناکام دیکھنے کے بعد یہ تصور ہی فضول تھا کہ وہ اپنی نازک سی تلوار سے میرا کام کر سکے گا۔ لیکن شدید غصے کی وجہ سے دماغی توازن قائم نہیں رہتا...... اور اس وقت وہ حواس کی حدود سے نکل گیا تھا...... مجھے اس پر رحم آ گیا۔ میں نے سوچا زندگی بھر کا فاتح آخر لمحات میں شکست کا بوجھ سمیٹ کر زندہ رہے گا، اس کا دل ہمیشہ شکست کے احساس تلے دبا رہے گا، اس لئے کیوں نہ اس کی کلفتوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ میں نے اسے زیادہ موقع نہ دیا۔ میں نے اپنا کھانڈا بلند کیا...... اور مین پال کی گردن پر وار کیا...... اس نے اپنی خوبصورت تلوار پر میرے کھانڈے کے وار کو روکنے کی کوشش کی...... تلوار ٹوٹی، اور کھانڈا اس کی گردن سے گزر کر گھوڑے کی پشت پر پڑا اور اس کے پیٹ کے نچلے حصے سے نکل گیا۔ گھوڑے کے دونوں ٹکڑے زور زور سے اچھلنے لگے اور مین پال کی گردن زمین سے اچھل کر ایک چٹان پر پہنچ گئی۔ پھر وہاں سے پھدک کر نیچے آ گئی۔ مرنے کے بعد بھی وہ انوکھا کھیل کھیل رہا تھا۔

اب میدان صاف تھا۔ صرف لاشیں تھیں یا مرنے والوں کے گھوڑے جن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کریں۔ اور چٹان پر عشتار بیٹھی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھولتے ہوئے کہا۔ ''بوڑھا مین پال جوان محبوبہ کے حصول کی کوشش میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا...... اس نے یہ کیوں نہ سوچا عشتار کہ سیماب اور مٹی کا کیا جوڑ ہے۔'' عشتار نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ میرے بدن پر ہاتھ پھیر پھیر کر نہ جانے کیا اندازہ لگا رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارا جسم کون سی دھات کا بنا ہوا ہے۔ جب تم ایک گرمجوش نوجوان کی طرح میرے جسم سے ہم آغوش ہوئے تو

تمہارے بدن کی حرارت انتہائی دلکش تھی، تم ایک گوشت پوست کے خوبصورت جوان تھے لیکن جب اس کی تلواریں تمہارے جسم پر پڑ کر اچٹ رہی تھیں تو میں سوچ رہی تھی کہ تم کسی اور جہاں کی مخلوق ہو...... یہ کیا راز ہے۔؟''

''مین پال کی موت پر تمہارے کیا تاثرات ہیں......؟'' میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کر کے پوچھا۔ ظاہر ہے میں اسے اپنے جسم کا راز کیا بتاتا۔ اس کے لئے تو ایک طویل داستان سنانی ہوتی، جس پر شاید وہ یقین نہ کرتی، یا پھر یقین کر بھی لیتی تو کسی ذہنی الجھن کا شکار ہو جاتی اور اپنے مستقبل پر غور کرنے لگتی اور اس کا مستقبل مجھے معلوم تھا۔ جوان رہتی اور میری آغوش گرم کرتی رہتی۔ پھر بوڑھی ہوتی اور مٹی میں مل جاتی...... یہی اس کا مستقبل تھا۔ کیونکہ میری دوسری محبوبائیں بھی یہی مستقبل رکھتی تھیں۔

''مین پال...... وہ میرا محسن تھا۔ لیکن اس نے اپنے احسان کی غلط قیمت وصول کرنا چاہی تھی...... اور انسان جب غلط راستے اختیار کر لیتا ہے تو اس کی عظمت کی کہانیاں دو ٹکڑے ہو جاتی ہیں...... دیکھو...... یہ وہی عظیم مین پال ہے، جو فاتح اعظم کہلاتا تھا۔ اس نے صرف فتح کی شکل دیکھی تھی۔ جس طرف نکل جاتا۔ فتوحات اس کے قدم چومتی تھیں۔ لیکن انسان کو احساس ہو جائے کہ کب وہ غلط راہیں اختیار کر رہا ہے، تو پھر وہ فانی نہ رہے...... اور زمین کا بوجھ بڑھتا جائے۔!'' اس نے پرخیال انداز میں کہا۔

''تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے...... اس کے لئے جس کی حقیقت مجھے کبھی نہ معلوم ہو گی...... تاہم میری چاہ حقیقی ہے، اس کے علاوہ میں ہر حقیقت فراموش کرنے کو تیار ہوں...... عشتار اب تمہاری غلام ہے، اس کے بارے میں تم سوچو گے، وہ خود نہیں......!'' اس نے اداس لہجے میں کہا...... اور میں نے اس کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر اسے زمین سے اٹھا لیا۔

''تم میری ساتھی ہو...... ہم ساتھ رہیں گے۔''

''آؤ...... یہاں سے چلیں...... دور نکل جائیں...... گو یہ وادی بہت خوبصورت ہے...... لیکن ممکن ہے مین پال کا سالار اپنے شہنشاہ کو تلاش کرتا ہوا ادھر آ نکلے اور تمہیں پھر مصروف ہونا پڑے...... اب میں تمہیں صرف خود میں مصروف رکھنا چاہتی ہوں......'' اس نے اپنے گھوڑے کو آواز دی۔ میرا گھوڑا ابھی میرے نزدیک آ گیا...... اور ہم دونوں ان پر سوار ہو کر چل پڑے۔!

منزل نامعلوم تھی...... بس جدھر منہ اٹھ گیا...... یوں بھی ہمیں کسی منزل کی ضرورت نہیں تھی...... ہم تو صحرا گرد تھے...... زمین جہاں لے جائے...... ہم چلتے رہے، رات ہوتی تو کسی جگہ پناہ لیتے، شکار کرتے، اسے بھون کر کھاتے، اور پھر رات کی حسین کہانی دوہرائی جاتی، کبھی چاند ہماری سانسوں کا رازدار بن جاتا، کبھی تاریکیاں ہمیں حیا کا سبق سکھاتیں۔ لیکن ہم سب سے بے نیاز تھے۔

عشتار کا خیال تھا کہ وہ اپنی جسمانی طلب سے میرے بدن کا سونا ماند کر دے گی، اور ایک دن میں عام انسان ہوں گا، لیکن ہر رات وہ اپنی کوشش میں ناکام رہتی...... اور اس آتشی بدن سے شکست کھا جاتی۔ تب اسے احساس ہوتا کہ خود اس کی جوانی اب شکست خوردگی کی تصویر نظر آتی ہے۔ اور میرے جسم کی آب و تاب یونہی باقی ہے۔ لیکن اسے اپنی شکست پر بھی مسرت تھی کیونکہ وہ نسبتاً میرے بدن کے سونے کی مالک تھی۔ کسی کی

رخنہ اندازی، یا کسی شب خون کا اندیشہ نہ تھا۔ میرے لئے بھی وہ غنیمت تھی کہ مجھے تنہائی کا احساس نہ تھا۔ میں باتیں کر سکتا تھا۔ راستے میں چند چھوٹے موٹے واقعات پیش آئے۔ بارہا ہمیں شکار نہ ملا اور بھوکے رات گزارنا پڑی۔ جنگلی جانوروں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ لیکن ان انجانوں کو اپنے مقابل کے بارے میں معلوم نہ تھا۔ وہ مار کھا جاتے تھے۔ یہ زندگی کا طویل سفر طے ہوتا رہا۔ اور پھر ایک صبح ہم نے دیکھا کہ زمین ختم ہو گئی شاید دنیا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ آگے نیلے پانی کی زمین تھی۔ لیکن بائیں سمت آبادی نظر آ رہی تھی اور اب میں آبادی سے ناواقف نہیں تھا۔

عشتار، جس کے چہرے پر اب بڑھاپے کی جھریاں نمودار ہونے لگی تھیں، تھکی سی نظر آتی تھی، اسے شدت سے احساس تھا کہ وہ تھک رہی ہے...... اور میں اسی طرح جوان ہوں۔ کبھی کبھی وہ دور بیٹھی ہوئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے تکنے لگتی تھی۔ مجھے اس کی کیفیت پر رحم آتا تھا۔ لیکن جب رات ہوتی اور میں اپنی آغوش اس کے لئے اسی مانند کھول دیتا، جیسے روز اول...... تو اس کے چہرے سے اداسی کے داغ دھل جاتے اور وہ یہ سوچ کر خوش نظر آنے لگتی کہ وہ ابھی تک میری چاہت، میری ضرورت ہے۔

''وہ انسانی آبادی ہے عشتار۔ طویل عرصے کے بعد ہم آبادی کے نزدیک آئے ہیں...... کیا تم وہاں چلو گی۔؟''

''کیا کریں گے وہاں جا کر...... ہمیں انسانوں سے کیا لینا ہے۔'' عشتار نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن آگے سمندر ہے...... اب ہم کہاں جائیں۔؟''

''سمندر کے کنارے کنارے چل پڑو...... دیکھتے ہیں پانی کی زمین کتنی وسیع ہے۔''

''میرا خیال ہے چند روز آبادی میں گزار کر وقت کی یکسانیت بدل لی جائے دیکھیں یہاں کے لوگ کیسے ہیں......؟ ان کے کیا مسائل ہیں۔؟ ان کا طرز زندگی کیسا ہے۔؟''

''جیسا تم پسند کرو۔!'' عشتار نے بیزاری سے کہا۔ درحقیقت وہ عمر کی بہت سی منازل طے کر چکی تھی، اور اب اس کے ذہن میں، بیقراری ابھر آئی تھی بہرحال ہمارے گھوڑے آبادی کی طرف چل پڑے۔

یہ لمبے لمبے لباس، اور گھنی ڈاڑھیوں والے لوگوں کی آبادی تھی، جو قوی ہیکل تھے، کرخت چہرے رکھتے تھے اور لمبے قد کے مالک تھے۔ انہوں نے ہمیں اجنبی نگاہوں سے دیکھا اور پھر بہت سے لوگ ہمارے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ان کی نگاہوں سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ ان کے ہاں ہماری حیثیت پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ۔

تب دو بوڑھے آگے بڑھے جن کے چہرے کرخت تھے اور آنکھیں سرخ۔

''کون ہو تم دونوں اور یہاں کیوں آئے ہو؟''

''ہم آوارہ گرد ہیں۔ صحرا صحرا بھٹکتے ہوئے ادھر آ نکلے ہیں۔ کچھ روز تمہارے ساتھ گزاریں گے اور پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''جھوٹ بولتے ہو۔ تم یوحنا کے جاسوس ہو اور یہ معلوم کرنے آئے ہو کہ آئندہ ہماری یلغار کہاں ہو گی؟'' ایک بوڑھے نے توہین آمیز انداز میں کہا۔

"یوحنا کون ہے۔؟" میں نے کہا" اور تمہارا خیال غلط ہے۔ ہماری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ ہمیں کچھ روز اپنے درمیان رہنے دو۔ اپنا مہمان بناؤ۔ پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ یا تم کہو گے تو تمہارے درمیان رہ پڑیں گے اور یہاں زندگی گزاریں گے۔"

دونوں بوڑھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر کندھے پر ہاتھ رکھے ہمارے پاس سے دور چلے گئے۔ شاید وہ ہمارے بارے میں فیصلہ کرنے گئے تھے۔ چند اور لوگ بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ کافی دیر تک وہ سر جوڑے رہے پھر وہی دونوں بوڑھے ہمارے پاس آ گئے۔

"ہم نے تمہیں اپنا مہمان بنانا قبول کر لیا ہے۔ اجنبی مرد اور عورت۔ گھوڑوں سے اتر آؤ۔ ہمارے ساتھ چلو۔" اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے گردن ہلائی اور گھوڑے کی پشت سے اتر گیا۔ عشتار نے بھی چاروناچار میری تقلید کی تھی لیکن وہ شاید یہاں قیام سے خوش نہ تھی۔ اس کے دل میں خدشات جاگ رہے تھے اور وہ خدشات کیا تھے۔ اس کا علم مجھے بعد میں ہوا۔

ان لوگوں نے ہمارے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور بہت سے لوگوں کا ہجوم ہمیں لکڑی سے بنے ہوئے ایک مکان کی سمت لے چلا جو انوکھے طرز کا بنا ہوا تھا۔

مکان کا دروازہ کھول کر ہمیں اندر چلنے کے لئے کہا گیا اور میں عشتار کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مکان خوب سجا ہوا تھا۔ اس پر رنگین کھالوں سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ ضروریات زندگی، ذرا مختلف لیکن معیاری طور پر بنائی گئی تھیں۔ دونوں بوڑھوں نے مسکراتے ہوئے گردن جھکائی اور پھر ان میں سے ایک بولا۔

"یہ مہمان خانہ ہے اجنبی مہمانوں۔ سکون و آرام سے یہاں رہو۔ تمہیں کھانے پینے کی ہر چیز فراہم کی جائے گی۔ جب تم یہاں اکتا جاؤ تو ہماری بستی کی سیر کر سکتے ہو۔ ہر جگہ آنے جانے کی آزادی ہے۔ صرف تمہارے گھوڑے ہماری تحویل میں رہیں گے کیونکہ ہماری اجازت کے بغیر تم بستی چھوڑنے کے مجاز نہ ہو گے۔"

"ایسا ہی ہو گا جیسا تم نے کہا ہے۔ اور تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے لئے تکلیف دہ نہ ہوں گے۔" اور بوڑھے گردن ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ میں نے ایک آرام دہ جگہ پر دراز ہو کر مسکراتے ہوئے عشتار کی طرف دیکھا لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا عشتار کہ تمہیں ان لوگوں میں آ کر کیا الجھن ہے۔؟" میں نے کہا۔

"نہیں...... کوئی الجھن نہیں ہے۔" عشتار نے کسی خیال سے چونک کر کہا تھا۔

"پھر تم پریشان کیوں ہو۔؟"

"پریشان نہیں ہوں۔ بس تنہائی کی زندگی کی اس قدر عادی ہو گئی ہوں کہ انسانوں کے ہجوم سے وحشت ہوتی ہے لیکن تم تردد نہ کرو۔ یہ وحشت جلد دور ہو جائے گی۔" اس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بے شک عشتار نے اپنی زندگی کا طویل سفر کافی حد تک طے کر لیا تھا۔ اب وہ تھکن محسوس کر رہی تھی لیکن میں اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس نے میرے لئے حکومت چھوڑی تھی اور میرے ساتھ زندگی کا تکلیف دہ سفر طے کر رہی تھی۔

اب میں ان بستی والوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا جو درحقیقت مہمان نواز تھے۔ انہوں نے ہمیں وقت پر کھانا دیا اور یہ کھانا بہت لذیذ تھا۔ بہت عرصے کے بعد ہم نے شکار کے پھیکے اور بدمزہ گوشت کے بجائے سبزیاں، پنیر اور دودھ استعمال کیا تھا۔ وہ رات بھی دوسری راتوں سے مختلف نہ تھی۔ عشتار کو اب میرا ساتھ نہ دے سکتی تھی اس کا سفید بدن ڈھیلا پڑ گیا تھا اور جگہ جگہ سے گوشت لٹک گیا تھا لیکن وہ اپنی جوانی کو یاد کر کے پورے طور پر جوان بننے کی کوشش کرتی تھی...... اور...... اس میں ناکام رہتی تھی لیکن میں نے اسے ناکامی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا اور اسی بات سے وہ کسی حد تک مطمئن ہو جاتی تھی۔

دوسرے دن ہم صبح ناشتے کے بعد بستی میں نکل آئے۔ چھوٹی چھوٹی تنگ گلیوں اور لکڑیوں کی دکانوں کے بازاروں کی یہ بستی بے حد خوشحال تھی۔ یہاں لوازمات زندگی بھرپور طریقے سے موجود تھے۔ ہر آدمی خوشحال اور تر و تازہ نظر آتا تھا۔ بچے، بوڑھے، عورتیں، جوان...... سب کے سب خوش و خرم اور قہقہے لگاتے ہوئے۔

لیکن ایک بات میں نے خاص طور سے محسوس کی۔ ہم جہاں بھی گئے چند لوگ سایوں کی طرح ہمارے پیچھے لگے رہے۔ گویا وہ ہماری نگرانی کر رہے تھے۔ مجھے اس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے میں یہاں بچ بچ کسی یوحنا کے لئے جاسوسی کرنے تو نہیں آیا تھا۔

بستی میں کھیل تماشے بھی تھے۔ ایک آدھ جگہ مجھے لوگ بانسوں پر کرتب کرتے نظر آئے۔ ایک آدمی نے لمبے لمبے بانس پیروں میں باندھے ہوئے تھے اور سڑک پر چل رہا تھا۔ بچوں کا ہجوم اس کے پیچھے تھا۔ وہ خوشی سے قہقہے لگا رہے تھے۔ بانسوں پر چلنے والے لکڑی کے گھروں میں جھانک جھانک کر بچوں کو بتا رہا تھا کہ ان گھروں میں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے اس دلچسپ حرکت پر ہنسی آ گئی اور عشتار میری وجہ سے مسکرا دی۔ لوگوں کے لئے دوسرا تماشا بن گیا کیونکہ میرے سنہرے بدن کو سب حیرت سے دیکھ رہے تھے جس پر لمبا چغہ بھی نہیں تھا۔

ایک نوخیز لڑکی جس کی جوانی بھی ابتدائی مراحل میں تھی، میرے قریب آئی اور میرے سینے پر ہاتھ پھیر کر دیکھنے لگی۔ وہ سیب کی طرح خوش رنگ تھی اور اس کی جوانی کے گلاب کھلنے کے لئے بے چین تھے۔ میں مسکرا کر اس کی حرکت دیکھتا رہا لیکن عشتار نے اچانک مجھے آگے دھکیل دیا اور لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔

تب میں نے عشتار کے چہرے کی طرف دیکھا اور اچانک پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔ عشتار کو اپنے چہرے، اپنے بدن کی جھریوں کا احساس تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ جوان اور حسین لڑکیاں میرے قریب آ سکیں۔ میں نے غور کیا تو مجھے اس کی تشویش بجا نظر آئی۔ یہ حقیقت تھی کہ عشتار میں اب کچھ نہیں رہ گیا تھا...... لیکن...... میں بہرحال ایک رحم پسند انسان تھا۔ مجھے اس کے ایثار کا احساس تھا چنانچہ اس کی زندگی میں، میں اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وقتی طور پر مجھے کوئی لڑکی پسند آ جائے اور وہ میری خلوت تک پہنچ سکے۔

ہم نے بستی کی خوب سیر کی اور پھر واپس اپنے مکان میں آ گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہمیں اطلاع دی گئی کہ گستارو شام کے کھانے پر ہمارا ساتھ پسند کرے گا۔

''گستارو کون ہے۔؟'' میں نے اطلاع دینے والے سے پوچھا۔

''گستارو۔ اوہ۔ تم گستارو کو نہیں جانتے۔ گستارو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ وہ اس بستی کا ماسٹر ہے۔ یہاں اس کا حکم چلتا ہے۔ یہاں کے باشندوں کی زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔'' اطلاع دینے والے نے بتایا اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''تو یہاں بھی شہنشاہوں کا شہنشاہ موجود ہے۔ ان لوگوں سے کہیں نجات نہیں، ہر جگہ موجود ہیں۔''

''مجھے گستارو کا مکان نہیں معلوم۔ اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس وقت وہاں پہنچنا ہوگا۔؟'' میں نے کہا۔

''گستارو کے خادم تمہارے پاس آئیں گے۔ تمہیں اور تمہاری ساتھی بوڑھی عورت کو تیار رہنا چاہئے۔'' آنے والے نے کہا اور گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔

میں نے چونک کر عشتار کی طرف دیکھا۔ اس شخص کے الفاظ پر وہ ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔

''میں...... میں اس دعوت میں نہیں جاؤں گی۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''کیوں عشتار۔؟''

''بس میں نے کہہ دیا، میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

''ہمیں جانا چاہئے عشتار۔ ہم ان لوگوں سے مفاہمت چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں یہاں رہنا ہے۔''

''میں ان سے کوئی مفاہمت نہیں چاہتی کیونکہ مجھے ان کے درمیان نہیں رہنا۔''

''ضد نہ کرو عشتار...... میں کچھ روز یہاں گزارنا چاہتا ہوں۔''

''تم تھک گئے ہو...... تم بوڑھے ہوتے جا رہے ہو......'' عشتار نے چیختے ہوئے کہا۔ اور میرا دل چاہا کہ میں ایک زوردار قہقہہ لگاؤں۔ لیکن پھر میں نے خود پر جبر کیا اور سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا۔ بمشکل تمام وہ چلنے پر رضامند ہوئی تھی۔

شام کو گستارو کے آدمی ہمیں لینے آ گئے۔ اور ہم دونوں ان کے ساتھ چل پڑے...... ہمیں تیاریاں ہی کیا کرنی تھیں...... عشتار کے جسم پر چیتے کی کھال کا بوسیدہ لباس تھا...... میں بھی چیتے ہی کی کھال کا ایک چھوٹا سا لباس پہنے ہوئے تھا...... یہ لباس ہم دونوں نے خود تیار کئے تھے...... لیکن کافی پرانے تھے، اور آبادی میں رہنے کے لئے ہمیں نئے لباس کی ضرورت تھی۔

تاہم، ہم گستارو کے بہت بڑے مکان میں داخل ہو گئے...... یہ مکان بھی لکڑی کا تھا، لیکن بہت نفاست سے بنایا گیا تھا...... ایک بہت بڑے چوبی دروازے سے ہم اندر داخل ہوئے تو بے شمار قہقہے ابل پڑے۔ اندر کا منظر رنگین تھا۔ تقریباً نو فٹ چوڑی اور بیس پچیس فٹ لمبی مضبوط لکڑی کی بھدی میز پڑی ہوئی تھی، جس کے دونوں طرف کرسیاں بچھی تھیں۔ میز پر انواع و اقسام کے پھل، بھنے ہوئے پرندے اور بھنی ہوئی جانوروں کی رانیں رکھی ہوئی تھیں، جگہ جگہ لکڑی کے ڈول رکھے تھے، جن میں رنگین شراب بھری ہوئی تھی، سینگ کے کٹے ہوئے ٹکڑے بہت سے لوگوں کے ہاتھوں میں تھے جن سے وہ شراب پی رہے تھے، خوبصورت لڑکیاں ان کی آغوش میں تھیں جن کے ساتھ وہ خوش فعلیاں کر رہے تھے۔!

میں ٹھٹھکا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ ہنستے ہوئے لوگ ایکدم ساکت ہو گئے۔ ان کی نگاہیں میرے اور عشتار کے اوپر تھیں چند ساعت وہ ہمیں

گھورتے رہے، پھر ایک بوڑھا آدمی ہنس پڑا۔ اور اس کے بعد بے شمار قہقہے۔

لیکن میں نروس نہیں ہوا...... میں بھی کرسیوں کی طرف بڑھ گیا، اور پھر میں نے ایک کرسی عشتار کے لئے کھینچی اور دوسری اپنے لئے......! ہم دونوں بھی بیٹھ گئے۔ میں نے ایک بھنی ہوئی ران اٹھائی اور اسے دانتوں سے ادھیڑنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے عشتار کو بھی اشارہ کیا۔ لیکن وہ اس ماحول سے گھبرائی گھبرائی سی تھی۔

میں البتہ ان وحشیوں میں اجنبی نہیں رہنا چاہتا تھا، اور حقیقت میری اس بے تکلفی نے اور کھانے کے انداز نے وحشی انسانوں کو مرعوب کر لیا اور ان کی توجہ میری طرف سے ہٹ گئی۔

اچانک سکوت چھا گیا۔ دروازے سے ایک اور آدمی اندر داخل ہوا تھا۔ یہ کافی قوی ہیکل تھا۔ اس کے سر پر کسی جانور کے سینگ لگے ہوئے تھے۔ ماتھے پر کسی رنگین چیز کا نشان تھا اور اس کی ایک آنکھ پر کپڑا چڑھا ہوا تھا۔

''وہاڑنے والا گستارو۔!'' کسی نے آواز لگائی اور گستارو اچھل کر کھانے کی میز پر چڑھ گیا، اس کے پیروں میں پتلے چمڑے کے جوتے تھے اور اس کے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، پھر اس نے گوشت کی پلیٹ میں پاؤں رکھا، اور آگے بڑھا۔ کھانے کی چیزوں پر چلتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا اور میز کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گیا۔ لوگ اس کی روندی ہوئی چیزوں کو اٹھا کر کھا رہے تھے۔

اس مغرور انسان کی یہ بات مجھے پسند نہ آئی۔ لیکن ایک ران جو میرے ہاتھ میں تھی، میں اسے ادھیڑتا رہا۔ عشتار البتہ نفرت سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ یکا یک سینگ والے گستارو کی نگاہ میرے اوپر رک گئی۔ اور وہ اپنی اکلوتی آنکھ سے مجھے گھورنے لگا۔ اور پھر جھک کر میرے ہاتھ سے ران چھین لی۔ میں نے تعرض نہیں کیا، کیونکہ گوشت کی ران اب گوشت نہیں صرف ہڈی رہ گئی تھی۔ میں نے اس پر بھی توجہ نہیں دی اور بے نیازی سے منہ صاف کرنے لگا۔

''کون ہو۔؟'' اس نے انتہائی سرد آواز میں پوچھا۔

''مہمان، قیدی، جو دل چاہے سمجھ لو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور وہ چونک پڑا۔

''اوہ۔ مہمان...... بستی میں آنے والے اجنبی...... تم وہی ہو...... میں نے تمہیں بلایا تھا۔''

''ہاں......'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہا...... عیش کرو...... میں تمہیں دیکھنا چاہتا تھا...... تمہارے جسم کا رنگ سنہرا کیوں ہے۔؟'' وہ کود کر میز سے نیچے اتر گیا۔ پھر اس نے ایک کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گیا۔ اس نے پشت پر ایک ہاتھ اٹھایا اور ایک آدمی نے بھنے ہوئے تیتر اور شراب کا بڑا جار اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے ڈونگے سے جار سے شراب نکال کر سینگ میں انڈیلی، اپنے ہونٹوں کی طرف لے گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور سینگ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اس کی دوستی قبول کر لی اور اس کے ہاتھ سے سینگ لے لیا...... دوسرے لمحے میں نے ساری شراب حلق میں انڈیل لی۔ وہ دوسرے سینگ میں شراب بھر رہا تھا۔ پھر اس نے اشارہ کیا۔ اور دوسرے جار میرے سامنے رکھ دیا گیا...... ابھی تک وہ عشتار کی طرف متوجہ نہیں

ہوا تھا، لیکن شراب پیتے ہوئے اس نے عشتار کی طرف دیکھا، اور پھر اپنی کرسی سے اٹھ کر تھوڑا سا جھکا۔

''خاتون......!'' اس نے گردن خم کی، اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

''تمہاری ماں ہیں۔؟''

''کیا......؟'' میں چونک پڑا......اور عشتار کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ ''نہیں......تم اسے میری بیوی سمجھ لو۔'' میں نے کہا۔

''بیوی۔'' اس بار اس کے چونکنے کی باری تھی۔ لیکن اس سے قبل۔ کہ وہ کچھ کہتا، اچانک چار آدمی اچھلتے کودتے اندر داخل ہو گئے۔ وہ اونچی اونچی چھلانگیں لگا رہے تھے۔ اور انہوں نے عجیب قسم کے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے جو مضحکہ خیز تھے۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹے گول برتن تھے، جن پر کسی جانور کی کھال منڈھی ہوئی تھی اور وہ خوب زور زور سے انہیں بجا رہے تھے پورے ہال میں افراتفری پھیل گئی۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح سارے ہال میں چکراتے پھر رہے تھے...... پھر اچانک وہ کونوں میں کھڑے ہو گئے اور ایک رقاصہ برآمد ہوئی۔

نوجوان اور حسین رقاصہ جس کا قد چھ فٹ سے کم نہ تھا۔ لباس کی شکل میں اس نے باریک باریک کپڑے کی پٹیاں باندھی ہوئی تھیں، لیکن طوفانی رقص میں وہ پٹیاں اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں کو ڈھکنے میں ناکام تھیں۔ بڑے حسین جسم کی مالک اور بڑی خوبصورت اور شوخ عورت تھی۔ خاص طور سے اس کی پھرتی ناقابل دید تھی۔ وہ بجلی کی طرح پورے ہال میں ناچتی پھر رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ طویل عرصے کے بعد ایک جوان اور حسین شکل نظر آئی تھی۔ ورنہ عشتار کے علاوہ اب تو عورت یاد ہی نہیں رہ گئی تھی۔

کا نا سردار بھی اسے دیکھ رہا تھا...... پھر اس کے رقص میں سستی آ گئی۔ اور سازوں کا رنگ بھی بدل گیا۔ اب رقاصہ دھیمے دھیمے ناچ رہی تھی۔ وہ میز کے قریب آئی اور وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے اٹھکیلیاں کرنے لگی۔ لوگ قہقہے لگا رہے تھے، اس پر آوازے کس رہے تھے۔ رقص کرتے کرتے وہ میز کے سامنے بھی آئی۔ میری طرف دیکھا۔ اور اس کے چہرے کی شوخی یکدم رخصت ہو گئی۔ اس کا رقص مدھم پڑ گیا۔

لیکن اچانک، اس نے لہر لی اور پھر میری گود میں آ گری دوسرا ہاتھ اس نے میرے سینے پر پھیرا۔ اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''اے سنہری چٹان......اے سونے کے دیس کے شہزادے۔'' پھر وہ مچلی دونوں جملے اس نے گانے کے انداز میں کہے تھے۔ وہ میری گود میں تھرک رہی تھی۔ سازوں کی دھن بھی بدل گئی، اور وہ اس کے گانے اور رقص سے ہم آہنگ ہو گئے۔ ''اے دلوں کو قابو میں کر لینے والے۔ تیرا سینہ، جیسے سونے کی سل اس پر سر رکھ کر سو جانے کو دل چاہے۔ کس دیس کا اجنبی ہے تو...... کہاں سے آیا ہے۔؟'' وہ میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر جھکی، لیکن اسی وقت، اچانک......عشتار نے ایک ہڈی اٹھائی اور پوری قوت سے رقاصہ کی پشت پر ماری۔

رقاصہ کی دلخراش چیخ گونجی۔ اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ عشتار نے زخمی شیرنی کی مانند اس پر چھلانگ لگائی اور اس سے قبل کہ لوگ اسے روکیں، اس نے ہڈی کے لگاتار وار کر کے رقاصہ کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ رقاصہ کا چہرہ گوشت اور خون کا لوتھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کا نچلا جسم تڑپ رہا تھا اور اس کے خون سے عشتار کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا تھا۔

تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ میں سکتے کے عالم میں تھا۔ عشتار کی درندگی سے میں پہلے بھی واقف تھا۔ لیکن اس وقت مجھے اس حرکت کا گمان بھی نہیں تھا۔ میں خود اسے نہ روک سکا۔ بہت سے لوگوں نے خنجر نکال لئے...... رقاصہ دم توڑ چکی تھی اور ہال پر سکوت طاری تھا۔

تب میری نگاہ گستارو پر پڑی۔ وہ اکلوتی آنکھ سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے عشتار کی طرف دیکھا اور مجھے عشتار سے نفرت محسوس ہوئی۔ اس نے جو کچھ کیا تھا وہ انتہا تھی۔

''وہ میری بیوی ہے...... اور بوڑھی ہو چکی ہے۔'' میں نے گستارو سے کہا اور میرے الفاظ عشتار نے بھی سن لئے...... وہ مجھے گھورتی رہی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اور پھر اچانک اس نے ایک خوفناک چیخ ماری اور لوگوں کے ہجوم پر حملہ آور ہو گئی۔ اس نے ان میں سے کئی کو زخمی کر دیا تب ایک آدمی نے اپنا خنجر اس کے پہلو میں اتار دیا...... اور پھر بہت سے لوگوں نے پے در پے وار کر کے اس کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیئے۔

میں نے کسی کے کام میں مداخلت نہیں کی۔ میں عشتار کے اس حشر سے متفق تھا۔ اور یقیناً عشتار نے میرے الفاظ سے میری نفرت کا اندازہ لگا لیا تھا اس نے یہی سوچ کر ان پر حملہ کیا تھا کہ وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ کانا گستارو اب بھی مجھے اسی انداز میں گھور رہا تھا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے آہستہ لہجے میں اس سے کہا۔ ''وہ میری بیوی تھی...... بوڑھی بیوی...... اور خوبصورت لڑکیوں کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار۔'' تب گستارو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے شراب سینگ میں بھری اور میری طرف بڑھا دی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے سینگ لے کر اونچا کیا اور پھر اس کی شراب حلق میں انڈیل لی۔

''دونوں لاشوں کو یہاں سے ہٹا دو۔ اجنبی دوست ہے۔ زندہ دل ہے...... ہا......'' اس نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے کہا اور یہ سردار کا حکم تھا اس کا مطلب تھا کہ کدورت دھولی جائے...... قاتل کو سزا مل گئی، اب کوئی جھگڑا نہیں ہے...... لاشیں ہٹا دی گئیں...... میں نے سامنے رکھا شراب کا جار اٹھا لیا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر منہ سے لگا لیا۔ سردار نے مجھے دلچسپی سے دیکھا تھا...... اور جب جار خالی ہو گیا تو میں نے اسے میز پر رکھ دیا۔

سردار کی آنکھ میں تحسین کے آثار تھے۔ قہقہے اسی طرح جاری ہو گئے۔ وحشیوں کے لئے یہ بھی ایک دلچسپ حادثہ تھا جس سے لطف اندوز ہونے کے بعد اسے بھول گئے۔ کافی دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا اور پھر بدمست لوگ جنون کی حدود میں داخل ہو گئے۔ شرمناک مناظر ابھر آئے۔ لیکن سردار کنٹرول میں تھا، اس کی توجہ کسی لڑکی پر نہ تھی اور پھر وہ میری طرف جھک کر بولا۔ ''کیا تم مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو گے۔؟''

''ضرور گستارو......'' میں نے جواب دیا اور وہ اٹھ گیا۔ پھر وہ میرے ساتھ اس ہال سے نکل کر ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔

یہ کمرہ بھی اس دور کے لحاظ سے نفیس تھا۔ لکڑی کی پلیٹوں میں تازہ پھل اور شراب کے جار رکھے ہوئے تھے۔ کرسیاں تھیں جس پر عمدہ گدے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے ایک گدے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کمرے کی روشنی ناکافی سمجھ کر کچھ اور شمعدان روشن کر دیئے۔ شاید اس طرح وہ میرے چہرے کے تاثرات سے باخبر رہنا چاہتا تھا۔

''مجھے حیرت ہے وہ تمہاری بیوی تھی..... حالانکہ تمہاری اور اس کی عمر میں بہت فرق تھا۔ تمہیں بوڑھی بیوی کیوں پسند آئی۔؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہرکس وناکس کو اپنے بارے میں تفصیل بتانے کی چنداں ضرورت نہ تھی اور پھر میں اس سردار پر کوئی اثر بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا، کیونکہ یہ بے مقصد تھا..... اس لئے میں نے اسے کوئی بات نہ بتائی..... اور ٹالنے کی غرض سے بولا۔

''بس سردار گستارو..... وہ ایک محبت کرنے والی عورت تھی اور طویل عرصے سے میرے ساتھ تھی۔''

''لیکن اسے شدت سے تمہاری جوانی اپنے بڑھاپے کا احساس تھا..... اس لئے وہ رقاصہ کی حرکت سے دل برداشتہ ہوگئی۔''

''یہی بات ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''مجھے تمہاری تنہائی کا افسوس ہے۔ لیکن تم پسند کروگے تو تنہا نہ رہوگے یہاں بہت سی لڑکیاں تمہاری پذیرائی کریں گی..... یوں بھی تم غیر معمولی انسان ہو۔ تمہارا سنہرا رنگ سب کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ کیا یہ رنگ مصنوعی ہے۔؟'' میں مسکرایا..... سردار گستارو یقیناً چالاک تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے مطلب پر آرہا تھا۔ لہٰذا میں نے کہا۔

''شکریہ سردار گستارو۔ ابھی چند روز میں سوگ مناؤں گا۔ کیونکہ بہرحال وہ پرانی ساتھی تھی۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو تم سے کہہ دوں گا۔ رنگ مصنوعی نہیں ہے۔''

''کیا تمہارے دیس کے باشندے اسی رنگ کے ہوتے ہیں۔؟''

''میرا کوئی دیس نہیں ہے سردار۔ میں دنیا گرد ہوں۔ یہاں آیا ہوں کہیں اور چلا جاؤں گا۔''

''کہاں جاؤ گے؟''

''کوئی تعین نہیں۔ ادھر سے گزرتے ہوئے تمہاری بستی کے مکانات دیکھے۔ طویل عرصے کے بعد انسان نظر آئے تھے اس لئے اس طرف چلا آیا۔ ورنہ تو جنگلوں میں زندگی گزر رہی تھی۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے تمہاری اس بات کو درست نہیں سمجھا تو یقیناً تمہیں افسوس ہوگا۔'' سردار نے انگور کا ایک خوشہ اٹھاتے ہوئے کہا اور پھلوں کی پلیٹ میری طرف سرکا دی۔

''نہیں مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ میں تم سے گفتگو کرکے تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''تب مجھے سچ سچ بتا دو۔ یوحنا نے تمہیں کون سے مشن پر بھیجا ہے۔؟''

''میرے دوست۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''میرے کانوں میں اس سے قبل بھی یوحنا کا نام آچکا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ ابھی تک یہی سمجھ رہے ہو کہ میں کسی کا نمائندہ یا جاسوس ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو میری نگرانی کرتے ہیں..... تو غور سے سنو..... اور یقین کرسکتے ہو تو یقین کرلو گستارو..... کہ میں کسی یوحنا کو نہیں جانتا..... میں ایک آزاد منش ہوں، اور بعض حالات میں، میں تم لوگوں سے مختلف ہوں..... میرے جسم میں بے پناہ طاقت ہے۔ یوں سمجھ لو کہ انسانوں کے لئے میں ناقابل تسخیر ہوں اور یوحنا یا اور کوئی مجھے اپنا آلۂ کار نہیں بنا

سکتا...... میں نے جو کچھ کہا سچ کہا...... اور اس کا تجزیہ تم خود کرو گے۔ میری طرف سے آزادی ہے...... تمہاری کسی کوشش پر مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' سردار گستار و حیرت سے میری باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''ممکن ہے تم درست کہہ رہے ہو...... میں تمہاری بات پر یقین کر بھی لوں تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ معاہدے کے تحت میں سی سارا کو جواب دہ ہوں، اور تمہارے بارے میں صحیح فیصلہ سی سارا ہی کرے گا۔''

''مجھے ہر شخص کا فیصلہ منظور ہوگا۔ اپنے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں اور اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ سی سارا کون ہے۔ یوحنا کون ہے۔؟ اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو۔''

''تمہاری شخصیت میں ایک انوکھی کشش ہے۔ کچھ مخصوص قسم کے انسان میری پسند ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو۔ اس لئے میں تمہاری دوستی قبول کرتا ہوں اور دوست بنانے کے بعد میں تمہیں اس بارے میں بتانا برا نہیں سمجھا۔ یہ بستی مجرموں کی بستی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس علاقے کا شہنشاہ یوحنا ہے، جو بڑے بڑے آباد شہروں میں رہتا ہے اور وہیں اس کی حکومت ہے...... لیکن سمندروں پر ہمارا قبضہ ہے...... اور خشکی کے کچھ علاقے بھی ہمارے پاس ہیں۔ ہم نے ان علاقوں کو یوحنا کی فوجوں کے لئے ناقابل تسخیر بنا دیا ہے۔ یوحنا نے کئی بار کوشش کی کہ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ لیکن اسے نقصان اٹھا کر واپس لوٹنا پڑا اور پھر اسے ان کوششوں کی جو قیمت ادا کرنی پڑی وہ اس قدر تھی کہ اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ ہم نے سمندروں کو اس کے لئے جہنم بنا دیا۔ اس کے تجارتی جہاز لوٹ لئے اور ان کے مسافروں کو سمندر میں غرق کر دیا۔ تب سے ہماری اور اس کی شدید دشمنی چلی آ رہی ہے۔ اور وہ مسلسل کوشش میں مصروف رہتا ہے کہ کسی طرح سے ہمیں شکست دے کر ہمارا زور توڑ دے۔ اور اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ ہم کون ہیں۔؟''

''بحری قزاق۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔ ہماری اپنی حکومت ہے۔ ہماری کئی بستیاں ہیں جہاں ذیلی حکمران متعین ہیں۔ ہم سب کا سربراہ سی سارا ہے۔ میں بھی ان ذیلی حکمراں میں سے ایک ہوں۔''

''خوب۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ یحیم شحیم انسان بہرحال ایک اچھا دوست تھا اور میں نے اس کی دوستی قبول کر لی تھی۔

''میں سی سارا کو تمہاری طرف سے مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔ تاہم میرے دوست۔ اگر وہ تمہارے بارے میں کوئی غلط فیصلہ کرے گا تو اس پر میں مجبور ہونگا۔''

''میں ہر فیصلہ قبول کر لوں گا۔ تم فکر مت کرو۔ ویسے تمہاری دشمنی صرف یوحنا سے ہے یا دوسرے سمندری جہاز بھی تمہاری چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں۔؟''

''ہم سمندری لیٹرے ہیں۔ اور لوٹنے والی ہر چیز لوٹ لیتے ہیں۔ ہم بستیوں پر حملہ کر کے انسانوں کو پکڑتے ہیں اور انہیں منڈیوں میں جا کر فروخت کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم ساحلی بستیوں کو بھی لوٹ لیتے ہیں۔ اس طرح سمجھ لو ہمارا پیشہ یہی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لی۔

''تو میں سمجھ لوں کہ تم مجھ سے تعاون کرو گے۔ اور یہی سارا کے آنے تک یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔؟''

''میں وعدہ کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔ پھر میں نے اس سے اجازت لی اور اس نے اپنے دو آدمیوں کو آواز دی۔

''میرے معزز دوست کو احترام کے ساتھ ان کے مکان تک چھوڑ آؤ۔'' اور ان دونوں نے گردن جھکا دی۔

تنہا مکان میں مجھے عشتار یاد آئی اور میں اس کے خیال میں ڈوب گیا..... عشتار جس نے اپنی زندگی کے بہترین سال مجھے دیئے تھے، لیکن وہ بڑھاپا برداشت نہ کر سکی۔ اگر میں بھی بوڑھا ہو جاتا تو اسے کوئی پرواہ نہ ہوتی، چاہے پوری دنیا اسے بوڑھا کہتی لیکن میں جوان تھا۔ اور اسے احساس تھا کہ عورتیں میری طرف متوجہ ہوتی ہیں اور بوڑھے اس کی طرف..... یہاں تک کہ گستارو نے اسے میری ماں سمجھا تھا..... عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے پروفیسر..... صرف اپنی نسائیت کی توہین نہیں..... چنانچہ رقاصہ کی وارفتگی نے اسے دیوانہ کر دیا اور وہ جذبات سے مغلوب ہو کر اس پر پل پڑی، بالآخر موت کا شکار ہو گئی..... لیکن پروفیسر..... تم ضرور سوچو گے کہ میرا کردار اس وقت کیا رہا۔ کیا میں خود اس سے جان چھڑانے کا خواہشمند تھا۔؟ غور کرو گے پروفیسر تو میری اس وقت کی سرد مہری میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں اس وقت سے، اس وقت تک عشتار کا مخلص رہا، جب وہ مجھے ملی تھی، اور جب وہ ہلاک ہوئی۔ میرے جیسے انسان کے لئے پوری زندگی ایک لڑکی کے نام لکھ دینا ممکن نہیں تھا۔ لیکن عشتار کے بڑھاپے کو میں کیسے ٹال سکتا تھا۔ وہ جوان رہنا چاہتی تھی اور میرے لئے مشکل تھا۔ جب عشتار نے ان لوگوں پر حملہ کیا تو اس کے ذہن میں بھی یہی خیال تھا کہ جواب میں وہ لوگ اسے ہلاک کر دیں گے۔ اس کو موت کی خواہش تھی میں نے پوری ہونے دی۔

بہرحال تنہا مکان میں، میں نے بہت کچھ سوچا۔ عشتار کی موجودگی میں میرا تعلق میرے دوست ستاروں سے قطعی منقطع ہو چکا تھا۔ مجھے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ کچھ دن سکون اطمینان سے گزاروں گا اور اس کے بعد..... اس کے بعد..... دیکھنا یہ ہے کہ یہ سارا کیا شے ہے۔ یوحنا کا خیال بھی تھا..... نہ جانے یہ کون سی نسل کا حکمراں ہے۔

وہ رات آرام سے گزری۔ دوسری صبح عشتار یاد آئی لیکن پھر میں نے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ کوئی عورت میرے دماغ پر تسلط نہیں جما سکتی تھی۔ دن نکلتے ہی گستارو نے اپنے قاصد بھیج کر مجھے بلا لیا۔ وہ شاید مجھ سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔

''آؤ۔ مگر کیسی انوکھی بات ہے۔ مجھے اپنے دوست کا نام بھی نہیں معلوم ہے۔''

''آوارہ گرد کہہ لو۔ یا پھر جو نام تمہیں پسند ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟ کیا تمہارا کوئی نام نہیں ہے؟''

''نہیں۔ میں نے نام کے جھگڑوں سے خود کو آزاد رکھا ہے۔ ہر شخص مجھے اپنی پسند کا نام دیتا ہے۔''

''اوہ۔ شاید تمہارے والدین تمہاری پیدائش کے فوراً بعد مر گئے ہوں گے اسی لئے۔''

''میرے والدین شاید میری پیدائش سے بہت پہلے مر گئے تھے یا پھر خود میرے والدین کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ اس لئے مجھے نام کون دیتا۔ تم بتاؤ۔ مجھے کیا نام دو گے۔؟''

''آشودلے۔ چمکدار اور دلچسپ۔'' گستارو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہ نام بھی قبول ہے۔''

''میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچا ہے۔ تمہارے انداز سے بے پناہ مردمی ٹپکتی ہے۔ تم ایک بھرپور مرد ہو۔ پرکشش اور حسین۔ نہ جانے تمہارے اندر کیا خوبی ہے کہ تم بار بار میرے ذہن میں آجاتے ہو۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ ہی سارا سے کہہ کر تمہیں اپنا ساتھی بنا لوں۔ لڑائی بھڑائی سے کوئی دلچسپی ہے۔؟ یوحنا کے فوجوں سے مقابلہ کرنے میں بہت لطف آتا ہے۔ بڑے بزدل ہوتے ہیں وہ لوگ۔ سمندر میں ہمارے جہاز دیکھ کر یوں بھاگتے ہیں جیسے موت تعاقب کر رہی ہو۔ اور جب ہم ان پر جا پڑتے ہیں تو ان کی تلواروں کے وزن بڑھ جاتے ہیں۔ وہ اس طرح انہیں ہلاتے ہیں جیسے کاغذ کے بنے ہوئے ہوں۔ اور پھر ان کی لہو اگلی گردنیں سمندر کو دور تک سرخ کر دیتی ہیں۔ تمہیں سرخ سمندر بہت پسند آئے گا جس میں آدمی کے گوشت کی شوقین مچھلیاں پاگل ہو جاتی ہیں۔''

میں خاموشی سے گستارو کی باتیں سنتا رہا۔ وحشت اور بربریت کے سوا انسان کے پاس کچھ بھی تو نہ تھا۔ انسان ازل سے ہی وحشی ہے پروفیسر..... بلکہ میرے خیال میں دنیا کے تمام جانداروں میں یہ عقلمند مخلوق سب سے خونخوار اور سب سے زیادہ وحشی ہے۔ اگر اسے ذہانت کے جال میں نہ جکڑ دیا جاتا، اگر یہ دنیا کا حکمران نہ ہوتا اور اسے تہذیب کے غلاف میں ملفوف نہ کر دیا جاتا تو شاید جنگلوں میں اس سے وحشی، اس سے زیادہ خونخوار جانور اور کوئی نہ ہوتا۔ تہذیب کے لباس میں بھی اس کی بربریت عروج پر ہے۔ اس نے ظلم و بربریت کے کیسے کیسے طریقے ایجاد کئے۔ وحشی درندہ جو شکار پر جھپٹتا ہے عموماً پیٹ بھرا نہ ہونے کی شکل میں۔ کیونکہ پیٹ بھرنا اس کی ضرورت ہے۔ سوائے چند شریر جانوروں کے جو خواہ مخواہ آدمی کے دشمن ہوتے ہیں۔ باقی جانور صرف شکار کرتے ہیں لیکن انسان پیٹ بھرنے کے باوجود تباہ کن ہتھیار ایجاد کرتا ہے تاکہ انسانوں کی پوری نسل کو نیست و نابود کر دے۔ آخر کیوں؟ یہ وحشت نہیں تو اور کیا ہے۔؟''

بہر حال میں نے گستارو کی گفتگو سنی۔ اس گفتگو میں کوئی سوال نہیں تھا اس لئے خاموش رہا۔ گستارو، کافی دیر تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے میرے ساتھ کھایا اور پھر شام تک میں اس کے ساتھ رہا۔ رات کو اس سے رخصت ہو کر میں واپس اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔ چلتے وقت اس نے پھر مجھ سے کہا تھا۔

''آشودلے۔ اگر تمہیں تنہائی پسند نہ آئے تو اس کے لئے جب چاہو انتظام ہو سکتا ہے۔ میری بستی کی لڑکیاں تمہیں خوش آمدید کہیں گی۔''

''اگر میں ضرورت محسوس کروں گا سردار۔ تم سے کہہ دوں گا۔''

''ضرور...... ضرور۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں واپس اپنے مکان میں آ گیا لیکن اس رات میں لکڑی کی چھت کے نیچے گزارا نہ کر سکا۔ میں نے اپنے پرانے دوستوں سے ملاقات کی ٹھانی اور مکان سے باہر نکل آیا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سردار گستارو در حقیقت برا آدمی نہ تھا۔ وحشی لٹیرا ہونے کے باوجود اس میں کسی قدر انسانیت اور پاسِ دوستی تھا چنانچہ آج میری نگرانی کرنے والے بھی موجود نہ تھے۔ میں ایک سنسان ٹیلے کی طرف چل پڑا۔ چوری چھپے فرار کی تو مجھے کوئی ضرورت کبھی پیش آئی تھی اور نہ آج تھی۔ ہاں اگر کسی اور کی زندگی بچانا مقصود ہوتی تو

دوسری بات تھی۔ بذات خود میں جب یہاں سے جانا چاہتا تو جا سکتا تھا۔ کس کی مجال تھی کہ مجھے روکتا۔

اونچے ٹیلے پر بیٹھ کر میں نے آسمان کی سمت دیکھا۔ ستارے چمکتے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کبھی میری ان سے بہت گہری قربت رہی ہو۔ نہ جانے کب؟ شاید اس وقت جب میں بھی ان کی مانند خلاء میں گردش کرتا تھا اور سورج کی شعاعوں سے چمکتا تھا۔

میں نے ان سے ماضی کے گزرے ہوئے واقعات پوچھے اور انہوں نے مجھے معقول جواب دیا۔ پھر میں نے ان سے مستقبل کے بارے میں رائے لی اور وہ میرے سچے رہنما تھے۔ انہوں نے مجھے آنے والے واقعات کی کہانیاں سنائیں اور میں ان کہانیوں کو ذہن نشین کرنے لگا۔ ساری رات ستاروں میں گزری اور جب انہوں نے کنکھیوں سے سورج کی طرف اشارہ کیا۔ تو میں نے انہیں الوداع کہا اور ان کی پردہ پوشی سے قبل ہی واپس اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔ واپس آتے وقت میں نے دور سے سمندر کے انتہائی سروں پر سفید بادبان دیکھے۔

میری نگاہ بے پناہ تیز تھی ورنہ بادبان ابھی کہر میں لپٹے ہوئے تھے اور صاف نہیں نظر آ رہے تھے۔ چند ساعت میں انہیں دیکھتا رہا۔ یقیناً وہ کوئی بڑی کشتی یا جہاز تھا لیکن کیا...... بحری لٹیرے اس پر حملہ آور نہ ہوں گے۔ میرے لئے یہ خوشی کی بات نہیں تھی۔ نہ جانے کون، کس ضرورت سے کہاں جا رہا ہوگا۔ اگر وہ راستے میں لٹ جائے، مارا جائے، تو یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ ہاں اگر یوحنا کے سپاہیوں نے نئے ساز و سامان کے ساتھ کسی یلغار کا فیصلہ کیا ہے۔ تو پھر ایک دلچسپ جنگ دیکھنے میں آئے گی۔

بہرحال جہاز ابھی اتنی دور تھا کہ دیر تک اس کے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے مکان میں واپس آ گیا...... اور پھر میں آرام کرنے لیٹ گیا...... صبح ہونے کو تھی جب میری پلکیں جڑ گئیں...... اور میں سوتا رہا، عارضی نیند...... جو گہری نہ ہوتی تھی۔

اور پھر اس وقت آنکھ کھلی جب باہر بے پناہ شور ہو رہا تھا۔ میں دماغ پر زور دے کر اس شور کی وجہ جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اور تب مجھے وہ جہاز یاد آیا جس کے سفید بادبان کھلے ہوئے تھے۔

اوہ...... تو یوحنا کے فوجی خشکی پر چڑھ آئے...... شاید جنگ شروع ہو چکی ہے۔ میرے جسم میں انگڑائیاں سی ٹوٹنے لگیں...... ذرا دیکھوں تو...... باہر کا معرکہ کیسا ہے...... اور میں اپنے دوست گستارو کی کیا مدد کر سکتا ہوں...... نیز یہ کہ اسے مدد کی ضرورت بھی ہے...... یا وہ دشمن پر حاوی ہے۔

چنانچہ میں مکان سے باہر نکل آیا...... ہر شخص ساحل کی طرف دوڑ رہا تھا...... لیکن ان کے ہاتھوں میں ہتھیار نہیں تھے۔ اور پھر بچے، بوڑھے، عورتیں بھی تو تھے...... یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے حیرت سے سوچا اور پھر میں بھی ساحل کی طرف چل پڑا۔ سورج خوب چمک رہا تھا...... اور جہاز کے بادبان صاف نظر آ رہے تھے اوپر ایک بہت بڑا جھنڈا لگا ہوا تھا، جس کے درمیان ایک گول نشان تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور درمیان میں ایک پیلے رنگ کا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ ساحل پر کھڑے لوگ اسے دیکھ کر خوشی سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ وہ مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ میں نے ایک بوڑھے کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ میری طرف دیکھنے لگا۔

''یہ کیا ہے......؟ جہاز کس کا ہے۔؟''

''سی سارا......'' بوڑھے نے جواب دیا اور میں چونک پڑا۔ اوہ...... میں نے اس کے بارے میں تو سوچا ہی نہیں تھا...... تو سی سارا واپس آ

گیا..... گویا یہاں کے ماحول میں کچھ تبدیلیاں۔؟

جہاز آہستہ آہستہ ڈیک کی طرف بڑھ رہا تھا۔لکڑی کی سیڑھیوں کے نزدیک بہت سے جوان مستعد کھڑے تھے۔ایک طرف ایک عظیم الشان چرخی لگی ہوئی تھی جس کے لٹھے کی موٹائی کافی تھی اور وہ خوب لمبا تھا۔دس بارہ جوان اس لٹھے کے پاس کھڑے تھے اور وہیں ڈیک پر گستارو بھی چند خاص لوگوں کے ساتھ موجود تھا۔

لوگ چیختے رہے۔لباس اور اپنی چیزیں اچھال اچھال کر خوشی کا اظہار کرتے رہے۔اور جہاز آہستہ آہستہ قریب آتا گیا..... پھر اس پر سے رسے اچھالے گئے جنہیں ڈیک پر پکڑ لیا گیا..... رسے چرخی میں پھنسائے گئے اور پھر جوان چرخی گھمانے لگے۔جہاز ڈیک کے نزدیک آرہا تھا۔

پھر چار خوبصورت عورتیں ہاتھوں میں پھولوں کے موٹے ہار لئے ہوئے گستارو کے پیچھے پہنچ گئیں،ان کے جسموں پر خوبصورت لباس تھے اور بالوں میں پھول لگے ہوئے تھے۔میں نے انہیں دلچسپی سے دیکھا تھا۔بہرحال میں عام لوگوں میں کھڑا سی سارا کے استقبال کی تقریب دیکھتا رہا۔جہاز پر میری نگاہیں سی سارا کو تلاش کر رہی تھیں۔

جہاز ڈیک سے لگ گیا۔پھر درمیان میں ایک دروازہ کھلا..... اور سب سے آگے آنے والا آدمی لکڑی کے پلیٹ فارم پر کود آیا..... اس نے ایک لمبا چغہ پہنا ہوا تھا..... لیکن وہ غیر معمولی طور پر لمبا تھا..... بلاشبہ اس کا قد آٹھ فٹ سے کم نہ تھا..... اس کے سر کے بال جھاڑیوں کی طرح اگے ہوئے تھے اور اسے مزید بلند کرنے میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔قلمیں کافی وزنی تھیں اور ٹھوڑی تک آئی ہوئی تھیں باقی چہرہ صفاچٹ تھا۔رنگ تانبے کی طرف سرخ تھا..... اور آنکھوں سے درندگی کا اظہار ہوتا تھا۔

"ای ہا..... گستارو....." اس نے گونجدار آواز میں کہا اور اس کے دانت باہر جھانکنے لگے۔

"سی سارا....." گستارو نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا اور سی سارا گستارو سے بغلگیر ہو گیا..... پھر لڑکیاں آگے بڑھیں اور انہوں نے اچھل اچھل کر ہار سی سارا کی گردن میں ڈال دیئے۔

پھر وہ گستارو کے ساتھ چل پڑا..... ایک ہجوم ان کے پیچھے چل رہا تھا۔میں جانتا تھا کہ اب وہ گستارو کے مکان پر جائے گا اور وہاں اس سے عقیدت کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا..... چنانچہ میں جہاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔بلاشبہ بہت بڑا جہاز تھا۔کسی عظیم الشان عمارت کی مانند..... لکڑی اور لوہے سے بنایا ہوا..... سینکڑوں آدمی اس سے سفر کر سکتے تھے۔اس کی شکل وصورت بھی بہت بھیانک تھی..... مسافر بردار جہازوں کے سامنے جب یہ نمودار ہوتا ہوگا،تو بے شک دل لرز جاتے ہوں گے۔

میں جہاز پر کام کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھتا رہا..... سب کے سب وحشی صفت خلاصی تھے،جو بڑے بڑے پیپے اور دوسری چیزیں اتار رہے تھے۔کافی دیر تک یہی کام ہوتا رہا..... اور میں ایک مخصوص جگہ کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا..... پھر میں واپس پلٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اچانک میں نے عجیب سی کھڑکھڑاہٹ سنی۔خلاصی ہاتھوں میں تلواریں لے کر پلیٹ فارم پر کھڑے ہو گئے۔اور اس کے بعد پریشان حال لوگوں کی ایک قطار باہر نکلی۔ان کے ہاتھوں میں لوہے کی زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ان کے لباس پھٹے ہوئے تھے لیکن نہ جانے کون سے علاقے کے سفید اور خوبصورت

لوگ تھے......ان کی تعداد بہت کافی تھی...... میں رک کر دلچسپی سے انہیں دیکھنے لگا۔

یقیناً یہ قیدی تھے...... گستارو کے الفاظ مجھے یاد آ گئے۔ وہ لوگ سارے کاروبار کرتے تھے جن میں انسانوں کی خرید و فروخت بھی شامل تھی۔ میں نے غور سے قیدیوں کی طرف دیکھا۔ اور پھر وہ مجھے نظر آ گیا جو میں تلاش کر رہا تھا۔ قیدی مردوں کے بعد عورتوں کی باری تھی اور پروفیسر...... میں نے بے بس اور لاچار حسن کے نظارے کئے۔ پھٹے ہوئے لباس، خشک چہرے، ویران اجڑے اجڑے...... بڑی ہی حسین لڑکیاں تھیں...... بوسیدہ لباسوں سے ان کا حسن بے پناہ جھانک رہا تھا...... بعض کے لباس تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ وہ تقریباً برہنہ ہو گئی تھیں لیکن ان کی نسوانیت بھی مصائب کے بوجھ تلے دم توڑ چکی تھی اور اب انہیں جسموں کی برہنگی کا احساس نہیں تھا۔

اور ان لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر اچانک میرے دل میں جذبہ ہمدردی جوش مارنے لگا۔ ٹھیک ہے، مجھے اس دور کے وحشیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اب زیادہ تر تماشائی رہنا پسند کرتا تھا۔ لیکن ان انسانوں کے لئے جو آزاد تھے، ایسے مجبور انسانوں کی مدد نہ کرنا جو اپنی مرضی سے ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتے تھے...... غیر انسانی بات تھی۔

میرے ہونٹ بھینچ گئے...... ان لوگوں کی مدد کے سلسلے میں، میں گستارو کی دوستی بھی ٹھکرا سکتا تھا۔ لیکن جذباتی انداز میں سوچنا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہ تھا...... میں اس طرح ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ چالاکی سے کام لینا ہوگا...... اگر میں گستارو سے کہوں کہ وہ انہیں آزاد کر دے، تو وہ حیرت سے مجھے دیکھے گا...... یہ بات تو اس کے بس میں بھی نہیں ہوگی، اور پھر ظاہر ہے وہ میری دوستی کے لئے اپنا کاروبار قربان نہیں کرے گا۔

نہیں...... یہ مشکل ہے...... اگر میں ان لوگوں کے لئے جنگ کروں، تب بھی بے سود ہوگا...... وہ چاہیں تو انہیں قتل بھی کر سکتے ہیں...... اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ بالکل غلط...... کوئی گہری چال...... تا کہ یہ مظلوم انسان محفوظ بھی رہیں۔

قیدیوں کی تعداد دو سو کے قریب تھی ان میں آدھے مرد تھے اور آدھی عورتیں...... لیکن ان کی خرید و فروخت کہاں ہوگی......؟ یہیں، اسی جگہ...... یا انہیں کہیں اور لے جایا جائے گا۔ اس بارے میں بھی خاموشی سے معلوم کرنا پڑے گا اور پھر قیدیوں کے پیچھے چلتے ہوئے میں نے ایک بات سوچی...... یہ بہت اچھا ہوا کہ ابھی تک گستارو پر میری غیر معمولی شخصیت کا اظہار نہیں ہوا...... اس طرح وہ میرے بارے میں لاعلم ہے...... اور یہ عمدہ بات ہے۔

یہاں پہلی بار میں نے لکڑی سے بنا ہوا وہ عظیم الشان پنجرہ دیکھا، جو اس سے قبل نہیں دیکھا تھا...... ظاہر ہے قیدی آتے رہتے ہوں گے اور ان کے قیام کے لئے اس سے عمدہ جگہ اور کوئی نہ ہوگی...... پنجرے پر چھت موجود تھی۔ باقی چاروں طرف لکڑی کے موٹے موٹے ستون تھے جو صرف اس قدر جگہ رکھتے تھے کہ باہر سے اندر کے مناظر نظر آتے رہیں اور کوئی قیدی ان کے درمیان سے نکل نہ سکے۔

دروازہ کھلا...... اور قیدیوں کو اندر دھکیل دیا گیا...... پھر پنجرے کا دروازہ بند ہو گیا...... اور بہت سے مسلح آدمی ان کے گرد پھیل گئے......

میں دور یہ سب کچھ دیکھتا رہا تھا...... پھر میں ایک گہری سانس لے کر واپس چل پڑا...... اپنی قیام گاہ تک پہنچتے پہنچتے میں نے ایک فیصلہ کیا تھا...... میں چالاکی سے یہ بات معلوم کروں گا کہ قیدی یہیں رکھے جائیں گے یا انہیں دوبارہ جہاز پر بار کر کے لے جایا جائے گا۔؟ اگر وہ جہاز پر بار کر کے لے

جائے گا تو پھر میں سی سارا کا ساتھی ہوں...... ورنہ گستارو کی محبت مجھے کہیں نہ جانے دے گی۔

اور اس معلومات کے لئے مجھے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو سب کچھ جانتا ہو...... چنانچہ میرے تجربے کار ذہن نے اس بارے میں بھی سوچ لیا......اور پھر میں انتظار کرنے لگا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میرا عزیز دوست گستارو قزاقوں کے شہنشاہ کی موجودگی میں مجھے فراموش نہ کر دے...... لیکن جہاں تک گستارو کی بات تھی، بلاشبہ وہ برا ہونے کے باوجود بھلا آدمی تھا...... چنانچہ اس کے آدمی کے ذریعے مجھے اس کا پیغام ملا۔

''عظیم سی سارا آگیا ہے...... آج اس کے اعزاز میں بڑی دعوت ہے، جس میں تمہیں شریک ہونا ہے۔''

مجھے کس وقت آنا ہے......؟''

''سورج چھپتے ہی......'' گستارو کے پیغامبر نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ چنانچہ سورج چھپا تو میں تیار ہو کر گستارو کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا۔ وہی سماں تھا...... لیکن آج سب نے زرق برق لباس پہنے تھے، عورتیں اور مرد شراب میں غرق تھے...... بھنے ہوئے جانوروں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں...... پھلوں اور خشک میووں کے انبار لگے اور رنگ رلیاں جاری تھیں۔

میں بھی لوگوں کے ہجوم میں عام انداز میں شامل ہو گیا...... چند لڑکیاں میرے گرد بھی آگئی تھیں...... وہ مجھ سے باتیں کرنے لگیں، جو زیادہ تر میرے بارے میں تھیں۔ پھر گستارو اور سی سارا بہت سے لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی مؤدب ہو گیا۔

سی سارا بہت خوش تھا اور گستارو کے کندھے پر ہاتھ رکھے چل رہا تھا۔ اچھے اچھے قد آور اس کے سامنے بونے لگ رہے تھے...... وہ باتیں کرتا اور ہنستا چلا آرہا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور بھاری آواز میں بولا۔

''طویل عرصے کے بعد...... میں تم سے ملاقات کر کے خوش ہوا...... اس دوران بہت کچھ ہوا، جس کی رپورٹ گستارو دے گا۔ ہم آرام سے ہیں، یوحنا کے فوجیوں نے ہمارے تقریباً دو سو آدمیوں کو قتل کیا...... ہم نے یوحنا کے ایک ہزار سے زیادہ آدمی مارے...... چھ جہاز لوٹے اور بہت سی بستیوں سے غلام پکڑے...... میں خوش ہوں تم بھی خوش ہو جاؤ اور بڑی دعوت کی رنگ رلیاں مناؤ۔''

''اس کے ساتھ ہی ایک زبردست شور اٹھا...... اب تو سی سارا کی اجازت تھی...... یک چشم گستارو بھی کھلا کھیلا...... اور وہ طوفان بے پناہ اٹھا کہ بس...... بہت سی لڑکیاں سی سارا گستارو پر لد گئیں...... وہ دونوں کو شراب سے نہلا رہی تھیں اور دونوں بدمست تھے۔

مین جانتا تھا کہ ایسے میں میری پوچھ کچھ کیا ہوگی...... اور میرے خیال میں یہ عمدہ بات تھی...... تب میں نے اپنے شکار کی تلاش میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ سب کھل کھیل رہے تھے۔

میری نگاہ نے ایک حسینہ کو تاک لیا...... لمبے بالوں، دراز قد اور سنہری آنکھوں والی اس حسینہ کی عمر بیس بائیس سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ ایک بٹیر ہاتھوں میں دبائے اسے ادھیڑ رہی تھی...... پھر اس کی نگاہیں ادھر ادھر اٹھیں اور میں جلدی آگے بڑھ گیا۔ میں نے شراب کا ایک جار اٹھایا...... اور سینگ کے خالی پیالے میں شراب انڈیل دی۔

حسینہ نے میری طرف دیکھا...... اور پھر اچنبھے سے اس کے ہاتھ سے سینگ گر گیا۔ ''سنہری بدن والے......'' اس کے منہ سے نکلا۔

''حسینۂ وقت......'' میں اس کی گردن پر جھکتے ہوئے کہا۔ یہ سب اس کے لئے غیر متوقع تھا...... اسے یہ نعمت ہاتھ آ جانے کا گمان نہیں تھا...... چنانچہ اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور میری گردن سے لپٹ گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''آشو دلے...... میرے جان...... تو دنیا کا سب سے حسین مرد ہے...... آہ تیرے لمس نے میرے بدن میں چنگاریاں بھر دی ہیں...... میں اس لمس کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جان دے سکتی ہوں۔''

''تو اس محفل کی سب سے خوبصورت عورت ہے...... مجھے حیرت ہے کہ کسی سارا کی نگاہ تجھ پر کیوں نہ پڑی۔''

''میں نے خود ہی بوڑھے دیو سے نگاہ بچائی ہے...... کہاں وہ کہاں تو...... مگر کیا تو مجھے مل سکے گا۔؟''

اور کیا چاہئے تھا پروفیسر...... وہ خود اظہار الفت کر رہی تھی اور کس قدر آسان ہو گیا تھا میرا کام...... میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا۔

''کیا تم میرے لئے یہ محفل چھوڑ سکتی ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تو تیرے لئے دنیا چھوڑ سکتی ہوں۔ تو اس محفل کی بات کرتا ہے۔ کسی کے دل میں تیری آرزو نہیں ہے۔ کون تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے بے چین نہ ہوگا مگر جس کی تقدیر کھل جائے۔ سب مایوس ہیں تیری طرف سے۔ لیکن مجھے ان پر فوقیت حاصل ہوگئی۔''

''تب آؤ۔ میرے ساتھ چلو۔ میری قیام گاہ پر۔'' میں نے کہا اور وہ تو جیسے ادھار کھائے بیٹھی تھی، فوراً ہی باہر نکل آئی۔ کھانے پینے سے وہ بھی سیر ہو گئی تھی۔ شراب اس نے اتنی پی لی تھی کہ اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔ اس کے گداز ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

اور میرے بدن سے چپکی چپکی وہ میرے ساتھ باہر نکل آئی۔ میں اسے لئے ہوئے اپنی قیام گاہ پر آ گیا۔ اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ اور میں نے اسے مایوس نہ کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بے خود پڑی تھی۔ اس کی تمام حسرتیں نکل گئی تھیں۔ میں نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا۔؟''

''گوشا'' اس نے آنکھیں بند کئے کئے جواب دیا۔

''تم بہت خوبصورت ہو گوشا۔''

''اور تم۔ تم اپنے بارے میں کیا کہو گے۔ روئے زمین پر تم جیسا دوسرا مرد نہ ہوگا۔''

''کیا تم اس بستی میں پیدا ہوئی تھیں گوشا۔؟''

''ہاں۔ کیوں۔؟''

''میں سوچ رہا تھا یہاں تم جیسی کوئی دوسری نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور وہ دیوانی ہو گئی۔ فرط محبت سے وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں پروفیسر، کہ میں ہر دور کی عورتوں کا پسندیدہ مرد رہا ہوں۔ بلاشبہ مجھ سے افضل لوگ پیدا ہوئے ہوں گے لیکن مجھ سا کہاں...... اور جب میں

کسی عورت کی تعریف کروں تو اس کی خوشیوں کی انتہا کہاں...... یہی کیفیت گوشا کی ہوئی تھی۔

پھر اس نے میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔" تم یہاں سے کہیں جاؤ گے تو نہیں آشو ولے۔ اگر تم یہاں سے جاؤ تو مجھے ساتھ لیتے جانا۔ نہ لے جا سکو تو ہلاک کر دینا۔ تمہارے بغیر زندگی کا تصور اب ممکن نہیں ہے۔"

"میں تو گستارو کا قیدی ہوں گوشا۔ میں نہیں جانتا سی سارا میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ ویسے گستارو میرے اوپر بہت مہربان ہے۔ ممکن ہے وہ مجھے یہیں روک لے۔ ویسے سی سارا کس قسم کا آدمی ہے۔؟"

"جیسا اسے ہونا چاہئے۔ وہ بلا کا سنگدل اور ظالم شخص ہے لیکن جس پر مہربان ہو جائے اسے عیش کرا دیتا ہے۔"

"قیدیوں کے ساتھ اس کا کیا سلوک ہوتا ہے۔؟"

"بے حد سخت۔ وہ انہیں انسان نہیں سمجھتا۔" گوشا نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کیا انہیں یہاں لا کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔؟"

"نہیں۔ وہ انہیں منڈی میں لے جائے گا وہاں انہیں فروخت کیا جائیگا۔"

"یہاں نہیں۔؟"

"نہیں۔ یہاں انہیں خریدنے کون آئیگا۔"

"لیکن ان کے لئے یہاں پنجرہ موجود ہے۔ ممکن ہے وہ انہیں یہاں چھوڑ جائے۔؟"

"آج تک ایسا نہیں ہوا۔ انہیں وقتی طور پر اتار لیا گیا ہے۔ جب جہاز روانہ ہوگا تو انہیں پھر جہاز کے نچلے حصے میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس دوران جہاز صاف بھی کر دیا جائے گا۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ میرا کام بن گیا تھا۔ جو کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا وہ معلوم ہو چکا تھا اور اب مجھے اپنا لائحہ عمل مرتب کرنے میں دقت نہیں ہوگی چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں سی سارا کو متاثر کرنے کی کوشش کروں گا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی گوشا واپس چلی گئی اور میں اپنی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ ممکن ہے گستارو مجھے بلائے، اس لئے گیارہ بجے تک میں انتظار کرتا رہا اور پھر اپنی قیام گاہ سے باہر نکل آیا۔ میرا رخ ساحل کی طرف تھا۔ جہاں جہاز لنگر انداز تھا۔

دور سے میں نے دیکھا کہ گستارو اور سی سارا ابھی جہاز پر موجود ہیں۔ جہاز پر کام ہو رہا تھا۔ لمبے اور اونچے مستول اکھاڑ کر دوبارہ صحیح کئے جا رہے تھے۔ میں بھی ڈیک سے گزر کر جہاز پر پہنچ گیا۔ ابھی تک گستارو اور سی سارا نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک سب سے بڑے مستول کی طرف دیکھ رہے تھے جو بہت وزنی تھا۔ اسے گرا کر درست کیا گیا تھا اور اب تقریباً بیس پچیس آدمی اسے سیدھا کھڑا کرنے میں مصروف تھے۔ وہ مستول کے اوپر سرے پر رسیاں باندھ رہے تھے تاکہ اس کے نچلے سرے کو خانے میں رکھ کر، دوسری طرف سے رسیاں کھینچیں اور اسے سیدھا کریں۔ یہ بڑا مشکل کام تھا اور گستارو وغیرہ اس کی نگرانی کر رہے تھے۔

میں اونچے چبوترے سے اتر کر نیچے مزدوروں کے قریب پہنچ گیا جو پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ وزنی اور تقریباً سو فٹ بلند مستول کو سنبھالے رکھنے میں انہیں بڑی دقت ہو رہی تھی اور ان کے نزدیک یہ گھنٹوں کا کام تھا کیونکہ ابھی تو ریت پر اتر کر انہیں مستول سیدھا کرنا تھا۔ مجھے دیکھ کر خلاصی اور مزدور چونک پڑے۔ میرا رنگ اور حلیہ ان کے لئے بھی اجنبی تھا اور مجھے یقین تھا کہ اب گستارو اور سی سارا کی نگاہ بھی میری طرف ہو گی لیکن میں خود ان کی طرف متوجہ نہ ہوا اور میں نے ایک خلاصی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیا تم اسے اٹھا کر اس خانے میں داخل کرنا چاہتے ہو۔؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ مگر تم کون ہو۔ ہم نے پہلے تمہیں نہیں دیکھا۔''

''میں بھی تم میں سے ایک ہوں۔ اگر تم کہو تو میں اس مستول کو اٹھا کر اس خانے میں رکھ دوں۔''

''وہ کیسے۔؟'' مزدور نے حیرت سے پوچھا۔

''تم اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اس کے قریب سے ہٹ جائیں۔ بندھی ہوئی رسیاں چھوڑ دیں۔'' میں نے کہا۔ مزدور ہنس پڑا۔

''تم اکیلے اسے اٹھا لو گے۔''

''ہاں۔ تم دیکھو گے۔ میں یہ کام کر لوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور خلاصی نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو متوجہ کیا۔

''ہے۔ اس کی سنو۔ یہ آسمان کا باشندہ کیا کہتا ہے۔ ہٹ جاؤ۔ تماشا دیکھو۔ یہ اسے اٹھا کر کھڑا کر دے گا۔''

خلاصی چونک کر رک گئے۔ وہ تمسخرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے لیکن میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لوگوں نے میرے دعووں پر میرا اسی طرح مذاق اڑایا تھا اور پھر منہ کی کھائی۔ وزنی مستول کو سیدھا کر دینا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا چنانچہ خلاصی اپنا اپنا کام چھوڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔ میں جھکا اور میں نے مستول کا نچلا حصہ دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا اور پھر میں نے اس وزنی ستون کو نچلی طرف سے جھکایا اور اس کے اوپری وزنی سرے کو اوپر اٹھانے لگا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اوپری سرا سیدھا اٹھتا چلا گیا۔ اس میں ایک لمحے کا سکتہ بھی نہیں تھا۔ خلاصیوں کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل گئی تھیں۔ یہاں تک کہ مستول سیدھا ہو گیا اور میں اسے ہاتھوں میں سنبھالے نیچے سے اٹھ گیا اور پھر میں نے اسے اس کے کھانچے میں فٹ کر دیا اور خلاصی حیرت سے چیخ پڑے۔ گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو گیا تھا۔ خلاصی میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ منہ سے کچھ نہ بول رہے تھے لیکن حیرانی سے میری شکل دیکھ رہے تھے۔

''آشو لے۔ آشو لے۔'' دور سے گستارو کی آواز آئی اور میں نے اس انداز میں چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے پہلے سے اس کی موجودگی کا احساس نہ ہو اور پھر میں نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور ان دونوں کی طرف بڑھ گیا۔ سی سارا کی گہری آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ میں ان دونوں کے سامنے پہنچ کر جھکا اور سیدھا ہو گیا۔

''تم یہاں کیسے آ گئے آشو لے......؟'' گستارو نے پوچھا۔

''بس سردار...... تنہا تھا، جہاز کی رونق دیکھنے چلا آیا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''رات کو تم جشن میں شریک تھے۔؟''

''موجود تھا سردار...... عظیم سی سارا کو قریب سے دیکھنے کا شوق مجھے وہاں لے گیا تھا...... میں نے شیروں کے شیر کو دیکھا اور بے حد متاثر ہوا لیکن میری جرأت نہ ہوئی کہ میں سی سارا کا قرب حاصل کروں۔''

اور میں نے دیکھا پروفیسر...... کہ سنگدل اور چالاک قزاق کے چہرے کے تاثرات بدل گئے...... اگر وہ میرے بارے میں غلط بھی سوچ رہا ہوگا تو میرے الفاظ نے اس کے سوچ اس کے ذہن سے اڑا دی۔

''تم بہت طاقتور ہو جوان...... ہمیں تمہاری حیرت انگیز طاقت دیکھ کر تعجب ہوا ہے۔''

''عظیم سی سارا کا ادنیٰ خادم ہوں...... اس بستی میں میرے ساتھ دوستوں کا سلوک کیا گیا ہے...... اور میں محبت کا جواب محبت سے دیتا ہوں۔''

''گستارو نے بتایا ہے کہ تم آوارہ گرد ہو...... اور گھومتے ہوئے یہاں آ نکلے ہو۔؟''

''ہاں عظیم سی سارا...... میں کبھی کسی کا محکوم نہیں رہا...... جنگلوں میں بھٹکتا پھرا ہوں۔''

''لیکن نوجوان دوست...... کیا ثبوت ہے کہ تم یوحنا کے جاسوس نہیں ہو۔؟'' سی سارا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''میرے دوست سردار گستارو نے بھی یہی بات کہی تھی، لیکن اپنے دوستوں کو اسی طور یقین دلا سکتا ہوں کہ یوحنا کی گردن پکڑ کر میرے سامنے لے آیا جائے تو میں دونوں ہاتھوں سے اس کی کھوپڑی پکڑ کر اسے شانوں سے نکال لوں اور پھر سی سارا سے درخواست کروں کہ اس کھوپڑی کو اپنی نشست گاہ کے سامنے رکھ لے اور اسے پیر رکھنے کے لئے استعمال کیا کرے۔''

''واہ......'' سی سارا ہنس پڑا۔ ''کیا عمدہ خیال پیش کیا ہے تم نے حقیقتاً مغرور بادشاہ اس قابل ہے۔ اور ہمیں یقین ہو گیا گستارو کہ اس نے یوحنا کا نام بھی پہلے کبھی نہیں سنا...... یوحنا طلسمی چکر چلا کر اپنی رعایا کو مسحور کر رکھا ہے، اس قدر کہ وہ اسے دیوتا سمجھتے ہیں...... اور آسمان سے اترنے والے کے بارے میں وہ کبھی نازیبا الفاظ استعمال نہیں کرتے خواہ ان کی گردن اتاری جائے...... سو ہمیں اس پر یقین آ گیا اور بلاشبہ تم نے ایک انتہائی کام کے آدمی سے ہمیں متعارف کرایا ہے۔''

گستارو کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی...... وہ مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا...... لیکن اب اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ سی سارا کی دلچسپی کہیں مجھے اس سے جدا نہ کر دے اور وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، لیکن جو میری خواہش تھی۔

''تم ہمارے بہترین ساتھی ثابت ہو سکتے ہو جوان...... کیا نام لیا گیا تھا تمہارا...... آشو لے۔؟''

''میں معزز شہنشاہ کا غلام ہوں۔'' میں چالاکی سے کہا۔

''خاص لوگوں کو ہم دوست بناتے ہیں غلام نہیں۔ گستارو نے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ تمہاری بوڑھی بیوی بھی تھی۔؟''

''ہاں سردار...... وہ مر گئی۔''

''وہ بوڑھی کیوں تھی۔؟''

''جنگل میں وہی عورت دستیاب ہوئی تھی اور مجھے عورت کی ضرورت تھی۔'' میں نے کہا اور سی سارا ہنس پڑا۔

''بے حد دلچسپ انسان ہو تم......اور ہم نے تمہیں پسند کر لیا۔تم ہمارے ساتھی بن گئے گستارو......ہم نے تمہارا یہ تحفہ خوشی سے قبول کر لیا۔''

گستارو کے منہ سے آواز نہ نکل سکی، البتہ وہ اداس ہو گیا تھا۔

''تم آوارہ گردی کے شوقین ہو......اور ہمارا جہاز سمندر کی وسعت ناپتا رہتا ہے......اور تم دیکھو گے کہ اس پر تمہاری تفریح کے کتنے سامان ہوں گے چنانچہ تم ہمارے ساتھ رہو......آج سے تمہیں ہم نے اپنا ساتھی بنا لیا۔'' میں نے گردن جھکا کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

لیکن اسی شام گستارو مجھ سے میری قیام گاہ پر ملا......اس کے چہرے سے عجیب سی کیفیت کا اظہار ہو رہا تھا۔''آشو لے۔ میں نے تمہیں اپنا ساتھی منتخب کر لیا تھا۔تم بہت عمدہ انسان ہو......لیکن مجھے دکھ ہے کہ تم سی سارا کے سامنے پہنچ گئے اور اس نے تمہیں پسند کر لیا۔''

''اوہ......تم اداس ہو سردار......؟'' میں نے کہا۔

''ہاں......میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

''تو میں سی سارا سے منع کر دوں گا کہ میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میں اپنے دوست گستارو کے ساتھ رہوں گا۔''

''نہیں سادہ دل انسان......نہیں......ایسا غضب مت کرنا۔ سی سارا تمہیں قتل کرا دے گا وہ اپنی پسندیدہ چیزیں اپنے پاس رکھنا پسند کرتا ہے یا پھر انہیں ضائع کر دیتا ہے......مجبوری ہے......اب کچھ نہیں ہو سکتا......بہرحال سی سارا نے تمہیں پسند کر لیا ہے جہاز پر تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''جیسا حکم سردار گستارو۔'' میں نے شانے ہلا کر جواب دیا۔

''ویسے تم حیرت انگیز طاقت کے مالک ہو......اس سے قبل تم نے اس کا اظہار نہیں کیا......اس وقت بھی نہیں جب وہ تمہاری بیوی پر حملہ آور ہوئے تھے۔''

''اس نے بھی رقاصہ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا......اسے اس کی حماقت کی سزا ملی۔''

''ہوں......خیر......سی سارا کل روانہ ہو رہا ہے، ممکن ہے میری اب تم سے تفصیلی ملاقات نہ ہو......اس لئے رخصت......'' یک چشم دوست نے میرے گال کو بوسہ دیا اور رخصت ہو گیا۔

اور پروفیسر......دوسرے روز صبح ہی سی سارا نے مجھے طلب کر لیا، اور میں اس کے حضور پہنچ گیا۔

''آؤ آشو لے......ہم سفر کے لئے تیار ہیں......تم دیکھو گے یہ تمہاری زندگی کا بہترین سفر ہوگا۔ کیا تم جنگ وجدل سے گھبراتے ہو۔؟''

''دوستوں کے لئے، دشمنوں سے لڑنا زندگی کا مقصد سمجھتا ہوں۔''

''خوب......خوب......بڑے کام کے آدمی ہو......بہت سے کام لئے جا سکتے ہیں تم سے......مثلاً سرکش غلاموں کی سرکوبی......اوہ......میں تمہیں غلاموں کا نگراں مقرر کرتا ہوں......کیا یہ کام تمہارے لئے دلچسپ ہوگا۔''

''کیا مجھے سرکشوں کی ہڈیاں توڑنے کی اجازت بھی ہوگی سی سارا۔؟''

''بالکل...... لیکن نوجوان اور مضبوط جوانوں کو درگزر کرنا۔ کیونکہ ہمیں ان کی اچھی قیمت وصول ہوگی...... ہاں بوڑھے، بیمار اور ناکارہ لوگوں سے تم اپنا شوق پورا کر سکتے ہو......''

''میں خوشی سے تیار ہوں......'' میں نے جواب دیا۔

''تب تم اپنا کام شروع کر دو...... کیشے۔'' اس نے ایک سیاہ فام کو آواز دی۔ جو چمڑے کے لباس میں تھا، اور بے حد خونخوار نظر آ رہا تھا۔ سیاہ فام قریب آ گیا۔ ''اپنا نشان اسے دے دو...... یہ غلاموں کا انچارج ہے۔ تم اس کی ماتحتی میں کام کرو گے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرو گے۔''

سیاہ فام نے گردن جھکا لی...... لیکن وہ کینہ توز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا...... غالباً مجھ سے قبل وہ غلاموں کا نگراں تھا...... بہر حال اس نے پیتل کا ایک نشان میرے سینے پر آویزاں کر دیا...... میں نے اسے قریب سے دیکھا۔ گوشت اور ہڈیوں کا پہاڑ تھا...... اس کے سینے پر سخت گوشت کی تہیں کافی موٹی تھیں اور کلائی کی ہڈی بے حد چوڑی تھی۔

نشان لگا کر اس نے دانت نکال دیئے اور اس کے منہ سے بھیڑیئے کی غراہٹ نما ہنسی نکل گئی۔

''جہاز پر اسے نیا لباس دو...... ہر طرح کا خیال رکھا جائے۔'' مہربان سی سارا نے کہا اور کیشے نے گردن جھکا دی۔

''آؤ جوان۔ تمہارا نام کیا ہے۔؟'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''آشو ولے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں کیشے ہوں اور اس بات کا خیال رکھنا کہ میں نے کسی کی ماتحتی قبول نہیں کی ہے۔ البتہ میری دوستی حفاظت کی ضمانت ہے۔''

''تو میں سی سارا سے بات کر لوں کہ تمہیں میری ماتحتی قبول نہیں ہے۔'' میں نے رک کر پوچھا۔

''یہ بات نہیں ہے۔'' اس نے دانت پیس کر مجھے آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا بات ہے۔؟'' میں نے حیرت سے کہا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔

''میں نے ذاتی طور پر تمہیں یہ بات بتائی ہے۔''

''تو کیا جہاز پر صرف سی سارا کا حکم نہیں چلتا۔؟''

''تم یا تو بہت سیدھے آدمی ہو۔ یا ضرورت سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ بہر حال میں تم سے پھر گفتگو کروں گا۔ آؤ میں تمہیں نیا لباس دیدوں۔'' وہ بولا اور میں اس کے ساتھ جہاز پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک کیبن سے چمڑے کے بہت سے عمدہ لباس نکالے۔ ایک بہت خوبصورت لباس مجھے پسند آیا۔ یہ چمڑے کی بازوؤں سے کھلی اور نیچی جیکٹ تھی۔ اور چمڑے کا ہی زیریں لباس تھا۔ اس کے ساتھ ہی موٹے چمڑے کے پنڈلیوں تک کے جوتے۔ میں نے اس سے قبل ایسا لباس کبھی نہیں پہنا تھا۔ لیکن...... یہ لباس پہن کر میں خود کو اجنبی محسوس کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں لباس پہن کر فارغ ہو گیا۔

''قیدیوں کے رہنے کی جگہ کہاں ہے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' گیشے نے کہا اور ہم جہاز کی تہہ میں جانے والی سیڑھیاں طے کرنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد لکڑی کے بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے جہاں سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ قیدیوں کا ہال ہے اور وہ تمہارا دفتر۔ رات کو تم دفتر میں نہیں رہو گے۔ دن کو بھی سلاخیں بند رکھو گے۔''

''لیکن کیا تمہیں یہاں بدبو نہیں محسوس ہو رہی۔؟'' میں نے کہا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہمیں تھوڑی دیر یہاں رہنا پڑتا ہے۔''

''اور قیدیوں کو۔؟''

''عجیب انسان ہو۔ قیدی اور کہاں رہیں گے۔؟''

''ہوں۔'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''گیشے۔''

''کیا بات ہے۔؟'' میرے لہجے کی تبدیلی پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''صفائی کرنے والوں کو بلاؤ اور پورے ہال کو دھلواؤ۔ یہاں ذرا بھی بدبو رہی تو میں تم سے جواب طلب کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''کیا بکواس ہے۔؟'' گیشے دہاڑا۔

''جو کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ میں ماتحتوں کو سیدھا کرنا بھی جانتا ہوں۔''

''میں نے کرخت لہجے میں کہا اور گیشے کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ مجھے بے بسی سے گھورتا رہا۔'' جتنے لمحات تم نے ضائع کئے اس کے تم ذمہ دار ہو گے فوراً یہ کام شروع کرادو۔ بدبو باقی رہی تو اس کے لئے تم ہی سارا کے سامنے جواب دہ ہو گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے جھلائے دار آواز میں کہا اور باہر نکل گیا۔ میں بھی مسکراتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ اس آدمی کو درست کرنا پڑے گا۔ میں نے دل میں سوچا۔

بہرحال میں وہاں سے نکل آیا اور پھر جہاز کے اوپری حصے میں آ گیا۔ باہر کام ہو رہا تھا۔ سامان جہاز پر لادا جا رہا تھا۔ چاروں طرف بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ گستارو اور ہی سارا بھی موجود تھے۔ دونوں نے مجھے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

''بہت عمدہ آشو لے۔ تم درحقیقت مجھے جہاز کے کپتان معلوم ہو رہے ہو۔ گستارو نے مجھے بہت عمدہ آدمی دیا ہے۔'' اور گستارو مسکرا کر رہ گیا میں اس کی ذہنی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ موقع پا کر میں نے اس سے کہا۔

''دوسری بار جب جہاز یہاں آئے گا تب میں شہنشاہ ہی سارا سے یہاں رہنے کی اجازت مانگ لوں گا۔''

''میں انتظار کروں گا آشو لے۔'' گستارو نے کہا۔

تقریباً تین گھنٹے تک جہاز پر کام ہوتا رہا۔ قیدیوں کے ہال کا معائنہ کیا۔ صفائی کرنے والے صفائی کر چکے تھے اور اب ہال میں بدبو نہ تھی۔

''اے۔ گیشے۔'' میں گیشے کو آواز دی اور وہ میرے قریب آ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تیرے کام سے خوش ہوں۔"

"لیکن میں تجھ سے خوش نہیں ہوں آشو دلے۔ اگر سی سارا کو درمیان میں نہ لائے تو میں تجھے چیلنج کردوں کہ جہاز پر تیری زندگی بہت کم ہوگی۔"

مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔" اور تو سن لے کیشے۔ میں تیرا چیلنج قبول کرتا ہوں۔ سن۔ میں تیری پہلی غلطی پر تیرے بدن کی کھال اتار دوں گا، دوسری غلطی پر تیرے ہاتھ پاؤں توڑ دوں گا اور تیسری غلطی پر تجھے قتل کر کے سمندر میں پھینک دوں گا۔"

"لیکن سی سارا ہمارے درمیان نہ ہوگا۔"

"بالکل نہیں ہوگا، میرا وعدہ ہے۔" میں نے کہا اور کیشے نے گردن ہلا دی۔ بے وقوف سیاہ فام کی موت ہی آئی تھی میں کیا کرتا۔؟

ہم دونوں ساتھ ہی باہر آئے تھے۔ اب قیدیوں کے لے جانے کی باری تھی۔ چنانچہ میرے کوڑا بردار ماتحت میرے نزدیک آ گئے۔ سی سارا نے سب کو بتا دیا تھا کہ اب ان کا سربراہ میں ہوں اور پھر میرے سینے پر نشان بھی موجود تھا۔ چنانچہ میرے اشارے پر کوڑا بردار قیدیوں کے کٹہرے کی طرف چل پڑے۔

"عظیم سی سارا۔" میں نے سی سارا کے قریب پہنچ کر کہا اور سی سارا میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔؟"

"تم نے قیدیوں کی نگرانی میرے سپرد کی ہے۔ یہ قیدی ہم بازار میں اچھے داموں فروخت کریں گے اور اچھی قیمت صرف انہی قیدیوں کی لگے گی جو چاق و چوبند اور تندرست ہوں۔ کیا لوگ بیمار غلام پسند کرتے ہیں۔؟"

"نہیں۔ قیدیوں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔"

"تب پھر مجھے اجازت دے کہ میں ان کی اچھی قیمت وصول کرنے کے لئے ان کی اچھی دیکھ بھال کر سکوں۔"

"تجھے ایسا ہی کرنا چاہیے آشو دلے۔"

"میری راہ تو نہ روکی جائے گی۔؟"

"کون ہے جو سی سارا کی بخشی ہوئی مراعات قبول نہ کرے۔ کیا کسی نے تیرے ساتھ عدم تعاون کیا ہے۔؟"

"نہیں سی سارا۔ بس مجھے اجازت درکار تھی۔"

"اجازت ہے۔ قیدیوں کی پوری دیکھ بھال تیرے ذمے ہوگی ان کی پوری ذمہ داری تیرے اوپر ہے۔ اگر کوئی تیری حکم عدولی کرے تو میری اجازت کے بغیر تو اسے سزا دے سکتا ہے۔"

"شکریہ عظیم شہنشاہ۔" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا اور پھر میں قیدیوں کی قطار کے نزدیک پہنچ گیا۔ پنجرے کا دروازہ کھول دیا گیا تھا اور قیدیوں کی قطار سر جھکائے باہر نکل رہی تھی۔ محافظ کوڑے پھٹکار رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی کوڑا کسی قیدی کا بدن بھی چاٹ لیتا تھا۔

میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ ایک محافظ نے ایک بوڑھے قیدی پر کوڑا اٹھایا تو میں نے اسے عقب سے پکڑ لیا۔ محافظ نے پلٹ کر خونخوار

نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر کوڑا چھیننے کے لئے زور لگایا لیکن میرے ایک جھٹکے سے وہ منہ کے بل نیچے آ پڑا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔" اور وہ دانت پیستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"جب تک کوئی قیدی گڑبڑ نہ کرے انہیں ایک بھی کوڑا نہ مارا جائے۔" میں نے گرج کر کہا اور یہ انوکھی آواز تھی۔ یہ ایسے الفاظ تھے جو قیدیوں نے اس سے قبل نہیں سنے تھے۔ بہت سے لوگوں نے گردنیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ لیکن ان کی قطار چلتی رہی۔ البتہ دوسرے محافظوں نے میرا حکم سن لیا تھا۔ چنانچہ کوڑوں کی پھٹکاریں بند ہو گئیں۔ قیدی بھی شرافت سے چل رہے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کی باری آئی اور سب ایک ایک کر کے جہاز کے اندر داخل ہونے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد تمام قیدی ہال میں پہنچ گئے۔

ہال کی بدلی ہوئی کیفیت دیکھ کر وہ حیران تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ اندر آیا تھا۔ پھر میں نے کیشے کو حکم دیا۔ "کیشے ہال کے اندر کوئی قیدی گڑبڑ کرے تو اسے میرے پاس پیش کیا جائے کوئی محافظ کسی قیدی کو اپنی مرضی سے سزا نہ دے۔ اس حکم کی پابندی کی جائے ورنہ سزا دوں گا۔"

کیشے خاموش کھڑا رہا تھا۔ پھر میں باہر نکل آیا۔ اب تمام کام مکمل ہو گیا تھا۔ اس لئے سی سارا روانگی کے لئے تیار تھا اس نے گستارو کو الوداع کہا اور گستارو نے ہم سب کو۔ پھر سی سارا میرے ساتھ جہاز کی طرف چل پڑا۔

"اس بار جہاز پر تمہاری موجودگی سے میں بہت خوش ہوں۔ کیا تم ہمیشہ میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے۔؟"

"عظیم سی سارا کے قدموں میں زندگی گزارنے سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"تم بہت خوش گفتار ہو۔ جہاز پر تمہارا احترام کیا جائے گا۔ تمہاری ہر ضرورت، خواہ وہ عورت ہو پوری کی جائے گی جبکہ دوسروں کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔"

"میں سی سارا کی فراخدلی کا قائل ہوں۔" میں نے کہا اور ہم جہاز میں داخل ہو گئے۔ سی سارا لوگوں کو ہدائتیں دینے لگا۔ جہاز کا دروازہ بند کر لیا گیا اور اس میں آہنی کیلیں ڈال دی گئیں اور پھر سے کھل گئے اور بادبانوں کے رخ موڑ دیئے گئے۔ غلام پتواروں سے جہاز کو گہرے سمندر کی جانب دھکیلنے لگے اور جہاز سست روی سے آگے بڑھ گیا۔ ہم سب ڈیک پر کھڑے دور ہوتی ہوئی زمین کو دیکھتے رہے۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لی اور جہاز کے ایک سنسان حصے کی طرف بڑھ گیا۔

اس بار پھر میرے دل میں انسانی ہمدردی جاگی تھی اور میں ان قیدیوں کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا گو میں عام انسان نہیں تھا پروفیسر.....

لیکن میرے احساسات ان سے مختلف بھی نہیں تھے۔ جب میں اپنے بارے میں گہرے انداز میں سوچتا تو مجھے احساس ہوتا کہ میں جن کے درمیان ہوں ان میں سے نہیں ہوں۔ پھر میں ان جیسا کیوں بن جاؤں خود کو ان سے افضل کیوں نہ سمجھوں اور میں خود کو ان سے برتر سمجھتا۔ لیکن اس میں بھی مزہ نہیں تھا انسان کی ایک زندگی ہوتی ہے اور اس کے ذہن میں زندگی کے بعد کا تصور ہوتا ہے۔ لیکن میرے پاس یہ تصور نہیں تھا میں ایکدم سب کچھ نہیں کر لینا چاہتا تھا۔ میرے پاس تو وقت ہی وقت تھا اور اس وقت کو گزارنے کے لئے زندگی میں نت نئی تبدیلیوں کی ضرورت تھی اور میں بتا چکا ہوں کہ میری ضرورتیں عام انسانوں سے مختلف نہیں تھیں، سو میں اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کر کے زندگی کو متحرک رکھتا تھا اور انہیں کاموں میں دل لگا رہتا تھا۔

ورنہ جانے میرا کیا حال ہوتا۔ چنانچہ اس بار یہ قیدی میرے سامنے تھے۔ جن کی مختصر زندگی بھی ان سے چھین لی گئی تھی۔ آزادی بہت بڑی نعمت ہے پروفیسر..... اور انسان سے یہ بھی چھین لی جائے تو پھر ان کی زندگی میں کیا رہ جاتا ہے۔ میں ان لوگوں کی آزادی واپس دلانا چاہتا تھا اور اب اس کے لئے مجھے کام کرنا تھا۔

جہاز کا سفر اب باقاعدگی سے شروع ہو گیا۔ چپو اور رکھ دیئے گئے۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی اور ان کے رخ درست کر لئے گئے۔ سی سارا بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں نے سوچا کہ میں بھی تو دیکھوں کہ میرے ماتحت کیا کر رہے ہیں۔ جس وقت میں تہہ خانے میں پہنچا، میرے سارے ماتحت کیشے کے گرد جمع ہو گئے اور کیشے آہستہ آہستہ ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر سب خاموش ہو گئے لیکن سب کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت کے جذبات تھے۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں ان کے درمیان سے گزرتا ہوا اس چھوٹے سے کمرے کی طرف چل پڑا جس میں لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ اندر ایک میز اور ایک کرسی پڑی ہوئی تھی۔

''کیشے۔'' میں نے کیشے کو آواز دی۔ محافظ منتشر ہو گئے تھے۔ کیشے میرے پاس آ گیا۔

''تو تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔ لیکن تمہیں اپنی شرط یاد رکھنی ہوگی۔''

''فکر مت کرو۔ مجھے یاد ہے۔ تمہارا جو دل چاہے کرو۔ قیدیوں کی تعداد کتنی ہے۔''

''دو سو آٹھ۔''

''کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں۔؟''

''مرد نوے ہیں اور عورتیں ایک سو اٹھارہ۔''

''ہوں۔'' میں نے قیدیوں پر نگاہ ڈالی۔ مرجھائے ہوئے چہرے والے انسانوں پر مجھے ترس آیا اور میں نے گردن ہلائی۔

''ان لوگوں کو کھانا کس وقت ملتا ہے۔؟''

''دوپہر کو۔ جب سورج واپسی کا سفر شروع کرنے والا ہوتا ہے۔''

''صبح کو۔؟''

''سورج نکلنے کے بعد اور رات کو جب۔ جب چاند کا وقت ہو جاتا ہے۔''

''ان اوقات میں تبدیلی کرنا ہے۔''

''کیوں۔؟'' کیشے نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں اس لئے۔'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔

''کیا اوقات ہوں گے۔؟''

''صبح......دوپہر......اور شام......''

''میں ہدایات دے دوں گا۔''

''اس کے خلاف نہ ہو۔ کیا جہاز کے دوسرے عملے کا کھانا بھی ان کے کھانے کے ساتھ پکتا ہے۔؟''

''نہیں۔ قیدیوں کا کچن الگ ہے۔''

''کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔؟''

''دس۔''

''ہوں۔ جاؤ۔ مجھے ایک بجے کھانا تیار چاہئے۔'' میں نے کیشے سے کہا اور کیشے تلملاتا ہوا باہر نکل گیا لیکن سی سارا نے اسے میری ماتحتی میں دیا تھا۔ اس لئے وہ میری حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا۔ ٹھیک ایک بجے لکڑی کی بالٹیوں میں دال اور روٹیاں لائی گئیں۔ قیدیوں نے ان لوگوں کو آتا دیکھ کر جلدی سے قطار بنائی اور بیٹھ گئے۔ انہوں نے لکڑی کے برتن ہاتھوں میں پکڑے لئے تھے۔ میں نے سب سے آگے والے کے قریب آ کر اس سے دال کی بالٹی طلب کی۔ دال کیا پانی تھا جس میں نمک مرچ ڈال دیا گیا تھا۔ روٹیاں بھی ناقص آٹے کی تھیں۔ میں نے دال چکھی اور خاموش ہو گیا۔

قیدیوں کو کھانا تقسیم کیا گیا اور وہ بے چارے جانوروں کی طرح کھانے لگے۔ میرے دل میں دکھن سی ہو رہی تھی لیکن اس وقت میں نے کچھ نہ کہا۔ پھر جب قیدی کھانا کھا چکے تو میں نے کیشے سے پوچھا۔

''قیدیوں کی خوراک کا ذخیرہ کہاں ہے۔؟''

''ذخیرہ۔؟ کچن کے قریب ہے۔'' کیشے نے جواب دیا۔

''میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''آؤ۔'' کیشے نے کہا اور پھر وہ مجھے ذخیرے تک لے گیا۔ بے شمار اشیاء موجود تھیں جو ایک سال بھی ختم نہ ہوتیں۔ اس کے علاوہ سبزیوں وغیرہ کے بھی ڈھیر تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور ذخیرہ گاہ سے نکل آیا۔ اسی شام میں سی سارا سے ملا۔ سی سارا اس وقت جہاز کے ایک حصے میں کھڑا سمندر دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔

''آشودے۔ جہاز کا پہلا دن کیسا رہا۔؟''

''بہت اچھا سی سارا۔ اور پھر عظیم شہنشاہ نے جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ میں اس میں کچھ اور مراعات چاہتا ہوں۔''

''ہاں۔ ہاں۔ میں تیار ہوں۔ کیا خواہش ہے تیری۔؟''

''میں نے قیدیوں کی خوراک کا ذخیرہ دیکھا ہے۔ سی سارا عظیم ہے۔ وہ شہنشاہ ہے اور شہنشاہوں کے پاس کونسی چیز کم ہوتی ہے۔ ہم ان قیدیوں کو تندرست و توانا فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کی خوراک میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے ان کی صحت برقرار رکھنا غلط ہوگا۔؟''

''نہیں۔کیا ذخیرہ کم ہے۔؟''

''ذخیرہ بہت بڑا ہے۔ ہمارا یہ سفر کتنا طویل ہوگا۔؟''

''زیادہ سے زیادہ دو چاند۔''

''ذخیرہ اتنا ہے کہ دس چاند تک کام آسکتا ہے۔ مجھے اجازت دے کہ میں ان کی خوراک بہتر کروں۔''

''تو ان کا محافظ ہے۔ ہم سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جیسا چاہے کر۔ ہمیں تیرے اوپر مختصر وقت میں ہی اعتماد ہو گیا ہے اور ہم غلط لوگوں پر بھی اعتماد کر لیں تو اسے قائم رکھتے ہیں۔''

''میں شہنشاہ کی اس بات کو یاد رکھوں گا۔ قیدیوں کے تمام معاملات میرے ذمے۔ یہ کام بہت دلچسپ معلوم ہوا ہے۔'' میں نے ہی سارا سے کہا۔

اور پھر اسی شام قیدیوں کے کھانے کی کیفیت بدل گئی۔ مختصر یہ پروفیسر، کہ میں نے ان مظلوم انسانوں کے حالات تین دن کے اندر کافی سنبھال دیئے۔ اب ان پر محافظوں کے کوڑے نہیں برستے تھے۔ انہیں وقت پر کھانا ملتا تھا۔ پچاس پچاس کی ٹکڑیاں دن میں چار دفعہ کھلی ہوا میں آتی تھیں اور قیدیوں کی حالت کس قدر بحال تھی۔

چوتھے دن کی بات ہے۔ اس وقت میں قیدیوں کے ہال میں اپنے دفتر کی کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھا۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیا خیالات رقص کر رہے تھے۔ میں خیالات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ مجھے ایک قوی ہیکل جوان قیدی کی بیڑی کی سرسراہٹ بھی نہ سنائی دی جو رینگتا ہوا کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں لمبا خنجر تھا جسے وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ میں تو اس وقت چونکا جب قیدی نے ہاتھ اٹھا کر میرے اوپر خنجر کا بھرپور وار کیا۔ خنجر کی نوک میرے پہلو پر دل کے مقام پر پڑی تھی اور میں چونک پڑا۔

آبدار خنجر کی نوک کند ہو گئی تھی لیکن قیدی نے وحشیانہ انداز میں میرے اوپر دوسرا حملہ کر دیا اور میں نے کھڑے ہو کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ قیدی بری طرح مچل رہا تھا۔ وہ ہر قیمت پر میرا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا لیکن اب وہ میری گرفت میں تھا۔ میں نے خنجر اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ دوسری طرف سارے قیدی دم سادھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے خوف و ہراس عیاں تھا۔ اسی وقت ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔

''نہیں۔نہیں۔آہ۔اسے ہلاک نہ کرنا۔اسے ہلاک نہ کرنا۔''

میں نے چیخنے والے کی طرف دیکھا۔ ایک دبلی پتلی سی زرد چہرے والی لڑکی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے چیخ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں رحم کی التجا تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے قیدی کو دبوچے رکھا۔ دوسرے ہاتھ سے خنجر کو میز کی موٹی سطح پر رکھا اور زور سے موڑ دیا۔ خنجر درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ لڑکی نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔ میرے خنجر توڑ دینے سے اسے کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا کہ میں اپنے مجرم کو قتل نہیں کروں گا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنے چنگل میں پھنسے ہوئے پرندے کو دیکھا اور پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس کا قوی ہیکل جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''فکر مت کرو۔ میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔ اگر تم نہ بتانا چاہو تو یہ بھی نہ پوچھوں گا کہ تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے تھے۔؟''

قوی ہیکل قیدی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے گھورنے لگا اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رو پڑا۔ وہ سسک سسک کر رو رہا تھا۔

''میں ذلیل ہوں۔ میں...... میں نے غلط کیا...... میں...... میں۔''

''بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ مجھے بتاؤ۔ تمہیں مجھ سے کیا تکلیف پہنچی۔''

''مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔ دیوتا کے لئے مجھے معاف کر دو۔'' وہ میرے پیروں پر گر پڑا لیکن میں نے جلدی سے اسے اٹھا لیا اور پھر میں نے اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ دوسرے بہت سے قیدی بھی خاموشی سے رو رہے تھے۔ دبلی پتلی لڑکی کی سسکیاں بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ کرسی پر بیٹھا روتا رہا اور میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھے کھڑا اسے اور دوسرے قیدیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ خوب رو چکا تو میں نے اس کے کاندھوں کو تھپتھپایا اور بولا۔

''اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ اگر اپنی ناراضگی کی وجہ مجھے بتا دو تو میری الجھن دور ہو جائے گی۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف ہے تو میں اسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''مجھے معاف کر دو۔ بس مجھے معاف کر دو۔'' وہ روتے ہوئے بولا۔

''اگر تم یہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ میں نے تمہیں معاف کیا لیکن مجھے بتاؤ تو سہی۔ تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔؟''

''ایملی...... میری بہن ہے۔'' اس نے سسکتے ہوئے بتایا۔

''ایملی کون۔ اوہ۔ وہ دبلی پتلی سی لڑکی تو نہیں۔''

''ہاں۔''

''ٹھیک ہے پھر۔''

''وہ بیمار ہے۔ سخت بیمار ہے۔ اس کا بدن لوہے کی طرح تپ رہا ہے۔''

''اوہ۔'' میں اسے گھورنے لگا۔

''گیشے نے کہا تھا کہ اگر میں تمہیں قتل کر دوں تو وہ ایملی کے لئے دوا مہیا کر سکتا ہے۔ پوری دنیا میں میری ایک ہی بہن ہے۔ میں اسے چاہتا ہوں۔ اس لئے میں مجبور ہو گیا تھا۔''

''گیشے نے کہا تھا۔؟'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''ہاں۔ یقین کر لو۔ اسی نے کہا تھا ورنہ میں جانتا ہوں جب سے تم آئے ہو ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک ہونے لگا ہے۔ ہم پر بے جا مظالم نہیں توڑے جاتے ورنہ گیشے بہت ظالم ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر میں نے تمہارا کام تمام نہ کیا تو وہ ایملی کو قتل کر دے گا اور یہ کام گیشے کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اس سے پہلے اس نے تین افراد کو کوڑے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا۔''

''ہوں۔'' میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔ ''تمہارا نام کیا ہے۔''

''پوگاس۔''

''فکرمت کرو پوگاس۔تم مجھے قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن گیشے تمہاری بہن کو قتل نہیں کر سکے گا اور ایملی کو دوا بھی ضرور مل جائیگی۔ابھی تھوڑی دیر میں، میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔''

''میں گناہگار ہوں۔میں بہت بے بس ہوں۔مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔'' وہ پھر رونے لگا۔

''نہیں پوگاس۔میں تمہیں معاف کر چکا ہوں۔تمہیں زندہ رہنا چاہئے۔مجھے تم سے بہت سے کام لینے ہیں۔جاؤ۔اپنے ساتھیوں میں جاؤ۔پہلے میں ایملی کے لئے دوا کا بندوبست کر دوں۔'' میں نے کہا اور اسے قیدیوں میں واپس پہنچا کر اوپر آیا۔جہاز کے ڈاکٹر سے میں نے بخار کی دوا لی۔گیشے اس وقت کہیں دور تھا۔ایک محافظ کو میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ایملی کو دوا دے کر میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور پھر محافظ سے کہا کہ گیشے کو تلاش کر کے میرے پاس لائے۔محافظ خاموشی سے چلا گیا۔

''پوگاس۔تم یہاں آ جاؤ۔'' میں نے کہا اور وہ گردن جھکائے میرے کمرے میں چلا آیا۔میں نے ٹوٹا ہوا خنجر میز پر رکھ لیا۔'' کیا یہ خنجر بھی گیشے نے مہیا کیا تھا۔؟'' میں نے پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی۔

''ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور گیشے کا انتظار کرنے لگا۔تھوڑی دیر کے بعد گیشے محافظ کے ساتھ میرے پاس پہنچ گیا۔پوگاس اور ٹوٹے ہوئے خنجر کو دیکھ کر اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔

''گیشے۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا اور وہ چور نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔''اس شخص نے اس خنجر سے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔؟'' گیشے نے حیرت کا مظاہرہ کیا اور پھر اس نے پھرتی سے خنجر کھینچتے ہوئے کہا۔'' تب تو اس نے بغاوت کا جرم کیا ہے۔اسے زندہ نہیں رہنا چاہئے۔'' اس نے بجلی کی سی تیزی سے پوگاس پر وار کیا۔

❁

پوگاس اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا اور یہ صرف اس کی کوشش تھی۔ ورنہ درحقیقت میں اس وقت اس کی زندگی بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکا تھا۔ لیکن گیشے پوگاس کو کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ بے وقوف سمجھ رہا تھا کہ ابھی تک اس کا راز نہیں کھلا ہے۔ اس لئے وہ راز کھلنے سے قبل رازدار کو موت کی نیند سلا دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ پوگاس پر جھپٹا۔ اس کا خنجر تیزی سے پوگاس کی طرف لپکا۔ پوگاس کا چہرہ وحشت سے سفید پڑ گیا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے موت کی تصویر نظر آنے لگی تھی، لیکن میں برق کی سی تیزی سے اس پر جھپٹا اور میں نے گیشے کی کلائی پکڑ لی۔

''مجھے چھوڑ دو آشورے۔ میں غدار کو موت کی نیند سلا کر ہی دم لوں گا۔'' گیشے نے ایک جھٹکے سے کلائی چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ کام تو میرے سپرد کر دے گیشے۔ تو فکر مت کر۔ میں غدار کو موت کی نیند سلا کر ہی دم لوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے ذومعنی الفاظ پر گیشے چونک پڑا۔ اس کا رنگ اور پھیکا پڑ گیا تھا۔ کلائی چھڑانا اس کے بس کی بات نہیں تھی ورنہ پوگاس سے پہلے وہ یہ خنجر میرے سینے میں اتارنے کی کوشش کرتا۔ وہ کلائی چھڑانے کے لئے طاقت صرف کرتا رہا اور میں اسے گھورتا رہا۔ پھر اس کی اچھل کود سے تنگ آ کر میں نے اس کی کلائی پر اپنے پنجے کی گرفت سخت کر دی اور تب گیشے کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا اور خنجر اس کے بے جان ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گیا۔

''غداری کا فیصلہ تو نہیں، میں کروں گا گیشے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ تیرے کہنے سے میں اس شخص کو غدار تسلیم کر لوں گا۔'' میں نے اسے پیچھے دھکا دیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے ایک دیوار کا سہارا لے لیا تھا اور اب وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''تو نے عمدہ کوشش کی تھی گیشے لیکن دیکھ لے تو ناکام رہا ہے۔ چنانچہ اب مجھے اجازت دے کہ میں شرط پوری کروں۔''

''کیوں بکواس کرتا ہے۔ میں نے کیا کیا ہے۔؟'' گیشے دہاڑا۔

''پوگاس نے وفاداری سے تیرا حکم بجالانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن تیری بدقسمتی ہے کہ اس کا مقابل میں تھا۔ بہرحال اس کی بہن کو دوا مل چکی ہے اس لئے اب اسے تیری پرواہ نہیں ہے۔''

''تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' گیشے نے خوفناک لہجے میں کہا۔

''میں اپنا عہد پورا کروں گا۔'' میں نے کہا اور پوگاس کو اشارہ کر کے بولا۔ ''محافظ سے کوڑا طلب کرو۔''

پوگاس نے ہچکچاتے ہوئے گیشے کی طرف دیکھا اور گیشے ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔ ''تیرا حکم کوئی نہیں مانے گا۔''

''پوگاس۔ محافظ سے کوڑا طلب کرو۔'' اور پوگاس ایک محافظ کے نزدیک پہنچ گیا۔

''آشورے کوڑا طلب کرتا ہے۔'' اس نے کہا لیکن محافظ خاموش کھڑا رہا۔ اس کے پاس کوڑا موجود تھا۔ پوگاس نے میری طرف دیکھا۔

''اسے کوڑا دے دو۔'' میں نے محافظ سے کہا لیکن محافظ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ تب میں آگے بڑھا اور محافظ کے قریب پہنچ گیا۔

''کوڑا لاؤ۔'' میں نے کہا لیکن محافظ اسی طرح کھڑا رہا اور دوسرے لمحے میرا ہاتھ کسی گرز کی طرح اس کی گردن پر پڑا اور ہڈی ٹوٹنے کی

آواز صاف سنی گئی۔ محافظ کی دلدوز چیخ گونجی اور اس کے منہ سے خون کی پھوار نکل پڑی۔ پوگاس اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اسی لمحے کیشے نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی لیکن میں نے نہ صرف محافظ کے ہاتھ سے کوڑا لے لیا تھا بلکہ خود کو کیشے کی زد سے بچانے کے لئے ایک طرف بھی ہٹ گیا تھا۔ کیشے نے بمشکل خود کو گرنے سے بچایا تھا۔

میں نے کوڑا سنبھال لیا اور دوسرے لمحے کوڑا شائیں شائیں کی آواز کے ساتھ کیشے کے جسم پر پڑا۔ کیشے تلملا گیا تھا لیکن کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ کیا کرتا۔ پوگاش نے محافظ کی لاش گھسیٹ کر ایک کونے میں کر دی اور خود بھی وہیں کھڑا ہو گیا۔ قیدیوں نے اس سے قبل یہ تماشا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کیشے سے سب بے پناہ نفرت کرتے تھے۔ آج تک وہ اس کے ظلم سہتے رہے تھے اور آج شکاری خود شکار بن گیا تھا۔ ان کے لئے یہ تماشا بے حد دلچسپ تھا۔ میں نے کیشے کے جسم پر دوسرا وار کیا اور کیشے نے کوڑا پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچ لیا اور کیشے اوندھے منہ آ گرا۔ دوسرے لمحے میں نے اس کی کمر پر پاؤں رکھ دیا۔ کیشے زخمی سانپ کی مانند بل کھا رہا تھا۔ تب میں نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا اور میرے مضبوط جھٹکے سے اس کا لباس نیچے تک پھٹ گیا۔ دوسرے جھٹکے میں، میں نے کیشے کا اوپری جسم برہنہ کر دیا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن میری زبردست لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ ایک دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر پڑا۔ اس کے بعد میں نے اسے اٹھنے کی مہلت نہ دی۔ میرے ہاتھ انتہائی برق رفتاری سے چل رہے تھے اور کیشے کے بدن پر خون اگلتی لکیریں ابھر رہی تھیں۔ میں اپنے عہد کو پوری طرح نبھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ کیشے کے بدن کی کھال جگہ جگہ سے اترنے لگی اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

محافظ ایک قطار باندھے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں اب نفرت کے بجائے خوف کے آثار تھے۔ جب میرے جذبات کچھ ٹھنڈے ہوئے تو میں نے ایک گہری سانس لی اور محافظوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

"آگے آؤ۔" وہ سب بادل ناخواستہ آگے بڑھ آئے تھے۔

"اس کی لاش اٹھا کر سمندر میں پھینک دو اور کیشے کو یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ۔" میں نے حکم دیا۔ ان میں سے چند نے محافظ کی لاش اٹھا لی۔ باقی کیشے کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ میں نے کوڑا ایک طرف پھینک دیا اور قیدیوں کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ ان سب کے چہرے بھی کھلے ہوئے تھے۔ پوگاس جھجکتا ہوا میرے پاس آیا اور پھر وہ میرے پیروں کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔

"تو عظیم ہے آشورے۔ تو عظیم ہے۔ ہم سب تیرے شکر گزار ہیں۔"

"لیکن میں تم سے خوش نہیں ہوں پوگاس۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بے شک میں نے ایسی ہی خطا کی ہے لیکن تو مجھے معاف کر چکا ہے آشورے۔" پوگاس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"میں اس وجہ سے ناراض نہیں ہوں پوگاس۔ بلکہ مجھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ اتنے عرصے کی قید میں رہنے کے باوجود، اتنے مظالم سہنے کے باوجود تم نے رہائی کی کوشش نہیں کی۔" اور میری بات کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ پوگاس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھ رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا کہہ رہا ہے آشورے۔ کیا کہہ رہا ہے۔؟"

"ہاں۔ کم ہمت اور بزدل انسانوں کے لئے یہ انوکھی بات ہے۔ اگر تمہارے اندر بھی ہمت جاگ اٹھے تو اس بارے میں مجھ سے ضرور بات کرنا لیکن یہ کام جتنی احتیاط سے کرو گے تمہاری زندگی اتنی ہی بڑھ جائے گی کیونکہ سی سارا سے مجھ سے زیادہ تم واقف ہو۔" میں نے کہا اور پوگاس کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

محافظ اب مجھ سے خاصے مرعوب ہو گئے تھے اور اگر اب نہ ہوتے تو کچھ عرصے کے بعد انہیں ہونا ہی تھا۔ چنانچہ اب وہ میرا ادب کر رہے تھے۔ میں نے گیشے کے کمرے میں جا کر اس کی حالت دیکھی۔ وہ بدستور بے ہوش تھا اور محافظوں نے اس کے بدن پر کوئی دوا نہیں لگائی تھی۔ میں مسکراتا ہوا باہر نکل آیا اور پھر سی سارا کی طرف چل پڑا۔ سی سارا جہاز کے ایک گوشے میں شباب و شراب کی محفل سجائے بیٹھا تھا۔ حسین لڑکیاں ساز بجا رہی تھیں۔ چند خادم مؤدب کھڑے تھے اور چند حسین اور نیم برہنہ لڑکیاں اسے شراب کے جام پلا رہی تھیں۔ میں بے دھڑک اس کے نزدیک پہنچ گیا جبکہ دوسرے زندگی میں ایک بار بھی یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ سی سارا کی محفل میں یہ پہلی مداخلت ہوئی تھی۔ سازا یکدم رک گئے۔ خادموں کے چہرے حیرت و خوف سے پھیل گئے۔ جام بھرتی ہوئی لڑکیوں کے ہاتھوں سے جام چھوٹتے چھوٹتے بچے اور ماحول کی اس بدلی ہوئی کیفیت پر سی سارا نے چونک کر دیکھا۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میں بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ سی سارا کی آنکھوں میں غیض و غضب کا طوفان امڈ آیا۔ اس نے شعلے برساتی آنکھوں سے مجھے دیکھا لیکن میرا چہرہ سپاٹ تھا البتہ میری آنکھوں کی سرد آگ سی سارا کی طرف لپک رہی تھی۔

"احمق کیڑے۔ تو دوسروں کے بل پر قوت حاصل کر سکا ہے۔ میں پہاڑ ہوں۔ تو چٹکیوں میں مسلے جانے والوں میں سے ہے۔ میں ناقابل تسخیر ہوں، خود کو مجھ سے برتر نہ سمجھ۔ میں تجھ سے عظیم ہوں۔" اور سی سارا کی آنکھوں کے شعلے مدھم پڑتے گئے۔ میری آنکھوں کی سرد آگ نے ان شعلوں کو نگل لیا تھا۔ تب آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جاری رکھو۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اور سازندے چونک پڑے۔ "وہ میرا دوست ہے۔ وہ میری مانند غیر معمولی ہے۔ جاری رکھو۔" ساز پھر شروع ہو گئے۔ سازندوں، شراب پلانے والوں اور خادموں کے چہروں کی رونق لوٹ آئی۔ وہ کسی ناخوشگوار حادثے کے لئے تیار تھے لیکن خطرہ ٹل گیا تھا۔

"آشورے۔ آ۔ آگے آ۔ میری ہم نشینی قبول کر کہ آج سے پہلے یہ منصب کسی کو نہیں ملا۔ سی سارا سمندروں کا بادشاہ ہے۔ سمندر کی لہریں اس کی عظمت کے گیت گاتی ہیں۔ تو بھی اس کی عظمت کا مشاہدہ کر۔ وہ اپنے ادنیٰ خادموں کو دوستی کا درجہ بخش دیتا ہے۔ آ۔ آشورے، میرے پاس بیٹھ جا۔ کنیز۔ اسے شراب دے کہ یہ میرے پاس بیٹھنے کے قابل ہے۔"

میں اس کی بکواس پر دل ہی دل میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ ایک نازک اندام حسینہ نے میرے ہاتھ میں جام دے دیا جسے میں نے حلق میں انڈیل لیا۔ سی سارا ایک دم چونک پڑا۔ اس نے مجھے گھورا اور پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"سمندری شیر۔ مے نوشی کے آداب ہوتے ہیں۔ پہلے جام پینے والا خود سر ہوتا ہے۔ تاہم تو آداب سے ناواقف ہے اس لئے قابل سزا

نہیں ہے۔ اپنے جام کو ہمارے جام سے ٹکرا...... اور پھر اسے پی۔''

''سی سارا۔ تو شیروں کی مانند شراب نہیں پیتا۔ یہ چھوٹے چھوٹے جام تیری شخصیت سے شرمندہ ہوتے ہیں۔ انہیں پھینک دے۔''

''تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ صاف الفاظ میں کہہ۔'' سی سارا نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے شراب کا مٹکا اٹھا لیا۔ بلوری مٹکے میں شراب اوپر تک بھری ہوئی تھی۔ میں نے اسے منہ سے لگا لیا اور جب تک اس کی تلچھٹ تک حلق میں نہ انڈیل لی تب تک مٹکا واپس نہ رکھا۔

ایک بار پھر سب پر حیرت کا دورہ پڑا۔ میں نے کلائی سے ہونٹ خشک کئے۔ سی سارا منہ پھاڑے میری طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب تو گریبان پھاڑ کر سمندر میں چھلانگ لگا دے۔''

''نہیں سی سارا۔'' میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر۔؟''

''میں ایسے ایسے گیارہ مٹکے اور پی سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تو مہیا کرے۔''

''نہیں جوان۔ مجھے تیری زندگی عزیز ہے۔ لیکن تو نے سی سارا کی عظمت خاک میں ملا دی ہے۔ تجھے دیر تک میرے ساتھ اس محفل میں شریک رہنا پڑے گا اور اگر شراب تیرے اوپر اثر انداز ہوئی تو میں اپنی تلوار سے تیری گردن اتار دوں گا۔ گو تو اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔''

''میں سی سارا کے حکم کی تعمیل کروں گا۔'' میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا اور سی سارا مطمئن ہو گیا۔ اس نے پھر شراب نوشی شروع کر دی۔ میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ پھر ایک رقاصہ نے رقص شروع کر دیا۔ بڑی حسین اور نوخیز لڑکی تھی۔ وہ جھوم جھوم کر رقص کر رہی تھی اور سی سارا اسے داد دیتا رہا۔ چاندنی چٹک آئی تھی، خاصی رات ہو چکی تھی، سی سارا نے محفل ختم کر دی۔ اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

''تو ہر لحاظ سے عجیب ہے آشورے۔ بے شک تیرے اوپر شراب کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا۔''

''میں نے بارہ مٹکوں کی بات کی تھی سی سارا۔ اور سی سارا کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت مجھے نہیں ہو سکتی۔''

''تب تو عہد قدیم کی کوئی روح ہے۔ بارہ مٹکے کسی ہاتھی تک کو رقص کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ تاہم کسی روز یہ بھی دیکھوں گا۔ اس رات عیش کر۔ شیما، ادھر آ۔'' اس نے ایک حسین لڑکی کو آواز دی اور پھر اس کا بازو پکڑ کر میری طرف دھکیل دیا۔

''ایک رات کا انعام۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے اس انعام کو لپک لیا۔ درحقیقت مجھے اس کی سخت ضرورت تھی اور سی سارا کا انعام بھی خوش تھا۔ اس کے ہونٹوں پر انبساط کی مسکراہٹ تھی۔

سی سارا چلا گیا اور میں اپنا انعام سمیٹے ہوئے اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔ گیشے کی جانب سے میں مطمئن تھا۔ ابھی وہ کوئی نئی حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ بہر حال کرتا بھی تو میرا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ اس بے وقوف کو کیا معلوم تھا کہ میرا جاگنا اور سونا یکساں حیثیت رکھتا ہے۔

نازک بدن شیما کو لئے ہوئے میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا اور پھر اسے اپنے سامنے بٹھا کر دیکھنے لگا۔ وہ ناز سے مسکرا رہی تھی۔ عورت ہر حال میں محبوب ہوتی ہے۔ وہ مجھے پسند آئی اور میں نے اسے آواز دی۔

''شیما۔''

''آشورے۔'' اس نے برجستہ کہا۔

''یہ اچھی بات ہے کہ تو میرے نام سے واقف ہے لیکن اس کے باوجود اگر تو مجھے پسند نہ کرے تو آرام سے سو سکتی ہے۔ میں تجھے مال غنیمت نہیں سمجھوں گا۔''

''تجھے کون نہ پسند کرے گا سنہرے بدن والے۔ تو حسینوں کا حسین ہے۔'' وہ اٹھ کر میرے پہلو میں آ بیٹھی۔ اسے مرد کی کمزوری سمجھ لو پروفیسر...... انسان کی کمزوری سمجھ لو۔ صدیوں کا تجربہ رکھتے ہوئے میں بھی ان الفاظ سے خوش ہوتا تھا اور اس وقت بھی اس کی والہیت پر میں نے خوش ہو کر اسے بازوؤں میں لے لیا اور اس کے بعد میں لوچ دار جسم والی شیما کی دلکشی کی بھرپور داد دینے لگا۔

دوسری صبح حسب معمول تھی۔ جہاز سمندر رواں دواں تھا۔ مستول پر چڑھتے ہوئے لوگ شکار تلاش کر رہے تھے۔ وہ دور دور تک نظریں دوڑا رہے تھے کہ شاید سمندر میں کوئی جہاز نظر آئے اور لوٹ مار شروع کی جائے لیکن ابھی حالات سازگار نہ تھے۔ بہرحال اگر شکار مل جاتا تو منافع کما لیا جاتا ورنہ غلام منڈی لے جائے جا رہے تھے۔ ان کی فروخت سے بھی کافی آمدنی ہو سکتی تھی۔ میں حسب معمول اپنے کاموں میں مشغول تھا۔ رات کا انعام واپس جا چکا تھا اور اپنی دلکشی کا سرور چھوڑ گیا تھا۔ قیدیوں کے محافظ پوری سنجیدگی اور احتیاط سے اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ بہرحال وہ جانتے تھے کہ کیسی سارا نے مجھے مکمل اختیارات دیئے ہوئے ہیں اور وہ میرے اختیارات میں مداخلت پسند نہیں کرے گا۔ میں قیدیوں کے ہال میں پہنچ گیا۔ قیدی اپنی جگہ ٹھیک ٹھاک تھے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لئے تشکر کے جذبات تھے۔ پوگاس کی بہن میرے سامنے ہی موجود تھی۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ ے میں نے اس کا ہاتھ دیکھا۔ اب اسے بخار نہیں تھا۔

''تم لوگوں کو کھانا ٹھیک ملا۔؟'' میں نے پوچھا اور سب نے گردن ہلا دی۔

''محافظوں نے کسی پر تشدد تو نہیں کیا۔؟''

''نہیں۔'' پوگاس آہستہ سے بولا۔ وہ میرے قریب آ گیا تھا۔ ''لیکن انہوں نے ہمیں دھمکیاں ضرور دی ہیں۔''

''کیا دھمکی دی ہے۔؟''

''وہ قوی ہیکل شخص جس کا نام پولے ہے، دانت پیستے ہوئے کہہ رہا تھا کہ بہت کم وقت باقی ہے جب وہ اپنے ہنٹر سے ہمارے بدن کی کھال اتار دے گا۔ نیا سربراہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔''

''تم فکر مت کرو پوگاس۔ وقت کا انتظار کرو۔''

''میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں جناب۔''

''ابھی وقت نہیں آیا میرے دوست۔ میں نے صرف تمہیں احساس دلایا ہے۔ خود کو، اور اپنے جیسے مضبوط نوجوانوں کو اس بات کے لئے تیار کرلو کہ تمہیں آزادی حاصل کرنی ہے۔'' میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ سارے قیدیوں کا جائزہ لے کر میں پلٹا۔ یوگاس سُن کھڑا تھا۔ میں اس کے قریب سے گزر گیا اور پھر پوڈے کے قریب پہنچ کر میں رکا اور وہ ٹھٹھک گیا۔

''کیشے کیسا ہے۔؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے تمہیں قیدیوں کی نگرانی کے بجائے اپنے دوست کیشے کی تیمارداری کرنی چاہئے۔ جاؤ۔ تم اس کی رہائش گاہ پر جا کر اس کی تیمارداری کرو۔'' میں نے کہا لیکن وہ کھڑا رہا۔

''میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔'' میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر وہ پلٹا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں خود بھی آہستہ قدموں سے کیشے کی طرف چل پڑا تھا۔ کیشے کی رہائش گاہ میں اس وقت آٹھ محافظ موجود تھے۔ پوڈے بھی ان میں شامل تھا۔ وہ کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

''کیسے ہو کیشے۔؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہوں۔ فکر مت کرو۔ بہت جلد تمہارے مقابل آؤں گا۔'' اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔'' میں نے کہا۔

''ہاں۔ صرف ایک چیز کی ضرورت ہے۔'' کیشے نے کہا۔

''مجھے بتاؤ۔''

''تمہارے سر کی۔'' اس نے نفرت سے جواب دیا۔

''افسوس کیشے۔ تمہیں اس کے لئے خود محنت کرنا ہوگی۔''

''ایسا ہی ہوگا۔'' اچانک پوڈے نے کہا اور اپنی لمبی تلوار لے کر میرے اوپر پل پڑا۔ میں اس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ تلوار میرے کندھے پر پڑی اور چمڑے کا بند کٹ گیا۔ شاید یہ بھی کیشے کا پروگرام تھا کیونکہ اس کے ساتھ ہی بقیہ لوگوں نے بھی میرے اوپر حملہ کر دیا تھا۔ تلوار سے حملہ کرنے والے کو میرے کٹے ہوئے بازو سے خون ابلنے کی توقع تھی لیکن وہ اپنی آبدار تلوار کی مڑی ہوئی دھار دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں حیرت کے سائے تھے۔

باقی لوگ فیصلہ کر چکے تھے کہ مجھے ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ زخمی کیشے بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور اپنے آدمیوں کی ہمت بندھا رہا تھا۔

''شاباش۔ پوری قوت سے حملے کرو۔ سی سارا کو میں جواب دہ ہوں۔ ہوشیاری سے۔'' اور اس کے مٹی مرٹے ایک ناقابل یقین کام کر رہے تھے لیکن اپنے ہتھیار کند کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔ پھر میں نے بھی اپنے ہاتھوں کا استعمال شروع کر دیا لیکن میں کسی اور محافظ کو قتل کرنا

پسند نہیں کرتا تھا اس لئے میں صرف ان کے ایسے ہاتھ لگا رہا تھا کہ وہ حواس کھو دیں۔ اور یہی ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آٹھوں فرش پر اوندھے سیدھے پڑے تھے اور گیشے بدحواسی سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ تب میں اس کی طرف مڑا۔

''گیشے۔'' میں نے اسے پکارا۔

''نہیں۔ نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' وہ دیوار سے ٹک گیا۔

''یہ تمہاری دوسری حرکت ہے گیشے۔ پہلی حرکت کا حساب برابر۔ اب میرا قرض بھی اتار دو۔''

''تت۔ تو کیا تم۔ میرے ہاتھ پاؤں توڑ دو گے۔؟'' وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

''اصول، اصول ہے گیشے۔ میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم بھی مجھے نہ روکو۔'' میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا اور گیشے نے آنکھیں بند کر لیں۔

''تمہارا خیال درست ہے۔ میں تمہیں تسخیر نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے آشورے۔ مجھے بزدل مت سمجھنا۔ میں خوشی سے تیار ہوں۔'' اور میں ٹھٹھک گیا۔ یہ میرے اوپر کاری ضرب تھی۔ ایسے آدمی کو کیا ماروں جس نے خود کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو۔ گیشے میرا منتظر تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''جلدی کرو آشورے..... جلدی کرو۔''

''آنکھیں کھولو گیشے۔!'' میں نے نرم لہجے میں کہا۔

''نہیں..... میں اپنی شکست کو نہیں دیکھنا چاہتا..... براہ کرم میری ایک خواہش پوری کر دو۔''

''کیا گیشے۔؟''

''مجھے قتل کر دو..... میں اب مرنا چاہتا ہوں۔''

''بہادر ایسی موت نہیں مرتے گیشے۔ مردوں کی طرح جان دو۔''

''میرے اندر ہمت نہیں ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں۔'' گیشے نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیکن میں بزدل نہیں ہوں گیشے۔ میں کسی ایسے آدمی کو قتل نہیں کر سکتا جس نے خود موت کے لئے پیش کر دیا ہو۔'' میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''جاؤ..... اپنے اندر ہمت پیدا کرو..... اپنی نفرت کو ہوا دو..... میں تمہاری اس دوسری حرکت کو حساب میں شامل نہیں کروں گا۔'' میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''آشورے۔'' دروازے کے قریب مجھے گیشے کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی اور میں رک گیا۔

''کیا بات ہے۔؟'' میں نے کرخت لہجے میں کہا اور گیشے میرے قریب پہنچ گیا۔

''زندگی دی ہے آشورے۔ تو پھر معافی بھی دے دو۔ میں نادم ہوں۔ اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ صرف تمہارا وفادار رہوں گا..... صرف تمہارا۔'' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''صرف مجھ سے کیا مراد ہے گیشے۔؟'' میں نے پوچھا۔

''سی سارا کا نام تمہارے ہاتھوں مر چکا ہے۔ میری زندگی اب تمہاری ہے۔ گیشے تمہارا غلام ہے۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم قول کے سچے ہو...... میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔'' میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے پر مسرت ناچنے لگی۔ میرے لئے یہ کون سی نئی بات تھی پروفیسر...... ایک انسان کی زندگی میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ کسی طور میرے لئے نقصان دہ نہیں تھا۔

لیکن سیاہ جلد کے وفادار نے ثابت کر دیا کہ وہ قول کا سچا ہے۔ میری مخالفت ختم ہو گئی۔ گیشے میرا اطاعت گزار بن گیا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شیما میری دیوانی ہو گئی۔ وہ اب ہر رات میرے پہلو میں گزارنے کے لئے بے چین رہتی تھی۔ اور بہرحال میری ایک ضرورت پوری ہو رہی تھی۔ اس لئے میں چوری چھپے اپنی رہائش گاہ میں آنے والی شیما کو کیسے منع کرتا۔ سی سارا کو اگر علم ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ اس سے بھی نپٹ لیا جائے گا۔ ویسے جہاز میں اب میرے دشمنوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ گیشے ایک کتے کی مانند میرے پیچھے دم ہلاتا تھا...... وہ صرف وہی کرتا جو میری خواہش ہوتی اور آنکھیں بند کر کے کرتا یہ سوچے بغیر کہ مقصد کیا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے۔

اس کے باوجود میں ان لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا اور کسی طور اپنے راز میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔ پوگاس اکثر مجھے پراسرار نگاہوں سے دیکھتا رہتا تھا۔ اس نے دوبارہ مجھ سے گفتگو کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ لیکن میں اس کی آنکھوں میں انوکھے سوال پڑھتا تھا۔

لیکن ایک شام...... جبکہ اتفاق سے کوئی محافظ نزدیک موجود نہ تھا پوگاس میرے پاس آ گیا...... ''اگر تو اجازت دے آقا...... تو میں تجھ سے گفتگو کروں۔ اگر تو نے اجازت نہ دی تو میں بے چینی سے مر جاؤں گا۔''

''کیا بات ہے پوگاس۔؟''

''تیرے الفاظ آج بھی میری روح میں کھنک رہے ہیں۔ کیا تو مجھے ان کے بارے میں نہیں بتائے گا۔؟''

''یہاں تیرے اعتماد کے کتنے لوگ ہیں پوگاس۔؟''

''ہر جوان...... کیونکہ سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔''

''کیا تو ان پر مکمل بھروسہ کر سکتا ہے۔؟''

''ہم سب آزادی چاہتے ہیں آشور۔ پھر بھروسہ کرنے کی کیا بات ہے۔ ہم نے آزادی کے بارے میں غور بھی نہیں کیا تھا۔ ہم نے ظلم سہنا اور مایوس رہنا سیکھ لیا تھا لیکن تیری جلائی ہوئی ہمدردی کی شمعوں نے ہمارے سینے سلگا دیئے ہیں اور اب آزادی کی آنچ ہمیں پگھلائے دے رہی ہے۔''

''تب سن پوگاس...... میں ان بحری قزاقوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک آوارہ گرد ہوں۔ جوان ان کی بستی میں جا نکلا تھا اور اس بستی کے لوگوں نے میرے وجود کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ مجھے عزت دینے کو تیار تھے لیکن سی سارا کا جہاز پہنچ گیا اور میں نے تمہیں دیکھا۔ تمہارے بارے میں معلوم کیا۔ اور اسی وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں تمہیں آزاد کراؤں گا۔ اور پوگاس تم لوگوں کے لئے میں اس جہاز پر آیا

ہوں۔ تمہارے وجہ سے میں نے سی سارا جیسے احمق انسان کی برتری تسلیم کی ہے حالانکہ میں اس کے تمام ساتھیوں پر حاوی ہوں۔ میں انہیں آسانی سے شکست دے سکتا ہوں۔ تم سوچ رہے ہو گے شاید میں لاف وگزاف کر رہا ہوں لیکن وقت آنے پر تم دیکھ لو گے کہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم محفوظ رہو۔ تم میں سے کسی کی زندگی ضائع نہ ہو۔ ہم کسی ایسے وقت میں ان پر ضرب لگائیں گے جب وہ غافل ہوں...... اس کا انتظام میں کروں گا تم صرف ان لوگوں کو تیار رکھو جو تمہارے ہمنوا ہوں اور تمہارے اشارے پر آزادی کی تلاش پر چل پڑیں۔''

پوگاس عقیدت سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اے دیوتاؤں کی سی شکل رکھنے والے۔ اے ہمارے لئے نجات تلاش کرنے والے جب سے تو نے ہم میں قدم رکھا ہمارے لئے زندگی کی کلفتیں نرم ہو گئیں۔ سب کو اعتراف ہے کہ تو نے پہلی مدافعت اس وقت کی تھی جب ہمیں دوبارہ جہاز پر لایا جا رہا تھا۔ اس وقت ہم نے ایک ہمدرد آواز سنی اور ہم کوڑوں سے محفوظ رہے جو اپنی جلن اور اپنے داغ ہمارے جسموں پر چھوڑ دیتے ہیں...... پھر ہمارے کھانے میں ترمیم ہوئی۔ ہمیں مرہم ملا، اور ہم نے سمجھ لیا کہ شاید دیوتاؤں کو ہماری آہ وزاری پر ترس آ گیا...... اے آزادی کی شمع تو ہمیں خود سے دور نہ پائیگا ہم تیرے احکامات کی تعمیل کریں گے۔ تو جو کہے گا ہم کریں گے۔''

''تمہارے پاس مردوں کی تعداد نوے ہے...... ان میں سے جنگ کرنے والے کتنے ہیں۔؟''

''ہر شخص تیار ہے۔ ہر شخص رازدار ہے۔ کوئی تیرے حکم سے انحراف نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ ہم میں کچھ عورتیں بھی ہیں جو جنگ میں ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔''

''بات مردوں تک ہی رہنے دو...... اور ہر وقت تیار رہو۔ جب بھی میں کوئی مناسب وقت دیکھوں گا تم لوگوں کو اطلاع دے دوں گا۔''

''دیوتا تجھے خوش رکھیں۔ تو ہمیں مستعد پائے گا۔'' پوگاس نے کہا۔ وہ بے حد خوش نظر آنے لگا تھا...... پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا اور میں ان کے بارے میں سوچنے لگا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ جہاز کا سفر کتنا باقی رہ گیا ہے۔ اگر جہاز اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا اور اس وقت تک میں کچھ نہ کر سکا تو پھر مشکل ہو جائے گی۔ اس لئے طویل انتظار کرنا مناسب نہ ہو گا۔ فوری طور پر کوئی...... ترکیب سوچی جائے۔''

انسان کوئی بات سوچ لے پروفیسر...... تو پھر حالات اس کا ساتھ دیتے ہیں...... وقت اسے مواقع فراہم کر دیتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض اوقات حالات اور واقعات اس انداز میں پیش آتے ہیں کہ انسان ان میں افادیت تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہے لیکن میں وقت کھونے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اسی شام کی بات ہے۔ مستول پر آدمی موجود تھے۔ سی سارا۔ خود عرشے پر کھڑا سمندر کا نظارہ کر رہا تھا۔ میں اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا کہ اچانک مستول پر موجود لوگ زور زور سے پیتل کے گھنٹے بجانے لگے سب کے ساتھ میں بھی چونک پڑا تھا...... سی سارا گردن اٹھا کر اوپر دیکھنے لگا اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں کا بھونپو بنا کر چیخ کر کہا۔

''کیا بات ہے۔؟''

''شکار۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہا......'' سی سارا کے منہ سے خوشی کا نعرہ نکلا اور پھر وہ چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ میں نے بھی سمندر پر نگاہ دوڑائی۔ لیکن سمندر کی لہروں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ وہ دوسری طرف مستول سے ایک آدمی رسی کی سیڑھی سے نیچے اتر رہا تھا۔ سی سارا کے پاس کچھ دوسرے لوگ بھی آ کھڑے ہوئے سب اس شخص کے نیچے پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے۔ اور پھر شکار دیکھنے والا نیچے آ گیا۔

''کس طرف ہے شکار...... کیا دیکھا...... کیا تو اسے غور سے دیکھ سکا ہے۔؟''

''ہاں...... اس طرف جہاز سے چاند نمودار ہوتا ہے...... اس کے میلے بادبان نظر آ رہے تھے۔''

''تجھے دھوکہ تو نہیں ہوا۔؟''

''نہیں عظیم سی سارا...... مجھے اپنی آنکھوں پر بھروسہ ہے۔''

''کتنے بادبانوں کا جہاز ہے۔؟''

''کم از کم تین بڑے اور متعدد چھوٹے۔'' اس نے جواب دیا۔

''فاصلہ کتنا ہوگا۔؟''

''چاند کے نمودار ہونے سے غروب ہونے تک کا۔''

''ہوں......'' سی سارا نے گردن ہلائی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ بڑا جہاز ہے۔ ٹھیک اس پر نگاہ رکھ اور راستہ بتا۔ سی سارا نے کہا۔ اور وہ شخص واپس رسی کی سیڑھی سے اوپر چڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اوپر پہنچ گیا اور پھر رنگین کپڑے سے سمت بتائی جانے لگی۔ بہت سے لوگ بادبانوں پر چڑھ گئے تھے اور پھر بادبانوں کا رخ پھرا جانے لگا۔ اچانک جہاز پر زندگی جاگ اٹھی تھی۔ ہر شخص تھا۔ خوں آشاموں کو خون کی پیاس تھی۔ وہ لوٹ مار کرنے کے لئے تیار تھے۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ ہتھیار نکالے جا رہے تھے۔ جہاز کے کناروں پر مورچے بن رہے تھے۔ غرض ایک عجیب چہل پہل ہو گئی تھی۔ میں دور کھڑا ان لوگوں کی کاروائیاں دیکھ رہا تھا اور میرا ذہن سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ سی سارا کی نگاہ میرے اوپر پڑی۔

''اے آشورے۔'' اس نے مجھے آواز دی اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ ''تیار ہو جاؤ۔ دلچسپ مناظر بکھرنے والے ہیں تو نے ایسے خوبصورت مناظر کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ انسانی خون اور گوشت کی طلب گار مچھلیوں کو عمدہ غذا ملنے والی ہے اور ہمیں مال دولت۔ ممکن ہے جہاز پر خوبصورت لڑکیاں بھی موجود ہوں تو ان میں سے جسے چاہے اپنے لئے پسند کر لینا اور سن۔ غلاموں کا انتخاب تو خود کرے گا انہیں گرفتار کرنا ہے جو تندرست اور تروتازہ ہوں...... بوڑھے اور بیمار لوگوں کو قتل کر دینا بہتر ہوتا ہے۔ کیا تو ایک عمدہ جنگجو بھی ہے۔؟''

''سی سارا دیکھے گا۔ میں اس کے لئے کیا کرتا ہوں۔''

''ہاں۔ میں جانتا ہوں تو بے پناہ طاقتور ہے۔ وہ لوگ تیری قوت کی تاب نہ لا سکیں گے لیکن خیال رکھنا جوانوں کو پکڑنا ہے اور بوڑھوں کو قتل کرنا ہے۔ یا پھر انہیں جو زیادہ بہادری کے مظاہرے کریں۔ اگر تو بہتے ہوئے سرخ لہو کو پسند کرتا ہے تو کل کی صبح کا سورج تیرے لئے حسین مناظر فراہم کرے گا۔'' سی سارا بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ میں بھی مسکرانے لگا۔ لیکن میرا ذہن بدستور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اور ہاں۔ گیشے کو سخت ہدایت کر دینا۔ ایسے مواقعوں سے قیدی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں..... وہ بغاوت نہ کر دیں ورنہ ہم..... دونوں طرف سے پس جائیں گے...... ابھی ہمیں شکاری کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔''

اور میرے ذہن میں پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں۔ شکریہ سی سارا۔ شکریہ۔ تو نے میری بڑی مشکل خود حل کر دی۔ یقیناً مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر جلدی سے سی سارا سے بولا۔

''قیدیوں کے بارے میں فکر مت کر سی سارا۔ وہ تیری قوت سے واقف ہیں...... میں نے ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ سی سارا سے تعاون میں زندگی ہے اور اس کا غضب موت کا پیامبر ہے۔ اور ان میں سے کوئی موت کا خواہشمند نہیں ہے۔ ہاں اس سے قبل وہ دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا تھے۔ لیکن عیش و عشرت کی روٹی جدوجہد کے خاتمے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ میں نے انہیں آسائش کا زہر دے دیا ہے اور اب وہ آسائش کے اس زہر کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس لئے بغاوت کا تصور بھی ان کے ذہنوں میں نہیں ابھرے گا۔''

''اوہ..... اوہ آشورے...... تو کیا ہے...... یہ حقیقت ہے کہ مجھ جیسا تجربے کار بھی تیری حقیقت ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔ تیرے جسم میں بے پناہ طاقت ہے۔ تیرے دماغ میں بے پناہ عقل ہے۔ خوب کیا ہے تو نے یقیناً اب وہ بغاوت کے بارے میں نہ سوچ سکیں گے۔ تاہم تو ان کی نگرانی رکھ...... اور شکار کے بارے میں بھی ہمیں مشورے دے۔''

''میں عزت افزائی کے لئے شکر گزار ہوں سی سارا......'' میں نے کہا۔ لیکن دل ہی دل میں، میں سوچ رہا تھا کہ فکر مت کر سی سارا بہت کم وقت رہ گیا ہے جب میری حقیقت تیرے سامنے آ جائے گی۔''

جہاز کا رخ بدل گیا تھا اور اب بادبان اسے دوسرے جہاز کی طرف لے جا رہے تھے یہ رات میرے لئے بھی مصروفیات کی رات تھی اس لئے میں نے شیما کو بھی اپنی خواب گاہ میں نہ داخل ہونے دیا۔ میں نے پوگاس کو بھی ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ ممکن ہے وہ وقت آ گیا ہو جب انہیں آزادی مل جائے۔ پھر پورے جہاز پر گھوم پھر کر میں نے اسلحہ خانے کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ سی سارا کے لڑاکوں کا اندازہ لگایا، گویا راتوں رات میں اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔

اور دوسری طرف سی سارا نے اپنے مورچے بنا لئے تھے۔ اس کے آدمی تیر کمانوں سے لیس تھے۔ انہوں نے لوکدار انی والے بھالے بھی جگہ جگہ ڈھیر کر لئے تھے وہ پورے جنگ کے لئے تیار تھے۔ مستولوں پر تازہ دم لوگ بھیجے جاتے رہے تھے...... لیکن...... اس وقت جب چاند نے سر چھپایا اور دشمن نے اپنی آمد کا اعلان کیا...... اچانک جہاز پر سراسیمگی پھیل گئی...... مستول سے اترنے والے نے سی سارا کو کوئی بری خبر سنائی تھی...... اور سی سارا کے چہرے پر تفکر ابھر آیا تھا۔

''کیا بکواس کرتے ہو۔؟'' وہ دھاڑا..... میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔

''میں جھوٹ بولنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں سی سارا۔؟'' اس شخص نے لرزتے ہوئے کہا۔

''دوسرے آنکھوں والے کیا اندھے تھے۔؟ انہوں نے اندازہ کیوں نہ لگایا۔؟''

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں سی سارا۔؟'' اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ سی سارا کا چہرہ خون کی طرح سرخ ہو گیا تھا...... پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔'' حالات خراب ہو گئے ہیں۔''

''میں پوچھ سکتا ہوں سی سارا...... کیا بات ہے۔؟''

''یوجنا کے جہازوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔''

''یوجنا۔'' میں چونک پڑا۔

''ہاں...... ہمارا دشمن...... ہمارا سب سے بڑا دشمن۔''

''لیکن کیسے۔؟''

''لیکن کیسے۔؟''

''میرے نمک حرام کتوں نے غفلت سے کام لیا ہے۔ انہوں نے ایک جہاز کی اطلاع دی تھی لیکن اس وقت تین جہاز سمندر میں موجود ہیں اور تین مختلف سمتوں سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں ان پر یوجنا کے جھنڈے لہرا دیئے گئے ہیں اور ثابت ہو گیا ہے کہ وہ صرف جنگی جہاز ہیں جن پر اسلحے اور انسانوں کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔''

''لیکن جہاز تو ایک دیکھا گیا تھا اور یقیناً اس وقت اس پر یوجنا کا جھنڈا نہ ہوگا۔''

''ہاں۔ یوجنا سمندروں میں میری تلاش میں رہتا ہے۔ اس بار اس نے کامیاب چال چلی ہے۔'' سی سارا نے کہا۔'' اس نے باقی دونوں جہاز آڑ میں رکھے ہوں گے اور اپنے جہاز پر جھنڈا ابھی نہ لہرایا ہوگا تاکہ میں اس جہاز کو شکار سمجھ کر اس کی طرف لپکوں...... اور......'' سی سارا خاموش ہو گیا۔

''تین جہازوں پر افرادی قوت بہت زیادہ ہوگی۔''

''ہاں۔ سب کے سب جنگجو سپاہی ہوں گے۔'' سی سارا تشویش سے بولا۔

''میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں سی سارا۔ اگر تو قبول کر لے۔'' میں نے کہا۔

''میں حالات کو تسلیم کر لینے کا عادی ہوں۔ ہم ان جنگی جہازوں کے اتنے قریب آ گئے ہیں کہ اب فرار کا سوال ہی نہیں ہے۔ میں نے اپنی خراب پوزیشن سمجھ لی ہے اس لئے اب ہر تجویز مان لینے کو تیار ہوں۔''

''کیوں نہ ہم قیدیوں کی قوت بھی حاصل کریں۔''

''کیا مطلب۔؟'' سی سارا حیرت سے بولا۔

''نوجوان قیدیوں کو جنگ میں استعمال کیا جائے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔ قیدی ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارے سلوک سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ ہمارا ساتھ کیوں دیں گے۔ وہ ہمارے لئے کیوں لڑیں گے۔؟ نہیں نہیں آشورے۔ ہم اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔''

"میں انہیں اپنے کنٹرول میں رکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"نہیں آشورے۔ میں اس کی اجازت کسی طور نہیں دوں گا۔ یوں ہمیں دوسرا خطرہ درپیش ہوگا۔ باہر سے یوجنا کے فوجی ہمارے اوپر موت برسا رہے ہوں گے اور اگر اندر سے قیدی بھی شروع ہو گئے تو پھر سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ جنگ شروع ہوا چاہتی ہے۔ تم خاص طور سے قیدیوں کی نگرانی کرو۔" اور میں خاموش ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا تھا۔ کیوں نہ سی سارا کی بات مان لی جائے۔ قیدیوں کو زیادہ جدوجہد بھی نہیں کرنا پڑے گی اور کام بھی آسان ہو جائے گا۔ یعنی یوجنا کے فوجی سی سارا کی فوجوں کا صفایا کریں گے اور بچے کچھوں کو ہم دیکھ لیں گے۔ یہ خیال زیادہ مناسب تھا۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر اپنا پروگرام بدل دیا اور خاموشی سے واپس قیدیوں میں آ گیا۔

قیدیوں کے پاس اس وقت کوئی محافظ نہیں تھا۔ سب کے سب جنگ کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ پوگاس جلدی سے میرے قریب پہنچ گیا۔

"کیا حکم ہے آشورے۔" اس نے کہا۔

"آرام کرو پوگاس۔ یوجنا کے جنگی جہازوں نے اس جہاز کو گھیر لیا ہے۔ میرا خیال ہے سی سارا کی شکست یقینی ہے۔ سی سارا کو شکست ہو جائے اس کے بعد ہم یوجنا کے فوجیوں کا رویہ دیکھیں گے۔ کیا تمہیں یوجنا کے بارے میں کچھ معلوم ہے پوگاس۔؟" میں نے پوگاس سے پوچھا۔

"یوجنا ایک جابر حکمران ہے۔ وہ خود کو آسمان کا باشندہ بتاتا ہے اور اس کا جادو عظیم ہے۔ ہاں وہ ایک عظیم جادوگر ہے۔ وہ صرف ان کو زندگی دیتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کے بتوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ باقی لوگوں کی تلاش میں موت رہتی ہے اور وہ نافرمانوں کو موت کا مستحق قرار دیتا ہے اور پھر اس کے جادو سے وبائیں پھیلتی ہیں اور انسان اجتماعی طور پر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ بڑا ہی جابر انسان ہے وہ۔ آس پاس کے جزیروں پر تباہی لاتا رہتا ہے اور وہ قرب و جوار کے علاقے کو اس کا مطیع بنانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔" پوگاس نے یوجنا کی تفصیل بتائی۔

"ہوں۔ تو یہ حضرت بھی کچھ کم نہیں۔" میں نے دل میں سوچا۔ بہرحال بڑی ہوشیاری سے کام لے کر ان قیدیوں کی زندگی بچانی تھی۔ میں ان میں گھل مل گیا۔ میں نے پوگاس سے اس کی کہانی پوچھی۔ دوسروں کی داستانیں پوچھیں۔ سب مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سب کے سب مظلوم تھے۔ ان پر بڑے ستم توڑے گئے تھے۔ سی سارا در حقیقت سمندری عفریت تھا۔ میں نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا اور انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ تب میں نے پوگاس سے کہا۔

"پوگاس۔ یہ یقینی امر ہے کہ یوجنا کے فوجی بالآخر سی سارا کو شکست دیں گے۔ سی سارا خود بھی بوکھلایا ہوا نظر آتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے جنگ جیتنے کی توقع نہیں ہے۔ بہرحال سی سارا کی شکست کے بعد یوجنا کے آدمی جہاز پر آئیں گے اور ہمیں قیدیوں کے حصے سے برآمد کیا جائے گا۔ میں خود بھی قیدیوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ تم لوگ یہی کہو گے کہ میں بھی قیدی ہوں۔ اس کے بعد ہم یوجنا کے فوجیوں کا رویہ دیکھیں گے اور تب فیصلہ کریں گے۔ کیا خیال ہے۔؟"

"درست ہے۔ ہم سب تمہاری اطاعت کریں گے۔"

"میں چاہتا ہوں پوگاس۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کی بھی زندگی ضائع نہ ہو۔ اس لئے مجھے بہت ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔ کیا

تمہیں اسلحہ خانے کا راستہ معلوم ہے۔؟"

"نہیں۔"

"تو آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں دکھا دوں۔ ہمیں ہوشیاری سے تھوڑے تھوڑے ہتھیار یہاں جمع کرنا ہیں۔ یہ ہتھیار چھپے رہیں گے۔ ممکن ہے ہمیں ان کی بھی ضرورت پیش آ جائے۔"

پوگاس میرے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں، میں نے اسے اپنی تجویز بتا دی جسے پوگاس نے بہت پسند کیا تھا۔ باہر کی فضا اب بہت خطرناک ہوگئی تھی۔ جہاز ابھی تیروں کی زد پر نہیں آئے تھے لیکن آدمی نشانہ لئے تیار کھڑے تھے۔ خود سی سارا ایک محفوظ جگہ سے نگرانی کر رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک نڈر انسان تھا اور اب جب دشمن قریب آ گیا تھا اس کے چہرے پر خوف یا سراسیمگی کے ذرا بھی آثار نہیں تھے۔

پوگاس کو اسلحہ خانہ دکھا کر میں نے واپس کر دیا اور خود جہازوں کی جنگ شروع ہونے کا انتظار کرنے لگا اور پھر اچانک دونوں طرف سے جنگی نقارے بجنے لگے۔ بڑی خوفناک آوازیں تھیں ان کی۔ سمندر کی پُرشور موجوں سے ہم آہنگ، بھیانک عفریت چیخ رہے تھے۔

اور پھر جنگ شروع ہوگئی۔ تیروں کی بارش ہونے لگی۔ فضا تیروں سے ڈھک گئی۔ بہت سے تیر میرے بدن سے بھی ٹکرائے لیکن میں تو قدرتی طور سے محفوظ تھا البتہ دونوں طرف سے چیخیں ابھر رہی تھیں۔ غیر محفوظ لوگ نشانہ بن رہے تھے اور بڑے بے جگر تھے سی سارا کے لڑاکے۔ وہ جان توڑ کر لڑ رہے تھے حالانکہ ان پر تین طرف سے حملے ہو رہے تھے لیکن میں نے ایک بھی لڑاکے کے چہرے پر خوف نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھیڑیوں کی طرح غرا رہے تھے۔ زخمی ہو رہے تھے لیکن اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جوابی حملے کر رہے تھے اور میں نے لڑائی کے ابتدائی لمحات میں یوجنا کے فوجیوں کا زبردست نقصان دیکھا۔ انہیں گمان بھی نہ ہوگا کہ مقابل ایسے خونخوار تھے۔

جہاز قریب آتے جا رہے تھے۔ اچانک میں نے سی سارا کے لڑاکوں کی ایک اور حرکت دیکھی۔ وہ آگ روشن کر رہے تھے۔ شاید انہوں نے اس کے لئے پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا کیونکہ آن کی آن میں شعلے بھڑک اٹھے اور پھر انہوں نے تیروں کے سرے کسی سیال میں ڈبو کر آگ سے جلائے اور دشمن کے جہازوں کے بادبانوں کی طرف پھینکے۔ اس کام میں ایک پورا دستہ مصروف ہو گیا۔ دشمن کی طرف سے ابھی یہ کارروائی نہیں شروع ہوئی تھی لیکن سی سارا کے تجربے کار سپاہیوں نے جوابی کارروائی کا خیال رکھا تھا چنانچہ اپنی اس کارروائی کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے بادبان گرانا شروع کر دیئے تھے۔

میں دل ہی دل میں ان کی مستعدی کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بلاشبہ وہ سمندری جنگ کے ماہر تھے اور اس وقت تو اپنے دشمن پر بھاری پڑ رہے تھے۔ تینوں جہازوں کے بادبانوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ ہوا تیز تھی اس لئے آگ نے دوسری چیزوں کو بھی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اب جہاز دھڑا دھڑ جل رہے تھے لیکن ابھی تک یوجنا کے فوجیوں نے خطرناک صورت حال محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اب بھی اسی انداز میں لڑ رہے تھے۔ ہاں جب آگ نے ان کے جسموں کو چھونا شروع کر دیا اور ان کا سامان بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا تو وہ گھبرا گیا اور اس کے بعد ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ سمندر میں کود کر بحری قزاقوں کے جہاز کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ بے شمار لوگ ہتھیار لے کر سمندر میں کود پڑے لیکن پیچھے ایک اور قیامت

ان کی منتظر تھی۔ یہ آدم خور مچھلیاں تھیں جو ہنگامے کی آوازیں سن کر اوپر ابھر آئی تھیں اور پھر وہ نیچے گرنے والوں کو لقمۂ تر سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔

اور بڑا ہی خوفناک منظر تھا پروفیسر...... سمندر میں گرنے والے پاگلوں کی طرح گلے پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ وہ ایک اور دشمن سے نبرد آزما ہو گئے تھے۔ انہیں پانی پر اپنا وزن بھی برقرار رکھنا تھا اور اپنے دشمن کے وار سے بچ کر ان پر وار بھی کرنا تھا۔ چنانچہ یوں سمجھا جائے کہ سی سارا کو ایک اور مددگار فوج مل گئی تھی جو بے پناہ طاقتور تھی۔ میں نے آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بہت بڑی مچھلی نے یوجنا کے ایک فوجی کی ٹانگ پکڑ لی اور اسے چبا گئی۔ یوجنا کے فوجی نے پلٹ کر کھانڈے سے اس پر وار کیا اور مچھلی کی پشت میں گہرا زخم پڑ گیا لیکن اس نے ایک زوردار جھٹکا دیا اور یوجنا کے فوجی کی ٹانگ دانتوں میں دبا کر نیچے بیٹھ گئی۔ اس نے بہرحال اپنے شکار کو نہیں چھوڑا تھا۔

اور ان حالات میں پروفیسر، مجھے اندیشہ ہو گیا کہ یوجنا کی کثیر قوت کو شکست ہو جائے گی۔ اب اس کے لئے بڑی مشکل آ پڑی ہے لیکن پھر میں نے پانسہ پلٹتے ہوئے بھی دیکھا اور پانسہ یوں پلٹا کہ بائیں سمت کے جہاز پر کوئی تجربے کار جنرل موجود تھا۔ اس نے فوری طور پر اس طرف کی جنگ بندی کرا دی اور پوری کوشش کر کے اپنا جلتا ہوا جہاز سی سارا کے جہاز کے بالکل نزدیک لانے کی کوشش کرنے لگا۔ بلاشبہ اب صرف اسی بات کی ضرورت تھی کہ دست بدست جنگ کی جائے اور یہی طریقہ کارآمد ہو سکتا تھا۔ جہاز پر آگ تھی۔ سمندر میں مچھلیاں تھیں اور سی سارا کے جہاز پر اس کے خون آشام سپاہی۔ لیکن آخری چال یہی مناسب تھی۔ سی سارا کے فوجی کمزور پڑ رہے تھے لیکن ابھی ان پر کوئی خاص افتاد نہیں پڑی تھی۔ اس لئے وہ دشمن کے مقابلے میں زیادہ چاق و چوبند تھے۔ جنگ نے بہت سے رخ اختیار کئے تھے۔ میں نے بہت سی جنگیں دیکھی تھیں پروفیسر..... لیکن یہ جنگ سب سے زیادہ دلچسپ تھی۔ اس میں جنگی چالیں چلی جا رہی تھیں۔ صرف وحشت اور دیوانگی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ تجربے کار جنرل نے اندھا اقدام نہ کیا۔ سب سے پہلے تو اس نے سی سارا کے جہاز میں ایک زوردار ٹکر ماری اور اس ٹکر کی وجہ سے سی سارا کے آدمی توازن برقرار نہ رکھ سکے اور چند لمحات کے لئے خود کو سنبھالنے میں مصروف ہو گئے لیکن دوسرے جہاز پر اس سے فائدہ اٹھایا گیا اور لڑاکوں نے وحشیانہ انداز میں سی سارا کے جہاز پر چھلانگیں لگا دیں۔ ان کے ہاتھوں میں کھانڈے اور تیز دھار تلواریں تھیں۔

دوسرے جہاز والوں نے جو یہ کوشش دیکھی تو وہ بھی سنبھلے۔ سمندر میں چھلانگ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے چپوؤں اور جلتے ہوئے بادبانوں کی مدد سے جہازوں کے رخ بدلے اور جنگ ایک جگہ مرکوز کرنے کے لئے اس جہاز کے عقب میں آنے کی کوشش کرنے لگے جو سی سارا کے جہاز سے آ لگا تھا۔ انہوں نے شدید محنت کر کے یہ مرحلہ طے کیا تھا اور اب سی سارا کے جہاز تک پہنچنے کے لئے پل بن گیا تھا۔ دوسری طرف تجربے کار جنرل کے احکامات کے تحت اس کے سپاہی سی سارا کے سپاہیوں سے دست بدست جنگ کر رہے تھے اور اب سی سارا کے جہاز پر زبردست خونریزی ہو رہی تھی۔

سی سارا کا ایک ایک آدمی عفریت بن گیا تھا۔ ان کی تلواروں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ ان کے لباس سرخ ہو گئے تھے اور ان کے جسموں سے خون اس طرح بہہ رہا تھا جیسے انہوں نے خون کے سمندر میں غوطے لگائے ہوں۔ بلاشبہ ان میں سے ایک ایک نے یوجنا کے دس دس فوجی قتل کئے تھے اور اس کے باوجود وہ مزید لوگوں کو قتل کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن پل بن جانے سے جہازوں پر بچے کھچے فوجی سی سارا کے جہاز

کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ اب تو یہی جہاز ان کی پناہ گاہ بھی تھا۔ ان کے اپنے جہاز آگ کے گولے بن گئے تھے اور اس طرح جل رہے تھے کہ ان کی آگ بجھانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ زندگی سے مایوس، زندگی حاصل کرنے کے خواہاں لوگوں کی اس یلغار نے سی سارا کے فوجیوں کے حوصلے پست کرنا شروع کر دیئے تھے اور میں نے محسوس کر لیا کہ اب پانسہ پلٹنے ہی والا ہے۔

آخری سارا کے سپاہی کتنوں کو قتل کرتے۔ اگر وہ دس آدمیوں کو مارتے تو گیارہواں آدمی بہرحال انہیں قتل کر دیتا تھا۔ اس طرح ان کی تعداد کم سے کم ہوتی جا رہی تھی...... اور پھر میں نے سی سارا کو بھی تلوار لے کر جنگ میں کودتے دیکھا...... میں سمجھ گیا تھا کہ آخری وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ میں تیزی سے پوگاس کی طرف لپکا۔

ذہین اور چالاک پوگاس اپنا کام انجام دے چکا تھا اور نوے جوانوں کی تازہ دم فوج اسلحے سے لیس کھڑی تھی۔ یہ میری فوج تھی، جو ہر حالت میں فتح مند تھی۔

''کیا وقت آ گیا......؟'' پوگاس نے پوچھا۔

''ابھی نہیں...... کیا تمہارے پاس دو چوڑے کھانڈے ہیں۔؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ فاضل اسلحہ ہے...... جو ہمارے بعد ہماری عورتیں استعمال کریں گی۔''

''عورتیں...... نہیں...... اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ تم تیار رہو۔'' میں نے اسلحے کے ڈھیر میں دو وزنی کھانڈے تلاش کرتے ہوئے کہا...... اور مجھے میری مرضی کی چیز مل گئی...... میں نے انہیں اٹھا لیا...... اور پوگاس کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا...... ہم دونوں پوشیدہ طور پر نکل آئے...... باہر کے مناظر بدل گئے تھے...... یوجنا کے فوجی آخری معرکہ کو سر کر رہے تھے۔ انہوں نے سی سارا کے آدمی گھیرے میں لے رکھے تھے۔ خود سی سارا بھی ان میں شامل تھا، اور بڑی بے جگری سے جنگ کر رہا تھا۔ یہ خوبی کی بات تھی...... چاروں طرف سے یوجنا کے فوجیوں کی یلغار تھی...... ایسی شکل میں جنگ کرنا حماقت کے علاوہ کچھ نہ تھا...... لیکن اُس نے ہتھیار ڈالنا پسند نہیں کیا تھا۔ بہرحال یہ بے جگری کی بات تھی۔ لیکن یوجنا کے فوجیوں کی کامیابی نزدیک سے نزدیک تر آتی جا رہی تھی۔ چنانچہ اب وہ صرف جنگ ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ دوسری احتیاطی تدابیر بھی ہو رہی تھیں۔ بہت سے فوجی جہاز کو جلتے ہوئے جہازوں سے دور لے جانے کی کوشش کر رہے تھے کیونکہ خود ان کے تینوں جہاز تو تباہ ہو چکے تھے اور اب ان کی جگہ صرف شعلے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ اس لئے یہ جہاز ان کی امیدوں کا مرکز تھا۔ اسی سے وہ زندگی بچا سکتے تھے اس لئے اس کی حفاظت میں مصروف تھے کہ کہیں یہ بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آ جائے۔

اور اس میں وہ کامیاب ہو گئے۔ اب سی سارا کے صرف آٹھ دس سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ خود سی سارا ایک بازو سے محروم ہو گیا تھا۔ لیکن گرتے گرتے بھی اس نے مزید دو آدمیوں کو قتل کر دیا اور جنگ کا فیصلہ ہو گیا...... فوجیوں نے منتشر ہونے کی کوشش کی لیکن ان کے جنرل نے انہیں روک دیا۔ آگ کی خوفناک سرسراہٹ بلند ہو رہی تھی۔ سمندر میں گرنے والے بھی اب جدوجہد ترک کر چکے تھے صرف آدم خور مچھلیوں کا راج تھا جن سے سمندر پٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ خون آلود کپڑے، پانی پر تیرتے نظر آ رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی کربناک چیخ ابھرتی اور پھر کوئی مچھلی نظر آتی، جو کچھ نہ کچھ

منہ میں دبائے بھاگ رہی ہوتی۔ ایک انسانی سر پانی پر دوڑتا ہوا نظر آیا۔ لیکن بقیہ جسم موجود نہ تھا اسکے ساتھ ہی ایک مچھلی کی دم نظر آئی تھی۔ چاروں طرف بھیانک مناظر پھیلے ہوئے تھے۔ جنرل کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس جہاز پر اور بھی لوگ موجود ہوں گے۔ اور ہونے بھی نہیں چاہیے تھے۔ کیونکہ جنگی نقطہ نگاہ سے ایک ایک فوجی کو جنگ میں شریک ہونا چاہیے تھا...... اور جب سردار ہی مارا گیا تھا تو پھر فوجی کیا کریں گے۔ اس طرح وہ ایک بھیانک خطرے سے قطعی لاعلم تھے۔

جنرل کے حکم سے زندہ بچے ہوئے فوجی ایک جگہ جمع ہونے لگے اور میں نے دل ہی دل میں جنرل کا شکریہ ادا کیا...... اس طرح مجھے ان کی تعداد معلوم ہونے میں آسانی ہوئی...... ان کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد نہ تھی۔ یہ بھی سب کے سب خستہ حال تھے تقریباً سب ہی کے کہیں نہ کہیں زخم تھے...... کچھ آگ سے جھلسے ہوئے تھے۔ کچھ تیروں کا شکار تھے اور پھر وہ بری طرح تھکے ہوئے بھی تھے۔

جلتے ہوئے جہاز اب کافی دور ہو گئے تھے۔

''کیا حکم ہے آشورے...... کیا ابھی وقت نہیں آیا۔؟'' پوکاس نے سرگوشی کی۔

''تم پیچھے جاؤ۔ اور میری آواز پر تیار رہو۔'' میں نے کہا اور پوکاس نے میرے حکم کی فوری تعمیل کی۔ تب میں نے دونوں کھانڈے ہاتھوں میں پکڑے اور ستون کے عقب سے نکل آیا جہاں میں پوشیدہ تھا۔

''یوجنا کے فوجیو...... تم نے سی سارا پر فتح پالی...... لیکن تمہاری بدقسمتی نے ابھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑا...... ابھی اس جہاز پر میں موجود ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ہتھیار پھینک کر میرے سامنے جھک جاؤ...... اپنی شکست کا اعلان کر دو تمہاری جاں بخشی کر دی جائے گی۔''

میری آواز ان کے لئے ایک دھماکے سے کم نہ تھی۔ سب کے سب بری طرح اچھل پڑے تھے۔ انہوں نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ ''تم کون ہو۔؟'' جنرل کی غراہٹ ابھری۔

''حکمراں...... سردار...... لاتوئی...... آشورے، جو دل چاہے سمجھ لو...... اور فیصلہ کر دو کہ زندگی چاہتے ہو یا موت۔؟''

''کیا تم تنہا ہو۔؟''

''تنہا ہی تم سب پر بھاری ہوں۔ آزمانا چاہتے ہو۔؟''

''آؤ...... قریب آ جاؤ۔'' جنرل نے تلوار ہلاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنی دانست میں چالاکی سے کام لیا تھا...... لیکن اسے ایسے بے وقوف کی امید نہ تھی جو طاقت کے نشے میں اس قدر چور ہو کہ ڈیڑھ سو خونخوار سپاہیوں کے نرغے میں گھس آئے اور انہوں نے میری طاقت پر دل ہی دل میں خوشی محسوس کی ہوگی۔

میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ جنرل غور سے میرے سنہرے جسم کو دیکھ رہا تھا۔

''تم کہاں کے باشندے ہو۔؟''

''جہاں کا دل چاہے سمجھ لو...... یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا تم تنہا ہم لوگوں کو شکست دے سکو گے۔؟"

"تمہاری تعداد بہت معمولی ہے۔ میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں سمجھتا۔"

"کیا تم سی سارا کے سپاہیوں میں سے ہو۔؟"

"نہیں......لیکن عرصے تک اس کے ساتھ رہا ہوں۔"

"تم نے اس کی طرف سے جنگ نہیں کی اور وہ مارا گیا۔"

"میں آخری جنگ کرتا ہوں جس میں فتح میری ہوتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تنہا جہاز پر تم کیا کرو گے۔؟"

"یہ بات تمہارے سمجھنے کی نہیں ہے۔"

"ہم تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ کھانڈے پھینک دو......اور ہماری اطاعت قبول کر لو......ہم تمہیں یوجنا کے دربار میں پیش کریں گے......وہ اچھے لوگوں کی قدر کرتا ہے۔"

"لیکن اس شکل میں اسے نقصان ہوگا۔"

"کیوں۔؟"

"اسے اپنا تخت چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ میرے سامنے کوئی دوسرا حکمراں نہیں ہوتا۔" میں نے جواب دیا اور یوجنا کے سپاہی غصے میں بھر گئے۔

"اسے قتل کر دو۔ اس نے مقدس یوجنا کی توہین کی ہے۔ یہ پاگل ہے۔ یہ دیوانہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے قتل کر دو۔" جنرل نے لاپرواہی سے کہا۔ اور پھر بے شمار سپاہی میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔ ان کی تلواریں کھٹا کھٹ میرے جسم پر پڑیں اور اچھٹ گئیں۔ میں نے پیچھے ہٹ کر دونوں کھانڈے سنبھالے اور ناقابلِ یقین قتلِ عام کرنے لگا۔ میرا ہر وار گردنوں کی ایک لائن صاف کر دیتا۔ جنرل اس بھیانک المیئے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن اس کے سامنے کوئی دوسرا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ بدحواسی سے قتل ہوتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اور پھر چیخوں کی آوازیں شاید یوگاس کے کانوں تک پہنچ گئیں۔ وہ بے چارہ میرے حکم کی انتظار کر رہا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ میں اطمینان سے ان لوگوں کو قتل کر دوں گا۔"

سپاہی پوری شدت سے حملے کر رہے تھے اور حیران تھے۔ ان کے سامنے قتل ہونے والا نہیں، صرف مارنے والا تھا۔ اور پھر اچانک خونخوار قیدی بھرا مار کر نکل آئے اور سپاہی گھگھیانے لگے اس تازہ دم فوج نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔

اور کچھ بھی مزہ نہ آیا قیدیوں کو جنگ کرنے میں۔ کیونکہ ان کے مقابل تو اب تلوار ہلانے کے قابل بھی نہیں تھے۔ ان تازہ دم قیدیوں کی وہ ہیبت چھائی کہ ان میں سے بہت سے ہاتھ ہلائے بغیر ہی مر گئے۔ قیدیوں کے لئے اس سے نرم چارہ اور کون سا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے نہایت آسانی سے ایک ایک سپاہی کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس طرح یوجنا کا آخری سپاہی بھی موت کی آغوش میں پہنچ گیا اور کسی قیدی کو خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہانا

پڑا۔اور اس کے بعد انہیں آزادی کا احساس ہوا۔

''آشورے......'' پوگاس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔'' کیا ہم آزاد ہیں آشورے۔؟''

''ہاں......تم آزاد ہو پوگاس،تمہارے ساتھی آزاد ہیں......اب تمہیں بازار میں فروخت نہیں کیا جائے گا۔اب تمہارے جسم کو ایک بھی کوڑا نہ چھوئے گا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دوستو......ہم آزاد ہیں۔'' پوگاس نے نعرہ لگایا اور قیدی ایک لمحے کے لئے سکتے میں رہ گئے اور پھر ان کی کان پھاڑ دینے والی آوازیں گونجیں۔''ہم آزاد ہیں......ہم آزاد ہیں......'' اور اس کے ساتھ ہی عورتیں بھی نکل آئیں۔سب کے سب خوشی سے پاگل ہو گئے تھے۔ مردوں نے اپنی اپنی پسندیدہ عورتوں کو سینے سے لپٹا لیا تھا اور عورتوں نے بھی ان کی چاہت کا جواب فراخ دلی سے دیا،کسی کو اس پر اعتراض نہیں تھا......اور میں مسکراتی نگاہوں سے ان آزاد لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔پھر پوگاس کو ہی میرا خیال آیا اور وہ اپنی محبوبہ کو ساتھ لئے ہوئے میری طرف لپکا......ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر اس نے اپنے ساتھیوں کو پکارا۔

''سنو......میری بات سنو......دوستو میری طرف متوجہ ہو۔'' اور سب کی گردنیں اس کی طرف گھوم گئیں۔''اسے کیوں بھول رہے ہو جو ہمارا نجات دہندہ ہے۔اسے کیوں نظر انداز کر رہے ہو جس نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائی ہے۔آؤ۔اس کے قدموں میں جھک جاؤ اور اس کی اطاعت کا اعلان کرو۔''

اور سب میری طرف دوڑے۔میرا جسم خون آلود تھا۔لیکن ان میں سے ہر ایک نے میرے خون آلود جسم کو بوسہ دیا اور مجھ سے محبت کا اظہار کرنے لگے۔میں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے......''دوستوں......میں بھی تمہاری خوشی میں برابر کا شریک ہوں......میں پوگاس کو بتا چکا ہوں کہ میں ایک آوارہ گرد ہوں۔تم لوگوں کی بے بسی مجھے اس جہاز پر لائی تھی......اور حالات بدلتے رہے......اگر یہ حالات نہ پیدا ہوتے تب بھی میں تمہیں آزاد کرانے کی جدوجہد کرتا......مجھے مسرت ہے کہ تم آزاد ہو......یہ جہاز اب ہمارا ہے......آؤ......اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو جائیں۔اس کے بعد غور کریں گے کہ ہمارا دوسرا اقدام کیا ہوگا۔''

''ہمیں حکم دے آشورے......ہم سب تیری اطاعت کریں گے۔''

''جہاز پر خون اور انسانی لاشوں کے انبار ہیں۔ان لاشوں کے جسم سے قیمتی سامان،لباس وغیرہ جو قابل استعمال ہو اتار کر رکھ لیا جائے اور انہیں سمندر میں ڈال دیا جائے تاکہ مچھلیوں کی ضرورت بھی پوری ہو۔ورنہ سڑنے والے لاشے بیماری پھیلائیں گے۔''

''ہم ابھی کام شروع کرتے ہیں۔''

''عورتیں سمندر سے پانی نکال کر جہاز سے خون صاف کریں گی۔دس پندرہ عورتیں وہاں چلی جائیں جہاں خوراک کے ذخائر ہیں اور کھانا تیار کریں۔ہم سب بھوکے ہیں۔'' اور پروفیسر......سب میرے احکامات کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔میں نے خود بھی ان کے ساتھ کام میں شریک ہونا چاہا۔لیکن دس بارہ لوگوں نے مجھ سے التجا کی۔

"ہمارے نجات دہندہ...... تو صرف ہم پر حکومت کر۔ ہمیں احکامات دے...... ہمارے ساتھ شریک ہو کر ہمیں شرمندہ مت کر...... ہماری گردنیں تیرے عظیم احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔"

"عزیز دوستو...... میں صرف تمہاری بہتری کا خواہشمند ہوں میں تم پر حکومت نہیں کرنا چاہتا...... تو سنو...... میرے مشوروں پر عمل کرنا، اپنے دکھ درد خود نہ طے کرنا بلکہ اس میں میری رائے لے لینا۔ میں تمہیں تکلیف نہ ہونے دوں گا۔" میں نے کہا۔ اور انہوں نے گردنیں جھکا دیں...... یوں مجھے اطاعت گزار دوست مل گئے اور وہ میرے احکامات کی تعمیل کرنے لگے۔

جہاز پر خوراک کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ جنگلی پرندے پنجروں میں بند تھے جن سے تازہ گوشت حاصل کیا جاتا تھا۔ ان کے انڈے بھی کام آتے تھے اور ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ سبزیاں اور دوسری اجناس، طویل سفر کے لئے موجود تھیں۔ اس کے علاوہ ہتھیار۔ دوسری اہم ضرورت تھے کافی مقدار میں تھے گویا طویل سمندری سفر کے لئے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اس طرف سے اطمینان تھا۔ باورچی خانے کی عورتوں نے خوراک تیار کر لی اور پھر انہوں نے بڑے اہتمام سے ایک صاف جگہ پکائے ہوئے کھانے کا ذخیرہ کر دیا۔ ان کے چہروں سے مسرت ہویدا تھی...... نہ جانے کتنے عرصے کے بعد انہیں انسانوں کی مانند کھانا نصیب ہوا تھا۔

کام کرنے والے رک گئے، انہوں نے پانی سے خون آلودہ ہاتھ صاف کئے اور ایک جگہ آ بیٹھے۔ میں بھی کھانے میں ان کے ساتھ شریک تھا۔ ان میں سے بہت سوں کی آنکھوں میں آنسو ٹپک رہے تھے اور میں ان کی دلی کیفیات محسوس کر رہا تھا۔

"دیوتا تجھے خوش رکھیں آشورے۔ تو نے دوبارہ ہمیں انسانوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔" ایک آدمی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اور بہت سے لوگ باقاعدہ رونے لگے، ان میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔

"خاموش ہو جاؤ۔ رونے کا وقت گزر گیا ہے...... ہنسو...... اور نئی زندگی کی تعمیر کرو۔"

کھانے کے بعد سب دوبارہ کاموں میں لگ گئے اور سورج نے واپسی کا آدھا سفر طے کر لیا، تب کہیں جا کر تمام لاشیں سمندر میں پھینکی جا سکی تھیں اور جہاز کا خون آلودہ فرش صاف ہو سکا۔ سب اپنے کام سے فارغ ہو گئے تھے۔

"ہمیں سفر کی ایک سمت متعین کرنی ہے یوگاس۔ دوران سفر ہی ہم فیصلہ کریں گے کہ ہماری آئندہ زندگی کیا ہوگی۔؟"

"مناسب خیال ہے آشورے۔" یوگاس نے مجھ سے اتفاق کیا۔

"چند افراد کا عملہ منتخب کرو، جنہیں جہاز رانی کا تجربہ ہو۔ کیا ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں۔؟"

"میں معلوم کئے لیتا ہوں۔" یوگاس نے کہا اور پھر اس نے مردوں سے اس بارے میں پوچھا۔ تین آدمیوں نے خود کو پیش کیا جو جہاز رانی سے واقف تھے۔

"کافی ہے۔ تم لوگ اپنے ساتھی منتخب کر لو جو تمہاری ہدایات پر عمل کریں۔ تین ٹیمیں بناؤ جو مخصوص وقفے سے اپنا کام انجام دیں۔ ہر ٹیم دس افراد پر مشتمل ہو۔" میں نے کہا۔ ہر ایک اپنے آپ کو پیش کر رہا تھا اس لئے یہ کام بھی یوگاس کو کرنا پڑا۔ اس نے تین مضبوط آدمی منتخب کر لئے اور

پہلی ٹیم نے اپنا کام شروع کر دیا۔

بادبان کھول دیئے گئے..... مستول درست کیئے گئے..... دو آدمی اوپر پہنچ گئے اور باقی بادبان کنٹرول کرنے لگے۔ یوجنا کے جلتے ہوئے جہاز اب سمندر برد ہو رہے تھے۔ خون آلود سمندر دور دور تک سرخ تھا۔ بادبانوں میں ہوا ابھر گئی اور پھر متفقہ فیصلے کے تحت جہاز کا رخ ایک طرف کر دیا گیا۔ باقی لوگوں نے اپنے اپنے آرام کے لئے جگہیں منتخب کر لیں جس کی انہیں پوری پوری آزادی تھی۔ اب ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ پورا جہاز ان کا تھا۔ لڑکیاں بھی ایک جگہ جمع ہو گئی تھیں۔ بہت سے لوگ گنگنا رہے تھے۔ حالانکہ ایک خوں آشام دن گزرا تھا لیکن ان لوگوں کے لئے یہ دن مسرت کا دن تھا۔ مجھے بھی دلی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ گو ابھی کوئی مناسب مقام نہیں مل سکا تھا نہ ہی راستے کا تعین ہو سکا تھا لیکن آزادی کے ساتھ اگر موت بھی آئے تو بڑی نعمت ہوتی ہے۔

''کیا خیال ہے پروفیسر۔'' وہ یادوں کی دنیا سے واپس آ گیا لیکن پروفیسر خاور، فرزانہ اور فروزاں گم صم بیٹھے رہے۔ وہ آزاد ہونے والوں کی خوشی میں شریک تھے اور سوچ رہے تھے کہ اب کیا ہو گا۔ ان لوگوں کے وطنوں کا تعین کس طرح ہو گا؟ کیا جہاز سکون کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے گا یا ابھی کچھ اور خطرات باقی رہ گئے ہیں۔؟

اس نے مسکراتے ہوئے سامنے گم صم لوگوں کو دیکھا اور پھر اس نے انہیں اس دنیا سے واپس لانا مناسب نہ سمجھا اور بولا۔ ''یوں جہاز پر آزادی کی پہلی رات آ گئی، جہاز چلانے والوں کی ڈیوٹی بدلی گئی۔ تجربے کار لوگوں نے اپنی اپنی ٹیم کو پوری طرح جہاز چلانے کے طریقے سمجھا دیئے تھے اور اس زمانے میں جہاز صرف ہوا کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ مشینیں تو تھیں نہیں کہ ان میں پیچیدہ کل پرزے ہوں۔ سو رات کی تاریکی میں جہاز سمندر کے چوڑے سینے پر چلتا رہا۔ سونے والے سو گئے۔ جاگنے والے جاگتے رہے۔ وہ مستعدی سے اپنی ڈیوٹیاں سنبھالے ہوئے تھے۔

میں بھی ایک مناسب جگہ آرام کرنے لیٹ گیا جو خصوصی طور پر میرے لئے بنائی گئی تھی..... رات بیتی..... اور دن کی روشنی نے منہ چمکایا۔ جاگنے والوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ آزادی کی صبح ہے۔ اب ان پر پابندیاں نہیں ہیں۔ کوڑے برسانے والے خونخوار نگاہوں سے گھورنے والے فنا ہو چکے ہیں۔

ہر شخص نے اپنا کاروبار سنبھال لیا۔ مجھے کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تب ایک خوبصورت لڑکی نے میرے سامنے ناشتہ پیش کیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلنواز مسکراہٹ تھی۔

''دوسرے لوگوں نے ناشتہ کر لیا۔؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''سب کو ان کی جگہوں پر تقسیم ہو رہا ہے۔''

''خوب۔ تم نے ناشتہ کیا۔''

''نہیں۔'' اس نے شرمائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''کیوں۔؟''

''میرا ناشتہ اس میں شامل ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اوہ۔تب پھر آؤ۔لیکن کیا پوگاس نے تمہیں یہ ہدایت کی تھی۔''

''نہیں۔لیکن کیا تو میری اس جسارت پر ناراض ہے آشورے۔'' لڑکی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

''بالکل نہیں۔بلکہ میں تیری اس محبت سے خوش ہوں۔'' میں نے اس کا نرم و نازک ہاتھ پکڑ کر اسے نزدیک بٹھاتے ہوئے کہا اور اس کا چہرہ پھول کی مانند کھل گیا۔

''تیرا نام کیا ہے۔؟''

''شیرابہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''بڑا میٹھا نام ہے۔تیرا وطن کونسا ہے شیرابہ۔؟''

''ریانہ کی خوبصورت گلیوں میں آنکھ کھولی تھی۔مرذوق میں برا وقت گزرا اور پھر میرا باپ جہاز پر مجھے ارطبہ لے جا رہا تھا کہ ہمارے جہاز پر قزاقوں نے حملہ کر دیا۔میرا باپ بوڑھا تھا اس لئے سی سارا نے اسے سمندر برد کر دیا اور مجھے قیدی بنا لیا۔'' اس نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے شیرابہ۔گزرے ہوئے وقت کی یاد کو ذہن سے نکال دینا چاہئے۔نیا ماحول اپنا لو......زندگی گزارنے کے یہ ضروری ہے۔''

''میں نے وقت سے سمجھوتہ کر لیا ہے آشورے۔اور پھر اب ہمیں کوئی فکر نہیں ہے۔تو ہمارے ساتھ ہے۔'' اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور پروفیسر، لڑکی کی نگاہوں میں میرے لئے صرف عقیدت نہیں تھی اس کی گہری خوبصورت آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔تب میں نے دوسری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔حالات نے اس وقت انہیں رعایا بنا دیا تھا۔مجھے چاہئے تھا کہ ان میں سے کسی کو اپنے تصرف میں نہ لاؤں۔وہ بے چارے میرا کیا ساتھ دے سکیں گے لیکن جہاز پر اب رومانی موسم شروع ہو گیا تھا۔خوف کی فضا چھٹ گئی تھی۔رنگینیاں اور ضرورتیں ابھر آئی تھیں۔خود سی سارا کی عورتیں یوجنا کے سپاہیوں کا شکار ہو گئی تھیں۔ایک بھی نہ بچی تھی جو میرا ساتھ دے سکتی۔صرف یہ قیدی عورتیں تھیں اور پھر ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔مردان کے مقابلے میں کم تھے۔اگر ایک ایک عورت بھی ایک ایک کے تصرف میں آ جائے تب بھی بہت سی بچ جاتیں اور ان کا کوئی نہ کوئی مصرف بہرحال ہوتا۔

ممکن ہے اس لڑکی کا طلب گار بھی کوئی نہ ہو۔لیکن اگر کسی کی حق تلفی ہوئی تو......؟ مجھے یقین تھا کہ میری عقیدت میں لوگ کچھ نہ کہیں گے لیکن پھر بھی وہ میرے ساتھ ناشتہ کرتی رہی اور مسلسل خاموشی چھائی رہی۔

''مجھے اپنے بارے میں نہ بتائے گا آشورے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''دوسرے لوگوں سے تجھے میرے بارے میں نہیں معلوم ہوا۔؟''

''مگر میں تیری حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔دیوتا زمین پر نہیں آتے۔وہ آسمانوں سے حکمرانی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر تو خود کو دیوتا کہے تو میں یقین کر لوں گی۔''

''میں نے کسی کے سامنے خود کو دیوتا نہیں کہا۔''

"لیکن وہ سب تجھے نجات کا دیوتا سمجھتے ہیں۔ تیری صورت ہمیں جس دن سے نظر آئی ہمارے دن پھر گئے۔ ہماری تکلیفوں کا ایک ایک کر کے مکمل خاتمہ ہو گیا۔ کیا تو کسی مجبوری کی دعا ہے۔؟"

"تیری باتیں مجھے پسند آئی ہیں شیرایہ۔ میں تجھ جیسا انسان ہوں۔ ہاں میرے اندر کچھ خصوصی قوتیں ہیں جو مجھے دوسروں سے جدا کرتی ہیں اور انہیں قوتوں سے کام لے کر میں نے تمہاری مدد کی ہے۔"

"اگر تو انسان ہے تو میں تیری آرزو کیوں نہ کروں۔ تو مردوں میں سب سے بڑا مرد اور حسینوں میں سب سے زیادہ حسین ہے۔ تیرا بدن سونے کی طرح چمکدار ہے اور تیرا چہرہ چاند کی طرح دمکتا ہے۔ اگر تو انسان ہے تو میں تجھے ایک عورت کی حیثیت سے پسند کرتی ہوں اور تیری گرم آغوش کی طلب گار ہوں اور اگر دیوتا ہے تو زندگی بھر تیری پرستش کرتی رہوں گی۔ اگر میں تیری پسندیدہ عورت نہیں بن سکتی تو صرف مجھے اپنے قریب آنے دے۔ اپنی خدمت کرنے کی اجازت دے۔ میں اس سے آگے کچھ نہیں مانگوں گی۔"

"تو بہت چالاک اور خوش گفتار ہے شیرایہ۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اور تجھے پسند کرتا ہو تو اس کی حق تلفی پر مجھے دکھ ہو گا۔"

"آزادی ملنے سے پہلے، ہمارے ذہنوں میں حسن و عشق کا تصور ضرور تھا لیکن وقت کی چکی نے ہمیں اس طرح پیسا تھا کہ ہم یہ سب کچھ بھول گئے۔ چنانچہ یقین کر کہ کسی جوان کی آنکھوں نے مجھے کوئی پیغام نہیں دیا۔ میں کنواری ہوں اور میرا جسم کسی کی نگاہ سے آلودہ نہیں ہے۔"

"آؤ شیرایہ۔ دوسروں کی خبر لیں۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا اور میرے ہاتھ کے لمس سے خوش ہو کر وہ میرے ساتھ آگے بڑھ آئی۔

پوکاس انتظامی امور میں مصروف تھا۔ جہاز چلانے والی ٹیم مستعد تھی اور جہاز سبک رفتاری سے سمندر کے سینے پر بہہ رہا تھا۔ شیرایہ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھتی رہی اور میں نگاہوں کا جائزہ لیتا رہا۔ کسی کی نظروں میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ سب نے شیرایہ کے اس مقام کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ تب میں نے ایک گہری سانس لی۔ گویا مردوں میں اس کا کوئی عاشق نہیں ہے۔ رہ گئی بات عورتوں کی تو ممکن ہے شیرایہ کی مانند ان میں سے کچھ اور میری طلب گار ہوں لیکن جو آگے بڑھ کر جام اٹھالے..... چنانچہ ذہنی طور پر میں نے شیرایہ کو قبول کر لیا۔ ابھی اس کا اظہار مناسب نہیں تھا لیکن شیرایہ کی گردن فخر و انبساط سے تن گئی تھی۔

ہم نے پورے جہاز کا چکر لگایا۔ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور اپنے طور پر خوش و خرم تھے۔ گو ان میں سے ہر ایک الگ داستان رکھتا تھا اور اس داستان میں غم و اندوہ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا لیکن ہر بڑی تکلیف چھوٹی تکلیف کے احساس کو ختم کر دیتی ہے اور جب اس بڑی تکلیف سے نجات ملتی ہے تو انسان خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ یہی کیفیت ان لوگوں کی تھی۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں جھیلی تھیں۔ سخت مشکلات میں گرفتار رہے تھے۔ غیر یقینی ماحول میں رہ رہے تھے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کا مستقبل کیا ہو گا۔ ان تمام چیزوں میں پھنس کر وہ اپنا وطن، اپنے لوگوں کو بھول گئے تھے۔ انہیں صرف اپنا وجود یاد تھا اور اب جب ان کا وجود تاریکیوں سے نکل آیا تھا تو وہ اس طرح خوش تھے جیسے انہیں اب کوئی غم نہ رہا ہو۔

پورے جہاز کا چکر لگانے کے بعد میں واپس اپنی قیام گاہ پر آ گیا۔ شیرایہ سائے کی طرح میرے ساتھ تھی۔

''آشورے۔'' اس نے آہستگی سے سرگوشی کی اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔'' میرے بارے میں تو نے کیا سوچا ہے آشورے۔؟''

''تو کیا چاہتی ہے شیرایہ۔؟''

''تیرا قرب، تیرا لمس۔'' اس نے بے باکی سے کہا۔

''کیا ابھی اس کا وقت آ گیا۔؟''

''کیا تو میری زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے آشورے۔ کیا تو یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ جہاز کسی دوسرے حادثے کا شکار نہیں ہوگا۔ کیا یہ طوفان کی لپیٹ میں نہیں آ جائے گا۔ کیا یوجنا اپنی پوری قوت سے اس پر نہیں چڑھ دوڑے گا اور ہم سب کو آگ میں زندہ نہیں جلا دے گا۔ اگر تو ان تمام باتوں کی ضمانت دے تو میں انتظار کر سکتی ہوں۔ اس وقت تک جب تک تو چاہے۔'' اس نے کہا اور مجھے اس لڑکی کی دیوانگی پر ہنسی آ گئی۔ اتو کھی تھی۔ بڑی غیر معمولی قسم کی تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے اس کے شانے تھامے اور اسے گھسیٹ کر اپنے قریب کر لیا۔

''چاند کا انتظار کر شیرایہ۔ تاریکیاں پھیل جانے دے۔'' میں نے کہا اور شیرایہ نے بے چارگی سے گردن ہلا دی۔

سورج ڈھلان پر تھا۔ جب پوگاس میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ میں نے خود ہی اس کی مشکل حل کر دی۔'' کیا بات ہے پوگاس۔ تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔؟''

''ہاں نجات دہندہ۔''

''تو پھر کہو...... اس میں تکلف کیسا۔''

''دوسرے لوگ جن میں، میں بھی شریک ہوں اپنا مستقبل معلوم کرنا چاہتے ہیں۔؟'' پوگاس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''مستقبل۔؟'' میں نے حیرت سے کہا۔'' اپنے اپنے مستقبل کے فیصلے تم خود کرو گے پوگاس۔ میں ان میں تمہارا مددگار رہوں گا اور بس...... میں تمہیں سی سارا کی قید، اس کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا تھا، سو میری خواہش پوری ہو گئی۔ اب تم مکمل طور پر آزاد ہو۔ میں تمہارا مددگار ہوں آقا نہیں۔ تم میں سے ہر ایک اپنے مستقبل کے فیصلے کے لئے آزاد ہے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کروں۔؟''

پوگاس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ وہ شدت جوش سے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اس نے میرے قدموں میں جھکتے ہوئے کہا۔'' تو درحقیقت عظیم ہے آشورے۔ تو درحقیقت دیوتا ہے۔ میں نے ان بے وقوفوں کو یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ آشورے نے صرف ہم پر مہربانی کی ہے۔ وہ ہم سے کسی معاوضے کا طلب گار نہیں ہے۔ وہ ہمیں اپنے غلاموں میں شامل نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ بضد تھے کہ آشورے سے اس کا منشا معلوم کیا جائے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ہم اس کے کس کام آ سکتے ہیں...... اور آشورے...... وہ دل و جان سے اس کے لئے تیار تھے۔ وہ تیرے ایسے عقیدت مند ہیں۔ وہ تیرے ہر کام آنے کے لئے تیار ہیں۔''

"ان سے کہہ دو پوگاس۔ ان سے کہہ دو میرے دوست کہ آشورے خود ان کا غلام ہے۔ وہ انہیں اپنا ساتھی، اپنا دوست سمجھتا ہے۔ وہ کبھی ان میں سے کسی پر جبر نہیں کرے گا۔ وہ ان کے ہر مسئلے پر ان سے تعاون کرے گا۔ وہ کسی پر جبر کرنے کا قائل نہیں ہے۔"

"یہ بات تو ان سے اپنی زبان سے کہہ دے آشورے۔ ان کی مسرتوں کا ٹھکانہ نہ رہے گا۔" پوگاس نے درخواست کی۔

"میں تیار ہوں پوگاس...... تو سب کو ایک جگہ جمع کر دے۔" میں نے کہا۔ اور پوگاس خوشی خوشی اٹھ کر چلا گیا...... سورج نے تمازت ختم کر دی تھی، جب جہاز کے مرد و عورتیں ایک جگہ جمع ہو کر میرا انتظار کر رہے تھے میں ان سادہ لوح انسانوں کے درمیان ایک بلند جگہ پہنچ گیا اور پھر میں نے انہیں مخاطب کیا۔

"میرے اپنے دوستو...... میرے بھائیو...... میرے ساتھیوں...... پوگاس نے مجھے بتایا ہے کہ تم میرے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو...... تمہارا خیال ہے تمہیں سی سارا ظالم سے نجات دلانے کے بعد میں تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہوں تو تمہارا یہ خیال غلط ہے میرے ساتھیو...... میں تو خود تمہارا غلام ہوں...... تمہارے ہر کام آنے والا...... میرے لائق جس وقت کوئی کام محسوس کرو...... مجھے بتاؤ...... میں تمہارے کام آؤں گا...... میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں...... میں تم سے الگ نہیں ہوں...... میری ضروریات تم سے مختلف نہیں ہیں میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں...... میں تمہارے ساتھ تو رہ سکتا ہوں...... تم پر حکومت نہیں کر سکتا...... تم سب اپنے اپنے طور پر آزاد ہو...... تم اپنی مرضی کے مالک ہو...... میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے...... تو سنو...... میری طرف سے دل کے تمام خدشات نکال دو...... میں تم میں سے کسی پر جبر نہیں کروں گا۔ ہاں...... میں تمہارے درمیان پھیلنے والی بدامنی کو روکنے میں حق بجانب ہوں گا کہ یہ ہم سب کی حفاظت کے لئے ہوگی...... میں تمہارے مسائل کے حل کے لئے اپنی خدمات پیش کر دوں گا۔ ایک دوست کی حیثیت سے...... سنو...... جہاز کا سفر ایک نہ ایک دن ضرور ختم ہو جائے گا...... اس کے بعد تمہاری مرضی ہو گی...... تم جہاں پر چاہو جا سکو گے...... میں تمہیں روکنے کا حق نہ رکھوں گا...... اور سنو...... ہم سمندر کے سینے پر رواں دواں ہیں...... زمین نہ جانے کتنی دور ہے...... تم اس جہاز کو اپنا گھر بھی بنا سکتے ہو...... زندہ رہنے کی تمام ضرورتیں یہاں موجود ہیں...... ہمیں ان کی پرواہ نہیں ہے...... لیکن زندگی میں کچھ اور بھی ضرورتیں ہوتی ہیں...... یہاں مرد کی ضرورت عورت...... اور عورت کی ضرورت مرد بھی موجود ہے...... انسانیت کے دائرے میں...... پتھر کے دور سے ہٹ کر اگر تم ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہو تو باہمی رضامندی سے مستقبل کے فیصلے کر سکتے ہو کہ اس سے زندگی میں روانی رہتی ہے۔ لیکن یہ تمہاری خواہشات پر مبنی ہے...... اگر اس کی ضرورت محسوس کرو تو۔ پھر جب پہلی زمین آئے تو تم جہاز چھوڑ دو...... جو جہاں جانا چاہے چلا جائے۔ کسی پر کوئی پابندی نہ ہوگی...... ہاں کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس کوئی راستہ نہ ہوگا، سو دوسرے انہیں سہارا دینا چاہیں تو اپنا لیں...... اور یہ اچھی بات ہوگی......" میں خاموش ہو گیا۔

مردوں کے چہرے جوشِ مسرت سے سرخ ہو گئے تھے۔ عورتوں کے چہروں پر شرم کے تاثرات جاگ اٹھے تھے۔ لیکن ناخوش وہ بھی نہ تھیں۔ ظاہر ہے جب خوف سے آزادی ملتی ہے تو زندگی کے تقاضے ابھر آتے ہیں۔ یہ تقاضے کسی دوسرے خوف کے تابع ضرور ہو سکتے ہیں لیکن مردہ نہیں ہو جاتے۔

مردوں نے جوشِ مسرت سے نعرے لگائے اور عورتیں جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگیں۔ سو یہ طے ہو گیا کہ سمندر کے سینے پر سب کو آزادی ہے اور جب زمین آئے گی تو وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ اس فیصلے نے زندگی رواں دواں کر دی تھی۔ مرجھائے ہوئے دل کھل گئے تھے اور جہاز کی اس چھوٹی سی دنیا میں کچھ اور خوشیوں نے جنم لیا تھا۔ قہقہوں اور ہنسی مذاق میں شام گزر رہی۔ یہاں تک کہ ایک جوڑا سرچ ٹاور پر چڑھ گیا۔ تاکہ وہاں ڈیوٹی بھی انجام دی جا سکے اور فضا میں ہنی مون بھی منایا جا سکے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے جوڑوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ خود پوکاس ایک سانولی حسین دوشیزہ کو لے کر میرے پاس آیا اور گردن جھکا کر مسکرانے لگا۔

''تمہارا انتخاب عمدہ ہے پوکاس۔'' میں نے مسکراتے ہوئے داد دی۔

رات کے کھانے کے بعد جب میں اپنی قیام گاہ میں...... اپنے بستر پر پہنچا تو مجھ سے پہلے میرے بستر میں کوئی اور موجود تھا۔ جسے دیکھ کر میں ٹھٹھک گیا۔ اس نے سر سے پاؤں تک ایک کپڑا اوڑھا ہوا تھا...... لیکن کپڑے کے نیچے سے ایک نسوانی جسم کے خطوط ایک دلکش چغلی کھا رہے تھے۔ میں نے ان خطوط کو ناپا اور یہ شیرایہ کے علاوہ کسی اور کے نہ تھے۔ ارمان بھری لڑکی اپنا حق، اپنی محبت وصول کرنے آ گئی تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

دیوانی...... صدیوں پرانے بوڑھے کے لئے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن تیرے ننھے سے دل کو توڑنا گناہ ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور میرے ہاتھ اس کی طرف بڑھ گئے۔ اس کے جسم میں جیسے بجلیاں بھر گئیں۔ اس نے گھبرا کر چہرے سے چادر الٹ دی اور عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''یہ تم میرے بستر میں کیوں ہو شیرایہ۔؟'' میں نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری اجازت سے آشورے۔؟'' وہ کپکپاتے ہونٹوں سے بولی۔

''میری اجازت۔؟'' میں نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں...... تم نے کہا تھا کہ تم ہم سے ہو...... تم ہمارے دوست ہو ہمارے آقا نہیں...... اور پھر تم نے اجازت دی تھی کہ ہم میں سے جو چاہے ایک دوسرے کو پسند کر لے...... سو میں نے ایک مرد کو پسند کر لیا ہے۔'' شیرایہ نے مجبوبانہ انداز میں کہا اور میں اس کی شرارت اور چالاکی پر ہنس پڑا۔

''خوب...... اس کا مطلب ہے کہ مرد بھی تمہیں پسند کرنے کا پابند ہے۔ چلو ٹھیک ہے۔ تم نے میرے دیئے ہوئے حقوق خوب استعمال کئے اور سنو...... اپنے بارے میں باقی اختیارات بھی میں نے تم ہی کو دیئے۔ یہ سمجھو تم میری مرد ہو۔''

دوسری صبح بے حد خوش گوار تھی...... بہت سے چہرے کھلے ہوئے تھے، یہ خوشی میری بخشی ہوئی تھی...... اس لئے وہ میرے ممنون تھے۔ لیکن کچھ چہرے ادھ کھلے بھی تھے اور عورتیں ہی تھیں۔ کیونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور مردوں سے محروم رہ گئی تھیں۔

میں نے سنجیدگی سے ان کے بارے میں سوچا...... لیکن ان کے لئے میرے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ سوائے اس کے میں خود اپنی خدمات انہیں پیش کر دوں...... لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ یہ خدمات پائیدار تو نہیں ہو سکتی تھیں اس کے علاوہ شیرایہ کسی دوسری عورت کی مجھ سے قربت کیسے

برداشت کر سکتی تھی پورا دن میں نے اسی الجھن میں گزارا۔ باقی کوئی الجھن نہیں تھی اور اس دن کی رات کو میں نے شیرایہ سے اس بارے میں ذکر کیا۔ ''شیرایہ...... میں نے کوشش کی ہے کہ تم لوگوں کی تکالیف دور کروں۔ اس جہاز پر جتنے لوگ ہیں ان کے مسائل میرے اپنے مسائل ہیں۔ کیا تم اس کا اعتراف کرتی ہو۔؟''

''ہاں آشورے۔'' اس نے جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا۔ اس وقت وہ کسی دوسرے مسئلے پر گفتگو کرنا نہیں چاہتی تھی۔ کیونکہ خود ایک مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔

''اگر جہاز پر موجود کسی بھی فرد کے لئے کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے تو یقینی طور پر مجھے الجھن ہو گی۔؟''

''میں سمجھتی ہوں۔''

''جو مسئلہ میرے لئے پیدا ہو گیا ہے...... اسے میں کس سے حل کرنے کے لئے کہوں۔؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں سمجھی نہیں آشورے۔'' شیرایہ تڑپتی ہوئی بولی۔ میں نے ذہنی طور پر اسے یکسوچ کرنے کے لئے اس کی ضرورت کا احترام کیا اور جب اسے سکون مل گیا تو پھر اسے اسی گفتگو پر آمادہ کر لیا۔

''میں تمہیں اپنے مسئلے کے لئے سمجھاؤں گا شیرایہ...... لیکن تم جذبات سے دور رہ کر اس پر غور کر سکو گی۔''

''ایسی کیا بات ہے آشورے۔؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''تم نے دیکھا ہے شیرایہ۔ جہاز پر موجود نوجوانوں نے حسین اور اپنی پسندیدہ لڑکیوں کو اپنا لیا ہے۔''

''ہاں۔ اور سب بہت خوش ہیں۔''

''لیکن جو ناخوش ہیں۔؟''

''کیا مطلب۔؟''

''میں ان لڑکیوں کی بات کر رہا ہوں جن کے لئے مرد موجود نہیں ہیں۔''

''اوہ...... ہاں...... بہت سے چہرے پژمردہ ہیں کیونکہ انہیں کسی نے پسند نہیں کیا۔''

''کیا مجھے ان سے ہمدردی ہونی چاہئے۔؟''

''لیکن تم ان کے لئے کیا کرو گے۔؟''

''تمہارا کیا خیال ہے شیرایہ...... زمین آ جانے کے بعد تم کیا کرو گی۔؟''

''میں...... میں۔'' شیرایہ گھبرا گئی۔ ''میں کیا کروں گی آشورے۔ میرے سامنے تو کوئی راستہ نہیں ہے...... اس کے بعد بھی مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہو گی۔''

''تو غور سے سنو شیرایہ۔ میں نے تمہاری طرف رجوع نہیں کیا تھا۔ تم خود میری طرف متوجہ ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم

مجھے پسند نہیں ہو۔ میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں...... ہاں میں بذاتِ خود تمہاری طرف متوجہ نہ ہوتا...... کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میری دوسری منزل کون سی ہوگی۔ ممکن ہے تمہیں میرے الفاظ پسند نہ آئیں شیرابہ...... لیکن کیا تم میری صاف گوئی پسند نہ کروگی...... سنو میں دنیا کے چند افراد کے لئے محدود نہیں ہوں...... ممکن ہے کچھ دوسروں کو میرے مدد کی ضرورت ہو۔''

شیرابہ خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھراس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔''تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے آشورے۔ مجھے ٹھکرا دو گے۔؟''

''نہیں...... میں تمہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔؟''

''مجھے وہ شرط منظور ہے۔''

''سنو اور غور کر کے جواب دو۔ کیا تم اپنے دل میں اس قدر وسعت پاتی ہو کہ اپنی پسندیدہ باتوں کو درگزر کرو۔؟''

''تمہارے لئے میں سب کچھ کروں گی آشورے۔''

''تو تمہیں صرف یہ کرنا ہوگا کہ میری مجبوریوں کو نظرانداز نہ کرنا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''میں کسی کے لئے کچھ کرنا چاہوں...... اور وہ بات تمہیں پسند نہ ہو، تو اسے برداشت کرنا۔''

''میں ایسا ہی کروں گی۔''

''نہ صرف برداشت کروں گی بلکہ اس میں میری مدد بھی کروگی اور تمہاری پیشانی شکن آلود نہ ہوگی۔''

''میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گی۔'' شیرابہ مجھ سے جدائی کے تصور سے بے حد خوفزدہ ہوگئی تھی۔ میں نے کہا۔

''تو سنو شیرابہ...... جو لڑکیاں مردوں سے محروم ہیں...... اگر ان میں سے کچھ میرے قریب آنا چاہیں تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ انہیں خوش رکھنا بھی میرا فرض ہے۔'' میں نے کہا...... دل کا حال تمہیں کیا بتاؤں پروفیسر...... یوں سمجھ لو...... میری نگاہوں کے سامنے پیاسا حسن تھا اور میں حسن کا پجاری...... ان کی افسردگی احساسِ فرض بھی پیدا کر رہی تھی اور اپنی مرضی بھی سرچڑھ کر بول رہی تھی...... ہاں وہ جو اسے پسند کرے۔ ان سے سروکار نہ تھا جو اجتناب کرتیں۔

لیکن شیرابہ کے لئے میرا یہ عمل تکلیف دہ تھا...... تاہم عقل بھی رکھتی تھی۔ اس لئے اس نے عقل سے کام لیا۔ الھڑ تھی، نوخیز تھی، جذبات سے بھرپور تھی، لیکن حالات سے بھی واقف تھی۔ اس نے میری باتوں پر غور کیا، اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''تم سمندر ہو آشورے...... اور سمندر کی گہرائیاں ہر حقیقت کو جذب کر لیتی ہیں۔ میں تمہاری راہ کا ایک حقیر تنکا ہوں...... تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہوں لیکن اس کے بعد میری کیا حیثیت ہوگی۔؟''

''میں تمہیں بتا چکا ہوں۔''

''کیا...... مجھے تمہاری آغوش ملتی رہے گی۔؟''

''ہاں...... میں حقیقت میں تو تمہارا راز دار رہوں گا۔''

''تب مجھے منظور ہے...... لیکن اگر اجازت دو تو ایک درخواست کروں۔''

''ضرور۔''

''میں تمہاری رازدار رہوں گی...... میں ان کی بھی رازدار رہوں گی...... یوں وہ میری احسان مند بھی رہیں گی اور یہ بھی محسوس کرتی رہیں گی کہ آشورے ہر حال میں میرا ہے۔ اس طرح وہ تمہارے اوپر قبضہ جمانے کی کوشش نہ کریں گی۔''

''ہوں...... میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ یہ صورتحال بھی میرے لئے نئی نہیں تھی۔ اکثر ان دلچسپیوں سے بھی روشناس ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے اجازت دے دی۔'' نہ صرف یہ...... بلکہ ان کے دلوں کا حال بھی تم ہی معلوم کرو گی شیرابہ، ہاں ان میں سے کوئی ایسی نہ ہو جو میری خلوت پسند نہ کرے۔''

''تب مجھے خوشی سے منظور ہے۔''

''یوں رات گزر گئی...... دوسری صبح وہی روز مرہ کے معمولات تھے اور ہم، سامنے بیکراں سمندر تھا جسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ کائنات میں صرف اس جہاز کا وجود ہے یا اس پر موجود انسانوں کا...... باقی سب سمندر ہے...... صرف سمندر...... سرج ناور کے لوگ دور دور کی اطلاع دیتے رہتے تھے اور ان میں کوئی خاص بات نہ تھی۔

اسی دوپہر میری ملاقات...... ابانیہ سے ہوئی۔ یہ یوکاس کی بہن تھی...... وہی دبلی پتلی سلگتی ہوئی سی لڑکی جس کے لئے یوکاس نے میرے اوپر حملہ کیا تھا اور جسے میں نے دوا دلائی تھی...... یہ بھی محروم لڑکیوں میں سے ایک تھی اور دوسروں کی طرح پژمردہ۔

اس وقت میں جہاز کے ایک کونے میں کھڑا سمندر کی لہروں کا جائزہ لے رہا تھا کہ ابانیہ کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ لکڑی کے برتن میں ایک خوش رنگ سیال لئے کھڑی تھی، جس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

''اوہ...... ابانیہ۔؟'' میں نے خوش اخلاقی سے کہا اور اس کی سلگتی ہوئی سیاہ آنکھیں میری طرف اٹھ گئیں۔ چند لمحے وہ میری طرف دیکھتی رہی۔ نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خیالات تھے، لیکن پھر وہ یکدم سنبھلی اور گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا برتن میری طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''یہ...... یہ......''

''بڑا خوشرنگ ہے...... کیا یہ تم نے میرے لئے تیار کیا ہے۔؟'' میں نے برتن اس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا اور اس نے معصومانہ انداز میں گردن ہلا دی۔ ''تب میں تمہارا شکر گزار ہوں لڑکی۔''

''جب میں اپنے گھر میں تھی...... تو یہ بناتی تھی...... یہ میرا پسندیدہ شوربہ ہے...... میرے دل میں خواہش تھی کہ میں اپنی پسندیدہ چیز تمہیں پیش کروں۔'' اس نے کہا...... اور میں نے برتن منہ سے لگا کر اس شوربے کو چکھا۔ بلاشبہ بے حد لذیز تھا۔ اس میں گوشت اور سبزی کے ریزے شامل تھے۔

"تمہاری پسند عمدہ ہے۔" میں نے تعریف کی اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک لہرائی۔ میں گھونٹ گھونٹ کر کے شوربہ پیتا رہا اور پھر چونک کر بولا۔" اوہ۔ یہ شوربا اتنا عمدہ ہے کہ میں تمہیں اس میں شریک کرنا بھول گیا۔ تاہم کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم اسے میرے ساتھ پینا پسند کرو گی۔؟"

"تم تو میرے بارے میں بہت کچھ بھول گئے آشورے۔" وہ آہستہ سے بولی، اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھا ابانیہ۔"

"میں تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتی۔" اس نے ایک سسکی لے کر کہا اور ایک طرف چل پڑی۔۔۔۔ میرے لئے اس کی یہ کیفیت سمجھنا مشکل نہ تھا پروفیسر۔۔۔ کیسی پرلطف بات تھی۔ یہ جہاز عشق کا جہاز بن گیا تھا، انسان کتنی جلدی حالات کو بھول جانے کا عادی ہوتا ہے۔۔۔۔ چند روز پہلے ان کی کیا حالت تھی، لیکن اب ہر لڑکی، اور ہر نوجوان عشق کے چکر میں تھا۔۔۔۔ مجھے ہنسی آگئی۔۔۔۔ لیکن ابانیہ۔ اس کی عمر بھی بہت کم تھی۔ شیرایہ سے بھی کم۔۔۔۔ گو اس کے خدوخال حسین تھے۔۔۔۔ لیکن میری توی ہیکل جسم کے سامنے اس کی جسمانی حیثیت کچھ بھی نہ تھی اور پھر میں۔۔۔۔ میں اب اس جہاز پر حسن پرست کی حیثیت سے مشہور ہو گیا تھا۔ میری عظمت کچھ بھی نہ رہی تھی۔۔۔۔ معمولی معمولی لڑکیاں میرے حصول کے خواب دیکھنے لگی تھیں۔

اس نے ایک گہری سانس لے کر پروفیسر، فرزانہ اور فروزاں کی طرف دیکھا۔۔۔۔ اور پھر چونک کر بولا" اوہ۔ تمہاری آنکھوں کی نمی تمہاری تھکن کا اظہار کر رہی ہے پروفیسر۔۔۔۔ میرا خیال ہے آج کی داستان یہیں تک۔۔۔۔ باقی کل۔۔۔۔"

"ایں۔۔۔۔" پروفیسر خاور چونک پڑا اور پھر جلدی سے بولا" نہیں۔۔۔۔ ابانیہ کی کہانی پوری کر دو۔۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔۔" لیکن اس کے ساتھ ہی خاور کو اپنی لڑکیوں کا احساس ہوا" ہاں۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔ باقی کل۔"

وہ شرمندگی سے اٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں کی شریر مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ پروفیسر کی ذہنی کیفیت سمجھ رہا ہے۔ خود پروفیسر کو بھی احساس تھا کہ ان دلکش کہانیوں میں گم ہو کر وہ حالات کو بھول جاتا ہے۔ فرزانہ اور فروزاں خاموش تھیں۔" ٹھیک ہے پروفیسر۔" آرام کریں۔۔۔۔ کل کی روشنی میں ہماری ملاقات ہوگی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ فرزانہ اور فروزاں بھی بادل نخواستہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھیں۔۔۔۔ کسی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ ان کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ تب وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھ گئیں۔

خوبصورت اور آرام دہ مسہری پر لیٹ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن نیند ان سے کوسوں دور تھی۔ پروفیسر خاور البتہ عمر کی اس منزل سے گزر چکا تھا جب بے چینیاں جنم لیتی ہیں۔ وقتی طور پر ہاسی کڑھی میں ابال ضرور آ جاتا تھا۔۔۔۔ لیکن پھر عقل و فراست اسے تھپک تھپک کر سلا دیتی تھی البتہ اس کے بڑھاپے اس کے تجربہ نے ایک ٹھوکر کھائی تھی۔ اس نے دونوں جوان لڑکیوں کے جذبات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ توجہ دیتا بھی تو کیا کر سکتا تھا۔ یہاں تو صرف بے بسی تھی۔

رات کافی گزر گئی تھی۔ فروزاں اور فرزانہ ایک دوسرے کی طرف سے کروٹیں لئے سو رہی تھیں۔ دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی لیکن دونوں جانتی تھیں کہ ان میں سے کسی کو نیند نہیں آئی ہے۔ تب فروزاں نے کروٹ بدلی اور لرزتی آواز میں بولی۔" باجی۔"

"ہوں۔؟" فرزانہ نے بھی اس کی طرف سے کروٹ بدل لی۔

"آپ سوئی نہیں باجی۔؟"

"تم کیوں نہیں سوئیں۔؟" فرزانہ اسے اپنے دہکتے ہوئے بدن میں بھینچتے ہوئے کہا۔

"نیند نہیں آ رہی باجی۔" فروزاں کراہی۔

"کیوں فروزاں۔؟"

"باجی۔ مجھے اس سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"کیوں۔؟"

"باجی......اس کی کہانی......اس کی باتیں دل و دماغ میں آگ لگا دیتی ہیں۔"

"ہاں......وہ آتش بیان ہے فروزاں......لیکن ہمیں ڈگمگانا نہیں چاہیئے۔ اگر ہم خود پر قابو پا سکے فروزاں......سمجھ لو کہ تاریخ کے انسان کو شکست دیں گے۔ اس انسان کو جس نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا اور جو اپنی فتوحات کو بڑے فخر سے بیان کرتا ہے۔"

"ہم اسے ضرور شکست دیں گی باجی......لیکن یہ جسم کیوں سلگتا ہے۔ یہ بدن میں آتشی لہریں کیوں اٹھتی ہیں۔؟"

"ان لہروں کو دبانا پڑے گا فروزاں......ورنہ......ورنہ......ہم خود کو دنیا کی سب سے ذلیل مخلوق سمجھیں گے......ہم بھی ان عورتوں میں شامل ہو جائیں گے جن کی تحقیر وہ ہمارے سامنے کر رہا ہے۔ پھر اس کی کہانیوں میں ایک اور کہانی کا اضافہ ہو جائے گا اور وہ کسی کے سامنے مزے لے لے کر ہماری داستان بھی سنائے گا۔"

"ہم اس داستان میں خود کو کبھی شامل نہ ہونے دیں گے۔ باجی......ہم جدید دور کے ذہین لوگ ہیں......ہم اس چالاک انسان کے فریب میں نہیں آئیں گے۔ کبھی نہیں آئیں گے۔"

"ہاں......کبھی نہیں۔" فرزانہ نے اسے خود میں جذب کرتے ہوئے کہا......لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ کیا آگ سے آگ بجھائی جا سکتی ہے۔

داستان گو کے خلاف وہ دل میں کیسی ہی نفرت کیوں نہ کرتیں لیکن اس کی داستان کو فراموش کرنا ان کے بس کی بات تھی نہ پروفیسر خاور کے..... چنانچہ دوسری صبح وہ اس کے حضور حاضر تھے۔ رات کے جذبات فرزانہ اور فروزاں کے چہروں پر ہویدا تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی ناکام امداد کرنے کی کوشش کی تھی لیکن دونوں ہی ناکام ہورہی تھیں۔ جسم تپ رہے تھے۔ احساسات کچھ طلب کرتے رہتے تھے لیکن خوداعتمادی نے کسی حد تک ساتھ دیا تھا۔ ان ضرورتوں کے لئے کم ازکم وہ اس مغرور انسان سے بھیک نہیں چاہتی تھیں اور دونوں ہی اپنے فیصلے پر اٹل تھیں۔

اس نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔ ایک خاص مشروب سے ان کی تواضع کی جو جسموں کے نظام کو ایک انوکھا سرور بخش دیتا تھا اور طبیعت کی اداسی فرحت میں بدل جاتی تھی۔ مشروب سے فارغ ہوکر اس نے پروفیسر خاور کی طرف دیکھا۔

''آپ کو یاد ہے پروفیسر..... میں نے اپنی کہانی کہاں سے چھوڑی تھی۔؟''

''وہ بھی کوئی بھولنے والی بات تھی۔ اپانیہ تمہیں مشروب دے کر اور ایک جملہ کہہ کر چلی گئی تھی۔'' پروفیسر نے جلدی سے جواب دیا اور وہ ہنس پڑا۔ ''مجھے معاف کرنا لڑکیو۔ لیکن اس کی کہانی اسی قدر دلچسپ ہے۔'' پروفیسر خاور نے شرمندگی سے کہا لیکن فرزانہ اور فروزاں کے چہرے سپاٹ رہے۔ اس نے گہری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پرخیال انداز میں بولا۔

''اپانیہ کو مجھے سمجھانے کی ضرورت نہ تھی پروفیسر..... میں ان لڑکیوں کو خوب سمجھتا ہوں۔ لیکن اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اپانیہ پوگاس کی بہن تھی اور پوگاس بہرحال میرا دوست تھا۔ لیکن اس جہاز پر تو ہر فرد کو مکمل آزادی تھی۔ خود پوگاس اپنی پسندیدہ حسینہ کے ساتھ دادعیش دے رہا تھا۔ کیا اس نے اپانیہ کی پرواہ کی تھی۔ تو کیا میری دوسری عورت اپانیہ بن سکتی تھی۔؟ میں نے سوچا۔ پھر اس میں حرج بھی کیا تھا۔ بہرحال وہ لڑکی تھی، تنہا تھی اور تنہا لڑکیوں کے لئے میں نے خود کو وقف کردیا تھا۔ چنانچہ مشروب کے آخری گھونٹ کے ساتھ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اس سے قبل کہ شیرایہ میرے لئے دوسری عورت کا انتخاب کرے مجھے شیرایہ کو اپانیہ کے بارے میں آگاہ کردینا چاہئے۔ چنانچہ میں شیرایہ کی تلاش میں چل پڑا۔

شیرایہ مجھے جہاز کے ایک حصے میں مل گئی۔ وہ تنہا تھی اور کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بے وقوف لڑکی خود ہی اپنی الجھنوں میں الجھی ہوئی ہے۔ میری الجھنوں کا حل کیا تلاش کرے گی.....؟ میں نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا لیکن بہرحال اس سے گفتگو کرنا ضروری تھی۔ چنانچہ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اسے آواز دی۔

''شیرایہ۔'' اور اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ پھر جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

''کیا سوچ رہی تھیں شیرایہ۔؟''

''تمہارے بارے میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا سوچا.....؟'' میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''یہی کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم بہت عظیم ہو۔ تم ہمارے نجات دہندہ ہو۔ ہمیں ہوا کو گرفت میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں

بہرحال تمہارے احکامات کی تعمیل کرنی چاہئے۔"

"میں نہیں سمجھا شیرایہ؟" میں نے بدستور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے اپنی قربت کے چند لمحات بخشے آشورے۔ تم میری زندگی کے پہلے مرد ہو اور اس کے بعد مجھے دنیا کا ہر نوجوان ہیچ نظر آنے لگا لیکن غلطی تو میری ہے۔ میں تم پر غلط حق سمجھ بیٹھی تھی۔ اس لئے میں نے بہت سی توقعات قائم کر لیں لیکن حالات نے مجھے سمجھا دیا ہے۔ میں تم جیسے عظیم انسان کے قابل نہیں ہوں۔ ہاں جسے تمہارے سنہرے بدن کی قربت مل جائے وہ خوش نصیب ضرور ہے۔ اور میں ساری خوش نصیبیوں کا تنہا خود کو حقدار نہیں سمجھتی۔ میں اب بالکل مطمئن ہوں آشورے۔ میں نے اپنے سوچنے کا انداز بدل لیا ہے۔"

"بے شک تم ذہین لڑکی ہو شیرایہ۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ صرف شیرایہ کے چکر میں پڑ کر میں خود کو محدود نہیں کر سکتا تھا۔

"مجھے بتاؤ آشورے۔ میں تمہارے لئے کونسی لڑکی پسند کروں۔؟"

"فی الحال یہ کام میرے اوپر رہنے دو۔ آج رات تم میرے قریب نہ ہو گی۔ بس اس کا خیال رکھنا۔"

"میں ایسا ہی کروں گی آشورے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی اور میں اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ مجھے ایک ہلکی سی جھنجلاہٹ کا احساس ہوا تھا۔ بے وقوف شیرایہ نے خود ہی غلطی کی تھی۔ وہ کتنا عرصہ میرا ساتھ دے سکتی ہے اور پھر یہ حقیقت ہے وہ ایک عام سی لڑکی تھی۔ میرا اور اس کا کیا ساتھ۔ میں اس کے لئے اپنے ذہن کو پراگندہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس جہاز میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جسے میں برابر کی حیثیت دیتا۔ ہاں جو بھی میرے قریب آنے کی کوشش کرے وہ بہرحال میری چند لمحات کی ضرورت ضرور بن سکتی تھی۔

چنانچہ میں نے شیرایہ کو ذہن سے جھٹک دیا اور وہاں سے چل پڑا۔ یہاں ہر فرد میری توجہ کا محتاج تھا۔ میرے لئے سب کی حیثیت یکساں تھی۔ اب جس کی جو ضرورت بھی مجھ سے پوری ہو سکتی ہو۔ میں جہاز میں کام کرنے والوں کے پاس آ گیا۔ سب مطمئن اور مسرور تھے۔ پوگاس مجھے دیکھ کر میرے قریب آ گیا۔

"کیا ہو رہا ہے پوگاس۔؟"

"بس۔ سمندر کی آغوش میں رواں دواں ہیں۔ کسی کو ساحل کی آرزو نہیں ہے کیونکہ انہوں نے زندگی کے خزانے اس بحری ویرانے میں پا لئے ہیں۔" پوگاس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس قید سے آزادی پر سب کے اندر نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ قید کی صعوبتوں سے مرجھائے ہوئے دلوں کو زندہ کرنے کے لئے ہماری یہ ترکیب بے حد کارگر رہی ہے۔"

"ہاں آشورے۔ تیری قیادت نے ہماری کون کون سی مشکلات حل نہیں کر دی ہیں ہیں۔ ہم تو تیرے احسانات کا صلہ اتارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ صرف میں ہی نہیں جہاز پر موجود ہر شخص تیرا احسان مند ہے۔"

"میں نے صرف اپنی فطرت کی طلب پوری کی ہے۔ زمین ضرور آئے گی اور تم سب منتشر ہو جاؤ گے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد ایک

دوسرے کو اپنانے والوں کا کیا حال ہوگا۔‘‘

’’میرا ذاتی خیال ہے آشورے۔ جو پودے تم نے لگا دیئے ہیں وہ پروان چڑھیں گے۔ ہم سب ایک دوسرے کی محبت میں اس طرح گرفتار ہوگئے ہیں کہ اب علیحدگی کے بارے میں سوچیں گے تو تکلیف ہوگی۔‘‘

’’لیکن وہ جوان نعمتوں سے محروم ہوگئے ہیں؟ میری مراد ان لڑکیوں سے ہے جن کے لئے مرد موجود نہیں ہیں۔ ان کا کیا ہوگا؟‘‘

’’ہاں۔ میں نے بھی اکثر ان کے بارے میں سوچا ہے اور کوئی حل تلاش کرنے میں ناکام رہا ہوں سوائے اس کے کہ چند جوان دو، دو عورتیں رکھیں لیکن اس میں ایک خطرہ ہے۔ عورتوں میں رقابت پیدا ہوگی اور اس سے کچھ حادثے بھی جنم لے سکتے ہیں چنانچہ ان کا فیصلہ اس وقت کیا جائے گا جب زمین نظر آجائے۔‘‘ پوگاس نے کہا۔

’’لڑکیاں افسردہ ہیں۔ میں نے ان کے چہروں پر اداسی دیکھی ہے۔‘‘

’’میں نے بھی محسوس کیا ہے۔ خود میری بہن ان میں شامل ہے لیکن افسوس وہ کسی مرد کو متاثر نہیں کرسکتی۔ میں اس کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔‘‘ پوگاس نے پریشانی سے کہا اور پھر گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ ’’اس کے بارے میں بھی تیری عقل کو آواز دوں گا آشورے۔ ان کے لئے جو مناسب فیصلہ ہو تو ہی کر۔‘‘ اور میں بھی سوچ میں ڈوب گیا۔ ایک فیصلے کے علاوہ اور کیا فیصلہ کرسکتا تھا سوائے اس کے کہ جو باقی بچی ہیں انہیں اپنی بیویاں بنالوں۔ لیکن اتنا بڑا ایثار نہیں کرسکتا تھا۔

وقت حسب معمول گزرتا رہا۔ مجھے ابانیہ کی تلاش تھی۔ چند افسردہ عورتوں کے ساتھ وہ بھی نظر آئی اور میں نے اسے آواز دی۔ ابانیہ نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر دوسری عورتوں کو دیکھنے لگی۔ پھر وہ اٹھ کر میرے نزدیک آگئی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

’’آج رات کو...... اپنی خلوت میں، اپنی خواب گاہ میں، میں تیرا انتظار کروں گا ابانیہ۔‘‘

وہ چونک پڑی۔ لیکن میں اپنے الفاظ دوہرا کر آگے بڑھ گیا تھا اور پھر میں دوسرے لوگوں میں گم ہوگیا۔ مجھے یقین تھا پروفیسر...... میں کسی لڑکی کو رات کی دعوت دوں اور وہ میری دعوت نظر انداز کردے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا پروفیسر...... یہ بات میری طویل زندگی میں کبھی نہیں ہوئی۔

چنانچہ اس رات...... جب میں اپنے بستر پر دراز...... کسی کی آمد کا انتظار کررہا تھا۔ کوئی آیا...... اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر چونک پڑا۔

نہ تو وہ شیرایہ تھی، نہ ابانیہ، وہ ایک اور نوخیز جوانی تھی جس کا میں شکل آشنا تھا، واقف کار نہیں تھا۔

’’تم۔‘‘ میں نے کہا اور اس نے گردن جھکالی۔

’’تم یہاں کیوں آئی ہو۔؟‘‘ میں نے اس سے پوچھا لیکن اس کے ہونٹوں سے آواز نہ نکل سکی۔ میں اس انوکھی صورت حال پر حیران رہ گیا۔ لڑکی بالکل خاموش تھی۔ دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی جوان اور حسین تھی۔ سی سارا نے ایسی ہی لڑکیوں کا انتخاب کیا تھا جو بھرپور جوان،

خوبصورت ہوں اوران کی عمدہ قیمت مل سکے۔ بہرحال لڑکی کی خاموشی ایک ہی کہانی دوہرا رہی تھی۔ زندگی کی کہانی، ضرورت کی کہانی..... جس کے علاوہ کائنات میں اور کوئی کہانی نہیں ہے۔

آج نہ سہی کل، وہ میری فہرست میں ضرور شامل ہوتی۔ حالات ایسے ہی ہو گئے تھے چنانچہ کل کی بجائے آج میں نے اسے قبول کر لیا۔ اب اس سے سوالات بے کار تھے۔ ایسے سوالات جن کے جواب دیتے ہوئے وہ خود کو حقیر محسوس کرے چنانچہ میں نے لہجہ بدل لیا اور اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔؟''

''امتارا'' اس نے جواب دیا۔

''جہاز پر تمہارا کوئی اور عزیز موجود ہے۔؟''

''تمہارے سوا کوئی نہیں۔'' اس نے جذبات انگیز آواز میں جواب دیا۔ ''تم میرے سب کچھ ہو.....تم میرے محبوب ہو۔'' اس نے اسی انداز سے جواب دیا۔

''ہوں۔ لیکن تم نے اچانک یہاں آنے کا فیصلہ کس طرح کیا۔؟''

''میری دلی خواہش تھی لیکن..... شیرایہ مجھ سے پہلے تمہاری منظورِ نظر بن چکی تھی۔ میں دل پر جبر کر کے رہ گئی۔ یہاں دوسری لڑکیوں نے اپنے محبوب اور مردوں نے اپنی محبوبائیں منتخب کر لی تھیں۔ میری قسمت میں یہ نہ تھا لیکن..... کچھ دیر قبل کی شیرایہ اور ابانیہ کی گفتگو نے میرے اندر یہ جرأت پیدا کر دی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اوہ..... کیا ان دونوں کے درمیان کوئی گفتگو ہوئی تھی۔؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں..... ابھی تھوڑی دیر قبل..... ان کے درمیان ایک ایسی گفتگو ہوئی تھی جس نے میرے اندر یہاں آنے کی جرأت پیدا کر دی۔''

''کیا گفتگو ہوئی تھی۔ مجھے بتاؤ متارا۔''

''ابانیہ شاید یہاں آ رہی تھی۔ شیرایہ نے اس کا راستہ روک لیا۔ اس نے پوچھا کہاں جا رہی ہو ابانیہ..... تو ابانیہ نے بڑے فخر سے بتایا کہ تمہارے پاس۔''

''کیوں.....؟'' شیرایہ نے سوال کیا۔

''اس لئے کہ اس نے مجھے اپنی خلوت میں طلب کیا ہے۔'' ابانیہ نے جواب دیا۔

''نہ جاؤ ابانیہ..... اس کے پاس نہ جاؤ..... وہ کسی کا مرد نہیں ہے..... کیا فائدہ..... میری حیثیت سے عبرت حاصل کر لو..... میں نے ایک رات اس کے ساتھ گزاری..... اور اب زندگی بھر کسی مرد کے آغوش مجھے سکون نہ دے سکے گی وہ آگ ہے..... اس کی قربت روح کو پھونک کر خاکستر کر دیتی ہے اور پھر وہ ٹھکرا دیتا ہے..... ہمیشہ کے لئے..... اور اس کی بخشی ہوئی آگ جسم کو پھونکتی رہتی ہے..... وہ کسی کا مرد نہیں ہے ابانیہ..... وہ

آسمان سے اترا ہوا دیوتا ہے جو ایک دن ہمارے درمیان سے چلا جائے گا...... اور پھر کبھی واپس نہیں آئے گا...... ہم سلگتے رہیں گے...... نہ جا میری بہن نہ جا۔ وہ بے رحمی سے ٹھکرا نا جانتا ہے...... میں تڑپ رہی ہوں...... صرف مجھ سے ہمدردی کر...... خود کو اس آگ کا تماشا نہ دیکھا...... اور شیرا یہ رونے لگی، تب اہانیہ جو لوخیز ہے...... الھڑ ہے، سہم گئی...... اور رک گئی، اس نے تمہارے پاس آنے کا ارادہ ملتوی کر دیا...... اور اب وہ دونوں ایک دوسرے سے ہمدردی کر رہی ہیں۔" انتارا نے ہلکی سی ہنسی سے کہا۔

لیکن میں سنجیدہ تھا...... مجھے الجھن ہو رہی تھی...... میں نے نتارا کی طرف دیکھا اور پھر اس سے بولا...... "تم نے یہ گفتگو کیسے سنی انتارا۔؟"

"اتفاقیہ...... میں بھی ادھر سے گزر رہی تھی۔"

"لیکن تم نے ان کی گفتگو سے عبرت کیوں نہ حاصل کی۔؟"

"کیونکہ میری سوچ ان سے مختلف ہے۔ میرے دل میں تمہاری آرزو تھی۔ میں بھی تمہیں پسند کرتی تھی۔ لیکن نا قابلِ حصول سمجھتی تھی...... میں نے اس گفتگو کو پرکھا...... میں نے سوچا...... اس رات تم اہانیہ کے منتظر ہو گے۔ لیکن وہ نہ پہنچے گی...... اور تم انتظار کرو گے۔" ...... میں نے سوچا...... پسند کا حصول تو زندگی مکمل کر دیتا ہے، اس کے بعد موت بھی آ جائے تو کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ساری زندگی کی حسرت سے اس ایک رات کا حصول بہتر ہے، اگر زندہ رہنا چاہو تو باقی زندگی اس لذت کے احساس میں گزار دو...... وہ تپش تو نہ رہے گی...... سلگنے کے بھی انداز ہوتے ہیں...... کچھ لوگ پانے کی آرزو میں سلگتے ہیں...... کچھ کھونے کے غم میں...... دونوں کی حیثیت ایک ہوتی ہے۔ پھر پا کر کیوں نہ سلگا جائے، تا کہ جو طلب ہے اس کا غم باقی نہ رہے۔"

اور میں اس کی گفتگو پر چونک پڑا...... غیر معمولی عورت تھی۔ گہری سوچ کی مالک اور اس کی بات مجھے پسند آئی...... میں نے اپنی آغوش اس کے لئے وا کر دی۔ "میں اس رات کے لئے تمہیں پسند کرتا ہوں انتارا...... تم ان سے بہتر ہو۔" اور وہ میری آغوش میں سما گئی...... وہ جانتی تھی کہ یہ اس کی خوشیوں کی پہلی اور آخری رات ہے۔ وہ پکی سوداگر تھی۔ چنانچہ...... اس نے زندگی کی بازی لگا دی...... اور اس رات میں وہ کچھ حاصل کر لینا چاہا جو اس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ...... اس نے رات کے آخری لمحات میں بھی مجھے نہ سونے دیا۔ اس کی بس ایک یہی آرزو تھی...... یہ رات اس انداز سے گزارے...... کہ دوسری صبح اس میں زندگی نہ ہو۔ اور اس کی یہ آرزو یقیناً پوری ہوئی۔

اس کی یہی کیفیت تھی۔ اگر میں غیر معمولی انسان نہ ہوتا تو میری بھی یہی کیفیت ہونی چاہئے تھی۔ صبح نہ جانے کون سی قوت مجتمع کر کے وہ میری...... خواب گاہ سے باہر نکلی۔ چلتے وقت اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ وہ نڈھال تھی، لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی...... لیکن یہ دن...... واقعات کا دن تھا، اس چمکدار دن میں زندگی کی رفتار سست نہ رہی...... ہواؤں کے مستول پر چڑھے ہوئے لوگ اچانک چیخنے لگے اور ان کے الفاظ صاف سنائی دیئے تھے۔

"زمین...... زمین۔"

اور یہ الفاظ سن کر سب ہی چونک پڑے تھے...... سب ایک جگہ جمع ہو گئے تھے...... اور سب کی گردنیں اوپر اٹھی ہوئی تھیں...... ان کی

سماعت اسی طرف متوجہ تھی۔

"زمین...... ہمیں زمین نظر آ رہی ہے......" اوپر والوں نے نیچے والوں کو آواز دی۔

"کون سے رخ پر......؟" یوگاس نے چیخ کر پوچھا۔

"جدھر سے سورج بلند ہوا ہے۔" جواب ملا۔ اور نظریں بیک وقت سورج کے طلوع ہونے کی سمت مڑ گئیں...... لوگ زمین تلاش کرنے لگے۔ لیکن خود میری بینائی نے بھی کامیابی حاصل نہ کی۔ یا پھر سمندر کی بلند موجیں ہماری نگاہوں کے سامنے حائل تھیں۔

تب میں آگے اور پیچھے یوگاس مستول کی سیڑھی سے اوپر جانے لگے...... اوپر والے دوسری سیڑھی سے نیچے آ رہے تھے کیونکہ مستول پر ہم دو انسانوں سے زیادہ وزن ڈالنے کے حق میں نہیں تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں مستول پر کھڑے اس بھوری لکیر کو دیکھ رہے تھے، جو صاف نظر آ رہی تھی...... یوگاس کو اس بارے میں کوئی تجربہ ہو یا نہ ہو...... میں بخوبی پہچان گیا تھا کہ وہ زمین ہی ہے...... اور یہاں سے جہاز والوں کی زندگی کا ایک نیا باب کھلے گا...... نہ جانے وہ کیسی زمین ہے...... وہاں کون لوگ آباد ہیں...... بات صرف یہی نہیں تھی کہ ہمیں زمین مل گئی تھی...... ممکن ہے وہ بھی گستارو جیسے کسی سردار کی زمین ہو، اور وہاں مشکلات ہماری منتظر ہوں۔"

لیکن دوسرے لوگوں کے کے ذہن میں ابھی یہ بات نہیں پیدا ہوئی ہو گی...... وہ تو زمین کے تصور سے خوش ہیں اور یہ خیال باندھے ہوئے ہیں کہ زمین پر قدم رکھتے ہی ان پر آسائشوں کے دروازے کھل جائیں گے، اور وہ اپنی اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں گے، منہ اٹھا کر رختِ سفر باندھ لیں گے۔

"وہ زمین ہی ہے آشورے......؟" یوگاس نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں یوگاس...... اس میں کوئی شک نہیں ہے...... لیکن کیا تم اتنی دور سے اس زمین کو پہچان سکتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا آشورے۔؟"

"ہم زمین پر ضرور اتریں گے یوگاس...... لیکن ہمیں اس کی مشکلات کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔"

"مشکلات۔؟" یوگاس کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آیا تھا۔ وہ دیوانہ بھی دوسروں کی مانند صرف زمین نظر آ جانے سے خوش تھا۔

"کیا تم اس کے بارے میں وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ وہ دشمنوں کی سرزمین نہ ہوگی...... ممکن ہے وہاں ایسے لوگ آباد ہوں جو وہاں ہمارے قیام کو پسند نہ کریں۔"

"اوہ......" یوگاس کا چہرہ اتر گیا...... اب اس نے بھی سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیا۔ چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "ہاں یہ عین ممکن ہے کہ وہ ایسی زمین نہ ہو جہاں ہمارے لئے آسائشیں مہیا ہو سکیں...... لیکن کیا اس تصور کے ساتھ ہم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔؟"

"ہرگز نہیں...... یوں تو ہم کسی بھی زمین کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میری مراد صرف یہ ہے کہ نئی زمین نئی مشکلات کے

لئے خود کو پوری طرح تیار کر کے ہمیں اس کا رخ کرنا چاہیے...... ایسا نہ ہو کہ ہم خوشی میں آ کر مشکلات کا شکار ہو جائیں۔"

"تو درست کہتا ہے آشورے...... ہمیں تمام خطرات کے لئے خود کو تیار کر لینا چاہیے۔ لیکن یہاں بھی تو ہماری رہنمائی کر۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔؟"

"جہاز کے تمام جوان تیری بات مانتے ہیں پوگاس...... تو ان میں ایک برتر حیثیت رکھتا ہے...... ان لوگوں سے گفتگو کر کے انہیں ہوشیار اور کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رکھ۔ ہمارے پاس بہترین ہتھیار موجود ہیں۔ ممکن ہے ان کے استعمال کی ضرورت آ جائے...... زندگی گزارنے کے لئے ہر لمحے سپہ گری کے فن سے آشنا رہنا ضروری ہے۔"

"میں تجھ سے متفق ہوں۔ کیا میں ان منتظر لوگوں میں جاؤں اور انہیں ان باتوں سے آگاہ کر دوں۔؟" پوگاس نے پوچھا۔

"ہاں...... بادبانوں کے رخ بھی تبدیل کرا دے۔ ہمیں تیز رفتاری سے اس طرف سفر کرنا ہوگا تا کہ سورج کے روپوش ہونے سے قبل اس زمین پر اتر کر اس کا جائزہ لے سکیں۔"

پوگاس تیزی سے واپس پلٹ پڑا...... اور پھر وہ اسی تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد سارے جوان اس کے گرد جمع تھے اور وہ انہیں میری ہدایات سے آگاہ کر رہا تھا...... میں نے ان لوگوں کے چہروں پر بے پناہ مسرت دیکھی۔ سب کے سب تیزی سے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔

بادبانوں کے رخ بدل دیئے گئے اور پھر جوانوں نے چپو سنبھال لئے۔ جہاز کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز ہو گئی تھی اور چمکتے ہوئے سورج بھی بھوری لکیر برق رفتاری سے واضح ہوتی گئی۔ میری تیز نگاہیں اب اس زمین کا جائزہ لے سکتی تھیں۔ مجھے اس پر درختوں کے جھنڈ سے نظر آ رہے تھے۔ بھورے کنارے سنسان تھے اور وہاں انسانوں کے نقوش موجود نہیں تھے۔ بہت دور ہونے کے باوجود میں نے اندازہ قائم کیا کہ کم از کم ساحل آباد نہیں ہیں۔ آبادی ہے تو درختوں کے دوسری طرف ہے اور یقیناً وہاں ایسے لوگ آباد ہیں جو ابھی جدید ترقیوں سے روشناس نہیں ہوئے ہیں...... اور میں ایسے لوگوں سے خوب واقف تھا۔ ظاہر ہے میرے علاوہ اور کون انہیں جان سکتا تھا۔

جہاز زمین کی طرف چلتا رہا۔ جوانوں میں بے حد جوش و خروش تھا۔ میرا ذہن متضاد خیالات کا شکار تھا اور میری توقع سے بہت پہلے جوانوں نے جہاز کو ریت کی زمین پر پہنچا دیا۔ اب سب لوگ اس زمین کو قریب سے دیکھ سکتے تھے اور دیکھنے والے دیکھ رہے تھے۔ خوشی سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔

میں بھی دیکھ رہا تھا اور بہت دور تک دیکھ رہا تھا۔ میں اپنے خیالات پر اٹل تھا۔ طویل و عریض زمین پر کسی جاندار کا وجود نہیں تھا۔ انسان تو کجا...... جانور بھی نہیں نظر آ رہے تھے۔ ہاں درختوں کی کثرت تھی جن میں ناریل تاڑ اور دوسرے درخت بھی نمایاں تھے...... کھجوروں کے درختوں کی بھی بہتات تھی، گویا زندگی گزارنے کے لوازمات موجود تھے سوائے پانی کے...... پانی مجھے نظر نہیں آ رہا تھا اور میرے ذہن میں یہ علاقہ آباد نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں پانی موجود نہیں ہے۔

جہاز پر اب بھی پانی کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا لیکن اتنا بھی نہیں تھا کہ کوئی متبادل انتظام نہ ہونے کے باوجود زندگی گزاری جا سکے۔ ان حالات میں یہ بیکار زمین تھی لیکن بالکل مایوسی بھی نہیں تھی۔ درختوں کی نمود بھی آخر کسی چیز سے ہوئی ہوگی۔ کم از کم زمین کے نیچے ایسا پانی ضرور موجود ہے جو درختوں کو زندگی دے سکتا ہے ورنہ یہ علاقہ سرسبز نہ ہوتا۔

بالآخر جہاز اتنے پانی میں پہنچ گیا جہاں سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا اور طاقتور بازوؤں والے جوانوں نے چپو چھوڑ دیئے۔ میں نیچے اترنے لگا اور پھر ان کے درمیان پہنچ گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے درمیان نمایاں جگہ دیدی تھی۔

''اب کیا حکم ہے آشورے۔ ہم سب تیری رہنمائی کے منتظر ہیں۔'' پوگاس نے آگے بڑھ کر کہا۔

''سورج کی روشنی میں ابھی کافی جان باقی ہے۔ تاہم دس مضبوط جوان ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میرے ساتھ آئیں۔ میں اس زمین کا جائزہ لوں گا۔ پانچ پانچ جوانوں کی مسلح ٹولیاں زمین پر پھیل کر اتنی اتنی دور تک جائیں جہاں سے انہیں دیکھا جا تا رہے۔ اس کام کے لئے دو آدمی سرچ ٹاور پر چڑھ جائیں جہاں سے وہ ان ٹولیوں پر نگاہ رکھیں اور باقی جوان ہتھیاروں سے لیس جہاز پر منتظر رہیں تاکہ کوئی خطرہ درپیش ہو تو فوری طور پر اس سے نپٹنے کی سعی کر سکیں۔ عورتیں حسب معمول خوراک وغیرہ کی تیاریوں میں مصروف رہیں اور ایک خاص ہدایات اور یاد رکھی جائے...... وہ یہ کہ فوری طور پر پانی کا استعمال کم سے کم کر دیا جائے تاوقتیکہ ہم قابل استعمال پانی تلاش نہ کر لیں۔''

''کیا تم نجات دہندہ آشورے کی ہدایات سمجھ گئے۔؟'' پوگاس نے دوسرے لوگوں کی طرف رخ کر کے کہا۔

''ہاں۔ ہم نے سن لیا۔ ہم ایسا ہی کریں گے جیسی ہدایات ملی ہے۔'' سب نے بیک وقت کہا اور پھر میں نے دس آدمیوں کا انتخاب کیا جن میں پوگاس شامل نہیں تھا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے آشورے؟'' پوگاس نے پوچھا۔

''تمہارا جہاز پر رہنا ضروری ہے پوگاس۔ تم جانتے ہو یہ زمین ہمارے لئے اجنبی ہے۔ ہم نہیں جانتے اس کی کیا کیفیت ہے۔ یہاں کیسے حالات ہمارے منتظر ہیں۔ اس لئے جہاز ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تم ان لوگوں میں سب سے ذہین اور منتظم شخصیت کے مالک ہو اس لئے تم بہتر طور پر اس کی نگرانی کر سکتے ہو۔''

''جو حکم آشورے۔ ہم تیرے حکم کی تعمیل کریں گے۔'' پوگاس نے خوشدلی سے کہا۔ دوسرے پانچ پانچ افراد کی ٹولیاں بھی منتخب ہو گئیں اور پھر ہم پانی کو عبور کر کے ریت کی زمین پر آ گئے۔ بھوری نرم ریت میں پاؤں دھنس رہے تھے۔ ریت شفاف تھی۔ اس پر کوئی نشان نہیں تھا۔ اگر ریت پر نشانات ہوں گے بھی تو ہوا ان کی ترتیب بگاڑ دیتی ہوگی۔ ریت بلندیوں کی طرف گئی تھی چنانچہ ہم یہ بلندیاں عبور کرنے لگے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ ریت کی چوٹی پر پہنچ گیا جہاں سے ڈھلان شروع ہوتے تھے۔

ہوا نے اس علاقے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر سنبھالی ہوئی تھی اس لئے درختوں کے سوکھے ہوئے پتے اور دوسری چیزیں ترتیب سے ایک لائن میں سمٹی ہوئی تھیں۔ ڈھلان پر سب سے پہلے ہماری نگاہ ایک پنجر پر پڑی۔ شاید وہیل مچھلی کا پنجر تھا۔ اچھا خاصا چھوٹا موٹا جھونپڑا معلوم ہو

رہا تھا۔ اس میں تعفن کا کوئی نشان نہیں تھا۔ شاید بہت پرانا تھا۔

ہم اس کے قریب پہنچ گئے اور غور سے اسے دیکھنے لگے لیکن ساخت سے پتہ چلا کہ وہ وہیل مچھلی کا نہیں بلکہ کسی چوپائے کا پنجر ہے لیکن اتنا بڑا چوپایہ...... اس دور میں ممکن نہیں تھا۔ میں نے ابتدائی دور میں بہت بڑے جانور دیکھے تھے۔ انوکھے اور عجیب وغریب لیکن جوں جوں وقت گزرتا رہا۔ وہ جانور مفقود ہوتے گئے۔ شاید انسان کی مشکلات کم کرنے کے لئے عظیم قوت نے انہیں فنا کر دیا تھا ورنہ اگر وہ باقی ہوتے تو دنیا کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے۔

میں نے پنجر سے اس جانور کی ساخت کا پتہ لگایا اور پھر غور کرنے لگا کہ یہ پنجر کتنا پرانا ہوسکتا ہے۔ اگر یہ زیادہ پرانا نہیں ہے تو اس پراسرار سرزمین پر اس کی موجودگی کسی بھیانک خطرے کی علامت تو نہیں ہے۔ کیا ایسے ہی دوسرے جانور بھی یہاں موجود ہوسکتے ہیں۔؟

میرے اندازے سے یہ پنجر زیادہ پرانا نہیں تھا۔ تاہم میں نے اپنے ساتھیوں سے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی اور آگے بڑھ گیا۔ باقی ٹولیاں منتشر ہوگئی تھیں اور میں سیدھا درختوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بے حد گھنے درخت تھے جن کے درمیان راستہ تلاش کرنا بھی مشکل تھا لیکن میں نے مشکلات کی پرواہ کب کی تھی۔ ہاں ان لوگوں کا خیال ضرور تھا جو میرے ساتھ تھے۔ اس لئے میں نے انہیں پشت پر رکھا تھا اور خود آگے آگے چل رہا تھا۔ سورج میں اب بھی زندگی تھی۔ روشنی درختوں سے چھن رہی تھی اس لئے زمین بھی صاف نظر آرہی تھی۔ اس کے علاوہ میرے کان سوکھے ہوئے پتوں کی چاپ پر بھی لگے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کوئی جنگلی درندہ تاک میں ہو۔

لیکن خاموشی تھی۔ بظاہر کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن میرا تجربہ کہتا تھا کہ کوئی خاص بات ضرور ہے۔ اس حصے میں جانوروں تک کی عدم موجودگی کسی خاص بات کی علامت ہے۔ سوائے چھوٹے موٹے کیڑوں مکوڑوں کے اور کوئی جانور نہیں نظر آرہا تھا۔ نہ جانے اس کی کیا وجہ تھی۔

وجہ نامعلوم تھی۔ میں درختوں میں آگے بڑھتا رہا۔ میرے ساتھی خاموش تھے۔ شاید وہ اس پراسرار ماحول سے خوفزدہ تھے۔ بہت دور نکلنے کے باوجود درختوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ ہاں آگے جا کر یہ سلسلہ زیادہ گھنا نہیں تھا بلکہ چھدرا ہوتا گیا تھا...... لیکن...... اتنا راستہ طے کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا اور اچانک یوں محسوس ہوا جیسے سورج کا گولہ ایک جھٹکے سے سمندر میں گر پڑا ہو۔ ایک دم ہی تاریکی پھیل گئی تھی۔

تب میں نے سوچا کہ اگر میں تنہا ہوتا تو دن کی روشنی یا رات کی تاریکی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن میرے ساتھ دس جوانوں کی زندگی کا سوال ہے۔ ان کی زندگی کو خطرات پیش آسکتے ہیں اس لئے آج کی مہم جوئی ترک کی جائے اور باقی کام کل پر چھوڑا جائے۔ شاید وہ لوگ خود بھی یہی چاہتے تھے۔ واپسی کا سفر بہت تیزی سے کیا گیا کیونکہ ہم جلد سے جلد ان درختوں سے نکل جانا چاہتے تھے۔

اور پھر بغیر کسی حادثے یا واقعے کے ہم درختوں کے درمیان سے نکل آئے۔ ویسے میں اس پراسرار سرزمین کے بارے میں زیادہ پرامید نہیں تھا۔ حالات بتا رہے تھے یہاں خطرات موجود ہیں۔ میرے لئے تو تمام خطرات بے ضرر تھے لیکن ان لوگوں کی زندگی کی حفاظت بہرحال میرے ذمہ آپڑی تھی۔

ہم جہاز پر پہنچ گئے۔ دوسری ٹولیاں بھی واپس آگئی تھیں۔ وہ لوگ اپنے ساتھ بہت سے ناریلیں اور کھجوریں لائے تھے اور انہیں صاف کر دیا

گیا تھا۔ ہمارے پہنچنے پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ سب ہمیں گھیر کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''تم میں سے کسی نے کوئی خاص بات معلوم کی۔؟'' میں نے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں نجات دہندہ۔ سوائے ایک کے'' ایک ٹولی کے آدمی نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''میں اپنی ٹولی کے ساتھ جنوبی سمت گیا تھا۔ ہم لوگوں نے کافی تیز رفتاری سے سفر کیا تھا۔ راستے میں ہمیں جانوروں کے پنجر ملے چھوٹے بڑے جانور تھے لیکن ایک تازہ پنجر شیر کا تھا جس کی گردن سلامت تھی لیکن اس کی نچلے جسم کی ہڈیاں تک چبالی گئی تھیں عجیب حالت تھی اس کی۔''

''خوب۔'' میں نے دلچسپی سے کہا۔'' تمہارے خیال میں وہ پنجر کتنا پرانا ہوگا۔؟''

''زیادہ نہیں کیونکہ شیر کی گردن کا گوشت سڑ رہا تھا۔''

ہوں۔ کونسی سمت بتائی تھی تم نے۔؟''

''جنوبی سمت۔''

''ٹھیک ہے۔ کل ادھر کا جائزہ لیں گے۔'' میں نے اس اطلاع پر کسی خاص جوش یا جذبہ کا اظہار نہیں کیا اور پھر سب منتشر ہو گئے۔ جہاز پر موجود لوگوں کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اسی طرح اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے جس طرح سمندر میں سفر کرتے ہوئے رہتے تھے پھر رات کے کھانے کے بعد میں نے انہیں کچھ ہدایات دیں۔ احتیاطاً میں نے دو آدمیوں کو سرچ ٹاور پر اور آٹھ آدمیوں کو جہاز کے چاروں طرف پہرے کے لئے تعینات کر دیا۔ میں نے ان کے اوقات مقرر کر دیئے۔ پوری رات کے لئے چار پارٹیاں ترتیب دی گئی تھیں جنہیں اپنے اپنے وقت پر پہرہ دینا تھا۔ میں نے انہیں خصوصی ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

''چونکہ یہ سرزمین ہمارے لئے نئی اور بالکل اجنبی ہے ممکن ہے یہاں کی رات، یہاں کے بسنے والے درندوں کے لئے شکار کا وقت ہو۔ ممکن ہے یہاں وحشی لوگ آباد ہوں جو جہاز کو دیکھ کر چھپ گئے ہوں اور رات کی تاک میں ہوں اس لئے پہرہ دینے والی پارٹی کی پوری پوری ذمہ داری ہے کہ وہ جاگ کر اور ہوشیاری سے قرب و جوار کے ماحول پر نگاہ رکھے اور اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو شور مچا کر سب کو ہوشیار کر دے۔ اس کے علاوہ سونے والے اپنے اپنے ہتھیار نزدیک رکھ کر سوئیں تا کہ کسی فوری ضرورت پر انہیں ہتھیار تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔''

''ہم ایسا ہی کریں گے آشورے۔'' پوکالن نے کہا۔ یوں پہلی پارٹی کے دو جوان مستول پر چڑھ گئے اور باقی دو دو کی تعداد میں جہاز کے چاروں سمت گشت کرنے لگے، تاکہ سمندر اور خشکی دونوں طرف نگاہ رکھی جائے۔

ان کاموں سے فارغ ہو کر میں آرام کرنے چل پڑا۔ میں اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے والا تھا کہ مجھے شیرایہ نظر آئی۔ وہ شاید میری منتظر تھی۔ میں ٹھٹھک کر رک گیا۔

شیرایہ۔ آہستہ قدموں سے میری طرف بڑھ آئی اور پھر وہ میرے قریب پہنچ کر رک گئی۔ میں اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''کیا آج کی رات میں تیری خدمت میں رہ سکتی ہوں آشورے۔؟''

''تو تو مجھ سے ناراض تھی شیرایہ۔'' میں نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''تجھ سے کون ناراض ہوسکتا ہے آشورے۔ ہاں ہر دل میں تیرے لئے حسرت پیدا ہوسکتی ہے۔ ہر عورت تجھے زندگی بھر کے لئے اپنانے کی آرزو ضرور کرسکتی ہے۔ اور جب آرزوئیں پوری نہ ہوں تو گھٹن لازمی امر ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پاس تیری تسخیر کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔''

''اندر آ۔ میں تجھ سے گفتگو کروں گا۔'' میں نے کہا اور وہ میرے ساتھ اندر آ گئی۔ میں نے اسے اپنی آغوش میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

''تو اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہے۔؟''

''میں پہلے بھی تجھ سے ناراض کہاں تھی آشورے۔ ہاں اس وقت میرے پاس دل کی پیاس بجھانے کا کوئی حل نہیں تھا۔''

''اور اب۔؟'' میں نے پوچھا۔

''اب ہم نے ایک حل تلاش کرلیا ہے بشرطیکہ تو قبول کرلے۔''

''ہم نے۔؟ ہم نے سے کیا مراد ہے۔؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہم سے مراد وہ سب ہیں جو تیرے آرزو مند ہیں جنہیں پوری زندگی جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ تیرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرسکیں۔ لیکن میں نے سب کی مشکل حل کردی ہے۔ اور تجھے حیرت ہوگی آشورے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو دوسروں کو اپنا چکی ہیں۔ وہ تیرے پانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنے مرد منتخب کرلئے۔ یا یوں سمجھ کہ جس مرد نے انہیں قبول کیا انہوں نے اس پر قناعت کی۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ تو قابل حصول ہے تو وہ ہماری خوشامدوں پر اتر آئیں اور انہوں نے ہماری بڑی منتیں کیں۔'' شیرایہ نے بتایا اور مجھے بیساختہ ہنسی آ گئی۔

''یہ مخلوق بھی خوب ہے پروفیسر...... جہاں ہو، جس حال میں ہو، اس کے اپنے مسائل ہوتے ہیں جن کا دماغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انہوں نے اپنی ذمہ داریاں مردوں کو سونپ دی ہیں۔ یہ ان کے برابر آنے کی ہمت کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن عملی زندگی میں ان کی اپنی سوچ بیکار ہے اور بہرحال وہ مردوں کا تسلط قبول کرتی ہیں۔ ان کا صرف ایک ہی مسئلہ ہے جہاں بھی ہوں جس حال میں بھی ہوں اور ٹھیک بھی ہے ان کی بنیاد ہی یہ ہے۔ دنیا کے نمود کے لئے اگر ان کی ضرورت محسوس نہ کی جاتی تو یہ ایک بیکار وجود تھیں۔ میں معذرت خواہ ہوں لڑکیوں۔ لیکن میں صدیوں کے تجربے کی بات کررہا ہوں اور مجھے اپنے تجربے میں کبھی جھول نہیں نظر آیا۔''

اس نے فرزانہ اور فروزاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دونوں لڑکیوں کے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات تھے۔ لیکن انہوں نے اس بحث میں حصہ لینے کی ضرورت نہ محسوس کی۔ تب وہ مسکرایا اور بولا۔

تو پروفیسر...... میں نے شیرایہ سے اس بکواس کی تفصیل پوچھی۔

''جہاں کھانے کا ذخیرہ ہے اور جہاں کھانا تیار ہوتا ہے وہاں ان سب کا اجتماع تھا۔ ان میں اننارا بھی شامل تھی بے حد خوش بے حد

مسرور۔ اتفاق سے ایک لڑکی نے اس سے اس مسرت کی وجہ پوچھی۔

خوب...... پھر......؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

اس نے گزری رات کی داستان سنائی اور ہمیں بتایا کہ کس طرح اس نے ہماری گفتگو سن کر موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے بتایا کہ آشورے اجنبی انسان ہے۔ وہ دیوتاؤں کی دنیا کا باشندہ ہے۔ کوئی اس پر حق کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ہاں وہ جسے قرب بخشدے۔ اسے زندگی میں کسی دوسرے مرد کی تمنا نہیں رہتی۔ اس کے ساتھ گزاری ہوئی ایک رات زندگی کا ماحصل ہے۔ سوان بے شمار راتوں کا کیا فائدہ۔ جو بیزاری سے گزاری جائیں۔ اس نے کہا کہ وہ اس رات کے تصور میں بقیہ زندگی سکون سے گزار سکتی ہے۔ اس نے کہا کہ اسے آشورے پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ خواہ اب پوری زندگی اسے آشورے کی سانس کی قربت نصیب نہ ہو اور ہم سب اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔ ہم نے مل کر سوچا کہ ہم میں سے کون کون اس کی طلبگار ہے۔ تب انہوں نے بھی دل کے راز کہہ دیئے۔ جوان رازوں کو ہمیشہ سینے میں چھپائے رہتی تھیں۔ انہیں اس بات پر بڑی حیرت تھی کہ ہمیں آشورے کی تنہائی نصیب ہو چکی ہے اور یہ کہ وہ خود بھی اس کی قربت حاصل کرسکتی ہیں۔ سو طے ہوا کہ آشورے ایک بہت بڑا حاصل شدہ خزانہ ہے۔ جو بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس میں سے کچھ لے لے۔ اور یہ کسی ایک کا نہیں بلکہ ایک مشترکہ مسئلہ ہے تو کیوں نہ مل بانٹ کر کھایا جائے۔ بشرطیکہ آشورے اسے قبول کرلے اور جسے وہ قبول نہ کرے وہ قسمت پر شاکر ہو جائے اور کسی سے گلہ نہ کرے تب آشورے ہماری ایک انجمن بنی اور متفقہ رائے سے مجھے اس انجمن کا سربراہ بنایا گیا۔ کیونکہ میں تمہاری پہلی عورت تھی اور ان کے خیال میں ان کے بارے میں تم سے گفتگو کرسکتی تھی اور اپنے مسئلے میں تم سے تمہاری رائے معلوم کرسکتی تھی۔'' چنانچہ اعزازی طور پر یہ رات مجھے بخش گئی۔

تم خود غور کرو پروفیسر...... کیا اس سے دلچسپ، اس سے مضحکہ خیز بات کچھ اور ہوسکتی تھی۔ میری طلبگار عورتوں نے ایک انجمن بنائی تھی۔ کتنا بڑا مسئلہ بن گیا تھا میں ان کے لئے۔ شیرایہ کی بکواس پر میں دل کھول کر ہنسا اور وہ بھی ہنستی رہی اور پھر اس نے پوچھا کہ مجھے اس انجمن کے اغراض ومقاصد پر کوئی اعتراض ہے۔؟''

''اس لئے نہیں شیرایہ کہ تم اس کی سربراہ ہو۔'' میں نے اسے خوش کرنے کے لئے کہا اور میری اتنی بات پر عورت کے چہرے کے کنول کھل گئے۔ یہ ہوتی ہے عورت کی کمزوری اور یہ ہوتی ہے اس کی حیثیت۔ تو پروفیسر...... اس رات شیرایہ دوسری بار میرے بازوؤں کی زینت بنی۔ بڑی امنگوں بھری تھی شیرایہ بھی۔ تفصیل کا تصور تم خود کرلو۔ یہاں میری حیثیت نے ایک اور انوکھا رخ اختیار کیا تھا اور یہ رخ مجھے ناپسند نہیں تھا۔

دوسری صبح پرسکون تھی۔ رات کی ذمہ دار مناسب انداز میں اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہے تھے۔ صبح انہوں نے مجھے مشترکہ رپورٹ دی انہوں نے بتایا ساحل سنسان پڑے رہے درختوں کی سمت بھی کوئی تحریک نہیں تھی۔ گویا ابھی تک اس ویران ساحل کی کوئی تفصیل سامنے نہیں آئی تھی۔

لیکن کل کی رپورٹ میرے پیش نگاہ تھی۔ شیر کی تازہ لاش، لاش وہ بھی شیر کی، قابل غور بات تھی۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کسی اتفاقی حادثے کا شکار ہو۔ اس کے جسم کا گوشت گل گیا ہو۔ لیکن یہ تو دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔ ویسے میں کچھ اور انوکھی باتیں سوچ رہا تھا جس کا اظہار بعد میں کروں گا۔

تو یوں سمجھو پروفیسر کہ آج میں اپنی خصوصی قوتوں کو صحیح معنوں میں بروئے کار لانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ پوگاس اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ کل کی مانند آج بھی پارٹیاں ساحل کے بارے میں معلومات کو نکلیں گی، لیکن میں یہ ذمہ داری آج صرف اپنے اوپر رکھنا چاہتا تھا۔

''آج کے لئے کیا ہدایت ہے نجات دہندہ۔؟''

''آج پورے دن تم اس جہاز پر آرام کرو گے پوگاس۔ زیادہ سے زیادہ ساحل پر اتر سکتے ہو۔ لیکن خبردار جہاز سے زیادہ دور نہ جانا جہاز کی مکمل حفاظت کی ضرورت ہے۔''

''تو کیا۔ آج اس جنگل کے اسرار معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔؟'' پوگاس نے حیرت سے پوچھا۔

''یوں سمجھو پوگاس۔ کہ آج اس کے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کر لیا جائے گا۔ ممکن ہے ہم یہاں قیام کریں یا ممکن ہے ابتدائی چند روز اس ساحل پر اتر کر خشکی کا لطف اٹھائیں اور پھر سمندر میں آگے بڑھ جائیں کسی ایسی دوسری زمین کی تلاش میں جہاں کا ساحل ہمارے لئے زیادہ کارآمد ہو۔''

''لیکن آشورے۔۔۔۔؟'' پوگاس بدستور حیرت زدہ تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں پوگاس، پوری بات سنو۔ آج میں تنہا اس علاقے کے حالات معلوم کرنے جاؤں گا اور دور تک جاؤں گا میرا خیال ہے میں یہ کام بخوبی کر لوں گا۔ تمہیں میرے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے آشورے۔ جہاز کا ایک بھی فرد تنہا تیری زندگی خطرے میں ڈالنے کے حق میں نہیں ہوگا تو ہمارے لئے ایک نعمت ہے اگر جنگلات میں تجھے کچھ ہو گیا تو ہم بے سہارا رہ جائیں گے۔''

''مجھے کچھ نہیں ہوگا میرے دوست۔ میری درخواست ہے جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس میں رخنہ اندازی نہ ہو۔ یوں میں بہتر طور سے کام کر سکوں گا۔''

پوگاس منہ کھول کر رہ گیا۔ میرے فیصلہ کن لہجے کے آگے کچھ بولنے کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ تاہم اس کے چہرے سے الجھن صاف عیاں تھی۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔'' تجھے فکر مند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے پوگاس۔ میں تیری ضرورت ہوں خود مجھے اس کا احساس ہے لیکن اگر مجھے خطرات لاحق ہوتے تو میں خود کوئی ایسا قدم نہ اٹھاتا۔ تو مجھ سے واقف نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ ہو جائے گا اس وقت تک جب تک تو مجھ سے واقف نہیں ہے میری باتوں پر بھروسہ کر۔ مجھے کہیں کسی بھی جگہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں جاؤں گا جنگل میں دیکھ کر اندازہ لگاؤں گا اور پھر تیرے پاس واپس پہنچ جاؤں گا۔ ہاں یہ میری ہدایت ہے۔ میں جب تک واپس نہ لوٹوں تو میرا انتظار کرے گا مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔''

''میں تیرے حکم کا احترام کروں گا آشورے لیکن میں سخت بے چین رہوں گا۔'' پوگاس نے گردن لٹکاتے ہوئے کہا۔

''دوسرے لوگوں کو تو خود سمجھا دینا۔ انہیں ہر قیمت پر تیرے حکم کی تعمیل کرنا چاہئے۔'' میں نے کہا اور پھر میں نے اپنے استعمال کے لئے

ایک وزنی کھانڈا ساتھ لیا اور جہاز کی رسی کی سیڑھی سے نیچے اتر گیا۔

خشکی پر آ کر میں نے وہی رخ اختیار کیا جس کے بارے میں کل مجھے اطلاع ملی تھی۔ میرے قدموں کے نیچے ریتیلی زمین تھی۔ یہ ماحول میرے لئے اجنبی نہیں تھا میں نے تو صدیوں تک صحرا گردی کی تھی۔ جہاز کے لوگ مجھے ایک غیر معمولی انسان سمجھتے تھے۔ وہ جو صرف ان میں برتر ہو۔ ان سے طاقتور ہو ان سے ذہین ہو۔ اور بس۔ میری اصل حیثیت ابھی تک ان کے علم میں نہیں آئی تھی۔

اور اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا میں کون سا بے چین تھا انہیں اپنے بارے میں بتانے کے لئے۔ ہاں ان کے ساتھ رہ کر ایک طویل عرصہ سے میں نے اپنے مشاغل چھوڑ رکھے تھے۔ میں نے اپنے دوست ستاروں سے زمانے کی بدلتی حقیقتوں کے نئے راز نہیں معلوم کئے تھے لیکن ان حالات میں یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ میں ان سے اکتا کر اپنے مشاغل نہیں شروع کر سکتا تھا بہر حال میں نے انہیں ایک بڑی مصیبت سے نکال لیا تھا لیکن ابھی ان کی زندگی کو کوئی مناسب راہ نہیں ملی تھی اور انہیں درمیان میں چھوڑ دینا ان کی ہلاکت تھی۔ اس لئے میں چاہتا تھا کہ انہیں کوئی ٹھوس راستہ مل جائے اور وہ اس پر گامزن ہو جائیں۔

ریت کی زمین طے ہوتی رہی۔ جہاز نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور اب مڑ کر دیکھنے سے نظر نہیں آتا تھا۔ پھر مجھے شیر کا وہ ڈھانچہ نظر آیا جس کے بارے میں جہاز والوں نے بتایا تھا۔

میں اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ بلاشبہ انوکھی چیز تھی۔ جسم کا تقریباً سارا گوشت غائب تھا لیکن یہ گوشت گل کر مٹی نہیں بنا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے چبایا گیا ہے کیونکہ ہڈیاں بھی اسی انداز سے کچلی ہوئی تھیں جیسے انہیں کسی نے چبایا ہو۔

جنگل کا کوئی جانور اتنے مضبوط جبڑے نہیں رکھتا جو شیر کی ہڈیاں چبا سکے۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا اور پھر یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کام مردہ شیر کے ساتھ کیا گیا ہے یا جس وقت شیر شکار ہوا وہ زندہ تھا۔ بہر حال دلچسپ صورت حال تھی۔ کیا جنگل میں ایسا کوئی عفریت بھی موجود ہے جو شیر تک کو خاطر میں نہ لائے مگر وہ کونسا جانور......؟ کتنا بڑا ہے......؟

اس کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ میں نے اپنی تفتیش شروع کر دی۔ شیر کا مکمل جائزہ لینے کے بعد میں نے اس کے قرب و جوار میں دیکھا...... وقت یہ تھی کہ ہوا ریت کے نقوش بگاڑتی رہتی ہے۔ شیر کے ڈھانچے کے نزدیک بھی ریت ہموار تھی اس پر کوئی نشان نہیں تھا۔ تب میں نے درختوں کی سمت دیکھا اور پھر میں اندازے سے درختوں کی طرف چل پڑا۔ میں نے وہ سیدھ اختیار کی تھی جو شیر کی سمت آتی تھی۔

درختوں کی جانب چلتے ہوئے میرا ذہن ایک خاص انداز میں سوچ رہا تھا۔ شیر کی لاش کی موجودگی ظاہر کر رہی تھی کہ یہاں جانوروں کا وجود ضروری ہے لیکن...... کیا ان جانوروں نے یہ جنگل خالی کر دیا ہے.؟ کیوں......؟ کیا ان جنگلات میں کوئی ایسا وجود موجود ہے جس سے وہ خوفزدہ ہیں.؟

لیکن وہ ایسا کونسا جانور ہے جو شیر کے لئے بھی ہیبت ناک ہے.؟

مجھے اسی کی تلاش تھی اور تھوڑی دیر کے بعد میں درختوں کے پاس پہنچ گیا...... اور یہ دیکھ کر میری ہمت بندھی کہ گھنے درختوں کے درمیان ایک پگڈنڈی سی موجود ہے۔ گویا یہ درختوں کے اندر جانے کا راستہ تھا۔ میں اسی راستے پر چل پڑا۔ تب میں نے کچھ اور حیرت انگیز مناظر دیکھے۔

مجھے اندازہ ہوا کہ یہ راستہ قدرتی نہیں ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی پہاڑ نما شے یہاں سے گزری ہو اور اس کے بدن کی ٹکر سے یہ راستہ بن گیا ہو۔ درختوں کی شاخیں ٹوٹ ٹوٹ کر لٹک گئی تھیں۔ سوکھ کر خشک ہو گئی تھیں۔ یہ شاخیں یقیناً اس وجود کے راستے میں آئی ہوں گی اور اس نے انہیں معمولی تنکے کی مانند توڑ دیا ہوگا۔ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا حیرت انگیز انکشافات ہو رہے تھے۔ بات صرف شاخوں تک ہی محدود نہیں تھی، درخت بھی اکھڑے ہوئے تھے۔ خوفناک وجود نے انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا تھا۔ آخر وہ کونسا جانور ہے جو اس قدر جسیم، طاقتور اور خوفناک ہے۔ اور اگر جنگل میں اس جانور کا وجود ہے...... تو پھر...... وہ جہاز کے کمزور انسانوں کے لئے خوفناک بھی ہے۔ کیا ان حالات میں اس سرزمین پر سفر کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔؟

ہاں، اگر وہ میرے سامنے آ جائے...... تو پھر میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ بھی کر سکتا تھا۔ اب مجھے اس کی تلاش تھی اور میں ایسی کسی انوکھی شے کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے تلاش کئے بغیر یہاں سے جانا بھی میرے لئے ممکن نہیں تھا۔

میں آگے بڑھتا رہا...... دیکھوں تو...... ان درختوں کا اختتام کہاں ہوتا ہے...... یوں میں نے درختوں کی دوسری طرف کا طویل سفر طے کیا۔ لیکن دلچسپ بات تھی کہ یہاں میں نے کسی چھوٹے بڑے جانور کو نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ پرندے بھی موجود نہیں تھے۔ سوائے حشرات الارض کے، جو مجھے کہیں کہیں رینگتے نظر آ جاتے تھے۔ شاید وہ بھی یہاں رہنا پسند نہ کرتے۔ اگر وہ سست رفتار اور ناسمجھ نہ ہوتے۔

تب...... اچانک مجھے درختوں کی دوسری طرف کی زمین نظر آئی۔ درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور پروفیسر...... کیا ہی خوبصورت زمین تھی۔ قدرت نے اس بدنما کنورے کے درمیان ایسے نقوش دیئے تھے جو انسان کا دل موہ لیتے تھے...... سبز زمین...... خوبصورت گھاس سے لدی ہوئی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس بدنما حصے کی دوسری طرف ایسا سبزہ زار ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں جو کسی وسیع علاقے میں بنے ہوئے مکانات معلوم ہوتے تھے اور سب سے خاص بات یہ تھی کہ دور...... کافی دور، ایک خوبصورت ندی گنگناتی ہوئی گزر رہی تھی، نہ جانے یہ ندی کہاں سے آئی تھی اور کہاں تک گئی تھی، تاحد نگاہ یہ حسین منظر پھیلا ہوا تھا۔ اس زمین کے قریب سے گزرنے والے جہاز یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ درختوں کے دوسری طرف قدرت کا ایسا حسن پوشیدہ ہوگا۔

تو اس حسین خطے نے میرا دل موہ لیا پروفیسر...... اور میں نے سوچا کہ یہاں تو کافی عرصے تک قیام کیا جا سکتا ہے۔ اس خوفناک عفریت کے تصور کو نظر انداز کرتے ہوئے یہاں کے حسن سے لطف اندوز نہ ہونا بدذوقی ہے...... اونہہ...... دیکھا جائے گا...... میں کس سے خوفزدہ ہو سکتا ہوں...... رہ گیا جہاز والوں کی حفاظت کا سوال تو یہ ذمہ داری بھی میں ہی قبول کرلوں گا اور میں نے مزید آگے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ جاتا بھی کہاں۔ دور دور تک کے مناظر میری نگاہ میں تھے۔ چنانچہ میں نے ایک نزدیکی پہاڑی پر چڑھ کر یہ مناظر دیکھے اور پھر پہاڑی سے اتر آیا۔ میں جہاز والوں کے لئے ایک عمدہ خوشخبری لے کر جا رہا تھا۔

واپسی کے سفر میں بھی کوئی خاص بات نہ تھی۔ مجھے تو ان مناظر میں کھو کر وقت کا احساس بھی نہیں ہوا تھا لیکن جہاز والے میرے لئے سخت بے چین تھے کیونکہ جب میں واپس پہنچا تو سورج کا اتار شروع ہو گیا تھا۔

پوگاس وغیرہ نے مجھے دور سے دیکھا اور خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ وہ میری زندہ سلامت واپسی سے بہت خوش تھے۔ پوگاس جہاز سے کود کر میری طرف لپکا اور میرے قریب پہنچ گیا۔

''اوہ۔ آشورے۔ دیوتاؤں کی مہربانی سے تو زندہ سلامت لوٹ آیا ہے۔ ہمارے لئے اس سے زیادہ مسرت کی اور کوئی بات نہیں ہے۔''

''تم میرے لئے پریشان تھے پوگاس۔؟''

''نہ صرف میں...... بلکہ جہاز کے دوسرے لوگ میری اس بات سے ناخوش تھے کہ میں نے آشورے کو تنہا روانہ کر کے ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔''

''ہاں...... وہ مجھ سے ناواقف ہیں اور تو بھی۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور پوگاس کے ساتھ جہاز پر پہنچ گیا۔ سب لوگوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ ''کیا تو نے درختوں کے دوسرے سرے کا جائزہ لیا آشورے۔ کیا اس زمین پر درختوں کے علاوہ بھی کچھ ہے...... کیا یہاں آبادی کا وجود ملتا ہے۔؟'' بہت سے لوگوں نے مجھ سے سوال کیا۔

''یہ سرزمین تمہارے تصورات کے بالکل برعکس ہے دوستو۔ اس سرزمین کے حسن کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں کچھ اور خیالات ابھرے ہیں جو تمہارے لئے خوشگوار نہ ہوں گے لیکن میں انہیں تمہارے سامنے پیش کرنے سے باز نہ رہوں گا۔''

''ہمارے بارے میں تو جو کچھ سوچے گا وہ یقیناً ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔ ہمیں یقین ہے آشورے۔'' بہت سے لوگوں نے بیک وقت کہا۔

''تو پہلے اس سرزمین کے بارے میں جانو دوستو...... درختوں کے دوسری طرف...... ایک طویل و عریض میدان ہے جس کے طول و عرض کے بارے میں نہ میں اندازہ لگا سکا ہوں اور نہ تم کوئی اندازہ لگا سکو گے۔''

''میدان......'' بہت سے لوگ بیک وقت بولے۔ ''اس میدان میں کیا ہے آشورے۔؟''

''سرسبز گھاس، درخت، پہاڑیاں...... اور ٹھنڈا پانی۔''

''پانی۔'' سب خوشی سے چیخ پڑے۔

''ہاں...... زندگی گزارنے کا سب سے اہم ذریعہ...... دوستو...... کیا تم ایک اور طویل سفر کے لئے تیار ہو۔؟''

''ہم تھک چکے ہیں آشورے۔ اس وقت تک جب تک ہمارے سامنے کوئی راستہ نہ ہو۔''

''تمہارا خیال درست ہے۔ آبادیاں یونہی نہیں بنتی ہیں۔ انسان کسی جگہ جمع ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ شہر اسی طرح تشکیل پاتے ہیں۔ تم مختلف علاقوں کے باشندے ہو۔ اگر تم اپنی زمین پر جانے کا تصور کرو تو یہ ناممکن بھی ہو سکتا ہے۔ نہ جانے تم کہاں سے کہاں جا نکلو۔ نہ جانے کتنے لوگ سمندری سفر سے زندہ بچیں...... اور کتنے موت کا شکار ہو جائیں...... یہ زمین تمہارا استقبال کرنے کو تیار ہے۔ میری رائے ہے تم یہاں آبادی تشکیل دو...... زندگی کی ہر ضرورت موجود ہے۔ غذا حاصل کرنے کے ذرائع اور عورت...... یہی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس زمین کو آباد کرو...... یہاں کھیتی باڑی کرو...... اور اس کو ایک عظیم آبادی بنا دو۔''

میری باتوں پر سب غور کرنے لگے۔

"ابھی فیصلہ نہ کرو..... کل ہم درختوں کے دوسری سمت چلیں گے۔ اس جگہ کو دیکھیں گے۔ اس دوران تم اپنی عورتوں سے مشورے کر لینا۔ تمہیں اگر خشکی مل جائے۔ کوئی اجنبی خطہ مل جائے۔ وہاں تم ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بارے میں سوچو گے۔ وہاں تمہاری سوچ سینکڑوں الجھنیں لئے ہوگی لیکن یہاں آباد ہونے میں کوئی دقت نہیں ہے۔"

"ہم تیری رائے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں آشورے۔ لیکن کیا تو یہاں ہمارے ساتھ رہے گا۔؟" پوگاس نے پوچھا۔

"ہاں..... اس وقت تک جب تک تم اطمینان سے زندگی کی راہ پر نہ چل پڑو۔ تمہارے راستے کی ساری مشکلات دور نہ ہو جائیں۔ یا پھر حالات کوئی ایسا رخ نہ اختیار کر لیں جو ہمارے لئے دوسرا راستہ متعین کرے۔"

"ہمیں یہ رات دے آشورے۔ ہم اپنی عورتوں سے گفتگو کر لیں۔"

"میں تمہیں یہ رات دے چکا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میرے اشارے پر وہ سب منتشر ہو گئے لیکن میرے لئے ایک سوچ باقی تھی اور وہ تھی اس انوکھے عفریت کا تصور..... میرا تجربہ یہی کہتا تھا کہ یہ حسین خطہ بلا وجہ ویران نہیں ہے۔ کوئی ایسی شے یہاں ضرور موجود ہے جس کی وجہ سے جانوروں نے بھی جنگل چھوڑ دیا ہے..... لیکن..... ممکن ہے ان کے لئے یہ شے ناقابل تسخیر ہو لیکن میری موجودگی انہیں اس سے نجات دلا سکتی تھی۔ تردد صرف اس بات کا تھا کہ اگر کوئی ایسی شے یہاں موجود ہے تو وہ ان لوگوں میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچا دے۔ بہرحال اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔ اگر جہاز کے لوگ یہاں قیام نہ کرنا چاہیں تو میں انہیں مجبور نہیں کروں گا اور خوشی سے جہاز ان کے حوالے کر کے انہیں جانے کی اجازت دے دوں گا..... رہا میرا سوال..... تو میں تو اس کے بارے میں جانے بغیر یہاں سے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جہاز کے لوگ آپس میں صلاح مشورے میں مصروف رہے اور سورج سفر طے کرتا رہا..... رات کے کھانے کے بعد حسب معمول جہاز پر پہرے کا انتظام کر دیا گیا..... جس کے بارے میں پوگاس نے مجھ سے ایک سوال کیا اور میں خود چاہتا تھا کہ وہ لوگ جان لیں اور میں نے اسے لاعلم نہیں رکھا۔ پوگاس نے مجھ سے پوچھا۔

"پہرے کے باقاعدہ انتظام سے معلوم ہوتا ہے آشورے۔ کہ تو ابھی اس علاقے سے زیادہ مطمئن نہیں ہے۔"

"تیرا خیال درست ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو یہاں کیا خطرہ محسوس کرتا ہے؟ کیا یہاں آبادی موجود ہے؟"

"میرے خیال سے دور دور تک کوئی انسانی آبادی نہیں ہے۔"

"کیا انسان یہاں تک پہنچ نہیں سکے۔؟"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو..... یا ممکن ہے وہ یہاں زندگی نہ گزار سکے ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا یہاں خطرناک جانور موجود ہیں۔؟"

"بظاہر نہیں، ویسے میرا خیال بھی یہ ہے کہ یہاں جانور موجود نہیں ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔" یوگاس نے کہا۔

"لیکن میں نے یہاں شیر کی لاش دیکھی تھی۔"

"اوہ۔"

"جس کا مطلب ہے کہ جانور یہاں موجود تھے یا ممکن ہے موجود ہوں اور اس علاقے سے خوفزدہ ہو کر کہیں دور جا بسے ہوں۔"

"خوف کی وجہ۔؟" یوگاس نے کہا۔

"شیر کی لاش ظاہر کرتی تھی کہ اسے کسی بے پناہ طاقتور جانور نے شکار کیا ہے۔ اس جانور نے اس کی ہڈیاں چبا ڈالی ہیں اور ایسا جانور معمولی نہ ہوگا۔"

"اوہ۔ گویا یہاں اس کا وجود ہے۔؟"

"ہاں۔ جانوروں کے نہ ہونے کا سبب وہ وجود بھی ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ایسی کیا شے ہو سکتی ہے۔؟"

"میں اسی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"تب تو ہمیں بھی اس سے خطرہ درپیش ہو سکتا ہے۔؟" یوگاس نے متاثر لہجے میں کہا۔

"یقینی امر ہے یوگاس۔ کل روانگی سے قبل میں اس بارے میں تم سے ضرور گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دوست، میں ہر حالت میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر تم میں سے کوئی بھی شخص کسی پریشانی کا شکار ہو گیا تو مجھے شدید دکھ ہوگا۔ میری ایک رائے ہے۔"

"وہ کیا آشور ے۔؟"

"جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہاں کسی ایسی عفریت کے وجود کا امکان ہے جو ہمارے فہم سے باہر ہے۔ ممکن ہے اس سے ہمیں نقصان بھی پہنچ جائے۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس سرزمین کو پسند کر کے یہاں آباد ہو جاؤ۔ اور یہاں پیش آنے والے ہر خطرے سے نپٹنے کے لئے خود کو تیار رکھو۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ جہاز یہاں سے آگے لے جاؤ اور قسمت کے سہارے آئندہ عمل کا راستہ تلاش کرو۔ مجھے ان دونوں باتوں میں سے کسی پر اعتراض نہ ہوگا۔"

"تو ہمارے لئے کیا بہتر سمجھتا ہے آشور ے۔؟" یوگاس نے پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اگر تم یہاں زندگی گزارنا پسند کر لو۔ تو یہ میری پسندیدہ بات ہوگی۔ دوسری صورت میں، میں تمہیں اس زمین پر الوداع کہہ دوں گا...... کیونکہ میری سرشت میں شامل ہے کہ کسی جستجو کو ادھورا نہ چھوڑوں۔"

"اوہ...... تو...... کیا تو...... اگر ہم یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیں...... تو کیا تو ہمارے ساتھ نہ ہوگا۔؟"

''نہیں..... کیونکہ یہ زمین مجھے پسند آئی ہے اور اس عفریت کو تلاش کئے بغیر میں یہاں سے نہ جاسکوں گا۔''

''پھر ہمارے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔'' پوگاس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''نہیں پوگاس..... یہ صرف تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔''

''اور ہم صرف تیری قربت چاہتے ہیں۔''

''دوسروں سے مشورہ کرلو پوگاس..... تمہاری زندگیوں کو خطرات بھی پیش آسکتے ہیں۔''

''ہماری زندگی کو سخت خطرات لاحق تھے بلکہ ہماری زندگی ہی کہاں باقی رہی تھی..... وہ تو تیری رہین منت ہے۔ اگر تو ہمارے ساتھ ہوگا تو ہم ہر خطرے کا مقابلہ کریں گے۔''

''پھر بھی میری خواہش ہے کہ تم دوسروں سے مشورے کرلو۔''

''میں تیری خواہش کا احترام کروں گا۔'' پوگاس نے کہا اور پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا..... پوگاس کو اس خطرے سے آگاہ کرنے کے بعد مجھے کافی اطمینان ہوگیا۔ اب سب لوگ اس سے آگاہ ہونے کے بعد فیصلہ کریں گے اور ساری ذمہ داری میرے اوپر ہی نہ ہوگی۔

میں اطمینان سے اپنی خواب گاہ کی طرف چل دیا اور یہاں سے حسن و عشق کی کہانی پھر شروع ہوتی ہے پروفیسر..... میں شیرا یہ کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ کیا خوب پروگرام بنایا تھا ان خوبصورت لڑکیوں نے۔ میرے عیش تھے..... میری ضرورت پوری کرنے کا انہوں نے خوب انتظام کیا تھا جسے وہ بظاہر اپنی ضرورت محسوس کرتی تھیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ میری اس رات کی ساتھی کون ہے..... اور میرے کان قدموں کی آہٹ تلاش کرنے لگے..... زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا..... میری خواب گاہ کے دروازے پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔

''کون ہے..... آجاؤ.....'' میں نے پکارا..... لیکن آنے والا آگے نہ آیا۔ تب میں خود ہی آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا..... اس رات کی حسین ساتھی کو دیکھ کر میں چونک پڑا..... وہ ابانیہ تھی..... پوگاس کی بہن ابانیہ..... پراسرار لڑکی جس نے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''ابانیہ.....'' میں نے آہستہ سے اسے پکارا..... اور پھر میں اس کا بازو پکڑ کر اندر لے آیا..... ابانیہ کا جسم مہک رہا تھا، کنوار پن سے..... اس کے سینے میں زیر و بم تھا..... دبلی پتلی سی یہ لڑکی جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی..... میں نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا اور پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ''ابھی تک ناراض ہو ابانیہ۔؟'' میں نے پوچھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں آشورے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''پھر خاموش کیوں ہو۔؟''

''تو تو مجھ سے ناراض نہیں ہے۔؟''

''نہیں ابانیہ..... میرے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

"میں نے تیری حیثیت کا غلط انتخاب کیا تھا آشورے۔" وہ سسکی سی لے کر بولی۔ "میں نے تجھے خود میں سے ایک جانا تھا..... یہ میری بے وقوفی تھی..... تجھے شاید یاد نہ ہو..... تو نے غور بھی نہ کیا ہو..... اس وقت..... جب ہم پنجروں سے نکالے جارہے تھے..... سی سارا کے ایک خونخوار محافظ کا کوڑا میری طرف اٹھا، لیکن تیرے حکم سے رک گیا..... ہم اس وقت جانوروں کی حیثیت میں تھے آشورے..... لیکن اس کے باوجود میں تیری مہربانی نظرانداز نہ کرسکی، میں نے تجھے دیکھا اور انوکھے انسان میری تکلیفوں میں ایک اور تکلیف کا اضافہ ہوگیا..... میرے دل نے تیری محبت کا اعلان کردیا تھا..... میں نے اس تکلیف کو بھی دوسری تکلیفوں میں شامل کرلیا..... پھر تو ہمارے محافظ کی حیثیت سے میرے سامنے آیا..... میں نے تجھے دیکھا، اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہماری سرپرستی ایک مہربان شخص کررہا ہے۔..... پھر میرے بھائی نے تجھے قتل کرنے کا فیصلہ کیا..... مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ سازش تیرے خلاف ہورہی ہے..... میں تیری ہی تو بیمار تھی آشورے۔ لوگاس ناکام رہا اور تو نے اس پر نہ صرف مہربانی کی بلکہ میری دوا بھی کردی..... اگر وہ دوا تیری دی ہوئی نہ ہوتی تو آشورے، تو میں ٹھیک نہ ہوتی..... ان تمام باتوں کو سامنے رکھے، تو میرا قصور بھی کم ہوجائے گا..... ہاں..... میں نے نادانی کی کہ تجھ سے اپنی محبت کا جواب چاہا..... مگر اب مجھے احساس ہوگیا ہے آشورے..... تو آسان ہے..... سن آشورے..... میں ان عورتوں میں اس لئے شامل ہوئی تھی کہ ایک بار تجھے دل کا حال کہہ دوں..... میری خوشی پوری ہوگئی ہے..... تو میرا دیوتا ہے۔ میں صرف تیری پجارن بن کر رہنا چاہتی ہوں..... اگر میری باتیں ناگوار گزری ہوں تو مجھے معاف کردے..... اگر میری وجود تیرے لئے الجھن بن جائے تو مجھے جانے کی اجازت دے دے۔"

مین نے ایک بار پھر غور سے اس دبلی پتلی لڑکی کو دیکھا..... یہ بیچاری میرا ساتھ کیا دے سکتی ہے..... لیکن رات کی محبت اسے بھی دے دوں تو کیا حرج ہے..... وہ امیدیں لیکر آئی ہے..... ہاں یہ ممکن تھا کہ بعد کی ملاقاتوں میں، میں اسے ایک خاص حیثیت بخش دوں..... اس لئے میں نے اس کا دل نہ توڑا..... اور کہا۔ "تو اگر پسند کرے اہانیہ..... تو یہ رات میرے ساتھ گزار۔"

"میں حاضر ہوں آشورے۔" اس نے کہا۔ "بتا میں تیری کیا خدمت کروں۔؟"

"کیا میرا حصول تیری خواہش نہیں ہے۔؟"

"ہے آشورے..... بشرطیکہ تیری عظمت مجروح نہ ہو....."

"یہ تیری خوشی پر منحصر ہے اہانیہ..... میں تجھے مجبور نہ کروں گا۔" میں نے بددلی سے کہا..... اور وہ میری شکل دیکھنے لگی..... پھر اس نے میرے چہرے سے نہ جانے کیا اندازہ لگایا..... وہ آگے بڑھی..... اور میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"میں حاضر ہوں آشورے۔" اس نے کہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے..... میں نے اس وقت ان تمام تاثرات کو نظرانداز کردینا ہی مناسب سمجھا..... یہ لڑکی پہلے بھی الجھن بنی ہوئی تھی اور اس وقت بھی الجھن ثابت ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے اس الجھن کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔

صبح میں نے اس کے چہرے پر شگفتگی ہی دیکھی تھی اور اس دبلی پتلی سی نازک اندام لڑکی کو دیکھ کر پروفیسر مجھے تھوڑی سی شرمندگی سی ہوئی

تھی۔ عورت جسمانی طور پر کیسی ہی ہو۔ بحیثیت عورت ایک طاقتور مقام رکھتی ہے اور ابانیہ بھی دوسری عورتوں کی مانند طاقتور تھی۔

پھر وہ چلی گئی اور میں آرام کرتا رہا۔ پھر جب روشنی پوری طرح ابھر آئی۔ تو میں باہر نکل آیا...... جہاز کے لوگ پوگاس کی نگرانی میں اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے...... میں نے بھی چند ضروری باتوں پر غور کیا تھا۔ مثلاً جہاز پر موجود سامان..... کیا اسے جہاز پر چھوڑ دیا جائے..... یا اس کی حفاظت کے لئے کچھ لوگوں کو چھوڑا جائے۔؟

لیکن میرے خیال ان میں سے تمام مردوں اور عورتوں کو ان کی رہائش کی جگہ دکھا دی جائے، تا کہ بعد میں کسی کو یہ احساس نہ رہے کہ اس پر فیصلے مسلط کئے گے بہرحالی جہاز کو اس کے حال پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ہاں اسے مضبوطی سے لنگر انداز کرنے کے بارے میں غور کر لیا گیا تھا۔ سورج میں خوب چمک آ گئی تھی۔ جب جہاز کے لوگ کیل کانٹے سے لیس ہو کر جہاز سے اترے، ایک لمبی قطار تھی...... سامنے آدھے مسلح مرد تھے، ان کے درمیان عورتیں اور باقی آدھے مرد پشت پر تھے...... اور ان سب کی رہنمائی میں کر رہا تھا۔ میں انہیں اسی طرف لئے جا رہا تھا...... جو راستہ کل میں نے دریافت کیا تھا۔

درخت اب بھی پر سکون تھے اور ان میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ہم خاموشی سے فاصلہ طے کرتے رہے۔ بالآخر درختوں کے درمیان کا طویل سفر ختم ہو گیا..... اور جب ہم نے درختوں کے دوسری طرف قدم رکھا۔ تو کوئی نہ تھا جس کے منہ سے حیرت و تعجب کی آواز نہ نکلی ہو..... کون تھا جس کی آنکھوں میں پسندیدگی اور فرحت کے آثار نہ ابھر آئے ہوں۔

''حیرت انگیز...... دیوتاؤں کی قسم حیرت انگیز۔'' پوگاس نے کہا۔

''یہ یقیناً دیوتاؤں کی سرزمین ہے۔'' اس کے برابر کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔

''بلاشبہ...... اس ویران خطے میں اس جگہ کا وجود حیرت انگیز ہے۔'' تیسرے آدمی نے کہا۔

''اس زمین کو دیکھ کر...... آشورے...... کون ہے جو یہاں سے جانے کے بارے میں سوچے گا۔''

''لیکن ان سب کی رائے لینا ضروری ہے..... ممکن ہے کچھ ہوں، جو ہم سے متفق نہ ہوں۔'' میں نے اعتراض کیا۔

''ہاں...... میں سب سے معلوم کروں گا...... کیا ہم آگے بڑھیں آشورے۔؟''

''آؤ۔'' میں نے کہا اور سبز گھاس پر ہم آگے بڑھ گئے...... پروفیسر حیرت انگیز گھاس تھی...... مخمل کی طرح نرم اور خوشگوار، سب کی عجیب کیفیت تھی...... وہ اس خطے کے حسن کے سحر میں گرفتار تھے اور وارفتگی سے آگے بڑھ رہے تھے...... چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ہم خوبصورت ندی کے نزدیک پہنچ گئے۔

اور ندی کے شفاف پانی کے نیچے چمکدار سنگریزوں کو دیکھ کر عورتیں دیوانی ہو گئیں۔ بہت سے لوگ ندی کے پانی کو چکھنے لگے۔ تب اعلان کیا گیا کہ ندی کا پانی انتہائی شیریں اور خوشگوار ہے۔

''اس کے قرب و جوار کی زمین قابل کاشت ہے...... ہم اس پر عمدہ فصلیں اگا سکتے ہیں۔'' پوگاس نے کہا۔

''میرے خیال ہے قیام کے لئے یہ مناسب ترین جگہ ہے۔تم پہاڑی کی دیوار دیکھ رہے ہو......اگر اس دیوار کو پشت پر کر کے اس کے دامن میں مکانات بنا لئے جائیں تو...... یہ محفوظ ترین جگہ ہوگی۔''

''یقیناً......ندی یہاں سے قریب ہے۔درخت یہاں سے زیادہ دور نہیں ہیں اور پھر سمندر بھی قریب ہے۔سمندر سے ہم مچھلیاں حاصل کر سکتے ہیں...... پانی اور غذا دونوں چیزیں موجود ہیں......کیا خیال ہے......میں باقاعدہ دوسرے لوگوں سے گفتگو کر لوں۔؟''

''ہاں......ابتدا کرو......تاکہ ہم اپنا کام شروع کریں۔''

''بہتر۔'' پوگاس نے کہا اور پھر وہ ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا اور اس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔''سنو...... جہاز کے لوگو سنو......نجات دہندہ کی اجازت سے میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' اور سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں تمام مردوں......تمام عورتوں سے مخاطب ہوں۔دوستو۔ یہ جگہ کیسی ہے۔؟''

''بہت خوبصورت......بہت حسین۔'' سب نے جواب دیا۔

''تو پھر سنو میرے ساتھیو......ہم لوگ مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ہمارے دوسرے بھائی بھی تھے۔لیکن سی سارا نے کسی کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ان میں سے سب مارے گئے......باقی جو ہمارے قبیلوں میں تھے......ہمیں صبر کر چکے ہوں گے۔گویا اب ہماری زندگی ان کی نگاہ میں نہ ہوگی۔اگر غور کریں تو ہم سب سی سارا کی قید میں جا کر مر چکے تھے۔ہماری کوئی حقیقت نہ تھی۔ہم غلام ہوتے،اور ہمارے آقا جہاں چاہتے ہمیں رکھتے۔یوں ہم کبھی اپنوں سے نہ مل سکتے تھے......کیا یہ درست ہے۔؟''

''یقیناً......؟'' اس بار بھی تمام آوازیں ابھریں۔

''دوستو۔سمندر بیکراں ہے......اس میں آبادیوں کا کوئی نشان نہیں ہے......وہ طوفانوں کا مرکز ہے......کوئی بھی طوفان ہمیں سمندر نشین کر سکتا ہے......کیا یوں زندگی کھو دینا جائز ہے۔؟''

''ہرگز نہیں۔'' جواب ملا۔

''ہم آبادیوں کی تلاش میں سمندر میں سرگرداں رہ سکتے ہیں۔لیکن یوں ممکن ہے ہم پھر کسی سی سارا کی قید میں جا پھنسیں اور ممکن ہے پوری زندگی سمندر میں بھٹکتے ہوئے گزر جائے اور پھر بے کراں سمندر پر زندگی کتنی طویل ہو سکتی ہے......غذا ختم ہو جائے گی۔ پانی ختم ہو جائے گا......اور اس کے بعد نہایت اطمینان سے زندگی ختم ہو جائے......تو ہماری زندگی کا یہ المناک انجام مناسب ہے۔؟''

''ہرگز نہیں......ہم یوں مرنا نہیں چاہتے۔''

''تب پھر یہ میری......اور نجات دہندہ کی رائے ہے کہ ہم اس خوبصورت خطے کو اپنا نیا وطن بنائیں......ہمارے آباؤ اجداد بھی یہی کرتے آئے ہیں......انہوں نے گروہ بنائے جن میں عورتیں اور مرد شامل ہوتے تھے اور ویرانوں کو آباد کیا......اولادیں پیدا کیں اور شہر تشکیل ہو گئے......ہمارے پاس بھی عورتیں ہیں۔جو ہم سے محبت کرتی ہیں۔ہماری اپنی ہیں۔یہ خطہ زمین خوبصورت ہے۔ضروریات کی دولت سے مالا مال ہے......

یہاں پانی موجود ہے...... قابل کاشت زمین ہے...... سمندر ہے جہاں سے مچھلیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ جب سب کچھ موجود ہے تو پھر کیوں نہ اسے اپنالیا جائے...... کیوں نہ یہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کیا جائے۔؟''

لوگ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئے...... ان کے چہروں پر کشمکش ابھری۔ انہوں نے اداسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان کی نگاہیں اطراف میں بھٹکنے لگیں...... اور خوبصورت ماحول نے ان سے سفارش کی۔ تب یکے بعد دیگرے آوازیں ابھرنے لگیں۔

''سمندر میں بھٹکنے کے بجائے اس آبادی کو اپنا لینا بہتر ہے۔''

''سمندر میں موت سرگرداں ہے۔ ہمیں راستوں کا اندازہ نہیں ہے۔''

''ہم میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم کہاں جانکلیں گے۔''

''ممکن ہے کوئی دوسری ایسی سرسبز زمین نہ ملے...... اور ہم اس کے لئے کف افسوس ملتے رہیں۔''

''ہمیں یہ زمین اپنا لینا چاہئے۔''

''یہ آوازیں چاروں طرف سے ابھر رہی تھیں۔ تب پوگاس عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔'' میں عورتوں سے بھی ان کی رائے معلوم کروں گا، کیونکہ انہیں بھی ہمارے ساتھ زندگی گزارنا ہے...... کیا وہ اس خطے کو آباد کرنا پسند کریں گی۔؟''

''کیا نجات دہندہ ہمارے ساتھ قیام کرے گا۔؟'' یہ ابانیہ کی آواز تھی......

''ہاں...... اس نے ہماری مدد کے لئے خود کو وقف کر دیا ہے۔ وہ ہمارا ساتھی ہے۔''

''تب ہم میں سے کسی کو اعتراض نہیں ہے۔ ہم خوشی سے یہاں قیام کریں گے۔'' اور پھر سب عورتیں ایک رائے ہو گئیں۔ تب پوگاس نے مردوں سے کہا۔

''یہ خطہ زمین بے حد خوبصورت ہے۔ لیکن ہر خوبصورت چیز کا حصول آسان نہیں ہوتا...... یہاں کی خوبصورت زندگی حاصل کرنے میں ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے ہمیں کچھ تکلیف سے دوچار ہونا پڑے...... ممکن ہے یہاں کچھ بھیانک خطرات پوشیدہ ہوں...... ہمیں ان سے نپٹنے کے لئے بھی تیار رہنا ہوگا۔''

''ہم بزدل نہیں ہیں۔''

''تب ٹھیک ہے دوستو۔'' اس بار میں نے گفتگو میں دخل دیا...... ہم یہاں ایک شاندار زندگی کا آغاز کریں گے اور ممکن ہے بعد کی تاریخ میں چند لوگوں کی یہ آبادی ایک حسین شہر بن کر ٹھہرے۔ میری طرف سے اس شاندار فیصلے کی مبارکباد قبول کرو۔''

''ہمیں قدم قدم پر تیری رہنمائی کی ضرورت ہوگی نجات دہندہ۔'' لوگوں نے کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں۔ اس وقت تک تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک تم ایک پرسکون زندگی گزارنے کے قابل نہ ہو جاؤ۔'' میں نے کہا۔

وہ سب خوشی کے نعرے لگانے لگے۔

یوں پروفیسر...... میری زندگی کا ایک اور دور شروع ہو گیا...... یہ دور میرے لئے اجنبی نہیں تھا...... میں اس سے قبل بھی ایسے کھیل، کھیل چکا تھا، میں نے اور بھی بستیاں آباد کرائی تھیں...... یہ دوسری بات ہے کہ میں پلٹ کر دوبارہ ان بستیوں کی طرف نہیں گیا...... لیکن انسان کبھی انگلی پکڑ کر نہیں چلا ہے۔ اسی لئے وہ دوسری جاندار مخلوق سے افضل ہے۔ اسے کسی راستے پر دھکیل دو۔ اس کے بعد وہ نئی راہیں خود بخود تلاش کر لیتا ہے۔

کون جانے پروفیسر میری آباد کی ہوئی بستیاں اب کس کس نام کے شہروں میں تبدیل ہو گئی ہوں۔ تو میں نے ان لوگوں کو بھی راستے پر لگا دیا۔ ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ تیز دھار والے مضبوط ہتھیاروں سے قرب و جوار کے درخت کاٹے گئے۔ اُن کی چھالوں کی مضبوط رسیاں بٹ کر اور ان کو لکڑیوں میں سوراخ کر کے ان میں دوسری لکڑیاں پھنسا کر پہاڑی کے درمیان میں چھوٹے چھوٹے لیکن آراستہ مکانات بنائے گئے جو پوگاس کی رہنمائی میں سارے مرد کچھ عورتوں کے ساتھ تعمیر کرتے رہتے تھے۔ میں بھی ان کی مدد کرتا۔ مضبوط درخت گرانے میں میرا کوئی ثانی نہیں تھا۔

اور اب رفتہ رفتہ میری حیرت انگیز قوتوں سے واقف ہو رہے تھے۔ اب ان کے ذہنوں میں یہ بات پیدا ہوتی جا رہی تھی کہ میں درحقیقت کوئی غیر معمولی شے ہوں۔ میں مضبوط رسوں کو درختوں میں پھنسا کر ان پر اپنی قوت صرف کرتا اور دیکھنے والے درختوں کی بے بسی کا تماشہ حیرت و خوف سے دیکھتے، تناور درخت جڑوں سے اکھڑ آتے اور وہ انگشت بدنداں رہ جاتے۔ پھر میں ان وزنی درختوں کو کندھوں پر رکھ کر ان کے سامنے لا ڈالتا تھا اور وہ اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے میں مصروف ہو جاتے۔ اس کے علاوہ میں نے ایک کام اور کیا تھا۔

میں نے ایک لکڑ از مین کھدوا کر اس میں ایک عظیم الشان الاؤ تعمیر کرایا تھا اور درختوں کی خشک لکڑیوں کی کمی نہیں تھی چنانچہ یہ الاؤ ایک ہفتے کے اندر اندر روشن ہو گیا اور آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ آگ میری بھی ضرورت تھی لیکن اس کے روشن کرنے کی ایک وجہ اور بھی تھی...... وہ یہ کہ رات میں بھی دور دور تک روشنی رہے اور قرب و جوار کے ماحول پر نگاہ رکھی جاسکے۔

اس پراسرار وجود کے تصور کو میں ابھی تک فراموش نہیں کر سکتا تھا اور اس سے ہوشیار رہنا چاہتا تھا۔ گو اس کے بعد اس کا کوئی نشان نہیں ملا تھا...... ایک چاند گزر گیا تھا...... اب پہاڑ کے دامن میں چھوٹے چھوٹے خوبصورت مکانات مکمل ہو گئے تھے۔ ہر جوڑے کے پاس ایک مکان تھا اور وہ اس میں بہت خوش تھا۔ جہاز کی غذا...... اس میں موجود دوائیں...... ابھی کافی دنوں تک ساتھ دے سکتی تھیں...... لیکن مکانات مکمل ہونے کے بعد میں فوری طور پر انہیں غذا کے حصول کے لئے آمادہ کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک رات پوگاس سے گفتگو کر کے میں نے کاشت کی تیاریاں شروع کرا دیں۔ اور دوسرے دن سے کاشت کاری شروع کر دی گئی۔ میری ہدایت کے مطابق زمین تیار کی جانے لگی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر میں نے وہاں بیج ڈلوا دیا۔ یوں یہ کام بھی مکمل ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرے کام بھی ہو رہے تھے۔ میری پرستار لڑکیوں نے میری ایک بھی رات خالی نہیں جانے دی۔ مردوں کو اس کا علم ہو گیا تھا لیکن کسے اعتراض ہو سکتا تھا۔ دبلی پتلی لڑکی اہاتیہ میری توقع کے خلاف بے حد جاندار ثابت ہوئی تھی اور میں اس پر خصوصی توجہ دیتا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت مسرور تھی...... اب لوگ ایک لگے بندھے اصول کے تحت کام کرتے تھے۔ سب کے سپرد ان کی ذمہ داریاں تھیں۔ کچھ سمندر سے مچھلیاں پکڑ کر لاتے تھے۔ کچھ کھیتوں پر کام کرتے تھے۔ کچھ مکانات کو درست کرتے تھے۔ ہر شخص مسرور تھا۔

بہت سی عورتیں حاملہ ہوگئی تھیں اور ان کے پیٹ نکلتے آرہے تھے۔ جن کی عورتیں تھیں وہ بہت خوش تھے اور اپنے آنے والے مہمانوں کے لئے تیاریاں کر رہے تھے۔

یوں پروفیسر، آٹھ چاند گزر گئے۔ اب سب ایک پروگرام کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن پھر ایک مسئلہ آکھڑا ہوا۔ جہاں کچھ لوگ ہوتے ہیں وہاں کچھ جھگڑے بھی ہوئے تھے۔ لیکن دشمنی کسی نے کسی سے نہیں کی تھی۔ جھگڑے طے کر دیئے جاتے اور پھر...... پہلے کی سی فضا پیدا ہو جاتی...... لیکن اس بار ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں پر سارے مسائل حل ہو گئے تھے لیکن لباس کا مسئلہ باقی تھا۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے لباس تیار کئے جاسکتے۔ لوگوں کے جسموں پر جو لباس تھے وہ اب چیتھڑے بن چکے تھے۔ جانور بھی موجود نہیں تھے جن کی کھالیں کام آسکتیں۔ نہ ہی ایسے درخت تھے جنہیں کسی حیثیت سے لباس کے حصول کا ذریعہ بنایا جاسکتا۔ تندرست وتوانا انسان لباس کے بغیر بھی جی سکتے تھے لیکن نومولود بچے۔ وہ موسم سے محفوظ رہنے کے لئے بہر حال لباس کی ضرورت رکھتے تھے۔ اور جھگڑا اسی بات پر ہوا تھا۔

پشکانہ نے کچھ پھٹے ہوئے لباسوں پر قبضہ کر لیا تھا جنہیں وہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن اس میں دردکا کا لباس بھی تھا اور خود دردکا کو بھی اپنے ہونے والے بچے کے لئے لباس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور نوبت چھینا جھپٹی تک پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ دونوں گتھم گتھا ہوگئیں اور وحشی بلیوں کی طرح لڑنے لگیں۔ دونوں کے چہروں اور جسموں پر خراشیں آگئیں۔ تب ان کے مردوں کو اطلاع ملی اور وہ بھی ایک دوسرے کے مقابل آگئے۔ دونوں نے ہتھیار اٹھا لئے تھے لیکن پوگاس نے سختی سے مداخلت کی اور کسی ناخوشگوار واقعے کو نہ ہونے دیا۔ معاملہ میرے سامنے پیش کیا اور میں بھی سوچ میں گم ہو گیا۔ درحقیقت پروفیسر...... مجھے بچوں وغیرہ کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن بہر حال ان کے احساسات کو سمجھتا تھا۔

''ہمارے پاس اس کا کیا حل ہے آشورے۔ میرے ذہن میں کوئی بات نہیں آئی''۔

''ہاں۔ لباس کا حصول مشکل ہے۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا۔

''لیکن پیدا ہونے والے بچوں کی زندگی کے لئے وہ ضروری ہے''۔

''تب میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے پوگاس۔''

وہ کیا؟''

''اپنا لباس اتار دو پوگاس۔'' میں نے کہا۔

''مم۔ میں نہیں سمجھا آشورے۔''

''تمہاری عورت کہاں ہے۔؟''

''گھر میں موجود ہے۔''

''جاؤ پوگاس۔ کل صبح ہم ایک نئی رسم کا آغاز کریں گے۔ سب سے پہلے تم اور تمہاری عورت برسرعام لباس اتاریں گے اور پھر سب سے

اپیل کرو گے کہ وہ لباس کا استعمال اس وقت تک ترک کر دیں جب تک ہم لباس حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ جمع شدہ لباس تحویل میں لے لئے جائیں اور ان سے ان بچوں کے لباس تیار کئے جائیں جو پیدا ہوں گے۔ یہ لباس وہ بچے اس وقت تک استعمال کریں جب تک وہ موسم کی سختیاں برداشت کرنے کے قابل نہ ہو جائیں اور پھر وہ لباس دوسرے بچوں کے لئے رکھ دیئے جائیں۔ ہاں اگر لباس کے کچھ ٹکڑے عورتوں اور مردوں کے زیریں حصے پر رہنے دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن ظاہر ہے وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکیں گے لیکن اس طرح کم از کم لوگ برہنگی برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔"

پوگاس کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری اور وہ میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو پوگاس۔؟"

"میں اس برہنگی کے اثرات پر غور کر رہا تھا آشورے۔"

"اس کے بارے میں نہ سوچو پوگاس۔ انسان کی ابتدا اسی انداز میں ہوئی تھی۔ میں نے وہ دور بھی دیکھا ہے۔ اس دور میں زیادہ آسانیاں تھیں۔"

"میں نہیں سمجھا آشورے۔" پوگاس نے تعجب سے کہا۔

"میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش نہیں کی پوگاس...... ورنہ تم...... سمجھ جاتے"

"براہ کرم مجھے ان جملوں کا مطلب بتاؤ آشورے۔"

"میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب وہی ہے۔ میں نے انسان کا ابتدائی دور دیکھا ہے جب وہ پہاڑوں میں رہتا تھا۔ برہنہ پھرتا تھا اور تہذیب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔"

"تم نے...... تم نے......؟" پوگاس نے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں پوگاس۔ تم میری عمر کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ میں صدیوں سے زندہ ہوں۔ میں ہر صدی میں رہا ہوں۔ تم مجھے صدیوں کا بیٹا کہہ سکتے ہو۔"

"بڑی حیرت انگیز بات کہی تو نے آشورے۔ لیکن تو جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔؟"

"میرے جسم نے صدیوں کی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ میں فولاد سے زیادہ سخت ہوں۔ آگ میرے جسم کی خوراک ہے۔ میرے تجربے کو کون چیلنج کر سکتا ہے۔ آ میری ضرورت دیکھ۔ اور یقین کر لے کہ میں نے غلط نہیں کہا ہے۔ لیکن میرا راز تجھ تک رہے تو ٹھیک ہے۔ اس طرح دوسرے لوگ بلاوجہ مجھے مافوق الفطرت سمجھنے لگیں گے اور اپنا اور میرا وقت برباد کریں گے لیکن تجھے یہ جاننے کی ضرورت ہے تاکہ تو میری بات پر گردن جھکا کر سوچ میں نہ پڑ جایا کرے۔"

میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا اور پھر اسے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔

"میں شرمندہ ہوں آشورے۔ شاید تو ناراض ہو گیا۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میرے جسم کو آگ کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اگر تو میرے بارے میں جان لے تو یہ اچھی بات ہوگی۔''

''آگ کی طلب۔'' پوگاس اور حیرت زدہ ہوگیا۔ تب میں نے خاموشی اختیار کی اور پھر میں اسے لئے ہوئے دہکتے ہوئے الاؤ کے پاس پہنچ گیا۔ پوگاس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد میں غسل آتش کرتا ہوں۔ آگ کی حرارت میرے جسم کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اور یہ میری طویل زندگی کا راز ہے۔ میں تجھے اس کا ثبوت دینے جا رہا ہوں۔''

''تو کیا تو آگ سے غسل کرے گا آشورے۔؟'' پوگاس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں میرے دوست میرا انتظار کر۔'' میں نے کہا اور اس سے پہلے کہ پوگاس مجھے روکنے کی کوشش کرتا میں نے دوڑ کر دہکتے ہوئے الاؤ میں چھلانگ لگا دی۔ خوفناک شعلے میری طرف لپکے۔ اس کے ساتھ ہی پوگاس کی دلدوز چیخ سنائی دی اور میں ہنس پڑا۔ پوگاس کے خیال میں حسین اور مدبر آشورے ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہوگیا تھا۔ وہ ایک عمدہ رہنما سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ شاید اس رہنما کے دماغ کی کوئی کل ڈھیلی ہوگئی تھی۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا تھا۔

لیکن آگ...... میری صدیوں کی دوست...... میری روح کو غسل دے رہی تھی۔ میرے جسم میں لطیف قوت سمو رہی تھی اور روشن آگ میں پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے کنارے پر کھڑے پوگاس نے مجھے دیکھا تو میں شعلوں کو اپنے جسم پر مل رہا تھا۔

''آشورے...... آشورے۔'' اس کی ڈوبتی ہوئی آواز ابھری۔

''میں ابھی واپس آجاؤں گا میرے دوست۔ میرا انتظار کر۔'' میں نے چیخ کر کہا لیکن میری آواز بھی اسے سماعت کا دھوکہ لگی ہوگی۔ میرا ہیولیٰ بھی اسے نظر کا واہمہ محسوس ہوا ہوگا۔ ہاں اس وقت اس کی حالت قابل دید تھی۔ جب میں چاند کی طرح دمکتا ہوا سنہرا بدن لے کر اس کے پاس پہنچا۔ میرے انگ انگ سے جوانی رس رہی تھی۔ میں طاقت کے نشے میں مست ہو رہا تھا۔

''آ...... شو...... رے......'' پوگاس کی دماغی قوتیں جواب دینے لگیں۔

''یہ میرے بیان کی تصدیق ہے میرے دوست۔ میں تیرا ساتھی ہوں۔ میری آنکھوں میں صدیاں سجی ہوئی ہیں۔ میں نے ارتقا کی بے شمار منازل دیکھی ہیں۔ اس لئے میری بات بلا چون و چرا مان لیا کر۔ سو ہی ہونا چاہئے جو میں نے کہا ہے۔ آ۔ واپس چلیں۔''

اور...... پوگاس لڑکھڑاتے قدموں سے میرے ساتھ واپس چل پڑا لیکن وہ بار بار میرے وجود کا تعین کرنے کے لئے مجھے دیکھ لیتا تھا۔ اس نے کئی بار ڈرتے ڈرتے میرے بدن کو ہاتھ بھی لگایا تھا۔

اس رات پوگاس پر کیا گزری ہوگی۔ یہ مجھے نہیں معلوم لیکن اس رات...... میں کنوارا تھا...... آگ کے غسل نے میری شخصیت کا غبار دھو دیا تھا اور میری قوتیں اصل حالت میں تھیں۔

اس صبح پوگاس پھر میرے پاس حاضر ہوگیا۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ عقیدت تھی۔ اس نے میرے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔ ''کیا تو

مجھے اجازت نہیں دے گا آشورے...... کہ میں لوگوں کو بتا دوں کہ جسے ہم اپنے جیسا انسان سمجھتے تھے۔ وہ انسان نہیں دیوتا ہے...... ہاں، میں ان سے کیوں نہ کہہ دوں کہ میں نے دیوتا کو پہچان لیا ہے اور کیا وہ اس بات سے خوش نہ ہو جائیں گے کہ وہ دیوتا کی ہم نشینی میں ہیں۔؟''

''نہیں پوگاس...... ایسا کوئی کام نہ کرو۔''

''کیوں۔؟''

''اس لئے کہ میں دیوتا نہیں ہوں۔ ہاں میں نے تمہیں اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں ہوں...... اس لئے مجھے دوسروں کی نگاہ میں وہی رہنے دو جو میں ہوں۔''

''لیکن اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کے بعد میں تجھے بھی انسانوں میں کس طرح شامل رہنے دوں آشورے...... اگر کسی نے کبھی نادانستگی میں تیرے ساتھ کوئی گستاخی کی تو وہ میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی۔''

''میں اسے درگزر کروں گا۔ بس جیسا میں کہہ رہا ہوں...... ایسا ہی کرو۔ اور پروفیسر...... اب کیا مجال تھی کہ پوگاس یا اس کی عورت میرے حکم سے سرتابی کرے چنانچہ اس دن صبح...... پوگاس نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ اس نے اپنی عورت کو اپنے نزدیک کھڑا کر لیا تھا۔

''سنو لوگو...... تمہیں علم ہے کہ عظیم نجات دہندہ ہمارے لئے وہی سوچتا ہے جو بہتر ہو اور جس میں ہماری خوشیاں، ہمارے لئے آسانیاں پوشیدہ ہوں۔ اور سنو...... اگر وہ کچھ کہے اور اس کی تعمیل نہ کی جائے تو یہ نجات دہندہ کی عظمت سے انحراف ہے اور اس کے نافرمان کبھی خوش نہیں رہ سکتے، جنہیں صرف فائدہ پہنچایا گیا ہو اور نقصان کی ایک بات بھی نہ کی گئی ہو۔ تو کیا تمہیں نجات دہندہ کے فیصلوں پر اعتماد کیا ہے۔؟''

''آشورے ہمارا سچا دوست ہے۔'' سب نے بیک زبان کہا۔

''تو یہ اس کا حکم ہے...... ہماری دشواریوں کا حل ہے کہ آج سے لباس کا استعمال اتنا مختصر کر لیا جائے کہ ہم اپنا لباس اپنے بچوں کے لئے محفوظ کر دیں...... اور سنو نجات دہندہ کی تجویز ہے کہ اس سے ہمارے بچوں کی ضرورت پوری ہوگی اور ہمیں اپنی نسل ختم نہیں کرنی پڑے گی۔''

پوگاس نے میری تجویز دوہرائی اور چہرے شرم سے تمتما اٹھے۔

''سو میں جانتا تھا کہ یہ تجویز درست ہے اور وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے جو اس پر عمل نہ کریں۔ یوں سب سے پہلا انسان میں اور دوسری میری عورت ہے، جو نجات دہندہ کے حکم پر عمل کر رہے ہیں۔'' پوگاس نے اپنا لباس اتار کر میرے قدموں میں ڈال دیا۔ اس کے زیریں جسم پر صرف چند دھجیاں رہ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی عورت کو اشارہ کیا جو ایک حسین جسم کی مالک تھی۔ سو عورت نے آنکھیں بند کر کے پہلے اپنا اوپری جسم برہنہ کیا اور اس کے بعد وہ بھی صرف ایک دھجی میں رہ گئی۔

سب کی آنکھیں جھک گئیں۔ لباس تہذیب کی ضرورت تھی لیکن مجبوریاں انسان کی فطرت تبدیل کرتی رہتی ہیں اور وہ... وہ بنتا جاتا ہے جو وہ نہیں ہوتا۔

لیکن ابھی برہنہ ہونے والے صرف دو تھے اور بہت مطمئن تھے وہ۔ تب پوگاس نے میری طرف رخ کر کے کہا۔ ''میری راہ میں تو نے

مشکل حائل کردی ہے آشورے۔ میں بدقسمت ہوں کہ انہوں نے پیروی نہیں کی اور تیرے قدموں میں صرف دو لباس ہیں۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ان میں سے کوئی بھی تیرے حکم کی تعمیل نہ کرے تب بھی تو میرے جسم پر لباس نہ دیکھے گا اور نہ میری عورت کے۔''

''نہیں...... نجات دہندہ کے حکم کی تعمیل سب پر فرض ہے۔'' ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ اور پروفیسر...... میرے حکم کی تعمیل کرنے والی سب عورتیں تھیں۔ اور ان کے اقدام نے دوسروں میں بھی تحریک کی۔ ہاں ایک بات چپکے سے بتا دوں کہ تعمیل کرنے والے دوسرے لوگوں میں پہل کرنے والی میری عورتیں تھیں اور جب ایک ایک عورت برہنہ ہوگئی تو ان میں مرد بھی شامل ہونے لگے۔

ہنستے، مسکراتے، جھینپتے، شرماتے مرد بھی لباس اتارتے رہے۔'' بڑا مضحکہ خیز منظر تھا۔ کسی کے بے ہنگم جسم کو دیکھ کر دوسرے ہنس دیتے۔ وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھنے سے شرماتے۔ پھر دیکھتے اور مسکرادیتے۔ یوں سب برہنہ ہوگئے میرے سامنے۔

وہ ایک تاروں بھری رات تھی۔ ابانیہ میری آغوش میں تھی۔ رات کے حسن سے متاثر ہوکر ہم چاندنی میں نکل آئے تھے اور ہم نے ایک اونچی پہاڑی منتخب کی تھی۔

تو یوں یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا اور اس کا اثر اچھا ہی ہوا۔ بچوں کے لئے لباس تیار کئے گئے اور اب سب خوش تھے۔ پھر جب پہلی عورت کے ہاں ایک ننھی سی مخلوق نے جنم لیا تو خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ یہ نئی زندگی کا آغاز تھا اور کیسی انوکھی تھی یہ ننھی مخلوق، جس نے عجیب حالات میں زندگی پائی تھی۔

یوں اس آبادی کی ابتدا کی گئی۔ لوگ بظاہر خوش تھے۔ انہوں نے مطمئن رہنا سیکھ لیا تھا لیکن حالات کو کہاں ثبات ہے۔

اچانک ہمارے کانوں نے ایک آواز سنی۔ ایک انوکھی اور پراسرار آواز۔

جذبات کا بھوت اتر گیا۔ ہم چونک پڑے۔ کیونکہ یہ آواز ہم میں سے نہ تھی اور اس خوبصورت وادی کے پراسرار ویرانے میں، اس سے قبل ہم نے کوئی اجنبی آواز نہیں سنی تھی۔

ابانیہ میری آغوش سے نکل گئی۔ میں خود اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''آشورے......'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہوں......''

''یہ کیسی آواز ہے۔؟'' وہ تعجب سے بولی۔

''چمڑے منڈھے ہوئے لکڑی کے خول۔ جن سے ایسی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن یہ خول انسانی ہاتھوں سے بنتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''تو کیا...... اس وادی میں ہمارے علاوہ بھی انسان بستے ہیں۔؟'' ابانیہ حیرت سے بولی۔

''اس سے قبل میں نے اس بات پر غور کیا تھا۔ قرب و جوار میں ایسے نشانات تلاش کئے تھے۔ لیکن یقیناً میلوں دور کے علاقے میں انسانی وجود کے نشانات نہیں ملے تھے۔ مگر یہ آوازیں...... ان آوازوں کے بارے میں، میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ انسانی ہاتھوں سے ہی پیدا ہو رہی

ہیں۔؟" میں نے جواب دیا۔

"ابانیہ کے چہرے پر خوف کے آثار ابھر آئے۔ اس کی آنکھوں میں ہراس کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ پھر وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔" لیکن.....اب.....اب یہ انسان کہاں سے آ گئے۔؟"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خوف و دہشت میرے قریب سے ہو کر نہیں گزرے تھے۔ خوف انہیں ہوتا ہے جنہیں زندگی کا خوف ہو۔ میں نے ابانیہ کا بازو پکڑا اور اسے اٹھا دیا۔

"ہاں.....ہمیں واپس چلنا چاہئے.....ہمیں دوسرے لوگوں کو آگاہ کر دینا چاہیئے۔" ابانیہ نے کہا۔ میں نے ابانیہ کی شکل دیکھی۔ میرے اٹھنے کا یہ مقصد نہیں تھا۔ میں تو صورتحال معلوم کرنے کے لئے جانے والا تھا، لیکن ابانیہ کا خیال بھی درست تھا۔ یوکاس اور دوسرے لوگوں کو ہوشیار کرنا بھی ضروری تھا.....لازمی ہے کہ وہ بھی ڈھول کی آوازیں سنیں گے اور سراسیمہ ہو جائیں گے ایسی مشکل میں وہ کوئی احمقانہ اقدام بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً وہ مسلح ہو کر ان آوازوں کی طرف چل پڑیں اور نقصان اٹھائیں۔ نہ جانے ان لوگوں کی تعداد کتنی ہے، اور نہ جانے وہ کس ارادے سے اس علاقے میں آئے ہیں۔؟

"آؤ....." میں نے ابانیہ سے کہا اور وہ میرے ساتھ چل پڑی۔

اور ہمارا خیال درست ہی نکلا۔ یوکاس دوسرے چند لوگوں کے ساتھ ایک بلند ٹیکرے پر کھڑا وہ آوازیں سن رہا تھا، چونکہ چاندنی چٹکی ہوئی تھی، اس لئے اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا اور پھر وہ جلدی سے ٹیکرے سے اتر آیا۔

"تو نے یہ آوازیں سنیں آشورے۔؟"

"ہا.....میں سن رہا ہوں۔"

"کیا یہ انسانی ہاتھوں سے بنائے ہوئے لکڑی کے خول سے نہیں بلند ہو رہی ہیں۔؟"

"تیرا خیال درست ہے۔" میں نے تائید کی۔

"لیکن.....لیکن اس علاقے میں تو ہمارے سوا انسان نہ تھے۔"

"کہیں سے آ گئے ہوں گے۔ کہاں سے آئے ہیں اور کس ارادے سے آئے ہیں، یہ معلوم کرنے میں جا رہا ہوں اور تیرے پاس اس لئے آیا ہوں یوکاس، کہ اپنوں کو ہوشیار رکھنا۔ اس کی تلاش میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں جا رہا ہوں۔ اور اگر ان کا رخ اسی طرف ہے تو یقیناً میں ان سے پہلے یہاں واپس آ جاؤں گا اور اس کے بعد تجھے ہدایات دوں گا اور اگر کوئی خطرہ نہیں ہے اور یہ کوئی اور معاملہ ہے تو پھر میں اسے ایک تماشے کی حیثیت سے دیکھوں گا اور تو فکر نہ کرنا۔ میں خطرے سے پہلے ضرور آگاہ کر دوں گا۔" ☆

"جو حکم آشورے۔" یوکاس نے گردن جھکا کر کہا..... بھلا وہ اب میرے احکامات پر کیسے تشویش کا اظہار کر سکتا تھا۔ اپنے دل میں تو وہ مجھے آسمانوں سے اترا ہوا دیوتا تسلیم کر چکا تھا۔" کیا میں تمہارے لئے ہتھیار لے آؤں آشورے۔؟"

''ہاں صرف میرا کھانڈا...... اس کے علاوہ اور کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور پوگاس میرا کھانڈا لے آیا۔ ابانیہ نے میرا بازو پکڑ لیا تھا۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی آشورے۔'' وہ سرگوشی کی انداز میں بولی۔

''تم۔؟'' میں نے ہچکچاتے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔

''میں ضرور چلوں گی آشورے...... میں ضرور چلوں گی۔'' اس نے میری بازو پر گرفت سخت کر کے ضدی بچوں کے سے انداز میں کہا اور اس کا یہ انداز مجھے پسند آیا تھا۔ تب میں نے گردن ہلا کر اس کی پشت تھپتھپائی اور وہ مطمئن ہو گئی۔

''پوگاس...... تم اگر چاہو...... تو بلند مقامات سے حالات پر نگاہ رکھو...... میں چلتا ہوں۔'' میں نے کہا اور ابانیہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھ گیا...... خود پوگاس کی بھی مجال نہیں تھی کہ وہ اپنی بہن کے بارے میں کوئی سوال کرے۔ چنانچہ میں آگے بڑھ گیا۔ ابانیہ میرے ساتھ تھی۔ سچ پوچھو پروفیسر...... تو یہ لڑکی مجھے بہت پسند تھی۔ اس سے قبل کی بے شمار عورتیں بھی اپنے اندر خصوصیات رکھتی تھیں لیکن اس کی کمسنی میرے لئے بہت دلکش تھی۔ عمر کے لحاظ سے بھی وہ کم تھی۔ جسمانی طور پر بھی وہ بہت چھوٹی لگتی تھی۔ اس کی اداؤں میں بچپن تھا۔ وہ بچوں کی طرح ضد کرتی تھی۔

چنانچہ اپنی اس پسندیدہ لڑکی کو لے کر میں ان آوازوں کی سمت چل پڑا۔ میرے کان ہواؤں کے رخ پر ان آوازوں کی سمت تلاش کر رہے تھے اور مجھے یقین تھا کہ میں نے صحیح رخ اختیار کیا ہے۔

''سفر لمبا بھی ہو سکتا ہے ابانیہ......'' میں نے راستے میں کہا...... کیونکہ آگے بڑھنے کے بعد محسوس ہوا تھا کہ ہوائیں ان آوازوں کو قریب لے آئے ہیں...... ورنہ یہ اتنی قریب کی آوازیں نہیں ہیں۔

''تم ساتھ ہو آشورے۔'' وہ محبت بھرے انداز میں بولی۔

''لیکن تم تھک جاؤ گی۔''

''تمہارے ساتھ کبھی نہ تھکوں گی، خواہ زندگی بھر چلتے رہو۔'' وہ خالص رومانی گفتگو کر رہی تھی۔

''غور کر لو۔''

''کر لیا۔'' اس نے بڑے وثوق سے کہا اور اس کے اس الھڑپن کے جواب میں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں ابانیہ۔'' میں نے کہا۔

''دوسری لڑکیوں سے زیادہ۔''

''ہاں۔''

''شیرابیہ سے بھی زیادہ......؟'' اس کے لہجے میں خوشی تھی۔

''ہاں۔ ہاں۔''

''اور سیاستا...... میرا مطلب ہے سیاستا سے بھی زیادہ۔؟'' اس کی معصومیت ابھر آئی۔

''میں کہہ چکا ہوں...... یہاں موجود تمام لڑکیوں سے زیادہ۔'' میں نے جواب دیا اور وہ چلتے چلتے رک گئی۔

''ہائے آشورے......ایک بار پھر یہی بات کہہ دو۔''

''آؤ''۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ اگر ڈھولوں کی آواز مسلسل نہ آرہی ہوتی تو اس کے اس ادا کو نظر انداز نہ کرتا......اور اپنی اس معصوم ادا کے جواب میں اہانیہ کو سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ لیکن اجنبی آوازوں کا تسلسل ہر قسم کے جذبات پر حاوی تھا، میں ان کے بارے میں جان لینا چاہتا تھا۔ یہ ویران لیکن جنت نظیر علاقہ، جہاں میں نے ان لوگوں کو آباد کیا تھا، جو زندگی کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ انہوں نے میرے اوپر اعتماد کیا تھا۔ انہیں میرے اوپر بھروسہ تھا۔ میں نے ایک لفظ کہا اور وہ اس پر عمل کرنے پر کمر بستہ ہو گئے چنانچہ میں بھی ان کے راستے کی ہر مشکل دور کرنے پر آمادہ تھا......اور انہیں ہر آفت سے بچانے کے لئے اپنی صلاحیتیں صرف کر دینا چاہتا تھا۔

اور یہ اجنبی آوازیں......ان آوازوں کا راز جاننا ضروری تھا......کون ہے؟......کیا چاہتا ہے؟......کہاں سے آیا؟......اس کا مطلب تھا کہ اس علاقے کو دیکھنے کے لئے میں نے جہاں تک کا سفر کیا، وہ کافی نہ تھا۔ مجھے کچھ اور آگے دیکھنا چاہئے، وہاں جہاں سے یہ لوگ آئے تھے۔

میں آگے بڑھتا رہا، اہانیہ میرے قدموں سے قدم ملا رہی تھی۔ چاند ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا اور ہوائیں ان آوازوں کی سمت ہٹا رہی تھیں، در حقیقت آوازیں ہمارے اندازے سے بھی دور تھیں۔ لیکن ہمت ہارنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

سفر......طویل سفر......ہم چلتے رہے......لیکن شیطانی آوازیں ہنوز دور تھیں...... کئی بار میں نے سوچا کہ ممکن ہے میں نے کوئی غلط سمت اختیار کی ہو......لیکن صدیوں آشنا کان......اس قدر دھوکا تو نہیں کھا سکتے تھے......سمت درست تھی جس کی تصدیق ہو گئی۔

اب آوازوں میں تبدیلی ہوئی تھی۔ وہ زیادہ واضح اور زیادہ قریب سنائی دینے لگی تھیں۔ چاند اپنا سفر ختم کر چکا تھا۔ نہ جانے ہم کہاں نکل آئے تھے۔ بے شک اس جگہ بھی دور جہاں میں اس سے قبل آیا تھا۔ اجنبی علاقہ شروع ہو گیا تھا...... پہاڑ خشکی اختیار کر رہے تھے۔ سبزہ ختم ہوتا جا رہا تھا اور اب پیروں کے نیچے چٹیل زمین تھی۔

دفعتاً مجھے اہانیہ کا خیال آیا۔ پھول سی نازک لڑکی، جس نے میری محبت میں، میرے ساتھ آنے کی کوشش کی تھی، جس نے کہا تھا کہ سفر کتنا ہی طویل ہو، وہ میرا ساتھ دے گی اور وہ میرا ساتھ دے رہی تھی لیکن رات بھر کے فاصلے......؟ کیا وہ تھک نہ گئی ہوگی۔

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، لیکن وہ ان سے تکلیف کی کوئی آواز خارج نہیں ہونے دے رہی تھی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا نا......مجھے اس کی اس معصومیت پر بھی پیار آ گیا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ رکا اور اسے کسی گڑیا کی مانند اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی اور پھر جب میں آگے بڑھا تو اس نے مچلتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں تھی آشورے......میں ٹھیک ہوں۔''

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے...... یہ میری خوشی ہے۔'' میں نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ بھلا اس نازک سے وزن کا مجھے کیا

احساس ہوسکتا تھا وہ خاموش ہوگئی اور میں آگے بڑھتا رہا۔ مشرق سے سفیدی ابھرنے لگی تھی اور میں خیالات میں ڈوب گیا تھا...... ڈھول کی آوازیں اب بالکل قریب ہوتی جارہی تھیں...... رات کی خاموشی میں ہوائیں ان آوازوں کو لے کر ہمارے پاس پہنچ گئی تھیں...... ورنہ یہ فاصلہ کم نہیں تھا اور اگر دن کا اجالا ہوتا تو ممکن ہے ہم ان آوازوں سے لاعلم ہی رہتے۔

بہرحال...... اب ان کا راز معلوم ہونے والا تھا...... اور میں ہوشیار بھی ہوگیا تھا...... ظاہر تھا کہ ڈھول کی آوازیں انسانی ہاتھوں کی رہین منت تھیں۔ چنانچہ میں ان انسانوں کے بارے میں جانے بوجھے بغیر ان کے سامنے نہیں آسکتا تھا۔ میں ان سے پوشیدہ رہنا چاہتا تھا۔

اور اب آوازیں بالکل قریب تھیں...... میں نے ڈھول کی آوازوں کے ساتھ ایک وحشیانہ گیت کی آوازیں سنیں اور رک گیا...... اب آوازوں کی سمت کا اندازہ لگانے میں بھی دشواری نہیں ہورہی تھی۔ جس جگہ میں تھا، یہ ایک اونچی پہاڑی تھی جس کا اختتام ایک گھاٹی پر ہوتا تھا۔ گویا ہم بہت بلندی پر تھے اور یہاں سے پستیاں شروع ہوتی تھیں لیکن یہ ڈھلان ناقابلِ عبور نہیں تھے، بلکہ انہیں آسانی سے طے کر کے گھاٹی میں پہنچا جا سکتا تھا گھاٹی بہت طویل وعریض تھی، اور اس کے بعد پھر ایک پہاڑی سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔

''اہانیہ۔'' میں نے اہانیہ کو آواز دی۔

''آشورے۔'' اس نے سرسراتی آواز میں کہا اور پھر بولی۔ ''مجھے نیچے اتاردو...... میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اور میں نے اسے نیچے اتاردیا۔

''ہم ان کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

''ہاں...... یہ آوازیں...... کیا یہ گیت کی آواز ہے۔؟''

''ہاں۔''

''نہ جانے وہ کیا کہہ رہے ہیں۔؟''

''رک جاؤ...... میں سننے کی کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر میں نے ان آوازوں پر کان لگادیئے اور آہستہ آہستہ ان کے بول میری سمجھ میں آنے لگے۔ گانے والے گارہے تھے۔

''اے عظیم طاقت۔

اے متحرک پہاڑ...... اے وہ ہماری بستیوں کو ویران کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

لیکن ہم تیرے غلام...... ہم تیرے پرستار۔

تیرے خادم۔

ہم جو صدیوں سے تجھ پر اپنی جانیں نثار کررہے ہیں۔ ہم جو نہیں بھولتے۔ چڑھتے چاند کی آٹھویں رات کو۔

اور دیکھ...... آج بھی تیرے غلام آئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح تیرے لئے تیرا پسندیدہ تحفہ لائے ہیں۔

اسے قبول کر۔ اسے قبول کر۔''

یہ عجیب وغریب گیت میرے کانوں میں گونجا اور میں نے ابانیہ کو بھی اس سے لاعلم نہ رکھا۔

''اوہ.....تو یہ کوئی مذہبی رسم ہے۔'' بانیہ نے گہری سانس لی۔

''ہاں.....لیکن یہ لوگ.....ان کی بستیاں کہاں ہیں۔؟ ان کے گیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کہیں دور سے آتے ہیں۔ چڑھتے چاند کی ہر آٹھویں رات کو، لیکن اس سے قبل تو ہم نے کبھی ڈھول کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا۔ ابانیہ خاموش تھی۔ اس نے اس گیت پر کوئی مزید تبصرہ نہیں کیا۔ ہاں میں اس عظیم قوت کے بارے میں سوچ رہا تھا، جسے انہوں نے مخاطب کیا تھا۔ وہ جوان کی بستیوں کو ویران کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ وہ کون ہے۔؟

''کیا ہم آگے بڑھ کر ان لوگوں کو دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔؟'' ابانیہ نے کہا۔

''آؤ۔'' میں نے جواب دیا۔ لیکن نیچے جھانکنے سے قبل ہم نے کوئی ایسی آڑ تلاش کی جہاں سے ہم ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکیں۔ اور یہ آڑ ایک نوکیلی چٹان تھی۔ جو ڈھلان کے کنارے پڑی ہوئی تھی، ہم دونوں اس کی آڑ میں پہنچ گئے.....تب ہم نے انہیں دیکھا.....

وہ رنگین کھالوں کے لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پیروں میں موٹے چمڑے کے جوتے بھی تھے، ان کے پاس لوہے کے ہتھیار بھی تھے۔ بظاہر وہ بالکل غیر مہذب نہیں معلوم ہوتے تھے ان کی تعداد تقریباً پچاس تھی۔ لیکن پانچ ایسے تھے جوان سے مختلف معلوم ہوتے تھے۔ مختلف صرف اس انداز میں کہ ان کے ہاتھ پاؤں کھال کی پٹیوں سے کسے ہوئے تھے اور انہیں پٹیوں کے ذریعہ ہی ایک لکڑی کے ستون سے باندھ دیا گیا تھا جسے شاید ان لوگوں نے ہی نصب کیا تھا۔

''کیا یہی اس عظیم طاقت کا پسندیدہ تحفہ ہیں۔؟ میں نے کہا

''کیا مطلب۔؟'' ابانیہ چونک پڑی۔

''لکڑی کے ستون سے بندھے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی ہو۔؟''

''اوہ.....ہاں.....تت تو.....وہ عظیم طاقت.....زندہ ہے.....نظر آنے والی ہے۔؟'' وہ سہمے ہوئے انداز میں بولی۔

''شاید.....'' میں نے آہستہ سے کہا اور پھر میں نے دیکھا.....سورج طلوع ہو رہا ہے.....جوں ہی سورج کی پہلی کرن نے باہر جھانکا۔ ڈھول اور گیت بند ہو گیا.....اچانک خاموشی چھا گئی اور ویرانہ سائیں سائیں کرنے لگا۔ عجیب سا سناٹا فضا پر مسلط ہو گیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے قطاریں بنائیں اور ایک طرف چل پڑے۔ ستون سے بندھے ہوئے لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور میں معنی خیز نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

کیا قصہ ہے.....؟ کیا معاملہ ہے.....؟ میں سوچ رہا تھا اور میری نگاہیں.....دور.....ایک پہاڑی درے میں جاتے ہوئے لوگوں پر تھیں۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی.....اور تھوڑی دیر میں وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تب میں نے ابانیہ کی طرف دیکھا۔

''کیا خیال ہے ابانیہ۔؟''

''ہمیں ان لوگوں کی مدد کرنی چاہیئے۔'' ابانیہ نے جواب دیا۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے ابانیہ کو اپنے بازوؤں کی

گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

''تم ہر لحاظ سے میرے لئے موزوں ہو اہانیہ۔'' اور اس نے اپنی بانہیں میری گردن میں ڈال کر اچک کر میری آنکھوں کو چومتے ہوئے کہا۔'' کیوں آشورے۔؟''

''کیونکہ تم اسی انداز میں سوچتی ہو جس طرح میں..... اسی انداز میں فیصلہ کر لیتی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں۔''

''میری خوش نصیبی ہے آشورے۔ ورنہ میں تو تیرے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں۔''

''آؤ...... ہم ان لوگوں کی روداد سنیں۔'' میں نے کہا اور ہم ڈھلان اترنے لگے۔ ڈھلان سے وادی میں اترنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اہانیہ اپنے قدموں سے اتر رہی تھی۔ اس ہلکی پھلکی لڑکی کو بھلا کیا دقت ہو سکتی تھی، یہاں ہم ڈھلان عبور کر کے وادی میں پہنچ گئے اور ہمارا رخ ان کی طرف ہو گیا جو ستون سے بندھے ہوئے تھے۔

ان لوگوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا اور اچانک ان کی گریہ زاری بند ہو گئی۔ وہ متعجب نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

تب ہم ان کے قریب پہنچ گئے۔ چمڑے کی پٹیوں سے نہ صرف ان کے ہاتھ بلکہ پاؤں بھی کسے ہوئے تھے۔ پانچوں نوجوان تھے، ان کے رنگ سانولے تھے سیاہ نہ تھے جسمانی طور پر بھی وہ مضبوط انسان تھے۔

چند لمحات ان پر حیرت کا سکوت طاری رہا۔ پھر اچانک جیسے سب ہوش میں آگئے اور پھر بیک وقت چیخنے لگے۔''اے آزاد انسان ہمیں آزاد کر دو۔ دیوتاؤں کے لئے ہمیں آزاد کر دو۔ ہم زندگی بھر تمہارے احسان مند رہیں گے۔''

''میں تمہیں آزاد کر دوں گا دوستو۔ لیکن کیا تم بندش کھلتے ہی بھاگ تو نہ جاؤ گے۔؟''

''یہ جگہ بہت خوفناک ہے۔ ہمارا اور تیرا۔ اگر تو اس جگہ سے ناواقف ہے یہاں سے نکل جانا موزوں ہے۔ ہمیں جلدی سے کھول دے۔ مبادا وہ آنہ جائے۔ یقیناً وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ لیکن وہ یہاں ضرور آجائے گا کیونکہ یہ غار اس کا مسکن ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''میں نہیں جانتا تم کس کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ تاہم پہلے میں تمہیں آزاد کئے دیتا ہوں تاکہ اس کے بعد تم سے سکون سے گفتگو کر سکوں۔''

میں نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے ان کے ہاتھوں اور پیروں میں بندھی ہوئی چمڑے کی پٹیاں توڑ دیں اور وہ اپنے ہاتھ مسلنے لگے۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ وہ خوفزدہ تھے لیکن ان میں سے کسی نے فرار ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے چہروں سے احسان مندی کے تاثرات جھلک رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک بولا۔''تو نے ہماری زندگی بچائی ہے ہمارے محسن بتا ہم تیرے اس احسان کا کیا بدلہ دیں۔؟''

''کیا تم اسی وقت بدلہ اتار دینے پر آمادہ ہو۔؟'' میں نے ان کے چہروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جو کچھ تو نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ اس کا کوئی بدلہ نہیں ہے۔ لیکن ہم تیرے احکامات کی پابندی کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا تم کچھ وقت میرے ساتھ گزار سکتے ہو۔؟''

''ہاں...... ہم پوری زندگی تیرے ساتھ گزار سکتے ہیں۔ کیونکہ اب ہماری بستی ہمارے لئے اجنبی ہو چکی ہے۔''

''کیا تم اس وادی میں خوف محسوس کرتے ہو۔؟''

''ہاں۔ اگر تو ان علاقوں سے اجنبی ہے تو جان لے، یہ وادی موت کی وادی ہے۔ کیونکہ یہاں وہ بھیانک طاقت رہتی ہے جس کا نام نمیون ہے۔ آہ۔ اس کے نام کے ساتھ ہی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ دیوتا ہمیں نمیون کی شکل نہ دکھائے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''خوب۔ تو آؤ...... بلندیوں پر چلیں...... اور وہاں چل کر گفتگو کریں۔'' میں نے پیشکش کی۔

''اس سے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔ تاہم یہاں سے نکل چلنا ہی بہتر ہے۔'' انہوں نے کہا اور ہم نے واپسی کا سفر شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اوپر پہنچ گئے۔

اہانیہ کے چہرے سے نقاہت ٹپک رہی تھی۔ ظاہر ہے رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، تھکی ہوئی تھی، بھوکی تھی۔ یوں بھی وہ دبلی پتلی کمزور لڑکی تھی، اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی تھی اس لئے کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی لیکن اوپر آ کر وہ زمین پر بیٹھ گئی۔

''سنو۔'' میں نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔'' کیا یہاں یا کچھ دور کے علاقے میں خوراک کا کوئی بندوبست ہو سکتا ہے۔ میری عورت بھوکی ہے اور بھوک سے نڈھال ہے۔''

ان لوگوں نے کچھ سوچا سہمے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے دو آدمی بیک وقت بولے۔'' میں جاتا ہوں۔ میں جاتا ہوں۔''

''تم دونوں جاؤ۔ اور کوئی بندوبست ہو سکے تو ضرور کرو۔''

ان دونوں نے گردن ہلا دی اور پھر وہ ایک سمت دوڑ پڑے۔ میں ان کے بھاگنے کے انداز کو دیکھ رہا تھا۔ وہ یقیناً دنیا کے تیز ترین دوڑنے والے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

''وہ خوراک کہاں تلاش کریں گے۔؟'' میں نے کہا۔

''ان چٹیل پہاڑوں میں۔ کالے خرگوش اکثر مل جاتے ہیں۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''لیکن ہتھیار۔ ان کے پاس ہتھیار کہاں ہیں؟''

''اوہ۔ ہم دوڑ کر ان خرگوشوں کو پکڑ سکتے ہیں۔ وہ دونوں یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔''

''خوب۔'' میں نے تعریفی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں جس انداز میں دوڑتے ہوئے غائب ہوئے تھے اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ دوڑنے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے لیکن ایک اور خیال بھی تھا۔ ممکن ہے وہ لوگ اس طرح زندگی بچ جانے کو غنیمت سمجھیں اور واپس آنے کی کوشش نہ کریں۔

سورج بلند ہوتا جا رہا تھا۔ گو اس میں ابھی زیادہ حدت نہیں پیدا ہوئی تھی لیکن اندازہ ہوتا تھا کہ جب سورج بلند ہو گا تو بہت سی مشکلات منہ کھول دیں گی۔ میں صرف اہانیہ کے لئے فکر مند تھا۔ جو درحقیقت ایک مسئلہ بن گئی تھی۔ اگر میں اسے ساتھ نہ لاتا تو بہتر تھا۔ بہر حال جو کچھ ہو چکا تھا

اسے ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ ہم جانے والوں کا انتظار کرتے رہے پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دونوں واپس آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں چار سیاہ خرگوش لٹکے ہوئے تھے جو زندہ تھے۔ انہوں نے ان کی ٹانگیں پکڑی ہوئی تھیں۔ بہرحال اس سے اندازہ ہو گیا کہ وہ لوگ وفادار تھے۔

خرگوش آ گئے تھے لیکن اب انہیں بھوننے کا مسئلہ تھا۔ تاہم میرے ذہن میں ایک اور بات آئی۔ میں نے اہانیہ کی طرف دیکھا۔

''اہانیہ۔''

''آشورے۔'' اس نے جیتے جاگتے لہجے میں جیسے اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔

''کیا تم کچے خرگوش کھا سکو گی۔؟''

''کچے۔؟ آشورے...... مگر...... مجھے، مجھے تو بھوک نہیں ہے۔''

''اگر میں تم سے کہوں اہانیہ کہ ہم خرگوش کا کچا گوشت کھائیں گے تو کیا تم انکار کر دو گی۔؟''

''نہیں، نہیں آشورے۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولی۔

''تب ٹھیک ہے۔ پہلے تم ایک خرگوش کھا لو۔ اس کے بعد ہم دوسرا پروگرام بنائیں گے۔'' میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گئی۔ گو بھی اس کی بھوک انتہا کو نہیں پہنچی تھی لیکن اصل میں میرے ذہن میں کوئی صحیح بات نہیں آئی تھی۔ وہ پانچوں سہمے ہوئے تھے۔ اس علاقے سے نکل بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر میں انہیں یہاں روکنے کی کوشش کرتا تو ممکن ہے وہ میری بات نہ مانتے اور میں انہیں ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں اس پراسرار نیمون کو تلاش کرنا چاہتا تھا جو نہ جانے کیا تھا۔

بہرحال ...... یہ علاقہ میں نے ذہن نشین کر لیا تھا۔ میں دوبارہ بھی یہاں آ سکتا تھا۔ اس وقت اہانیہ کو واپس پہنچا دینا اہم مسئلہ تھا کیونکہ بہرحال وہ میری پسندیدہ عورت تھی۔

زمانۂ قدیم کا انسان نہ انہوں نے دیکھا، نہ اہانیہ نے۔ لیکن میں نے ان کے سامنے ابتدائی دور لوٹا دیا۔ میں نے ایک زندہ خرگوش کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اسے درمیان سے چیر دیا۔ خون کی دھار بہنے لگی جس سے میں نے منہ لگا دیا۔ میں مزے سے خرگوش کا خون پی رہا تھا۔ وہ لوگ بھی اچھل پڑے تھے جو میرے لئے خرگوش لائے تھے اور ان کی نگاہوں میں دہشت ابھر آئی۔ پھر میں نے دانتوں سے خرگوش کی کھال ادھیڑی اور اسے تھوک دیا۔ اسکے بعد بے کار آلائش صاف کر کے میں نے خرگوش کی ہڈیاں تک چبا ڈالیں۔

اور پھر اہانیہ کی طرف دیکھا۔ وہ سہمے ہوئے انداز میں مسکرا دی تھی۔ تب میں نے دوسرے خرگوش کی ٹانگیں چیریں اور اہانیہ نے آنکھیں بند کر کے خون سے منہ لگا دیا۔ اس کے چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے تھے لیکن میں اس کا محبوب، اسی میں خوش تھا اس لئے اس نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا البتہ ہمیں دیکھنے والوں نے منہ پھیر لئے تھے۔

لیکن بہرحال اہانیہ کے جسم میں غذا پہنچ گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اس کی حالت بہتر ہو گئی۔ تب میں نے اپنے دوستوں کا شکریہ ادا کیا اور ان سے ان کے نام پوچھے۔

اپیلو...... واکے...... اور ایسے ہی دوسرے نام تھے ان لوگوں کے۔ میں نے ان سے پوچھا۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے دوستو۔ کہاں جانا چاہتے ہو؟''

''ہم پانچوں کسی اجنبی بستی کی تلاش میں نکلیں گے۔ اگر ملکہ شیمونا کے ہاتھ لگ گئے تو دوبارہ ہمارے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا...... اور اگر...... نیمون مل گیا تو...... بہرحال جو دیوتاؤں نے ہمارے لئے طے کیا ہے۔'' ہافو نے کہا۔

''تب پھر کیوں نہ تم میرے ساتھ شریک رہو۔ میں تمہیں اپنی بستی میں لے جاؤں گا۔''

''تمہاری بستی؟'' وہ پانچوں چونک پڑے۔

''ہاں۔ جنگلوں کے اس پار جہاں پانی کی وسیع و عریض چادر پھیلی ہوئی ہے۔ ہماری بستی ہے۔''

''اوہ۔ اوہ۔ تم وہاں رہتے ہو لیکن وہ علاقہ تو نیمون کا ہے۔ ہمارے لوگ تو ادھر کا نام سن کر کانپتے ہیں۔ سنا ہے نیمون وہاں غسل کرنے جاتا ہے۔'' وہ خوفزدہ انداز میں بولے۔

''ہاں۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ لیکن تمہارا نیمون ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چلو تم میرے ساتھ چلو۔ تمہیں وہاں نیمون بھی نہیں ملے گا اور تم ملکہ سے بھی محفوظ رہو گے۔''

''کیا تمہارے ساتھ دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں۔؟'' واکے نے پوچھا۔

''ہاں۔ اور ہم میں سے کسی کو نیمون نے نقصان نہیں پہنچایا۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

''کسی اجنبی بستی کی تلاش میں بھٹکنے کے بجائے اگر ہم تمہارے ساتھ ہی چلیں تو ٹھیک ہے۔ ہاں ہم سب تیار ہیں۔ ہم تمہارے غلام ہیں۔ تمہارے لئے سب کچھ کریں گے۔''

''تب پھر آؤ۔'' میں نے کہا اور واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ وہ سب ہمارے ساتھ تھے۔ اور ہماری رفتار بہت تیز تھی۔ میں نے اپانیہ کو حسب معمول کندھوں پر لاد لیا تھا اور وہ مجھ سے اور دوسرے لوگوں سے شرما رہی تھی۔

''تمہاری بستی کہاں ہے۔؟'' راستے میں، میں نے پوچھا۔

''بہت دور...... نیمون کے سائے سے دور...... وہ کبھی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔''

''کیا تم کاشت کرتے ہو۔ زمین سے اناج اور ترکاریاں اگاتے ہو۔؟''

''ہاں۔ ہم اپنی غذا خود پیدا کرتے ہیں۔''

''کیا تمہارے پاس دودھ دینے والے مویشی ہیں؟''

''ہاں۔ ہم ان کا دودھ استعمال کرتے ہیں۔''

''خوب۔ تمہاری بستی میں کتنے لوگ ہیں۔؟''

''لاتعداد۔ ان کا شمار مشکل ہے۔''

''کیا تم مکان بنا کر رہتے ہو۔؟''

''ہاں۔ ہمارے مکان لکڑی سے بنائے جاتے ہیں۔''

''خوب۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم ترقی یافتہ ہو۔ کیا تمہاری بستیاں دور دور ہیں۔؟''

''ہاں۔ وہ پہاڑوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ سب ملکہ شیمونا کے وفادار ہیں۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''ملکہ شیمونا کس قسم کی عورت ہے؟''

''وہ بہت بڑی جادوگر ہے۔ اس کا تعلق براہ راست دیوتاؤں سے ہے۔ اس کے قہر و جلال سے سب ڈرتے ہیں۔ ہم سب نکلے چاند کی پہلی رات اس کے درشن کرتے ہیں۔ اس کے بعد پورے ایک ماہ تک وہ مقدس تاریکیوں میں رہ کر احکامات جاری کرتی ہے لیکن اسے ایک ایک بات کا علم ہوتا ہے۔ تاریکیاں اس کے لئے روشن ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھ لیتی ہیں۔''

''کیا تم لوگوں کو کسی قسم کی سزا ملی تھی۔؟''

''ہاں۔ ہم قیدی تھے اور تین چاند کے بعد پانچ قیدی نیمون کیلئے تحفتاً بھجوائے جاتے ہیں۔ اس بار ہماری باری آ گئی۔''

''تم قیدی کیوں تھے۔؟''

''ہم نے مقدس ہیگے کی توہین کی تھی۔''

''ہیگے کون ہیں۔؟''

''ہیگے بہت سے ہوتے ہیں۔ سب کے سب ملکہ کے خادم۔ وہ تاریکیوں کے محافظ ہوتے ہیں اور ملکہ انہیں کے ذریعے احکامات صادر کرتی ہے۔''

''تم نے ہیگے کی کیا توہین کی تھی۔؟''

''ہم پانچوں ایک زمین پر کام کر رہے تھے۔ ایک ہیگہ ادھر آ نکلا۔ ہم کاموں میں ایسے مصروف تھے کہ ہم اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا بھول گئے۔ بس ہمیں قید کر لیا گیا۔''

''اوہ۔'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ میں اس بستی کے حالات سمجھ رہا تھا۔

''کیا ملکہ شیمونا کا کوئی شوہر نہیں ہے۔؟''

''نہیں۔ اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ کنواری رہتی ہے اور جب وہ مر جاتی ہے تو ہیگے اس کی لاش تاریک قید خانے میں رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ دیوتاؤں سے دوسری شیمونا مانگتے ہیں۔ اور مقدس روشنی جس عورت کو حلقے میں لے لیتی ہے وہی شیمونا بن جاتی ہے۔''

''بہت دلچسپ، بہت عمدہ۔ کیا تمہارے ہاں سپاہی بھی ہوتے ہیں۔؟''

''محافظ۔ ہاں محافظ ہوتے ہیں اور یہ وہی تھے جو ہمیں نیمون کے حوالے کر گئے تھے۔''

''اب نیمون کی بات کرو۔ وہ کون ہے۔ کیا ہے؟ کیا تم میں سے کسی نے اسے دیکھا ہے۔؟''

"نہیں۔ دیوتا اسے دیکھنے سے قبل ہماری آنکھوں کی بینائی چھین لیں۔ وہ بہت خوفناک ہے!"

"تم نے اس کے بارے میں سنا ہے۔؟"

"ہاں۔"

"کیا سنا ہے۔ مجھے بتاؤ۔"

"وہ سیاہی کا پہاڑ ہے۔ چلتا ہے تو درخت اکھڑ کر گر پڑتے ہیں، گرجتا ہے تو بجلیاں چمکنے لگتی ہیں...... ان کے دو ہاتھ ہیں...... دو پاؤں ہیں...... وہ انسانوں کی مانند دیکھ سکتا ہے...... سن سکتا ہے...... دوڑ سکتا ہے۔ بہت خوفناک ہے وہ...... بہت خوفناک ہے۔" داکے نے خوفزدہ انداز میں بتایا اور میرے ذہن میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔ وہ سیاہی کا پہاڑ ہے۔ چلتا ہے تو درخت اکھڑ کر گر پڑتے ہیں۔ کچلے ہوئے درختوں کے درمیان کا راستہ میں خود دیکھ چکا تھا۔ کیا نموں وہی پراسرار وجود ہے جس کا مجھے شبہ ہوا تھا لیکن وہ مجھے کیوں نہیں نظر آیا۔ آج تک وہ کہاں روپوش رہا؟ اور وہ ہے کیا شے۔؟

لیکن یہ خوفزدہ لوگ اس سے زیادہ اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے تھے۔ ملکہ شیمونا کے بارے میں بھی انہوں نے جو کچھ بتایا تھا وہ بہت دلچسپ تھا۔ بھلا میں جادوگرنی سے ملے بغیر کیسے رہ سکتا تھا لیکن اپنی دلچسپیوں اور اپنی تفریحات سے زیادہ مجھے پوکاس اور اس کے ساتھیوں کی فکر تھی۔ وہ خوفناک بلا جسے یہ لوگ نیمون کا نام دیتے ہیں کسی وقت سمندر کی جانب رخ نہ کر لے۔ اگر وہ ادھر نکل آئی تو میری آباد کی ہوئی خوبصورت بستی اجڑ جائے گی۔

ہم چلتے رہے...... اور ہمارا علاقہ شروع ہو گیا۔

"دیوتاؤں کی قسم۔ یہ نیمون کی سرزمین ہے۔ خوف کا دیوتا یہیں رہتا ہے۔ اس کے بارے میں یہی کہا گیا ہے۔" ابلو نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ داکے۔" میں نے داکے سے کہا اور وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "نیمون مرتا نہیں ہے۔؟ یہ کب سے زندہ ہے۔؟"

"صدیوں سے...... ہماری نسلیں اسے دیکھتی آئی ہیں۔؟"

"کیا اس کی کیفیت بھی شیمونا جیسی تو نہیں ہے...... ایک مر جاتا ہو تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہو۔؟"

"نہیں...... ہرگز نہیں...... اسے موت نہیں ہے...... وہ تنہا ہے ایک کے علاوہ کبھی دوسرے کو نہیں دیکھا...... وہ کبھی نہیں مرتا...... وہ کبھی نہیں مرے گا۔ یہی ہمارے بڑوں کی پیش گوئی ہے۔"

"ہوں......" میں نے گہری سانس لی...... دور سے سمندر کی نم ہوائیں آنے لگیں تھیں۔ میں اپنی بستی کے قریب پہنچ رہا تھا...... اہانیہ اب بھی میرے کندھے پر تھی اور خوب مزے میں تھی۔ لیکن اس بے وقوف کا خیال تھا کہ شاید میرے کندھے دکھ گئے ہوں گے اس کے خیال میں، میں نے اس کے لئے تکلیف اٹھائی تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے پروفیسر...... کہ بعض اوقات مجھے یاد بھی نہ رہا تھا کہ وہ میرے کندھے پر سوار ہے۔

بستی کے قریب آتے ہی اس نے مچلنا شروع کر دیا۔ "آشورے، آشورے...... اب مجھے اتار دو...... میں بالکل ٹھیک ہوں...... میں بستی میں ایسے نہیں داخل ہوں گی۔"

"کیوں......؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس، میں لوگوں پر نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتی کہ میں اتنی کمزور اور بودی ہوں۔" اس نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے اسے

نیچے اتار دیا...... دور سے ہمارے ساتھیوں نے ہمیں آتے دیکھ لیا تھا۔ پوگاس زور زور سے چیختا ہوا ہماری طرف دوڑا...... اور دا کے وغیرہ سہم گئے۔

"دیوتاؤں کی قسم۔ نیموں کی سرزمین میں بھی انسان بستے ہیں۔؟ کیا یہ تمہارے ساتھی ہیں آشورے۔؟"

"ہاں...... یہ میرے ساتھی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ پوگاس وغیرہ دوڑتے ہوئے ہمارے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ دوسرے لوگ حیرت سے نئے آنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں تعجب تھا کہ میں ان اجنبی انسانوں کو کہاں سے پکڑ لایا...... اور بغیر رسی کے یہ قیدی کیسے ہیں...... لیکن کسی نے ان کے سامنے کوئی سوال نہیں کیا۔

تب میں نے پوگاس سے کہا۔ "پوگاس...... فی الحال یہ ہمارے مہمان ہیں اس کے بعد ممکن ہے یہ ہمارے ساتھی بن جائیں۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔؟"

پوگاس نے میری ہدایت دوسروں تک پہنچادی۔ دا کے وغیرہ میرے ممنون ہو گئے تھے۔ ابانیا اپنے مکان کی طرف چل پڑی اور ہم سب مہمانوں کے ساتھ۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس صرف پوگاس اور دوسرے چند ذہین لوگ رہ گئے تھے۔

"کیا یہ ڈھول والوں میں سے ہیں آشورے۔ کیا تو نے آوازوں کا راز معلوم کر لیا۔؟"

"ہاں...... یہ انہیں میں سے ہیں اور آوازوں کا راز بہت ہی دلچسپ ہے۔" میں نے کہا۔

"ہمیں بتاؤ آشورے۔ ہم بھی ان کے بارے میں جاننے کے لئے سخت بے چین ہیں۔" پوگاس نے کہا۔

"کیا تمہیں اس ویرانے میں...... ان اجنبی لوگوں کی موجودگی سے حیرت نہیں ہوئی جبکہ ہم دور دور تک انسان تو کجا جانور بھی تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔"

"ہاں۔ ہمیں سخت حیرت ہے۔"

"دراصل...... ہم نے تلاش کا دائرہ محدود رکھا تھا۔ اگرچہ ہم مزید کچھ نکل جاتے تو ہمیں ایک دلچسپ آبادی مل جاتی۔ یہ ملکہ شیموتا کی حکومت ہے اور اس کے بارے میں مجھے ان لوگوں سے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے۔" میں نے من وعن وہ تفصیل ان لوگوں کو بتادی۔ جو مجھے دا کے اور دوسرے لوگوں سے معلوم ہوئی تھی۔ میں نے بغیر پس وپیش کے پراسرار نیموں کے بارے میں بھی بتادیا اور ان لوگوں سے کہہ دیا کہ نیموں کسی بھی وقت ہمارے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔

پوگاس تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

(اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔)